پانچ بزرگ علماء

علامہ حافظ کفایت حسینؒ، علامہ رشید ترابیؒ

علامہ سید علی نقی نقویؒ، علامہ سید اظہر حسن زیدیؒ

علامہ سید ظفر حسن امروہویؒ

کے بیان کردہ مصائبِ اہلِ بیتؑ

پر مشتمل ایک جامع کتاب

# روایاتِ عزا

**تالیف**

حجۃ الاسلام علامہ عابد عسکری، فاضل قم

**ناشر**

المعراج کمپنی، لاہور، پاکستان۔

پانچ بزرگ علماء

علامہ حافظ کفایت حسینؒ، علامہ رشید ترابیؒ

علامہ سید علی نقی نقویؒ، علامہ سید اظہر حسن زیدیؒ

علامہ سید ظفر حسن امروہویؒ

کے بیان کردہ مصائبِ اہلِ بیتؑ

پر مشتمل ایک جامع کتاب

# روایاتِ عزا


**تالیف**

حجۃ الاسلام علامہ عابد عسکری، فاضل قم



**ناشر**

المعراج کمپنی، لاہور، پاکستان۔

| | | |
|---|---|---|
| نام کتاب | : | روایاتِ عزا |
| مؤلف | : | حجۃ الاسلام علامہ عابد عسکری فاضل قم |
| طبع اوّل | : | مارچ ۲۰۰۴ء |
| تعداد | : | ایک ہزار |
| قیمت | : | |
| مطبع | : | صابرہ پریس۔ ار موہنی روڈ، لاہور |
| ناشر | : | المعراج کمپنی۔ لاہور |
| وضاحت | : | ہماری تمام مطبوعات کے مصنف، مولف، مترجم، کاتب، کمپوزر اور ڈیزائنر کے حقوق باقاعدہ ادا کئے جاتے ہیں۔ لہٰذا جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔ |

ملنے کا پتہ

**کریم پبلی کیشنز**

سمیع سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور۔ فون نمبر ۷۲۲۲۷۷۲۱

بسم الله الرحمن الرحيم

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی

مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّد

# فہرست

❁❁❁

# انتساب و سلامِ عقیدت

یہ کتاب میں اپنے اُستادِ محترم علامہ غلام حسن نجفی صاحب قبلہ، پرنسپل باب النجف جاڑا، ڈیرہ اسماعیل خان کے نام منسوب کرتا ہوں، اِس شکریہ کے ساتھ کہ قبلہ اُستادِ محترم نے نعمتِ علم دے کر مجھ پر جو احسان کیا ہے، وہ میں زندگی بھر ادا نہیں کر سکتا۔

اِس اعتراف کے ساتھ کہ آج میں جو کچھ بھی ہوں یا جو کچھ میرے پاس ہے، یہ سب کچھ اُستاد صاحب قبلہ کے دستر خوانِ علم سے چنا ہوا ہے۔

اِس دعا کے ساتھ کہ خداوند کریم حضرت محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کا صدقہ، قبلہ اُستاد غلام حسن نجفی صاحب کا بابرکت سایہ ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے۔ بلاشبہ موصوف عابد و زاہد، متقی اور پرہیزگار عالمِ دین ہیں۔

میں سلام پیش کرتا ہوں باب النجف جاڑا کو کہ جس کی طویل و عریض عمارت اور شرافت سے معمور ماحول میں مَیں نے تعلیم حاصل کی ہے۔ اُس مسجد کو سلام جہاں میں اذان دیا کرتا اور نماز اور قرآن مجید پڑھا کرتا تھا۔ کس قدر وہ ایمان افروز، روح پرور ماحول تھا۔ ڈیرہ اسماعیل خان کے جوار میں واقع یہ قصبہ چاروں طرف سے نہروں میں گھرا ہوا ہے۔ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ دکھائی دیتا ہے۔ اس کے باغات کا اپنا ایک بانکپن ہے۔ یہاں کے لوگ نمازی، مذہبی اور مخلص ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس مدرسہ اور اس قصبہ کو تا قیامت قائم و دائم رکھے، آمین ثم آمین۔

دعا گو

عابد عسکری

۞۞۞

# حرفِ ناشر

کتاب ''روایاتِ عزا'' پیش خدمت ہے، اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان پانچ بزرگ علمائے کرام کے بیان کردہ مصائب پر مشتمل جامع کتاب سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ جیسا کہ اس کتاب کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ روایتوں پر مشتمل ہے۔ علامہ سید کفایت حسینؒ، علامہ رشید ترابیؒ، علامہ سید علی نقی نقویؒ، علامہ سید اظہر حسن زیدیؒ، علامہ سید ظفر حسن امروہویؒ، یہ پانچوں بزرگ علماء چوٹی کے مقرر وخطیب تھے۔ ان بزرگوں کو دنیائے خطابت میں جو مقام حاصل ہے، وہ اور کسی کو نہیں ہے اور نہ ہی اب تک اُن جیسا کوئی خطیب پیدا ہو سکا ہے۔

اس کتاب کو ملک کے نامور قلمکار علامہ عابد عسکری، فاضل قم نے اپنے ایک خاص انداز کے ساتھ ترتیب دیا ہے۔ بلاشبہ ذاکرین، واعظین، طلبہ وطالبات، مؤمنین ومؤمنات کیلئے ایک عظیم دینی تحفہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آلِ محمدؐ پر جو مظالم ڈھائے گئے ہیں، نہ اُن کو زبان بیان کرسکتی ہے اور نہ اُنہیں حیطۂ تحریر میں لایا جاسکتا ہے۔ وہ مصائب جن کے بارے میں جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا خود فرماتی ہیں کہ اگر یہ مصائب پہاڑوں پر پڑتے تو وہ ریزہ ریزہ ہوجاتے اور دنوں پر پڑتے تو وہ سیاہ راتوں میں بدل جاتے۔

ہماری کیا جرأت ہے کہ زبانِ صدق سے نکلے ہوئے کلمات کے سامنے کچھ اظہار کرسکیں، تاہم جو یہ روایات بیان کی گئی ہیں، واقعتاً وہ غم والم میں ڈوبی ہوئی ایک پُرسوز، پُردرد مصائب کی عکاس ہیں۔

ان متذکرہ بالا مرحوم علمائے کرام نے جس انداز اور جس طریقے سے روایاتِ مصائب کو بیان کیا ہے، وہ اپنی نوعیت کی منفرد روایات ہیں۔ ان کو پڑھتے ہی بے ساختہ آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے ہیں۔ انسان جوں جوں مصائب پڑھتا جاتا ہے، اشکوں کی روانی میں اوراضافہ ہوتا جاتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ بزرگ علمائے کرام مصائب پڑھ رہے ہیں اور آپ سن رہے ہیں۔

جس طرح انتہائی عقیدت اور خلوص کے ساتھ مصائبِ آلِ محمد کو بیان کیا گیا ہے، اُسی خلوص وعقیدت کے ساتھ ان کو مرتب کر کے شائع کیا گیا ہے۔ ہمارے نزدیک ہندوپاک اور ایران وعراق میں اپنی نوعیت کی یہ پہلی کتاب ہے۔ علامہ عابد عسکری صاحب کے بقول ''میں نے اب تک کافی کتابیں لکھی ہیں لیکن جس خلوص سے مَیں نے اس کتاب کو لکھا ہے، اتنا اور کسی کو نہیں لکھا۔ ماشاءاللہ یہ بہت ہی منظوری اور مقبولیت والی کتاب ہے''۔ اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر ہم نے حتی الامکان اس کی ترتیب واشاعت وطباعت میں بہت زیادہ محنت کی ہے۔ اُمید کی جاتی ہے کہ ہمارے محترم قارئین اس گرانقدر کتاب کو بے حد پسند کریں گے (انشاءاللہ)۔

اس سلسلہ میں جن احباب نے ہمارے ساتھ تعاون کیا ہے، ہم اُن کیلئے بھی دعا گو اور شکرگزار ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو آباد و شاد اور دینِ مبین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔

شیخ محمد امین، لاہور۔

## پہلا باب

# روایات

منقول از

رئیس الحفاظ

علامہ حافظ سید کفایت حسینؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# وفاتِ حضرت فاطمۃ الزہراؑ

جنابِ سیدہؑ، جن کے بارے میں جنابِ رسولِ خداؐ نے بار بار ارشاد فرمایا:

''فاطمہؑ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، جس نے اُسے غضبناک کیا، اُس نے مجھے غضبناک کیا اور جس نے مجھے غضبناک کیا، اُس نے خدا کو غضبناک کیا''۔

وہ فاطمہؑ ــــــ جس کی تعظیم کیلئے جنابِ رسالتمآبؐ کھڑے ہو جاتے تھے اور اُنؑ کو اُس جگہ پر بٹھاتے تھے جہاں خود تشریف فرما ہوتے تھے۔ وہی فاطمہ تھیں ــــــ اور باپ کے اس عالمِ ظاہر سے رخصت ہونے کے تھوڑے دنوں بعد والد کی قبر پر فریاد کر رہی تھیں:

''بابا! میں اب وہ فاطمہؑ نہیں رہی، بابا! آپؐ کے بعد مجھ پر وہ مصائب پڑے جو اگر دنوں پر پڑتے تو وہ تاریک راتوں میں تبدیل ہو جاتے''۔

زمانے نے کچھ ایسا سلوک کیا کہ سیدہؑ باپ کی یاد اور چند لوگوں کے طرزِ عمل کی وجہ سے ہمہ وقت گریاں رہتی تھیں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ جنابِ فاطمہ زہرؑا کے گھر پہنچ کر اُنہیں باپ کا پُرسہ دیا جاتا، کچھ تسلی دی جاتی۔ میں کیا عرض کروں، اُلٹا یہ ہوا کہ لوگوں نے جنابِ امیرؑ کے پاس آکر یوں کہنا شروع کیا کہ یا علیؑ! سیدہؑ سے کہیں کہ اپنے رونے کا کوئی وقت مقرر کر لیں، اُنؑ کے رونے کی آواز سے ہمارا راتوں کا آرام اور دن کا چین ختم ہو گیا ہے۔

آخر کار ہوا یہ کہ جنابِ امیرؑ نے جنت البقیع میں ایک چھوٹا سا شامیانہ نصب کر دیا جسے ''بیت الحزن'' کہا جانے لگا۔ جنابِ سیدہؑ صبح کی نماز کے بعد حسنینؑ شریفین کو ساتھ لیتیں اور بیت الحزن تشریف لے جاتیں، وہیں سارا دن عبادتِ خدا بھی کرتیں اور باپ کو یاد کر کے رویا بھی کرتی تھیں۔ ایک روز جنابِ امیرؑ نے دیکھا کہ جنابِ سیدہؑ نے آٹا گوندھ رکھا ہے، بچوں کو نہلا کر کپڑے پہنا دیئے ہیں اور گھر کے دیگر کاموں میں مصروف ہیں۔ جنابِ امیرؑ نے پوچھا:

''اے رسولِ خداؐ کی دخترؑ! کیا وجہ ہے کہ آج آپؑ بڑی دلچسپی سے دنیاوی کاموں میں منہمک ہیں؟''

فرماتی ہیں: ''یا ابا الحسنؑ! آج میں اپنے رب سے ملاقات کرنے والی ہوں، چونکہ آپ میری تجہیز و تکفین میں مشغول ہو جائیں گے، میں نے سوچا کہ ہوسکتا ہے کہ میرے بچوں کا کسی کو خیال نہ رہے، لہٰذا میں نے بچوں کے کپڑے تبدیل کر دیئے ہیں اور کھانا بھی تیار کر دیا ہے''۔

کچھ دیر کے بعد جنابِ سیدہؑ اپنے حجرۂ عبادت میں تشریف لے گئیں۔ اُمِ ایمن سے فرمایا کہ کچھ دیر کے بعد مجھے آواز دینا، اگر

جواب نہ آئے تو سمجھنا کہ میں اپنے رب کے پاس پہنچ چکی ہوں۔ مختصر یہ کہ جنابِ سیدہؑ کا انتقال ہوا۔ جنابِ امیرؑ آئے، سیدہؑ کو وصیت کے مطابق غسل دیا، کفن پہنایا، روتے ہوئے کہا:

''یارسولؐ اللہ! مجھے افسوس ہے، آپ کی امانت جس طرح میرے پاس آئی تھی، میں اُسی حالت میں نہیں لوٹا رہا۔ پہلو زخمی ہے، کیا کروں؟ آپ کی ہدایت ہے کہ صبر کے ساتھ سب کچھ برداشت کروں''۔

جب میت تیار ہوئی، جنابِ امیرؑ نے بچوں کو آواز دی کہ آؤ بچو! ماں کا آخری دیدار کرلو۔ امام حسنؑ آئے، کچھ دیر ماں کو دیکھ کر روتے رہے۔ امام حسینؑ کہنے لگے:

''اماں! میں حسینؑ ہوں، مجھ سے باتیں کرو۔ میرا دل پھٹ جائے گا، مجھے پیار کرو''۔

عزادارانِ حسینؑ! جنابِ سیدہؑ کے ہاتھ نمودار ہوئے، حسینؑ کو سیدہؑ نے سینے سے لگالیا۔ ہاتف غیبی کی آواز آئی: یاعلیؑ! حسینؑ کو الگ کرلیں ورنہ قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ امیرالمؤمنینؑ نے امام حسینؑ کو ماں سے جدا کیا۔ جنابِ زینبؑ واُمِ کلثومؑ نے بھی ماں کو الوداع کہا اور پھر رسولؐ کی پیاری خدا کی کنیز خاص، خاتونِ جنت کا جنازہ شب کی تاریکی میں اُٹھا۔ گنتی کے چند دوست ہمراہ تھے اور پھر زمانہ کی ستم ظریفی ملاحظہ فرمائیں، پُرآشوب دور کا تصور کریں، جنابِ امیرؑ کو سیدہؑ کی قبر چھپانی پڑ گئی۔ ایک نہیں بلکہ کئی قبروں کے نشان بنائے گئے تاکہ یہ پتہ نہ چل سکے کہ سیدہؑ کی قبر کونسی ہے؟

❁❁❁

# شہادتِ مسلم بن عقیلؑ

حضرت امام علیہ السلام دربارِ ولید کی طرف روانہ ہونے لگے تو بنی ہاشم کے جوانوں نے کہا کہ آقا! ہم آپؑ کو اکیلا تو نہیں جانے دیں گے۔ چنانچہ جنابِ عباسؑ، جنابِ علی اکبرؑ، جنابِ قاسمؑ اور بنی ہاشم کے جوان امام علیہ السلام کے ساتھ چل پڑے۔ جب دروازہ پر پہنچے تو آپؑ نے فرمایا کہ دیکھو! مجھے تنہا بلایا ہے۔ تم میرے ساتھ اندر نہ آؤ۔ اگر میری آواز بلند ہو تو تم آ جانا۔ چنانچہ یہ سب کھڑے ہو گئے۔ امام حسین علیہ السلام اندر تشریف لے گئے۔ ولید کے ساتھ مروان بھی بیٹھا ہوا تھا۔ حاکمِ مدینہ نے وہ خط آپؑ کو دکھایا جس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ یزید کا باپ مر گیا ہے اور یزید کا یہ حکم ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ بھئی دیکھو! اس قسم کی چیزیں پوشیدہ نہیں ہونی چاہئیں۔ جو کچھ بھی ہو، اعلانیہ ہونا چاہئے تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ کس کی کیا رائے ہے۔ اُس نے کہا کہ بات تو آپؑ معقول فرما رہے ہیں۔ اچھا تو آپؑ جا سکتے ہیں۔ امام حسینؑ اُٹھنے لگے تو مروان نے یہ کہا: دیکھو ولید! حسینؑ اگر اس وقت چلے گئے تو پھر تیرے ہاتھ کبھی نہ آئیں گے۔ ابھی انؑ کو گرفتار کر لے یا قتل کروا دے۔ امام حسین علیہ السلام نے جب یہ بات اُس کی زبان سے سنی تو ایک مرتبہ آپؑ نے فرمایا:

''ایسی عورت کے بیٹے جو اپنے وقت میں نیک نام نہ تھی، تیری مجال ہے کہ تو مجھے گرفتار کر سکے یا قتل کر دے؟''

اِس فقرے میں آواز بلند ہوگئی اور باہر جو جوان کھڑے تھے، اُن کے کانوں تک پہنچ گئی اور ایک مرتبہ بنی ہاشم اندر داخل ہو گئے۔ سب سے آگے عباس علیہ السلام تھے۔ عجیب انداز ہے، تیوریاں چڑھی ہوئیں، آپؑ نے آتے ہی کہا: مولاؑ! بات کیا ہوئی؟ آپؑ نے فرمایا: عباسؑ! کچھ نہیں، چلو میں بھی چل رہا ہوں۔ کس کی مجال تھی کہ جو زبان سے کوئی لفظ بھی کہہ سکے۔

خیر! امام علیہ السلام نے تیاریاں کیں۔ اپنے عزیزوں کو جمع کیا اور ان کو جانے کیلئے تیار ہونے کا حکم دیا۔

امام حسین علیہ السلام نے جانے کی تیاری مکمل کر لی۔ آخر میں ابن عباس پھر آئے۔ چونکہ یہ مخلص تھے، اس لئے پھر کہنے لگے: فرزندِ رسولؐ! آپؑ کیوں جا رہے ہیں؟ اُدھر نہ جائیے۔ مدینہ چلے جائیے۔ کوفے کے لوگ تو کبھی کسی کے ساتھ وفا نہیں کرتے۔ امامؑ فرماتے ہیں: بھائی ابن عباسؓ! میں جہاں بھی چلا جاؤں، دشمن میرے ساتھ جائیں گے۔ حتیٰ کہ اگر سوراخِ نمل میں بھی چلا جاؤں تو وہاں بھی میرے دشمن مجھے قتل کرنے کیلئے پہنچ جائیں گے اور اگر مدینے جاؤں تو میرے نانا کے حرم کی بے حرمتی نہ ہو جائے۔ اس لئے کوفے کی طرف جا رہا ہوں اور تم مجھ سے اس کے بعد کچھ نہ کہو۔

انہوں نے پھر اصرار کیا تو امام علیہ السلام نے صرف اتنا کہا: اچھا کل صبح تک تو دیکھو کیا ہوتا ہے۔ صبح ہوئی، ابن عباسؓ نے غلام کو بھیجا، وہ واپس آ گیا۔ اُس نے اپنے آقا سے آن کر کہا کہ امام حسینؑ تو بالکل تیار کھڑے ہیں۔ شہزادیاں ہودجوں میں بیٹھ چکی ہیں۔ آپؑ کے

اصحاب گھوڑوں کی باگیں پکڑے ہوئے صرف حکم کے منتظر ہیں۔ یہ سن کر عبداللہ ابن عباسؓ دوڑتے ہوئے آئے اورانہوں نے آکر کہا: فرزندِ رسولؐ! کیا ارادہ کرہی لیا؟ آپؑ نے فرمایا: ہاں بھئی! اب کچھ نہ کہو۔ رات نانا آئے تھے اور مجھ سے فرما رہے تھے: حسینؑ! تیری قبر کی جگہ تیرا انتظار کررہی ہے۔ ابن عباسؓ وہاں کھڑے ہیں، جہاں ایک اونٹ ہے جس کے ہودج میں جنابِ فاطمہ زہرؑا کی بڑی بیٹی جنابِ زینبؑ بیٹھی ہوئی ہیں۔

اس کے بعد ابن عباسؓ نے کہا کہ اچھا آپؑ جائیے۔ لیکن ان بیبیوں، اِن پردہ داروں کو تو نہ لے جائیے۔ جنابِ زینبؑ کے کان میں جب یہ آواز پہنچی تو آپؑ نے فرمایا: بھائی ابن عباسؓ! یہ کیا بات کہہ رہے ہو؟ کیا میں رُک سکتی ہوں۔ میں اپنے مظلوم بھائی کو کبھی نہیں چھوڑ سکتی۔ چنانچہ یہ قافلہ روانہ ہوگیا۔

حضرت مسلم بن عقیلؑ کو آپؑ نے پہلے سے ہی کوفہ کی طرف روانہ کردیا ہوا تھا اور وہاں جنابِ مسلم نو (۹) ذی الحجہ کو شہید ہوگئے۔ دو بچوں کو ساتھ لے گئے تھے۔ پتہ نہیں کہ وہ کہاں کہاں رہے۔ آخر میں وہ بھی گرفتار ہوگئے۔ قید خانے میں ڈال دیئے گئے۔ چھوٹے بچوں کی عمریں نو (۹) اور دس سال کی تھیں۔ جنابِ مسلمؑ اُنہیں اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ جب امام حسینؑ نے فرمایا: مسلمؑ تم چلے جاؤ میری طرف سے نائب ہوکر کوفے اور وہاں کے حالات سے مجھ کو مطلع کرو۔ تو عرض کرتے ہیں: میں گھر ہو آؤں؟ فرمایا: ہاں، اجازت ہے۔ وہاں سے جو نکلے تو اِن دو بچوں کو لائے اور عرض کرتے ہیں: آقا! یہ میرے ساتھ بڑے مانوس ہیں، اگر اجازت ہو تو ان کو بھی لیتا جاؤں؟

امام حسین علیہ السلام نے بچوں کی شکلیں دیکھیں تو آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ فرماتے ہیں: ہاں بھائی مسلمؑ! ان کو بھی لیتے جاؤ کیونکہ ان کیلئے بھی جگہ معین ہوچکی ہیں۔ جنابِ مسلمؑ وہاں شہید ہوگئے۔ بعد میں یہ بچے بھی دریا کے کنارے شہید کردیئے گئے۔

امام حسین علیہ السلام کوفے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ایک منزل پر نمازِ صبح باجماعت ادا ہوئی۔ نماز کے بعد آپؑ کی حالت یہ ہے کہ سر جھکائے بیٹھے ہیں، کسی سے بات نہیں کررہے۔ اصحاب پریشان ہیں کہ کیا معاملہ ہے۔ آج کیوں پریشان ہیں؟ ایک مرتبہ آپؑ نے خود ہی سر اُٹھایا اور کہا بھائیو! ذرا کوفے کے راستے کی طرف دیکھتے رہو۔ اگر وہاں سے کوئی آنے والا نظر آئے تو میرے پاس لے آؤ۔ چند منٹ کے بعد ایک شخص نے کہا: آقا! مجھے ایک شخص دور سے نظر آرہا ہے کہ اس طرف آرہا ہے اور یہی کوفے کا راستہ ہے۔ آپؑ نے کہا کہ ہاں، اس شخص کو ذرا میرے پاس لے آؤ۔ آنے والے شخص نے دور سے جب قافلے کو اُترتے ہوئے دیکھا اور ایک شخص کو اپنی طرف آتے دیکھا تو راستہ کاٹنا چاہا۔ اتنے میں یہ گھوڑے کو دوڑا کر وہاں پہنچ گیا اور قریب پہنچ کر کہا: بھائی! تم ڈرو نہیں۔ وہ رُک گیا اور کہا کہ کیا بات ہے؟ اُس نے کہا: ہمارا سردار تمہیں بلا رہا ہے۔ اگر تمہیں تکلیف نہ ہو تو ذرا ہمارے سردار کے پاس چلو۔

اُس نے کہا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ اُس نے کہا کہ وہ امیر المؤمنینؑ کے فرزند، نواسۂ رسولؐ، حسین علیہ السلام ہیں۔ یہ جو سنا تو وہ مطمئن ہوگیا اور کہنے لگا کہ میں چلنے کو تیار ہوں۔ چنانچہ دونوں روانہ ہوئے۔ وہ آکر امام علیہ السلام کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ آپؑ نے سر اُٹھایا، فرماتے ہیں: بھائی کدھر سے آرہے ہو؟ اُس نے کہا: مولاؑ! میں کوفے سے آرہا ہوں۔ یہ جو سنا تو اُس کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا۔ اُس نے کہا: مولاؑ! ذرا اُٹھ کر الگ ہوں تو میں کچھ بیان کروں۔ آپؑ نے فرمایا: بھائی! گھبراؤ نہیں، یہ سب میرے اپنے ہیں۔ اُس نے ایک مرتبہ اپنے

سر سے عمامہ اُتار کر زمین پر پھینکا اور کہا: آقا! میرے مولا حسینؑ! میں کوفے سے جب چلا ہوں تو یہ دیکھ کر چلا ہوں کہ مسلمؑ کی لاش کوفے کی گلیوں میں پھرائی جارہی ہے اور مسلمؑ کا سر کوفے کے دروازے میں لٹکا ہوا ہے۔

یہ جو امام حسین علیہ السلام نے سنا تو بے ساختہ آنسو نکل آئے اور رونے لگے۔ تمام اصحاب اور عزیزوں کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد امام علیہ السلام اُٹھے، جنابِ زینب سلام اللہ علیہا کے خیمے میں پہنچے۔ زینبؑ بھائی کو اس طرح دیکھ کر گھبرا گئیں۔ مگر کچھ پوچھا نہیں۔ فرمایا: میری بہن زینبؑ! ذرا مسلمؑ کی بیٹی رقیہ کو لے آؤ۔ یہ بچی پانچ، چھ سال کی تھی۔ جب وہ لائی گئی، آپؑ نے زانو پر بٹھایا، اُس کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا، اُس کو پیار کیا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں: بہن زینبؑ! وہ گوشوارے جو ہم نے کبھی لئے تھے، ذرا ان کو لے آؤ۔ اپنے ہاتھ سے اُس کے کانوں میں گوشوارے پہنائے، سر پر ہاتھ پھیرتے رہے۔ بچی آخر اہلِ بیتؑ کے گھر کی تھی۔ کچھ گھبرا گئی اور پوچھنے لگی: چچا جان! میرے بابا تو زندہ ہیں؟ یہ شفقت تو آپؑ یتیموں کے ساتھ فرمایا کرتے ہیں؟ فرمایا: بیٹی! اگر تمہارا باپ زندہ نہیں تو حسینؑ تو زندہ ہے۔ اس کے بعد حسینؑ کو اپنا باپ سمجھنا۔

ارے مسلمؑ کی بیٹی رقیہ خوش قسمت تھی کہ باپ کا انتقال ہوا تو حسینؑ موجود تھے۔ ہائے سکینہؑ کی قسمت! جب امام حسینؑ دنیا سے اُٹھے تو کسی نے تسلی نہ دی بلکہ شمر کے طمانچے کھائے اِس بچی نے!!

❀❀❀

# شہادتِ حبیب ابن مظاہرؓ

آج میں چاہتا ہوں کہ امام حسین علیہ السلام کے اصحاب کے متعلق کچھ عرض کروں کیونکہ اگر ایسا نہ کروں گا تو مولا امام حسینؑ مجھ سے ناراض ہو جائیں گے کہ میرے باوفا اصحاب کو کیوں بھول گیا، لہٰذا اجمالی حیثیت سے چند فقرے سن لیجئے۔

یہ وہ سب تھے جو بنی ہاشم کے علاوہ تھے۔ امام حسین علیہ السلام نے اُن کو بلایا نہ تھا، سوائے ایک حبیب ابن مظاہر کے، باقی لوگ سب ساتھ ہو گئے تھے، یہ سمجھ کر کہ یہ سفر وہی ہے جس کے بعد آپؑ مدینہ نہ آئیں گے۔ یہ سمجھ کر ساتھ ہوئے تھے کہ حسینؑ مرنے جا رہے ہیں۔ لہٰذا ہم ان سے پہلے مریں گے۔ حبیب ابن مظاہر کو تو جو خط آپؑ نے لکھا تھا، اس کی ضرورت نہ تھی۔ وہ تو آ ہی رہے تھے مگر جنابِ زینبؑ کو فرمائش ہو گئی تھی اور حسینؑ اپنی بہن کا دل رکھنا چاہتے تھے ____ بیٹھے تھے بہن بھائی۔ جنابِ زینبؑ نے عرض کیا: بھیا! چاروں طرف سے فوجیں آ رہی ہیں۔ آپؑ بھی تو اپنے دوستوں میں سے کسی کو لکھ دیجئے کہ وہ آپؑ کی مدد کیلئے آ جائیں تو امام حسینؑ نے فرمایا: اچھا بہن! یعنی آپؑ یہ نہیں چاہتے تھے کہ بہن کا دل ذرا بھی دُکھے۔ بیٹھ کر خط لکھا اور خط میں لکھتے ہیں:

''اِلَی الْفَقِیْہ''۔

اللہ اکبر۔ آپ لکھتے ہیں، ہم چاروں طرف سے گھرے جا رہے ہیں۔ حبیب! اگر ہو سکے تو آ جاؤ۔ جنابِ زینبؑ سے کہا کہ بہن تمہاری خاطر میں نے خط لکھ دیا ہے تو عرض کرتی ہیں: بھیا! ذرا سنا تو دیجئے۔ امام حسینؑ نے سنایا تو عرض کیا: بھیا! ایک فقرہ میری طرف سے بھی لکھ دیجئے۔ فرمایا، کیا؟ کہا:

''اَلْعَجَلُ، اَلْعَجَلُ''۔ ''حبیب! اگر آنا ہے تو جلدی سے آ جاؤ''۔

بھیج دیا ایک شخص کو۔ اُدھر حبیب کی حالت یہ ہے کہ ایک دن پہلے مہندی خریدنے گئے ہیں بازار میں۔ مسلم ابن عوسجہ ملے۔ آپس میں دعا و سلام ہوا تو حبیب نے کہا: بھائی مسلم! یہ کوفے میں کیا ہو رہا ہے؟ تلواروں پر صیقل کیسے جا رہے ہیں۔ نیزوں کی انیاں زہروں میں بجھائی جا رہی ہیں۔ یہ کس بڑی لڑائی کا اہتمام کیا جا رہا ہے؟ تو مسلم ابن عوسجہ نے کہا: حبیب! اتنے غافل بیٹھے ہو، تمہیں پتہ ہی نہیں کہ یہ کس سے لڑنے کا سامان ہے؟ یہ میرے اور تمہارے مولا حسینؑ کے قتل کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ حبیب نے کہا: اچھا! وقت آ گیا۔ کہا، بالکل قریب آ گیا وہ وقت۔

حبیب نے جو مہندی خریدی تھی، وہ پھینک دی کہ اب اس کی ضرورت نہیں۔ اب میری داڑھی میرے خون سے خضاب کی جائے گی۔ گھر چلے آئے۔ متفکر اور پریشان دوسرے دن دسترخوان پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک مرتبہ دروازے پر دستک ہوئی۔ پوچھا کون ہے؟ اُس نے کہا: امام حسینؑ کا قاصد ہوں، یہ خط دیا ہے۔ خط ہاتھ میں لے کر آنکھوں سے لگایا، بوسے دیئے۔ تھوڑی دیر تک کھڑے ہوئے روتے

رہے۔اس کے بعد وہاں سے خط کو بند کر کے آنسو پوچھ کر گھر میں آئے، بیٹھ گئے بالکل خاموش! بی بی نے کہا کہ کس کا خط ہے؟ حسینؑ فاطمہ زہراؑ کے فرزند کا۔ زوجہ نے پوچھا کہ کیا لکھا ہے؟ کہا کہ بلایا ہے۔کہا، کیا خیال ہے؟ کہنے لگے کہ میں سوچ رہا ہوں۔اُس مؤمنہ نے ناراض ہو کر کہا: حبیب بوڑھے ہو گئے، اب بھی زندگی سے محبت!! فاطمہؑ کا بیٹا بلائے اور تم سوچو۔ اگر تم نہیں جاتے ہو تو یہ میری چادر تم اوڑھ لو۔ میں جاؤں گی۔ یہ سن کر خوش ہو گئے حبیب اور کہنے لگے: مصلحت کی بناء پر میں نے یہ بات کہی تھی۔ میں بڑا خوش ہوں کہ تمہاری عقیدت یہ ہے۔

بہر حال حبیب نکلے، راستوں کو کاٹتے ہوئے کربلا میں پہنچے۔امام حسین علیہ السلام خیمہ میں تشریف فرما تھے۔ جب تھوڑی دُور رہ گئے حبیب تو امام حسین علیہ السلام نے فرمایا جنابِ علی اکبرؑ سے: اے میرے بیٹے!

"اِستَقبِلُ عَمَّکَ الحَبِیبَ".

جناب علی اکبرؑ، جنابِ قاسمؑ، تمام شہزادے استقبال کیلئے آگے بڑھے۔ حبیب نے جب شہزادوں کو دیکھا تو گھوڑے سے کود پڑے۔اُن کے ہاتھ چومتے ہوئے آگے آئے۔امام حسینؑ کے قریب بڑھے تو اصحاب نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔اس نعرۂ تکبیر کی آواز خیموں میں پہنچی۔ جنابِ زینبؑ نے فضہ سے کہا: ذرا دیکھنا کہ نعرۂ تکبیر کیوں بلند ہوا؟ فضہ آئیں، پوچھا، واپس گئیں اور کہا: آقازادی! حبیب آ گئے۔ جنابِ زینبؑ نے کہا: فضہ حبیب بھائی کو میرا اسلام پہنچا دو اور کہہ دو کہ حبیب بھائی! آپ نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے۔فضہ نے آ کہ کہا کہ حبیب! آقازادی سلام کہہ رہی ہیں۔ حبیب نے جب یہ سنا تو اپنے منہ پر طمانچے مارنا شروع کر دیئے کہ میں اور اِس قابل کہ فاطمہ زہراؑ کی بیٹی مجھے سلام کہیں۔

بہر حال یہ ایک واقعہ تھا کہ امام حسینؑ نے اُن کو بلایا تھا۔ ویسے یہ خود تیار بیٹھے تھے۔ باقی لوگوں میں بہت سے ایسے بھی تھے جو یہ سن کر کہ امام حسینؑ مدینہ کی طرف نہیں جارہے، مکہ سے خود گھروں سے نکل پڑے تھے۔ بہر حال میں عرض کر رہا تھا کہ بچوں کو رخصت کر کے چلے تھے، اپنی بیویوں سے یہ کہہ کر چلے کہ اب نہ آئیں گے۔ مولاؑ کی خدمت میں پہنچ رہے ہیں۔ رسولؐ اللہ کی خدمت میں جائیں گے تو سرخرو ہو کر جائیں گے۔

کبھی آپ نے یہ سنا کہ کسی صحابی نے یہ کہا ہو کہ پیاسا ہوں؟ ایک دوسرے کے ساتھ جب ملتے تھے تو آپس میں یہی باتیں کرتے تھے کہ دیکھو! حسینؑ کے پاس جانا تو ہنستے ہوئے جانا، انؑ کو ہماری تکلیف کا احساس نہ ہونے پائے۔

عاشور کی رات ایک وقت امام حسین علیہ السلام گئے ہیں جنابِ زینبؑ کے خیمے میں۔ جنابِ زینبؑ اُس وقت رو رہی تھیں۔ پوچھتی ہیں: بھیا! یہ جو آپؑ کے ساتھی ہیں، ان پر آپ کو بھروسہ تو ہے؟ اس رات اصحاب خیموں کے گرد پہرہ دے رہے تھے۔اس طرف اُس وقت بُریر تھے۔ یہ آواز اُن کے کانوں میں پڑ گئی۔ایک مرتبہ گھبرا گئے۔ بلند آواز میں آواز دی کہ اے اصحابِ حسینؑ! ذرا اِدھر آؤ۔ فاطمہؑ کی بیٹیؑ کو ہم پر اعتبار نہیں، ذرا جا کر اطمینان دلا دو۔ اُس وقت انہوں نے تلواروں کی میانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیا اور سب نے یک زبان ہو کر کہا: فاطمہؑ کی بیٹیؑ! یہ تلواریں جب تک ہمارے ہاتھوں میں ہیں، آپؑ کے بھائی حسینؑ کو کوئی زخم نہیں آسکے گا۔ جنابِ زینبؑ نے

دعائیں دیں (کتنے خوش نصیب تھے وہ لوگ جنہیں زینبؑ دعائیں دیں)۔

صبح کا وقت جو ہوا (اللہ اکبر)۔ نہ کسی کو اپنی اولاد کی فکر ہے نہ ماں باپ یاد ہیں، نہ بہن بھائیوں کا خیال ہے، نہ کسی کو اپنا گھر یاد ہے۔ اگر یاد ہے تو حسینؑ کا نام اور اگر کوئی چیز سامنے ہے تو حسینؑ کی تصویر!

ایک آواز آتی ہے: مولاؑ! میرا آخری سلام قبول کریں۔ میں دنیا سے جا رہا ہوں۔ حسینؑ آتے ہیں، اصحاب عرض کرتے ہیں کہ آپؑ ٹھہر جائیں، ہم لے آتے ہیں۔ آپؑ فرماتے ہیں، نہیں! میرے بھائیو! اُس نے مجھے بلایا ہے، خاموش۔ جو حکم امامؑ ____ ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا، ذرا تم ٹھہر جاؤ۔ مجھے جانے دو، میری لاش، پہلے آجائے۔ میں پہلے جان دوں گا۔ وہ کہتا ہے کہ آپ ٹھہریں، مجھے جانے دیں۔ جوان کہتے ہیں کہ لڑنے کا زمانہ ہمارا ہے، آپ بوڑھے ہو چکے ہیں، آپ ٹھہریئے۔ بوڑھے کہتے ہیں: تمہارے رہنے کے دن ہیں، ہمارے مرنے کے دن ہیں تو ہمیں پہلے جانے دو۔ مولاؑ اجازت دیجئے، ہم آپؑ کے دشمنوں سے جہاد کریں گے۔ ہر ایک کو ایک خوشی اور وہ یہ کہ آج دنیا سے جانے والے ہیں۔

جب بھی اصحاب کا ذکر آتا ہے، مجھے یہ واقعہ ضرور یاد آتا ہے۔ ایک تھے بنی شاکر کے سردار، عابس اُن کا نام ____ تہجد گزار، پیشانی پر سجدوں کا نشان، جب یہ مقابلہ کیلئے آئے تو کسی نے کہہ دیا کہ یہ عرب کا مشہور بہادر بنی شاکر کا شہسوار عابس ہے۔ کوئی شخص تنہا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس آواز کے بعد تیر آنے شروع ہوئے جو قریب تھے۔ انہوں نے پتھر پھینکے۔ عابس مسکرائے اور مسکرانے کے بعد سر سے لوہے کا خول اُتارا، زرہ اُتاری اور غلام جو ساتھ تھا، اُسے دے کر کہا: لے جاؤ، میں نے تم کو بخشا، لے جاؤ انہیں۔ غلام نے کہا: میرے آقا! یہ کیا کر رہے ہیں؟ یہ میدانِ جنگ ہے۔ آپ نے فرمایا: سمجھتا ہوں کہ میدانِ جنگ ہے۔ غلام نے پوچھا کہ پھر یہ کیوں اُتار دیں؟ فرماتے ہیں: اگر یہ رہ جائیں گی تو مرنے میں دیر ہو جائے گی۔

مرنے میں دیر ہو جائے گی ____ اللہ اکبر۔ موت کا اس طرح سے شوق کہیں آپ نے سنا ہے۔ عورتیں اپنے بچوں کو سنوار سنوار کر بھیج رہی ہیں۔ آپ ایک لاش لائے ہیں اور اسے لٹا دیا جہاں اور لاشیں لٹائی تھیں۔ آپؑ کو جو اُن کی وفائیں اور خدمتیں یاد آئیں تو کھڑے ہو کر رونے لگے۔ آنکھوں پر رومال رکھے رو رہے ہیں۔ اُن کی اطاعت گزاریوں اور وفاداریوں کو یاد کر کے کہ ایک خیمے کا پردہ اُٹھا۔ دس یا گیارہ برس کا بچہ نکلا، چھوٹا سا عمامہ سر پر بندھا ہوا ہے۔ ایک تلوار کمر میں بندھی ہوئی ہے۔ بچے کا قد چھوٹا، تلوار لمبی، زمین پر خط دیتے ہوئے چلی آرہی ہے۔ بچے نے اِدھر اُدھر کچھ نہ دیکھا، سیدھا امامؑ کے پاس پہنچا اور پاؤں پر گر پڑا۔ امام حسینؑ متوجہ ہوئے، جھک کر بچے کو اُٹھایا، سینے سے لگایا، بیٹا! تم کیسے نکل آئے، دیکھو یہ تیر آرہے ہیں۔ وہ بچہ کہتا ہے کہ میرے آقا! مجھے مرنے کی اجازت دیجئے۔ میں آپ کے دشمنوں سے جنگ کرنے نکلا ہوں۔

آپؑ نے فرمایا: تیری یہ عمر جنگ کی نہیں ہے۔ تو خیمے میں چلا جا۔ اُس نے کہا: مولاؑ! اب خیمے میں نہیں جاؤں گا۔ اب خیمے میں جائے گی تو میری لاش جائے گی۔ آپؑ نے فرمایا: تو کس کا بیٹا ہے؟ تیرے باپ کا نام کیا ہے؟ تو وہ بچہ کہتا ہے کہ یہی تو میرے باپ کی لاش ہے جس پر آپؑ کھڑے ہوئے رو رہے ہیں۔ امام حسینؑ نے اس بچے کو پیار کیا اور فرماتے ہیں: بیٹا! تو اپنی ماں کے پاس چلا جا۔ تیری ماں کیلئے

تیرے باپ کی جدائی کا غم کافی ہے۔تو اُسے اپنی جدائی کا غم نہ دے۔ یہ جوسنا تھا تو وہ کہتا ہے: مولاؑ! یہ عمامہ میری ماں نے اپنے ہاتھ سے
باندھا ہے۔ یہ تلوار بھی میری ماں نے میری کمر سے باندھی ہے۔ایک مرتبہ خیمے سے آواز آئی، میرے آقا! میرے بچے کو اجازت دے دیں
تاکہ میں زینبؑ کے سامنے سرخرو ہو جاؤں۔

❁❁❁

# شہادتِ قاسمؑ ابن امام حسنؑ

امام حسن علیہ السلام جب دنیا سے جا رہے تھے اور زہر کی وجہ سے جگر کے ٹکڑے ہو کر نکل رہے تھے تو امام حسنؑ ایک عالم کرب میں تھے۔ جب آخری وقت آیا تو آپؑ نے فرمایا: میرا قاسمؑ کہاں ہے؟ ذرا بلا لو۔ اس وقت جنابِ قاسمؑ کی عمر صرف تین سال کی تھی۔

جنابِ قاسمؑ کو لایا گیا۔ تین سال کا بچہ، امام حسنؑ نے سینے سے لگایا۔ اُس کا منہ چوما۔ بہت دیر تک سینے سے لگائے ہوئے روتے رہے۔ اب باپ کو جو روتے دیکھا تو یہ بچہ بھی چیخ چیخ کر رونے لگا۔ امام حسنؑ نے خاموش کروایا اور فرمانے لگے: بیٹا قاسمؑ! تم بہت چھوٹے ہو، اس لئے تم سے کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ بس اتنی سی بات بھولنا نہیں، یہ تعویذ تمہارے بازو پر باندھے دیتا ہوں۔ جب کبھی تمہیں سب سے زیادہ سخت وقت دنیا میں معلوم ہو کہ اس سے زیادہ سخت وقت نہیں آسکتا تو ذرا اس کو کھول کر دیکھ لینا اور قاسمؑ کی ماں سے کہنا کہ ذرا اس کا خیال رکھنا، یہ گم نہ ہونے پائے۔

تعویذ بندھا ہوا ہے، عاشور کا دن آ گیا۔ اب بچے کی عمر ہے تیرہ سال۔ امام حسینؑ اپنے بھائی امام حسنؑ کے عاشق تھے۔ یہ عام کتابوں میں ہے کہ جب کبھی امام حسنؑ اور امام حسینؑ ایک جگہ بیٹھ جاتے تھے تو امام حسینؑ بڑے بھائی کے سامنے گفتگو نہیں کرتے تھے۔ اتنی بات تھی اور اتنا احترام تھا۔

عاشور کا دن جب آیا تو یہ بچہ کئی دفعہ آیا، کئی بچوں کی لاشیں آ گئیں۔ جنابِ زینبؑ کے بچوں کی لاشیں حسینؑ لے آئے اور بھی ایک دو بچوں کی لاشیں آ گئیں۔ یہ بچہ گھر میں جاتا تھا اور پھر نکلتا تھا اور چچا کے پاس آتا تھا۔ میرا یہ خیال ہے کہ ماں بھی کہتی تھیں کہ بیٹا ابھی تک اجازت نہیں لی۔ چنانچہ آتے تھے جنابِ قاسمؑ اور عرض کرتے تھے، چچا جان! مجھے بھی تو اجازت دیجئے۔ امام حسینؑ بچے کی صورت دیکھتے تھے اور بھائی حسنؑ یاد آ جاتے تھے۔ امام حسینؑ گلے سے لگا کر رو دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ بیٹا! ابھی ذرا ٹھہر جاؤ۔ جنابِ قاسمؑ اس اُلجھن میں تھے کہ اب کیا کروں؟ چچا اجازت نہیں دیتے۔

ایک مرتبہ خیال آیا کہ بابا نے کہا تھا کہ جب دنیا میں سب سے زیادہ سخت وقت آ جائے تو اس تعویذ کو دیکھ لینا۔ جنابِ قاسمؑ ایک طرف چلے گئے۔ وہاں جا کر کھولا یہ تعویذ تو اس میں لکھا تھا کہ بیٹا قاسمؑ! جس دن تم تعویذ کھولو گے، وہ عاشورہ کا دن ہوگا۔ میرا بھائی چاروں طرف سے گھر چکا ہوگا۔ بیٹا! اگر میں موجود ہوتا تو اپنے بھائی پر سے اپنی جان قربان کر دیتا۔ میں نہ ہوں گا، تم ہو گے۔ میری عزت کا خیال رکھنا۔ جس وقت جنابِ قاسمؑ نے یہ پڑھا تو اس خط کو لے کر آئے اور کہا کہ چچا جان! اب ذرا یہ خط تو دیکھ لیجئے، میں کیا کروں، میں کس طرح نہ جاؤں میدان میں؟ میرے بابا کی وصیت ہے جو آج مجھے معلوم ہو رہی ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے وہ خط پڑھا۔ بھائی کی محبت یاد آ گئی۔ قاسمؑ کو سینے سے چمٹا لیا اور کافی دیر تک روتے رہے شبیرؑ ـــــ بلکہ امامؑ بیہوش ہو کر گر پڑے۔

تمام واقعہ کربلا میں آپ کسی کتاب میں نہ دیکھیں گے کہ امام حسین علیہ السلام کسی کی رخصت کے وقت بیہوش ہوئے ہوں، یہاں تک کہ جنابِ علی اکبرؑ گئے ہیں تو امام حسینؑ نے خود سوار کیا ہے۔ خود اپنا عمامہ اُتار کر علی اکبرؑ کے سر پر رکھا لیکن قاسمؑ کی روانگی کے وقت بھائی حسنؑ کو یاد کرتے ہوئے اتنا روئے کہ بیہوش ہو گئے۔

جب ہوش میں آئے تو جنابِ قاسمؑ نے عرض کی کہ اب تو اجازت دیجئے۔ فرماتے ہیں کہ بیٹا جاؤ! اب میں کیا کروں، مگر اپنی سے تو پوچھ لو۔ آئے ___ جنابِ قاسمؑ ___ دروازے میں کھڑی ہیں اُمّ فروہؑ ___ دیکھتے ہی کہتی ہیں: بیٹا! اجازت مل گئی؟ قاسمؑ نے کہا: اماں مل گئی۔ فرماتی ہیں: اچھا بیٹا جاؤ اور ماں کو سرخرو کرو۔ جنابِ قاسمؑ آئے اور امیر المؤمنین علیہ السلام کے پوتے تھے، آخر دادِ شجاعت دی مگر چاروں طرف سے جب گھر گئے تو کسی کی تلوار لگی، کسی کا نیزہ لگا۔ گھوڑے سے جو گرے تو عزادارانِ اہلِ بیتؑ! اِدھر کے گھوڑے اُدھر گزر گئے اور اُدھر کے گھوڑے اِدھر گزر گئے۔ ارے تیرہ سال کا بچہ، اس کی ہڈیوں اور گوشت میں تھا کیا، مگر گرتے گرتے آواز دی، چچا جان! اب میں جا رہا ہوں، ایک مرتبہ زیارت کروا دیجئے۔

حسینؑ روتے ہوئے آئے۔ یزیدیوں کو تلوار سے ہٹایا۔ ارے قاسمؑ کی لاش پر پہنچے مگر قاسمؑ کی ایسی حالت تھی کہ دنیا سے جا چکے تھے۔ قاسمؑ کو اُٹھایا، منہ پر منہ رکھا، سینے کو سینے سے ملایا۔ مگر تیرہ سال کے بچے کی لاش کی حالت یہ تھی کہ پاؤں زمین پر گھسٹتے ہوئے آ رہے تھے ہوا کیا؟ گھوڑوں نے وہ کیا جو کسی شہید کے ساتھ نہیں ہوا۔ جب خیمے میں پہنچے تو زینبؑ انتظار میں تھیں۔ امام حسین علیہ السلام نے قاسمؑ کی لاش زمین پر لٹا دی۔ ماں خیمے کے ساتھ کھڑی ہوئی ہیں اور دیکھ رہی ہیں۔ جب تک حسینؑ رہے ___ روئی نہیں ___ جب حسینؑ باہر نکلے، ایک مرتبہ کہا: بیٹا قاسمؑ! ارے دولہا بن کر آ گئے، مجھے تم نے سرخرو کر دیا۔

❁❁❁

# شہادتِ شہزادہ علی اکبرؑ

آج میں صرف شہزادہ علی اکبرؑ کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، عزادارانِ حسینؑ! امام حسینؑ کا یہ فرزند ___ پروردگارِ عالم نے ایک نعمت دی تھی امام حسینؑ کو۔ یہ وہ فرزند تھا کہ تمام کتب تاریخ میں یہ ہے کہ سر سے پاؤں تک یہ معلوم ہوتا تھا کہ رسولؐ ہیں۔ کیسی خوشی ہوتی ہوگی امام حسینؑ کو، جب علی اکبرؑ کو دیکھتے ہوں گے۔ نانا کی تصویر ہونے کے ساتھ، باپ کے اتنے مطیع کہ دنیا میں شاید ہی اتنی اطاعت باپ کی کسی بیٹے کے دل میں ہو جتنی علی اکبرؑ کے دل میں اطاعت کے جذبات تھے۔

میں نے بعض مقامات پر یہ بات پڑھی ہے کہ باہر کے لوگ مدینہ میں آتے تھے اور امام حسین علیہ السلام کے دروازے پر پہنچتے تھے، آواز دیتے تھے۔ امام حسینؑ باہر تشریف لاتے تھے۔ وہ لوگ کہتے تھے: مولاؑ! ذرا اپنے فرزند علی اکبرؑ کو بلوا دیجئے، تو امام حسینؑ فرماتے تھے کہ علی اکبرؑ سے کیا کام ہے؟ تو وہ کہتے تھے کہ ہم نے رسولؐ کی زیارت نہیں کی۔ ہم نے سنا ہے کہ آپؑ کا فرزند سر سے پاؤں تک رسولؐ کی تصویر ہے۔ ہم اس لئے آئے ہیں کہ آپؑ کے فرزند کو دیکھ لیں تاکہ رسولؐ کی زیارت کا ہم کو ثواب مل جائے۔

اِن حالات میں امام حسین علیہ السلام کے دل میں کیا کیا کیفیات پیدا ہوتی ہوں گی۔ راستے میں ایک مرتبہ امام حسینؑ ایک منزل پر مقیم تھے۔ بیٹھے بیٹھے کچھ غنودگی سی آ گئی۔ اب جو آنکھ کھلی تو آپؑ نے اُٹھتے ہی ارشاد فرمایا: ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ''۔

تمام کے تمام ساتھی جو بیٹھے ہوئے تھے، گھبرا گئے کہ کیا واقعہ آپؑ کے ذہن میں آ گیا کہ جس کی وجہ سے یہ کلمہ آپؑ کی زبان پر جاری ہوا۔ کسی کی ہمت نہ تھی جو آپؑ سے یہ پوچھے۔ جنابِ علی اکبرؑ نے دیکھا کہ بابا کچھ خاموش ہیں۔ آگے بڑھے اور عرض کرتے ہیں: بابا! آپؑ نے یہ کلمہ کیوں اپنی زبان پر جاری فرمایا۔ امامؑ فرماتے ہیں: بیٹا! ذرا میری آنکھ لگ گئی تھی تو میں نے ایک ہاتف کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا کہ یہ قافلہ اپنی قبروں کی طرف جا رہا ہے اور موت اُن کا استقبال کرنے کیلئے بڑھ رہی ہے۔ اس لئے میں نے یہ فقرہ اپنی زبان پر جاری کیا۔

اس پر جنابِ علی اکبرؑ نے عرض کیا: بابا! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ امام حسینؑ نے فرمایا: بیٹا! ہم حق پر ہیں۔ تو جنابِ علی اکبرؑ نے فرمایا: بابا! جب ہم حق پر ہیں تو ہمیں موت کی کیا پروا ہے؟ آنے دیجئے موت ہمارا استقبال کرنے کیلئے۔ امام حسینؑ کا دل خوش ہو گیا۔

حاکم شام نے ایک دن بیٹھے بیٹھے ذکر کیا کہ بھئی بتلاؤ، اس زمانے میں حقیقی حیثیت سے قابلِ خلافت کون ہے؟ کسی نے کہا، تم ہو ___ کسی نے کہا، تمہارا بیٹا یزید ہے، کسی نے کچھ کہا۔ اُس نے کہا: تم لوگ سب خوشامد کر رہے ہو، مجھ سے پوچھو تو میری نظر میں امام حسینؑ کا بیٹا علی اکبرؑ ہے کہ سر سے پاؤں تک رسولؐ کی شبیہ ہے۔ دشمنوں کی نظر میں علی اکبرؑ ایسے تھے، ہائے! کربلا میں حسینؑ کا گھر ایسا برباد ہوا کہ پھر کبھی آباد نہ ہوا۔ عاشورہ کا دن آ گیا۔ بس یہاں کے چند فقرے عرض کرنے ہیں۔

اولاد والو! اٹھارہ برس کی عمر، ساتویں سے پانی بند ہے۔ پیاس کا غلبہ، ہونٹ سوکھے ہوئے مگر باپ سے یہ عرض نہیں کرتے کہ میں

پیاسا ہوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ باپ کو تکلیف ہو۔ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنی ہاشم میں سب سے پہلے شہید جنابِ علی اکبرؑ ہیں اور بعض روایات یہ بتلاتی ہیں کہ سب سے آخر میں جنابِ علی اکبرؑ شہید ہوئے۔

بہر حال اگر بنی ہاشم کے آخری شہید ہیں تو جب عزیزوں کی لاشیں آ گئیں، زینبؑ کے بچوں کی بھی لاشیں آ گئیں، ہائے جنابِ قاسمؑ کی بھی لاش آ گئی۔ مسلمؑ کے دو فرزند جو یہاں کربلا میں تھے، اُن کی لاشیں بھی آ گئیں اور اسی روایت کے اعتبار سے جنابِ عباسؑ کے بازو بھی کٹ چکے تو جنابِ علی اکبرؑ آئے اور عرض کرتے ہیں: بابا! مجھے بھی اجازت دیجئے کہ میں بھی جان نذر کر دوں۔ امام حسینؑ نے سر سے پاؤں تک علی اکبرؑ کو دیکھا اور اتنا کہا کہ بیٹا! ذرا اس کو کہ جلی کے پاس بھی چلے جاؤ جس نے اٹھارہ برس بڑی محنت سے پالا ہے۔ جنابِ علی اکبرؑ خیمے میں آئے، جنابِ زینبؑ سمجھ گئیں کہ رخصت کیلئے آئے ہیں۔ بیبیاں چاروں طرف حلقہ بنا کر رونے لگیں۔ جنابِ علی اکبر علیہ السلام نے اپنی پھوپھی اور حضرت اُمِ لیلیٰ جو ماں ہیں، اُنہیں سمجھایا کہ آخر آپ یہ چاہتی ہیں کہ میرا باپ شہید ہو جائے اور میں رہ جاؤں۔ دنیا آخر کیا کہے گی؟ جنابِ اُمّ لیلیٰ سے کہا کہ اماں! آپ تو مجھے اجازت دیجئے۔

جنابِ اُمّ لیلیٰ نے کہا کہ بیٹا! میں کون ہوں؟ جو کچھ ہیں یہ ہیں تمہاری پھوپھی۔ انہوں نے تمہیں پالا ہے۔ یہ اگر اجازت دے دیں تو میں کس طرح سے منع کر سکتی ہوں۔ آخر جنابِ زینبؑ نے اجازت دی۔ ایک شخص بیان کرتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ خیمے کا پردہ اُٹھتا ہے اور پھر گر جاتا ہے۔ پھر اُٹھا اور پھر گر گیا۔ میں نے جب دریافت کیا تو مجھے یہ معلوم ہوا کہ علی اکبرؑ بیبیوں کو تسلی دے کر نکلنا چاہتے تھے کہ بہنیں لپٹ جاتی ہیں۔ بہنوں کو تسلی دیتے ہیں اور نکلنا چاہتے ہیں تو پھوپھی لپٹ جاتی ہیں: بیٹا! تھوڑی دیر ہم شکلِ پیغمبر کی زیارت کر لیں۔ اس طرح یہ عمل پردہ گرنے کا کئی مرتبہ ہوا۔ آخر علی اکبرؑ نکلے تو اس طرح سے نکلے جیسے بھرے گھر سے جنازہ نکلتا ہے۔

امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں آئے، عرض کیا: پھوپھی سے اجازت لے لی، اماں بھی راضی ہو گئیں۔ اب آپؑ مجھے اجازت دیجئے۔ یہ سننا تھا کہ امام حسین علیہ السلام اپنی کمر پکڑ کر کھڑے ہو گئے۔ اپنا عمامہ اُتار کر علی اکبرؑ کے سر پر رکھا۔ بیٹا! یہ عمامہ تمہارے نانا محمد مصطفیٰؐ کا ہے۔ اس کو سر پر رکھ کر جاؤ، خود اپنے ہاتھ سے گھوڑے پر سوار کیا۔ علی اکبرؑ روانہ ہوئے۔ چند قدم چلے تھے، منہ پھیر کر دیکھا تو کیا دیکھا کہ حسینؑ دوڑتے ہوئے چلے آ رہے ہیں، فرمایا: بیٹا! جب تک سامنے رہو، مجھے منہ موڑ کو شکل دکھلاتے جاؤ، مجھے نانا یاد آ رہے ہیں۔

جنابِ علی اکبرؑ آئے میدان میں۔ اب میرے دل میں بھی طاقت نہیں ہے کچھ، جنگ کی۔ کچھ یزیدیوں کو قتل کیا۔ جو بھی مقابلے میں آیا، مارا گیا، علیؑ کے پوتے تھے لیکن ایک وقت آیا کہ سب نے مل کر حملہ کیا۔ چاروں طرف سے ہجوم ہو گیا اور چاروں طرف سے جب گھر گئے علی اکبرؑ تو ایک شخص نے آ کر سینے پر جو نیزہ مارا اور وہ نیزہ جو نکلا تو خون کا فوارہ جاری ہو گیا۔ ارے علی اکبرؑ کی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ گھوڑے سے گر جائیں۔ ایک مرتبہ دونوں ہاتھ بڑھا کر گھوڑے کی گردن میں ڈال دیئے۔ گھوڑا فوج میں گھس گیا۔ جس کے قریب سے گزرے، اُس نے تلوار کا وار کر دیا۔ اس وقت ایسی حالت میں جنابِ علی اکبرؑ نے آواز دی: ''يَا اَبَتَاهُ عَلَيْكُمْ مِنِّیْ اَلسَّلَامُ''۔

❁❁❁

# شہادتِ شہزادہ علی اصغرؑ

آج ملک میں جابجا جھولے نکالے جارہے ہیں۔شبیہ جھولے کی نکالی جارہی ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ یاد کرلیں کہ ایک شیر خوار بچہ بھی تھا جس کا جھولا خالی ہوگیا تھا۔امام حسین علیہ السلام کے اِن بچوں پر پانی بند ہوگیا۔کچھ کوزوں میں پانی جو تھا، وہ بڑے آدمیوں نے یعنی جوانوں اور بوڑھوں نے ساتویں تاریخ کی شام ہی سے پینا چھوڑ دیا۔وہ سمجھتے تھے کہ پانی بند ہوگیا ہے۔جو کچھ پانی ہے، اگر وہ بچوں کیلئے رہ جائے تو اچھا ہے۔ہم اگر پئیں گے تو یہ ختم ہوجائے گا اور بچے تڑپنے لگیں گے۔چنانچہ بچوں کیلئے کچھ آٹھویں تک ہوگیا تھا، کیوں؟ اس لئے کہ امام حسینؑ کے ساتھ بہت بڑا قافلہ تھا۔لیکن اکثر کتابوں میں لکھا ہے کہ ساتویں تاریخ سے امام حسینؑ اور اُنؑ کے قافلہ پر پانی بند کردیا گیا تھا۔

آپؑ نے ساتویں کی شام، لوگوں سے کہا کہ بھائیو! چلے جاؤ، دیکھو اب مصیبتیں بڑھتی جارہی ہیں۔اب پانی بند ہوگیا ہے۔تم ان تکالیف کو برداشت نہ کرسکو گے۔تمہارے ساتھ بال بچے ہیں۔ان کو لے کر نکل جاؤ، کچھ لوگ نکل گئے۔

آٹھویں تاریخ آئی تو رات کو پھر آپؑ نے جمع کیا اور فرمایا: ہاں! اگر تم جاؤ گے تو یہ لوگ اور خوش ہوجائیں گے کہ تم نے میرا ساتھ چھوڑ دیا۔حضور! شبِ عاشور بھی کچھ لوگ نکلے ہیں جب امام حسینؑ نے خیمے میں چراغ گل کردیا ہے۔

جنابِ سکینہؑ سے روایت ہے کہ میں پھوپھی کی گود میں تھی اور میں یہ کہہ رہی تھی کہ پھوپھی جان! میں پیاس سے مرجاؤں گی تو میری پھوپھی جان کبھی اس خیمے میں لے جاتی تھیں، کبھی اُس خیمے میں جاتی تھیں تو اس وقت ہم ایک ایسے خیمے میں تھے کہ جہاں سے پدرِ بزرگوار کی آواز آرہی تھی۔آپؑ لوگوں سے کہہ رہے تھے کہ دیکھو! تمہیں یہ خیال ہوگا کہ میرے نانا تم سے ناراض ہوجائیں گے۔میں نانا سے کہہ دوں گا کہ میں نے خود بھیجا تھا۔چنانچہ جنابِ سکینہؑ کہتی ہیں کہ اس تاریکی میں لوگ خیمے سے نکلنا شروع ہوگئے اور میں نے اپنی پھوپھی سے کہا کہ پھوپھی جان! کیا میرے بابا تنہا رہ جائیں گے تو گویا اس شب تک آپ نے رخصت کیا ہے۔اس کے بعد پھر بھی عاشور کی شب چوراسی بیبیاں تھیں تو اتنے لوگ ساتھ تھے۔پانی تو ساتویں محرم سے ختم ہوگیا تھا۔جب نویں تاریخ آئی تو بچے العطش العطش کہتے ہوئے ادھر اُدھر پھر رہے تھے۔مگر مجھے حیرت ہے کہ میں نے جنابِ سکینہؑ کے متعلق دیکھا ہے کتابوں میں کہ کبھی کبھی دروازہ پر آ کر کہتی تھیں کہ بابا! پیاس نے مار ڈالا ہے۔کبھی یہ آواز دیتی تھیں، چچا! میں پیاس سے مرجاؤں گی۔مگر میں نے آج تک نہ دیکھا کہ کسی امام کے صحابی کے کسی بچے نے آواز دی ہو۔دراصل اپنے بچوں کو مائیں چھوڑتی نہ تھیں کہ کسی خیمے پر جائیں یا کسی دروازے پر جائیں، کیوں، اس لئے کہ حسینؑ ان کی آواز سن لیں گے تو انہیں تکلیف ہوگی۔

ساتویں تاریخ جو فوجیں آئیں کچھ اور زیادہ تو انہوں نے یہ کام کیا کہ اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے ادھر سے اُدھر چلے گئے اور

اُدھر سے اِدھر آ گئے۔ زمین جو ہلنے لگی تو بیبیوں کے دل دہل گئے۔ اس فکر کی وجہ سے اور اس خوف کی وجہ سے علی اصغرؑ کی والدہ کا دودھ خشک ہو گیا۔ امتحان تھا ناں! امتحان تھا کہ انتہائے مظلومیت بھی دیکھ لو اور انتہائے ظلم بھی دیکھ لو۔

بچہ گہوارہ میں پڑا ہوا ہے۔ ہونٹ خشک ہو چکے ہیں مگر رونے کی آواز نہیں۔ چودہ دن کا تھا جب مدینہ سے روانہ ہوئے ہیں۔ آج چھ مہینے کا ہوا ہے۔ پیاس کی شدت سے آنکھوں میں حلقے پڑ چکے ہیں۔ ہونٹ خشک ہیں مگر یہ بچہ روتا نہیں۔ کبھی پھوپھی کو دیکھ لیتا ہے، کبھی ماں قریب آتی ہے تو اس کو نگاہ بھر کر دیکھ لیتا ہے۔ بہنیں آتی ہیں تو ان کو دیکھتا ہے یعنی زبان نہیں کہ کہے کہ پیاسا ہوں اور روتا نہیں، اس لئے کہ غالباً خبر ہے اسے کہ سب ہی پیاسے ہیں۔

امام حسین علیہ السلام کے اصحاب جا رہے ہیں۔ عورتیں اپنے بیٹوں کو سنوار سنوار کر بھیج رہی ہیں کہ جاؤ! آج قربانی کا دن ہے۔ حسینؑ پر قربان ہو جاؤ۔ جنابِ ربابؑ جن کا بچہ ہے یہ جس کا نام ہے علی اصغرؑ۔ کبھی بچے کی طرف دیکھ کر کچھ سوچتی ہیں اور کبھی گود میں لے کر اِدھر اُدھر ٹہلتی ہیں۔ جنابِ ربابؑ نے یہ بھی دیکھا ہے کہ جنابِ زینبؑ نے اپنے بچوں کو کس طرح میدان میں بھیجا اور اُن کی لاشیں آئیں۔ جنابِ ربابؑ نے یہ بھی دیکھا کہ کس طرح سے قاسمؑ کی لاش خیمے میں آئی۔

یہ سب ہو چکا ہے۔ امام حسین علیہ السلام علی اکبرؑ کی لاش لے آئے ہیں، حتیٰ کہ جنابِ عباس علیہ السلام کی لاش کو دریا کے کنارے چھوڑ آئے ہیں اور اب کوئی نہ رہا۔ جب کوئی نہ رہا تو میدان میں آئے اور فرماتے ہیں: کوفے اور شام کے رہنے والو! اب میرا کوئی نہیں رہا۔ اب میں اتنا زخمی ہو چکا ہوں کہ زندہ نہ رہوں گا۔ ارے تھوڑا سا پانی پلا دو۔ اِن لوگوں کے جو جو جوابات تھے، وہ آپؑ سے کیا عرض کروں! ایک مرتبہ یہ آواز دیتے ہیں اور اِتمامِ حجت کر رہے ہیں۔ عاشور کے دن یہ آواز آپ نے دو تین مرتبہ دی ہے:

"هَلْ مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرُنَا، هَلْ مِنْ مُغِيثٍ يُغِيثُنَا".

"کوئی مددگار ہے جو اس وقت میری مدد کو آئے، کوئی فریادرسی کرنے والا ہے جو اس وقت میری فریادرسی کرے"۔

یہ آواز جو دی تو ادھر سے تو کسی نے آواز نہ دی، کسی نے لبیک نہ کہا، البتہ خیموں کی طرف سے بیبیوں کے رونے اور شیون و فریاد کی آواز پہنچی۔ آپؑ اس طرف متوجہ ہوئے۔ جوں جوں خیمے کی جانب بڑھتے جاتے ہیں، بیبیوں کے گریہ و بکا کی آوازیں بلند ہوتی جاتی ہیں۔ آخر جلدی جلدی جنابِ زینبؑ کے خیمے پر پہنچے، آواز دی: بہن! میں ابھی زندہ ہوں۔ ارے تمہارے رونے سے یہ لوگ خوش ہو رہے ہیں۔ تمہاری آوازیں بلند نہ ہوں جب تک میں زندہ ہوں۔ جنابِ زینبؑ نے بھائی کی آواز سنی _____ تو ایک مرتبہ دروازے پر آ کر کہتی ہیں: بھیا! ذرا اندر تو آیئے۔ کیا قیامت ہو گئی۔ اندر گئے، فرمایا کیا ہے؟ عرض کرتی ہیں: بھیا! نہیں معلوم آپؑ کی اس فریاد میں کیا اثر تھا کہ علی اصغرؑ نے جھولے میں تڑپنا شروع کر دیا اور پھر اس کے بعد اتنا تڑپے کہ جھولے سے گر گئے۔ میں نے گود میں اُٹھایا، قرار نہیں آتا۔ ماں گود میں لیتی ہے تو چپ نہیں ہوتے۔ بہنیں لیتی ہیں تو خاموش نہیں ہوتے۔ یہ حالت دیکھ کر بیبیوں میں کہرام برپا ہو گیا ہے۔

امام حسینؑ نے فرمایا: ہاں بہن میں سمجھ گیا۔ ان کو تو میں لایا تھا اور سوچ سمجھ کر لایا تھا۔ اچھا تو بہن! میں ایسا کرتا ہوں کہ ان کو لئے

جاتا ہوں۔پانی مانگوں گا۔جنابِ علی اصغرؑ کی خاموش ماں، کبھی بچے کو دیکھتی ہیں، کبھی حسینؑ کو دیکھتی ہیں۔امام حسینؑ نے اپنی بہن سے فرمایا: علی اصغرؑ کو مجھے دے دو، میں لئے جارہا ہوں۔ جب حسینؑ کے ہاتھوں پر آئے علی اصغرؑ اور آپؑ دروازے کی طرف چلے تو ابھی تک مادرِ علی اصغرؑ خاموش کھڑی تھیں۔ جب حسینؑ جانے لگے تو ایک مرتبہ تیزی سے بڑھیں اور سامنے آکر عرض کیا: میرے آقا! ذرا میرے بچے کو مجھے دے دیجئے۔امام حسینؑ نے ماں کی گود میں دے دیا۔ بیبیاں یہ سمجھیں کہ پیار کرنے کیلئے شاید لے رہی ہیں۔لیکن کیا کیا جنابِ ربابؑ نے! گود میں لیتے ہی اپنے خیمے کی طرف چلیں۔اپنے خیمے میں داخل ہوئیں۔وہاں پہنچ کر صندوق کھولا،اس میں سے علی اصغرؑ کا نیا کرتہ نکالا۔جسم پر جو کرتہ تھا، اُسے اتارا، نیا کرتہ پہنایا، آنکھوں میں سرمہ لگایا اور بالوں میں کنگھی کی۔آخر میں آستین کچھ اوپر کی طرف اُلٹائے اور فرماتی ہیں: بیٹا! جو خیمے سے گیا، واپس نہیں آیا۔اب تم جارہے ہو، واپس نہیں آؤ گے۔ بیٹا اگر تیر لگ جائے تو رونا نہیں۔اس کے بعد بچے کو لا کر امام حسینؑ سے عرض کیا: آقا! یہ میرا تحفہ ہے، اس کو قبول کریں۔یہ میری طرف سے قربانی ہے۔امام حسینؑ آئے میدان میں۔ بچے کیلئے پانی مانگا، کسی نے نہ دیا۔فرماتے ہیں: بیٹا! تم حسینؑ کے بیٹے ہو، میری روحانیت میں شریک ہو۔ بیٹا! میرے کہنے سے پانی نہیں دیتے۔ بیٹا! ذرا تم ہی مانگ لو۔اِس بچے نے کیا کیا؟ اپنی سوکھی زبان نکالی اور ہونٹوں کے اوپر پھیرنی شروع کر دی۔

حالت یہ ہوئی کہ یزیدی فوج کے لوگ منہ پھیر کر رونے لگے۔ابن سعد گھبرا گیا اور اُس نے حرملہ سے کہا: حرملہ جلدی کر۔اُس نے ایک تیر جوڑا۔تمام کتابوں میں ہے کہ وہ تین بھال کا تھا۔لوہے کی بھالیں، ننھا سا گلا، حسینؑ کے بازو سے گلا ملا ہوا ہے۔اِدھر سے تیر آیا۔کیا عرض کروں! کیا ہوا؟ ایک مرتبہ بچہ اُچھلا اور تیر حسینؑ کے بازو میں پیوست ہو گیا۔امام حسین علیہ السلام نے تیر جو کھینچا ______ اولاد والو! تیر جو کھینچا تو علی اصغرؑ کا گلا بھی تیر کے ساتھ چلا آیا۔اس کے بعد فرماتے ہیں: بیٹا علی اصغرؑ! اب تمہارے گلے سے تیر کھینچتا ہوں، اس کے بعد علی اصغرؑ کے گلے سے تیر کھینچا۔علی اصغر مسکرائے۔مطلب یہ تھا، بابا! اماں کو سلام کہہ دیجئے گا کہ تیرا بیٹا رویا نہیں ہے۔

❁❁❁

# روزِ عاشور

عاشورہ کا دن، نمازِ ظہر کا وقت آیا۔ کچھ اصحاب باقی ہیں۔ اُن میں سے ایک عرض کرتے ہیں: فرزندرسولؐ! زوال کا وقت شروع ہوگیا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ آپؑ کی اقتداء میں آخری نماز پڑھ لیں۔ امام حسینؑ بڑے خوش ہوئے۔ کس طرح کی نماز ہوئی۔ کچھ اصحاب اس طرف آگے کھڑے ہوگئے، جدھر فوج تیر برسا رہی تھی۔ حسینؑ نماز میں مصروف ہوئے۔ یہ آگے امام حسینؑ کے کھڑے ہوگئے۔ اِدھر سے تیر آرہے ہیں۔ ہڈیوں کو توڑ رہے ہیں۔ سینے میں پیوست ہورہے ہیں لیکن ان میں سے ایک نہیں گرتا۔ کیوں اس قدر استغراق ہے۔ اس قدر غرق ہوچکے ہیں عشقِ حسینؑ میں کہ تیروں کا پتہ ہی نہیں چلتا کہ کہاں سے آرہے ہیں اور کہاں لگ رہے ہیں۔ امام حسینؑ کی جب آواز آئی:

"اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ"

اب سمجھے کہ نماز ختم ہوئی۔ اُدھر نماز ختم ہوئی حسینؑ کی، اِدھر یہ ختم ہوگئے۔ آپ نے خیال فرمایا کہ اتنی روحانیت کے مالک کبھی آپ نے دیکھے ہیں کہ آئے ہیں اپنی جانیں بیچنے کیلئے۔

امام حسین علیہ السلام سے عہد ہوچکا ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا: بھائیو! تم چلے جاؤ، آج کی شام میں نہیں دیکھوں گا۔ عاشورہ کا دن ہے، رات کو کہا تھا کہ یہ رات جو آنے والی ہے، میری زندگی میں نہیں آئے گی۔ چلے جاؤ، اپنے بال بچوں سے جا کر مل لو جن کے بال بچے ہیں، وہ مل آئیں۔

وہ آوازیں دیتے ہیں کہ حسینؑ! اگر ہم چلے جائیں تو خدا کرے ہمیں درندے کھا جائیں۔ حسینؑ فرماتے ہیں: بھائیو! میں نانا کو تم سے راضی کروالوں گا۔ میں یہ کہہ دوں گا: نانا! میں نے خود ان کو بھیجا تھا، یہ خود نہیں آئے تھے۔ میرے نانا تم سے ناخوش نہیں ہوں گے۔ امام حسینؑ نے یہ فرمایا۔ جانتے ہیں، کیا جواب دیا ہے اصحابِ باوفا نے: اگر ہم ہزار بار قتل کئے جائیں اور پھر جلا دیئے جائیں اور ہماری راکھ اُڑا دی جائے تو ہر بار ہماری راکھ کا ہر ذرہ آپؑ کے قدموں میں گرے گا۔ آپؑ کو چھوڑ کر کیوں چلے جائیں؟ رہ گئے یہ بال بچے، حسینؑ! اگر آپؑ کی راہ میں ان کو تکلیف ہو تو اس تکلیف سے بڑی راحت کیا ہے؟ کہیں دنیا میں ایسے واقعات ہوئے ہیں؟

میں آپ سے عرض کروں۔ اس وقت یزید کی بیعت کس کس نے کرلی تھی؟ مجھے اس کا ذکر نہیں کرنا ہے۔ اتنی بات کہنی ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا خاندان ایسا نہیں رہا تھا جس نے یزید کے ہاتھوں پر بیعت نہ کرلی ہو۔ عبداللہ ابن زبیر مکہ چلے گئے تھے۔ اپنی خلافت کا اعلان کردیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ جن کی دسترس میں یہ چیز نہ تھی، انہوں نے سب نے بیعت کرلی تھی۔ حسینؑ نے کہا نانا کے روضے پر جا کر: نانا! میں آپ کی قبر کو کبھی نہیں چھوڑتا لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کی محنتیں برباد ہورہی ہیں۔ میرے علی اکبرؑ کے سینے پر برچھی لگ جائے گی۔ میری بہنیں قید ہوجائیں گی لیکن آپ کی محنت کو برباد نہیں ہونے دوں گا۔

اے میرے بزرگو! کبھی تصور میں سوچنا اِن چیزوں کو، اپنی جان کو پیش کر دینا اور بات ہے، غیروں کو بلا کر آگے کر دینا اور بات ہے۔ عزیزوں کو بھی آگے بڑھا دینا اور بات ہے۔ لیکن حضور! ناموس کا معاملہ ایسا ہے کہ جب یہ معاملہ آتا ہے تو اولاد کو بھی فدا کر دیا جاتا ہے کہ ناموس پر حرف نہ آنے پائے۔ جان کو بھی فدا کر دیا جاتا ہے۔ سب کچھ فدا کر دیتا ہے لیکن جب دین پر مصیبت آتی ہے تو پھر ناموس کو بھی فدا کر دینا چاہیئے۔ لیکن دنیا میں آج تک ایسا کوئی پیدا نہیں ہوا سوائے امام حسینؑ کے جو گھر سے اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو لے کر چلے۔ جنہوں نے غالباً دن کے وقت گھر کے باہر کی دیوار تک نہ دیکھی تھی۔ اگر کبھی ناناؐ کی زیارت کا شوق ہوا، خود نہیں گئیں، امیر المؤمنین علیہ السلام سے یا بھائیوں سے کہا کرتی تھیں۔

بابا! اماں کی قبر کی زیارت کو دل چاہتا ہے۔ ناناؐ کی قبر کی زیارت کو دل چاہتا ہے، اجازت دیجئے۔ امیر المؤمنینؑ اجازت دیتے تھے۔ مگر پہلے یہ حکم دیتے تھے کہ یہاں سے جنت البقیع تک جو راستہ ہے، اس راستے میں اِدھر اُدھر جو کوچے ہیں، پہلے وہ بند کر دیئے جائیں کہ کوئی اِن کوچوں سے گزرنے والا نہ گزرے۔ اس کے بعد جب نکلتی تھیں شہزادیاں تو ایک طرف امام حسنؑ ہوتے تھے اور ایک طرف امام حسینؑ ہوتے تھے۔ اِن شہزادیوں کو حسینؑ اپنے ہمراہ لے کر جارہے ہیں کہ اُن کی شہادت کے بعد بازاروں میں پھرائی جائیں گی۔ یہ درباروں میں لائی جائیں گی۔ اب آپ سمجھئے کہ دین پر حسینؑ کا کتنا بڑا احسان ہے۔

عاشورہ کا دن ہے، کوئی نہیں رہا امام حسینؑ کے ساتھ۔ علی اصغرؑ کو دفن کر چکے۔ علی اکبرؑ کا لاشہ اُٹھا کر لے جاچکے ہیں۔ عباسؑ کے بازو قلم ہو چکے۔ دریا پر چھوڑ آئے کیونکہ وصیت یہ تھی کہ مجھے نہ لے جایئے گا۔ یہ سب کچھ ہو چکا۔ اب امام حسینؑ میدان میں کھڑے ہوئے اُن سے کہہ رہے ہیں:

کوفے اور شام کے لوگو! دیکھو، اب میرا کوئی نہیں، میں زندہ نہیں رہوں گا لیکن تھوڑا سا پانی تو پلا دو۔ کسی طرف سے کوئی جواب نہیں آتا۔ چند لمحوں کے بعد ایک شخص کی آواز آتی ہے داہنی طرف سے: پیاسے میرا سلام! امام حسینؑ اُس طرف دیکھتے ہیں، ایک شخص کھڑا ہوا ہے مسافرانہ لباس میں۔ ہاتھ میں کشکول پانی سے بھرا ہوا۔ آپؑ نے فرمایا: تو کون ہے جو یہاں مجھے سلام کررہا ہے کیونکہ یہاں تو کوئی مجھے سلام کے قابل ہی نہیں سمجھتا۔ اس نے کہا کہ میں فلاں جگہ کا رہنے والا ہوں، میرا دل چاہا کہ میں کچھ سیاحت کروں۔ سیاحت کیلئے گھر سے چلا تھا۔ آج اس دریا کے کنارے پہنچا، کنارے پر بیٹھ گیا۔ پانی پیا، منہ ہاتھ دھویا۔ بیٹھا ہوا تھا کہ کچھ تھوڑا سا دم لے لوں، پھر چلوں گا۔ پیاسے! ایک مرتبہ تیری آواز جو کان میں آئی کہ مجھے پانی پلا دو، میرے دل کی رگیں کٹ گئیں۔ اتنا اثر کیا کہ میں بیٹھ نہ سکا۔ یہ پانی بھر کر لایا ہوں، لے پی لے۔ آپؑ نے فرمایا: خدا تجھے جزائے خیر دے، میں پانی نہ پیوں گا، چلا جا، دور نکل جا کیونکہ اس کے بعد جو میری فریاد کی آواز بلند ہوگی، وہ جو کوئی سن لے گا اور نہ آئے گا، تو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ تو چلا جا۔ اُس نے کہا: میں چلا تو جاؤں لیکن تو پانی تو پی لے۔ دیکھ! تیرے ہونٹ خشک ہو گئے ہیں، تیری آنکھوں میں حلقے پڑے ہوئے ہیں۔

جلدی سے یہ پانی پی لے۔ آپؑ نے فرمایا: بھائی! اب کیا پیوں گا؟ ابھی ابھی اپنے چھ ماہ کے بچے کی قبر بنائی ہے جو پیاسا اُٹھ گیا۔

وہ میرے جوان بیٹے کی لاش پڑی ہوئی ہے جو پیاسا اُٹھ گیا۔ وہ میرا بھائی نہر کے کنارے پڑا ہوا ہے، پانی ہی کیلئے گیا تھا۔ اب میں کیا پانی پیوں گا۔ وہ کہتا ہے: پھر کیوں مانگ رہے تھے پانی؟ آپؑ نے فرمایا: اتمامِ حجت کر رہا تھا کہ کل یہ نہ کہیں کہ مانگتے تو دے دیتے۔ مظلوم! یہ تیرا سارا خاندان تباہ ہو گیا، کوئی نہ رہا، آخر تیرا کیا قصور تھا؟

آپؑ نے فرمایا: یہ قصور تھا کہ وہ کہتے تھے کہ یزید کی بیعت کرلو۔ میں کہتا تھا کہ فاسق و فاجر کی بیعت نہ کروں گا، دین تباہ ہو جائے گا۔ یہ جو لفظ آپؑ نے کہے تو وہ ایک مرتبہ گھبرا گیا۔ سر سے پاؤں تک دیکھا اور اس کے بعد کہتا ہے: مظلوم! تیرا وطن کہاں ہے؟ امام حسینؑ نے فرمایا: مدینہ۔ ارے کس قبیلے کا ہے؟ کہا بنی ہاشم۔ یہ جو کہا تو ایک مرتبہ اُس کا دل دھڑکنے لگا۔ رسولؐ سے کیا قربت ہے؟ فرمایا: میرے ناناؐ ہوتے ہیں۔ تیرا نام کیا ہے؟ کہا: حسینؑ ابن علیؑ۔ یہ نام سننا تھا کہ وہ کہتا ہے کہ جنابِ فاطمہ زہراؑ کے فرزند آپ ہی ہیں؟ امام حسینؑ نے فرمایا: ہاں، میں ہی ہوں۔ اُس نے کہا: آقا! مجھے بھی اجازت دیجئے کہ میں ان لوگوں سے لڑ کر اپنی جان فدا کر دوں۔ آپؑ نے فرمایا: تجھے اجازت نہیں دوں گا بلکہ تو اپنے گھر چلا جا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ جو تو اپنی ایک بیٹی چھوڑ کر آیا ہے، وہ تجھے بہت یاد کرتی ہے۔ یا حسینؑ! سکینہؑ کا بھی کبھی خیال آیا کہ آپؑ کے بعد کیا ہوگا؟

❁❁❁

# امام زین العابدینؑ پر غشی کا طاری ہونا

اگر امام حسین علیہ السلام اپنی زندگی میں امام زین العابدین علیہ السلام کو اپنا وصی نہ بنا گئے ہوتے تو زمین و آسمان نہ رہتے۔ یہ ضروری ہے کہ حجت خدا ہر وقت رہے۔ خلق سے پہلے بھی حجت خدا، بعد میں بھی ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ بھی رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ولی اُٹھتا نہیں جب تک کہ دوسرے کو اپنا قائم مقام نہ بنا لے۔ آئمہ طاہرینؑ میں یہی رہا۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام قید خانے میں ہیں اور زہر دے دیا گیا ہے اور آپؑ کی حالت بس قریب المرگ پہنچ چکی ہے۔ تیسرے دن آپؑ زمین سے اُٹھ نہیں سکتے تھے۔ لیٹ کر ہی اشاروں سے نمازیں ہو رہی ہیں۔ ایک غلام تھا جو مقرر کیا گیا تھا کہ دروازہ اس وقت تک نہ کھولنا جب تک یہ مر نہ جائیں۔ یہ کھڑا ہوا ہے دروازے پر۔ یہ تیسرے دن کا واقعہ ہے۔ اس کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ ایک نوجوان یکا یک میرے سامنے آیا۔ وہ اتنا حسین تھا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے چودھویں رات کا چاند ہو۔ اُس نے حکم دیا کہ دروازہ کھول دو۔ میں نے کہا کہ بادشاہ کا حکم نہیں ہے۔

اُس نے کہا کہ ہٹتا کیوں نہیں۔ میرا باپ دنیا سے جا رہا ہے، میں اُس کی آخری زیارت کیلئے حاضر ہوا ہوں۔ چنانچہ غلام ایک طرف ہٹا۔ وہ جوان آگے ہوا، دروازہ خود بخود کھلا۔ وہ داخل ہوا اور دروازہ پھر بند ہو گیا۔ اس کو دیکھتے ہی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ہاتھ اُٹھا دیئے اور سینے سے لگا لیا۔ یہ کیوں؟ یہ اس لئے کہ زمین حجت خدا سے خالی نہ رہ جائے۔

امام حسین علیہ السلام بھی آئے اپنے فرزند بیمار کے پاس۔ امام زین العابدینؑ پر عالمِ غشی طاری ہے۔ آپؑ کو کچھ پتہ نہیں کہ کیا ہو چکا۔ صبح سے اب تک آپؑ اس وقت آئے ہیں جب علی اصغر کو بھی دفن کر چکے۔ آخری رخصت کیلئے بیبیوں کے خیمے میں آئے ہیں اور آواز دی کہ میرا آخری سلام قبول کر لو۔ چنانچہ زینبؑ نے پاس بلا لیا۔ بھائی سے لپٹ گئیں۔ بھیا! کیا میرے سر سے چادر اُترنے کا وقت آ گیا؟ کیا میرے بازوؤں کے بندھنے کا وقت آ گیا؟ امام حسینؑ نے آپؑ کو تسلیاں دیں۔ آپؑ نے فرمایا: بہن! اتنی مضطرب نہ ہو۔ اگر تم اتنی مضطرب ہو جاؤ گی تو ان بیبیوں کو شام تک کون لے جائے گا؟ تمہیں سنبھالنا ہے، خدا کے بعد یہ بیبیاں تمہارے حوالے ہیں۔ یہ چھوٹے چھوٹے بچے تمہارے حوالے ہیں۔ آپؑ نے وصیتیں کیں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں: بہن! ذرا مجھے میرے بیمار بیٹے تک پہنچا دو۔

جنابِ زینبؑ امام زین العابدین علیہ السلام کے خیمے میں لے گئیں۔ خدا کسی باپ کو بیٹے کی یہ حالت نہ دکھائے۔ عالمِ غشی میں پڑے ہیں۔ صبح سے بخار کی جو شدت ہوئی ہے تو آنکھ نہیں کھول سکے امام زین العابدین علیہ السلام۔ امام حسینؑ پاس بیٹھ گئے، بیٹے کی شکل دیکھی۔ حالت ملاحظہ کی، آواز دی: بیٹا زین العابدینؑ! باپ کو آخری مرتبہ دیکھ لو۔ اب میں بھی جا رہا ہوں۔ امام زین العابدینؑ کی آنکھ نہ کھلی۔ شانے پر ہاتھ رکھا۔ شانہ ہلایا، آنکھ نہ کھلی۔ آواز دی، آنکھ نہ کھلی۔ ایک مرتبہ نبض پر ہاتھ رکھا، بخار کی شدت معلوم ہوئی۔ انجام یاد آ گیا کہ

تھوڑی دیر کے بعد کیا ہونے والا ہے؟ آخر باپ کا دل تھا، حسینؑ رونے لگے۔ گرم گرم آنسو جو چہرۂ بیمارؑ پر پڑے، آپؑ نے آنکھیں کھول دیں۔ دیکھا کہ ایک شخص سر سے پاؤں تک خون میں ڈوبا ہوا سامنے بیٹھا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر عابدِ بیمار پریشان ہو گئے۔

امام حسینؑ نے فوراً کہا: بیٹا! گھبراؤ نہیں۔ اور کوئی نہیں، تمہارا مظلوم باپ ہے۔ امام زین العابدین علیہ السلام کو خیال آیا کہ میرے باپ کے اتنے دوست اور رفقاء تھے، یہ کس طرح زخمی ہو گئے؟ آپؑ پوچھتے ہیں: بابا! حبیب ابن مظاہر کہاں گئے؟ فرمایا: بیٹا! وہ مارے گئے۔ کہا مسلم ابن عوسجہ کیا ہوئے؟ کہا کہ وہ بھی مارے گئے۔ اس کے بعد پوچھا: پھر میرے بہادر اور جری چچا عباسؑ علمدار کیا ہوئے؟ فرمایا: دریا کے کنارے بازو کٹائے سو رہے ہیں۔ عرض کرتے ہیں: بابا! پھر بھائی علی اکبرؑ کہاں ہیں؟ فرماتے ہیں: بیٹا! کس کس کا پوچھو گے؟ وہ بھی نہیں، صرف میں رہ گیا اور تم رہ گئے ہو۔

میں اس لئے آیا ہوں کہ تمہیں آخری وصیت کروں اور اسرارِ امامت سپرد کر دوں۔ اس کے بعد کچھ فرمایا کہ جس کا تعلق اسرارِ امامت سے تھا اور ایک مرتبہ اُٹھے کہ بیٹا! میں جا رہا ہوں۔ اب نہیں آؤں گا۔ دیکھو! ماں بہنوں کا ساتھ ہے ____ بازاروں میں جانا ہے ____ دربار میں جانا ہے، جلال میں نہ آ جانا ____

❁❁❁

# امام حسینؑ کا مدینہ سے کربلا پہنچنا، میدانِ شہادت میں آنا اور حضرت علی اصغرؑ کے بارے میں ایک روایت۔

میرے مسلمان بھائیو! حضرت ابراہیمؑ ہمارے رسولؐ کے داداؤں میں سے ہیں جن کو تقریباً اڑھائی ہزار برس کا فاصلہ ہے۔ ہمارے رسولؐ کے ایک دادا کے گھر میں ایک خوشی ہوئی تھی کہ اُن کا بچہ ذبح ہونے سے بچ گیا تو قیامت تک کیلئے یادگار بن گئی یہ خوشی۔ تو مسلمانو! اگر تمہارے رسولؐ کا بیٹا ذبح ہوگیا اور اُس کا گھر برباد ہوگیا تو کیا وہ یادگار بننے کے قابل نہیں؟

آپ اس یادگار کی اہمیت کا اندازہ فرمائیں۔ اگر اس کو اس وقت تک ہی رکھا جاتا جب تک کہ شریعتِ ابراہیمی تھی مگر جب منسوخ ہو گئے احکامِ شریعتِ ابراہیمی تو اس کے بعد کیا ضرورت تھی اس یادگار کے قائم رکھنے کی؟ مگر نہیں، ایسا نہیں۔ پروردگارِ عالم نے اُمتِ جنابِ رسالتمآبؐ میں بھی اسے زندہ رکھا۔ جو فریضہ حج سے فارغ ہو چکے ہیں، اُن سے پوچھئے، وہاں جتنے اعمال ہیں، وہ یا جنابِ ابراہیمؑ کی یادگار ہیں یا جنابِ ہاجرہ کی یادگار ہیں۔

وہ چند مرتبہ گئی تھیں اور آئی تھیں پانی کی تلاش میں۔ آج حاجیوں پر وہ عمل فرض ہوگیا جس کا نام ہے سعی ــــــ یہ بزرگوں کی چیزیں یادگار بن جاتی ہیں۔ ارے یہ واقعہ جس میں ایک نہیں، بہتر (۷۲) قربان ہوگئے جس میں صرف مرد ہی نہیں بلکہ عورتیں بھی قید ہو گئیں۔ اس لئے قید ہو گئیں کہ دین خدا اور رسولؐ بچ جائے، کیا یہ اس قابل نہیں ہے کہ اس کی بھی یادگار قائم کی جائے۔

میرے بزرگو! یہ تو ایک چیز ہے، اتفاقات ہیں زمانے کے کہ کبھی صرف اس وجہ سے کہ نفس میں ایک کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ چونکہ تم کرتے ہو، لہٰذا ہم نہ کریں گے لیکن اگر یہ صحیح چیز کے متعلق ہے تو کتنی غلط بات ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں، میں سمجھتا نہیں ہوں بلکہ اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ امام حسین علیہ السلام کی شخصیت وہ ہے جو مسلمانوں میں سب کے نزدیک یکساں عزت و وقار رکھتی ہے بلکہ غیر مسلموں کے بھی۔ اگر حسینؑ کا نام آتا ہے تو سر جھک جاتے ہیں۔ آپ حضرات میں سے کم ہوں گے ایسے لوگ جو اِن چیزوں کو جانتے ہیں۔ آپ اگر جا کر دیکھیں تو پتہ چلے گا کہ کسی کا نام نہیں ہے غیر مسلموں کی زبان پر، مگر حسینؑ کا کلمہ پڑھا جا رہا ہے۔ ساڑھے پانچ سو کے قریب ہیں ہندوؤں کی ریاستیں۔ راجپوتانے میں ایک بھی ریاست ایسی نہیں جس میں حسینؑ کا تعزیہ نہ بنایا جا رہا ہو۔ یہ کیوں ہے؟ کیا تعلق ہے ان کا؟ ہمارے ساتھ تو کوئی چیز مشترک نہیں ہے۔ وہ لوگ رسولِ خدا کو نہیں پہچانتے، وہ علیؑ کو نہیں جانتے، اسلام سے واقف نہیں مگر یہ سمجھتے ہیں کہ حسینؑ وہ ہے کہ جس نے انسانیت کو زندہ رکھنے کیلئے سارا گھر لٹا دیا۔

گوالیار کا محرم دیکھیں اور اسی طریقے سے، جس طرف بھی چلے جائیں، غیر مسلم اس واقعہ کی یادگار قائم کئے ہوئے ہیں۔ یہاں بھی، اس لاہور میں خدائے وحدہٗ لاشریک گواہ ہے۔ میں نے پارٹیشن سے پہلے ایسے لوگ دیکھے ہیں جن کے گھر میں سال بھر تعزیہ رکھا رہتا

ہے۔وہ صبح اُٹھ کر، دروازہ کھول کر، سب گھر والے، ہاتھ جوڑ کو، چوکھٹ پر بیٹھتے تھے اور اپنی پیشانی رکھتے تھے۔ میں نے اُن سے پوچھا: بھائیو! تمہیں کیا ہوا؟ تمہیں اس کی کیا ضرورت ہے؟ کہنے لگے کہ بزرگوں سے چلی آ رہی ہے یہ بات کہ یہ ہے بڑا مظلوم اور خدا کی رضامندی کیلئے انسانیت کے اصولوں کی سربلندی کیلئے، اس نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔اس لئے یہ وہ ہے کہ اسے کبھی نہیں بھولنا چاہئے۔

موہنی روڈ (لاہور) پر ایک ہندو رہتا تھا، دریائی مل، جو ریلوے میں ملازم تھا۔مولانا ظفر مہدی صاحب جو سر مراتب علی کے ہاں رہا کرتے تھے، اُن کے بڑے مخالفین میں تھا۔وہ مجھے خود لے گیا اپنے ہاں اور اُس نے وہ تعزیہ دکھایا جو اُس کے بزرگوں سے چلتا رہا تھا۔تو اب یہ کیا ہے؟ بات دراصل یہ ہے کہ امام حسینؑ چھا گئے ہیں تمام دنیا کے اوپر۔وہ کام کر گئے، وہ کارنامہ پیش کر گئے جو ہمارے لئے یعنی مسلمانوں کیلئے تو باعث سربلندی اور باعث فخر ہے ہی، غیر مسلم بھی فخر کرتے ہیں کہ انسانیت میں ایک ایسا شخص پیدا ہو چکا ہے جس نے تمام دنیا سے قطع تعلق کر کے، خدا کے نام کو باقی رکھنے کیلئے اپنا سب کچھ لٹا دیا۔

آج ساتویں تاریخ ہے۔آج سے امام حسینؑ اور آپؑ کے جملہ متعلقین پر پانی بھی بند کر دیا گیا۔یعنی مصیبتوں کا ہجوم بڑھتا جا رہا ہے۔مدینہ سے چلے، محلہ والوں سے کہا، شہر والوں سے نہیں کہا کہ چلو میرے نانا کے دین پر تباہی آ رہی ہے۔علامہ مودودی نے پہلی تاریخ، اس محرم کی، ایک تقریر فرمائی تھی جس میں انہوں نے کئی چیزیں کہی تھیں۔ان میں یہ بھی تھا کہ اس زمانے میں دستور اور آئین اسلامی تباہ ہو چکا تھا۔امام حسینؑ نے دیکھا کہ اگر یہی حالت رہی تو پھر اسلام کا نام رہ جائے گا، باقی کچھ نہ رہے گا۔اس لئے انہوں نے اپنے گھر کو تباہ و برباد کرنے کیلئے تیار کر لیا کہ یہ رہے نہ رہے مگر خدا کا دین ضرور رہے۔

چنانچہ گھر سے نکلے تو کسی سے نہ کہا کہ تم میرے ساتھ چلو۔صرف اپنی بہنوں، بھائیوں اور گھر والوں سے کہا کہ ناناؐ کی بڑی محنتیں ہیں، انہوں نے اس دین کو بڑی مصیبتیں جھیل کر یہاں تک پہنچایا ہے، یہ تباہ ہو رہا ہے، تم میری مدد کرو گے یا نہیں؟ سب نے ایک زبان ہو کر کہا کہ آخر ہم میں بھی انہی کا خون ہے۔اس لئے ہم تیار ہیں۔بہنوں نے کہا کہ حسینؑ! اگر تم قتل ہو سکتے ہو تو ہم قید کی مصیبت جھیل سکتی ہیں۔

سارے کنبے کو لے کر چلے حضرت امام حسینؑ ـــــ ایک نانی رہ گئیں اُم المؤمنین اُمِّ سلمہؓ، جنہوں نے حسینؑ کو اپنی گود میں پالا تھا۔ایک وہ بی بی رہ گئیں جن کے چار بیٹے تھے اور اتنے حسین و خوبصورت تھے کہ اُن کی کوئی نظیر نہ تھی۔یہاں تک کہ بڑا بیٹا تمام حجاز میں قمر بنی ہاشم کہا جاتا تھا اور سنتے ہیں کہ ایک چھوٹی بچی رہ گئی۔

امام حسین علیہ السلام مدینہ سے عازمِ سفر ہوئے۔مکہ میں پہنچے، دنیا کو یہ بتلانے کیلئے کہ دیکھو! مجھے یہاں بھی امان نہیں، اس کے بعد کربلا پہنچے، وہاں فوجوں نے گھیرنا شروع کیا۔چاروں طرف سے فوجیں جمع ہونے لگیں۔آج جب ساتویں تاریخ آ گئی محرم کی تو نہر پر پہرے بٹھا دیئے گئے کہ جانور پانی پی لیں۔اگر کوئی کافر آئے تو پانی پی لے مگر فاطمہؑ کے بیٹے کیلئے پانی نہ دیا جائے۔امام حسین علیہ السلام سے آپؑ کے ساتھیوں نے عرض کیا: فرزند رسولؐ! اگر اجازت ہو تو ہم ان سے بھی لڑیں، ہم سیر و سیراب ہیں۔یہ اتنے نہیں ہیں کہ ٹھہر سکیں۔

حضرتؑ فرماتے ہیں کہ ''نہ''، میں لڑنے کیلئے نہیں آیا ہوں۔میں تو مر کر دنیا کو یہ دکھاؤں گا کہ یزید ایسا فاسق و فاجر انسان مجھ سے

اتنا کینہ رکھتا تھا جتنا میرے نانا محمد مصطفیٰؐ کا دشمن ہے۔

اپنی اسی پہلی حیثیت سے جس طرح یہ دشمنی چلی آ رہی تھی، کیونکہ یہ اگر رسولؐ کا دشمن نہ ہوتا تو اتنا ہی خیال کر لیتا کہ یہ رسولؐ ہی کی بیٹیاں تو ہیں۔ چنانچہ عاشور کا دن آ گیا۔ ساتویں کو حکم دیتے تو لڑائی ہوتی، اچھی لڑائی ہو جاتی مگر امام حسینؑ جانتے تھے کہ بنی ہاشم کے بہادر تھوڑی دیر میں ان کو بھگا دیں گے۔ میرا مقصد نہیں رہے گا، آٹھویں تاریخ بھی کہا اصحاب نے کہ مولاؑ! اب بھی موقعہ ہے، مگر آپؑ دیکھ رہے تھے ان بہادروں کے تیور کہ بازوؤں میں ابھی قوتیں ہیں، چہروں پر شادابی ہے، ابھی انکار کرتے رہے کہ میں اجازت نہیں دوں گا۔ جب عاشور کی صبح ہوئی تو آپؑ نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں میں گڑھے پڑ گئے۔ جب چلتے تو پاؤں لرزنے لگتے ہیں، ہاتھ اُٹھتے ہیں تو کانپنے لگتے ہیں بھوک اور پیاس کی وجہ سے۔ اس وقت آپؑ نے فرمایا کہ اچھا بہادرو! جب یہ لڑتے ہیں تو تم بھی لڑلو۔ ورنہ اجازت نہیں دی تھی، کیوں؟ اس لئے کہ اگر لڑائی ہو جائے تو ایسا نہ ہو کہ معاملہ اُلٹ جائے۔

حضور! بیٹوں کو، بھتیجوں کو، خود سوار کر کے بھیجا کہ جاؤ اور دشمنوں کی تلواریں کھاؤ۔ پھر آواز آئی کہ بابا! دنیا سے جا رہا ہوں۔ باپ پہنچتا ہے اور خود لاش اُٹھا کر لاتا ہے اور لاش جب رکھتا ہے تو سجدۂ شکر ادا کرتا ہے کہ پروردگار! تیرا شکر، تو نے اس مقام پر بھی ثابت قدم رکھا۔

اولاد والو! کبھی دنیا میں یہ چیز آپ نے دیکھی ہے؟ یا کسی تاریخ میں پڑھا ہے کہ کسی باپ نے اس طرح سے اپنے جگر کے ٹکڑوں کی لاشیں اُٹھائی ہوں۔ اصحاب کی لاشیں بھی میدانِ جنگ سے خود اٹھا اٹھا کر لاتے رہے۔ اگر کوئی کہتا کہ مولاؑ! ہم جائیں؟ تو آپؑ فرماتے کہ اُس نے مجھے پکارا ہے، تم ٹھہرو، میں جاؤں گا۔ جتنی اُس وقت میرے اوپر مصیبتیں زیادہ ہوں گی، پروردگار کی بارگاہ میں اتنے میرے درجات بلند ہوں گے۔

میرے بزرگو! امام حسینؑ کی جنگ کربلا میں ایک شخص سے جنگ نہ تھی بلکہ دس گروہ تھے جن سے جنگ تھی۔ کس سے جنگ تھی؟ ان دشمنوں سے جنگ تھی جو قتل کیلئے آئے تھے۔ اور کس سے جنگ تھی؟ ان آوازوں کے ساتھ جنگ تھی جو خیموں سے بلند ہوتی تھیں کہ "العطش"، پیاس نے مار ڈالا۔ اس تخیل سے جنگ تھی کہ بیبیاں قید ہو جائیں گی۔ بھوک اور پیاس سے جنگ تھی۔ اصحاب کے صدمات، عزیزوں کے مصائب یعنی ان تمام سے امام حسینؑ ایک وقت میں مقابلہ کر رہے تھے۔

میرے بھائیو! اپنے گھر جا کر یہ سوچنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ رسولؐ پوچھ بیٹھیں کہ میرے فرزند نے تمہارا کیا قصور کیا تھا کہ دنیا کی چیزیں یادگار کے قابل اور میرے بیٹے کو یاد کرنے کیلئے کوئی وقت نہیں؟ جس نے دین بچانے کیلئے سارا گھر لٹا دیا؟ آخری دو فقرے عرض کر کے ختم کرتا ہوں۔

حضور! آخر میں کوئی نہ رہا تو آپؑ نے ایک آواز دی تھی کہ کوئی اگر مدد کرنے والا ہے تو آ جائے۔ کل یہ نہ ہو کہ کوئی کہے کہ حسینؑ نے پکارا نہ تھا۔ یہ آواز جو خیموں میں پہنچی تو ایک بچہ تھا چھ مہینے کا حسینؑ ہی کا_____ وہ کچھ اس طرح سے تڑپا کہ گہوارے سے گر پڑا۔ آپؑ نے بچے کو لیا، میدان میں آئے۔ فرماتے ہیں: کوفے اور شام کے رہنے والو! اس بچے کو دو گھونٹ پانی کے پلا دو۔ یہ بچہ تو کسی مذہب و ملت میں قصوروار نہیں۔ اس کے بعد بچے سے کہتے تھے: بیٹا! تم بھی مانگ کر دیکھ لو۔ علی اصغرؑ نے اپنی سوکھی زبان ہونٹوں پر پھیرنی شروع کر دی۔ فوج

شام یہ دیکھ کر گھبرائی۔عمر سعد نے حرملہ سے کہا: کیا دیکھتا ہے،امامؑ کے کلام کو قطع کر۔اُس نے تیر کمان میں جوڑا۔

اولاد والو! تمام کتب مقاتل میں لکھا ہے کہ تین بھال کا تیر تھا، ہائے اصغرؑ کا گلا، تیر آیا اور گلے کو چھیدتا ہوا، حسینؑ کے بازو میں پیوست ہوگیا۔امام حسینؑ نے تیر جو بازو سے نکالا تو تیر کے ساتھ ساتھ اصغرؑ کا گلا بھی چلا آیا۔اس کے بعد فرماتے ہیں: بیٹا! اب تیر تیری گردن سے نکالنے لگا ہوں۔اصغر مسکرائے،مطلب یہ کہ میری ماں سے کہہ دینا کہ امی جان! تیرا بیٹا رویا نہیں۔

✿✿✿

# شہادتِ مسلم بن عوسجہ

## امام زین العابدینؑ کا آوازِ استغاثہ سن کر میدانِ جنگ کی طرف جانا، امام حسینؑ کا کہنا کہ بیٹا! واپس چلے جاؤ، ابھی تم نے اس سے بھی بڑا جہاد کرنا ہے۔

آج ساتویں تاریخ ہوگئی۔ آج کربلا میں نہر کے گھاٹ پر پہرے بٹھادیئے گئے کہ کافر اگر پانی پینا چاہیں تو پلادینا مگر رسولؐ کی اولاد کو پانی نہ دینا۔ یہ غالباً آج ہی تاریخ ہے سات محرم کہ جب فوجوں کے ہجوم ہونے لگے تو مسلم ابن عوسجہ نے امام زین العابدین علیہ السلام سے یہ کہا کہ آقازادے! ذرا آپ کچھ ادھر آئیں تو میں کچھ بات کروں۔ آپ چلے گئے۔ مسلم ابن عوسجہ نے کہا: شہزادےؑ! دیکھ رہے ہیں آپ، یہ فوجیں چلی آرہی ہیں اور یہ صرف ہمارے امامؑ کے ایک سر کیلئے آرہی ہیں۔ آپؑ ہم میں موجود ہیں اور آپؑ کے رگ و پے میں علیؑ کا خون دوڑ رہا ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ آپؑ کے ہوتے ہوئے ہم بغیر امامؑ نہ ہوں گے۔ یہ جو مسلم نے کہا تو امام زین العابدینؑ نے ایک انگڑائی لی اور فرماتے ہیں کہ: مسلم! مجھے شجاع بنانا چاہتے ہو، ارے کس کی مجال ہے کہ میں موجود ہوں اور میرے باپ کو کوئی میلی نظر سے دیکھ سکے۔ خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔

امام حسین علیہ السلام کا گھر بھی ایسا گھر تھا کہ کبھی چشمِ فلک نے نہ دیکھا ہوگا۔ امام زین العابدینؑ اپنے دادا امیر المؤمنین علیہ السلام سے مشابہ تھے۔ بائیس سال کی عمر تھی جب کربلا میں آئے تھے۔ جب کبھی گھوڑے پر سوار ہو کر گزر جاتے تھے تو یہی گمان ہوتا تھا کہ علیؑ جا رہے ہیں۔ دوسرا بیٹا ناناؐ کا ہم شکل، سر سے پاؤں تک معلوم ہوتا تھا کہ رسولؐ ہیں۔ کیسا پُر رونق گھر تھا۔ کربلا میں سارا گھر تباہ ہوگیا۔

جب امام زین العابدین علیہ السلام نے مسلم سے یہ کہا تو جنابِ مسلم ابن عوسجہ چپ ہو گئے۔ امام زین العابدینؑ آئے خیمے کی طرف اور غلام کو آواز دی کہ گھوڑے پر زین رکھ کر لے آؤ۔ آپؑ اندر چلے گئے۔ پھر واپس آئے تو خود تھا سر پر۔ جسم مبارک پر زرہ تھی اور مسلح تھے۔ غلام نے گھوڑا آگے بڑھایا۔ آپؑ سوار ہوئے، میدانِ کربلا میں ٹہلنا شروع کیا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ علیؑ آئے ہیں اور ٹہل رہے ہیں۔ کبھی فوجوں کی طرف نگاہِ غیظ کہ میرے باپ کے قتل کیلئے جمع ہوئے ہیں اور کبھی اپنے مظلوم باپ کی طرف نظر۔ جب تھوڑی دیر ہوگئی اور امام حسینؑ نے یہ طور دیکھے تو آواز دی: بڑی دیر سے ٹہل رہے ہو، آؤ نا ____ گھر میں چلے آؤ۔ باپ کا جو حکم ہوا تو گردن جھکائے ہوئے واپس ہوئے اور خیمے میں داخل ہوگئے۔ خیمے میں داخل ہونا تھا کہ اس کے بعد اس وقت نہ نکل سکے کہ جب تک ہاتھوں میں ہتھکڑیاں نہ پڑ گئیں۔ ایک مرتبہ ذرا نکلے تھے اور جنابِ اُمّ کلثوم پھر لے گئی تھیں۔ جاتے ہی بخار چڑھا اور بخار شدید ہوتا گیا، یہاں تک کہ صبح ہوئی ہے آٹھویں کی ____ تو آپؑ اٹھ کر بیٹھ نہیں سکتے تھے۔ قدرت کو منظور تھا یہی کہ سلسلۂ امامت قائم رہے اور پھر یہ بھی تو تھا کہ یہ شہزادیاں تنہا کس طرح

جائیں گی! کوئی تو ہو جو کبھی اُن سے بات کر سکے۔ اس لئے یہ بخار چڑھا اور ایسا چڑھا کہ آپ اٹھ بھی نہیں سکتے تھے۔ صبح کے وقت کچھ افاقہ ہوتا تھا، پھر آنکھیں بند ہو جاتی تھیں۔ نویں تاریخ کو کمزوری بہت بڑھ گئی۔ ذرا رات کو آنکھ کھلی تھی تو پھوپھی سے کچھ باتیں کر لیں۔

فرماتے ہیں: پھوپھی جان! میرے بابا کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا: اصحاب سے باتیں کر رہے ہیں۔ تو سرکتے سرکتے کچھ آگے آئے اور امام حسینؑ کی یہ بات جو سنی کہ میرے ساتھیو! میرے صحابیو! مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ۔ میں کل شام تک شہید ہو جاؤں گا۔ یہ آواز جو سنی تو آپؑ نے ایک چیخ ماری۔ امام حسینؑ کے کانوں میں یہ آواز پہنچی، دوڑتے ہوئے باہر نکل آئے۔ اُٹھا کر اندر لے گئے۔ فرماتے ہیں: بہن زینبؑ! میرے بیٹے کا خیال رکھنا۔ نمازِ صبح کے وقت افاقہ سا ہوا، نماز پڑھی۔ گھر میں بھائیوں کو دیکھ لیا، چچاؤں کو دیکھ لیا۔ باپ کا دیدار کر لیا۔ سب صحیح وسالم تھے۔ ادھر آفتاب نکلا، اُدھر بخار کی شدت ہوئی اور غشی طاری ہو گئی۔

حبیب ابن مظاہر مارے گئے، زہیر بن قین مارے گئے، مسلم ابن عوسجہ مارے گئے، قاسمؑ کی لاش آ گئی اور خیمہ میں بیبیوں کا ماتم ہو گیا۔ مگر امام زین العابدینؑ پر ابھی غشی طاری ہے۔ علی اکبرؑ بھی اُٹھ گئے دنیا سے۔ علی اصغرؑ کی ننھی سی لاش کو سپردِ خاک کیا جا چکا۔ علی اصغرؑ کی قبر بنا کر امام حسینؑ خیمے کے دروازے پر آئے اور آواز دی: میری بہنو! میرا آخری سلام، جنابِ زینبؑ نے عرض کیا: بھیا! خیمے میں آ جایئے۔ خیمے میں آئے تو بہن نے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور رونا شروع کیا۔ امامؑ نے فرمایا: بہن! اب رونے کا وقت نہیں۔ میرا امتحان ختم ہو رہا ہے۔ تمہارا امتحان شروع ہونے والا ہے۔ بہن! اتنی خواتین کو ساتھ لے کر جانا ہے، صبر سے کام لینا، بددعا نہ کر دینا۔

پھر فرماتے ہیں: اچھا بہن! ذرا مجھے میرے بیمار فرزند تک تو لے چلو۔ میں اُس کو آخری مرتبہ دیکھ لوں۔ آپؑ امام زین العابدین علیہ السلام کے خیمے میں آئے۔ عالمِ غشی میں آنکھیں بند ہیں۔ بیٹھ گئے، آواز دی، زین العابدینؑ بیٹا! باپ آیا ہے، ذرا آنکھیں کھولو، کچھ باتیں کر لو۔ آپؑ کی آنکھ نہ کھلی۔ شانہ پکڑ کر ہلایا، بیہوشی نہ ٹوٹی۔ نبض پر ہاتھ رکھا، بخار کی شدت محسوس ہوئی۔ خیال آیا: ارے یہ بخار کی یہ کیفیت! کمزوری کی یہ حالت! اِن ہاتھوں میں ہتھکڑیاں کیسے پڑیں گی؟ پاؤں میں بیڑیاں کس طرح پڑیں گی؟ آخر باپ کا دل تھا۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ یہ آنسو بیمار کے چہرے پر پڑے، آپؑ نے آنکھیں کھول دیں۔ آنکھیں جو کھولیں تو صبح باپ کو دیکھا تھا کہ نہ کوئی زخم ہے، نہ کپڑوں پر خون کا کوئی نشان تھا۔ اب جو آنکھ کھلی تو دیکھا کہ ایک شخص سر سے پاؤں تک زخمی، خون میں ڈوبا ہوا سامنے ہے۔

پریشان ہو گئے۔ امام حسینؑ نے فرمایا: بیٹا! گھبراؤ نہیں، تمہارا مظلوم باپ تمہیں ملنے کیلئے آیا ہے۔ امام حسینؑ کو پہچانا۔ خیال آیا کہ میرے باپ اتنے زخمی ہو گئے۔ اتنے عزیز تھے، دوست تھے، وہ کیا ہوئے؟ تو پوچھتے ہیں: بابا! وہ بچپن کے دوست حبیب کہاں گئے کہ آپؑ زخمی ہیں؟ فرمایا: بیٹا! وہ مارے گئے۔ کہا: مسلم بن عوسجہ کیا ہوئے؟ بیٹا وہ بھی مارے گئے۔ آخر میں عرض کرتے ہیں: پھر میرے بہادر اور جری چچا عباسؑ کہاں گئے جو آپؑ زخمی ہو گئے؟ فرماتے ہیں: بیٹا! نہر کے کنارے بازوؤں کو کٹائے ہوئے سو رہے ہیں۔

اس کے بعد عرض کرتے ہیں: بابا! میرے بھائی علی اکبرؑ؟ فرماتے ہیں: سینے پر نیزہ کھا کر دنیا سے اُٹھ گئے۔ بیٹا! اب میں آیا ہوں تم سے رخصت ہونے کیلئے۔ تھوڑی دیر باقی ہے کہ میں بھی نہ رہوں گا۔ یہاں بہنوں کا ساتھ ہے، کمزوری ہے، تکلیف زیادہ ہو تو بددعا نہ کرنا۔

امام حسینؑ میدان میں آئے، اِدھر دیکھا، اُدھر دیکھا۔ کوئی نہ تھا تو ایک مرتبہ آپؑ نے آواز دی۔ یہ غالباً آخری مرتبہ کا استغاثہ ہے: ''هَلْ مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرُنَا''۔ ''کوئی ہے جو اس عالم بیکسی میں میری فریادرسی کرے''۔ یہ آواز وہ تھی جو عالم کے ہر ذرّہ تک پہنچی اور تو کسی نے جواب نہ دیا لیکن خیموں سے بیبیوں کے رونے کی آوازیں بلند ہوگئیں۔ اب جو امامؑ نے خیموں کی طرف مڑ کر دیکھا تو کیا قیامت دیکھی! امام زین العابدین علیہ السلام ایک تلوار پکڑے ہوئے گھٹنوں کے بل زمین پر سرکتے ہوئے چلے آرہے ہیں۔ جنابِ اُمّ کلثوم پیچھے سے قمیص کا دامن پکڑے ہوئے ـــــ ارے بیٹا! کدھر جارہے ہو؟ عرض کرتے ہیں: پھوپھی جان! میرا مظلوم باپ فریاد کررہا ہے، مجھے جانے دیجئے۔

❁❁❁

# مجلسِ شبِ عاشور

حضراتِ محترم! امام حسینؑ کی زندگی کی آخری رات آ گئی۔ آج کچھ بیان کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ بس دل یہ چاہتا ہے کہ کچھ میں رولوں اور کچھ آپ رولیں۔ خدا جانے اس کے بعد زندگی ہے یا نہیں۔ یہ رونا وہ رونا ہے کہ انبیاء روتے رہے، مرسلین گریاں رہے۔ آئمہ طاہرینؑ کی وصیتیں ہیں کہ کچھ ہو جائے، دنیا کتنی ہی کروٹیں لے مگر حسینؑ کو نہ بھول جانا۔ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کی عاشور کی صبح کو اس طرح سے گریہ کرنا جس طرح سے ایک ماں اپنے جوان بیٹے کی لاش پر روتی ہے۔

افسوس! کہ جن کی وجہ سے اسلام، اسلام بنا، جن کی وجہ سے اسلام کی تکمیل ہوئی تھی، آج وہ وقت آ گیا کہ عبادت کیلئے ایک رات کی بھیک مانگنا پڑی۔ یہ الفاظ، بہت ممکن ہے کہ آپ حضرات کو گراں گزر رہے ہوں لیکن کیا کروں کہ واقعہ یہی ہے۔

آج دو پہر کے وقت شمر ملعون کربلا کی سرزمین پر پہنچا ہے دو ہزار سواروں کے ساتھ۔ جس طرح سے اور بہت سے واقعات اہلِ بیتؑ کو معلوم تھے، یہ بھی معلوم تھا کہ امام حسینؑ کا قاتل ایک شخص ہوگا جس کا نام ہوگا شمر ــــــــ جب یہ لوگ کربلا پہنچے تو انہوں نے گھوڑے اِدھر اُدھر اور اُدھر سے اِدھر دوڑانے شروع کیے تو زمین لرزنے لگی۔ بیبیوں نے پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ کسی نے کہا کہ شمر آ گیا۔ بیبیوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور مایوسانہ نگاہ سے دیکھا۔ دن ختم ہونے کو تھا۔ امام حسینؑ کسی فکر میں ایک کرسی پر بیٹھے تھے جو جنابِ زینبؑ کے خیمے کے باہر لگی ہوئی ہے۔ کچھ نیند سی آ گئی۔ شمر یہ حکم لایا تھا ابن سعد کے نام، ابن زیاد نے حکم دیا کہ پانچ ہزار سوار خیمہ گاہِ حسینؑ پر حملہ کر دیں۔ جس وقت وہ سوار آگے بڑھے، جنابِ زینبؑ خیمے کے پردے سے لگی ہوئی کھڑی تھیں۔ بھائی کا منہ دیکھ رہی تھیں اور غالباً یہ خیال تھا کہ کل میرا بھائی مجھ سے بچھڑ جائے گا۔

جب میدان کی طرف دیکھا تو نظر آیا کہ سوار خیموں کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ایک مرتبہ ہاتھ بڑھا کر امام حسینؑ کا بازو پکڑ کر ہلایا۔ آپؑ نے فرمایا: بہن کیا بات ہے؟ کہا: بھیا! فوجیں بڑھ رہی ہیں۔ امام حسینؑ نے جنابِ عباسؑ کو آواز دی۔ عباسؑ! ذرا ان سے جا کر پوچھو، یہ خیموں کی طرف کیوں آ رہے ہیں؟ ان کا ارادہ کیا ہے؟ جنابِ عباسؑ، حبیب ابن مظاہر، زہیر بن قین، مسلم بن عوسجہ، یہ سب کے سب آگے بڑھے۔ قریب پہنچ کر جنابِ عباسؑ نے آواز دی: رُک جاؤ وہیں، خدا جانے کیسا اثر تھا کہ ایک مرتبہ گھوڑوں کی باگیں کھنچیں اور فوج رُک گئی۔ فرمایا: کیوں بڑھ رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ابن زیاد کا حکم آیا ہے کہ خیمہ ہائے حسینؑ پر حملہ کر دیا جائے۔ اسی کی تعمیل میں ہم بڑھ رہے ہیں۔ آپؑ نے فرمایا: یہیں ٹھہرے رہو جب تک میں اپنے آقا سے اجازت نہ لے آؤں۔ جو کچھ وہ جواب دیں گے، اس کے بعد دیکھا جائے گا۔ ٹھہر گئے وہ لوگ۔ جنابِ عباسؑ آئے: آقا! یہ جنگ اس وقت کرنا چاہتے ہیں۔ امام حسینؑ نے فرمایا: بھیا! ان سے کہہ دو کہ میں ایک رات میں کہیں نہیں چلا جاؤں گا۔ مجھے ایک رات کی مہلت دے دو کہ میں جی بھر کر اپنے خدا کو یاد کر لوں۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہمیں حکم

نہیں ہے، ہم اجازت نہیں دیں گے۔ مگر فوراً ہی ایک دوسرے شخص نے کہا کہ اگر ترک و دیلم کافر ہوتے اور وہ ہم سے ایک رات کی اجازت مانگتے تو ہم دے دیتے۔ ارے یہ تو فرزندِ رسولؐ ہیں۔ یہ اگر ایک رات کی اجازت مانگ رہے ہیں تو دے دینے میں کیا حرج ہے؟ ابن سعد کو خبر کی گئی۔ اُس نے یہ بات منظور کر لی گئی کہ اچھا اب جنگ کل صبح کو ہوگی۔

حضور! ایک رات مل گئی۔ میں نے یہ کہا تھا کہ مانگی ہوئی رات ہے، کیا حالت ہے؟ بیبیوں کی کیا حالت ہوگی؟ اصحاب کی کیا کیفیت ہوگی؟ اس کا تصور کوئی نہیں کر سکتا۔ بیبیاں یہ سمجھ رہی ہیں کہ کل تک یہ خیمے کچھ نہ ہوں گے۔ اصحاب یہ جان رہے ہیں کہ کل ہم نہ ہوں گے۔ جس قدر ہو سکے، خدا کی عبادت کر لو۔ سبحان اللہ! تاریخوں میں یہ الفاظ ہیں کہ سوکھے ہوئے ہونٹوں سے خدا کی تسبیح اس طرح سے کر رہے تھے حسینؑ کے ساتھی کہ آسمان و زمین گونج رہے تھے۔

اب مثال یہ دی ہے کہ جیسے شہد کی مکھیوں کی آواز پھیلتی ہے۔ اسی طرح سے میدانِ کربلا میں اُن کی تسبیح کی آواز پھیل رہی تھی۔ امام حسینؑ کی کیفیت یہ تھی کہ کبھی اصحاب کے ساتھ بیٹھ کر تسبیح فرماتے تھے اور کبھی تھوڑی دیر کے بعد خیموں میں چلے جاتے تھے بیبیوں کو تسلیاں دینے کیلئے۔ ایک اہم واقعہ جو اس شب میں ہوا، وہ یہ ہے کہ جنابِ زینبؑ نے فضہ سے کہا ہے کہ فضہ! ذرا میرے ماں جائے کو تو بلا لاؤ۔ امام حسینؑ کو فضہ نے آواز دی: آقا! شہزادیٔ عالم یاد کر رہی ہیں۔ امام حسین علیہ السلام فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے۔ گردن جھکائے ہوئے خیمے کے دروازے پہ پہنچے، پردہ اُٹھایا، اندر داخل ہوئے۔ دیکھا کہ جنابِ زینبؑ زمین پر سر جھکائے بیٹھی رو رہی ہیں۔

عزادارانِ حسینؑ! امام حسینؑ نے پاس جا کر آواز دی: بہن! مجھے کیوں بلایا ہے؟ بہن نے بھائی کے گلے میں ہاتھ ڈال دیئے۔ فرمایا: بھیا حسینؑ! ذرا بیٹھ جاؤ، میری ایک بات سن لو۔ جب مدینہ سے چلے، بہت مرتبہ دل گھبرایا مگر بھیا! تم سے نہ کہا تا کہ ایسا نہ ہو کہ میرے بھائی کو رنج ہو۔ اس کے بعد جب مکہ آئے اور مکہ سے نکلنا پڑ گیا تو میرا دل اور زیادہ گھبرانے لگا مگر میں ضبط کرتی رہی۔ آپؑ سے کبھی ذکر نہ کیا۔ میرے بھائی حسینؑ! جس دن سے اس زمین پر پہنچے ہیں، ہر وقت میرا دل دھڑکتا رہا مگر میں نے آپؑ سے ذکر نہ کیا۔ میرے بھائی حسینؑ! یہ کیسی رات ہے کہ دل کو کسی طرح سے قرار نہیں آتا؟

میرے بھیا حسینؑ! اس وقت میرا دل بڑا گھبرا رہا ہے۔ امام حسینؑ نے کچھ تسلی دی۔ بہن! ابھی تو پوری رات ہے۔ کل ہوگا، جو کچھ ہوگا۔ اتنی کیوں گھبرا گئیں؟ اگر اتنی گھبرا جاؤ گی تو یہ بچے اور خواتین کس کے سپرد کروں گا؟ یہ بیبیاں کس کے ساتھ جائیں گی؟ جنابِ زینبؑ نے عرض کیا: میرے بھائی! اور سب چیزوں کو جانے دیں، مجھے یہ بتلائیں کہ یہ کون بی بی ہے جو خیموں کے دوسری طرف اکثر فریاد کرتی ہیں؟ امام حسینؑ نے فرمایا: بہن! پہچانا نہیں، یہ ہماری ماں فاطمہ زہراؑ ہیں جو ہمارے قافلے کے ساتھ ساتھ آئی ہیں۔۔

اچھا حضور! اصحاب کی یہ کیفیت ہے کہ باری باری کچھ پہرہ دے رہے ہیں اور باقی عبادت میں مشغول ہیں۔ کبھی پہرہ دینے والے عبادت کیلئے چلے جاتے ہیں اور باقی آ کر پہرہ دینے لگتے ہیں۔ کیا دنیا نے کبھی ایسے اصحاب دیکھے ہیں؟

ارے جنگِ اُحد میں رسولؐ کے ساتھ تین آدمی رہ گئے تھے۔ جنگِ حنین میں زیادہ سے زیادہ نو (۹) آدمی جنابِ رسولِ خدا کے

ساتھ رہ گئے تھے۔ دنیا میں کبھی ایسے لوگ دیکھے ہیں جو جانتے ہوں کہ زندگی ختم ہو رہی ہے لیکن ہونے سے پہلے یہ نہ دیکھیں کہ حسینؑ کا کوئی بچہ زخمی ہوا۔

اس شب کا ایک واقعہ کتابوں میں آ گیا اور وہ یہ کہ ادھر ابن سعد نے افسرانِ فوج کو جمع کیا ہے اور مشورہ ہو رہا ہے کہ کل صبح جنگ کس طرح سے شروع کی جائے تا کہ جلدی ختم ہو اور ابن زیاد کو خبر دی جائے کہ ختم ہو گئی۔ ایک شخص نے اُن سے کہا کہ میں ایسا کر سکتا ہوں کہ آج رات کو ہی جنگ ختم ہو جائے۔ کل ضرورت ہی نہ رہے فوج کے لڑنے کی۔ لوگوں نے کہا کہ وہ کس طرح؟ اس نے کہا کہ جنگ ختم ہو جانے کا مقصد بس حسینؑ کا قتل ہو جانا ہی تو ہے۔ اگر حسینؑ آج رات ہی قتل ہو جائیں تو پھر باقی کیا رہ جائے گا! اس سے پوچھا گیا کہ اس وقت کیسے اُنہیں قتل کیا جا سکتا ہے؟ اُس نے کہا کہ میں ابھی جاتا ہوں امام حسینؑ کے پاس۔ اُن پر حملہ کر دوں گا۔ اس میں شک نہیں کہ میں بھی مارا جاؤں گا لیکن تم ابن زیاد کے پاس جا کر میرے بچوں کی سفارش کر دینا۔ چنانچہ یہ وہاں سے چلا، تلوار اس کے ہاتھ میں ہے۔ رات کا وقت ہے، آدھی رات سے زیادہ گزر چکی ہے۔ یہ جس طرف سے آ رہا تھا، اس طرف ہلال پہرہ دے رہے تھے۔ ہلال نے دیکھا کہ کوئی شخص ادھر آ رہا ہے۔ جب وہ قریب آیا تو اُنہوں نے اس کو روکا: کون ہے جو ادھر آ رہا ہے؟ اُس نے اپنا نام بتایا۔ جب اور قریب آ گیا تو انہوں نے کہا: کدھر جا رہے ہو؟ اُس نے کہا کہ میں امام حسینؑ کے پاس جا رہا ہوں، کچھ میرا کام ہے۔

آپ نے کہا: بے شک جاؤ، وہ امامِ وقت ہیں۔ حاجت روائے عالم ہیں، تم جاؤ مگر یہ تلوار یہاں رکھ جاؤ۔ اُس نے کہا: دیکھو! یہ میری توہین ہے، میں تلوار ساتھ لے کر جاؤں گا۔ ہلال نے کہا: آج تو نہیں جانے دوں گا۔ اُس نے کہا: نہیں، مجھے ضروری جانا ہے۔ اس کے بعد اُس نے قدم بڑھانے کا ارادہ کیا۔ ہلال نے وہیں سے آواز دی: قدم بڑھایا تو سر نہ ہوگا۔ یہ آواز کچھ اِتنی بلند ہو گئی تھی کہ امام حسینؑ کے کانوں تک پہنچی۔ امام حسینؑ نے آواز دی: ہلال! کون ہے؟ کس سے باتیں کر رہے ہو؟ جنابِ ہلال نے عرض کیا: مولاؑ! یہ شخص آپؑ کی خدمت میں آنا چاہتا ہے۔ میں اسے نہیں چھوڑوں گا جب تک تلوار نہ رکھ دے۔ مجھے اس کی صورت سے اندیشہ معلوم ہوتا ہے۔ امام حسینؑ نے فرمایا: ہلال! آنے دو۔ اب امامؑ کا حکم، کیا کریں۔ ہلال نے اُسے چھوڑا مگر کس طرح؟ جب وہ امام حسینؑ کے سامنے جا کھڑا ہوا تو امام حسینؑ نے دیکھا کہ اُس کی تلوار کے قبضے پر ہلال کا ہاتھ ہے۔ یہ دیکھ کر امام حسینؑ مسکرائے۔ ہلال! یہ کیا ہے؟ عرض کرتے ہیں: مولاؑ! مجھے اس بات کی اجازت دیجئے کہ میں اس کی تلوار کے قبضے پر سے ہاتھ نہ ہٹاؤں۔

ہلال نے اس وقت اس کی تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ارے عاشور کے دن تم سب کے سب کہاں تھے جب شمر خنجر لے کر آیا تھا، کوئی نہ تھا جو اس پر ہاتھ رکھتا۔ کیا عرض کروں، رات گزر رہی ہے۔ بس ایک دفعہ عرض کر دوں۔ کتابوں میں یہ چیز بھی ہے کہ امام حسینؑ بیبیوں کے خیموں کی طرف وقفوں وقفوں سے جاتے ہیں۔ ایک یہ مقصد ہے کہ کوئی چھپ کر ادھر نہ آ جائے اور یہ بھی مقصد ہے کہ ذرا بیبیوں کو دیکھیں کہ کس عالم میں ہیں۔ بعض کتابوں میں یہ بھی ہے کہ جب مادرِ علی اکبرؑ کے خیمے کی طرف تھے تو دیکھا کہ علی اکبرؑ کچھ آرام کر رہے ہیں۔ ماں نے ایک شمع جلا رکھی ہے اور پاس بیٹھی ہوئی علی اکبرؑ کی صورت دیکھ رہی ہیں۔ ماں کہہ رہی ہے: میرے لال! کل یہ چاندی تصویر مٹ جائے گی۔ جنابِ زینبؑ کے خیموں کی طرف گئے، دیکھا کہ زینبؑ نے اپنے بچوں کو بٹھا رکھا ہے اور فرما رہی ہیں: بچو! کل قربانی کا دن ہے۔ میں

تمہیں اپنے بھائی پر قربان کردوں گی۔ بہرحال امام حسینؑ روتے رہے۔

بس حضور! اب اس سے آگے نہیں کہہ سکتا۔ بس ایک دو فقرے آخر کے سن لیں۔ کل نہ خیمے ہوں گے، یہ بیبیاں اس وقت پردے میں بیٹھی ہیں، کل فرش پر بیٹھی ہوں گی، نہ اُن کے بھائی ہوں گے، نہ اُن کے بیٹے ہوں گے۔

صبح سے جنگ شروع ہوگئی۔ وہ وقت آیا کہ اب حسینؑ کا کوئی مددگار نہ رہا۔ ایک مرتبہ فریاد کی آواز بلند کی:

"هَلْ مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرُنَا، هَلْ مِنْ مُغِيثٍ يُغِيثُنَا".

"کوئی ہے جو اس عالمِ بیکسی میں میری مدد کو آئے"۔

بیبیوں کے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ حسینؑ آئے، جنابِ زینبؑ نے کہا: علی اصغرؑ نے اپنے آپ کو گہوارے سے گرا دیا۔ فرماتے ہیں: ہاں! مجھے دے دو۔ لے آئے میدان میں۔ بچے کے تیر لگا۔ حسینؑ نے قبر بنائی، دو رکعت نمازِ شکر ادا کی۔ پھر اس کے بعد خیمے میں آئے۔ آخری مرتبہ خیمے میں آئے۔ اب ذرا تصور تو کیجئے، صبح کے وقت گھر بھرا ہوا تھا۔ اس وقت کوئی نہیں ہے۔ علی اکبرؑ بھی سینے پر برچھی کھائے ہوئے سو رہے ہیں۔ عباسؑ بھی نہر کے کنارے بازو کٹائے ہوئے آرام کر رہے ہیں۔ امام حسینؑ خیمے کی طرف تشریف لائے اور اب وہ فریاد کی آواز ہے۔ دنیا میں کوئی نہ تھا جس کے کان میں یہ آواز نہ پہنچی ہو۔ امام حسینؑ نے فرمایا: کوئی ہے جو اس مصیبت کو حرمِ رسولؐ سے دور کرے! کوئی ہے جو میری فریاد کو پہنچے!

حضورِ والا! یہ جو ایک دو مرتبہ آواز بلند کی اور کسی طرف سے جواب نہ آیا۔ میرے خیال میں جو انبیاء کھڑے ہوئے ہیں نا ــــــ میدانِ کربلا میں، انہوں نے لبیک کہا ہوگا مگر حسینؑ نے فرما دیا ہوگا: تمہاری مدد کی ضرورت نہیں۔ اب کیا ہوا، یہ دوسری مرتبہ فریاد کی آواز جو بلند کی، یہ دوسری مرتبہ ہے کہ خیموں سے بیبیوں کے رونے کی آواز باہر آئی۔ اب جو دیکھا تو یہ قیامت دیکھی کہ امام زین العابدین علیہ السلام، جو غشی کے عالم میں تھے، جب یہ آواز اُنؑ کے کان میں پہنچی، ایک مرتبہ اُٹھے، تلوار پکڑی، گھٹنوں کے بل چلے، خیمے کا پردہ اُٹھایا، باہر نکل گئے۔ اُمّ کلثوم نے دامن سے پکڑا، کہا: بیٹا! کدھر جا رہے ہو؟ امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں: مجھے چھوڑ دو۔ میرا مظلوم باپ مدد کیلئے پکار رہا ہے۔ امام حسینؑ نے جب یہ دیکھا تو تشریف لائے، آواز دی: بہن! میرے بیٹے کو نہ چھوڑنا۔ نسلِ امامت منقطع ہو جائے گی۔ امام زین العابدین علیہ السلام کو خیمے میں لے گئے۔ اس کے بعد امام زین العابدینؑ نے ایک چیخ ماری اور پھر آنکھیں بند ہوگئیں۔ اچھا بس آخری منزل میں پہنچ جاؤں۔ وہ وقت آیا کہ حسینؑ گھوڑے سے گرنے لگے۔ بس حضور! اس کے بعد ختم۔ سنبھلا نہ جا سکا کیونکہ پیشانی کا تیر جب نکالا تو خون کا فوارہ جاری ہوگیا۔

حسینؑ کا گھوڑے پر سنبھلنا مشکل ہوگیا۔ ایک مرتبہ زمین کی طرف دیکھا: فرماتے ہیں: میرے ناناؐ کے وفادار گھوڑے! میں اگر یہاں گر گیا تو خیمے سامنے ہیں۔ میری بہن خیمے کے دروازے پر کھڑی ہے۔

اگر قاتل نے آکر میرا سر کاٹا، میری بہن مر جائے گی۔ مجھے اس جگہ لے جا جہاں سے خیمے دکھلائی نہ دیں۔ گھوڑا ایک نشیب کے

مقام پر ٹھہرا۔ آپؑ نے آنکھ کھول کر دیکھا: کہا، ہاں! یہی تو وہ زمین ہے جو میرے ناناؐ نے مجھے دکھلائی تھی۔ گھوڑے نے اپنے گھٹنے ٹیکے۔ حسینؑ ایک طرف کو جھکے۔ اور کیا عرض کروں؟ فوراً زمین پر نہ پہنچ سکے۔ زبان سے نکلتی نہیں ہے بات! زمین سے لگتا تھا کہ ایک مرتبہ زمین کو دھچکا سا لگا۔ فضا کا رنگ بدلا، زینبؑ دروازے پر کھڑی ہوئی یہ دیکھ کر گھبرا گئیں۔ آج زینبؑ کا کوئی نہیں ہے۔ یہ سمجھ کر کہ بھائی قتل ہو گئے، ایک مرتبہ خیمے سے باہر آ گئیں۔ چادر کا ایک سرا سر پر، ایک زمین پر لگتا ہوا۔ ایک جگہ پہنچیں۔ یہ کچھ بلند تھیں، وہاں سے دیکھا کہ حسینؑ گرم زمین پر تڑپ رہے ہیں۔

عزادارو! ذرا تصور کرنا، زینبؑ کس سے کہے؟ ایک مرتبہ دیکھا کہ ایک شخص فوج سے نکلا خنجر لئے ہوئے، زینبؑ سمجھیں کہ یہ میرے بھائی کو قتل کرنے کیلئے آ رہا ہے۔ ہائے! بیکس بہن کیا کرے، کس سے کہے؟ ایک مرتبہ آواز بلند کی:

**"وَ امُحَمَّدَاهُ، وَا عَلِيَّاهُ"۔** بابا! نجف سے آؤ، ناناؐ مدینہ سے آؤ۔

امام حسینؑ کے کان میں آواز پہنچی۔ سر اُٹھایا، دیکھا کہ بہن کھڑی ہوئی فریاد کر رہی ہے۔ امام حسینؑ نے اشارے سے کہا کہ ابھی میں زندہ ہوں۔ خیمے میں چلی جاؤ۔ بھائی کا حکم، زینبؑ چلیں خیمے کی طرف۔ بس دو تین قدم چلیں، پھر آواز دی: یا محمدؐاہ!

ارے اس طرح سے خیمے میں جب پہنچیں، تھوری دیر کے بعد زمین میں زلزلہ آیا۔ گھبرا گئیں کہ یہ زلزلہ کیسا! گھبرائی ہوئی امام زین العابدینؑ کے خیمے میں پہنچیں۔ ایک مرتبہ بازو پکڑ کر ہلایا: بیٹا زین العابدینؑ! اُٹھو! امام زین العابدینؑ کی آنکھ کھلی، فرمایا: پھوپھی جان! کیا ہے؟ کہا دیکھو یہ زلزلہ آ رہا ہے۔ امام زین العابدینؑ نے فرمایا: پھوپھی جان! خیمے کا پردہ ذرا اُٹھاؤ، اب جو پردہ اُٹھا، کیا دیکھا کہ حسینؑ کس سر نیزے پر بلند ہے اور فوجِ یزید خوشیاں منا رہی ہے۔

❁❁❁

# مجلسِ شامِ غریباں

حضرات! وہ قافلہ جو مدینے سے آیا تھا، وہ آج لٹ گیا۔ اس وقت میں آپ سب حضرات کی طرف سے اُن کی خدمت میں سلام پیش کرتا ہوں:

"اَلسَّلامُ عَلَیْکَ یَااَبَاعَبْدِاللّٰہ، اَلسَّلامُ عَلَیْکَ یَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہ، اَلسَّلامُ عَلَیْکَ اَیُّھَاالشَّہِیْدُ، اَلسَّلامُ عَلَیْکَ اَیُّھَاالْعَطْشَانُ".

اے کربلا کے پیاسے! ہم آپؑ کو سلام کرنے کیلئے جمع ہوئے ہیں۔ اس وقت حالت یہ ہے کہ بیبیاں جلے ہوئے خیموں کے پاس خاک پر بیٹھی ہوئی ہیں۔ نہ کسی کا بھائی رہ گیا ہے، نہ کسی کا بیٹا رہ گیا ہے اور نہ ہی کوئی اور رشتہ دار رہ گیا ہے۔ جنابِ زینبؑ ہی ہیں جو سب بیبیوں کو جمع کیے ہوئے بیٹھی ہیں۔

اس سے پہلے حالت یہ تھی کہ بعد از شہادت جب خیموں میں آگ لگادی گئی تو بیبیاں اِدھر اُدھر منتشر پھر رہی تھیں اور کچھ سمجھ نہ آتا تھا کہ کیا کیا جائے۔ ایک بچی کی یہ حالت تھی کہ اُس کے کپڑے جل رہے تھے اور وہ یہ نہیں سمجھتی تھی کہ کس طرح آگ بجھائی جائے۔ کس بی بی کی رِدا میں آگ لگی ہوئی تھی اور اُسے اس کا علم نہ تھا۔

عزادارانِ اہلِ بیتؑ! ہائے صبح سے عصر تک یہ قافلہ سارا ہی لٹ گیا۔ آج صبح کے وقت جب تیر آئے ہیں پہلی مرتبہ تو بیبیاں گھبرا کر خیموں کے دروازوں پر آ گئی تھیں اور انہوں نے آواز دی تھی: اے ایمان والو! ہمارے سروں سے چادریں نہ اُترنے دینا۔ تو حالت یہ ہوئی تھی اصحاب کہ تلواروں کی میانوں کو توڑ کر پھینک دیا تھا اور خیموں کے دروازوں پر آ کر سب نے یک زبان ہو کر کہا تھا: شہزادیو! جب تک ہم موجود ہیں، تمہیں کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ ارے اس وقت وہ بچانے والے، وہ حفاظت کرنے والے، ان میں سے ایک نہیں۔ گلے کٹائے ہوئے میدان میں پڑے ہوئے ہیں۔

امام زین العابدین علیہ السلام کی یہ حالت ہے کہ ضعف کی وجہ سے اُٹھنا تو درکنار، بیٹھ بھی نہیں سکتے۔ اگر جنابِ زینبؑ نہ نکالتیں تو شاید خیمے ہی میں رہ جاتے۔

عزادارو! اتنی بیکسی تھی کہ کوئی اہلِ بیتؑ سے یہ کہنے والا نہ تھا کہ حسینؑ مارے گئے۔ یہ گھوڑا آیا ہے اپنی پیشانی پر حسینؑ کا خون لگائے ہوئے اور خیمے کے دروازے پر آ کر اُس نے فریاد کی سی آواز بلند کی۔ پہلے تو بیبیاں سمجھیں کہ شاید حسینؑ آئے ہیں۔ لیکن جب زین کو خالی دیکھا تو چاروں طرف اس ذوالجناح کے کھڑی ہوگئیں اور فریادیں شروع کیں۔ ذوالجناح! ارے فرزندِ رسولؐ کہاں رہ گئے؟ جنابِ سکینہؑ نے ذوالجناح سے چمٹ کر فریاد کی۔ میرے بابا کے ذوالجناح! کیا میں یتیم ہوگئی؟ کیا میرے بابا مارے گئے؟

آج مسافروں کی شام یعنی شامِ غریباں کربلا والوں کی کیسے گزری؟ اس کے متعلق چند فقرے عرض کرنے ہیں۔ آج بعد از عصر جب امام حسینؑ شہید کر دیئے گئے تو اس کے بعد ہوا یہ کہ خیموں میں آگ لگا دی گئی۔ جنابِ زینبؑ نے امام زین العابدینؑ سے جا کر کہا: بیٹا! اب تو خیمے جلنے لگے۔ آپؑ نے حکم دیا کہ پھوپھی جان! سب بیبیوں کو لے کر خیموں سے باہر نکل جائیں۔ ذرا آپ اندازہ لگایئے کہ یہ وقت بھی ایسا ہے کہ امامِ وقت کے حکم کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔

جنابِ امام زین العابدین علیہ السلام نے یہ جب یہ فرمایا تو جنابِ زینبؑ آئیں اور کہا کہ بیبیو! نکل جاؤ۔ بیبیاں نکلیں۔ جنابِ زینبؑ بچوں کو لے کر باہر نکلیں، بچوں کو بٹھایا۔ پھر آئیں خیمے میں، پھر اور بچوں کو لے گئیں۔ اس کے بعد خیال آیا کہ زین العابدینؑ تو اُٹھ بھی نہیں سکتے۔ وہ کیسے باہر آئے ہوں گے مگر حالت یہ تھی کہ دھوئیں کی وجہ سے اور آگ کی وجہ سے کچھ ایسی گھبراہٹ طاری تھی کہ بھول گئیں کہ میرا بیمار بھتیجا کس خیمے میں ہے۔ ایک خیمے میں شعلے بھڑک رہے تھے۔ ایک مرتبہ اس میں چلی گئیں۔ سید سجادؑ نہ ملے۔ ہائے فاطمہ زہراؑ کی بیٹیاں! اور آج اُن پر یہ مصیبت۔ ایک خیمے میں تلاش کے بعد دوسرے میں داخل ہوئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے نکلیں۔ مگر اتنی پریشان تھیں کہ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ دھوئیں کی وجہ سے دکھلائی نہیں دیتا تھا۔ اس کے بعد کچھ سوچا اور ایک تیسرے خیمے میں، جس میں شعلے بھڑک رہے تھے، اس میں چلی گئیں۔ وہاں سے جو باہر آئیں تو، کتب میں جو لکھا ہے کہ کسی نے پوچھا کہ بی بی! آپ کیوں جاتی ہیں بار بار خیمے میں؟ کیا کوئی چیز رہ گئی ہے؟ فرماتی ہیں: چیز تو کوئی نہیں، میرا بیمار بیٹا نہیں مل رہا۔

اس کے بعد ایک خیمے میں گئیں تو امام زین العابدین علیہ السلام کو سینے سے لگائے ہوئے نکلیں اور باہر لا کر بھتیجے کو زمین پر لٹا دیا اور بازو ہلا کر فرمایا: بیٹا! خیمے جل گئے، ہمارے سروں سے چادریں چھن گئیں۔

اس وقت حالت یہ ہے کہ یہی وقت ہے، آپ ذرا کربلا کی زمین کا تصور کیجئے۔ خیمے جل چکے ہیں۔ حسینؑ کی لاش کہاں ___ عباسؑ کی لاش کہاں ___ اور عزیزوں کی لاشیں کہاں؟ بیبیاں سہمی ہوئی بیٹھی ہیں۔ اس وقت اُن کی گودوں میں جو بچے ہیں، وہ روتے ہیں، اتنے سہم گئے ہیں، اتنے گھبرا گئے ہیں کہ ان کو اس کا پتہ ہی نہیں چلتا کہ کیا ہوگا! جنابِ زینب سلام اللہ علیہا کبھی بیمارؑ کے پاس آتیں، بیٹا! ہم تباہ ہو گئے، تمہاری طبیعت کیسی ہے؟ تمہارا مزاج کیسا ہے؟ اگر سر میں درد ہو تو میں دبا دوں؟ کبھی سکینہؑ کے پاس جاتی ہیں، گود میں اُٹھا لیتی ہیں، اِدھر اُدھر پھرتی ہیں۔ سکینہؑ کہتی ہیں: پھوپھی جان! میرے بابا کہاں ہیں؟ مجھے میرے بابا کے پاس پہنچا دیں۔

اس کے بعد بیبیوں کے پاس جاتی ہیں، اُن کو سمجھاتی ہیں۔ اُن کو تسلی دیتی ہیں۔ فرماتی ہیں: بیبیو! تمہارا ہم پر بڑا احسان ہے۔ تم ہماری وجہ سے بڑی مصیبت میں گرفتار ہو گئیں۔ وہ بیبیاں کہتی ہیں: شہزادیؑ! یہ نہ کہیئے، ہم تو سرخرو ہو گئے کہ ہمارے عزیز آپؑ کے کام آ گئے۔ اس کے بعد جنابِ فضہ سے فرمایا: ذرا دیکھ لو کہ بچے تو پورے ہیں؟ جب یہ شمار کرنے لگیں تو پتہ چلا کہ دو بچے ان میں نہیں ہیں۔

اب بتلایئے، اندھیری رات ہے۔ ستارے بھی شرم کی وجہ سے منہ چھپائے ہوئے ہیں۔ فاطمہ زہراؑ کی بیٹی کیا کرے؟ آخر جنابِ فضہ سے کہا کہ فضہ! تم ان بچوں کا ذرا دھیان کرو اور میں اُن بچوں کی تلاش میں جاتی ہوں۔ جنابِ اُمّ کلثوم کو ساتھ لیا۔ ایک طرف چل دیں۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد ایک شخص ملا۔ اس سے کہا کہ بھائی! تو نے کچھ بچے تو نہیں دیکھے؟ اُس نے کہا کہ تھوڑی دیر ہوئی کہ کچھ رونے کی

آواز آ رہی تھی، پتہ نہیں کہ وہ اب کہاں ہیں؟

جس طرف اُس نے کہا تھا، اُس طرف چلیں۔ دیکھا کہ ایک مقام پر دونوں بچے ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈالے زمین پر پڑے ہوئے ہیں۔ جنابِ زینبؑ نے کہا کہ بہن اُمّ کلثومؑ! بچے تو مل گئے، ذرا آہستہ چلنا، ایسا نہ ہو کہ وہ بیدار ہو جائیں اور گھبرا جائیں کیونکہ انہوں نے یہ واقعات جو دیکھے ہیں تو اُن کے خیالات میں یہی چیز ہو گی کہ دشمن پکڑنے آئے ہیں۔ لہٰذا یہ آہستہ آہستہ گئیں، جب اُن کے قریب پہنچیں تو اُن کے پاس بیٹھ گئیں۔ ہاتھ پکڑ کر جو ہلایا تو ہاتھ اُن کے سرد تھے۔ پیشانی پر ہاتھ رکھا تو پیشانی ٹھنڈی تھی۔ ایک مرتبہ ہلایا، فریاد کی۔

کلثومؑ! ارے یہ تو دونوں سدھار گئے۔ میں اپنے بھائی کو کیا جواب دوں گی؟ پروردگارِ عالم آپ کو جزائے خیر دے۔ اس رات کے کئی واقعات ہیں۔ صرف ایک واقعہ اور عرض کر کے ختم کر دوں گا کیونکہ شامِ غریباں کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے دو آنسو بہہ جائیں، آپ کو اُن کی مصیبت کا کچھ ہلکا سا تصور ہو جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ شبِ عاشور آج کی رات کے مقابلہ میں بڑی اچھی رات تھی۔ سب کے سب موجود تھے۔ پانی نہ تھا مگر بیبیوں کو یہ اطمینان تو تھا کہ ہماری حفاظت ہے۔ مگر آج کی شب کا ذرا خود تصور فرمائیں! جس کا جوان بیٹا، تمہیں پتہ ہے کہ تمہاری ماں کا کیا حال ہے، جس کا بھائی مر گیا، اُس کا کیا حال ہو گا؟

امام حسینؑ کی لاش اس جگہ پڑی ہے جہاں آپؑ شہید ہوئے۔ ہائے حسینؑ! کس زبان سے عرض کروں؟ ایک ملعون آیا۔ اس کو یہ خیال ہوا کہ حسینؑ کی انگلی میں ایک انگوٹھی تھی جس کا نگینہ بڑا اچھا تھا۔ عزادارانِ حسینؑ! میں کس زبان سے بیان کروں؟ وہ آیا تو اُس نے دیکھا کہ انگوٹھی موجود ہے اور لباس لٹ چکا، عمامہ کوئی لے گیا۔

ہائے حسینؑ! تیری مظلومی پر عزادار قربان۔ اس ملعون نے یہ چاہا کہ وہ انگوٹھی اُتار لے۔ مگر معلوم نہیں اُنگلی پر ورم آ گیا تھا یا خون جم گیا تھا۔ وہ نہ اُتار سکا تو اُس ملعون نے کیا کیا؟ اِدھر اُدھر زمین پر ڈھونڈنے لگا۔ ایک تلوار کا ٹکڑا اس کے ہاتھ آ گیا۔ آپ خود سمجھ لیجئے کہ کیا قیامت کی گھڑی تھی۔ یہ انگوٹھی لے کر چلا ہی تھا کہ ایک مرتبہ زمین ہلی، یہ گھبرا کر ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گیا۔ اس نے دیکھا کہ آسمان سے دو عماریاں اُتریں۔ ایک عماری میں سے ایک بزرگ سر برہنہ نکلے، گردن جھکائی ہوئی۔ ایک مرتبہ وہ حسینؑ کے قریب بیٹھ گئے اور آواز دی: وَاحسینا!

سمجھے آپ یہ کون تھے؟ یہ حسینؑ کے ناناؐ حضرت محمد مصطفیٰؐ۔ دوسرے بزرگ نکلے، وہ امام حسینؑ کے بابا حضرت علی مرتضیٰؑ، تیسرے بزرگ نکلے، وہ حسینؑ کے بھائی حسن مجتبیٰؑ! دوسری عماری اُتری، اس میں سے ایک بی بی نکلیں سر پیٹتی ہوئی، منہ پر طمانچے مارتی ہوئی۔ حسینؑ کے کٹے ہوئے گلے کے پاس بیٹھ گئی اور اس کے بعد بین کرتی ہیں: بابا! ہائے فاطمہؑ کا دل۔ بابا! میرا حسینؑ یہی ہے کہ سر سے پاؤں تک زخمی ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: ہاں بیٹی! یہی ہے۔ تو ایک مرتبہ فاطمہؑ نے بے چین ہو کر بازو پر ہاتھ رکھا اور فریاد کرنے لگیں: حسینؑ! ارے تجھے مار ڈالا، تجھے پانی بھی نہ دیا۔ بیٹا! یہ بھی خیال نہ کیا کہ میں نے چکیاں پیس پیس کر پالا تھا۔ ایک مرتبہ دل سے محبت کا جوش اُٹھا تو عرض کرتی ہیں:

بابا! آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں اپنے منہ پر بیٹے کا خون مل لوں؟ رسولؐ اللہ نے فرمایا: بیٹی! تم بھی مل لو اور میں بھی ملوں گا اور قیامت کے دن خدا کے سامنے اس طرح پیش ہوں گے۔

کربلا کے پیاسے! کربلا کے شہید! تیرے رونے والے جمع ہوئے ہیں اور اب یہاں سے اُٹھنے والے ہیں، تجھے سلام کر رہے ہیں۔

❁❁❁

# جنابِ ربابؑ کی علی اصغرؑ کو ہدایت

## جنابِ ربابؑ نے ننھی سی پیشانی اور خشک ہونٹوں پر بوسہ دے کر کہا تھا: میرے لعل! تو نے آخری وقت رونا نہیں ہے کہ تیرے باپؑ کو تکلیف پہنچے گی۔

شہادتِ امام مظلوم وہ داغ ہے جو تمام آئمہ طاہرینؑ کے دلوں پر ہے، خصوصاً ششماہے کا گلا اور تیر سہ شعبہ، چوتھے امامؑ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور دیکھا کہ پانی پینا چاہتے ہیں لیکن پیالہ آنسوؤں سے رنگین ہو جاتا ہے اور پھینک دیتے ہیں۔ عرض کیا: مولاؑ! کب تک آپؑ روئیں گے؟ فرمایا: یعقوبؑ کے بارہ بیٹے تھے، ایک گم ہو گیا تھا، علم نبوت سے جانتے تھے کہ یوسفؑ زندہ ہے۔ اس پر اس قدر روئے کہ آپؑ کی آنکھیں بے نور ہو گئیں۔ میرے سامنے تو اٹھارہ جوانانِ بنی ہاشم قتل کر ڈالے گئے۔ میں کیسے نہ روؤں؟ اُس نے عرض کیا: مولاؑ! شہادت تو آپؑ کی میراث ہے۔ فرمایا: ہاں، کیا ماں بہنوں کی اسیری بھی ہماری میراث ہے؟

آپ جانتے ہیں کہ شہزادیاں کتنے دن قید خانہ میں رہیں۔ سکینہؑ مر گئیں، اُن کی قبر قید خانہ میں بنی ___ جنازہ اُٹھانے والا کوئی نہ تھا۔ قید سے چھوٹ کر جنابِ زینبؑ جب جانے لگیں اور دمشق کی بیبیاں آئیں تو کہا: بھائی کی نشانی قید خانے میں چھوڑے جا رہی ہوں۔ باپ کے بعد جی بھر کر پانی نہ پی سکی۔ اُس کی قبر پر ٹھنڈا پانی ڈالنا۔ مردوں کا ذکر نہیں، بیبیوں کا ذکر کر رہا ہوں۔

کسی نے سنا کبھی کسی بی بی نے شکایت کی تھی جس وقت قافلہ دربارِ یزید کے قریب پہنچا اور قیدی دربار میں بلائے گئے؟ بیبیوں نے سمٹ کر فاطمہؑ کی بیٹی زینبؑ کو درمیان میں لے لیا تا کہ لوگوں کی نظر نہ پڑے لیکن یزید ملعون کے حکم سے سب کو ہٹایا گیا۔ بی بی فضہ نہ ہٹیں۔ شمر نے جب تازیانہ لگانا چاہا، اپنی قوم والوں سے مخاطب ہوئیں۔ غلامانِ حبش بدل گئے اور تلواریں کھینچ لیں۔ بھرے دربار میں، جس میں صحابیِ رسولؐ بھی موجود تھے، کسی کو فاطمہؑ کی بیٹی پر رحم نہ آیا اور کوئی کھڑا نہ ہوا۔

زینبؑ بے چین ہو گئیں اور پھر پکارا: یا محمدؐ! حبشی کنیز کیلئے تلواریں نکل گئیں لیکن آپ کی نواسی کی سفارش اور حمایت کرنے والا کوئی نہیں۔ امام حسینؑ نے وہ کارنامہ چھوڑا ہے کہ اُس کا مثل ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ اپنے ساتھ مرد ایسے لائے تھے کہ تلواریں کھائیں، پیاسے رہے اور جان دے دی۔ بچے ایسے لائے تھے کہ طمانچے کھائے لیکن شکایت نہ کی۔ عورتیں ایسی ساتھ آئی تھیں کہ بھری ہوئی گودیاں خالی کر دیں اور بچوں کو گھوڑوں پر خود سوار کر کے میدانِ جنگ میں بھیج دیا۔ امام حسینؑ معصوم تھے ___ جنابِ ربابؑ تو معصومہ نہ تھیں۔

اولاد والو! جب چھ ماہ کا بچہ ماں باپ کے ہاتھوں پر آتا ہے اور مسکراتا ہے تو اُن کے دل سے پوچھو۔ امام حسینؑ جب میدان میں آئے اور استغاثہ بلند کیا تو خیمہ سے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ امامؑ آئے اور پوچھا: بہن زینبؑ! یہ فریاد کی آواز کیسی؟ بہن نے کہا: بھائی!

قیامت ہوگئی، اصغرؑ کو گود میں لے لیا۔ گود میں علی اصغرؑ ہیں، امامؑ کیسے سوار ہوں؟ عام طور پر جب کوئی شخص گھوڑے پر سوار ہونا چاہتا ہے تو ایک ہاتھ میں باگ اور ایک ہاتھ گھوڑے کی پشت پر رکھتا ہے۔ انصاف سے فرمایئے کہ جب دونوں ہاتھوں میں بچہ ہو تو کس طرح سوار ہوں؟ معلوم ہوتا ہے کہ امام حسینؑ نے بچے کو بہن کی گود میں دے دیا ہو اور سوار ہونے کے بعد بہن نے بھائی کے حوالے کیا ہو۔

ابھی تک ربابؑ کھڑی ہوئی تھیں۔ قریب آ کر کہا: میرے آقا! میرے بچے کو ذرا مجھے دے دیجئے۔ بیبیوں نے سمجھا کہ پیار کرنے کیلئے لیا ہے۔ ربابؑ بچے کو لئے ہوئے خیمے میں پہنچیں۔ علی اصغرؑ کو نیا کرتہ پہنایا، بالوں میں کنگھی کی، آنکھوں میں سرمہ لگایا اور باپ کی گود میں واپس دے دیا اور کہا: جو گیا میدان میں، واپس نہیں آیا، اُسے واپس کیا لاؤ گے؟ حسینؑ چلے گئے۔ بچے کیلئے پانی مانگا، تیر چلا، تین پھال کا تیر، معصومؑ کی گردن، حسینؑ نے اصغرؑ کی گردن اپنے بازو سے ملا دی۔ تیر آیا اور معصومؑ کی گردن اور حسینؑ کے بازو میں پیوست ہوگیا۔ حسینؑ نے علی اصغرؑ کی گردن سے تیر نکالا اور دیکھا کہ علی اصغر مسکرا رہے ہیں۔ وہ اس لئے کہ جنابِ ربابؑ نے رخصت کرتے وقت، ننھی سی پیشانی اور خشک ہونٹوں پر بوسہ دے کر کہا تھا: میرے لعل! آخری وقت تو نے رونا نہیں ہے۔

✿✿✿

# شام اور امیر تیمور کا واقعہ

ایک ارضِ شام بھی ہے۔ شام یا کربلا کا نام آتے ہی دلوں پر ایک جھٹکا ضرور لگتا ہے۔ شام میں جو کچھ ہوا، وہ کربلا میں نہیں ہوا۔ شام میں وہ کچھ ہوا جو کبھی چشمِ فلک نے دیکھا ہی نہ تھا۔

میں نے ایک واقعہ پڑھا تھا شجر طوبیٰ میں کہ جب امیر تیمور نے شام پر قبضہ کیا تو محبتِ اہلِ بیتؑ ہونے کی وجہ سے اُس کے دل میں خلجانی کیفیت تھی۔ اُس نے وہاں کے بڑے بڑے لوگوں کی گردنوں کو توڑا اور اُن سروں کو نیچا کیا جس کو اُن لوگوں نے محسوس کیا کہ یہ کسی خاص عداوت کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے کوششیں کیں کہ اُس کا غصہ کسی طرح سے کم ہو جائے۔ آخر میں یہ طے ہوا کہ اس سے اگر قرابت پیدا ہو جائے تو شاید اس کی یہ کیفیت بدل جائے۔ چنانچہ طے کر کے وہاں کے بڑے بڑے آدمی آئے اور انہوں نے یہ کہا کہ اس شہر میں سب سے بڑا اور شریف ترین گھر ہمارے بادشاہ کا ہے جو یہاں حکومت کرتا تھا۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس کی لڑکی سے آپ عقد کر لیں۔ جب بہت اصرار ہوا تو اُس نے کچھ سوچا اور کہا: اچھا بازاروں کو ذرا مزین کیا جائے، خصوصاً بازارِ شام کو بہت زیادہ آراستہ کیا جائے۔

اس کے بعد سامانِ عروسی منگوا کر حکم دیا کہ اس لڑکی کو حمام بھیجو اور وہاں سے یہ کپڑے پہن کر وہ نکلے۔ پھر اُس نے اپنے ایک ملازم کو حکم دیا کہ ایک لاغر سا اونٹ اس حمام کے دروازے پر لے جاؤ اور جس وقت وہ نکلے تو اُس لڑکی کو اس پر سوار کرو اور بازار سے گزارو۔ جس وقت وہ اونٹ کو لے کر دروازے پر پہنچا تو لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ اُس نے کہا کہ مجھے بادشاہ نے حکم دیا ہے کہ میں اِس لڑکی کو اونٹ پر بٹھا کر بازار سے گزاروں اور سنو! خبردار! کوئی قریب نہ آنے پائے، جو اس کے گرد کوئی پردہ ڈالے۔ لوگوں نے سنا تو بہت پریشان ہوئے اور مل کر بادشاہ کے پاس آئے اور اس سے یہ کہا کہ کیا آپ نے یہ حکم دیا ہے کہ وہ اس طرح سے گزاری جائے؟

اُس نے کہا: ہاں، یہ ایسا ہی ہے۔ اس پر وہ لوگ فریاد کرنے لگے کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ ایسا تو کبھی جاہلیت کے زمانہ میں بھی نہیں ہوا کہ ایک شریف عورت کو اس طرح سے ذلیل کیا جائے؟ امیر تیمور نے جواب دیا: یہ ٹھیک ہے جو تم کہتے ہو کہ ایسا جاہلیت کے زمانہ میں نہیں ہوا مگر تم لوگوں کے نزدیک یہ اچھا فعل ہے، اس لئے میں کرنا چاہتا ہوں۔ لوگوں نے کہا: جناب! وہ بادشاہ کی بیٹی ہے، بڑی عفیف ہے۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ یہ سننا تھا کہ بادشاہ کی بیٹی ہے اور بڑی عفیف ہے، ایک مرتبہ اُس نے سینے پر ہاتھ مارا اور اُس کے بعد چیخ ماری اور بیہوش ہو گیا۔ جب ہوش میں آیا تو کہا: ارے بے غیرتو! کوئی رسولؐ سے زیادہ بزرگ گزرا ہے؟ اور رسولؐ کی بیٹیوں سے زیادہ کوئی عفیف ہوا ہے؟ یہ تمہارا بازار وہی نہیں ہے جس میں زینبؑ و کلثومؑ بغیر پردہ کے پھرائی گئی تھیں۔ آج تم فریاد کرتے ہو اور کل تم اِن شہزادیوں کی فریادوں پر ہنس رہے تھے؟ کسی نے بھی کچھ غیرت کی اور کہا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟

یہ واقعہ یاد آ گیا۔ اب میں اِس منزل پر قریب قریب اپنی تقریر کو ختم کر دینا چاہتا ہوں۔ مسلمانو! اس لئے چلے تھے کہ اس کے بغیر

چارۂ کار نہ تھا۔ اسلام جتنا بھی اس وقت موجود ہے، وہ صدقہ ہے حسینؑ کا۔ آپؑ کی شہادت کے بعد لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ سمجھنے لگے کہ یزید تو فاسق و فاجر ہے۔ اُس کی بات کیسے حکمِ خدا اور رسولؐ ہو سکتی ہے؟ اس کے بعد حق کا اعلان کرتی ہوئی شہزادیاں چلی گئیں۔

امام زین العابدین علیہ السلام سے ایک شخص ملنے آیا، بیٹھ گیا اور کچھ باتیں وغیرہ پوچھنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپؑ نے غلام کو آواز دی کہ میرے لئے پانی لے آ۔ وہ ایک پیالے میں پانی لے کر حاضر ہوا۔ پانی پر نظر پڑی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اتنا روئے کہ پانی ممزوج ہو گیا۔ آپؑ نے دے دیا، دوسرا پیالہ لایا، پھر یہی کیفیت ہے۔ اس پر وہ شخص کہتا ہے: مولاؑ! آپؑ کب تک روئیں گے؟ تو فرماتے ہیں: بھائی! تو نے وہ کچھ نہیں دیکھا جو میں نے دیکھا ہے۔ تیرے اوپر وہ کچھ نہیں گزرا جو میرے اوپر گزر گیا۔ میں نے اپنی ماں بہنوں کو رِدا کے بغیر دیکھا۔ اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو پیاس سے العطش کہتے ہوئے، ہلاک ہوتے ہوئے دیکھا۔ میرا باپ تین دن کا بھوکا پیاسا دنیا سے اُٹھ گیا۔ آخری وقت میرے باپ نے کہا: میں دنیا سے جا رہا ہوں، ایک گھونٹ پانی پلا دو۔ مگر آخر وقت بھی کسی نے پانی نہ دیا۔ وہ شخص کہتا ہے: مولاؑ! یہ قتل اور شہادت تو آپؑ کی میراث ہے؟ اس پر امام زین العابدین علیہ السلام کی چیخ نکل گئی۔ فرماتے ہیں: ہاں بھائی! یہ قتل اور شہادت تو ہماری میراث ہے مگر کیا یہ بھی ہماری میراث ہے کہ ہماری ماں بہنیں بازاروں میں بغیر پردہ اور رِدا کے پھرائی جائیں؟ بس ایک فقرہ اس مقام کا اور عرض کر دوں، پھر ختم کرتا ہوں۔ وہ قصہ ذہن میں رکھئے گا جو میں نے عرض کیا جب اپنے اوپر پڑتی ہے تو پتہ چلتا ہے۔ چیخ اُٹھے اہلِ شام کہ امیر تیمور کی جانب سے یہ کیا ہو رہا ہے؟ لیکن فاطمہ زہراؑ کی بیٹیاں بغیر رِدا کے دربار میں پہنچیں۔ جنابِ زینبؑ نے خطبہ پڑھا کہ یزید نے کہا تھا کہ یہ کون کون بیبیاں ہیں؟ بتلایئے اس کہنے پر کیا کچھ نہ گزر گئی ہوگی کہ بھرے ہوئے دربار میں یہ بتلایا جا رہا ہے کہ یہ فلاں بی بی ہے، وہ فلاں بی بی ہے۔ بتانے والے نے بتایا کہ وہ جو آخر میں سر جھکائے بیٹھی ہیں، وہ حسینؑ کی بہن زینبؑ ہیں۔

یزید اپنی ظاہری فتح کے غرور میں اندھا ہو گیا تھا۔ اُس نے ایک مرتبہ آواز دی کہ زینبؑ! خدا کا شکر ہے کہ تمہارا بھائی قتل ہوا اور تم سب اسیر ہو کر یہاں تک آئے۔ اتنا سننا تھا کہ جنابِ زینبؑ نے سر اُٹھایا اور علیؑ کی بیٹیؑ کو جو جلال آیا اور علیؑ کے لہجے میں فرمایا: یزید! خاموش، اس سے آگے نہ بڑھ۔ قتل ہماری میراث ہے، رہ گئی کہ تو نے قید کیا اور ہم آئے تو اس کا جواب میں نہیں دوں گی۔ اس کا جواب تجھے دینا پڑے گا جب میرا نانا پوچھے گا کہ میری بیٹیوں کو کیوں قید کیا تھا۔ اس کے بعد فرماتی ہیں: درباروالو! تم ہمارا تماشہ دیکھنے آئے ہو؟ کیا تمہیں پتہ نہیں ہے کہ میں کون ہوں؟ ارے تمہارے نبی کی بیٹی فاطمہؑ کی بیٹی زینبؑ ہوں اور یہ جو تمہارے سامنے کٹا ہوا سر ہے، یہ میرے مظلوم بھائی حسینؑ کا سر ہے۔

یہ جو آپؑ نے فرمایا تو دربار والے رونے لگے یعنی ضبط نہ کر سکے۔ بعض لوگوں کی آواز بلند ہو گئی۔ یزید جس جگہ بیٹھا ہوا تھا، اس کے پیچھے ایک دروازہ تھا جس پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ یکدم پردہ اُٹھا اور ایک عورت سر برہنہ دربار میں آ گئی اور اُس کی زبان پر تھا "واحسینا واحسینا وامظلوما"۔ یزید نے پہچان لیا کہ اس کی بیوی ہے۔ گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ ایک کپڑا اُٹھا کر اس کے اوپر ڈالا اور کہنے لگا: میں رونے سے منع نہیں کرتا مگر میری عزت کا تو خیال کر لیا ہوتا۔ اس نے کہا: یزید! خدا کی لعنت تیرے اوپر، تجھے اپنی عزت کا تو اتنا خیال ہے اور رسولؐ کی عزت کا کچھ خیال نہیں ہے۔

# اسیرانِ اہلبیتؑ کی زندانِ شام سے رہائی جنابِ زینبؑ کا شام سے لے کر مدینہ تک قیامت خیز بین کرنا۔

جب امام حسین علیہ السلام اور اُنؑ کے عزیزوں اور ساتھیوں پر مشتمل قافلۂ غربت مدینہ سے نکلا تو سارا شہر جمع تھا۔ محلہ بنی ہاشم اور رونے کی آوازیں آسمان تک پہنچ رہی تھیں۔ بچے پوچھتے تھے ماں باپ سے کہ کیا عونؑ و محمدؑ بھی جا رہے ہیں؟ تو وہ کہتے تھے کہ ہاں، جا رہے ہیں۔ کب تک آجائیں گے؟ تو وہ رو کر کہتے تھے کہ اب واپس نہ آئیں گے۔ جوان یہ سمجھ رہے تھے کہ علی اکبرؑ واپس نہ آئیں گے۔ اصحابِ رسولؐ کا ہجوم تھا۔ لکھا یہ ہے کتابوں میں کہ اس دن سے پہلے اتنا گریہ و شیون کبھی مدینے میں نہیں ہوا جتنا حسینؑ کی روانگی کے وقت ہوا۔

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ سب کچھ ہوتا رہا مگر گھر سے کتنے آدمی نکلے؟ باوجود اِن تمام چیزوں کے یہ دیکھتے ہوئے کہ اسلام کی کیا حالت ہوگئی ہے، مگر کوئی نہ نکلا۔ میں کبھی کبھی عرض کیا کرتا ہوں۔ میرے بھائیو! جس کے گھر میں آگ لگ جاتی ہے، اُس کے دل سے پوچھو۔ دوسرے لوگ محلے والے تماشہ دیکھنے کیلئے آجاتے ہیں لیکن اگر اُس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر دیکھو گے تو اس کے دل میں جو آگ لگی ہوئی ہے، اس کا اثر آپ تک بھی پہنچ جائے گا۔ ارے یہ کونسا گھر تھا جس میں آگ لگی ہوئی تھی اور حسینؑ اُس کو بجھانے کیلئے روانہ ہو رہے تھے؟ امام حسینؑ یہ سمجھ رہے تھے کہ اسلام کی کشتی کو ساحلِ نجات پر پہنچانے کیلئے میرے بھائیوں کی طاقت کی ضرورت ہے، اس کیلئے میرے بیٹوں کی طاقت کی ضرورت ہے، یہاں تک کہ آپؑ سمجھتے تھے کہ میرا چودہ دن کا جو بچہ علی اصغرؑ ہے، اُس کے بھی زور لگانے کی ضرورت ہے اور جب یہ کشتی کنارے تک پہنچ جائے گی تو اس میں اور بھی ضرورتیں ہیں، اس کا پرچم وغیرہ، وہ کہاں سے آئے گا؟ زینبؑ نے کہا: میری چادر جو موجود ہے۔

آخر میں چند فقرے عرض کروں گا۔ کربلا میں پہنچے اور ساتویں سے پانی بند ہوگیا۔ جو کچھ کوزوں میں یا مشکیزوں میں پانی رکھا تھا، وہ سب ختم ہوگیا، یہاں تک کہ بچوں کیلئے بھی پانی نہ رہا۔ آٹھویں گزری، نویں گزری، آٹھویں کو اصحابِ حسینؑ نے کہا: مولاؑ! اجازت دیجئے، ابھی ہمارے بازوؤں میں دم ہے، ابھی ہمارے ہاتھوں میں قوتیں ہیں، اُن سے ہم لڑ سکتے ہیں۔ امام حسینؑ یہی فرما رہے تھے کہ بھائیو! میں لڑنے کیلئے نہیں آیا۔ اُنہیں وہ شکست دینے آیا ہوں جس کا جواب قیامت تک نہ ہو سکے گا اور وہ لڑنے سے حاصل نہ ہوگی۔ جانتے تھے کہ اگر لڑائی ہوگئی تو شاید جنگ کا رنگ ہی بدل جائے۔ جب دسویں تاریخ آگئی تو آپؑ نے یہ دیکھا کہ اِن بہادروں کی ٹانگوں میں لغزش پیدا ہونے لگی۔ آنکھوں میں حلقے پڑ گئے۔ تلوار اُٹھانے میں تکلیف ہونے لگی تو اب آپؑ نے فرمایا کہ اچھا تم لڑ سکتے ہو۔ جنگ ہوئی، عزیزوں کی لاشیں اُٹھائیں، دوستوں کی لاشیں اُٹھا کر لائے، یہاں تک کہ چھ مہینے کے بچے کی قبر اپنے ہاتھ سے کھودی اور اس کے بعد دو رکعت نمازِ شکر ادا کی قبر پر ـــــ یہ نمازِ شکر تھی، نمازِ میت نہ تھی۔ اگر نمازِ میت ہوتی تو علی اکبرؑ کی لاش پر پڑھتے، نمازِ میت ہوتی تو دریا کے کنارے عباسؑ کی لاش پر پڑھتے، نمازِ میت ہوتی تو قاسمؑ کی لاش پر پڑھتے۔ اپنے بچے کو قبر میں چھپا کر کھڑے ہوگئے۔ دو رکعت نمازِ شکر ادا کی۔ خدایا! تیرا شکر کہ تو نے

مجھے اِن تمام چیزوں میں ثابت قدم رکھا۔

مختصر کرر ہا ہوں، پھر وہ وقت بھی آیا جب امام زین العابدین علیہ السلام نے لیٹے لیٹے خیمے کا پردہ اُٹھایا تو کیا قیامت دیکھی۔ باپؑ کا سر نیزے پر بلند ہے، حسینؑ قتل کر دیئے گئے میدانِ کربلا میں۔ کئی آوازوں سے گونج رہا ہے۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ کیسے کہوں؟ ہوا یہ کہ خیموں میں آگ لگی جس کے بعد گھوڑے اِدھر اُدھر چلے گئے۔ بیچ میں حسینؑ کی لاش۔ یہ بارہویں امامؑ کی زیارت میں موجود ہے، اس لئے عرض کرر ہا ہوں۔

اس کے بعد گیارہویں تاریخ ہوئی۔ بیبیاں قید ہو کر کوفے کی طرف چلیں۔ جتنے شہید تھے، اُن کے سر کاٹ کر صندوقوں میں بند کئے گئے۔ یہ قافلہ چلا۔ دو میل جب کوفہ رہ گیا تو ابن زیاد کا حکم آیا کہ ابھی قیدیوں کو ٹھہراؤ کیونکہ بازار آراستہ نہیں ہوا۔ قیدی ٹھہرے رہے۔ اِن بیبیوں کی گودوں میں بچے بھی موجود تھے۔ دھوپ میں کھڑے تھے یہ قیدی۔ جب باجوں کے بجنے کی آواز آئی، حکم ہوا کہ قیدیوں کو بڑھاؤ۔ مگر کس طرح سے کہ یہ جو صندوقوں میں کٹے ہوئے سر ہیں، اُن کو نیزوں پر چڑھا دو اور جس جس بی بی کا کوئی عزیز ہے، اس کے اونٹ کے ساتھ وہ نیزہ ہو۔ ہائے علی اکبر کا سر____ اُمّ لیلیٰ کے اونٹ کے ساتھ، امام حسینؑ کا سر جنابِ زینبؑ کے اونٹ کے ساتھ۔ اب جو زینبؑ کی نگاہ پڑی، بھائی کے سر کو دیکھا تو ایک مرتبہ ھودج کی لکڑی پر اپنی پیشانی دے ماری، خون بہنے لگا اور کہتی ہیں: میری ماں کے چاند! کیا میری ماں نے چکیاں پیس پیس کر تجھے اسی دن کیلیئے پالا تھا؟

ابن زیاد کے دربار میں پیشی کے بعد یزید کا حکم آیا کہ قیدیوں کو شام بھیج دیا جائے۔ اس کے بعد یہ بیبیاں کوفے سے شام کی جانب روانہ کی گئیں۔ دربارِ یزید میں اسی طرح پیش ہوئیں کہ اُن کے سروں پر چادریں نہ تھیں اور پھر یزید کے حکم سے ایک تنگ و تاریک قید خانے میں ڈال دی گئیں۔ وہاں قید خانے میں دوسرے سال صفر کی بیسویں تاریخ کو رہا ہو کر اہلِ بیتؑ کربلا میں پہنچے ہیں۔ اور چیزوں کو عرض نہیں کروں گا، بس اتنا سن لیں کہ یزید نے ارادہ کر لیا تھا کہ ان کو قید خانے ہی میں مار دیا جائے مگر ہوا یہ کہ آہستہ آہستہ یہ خبریں اِدھر اُدھر پھیلنے لگیں کہ قید خانے میں تو فاطمہؑ کی بیٹیاں ہیں۔ اس سے پہلے بازار میں امام زین العابدین علیہ السلام کی آواز بلند ہوئی کہ میں تمہارے نبی کا نواسہ ہوں۔ جنابِ زینبؑ کا خطبہ ہو گیا تھا دربار میں جس کو آپ (مومنین) سنتے رہتے ہیں۔ جب یہ خطبہ ہوا تو دربار میں یہ حالت ہوگئی کہ پہلے آہستہ آہستہ آنسو نکلے۔ اس کے بعد لوگوں کی چیخیں بلند ہوگئیں۔ وہ خطبہ یہ تھا کہ آپؑ نے فرمایا: تم تماشہ دیکھنے کیلیئے آئے ہو، تمہیں پتہ بھی ہے کس کا تماشہ دیکھ رہے ہو؟ میں تمہارے نبی کی نواسی ہوں۔ یہ خبریں آہستہ آہستہ شام کے گھروں میں پہنچیں۔ شام کی عورتوں کو معلوم ہوا کہ بازاروں میں جو پھری تھیں، وہ نبی کی نواسیاں تھیں۔

تو اَب حالت یہ ہوگئی کہ شام کے لوگ جب اپنے گھروں میں داخل ہوتے تھے تو وہ کہتی تھیں کہ بے غیرتو! تم نے اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو پردے میں بٹھایا ہوا ہے اور فاطمہ زہرؑاء کی بیٹیاں بازاروں میں پھرائی گئی ہیں اور اب ہاں قید میں ہیں۔ یہ چیز تھی کہ جس کی وجہ سے یزید ڈر گیا تھا۔ آخر اُس نے رہا کر دیا۔ جب رہائی ملی تو جنابِ زینبؑ نے یہ کہا کہ سجادؑ بیٹا! جا کر یزید سے کہو کہ ہمارا لوٹا ہوا سامان ہم کو واپس مل جائے۔ یزید نے کہا: اے سیدِ سجادؑ! وہ مال میں آپؑ کو کہاں سے دلواؤں، نہ معلوم کون کون لے گیا؟ اس کی قیمت لے لو۔ امام زین

العابدین علیہ السلام کی ایک چیخ نکل گئی، فرماتے ہیں: یزید اِس مال کی قیمت کون دے سکتا ہے؟ سارا جہاں بھی اس کی قیمت نہیں ہوسکتا۔ اُس نے کہا کہ کونسی ایسی چیز تھی کہ اس کی قیمت سارا جہاں بھی نہیں ہوسکتا؟ آپؑ نے فرمایا کہ میری دادی فاطمہ زہراؑ کی چادر تھی۔ ارے میرے ناناؐ کا عمامہ بھی اسی میں تھا۔

بہر حال اُس نے اعلان کیا اور کچھ سامان واپس ہونے لگا۔ ایک صندوق آیا، دربار میں کھولا گیا، ایک کرتہ اس میں سے نکلا خون میں ڈوبا ہوا۔ جابجا اس میں سوراخ۔ یزید نے کہا کہ یہ کس کا کرتہ ہے۔ امام زین العابدینؑ چیخ مار کر رونے لگے: ارے یہ میرے مظلوم باپ حسینؑ کا کرتہ ہے جو اُنؑ کی شہادت کے بعد اُتار لیا گیا تھا۔ یہ صندوق اہلِ بیتؑ کے پاس پہنچا۔ جنابِ زینبؑ نے یہ کرتہ اپنے پاس رکھ لیا احتیاط سے۔ جس وقت یہ رہا ہو کر مدینہ پہنچے تو راستے میں بنی ہاشم کی عورتوں نے کہا: آقا زادیؑ! چلئے اپنے گھر کی طرف ___ تو جنابِ زینبؑ نے کہا: اپنے گھر نہیں جاؤں گی، ابھی ناناؐ کے پاس جانا ہے۔ ارے ناناؐ کے روضے پر گئیں اور چوکھٹ کو ہاتھ سے پکڑ کر کہا: ناناؐ! زینبؑ آ گئی اور اَب آپ کا دین قیامت تک برباد نہ ہوگا۔ ناناؐ! ایک تحفہ لائی ہوں اور وہ کرتہ نکال کر نبی کی قبر پر رکھ دیا۔

❁❁❁

# دربارِ یزید میں بنتِ زہرؑا کاانقلاب آفریں خطبہ جنابِ زینبؑ کا شہیدانِ کربلا کے مقصد شہادت، اپنی مظلومیت اور اسیری کو بیان کرنا اور ھندہ کا دربارِ یزید میں آکر یزید پر نفرین کرنا۔

میرے بھائیو! یہ کربلا میں جو گھر لٹا، یہ کس کا گھر تھا؟ یہ حسینؑ کا گھر تھا۔ یہ خود رسولؐ اللہ کا گھر تھا۔ یہ بیبیاں جو قید ہوئیں، یہ کس کی نواسیاں تھیں اور کس کی پوتیاں تھیں؟ تمہارے رسولؐ ہی کی نواسیاں تو تھیں جو کربلا سے کوفے تک اور کوفے سے شام تک قید ہو گئی ہیں۔

میرے عزیزو! کسی وقت اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچنا، آج اگر کربلا کا یہ واقعہ ہوا ہوتا اور رسولؐ اللہ ہمارے سامنے موجود ہوتے اور آپ اُن کی خدمت میں جاتے تو اظہارِ افسوس کرتے یا نہیں؟ آپ جنابِ رسولِؐ خدا کو روتا ہوا دیکھتے تو یقیناً آپ کا بھی دل روتا، اس لئے کہ محبت ہے رسولؐ سے۔ اُن کے اس فرزند کے گلے پر چھری پھیری گئی کہ جس کو آپ کبھی سینے پر بٹھاتے تھے اور کبھی زانو پر بٹھاتے تھے۔ کبھی فرماتے تھے کہ لوگو! دیکھو، یہ میرا فرزند حسینؑ ہے، یہ میری بیٹی فاطمہ زہراءؑ کا بیٹا ہے۔

مسلمانو! یہ میری آنکھوں کا نور ہے۔ اگر کبھی پیاسا ہو تو اسے پانی دے دینا اور اگر کبھی مدد کی درخواست کرے تو اس کی مدد کرنا۔

یہی وہ الفاظ تھے رسولؐ اللہ کے جنہیں دہرا رہے تھے امام حسینؑ! جب یار و انصار سب مارے گئے:

"هَلْ مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرُنَا"

"کون ہے جو اس عالم بیکسی میں میری مدد کو آئے؟"

تاکہ رسولؐ اللہ کا ارشاد یاد دلا دیا جائے۔ دیکھئے! ہم سے کہا جاتا ہے کہ بیبیوں کے نام لئے جاتے ہیں بازاروں میں۔ یہ باتیں کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اُن کے مصائب ذکر نہ کئے جائیں؟ اگر ایسا ہی ہوتا تو قرآن مجید میں بیبیوں کے نام نہ لئے جاتے۔ کیا حضرتِ مریمؑ کا نام نہیں لیا گیا؟ کیا وہ گھر ہی میں پڑھنے کیلئے ہے؟

دکان پر بیٹھ کر اسے پڑھنا نہیں ہے۔ کیا ان آیتوں کو کھڑے ہو کر لوگوں کو سنانا نہیں ہے؟ جس میں بیبیوں کے نام ہیں، یہ جو روایتیں اور احادیث ہیں، کیا چھپ کر پڑھنے کی ہیں؟ ان کتابوں کو اجتماعات میں پڑھتے ہو، وہاں تو کہتے ہو کہ فلاں بی بی سے یہ حدیث ہے، فلاں بی بی سے یہ روایت ہے! ان سب کے تو نام لئے جائیں اور جہاں مظالم کا تذکرہ ہو، نام نہ لئے جائیں۔ کیوں؟ ظالم سے کوئی محبت ہے؟ مظلوم سے کوئی تعلق نہیں ہے؟ اگر مظلوم سے محبت ہوتی تو ایسی چیزیں زبان پر نہ آتیں۔

کونسی کتاب ہے جس میں یہ موجود نہیں۔ رسولؐ اللہ کربلا میں موجود تھے جب حسینؑ کے گلے پر چھری پھیری جا رہی تھی۔ آپؐ امّ

سلمہؓ اور عبداللہ ابن عباس دونوں کے خواب میں آئے ہیں۔ اس طرح سے کہ سر کھلا ہوا، غبار سے اٹا ہوا، آنکھوں سے آنسو بہتے ہوئے، ریش مبارک بھیگی ہوئی، آستینیں کہنیوں تک چڑھی ہوئی، جنابِ اُمّ سلمہؓ نے دیکھا، گھبرا گئیں۔ عرض کرتی ہیں: یا رسول اللہ! یہ آپؐ نے کیا حالت بنائی ہے؟ فرماتے ہیں: اے اُمّ سلمہؓ، کربلا سے آرہا ہوں، میرے فرزند حسینؑ کے گلے پر خنجر چل چکا۔

یاد رکھو! جنابِ رسالتمآبؐ نے اِن بزرگوں کے خواب میں آکر اس لئے بتایا کہ مسلمان اچھی طرح جان لیں کہ میں بھی کربلا میں تھا جہاں میرا گھر لٹ گیا۔ دیکھئے! کسی کے متعلق اگر یہ کہہ دیا جائے کہ اس کی بیٹی قید ہوگئی ہے تو کیا گزرجاتی ہے؟ مسلمانو! جب ہم کہتے ہیں کہ تمہارے نبی کی نواسیاں قید ہوگئیں تو ہمارے دل پر کیا گزرجانی چاہیئے؟

یزید تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے سامنے امام حسین علیہ السلام کا سر بطور تحفہ لایا گیا ہے۔ ہماری شہزادیاں قیدیوں کی طرح زمین پر بیٹھی ہوئی ہیں۔ شمر ملعون آتا ہے، ایک طشت پیش کرتا ہے۔ یزید نے جب رومال اُٹھا تو بیبیوں نے دیکھا کہ حسینؑ کا کٹا ہوا سر، بیٹیؑ کی نگاہ پڑی، بہن کی نگاہ پڑی، دل میں درد رکھنے والو! کیا گزرگئی ہوگی!

یزید نے یہ کیا کہ اس کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی بید کی۔ وہ یہ لکڑی امام حسینؑ کے دانتوں پر مارنے لگا۔ ایک صحابیِ رسولؐ اتفاق سے دربار میں آگئے تھے۔ وہ ضبط نہ کرسکے۔ ایک مرتبہ کھڑے ہوکر کہنے لگے: ارے یزید! تو حسینؑ کے دانتوں سے لکڑی ہٹالے، خدا کی قسم! میں نے دیکھا ہے کہ ان دانتوں کو رسولِ خداؐ چوما کرتے تھے۔

لہٰذا یہ مظالم کیوں بیان نہ کیئے جائیں؟ ہماری شہزادیوں کا جب بازار سے گزر ہوا، بازار سے ____ ہائے یہ بازار سے گزرنا ____

ایک بات جو مجھے یاد آئی جو شجرِ طوبیٰ میں ہے اور تاریخوں میں بھی ہے، ایک وقت آیا جب تیمور نے عرب فتح کیا تو وہ شام میں بھی پہنچا اور اُس کو یاد تھا کہ رسولِ اکرمؐ کی اولاد کے ساتھ شام والوں نے کیا کیا؟ اُسے کچھ نفرت تھی۔ یہ اُن کے اوپر کچھ سختیاں کرنے لگا۔ لوگ نہ سمجھے کہ یہ سختیاں کیوں ہورہی ہیں؟ بعض لوگ گئے اور انہوں نے کہا کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ سے کچھ قرابت حاصل کریں۔ آپ اگر ہمارے ہاں ایک عقد کرلیں تو یہ رشتہ داری ہوجائے گی، ہم فخر کریں گے۔ اس نے کہا: اچھی بات ہے۔ چنانچہ انہوں نے سب سے بڑے خاندان کی ایک خاتون کو منتخب کیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ پہلے اسے حمام لے جاؤ۔ زیور وغیرہ اور لباسِ فاخرہ بھیج دیئے گئے۔ جب سب کچھ ہوا تو بادشاہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ ایک لاغر سا اونٹ لے جاؤ جس کے اوپر کجاوہ تو ہو مگر پردے نہ ہوں۔ جب کوئی پوچھے تو تم کہنا کہ پہلے یہ خاتون بازاروں میں پھرائی جائے گی اس اونٹ پر ____ چنانچہ یہ اونٹ جب گیا تو لوگوں نے پوچھا کہ یہ اونٹ کیوں آیا ہے؟ اُس نے کہا: بادشاہ کا حکم ہے، اس اونٹ پر یہ خاتون بازاروں میں پھرائی جائے گی۔ سب لوگ جمع ہوکر بادشاہ کے پاس پہنچے کہ یہ کیا ظلم ہورہا ہے؟

ہم نے سنا ہے کہ آپ نے ایسا حکم دیا ہے؟ تیمور نے کہا: ہاں، میں نے ہی ایسا حکم دیا ہے۔ لوگوں نے پوچھا: آخر کس لئے؟ اُس نے کہا: تمہارے ہاں کا دستور یہی ہے۔ اُن لوگوں نے کہا کہ حضور! اس میں ہماری بڑی بے عزتی ہوگی۔ یہ خاندان ایک معزز خاندان ہے تو اُس نے کہا: خدا تم پر لعنت کرے۔ رسولِ خداؐ سے زیادہ بھی کوئی معزز ہے؟ جب اُن کی بیٹیاں تمہارے بازاروں میں پھرائی گئیں کہ جن کے ذریعے دنیا نے عبرت کا سبق سیکھا، ارے جس سے پردہ سیکھا تو تم کیا حیثیت رکھتے ہو؟

جس وقت دربارِ یزید میں پیشی ہوئی اور جناب زینبؑ کا خطبہ ہوگیا، خطبہ ہوگیا علیؑ کی بیٹی کا! آپؑ نے فرمایا: یزید! کیا کہہ رہا ہے؟ شہادت ہماری میراث ہے۔ تو نے ہمیں قید کیا، اس کا جواب تجھے ہمارے نانا کو دینا ہوگا۔ اس کے بعد فرماتی ہیں: درباروالو! تم ہمارا تماشہ دیکھنے آئے ہو؟ تمہیں پتہ ہے کہ میں کون ہوں اور یہ کٹا ہوا سر میرے بے گناہ مظلوم بھائی حسینؑ کا ہے جا ناحق مارا گیا۔

اس کے بعد آپؑ نے خطبہ آگے بڑھایا۔ حالت یہ ہوئی کہ درباروالوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس کے بعد اُن میں سے اکثر کی چیخیں نکلنے لگیں۔ جب یہ کیفیت ہوئی تو یزید گھبرا گیا۔ جس جگہ وہ بیٹھا ہوا تھا، اُس کی پشت پر ایک دروازہ تھا، دروازے پر ایک پردہ پڑا ہوا تھا، یہ دروازہ اُس کے محل سرا میں تھا۔

ایک مرتبہ وہ پردہ اُٹھا اور اندر سے ایک خاتون چادر کے بغیر نکلی اور دربار میں چلی آئی۔ اُس کی زبان پر تھا: ہائے حسینؑ، ہائے حسینؑ! جب یزید نے یہ دیکھا کہ یہ اُس کی بیوی ہندہ ہے، گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ اپنی عبا اُتار کر اُس کے سر پر ڈالی اور کہا کہ میں رونے سے منع نہیں کرتا مگر میری عزت کا تو خیال کر لیا ہوتا۔ تو چادر اور پردہ کے بغیر گھر سے نکل آئی۔ اُس نے کہا: خدا کی مار تیری عزت پر! ارے یہ رسولؐ کی بیٹیاں چادر کے بغیر تیرے دربار میں بیٹھی ہیں، اِن کی کوئی عزت نہیں ہے؟

❁❁❁

# مخدراتِ عصمت کی اسیری
# معصوم بچوں کا ماؤں کی گودوں سے گر کر شہید ہونا اورکربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک گلشن آلِ محمدؐ سے پھول گرتے چلے گئے اور شام آگئی۔

تمام دنیا، حتیٰ کہ انبیاء بھی، ذرا تورات اُٹھا کر دیکھئے، ان کے واقعات، تاریخیں اُٹھا کر دیکھئے تو انبیاء روتے ہی رہے۔ انہوں نے چالیس چالیس دن تک ماتم قائم کئے ہیں۔ جنابِ یعقوبؑ کا رونا تو بہت مشہور سی چیز ہے۔ رونا ایک فطری امر ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ ہم نے رُلایا بھی ہے اور ہنسایا بھی ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ فطری چیزیں ہیں۔ ان فطری چیزوں کو کسی نہ کسی مقام پر صرف کرنا ہے تو اچھا محل کیوں نہ دیکھا جائے اور جب آپ اچھا محل تلاش کریں گے تو اس جگہ سے بہتر کونسی جگہ نظر آئے گی جس پر رسولِ خداؐ بھی روتے ہیں۔

رسولِ اکرمؐ پچاس سال بعد قبر سے نکل کر روئے۔ حضرت اُمّ سلمہؓ وہ زوجہ مطہرہ ہیں آنحضورؐ کی جنہوں نے جنابِ سیدہؑ کے بعد حسینؑ کی پرورش کی ہے۔ انہوں نے رسولِ خداؐ کی محبتوں کو دیکھا تھا، لہٰذا اُن کو حسینؑ سے بے حد محبت تھی۔ عاشور کا دن جو آیا تو اُن کا دل گھبرا رہا تھا۔ دن بھر پریشان رہیں۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ اگر کسی کا بیٹا مر جائے مشرق میں اور مغرب میں تو چاہے کوئی پیغام نہ آئے اس کے مرنے کا لیکن حضور! وہ جو ایک تعلق روحانی ہوتا ہے، وہ اثر کرتا رہتا ہے۔ باپ کو یہ معلوم ہوتا ہے بغیر کسی وجہ کے، دل بیٹھا جا رہا ہے، کمر ٹوٹ رہی ہے۔ بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس وقت یا اُس دن مر گیا تھا۔

جنابِ اُمّ سلمہؓ نے تو پالا ہی تھا، عاشورہ کا دن آیا۔ دن بھر بے چین رہیں اور یہ جانتی تھیں کہ حسینؑ گئے ہیں اور واپس نہیں آئیں گے۔ جب عصر کا وقت گزر گیا، یہ تھکی ہوئی سو گئیں۔ آپؓ نے خواب میں دیکھا کہ رسولِ خداؐ تشریف لائے ہیں، آپؐ کے سر پر عمامہ نہیں ہے، آستینیں کہنیوں تک چڑھی ہوئی ہیں، گرد و غبار میں اَٹے ہوئے، ریش مبارک آنسوؤں سے بھیگی ہوئی، جنابِ اُمّ سلمہؓ نے یہ حالت دیکھی تو کھڑی ہو جاتی ہیں۔ سلام کیا اور کہا: یا رسولؐ اللہ! آپؐ نے یہ کیا حالت بنائی ہے؟ فرماتے ہیں: اے اُمّ سلمہؓ تمہیں خبر نہیں کہ میں کربلا سے آ رہا ہوں۔ میرا فرزند حسینؑ میرے سامنے ذبح کیا گیا۔ رسولؐ اللہ اُن کے خواب میں اس لئے آئے کہ مجھ سے محبت کرنے والے ذرا حسین کی طرف متوجہ ہوں۔ یہ قربانیاں، دنیا میں کس لئے پیش کی گئیں؟ حسینؑ اور اُنؑ کے تمام یار و انصار کس بیدردی سے بھوکے پیاسے شہید کئے گئے؟ مسلمانو! رسولؐ کے گھرانے کے چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ اُمت نے کیسا سلوک کیا؟ سب کو شہید کرنے کے بعد بیبیوں کو لوٹا گیا اور پھر اُن کے خیموں میں آگ لگا دی گئی۔ گیارہویں تاریخ کو یہ بیبیاں، چونسٹھ یا چوراسی تھیں جن کی گودوں میں بچے بھی تھے، قید کر کے کوفے کی طرف لے جائی گئیں۔

# نوکِ سناں پر مظلوم امامؑ کا سر جو سکینہؑ کی بیکسی کو دیکھ کر آنسو بہا رہا تھا۔ بنتِ زہرؑا نے اپنا سر کجاوہ کی لکڑی پر دے مارا اور روکر کہا: میرے بھیا حسینؑ! کیا میری ماںؑ نے تجھے اس دن کیلئے چکیاں پیس پیس کر پالا تھا؟

اور پھر جب دین برباد ہونے لگا تو اُس کی آواز آرہی تھی:

"هَلْ مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرُنَا"

"کوئی ہے جو اس وقت میری مدد کو پہنچے؟"

کسی جگہ سے کوئی آواز بلند ہوئی؟ کہ اے دین اسلام! ہم تیری مدد کریں گے۔ ہاں! اُسی نے آواز دی کہ جو دین تھا خود____ اُس نے آواز دی کہ دین! گھبرائیے نہیں____ جب تک میں زندہ ہوں، تجھے برباد نہیں کیا جاسکتا۔ اُسی کا نام تھا حسینؑ!!

اس امامؑ نے وہ کارنامہ سرانجام دیا کہ سسکیاں لیتا ہوا دین دوبارہ زندہ ہوگیا۔ لہٰذا جب تک دین رہے گا، حسینؑ رہے گا۔ جنابِ زینبؑ جب قید سے چھوٹ کر آئی ہیں اور مدینے میں داخل ہوئی ہیں، کسی نے کہا: چلئے اپنے گھر! جنابِ زینبؑ نے روکر فرمایا: ابھی گھر کہاں جاؤں گی؟ ابھی تو ناناؐ کی قبر پر جانا ہے۔ سب سے پہلے بھائی کی "مظلومیت" اور شہادت کے بارے میں بتانا ہے۔ جاکر چوکھٹ پکڑ کر نانا کی قبر کی، ایک مرتبہ کہتی ہیں: ناناؐ! زینبؑ قید سے رہا ہوکر آ گئی ہے۔ ناناؐ! اگر یہ لوگ نامحرم نہ ہوتے تو میں آپ کو اپنے بازوؤں کے نشان دکھلاتی۔ ناناؐ! میں نے وہ محنت کی ہے کہ اب قیامت تک آپؐ کے دین کو کوئی ختم نہیں کرسکتا۔

امام حسین علیہ السلام اس قافلے کو اپنے ساتھ لے کر گئے تھے جس میں ہر ہر مقام کے افراد کو جمع کر دیا گیا۔ کچھ بچیاں ایسی لے کر گئے تھے کہ جو طمانچے کھائیں اور یاد رہیں طمانچے مارنے والوں کو کہ یہ مظالم بھی ہوتے ہیں۔ یہ بھی یاد رہ جائے کہ تین چار سال کی بچی ہے مگر طمانچے کھانے کے بعد بھی بددعا نہیں دیتی۔ تکلیف ہوئی، رودی مگر بددعا نہیں دی۔

ایسے بچے بھی لے گئے جن کی عمر کربلا پہنچ کر چھ ماہ کی ہوئی تاکہ ہر ظلم کا نشانہ بنیں اور مسکراتے ہوئے چلے جائیں۔ کچھ بچے ایسے لے گئے جو یہ کہتے تھے کہ شہد اتنا میٹھا نہیں ہے جتنی موت میٹھی ہے۔ یہ تیرہ سال کے بچے کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں۔ امام حسینؑ نے وہ کارنامہ انجام دیا بلکہ دین پر وہ احسان کیا جس سے دین کا سر قیامت تک کبھی نہیں اُٹھ سکتا۔

جب شمر کا خنجر حسینؑ کے گلے کے نزدیک پہنچا، سب سے پہلے مسکرائے، اس کے بعد بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتے ہیں: پروردگار! میں نے، میرے ماں باپ نے، جو وعدہ کیا تھا، تیری توفیقات سے میں اس وعدہ کو پورا کر چکا۔ خدایا! جو تو نے وعدہ کیا ہے "پورا کرنا"، آواز آئی: حسینؑ تو نے اپنے آپ کو میرے لئے مٹا دیا، تو اب میرا وعدہ یہ ہے کہ تمام عالم مٹ جائے گا لیکن تجھے نہ مٹنے دوں گا۔

مؤمنین کرام! یہ وعدہ خدا کا کس طرح پورا ہو رہا ہے، صرف دعویٰ نہیں ہے، دلیل ہے۔ مٹانے والے آج بھی مٹانے کی کوشش میں ہیں لیکن جتنا مٹانا چاہتے ہیں، اُتنا ہی حسینؑ کا نام اُبھرتا چلا جاتا ہے۔ حسینؑ مظلوم کے ذکر میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ ہم نہیں ترقی دے رہے، ہماری حیثیت ہی کیا ہے، وعدہ کر چکا ہے خدا کہ تیرے اوپر رونے والے قیامت تک پیدا کرتا رہوں گا۔ آج گیارہ محرم تھی، یاد تو ہوگی آپ کو، اس سے پہلے جو رات گزری ہے، یہ ان بیبیوں پر کیسی گزری ہے؟ زمین پر بیٹھے بیٹھے تمام رات گزار دی، اس رات میں بچوں کی یہ حالت ہے کہ انہوں نے کچھ ایسے وحشت ناک مناظر دیکھے ہیں کہ اب وہ روتے بھی نہیں۔ اتنے سہم گئے ہیں کہ اب بالکل خاموش ہیں۔ زبان سے کہہ دینا اور ہے، اور سن لینا اور ہے۔ ہم کہتے کہتے عادی ہو گئے، آپ سنتے سنتے عادی ہو گئے۔ ذرا کبھی تصور تو کیجئے کہ جن کے سارے عزیز مر چکے ہوں، ان کی لاشیں سامنے پڑی ہوں، ان لاشوں پر بیبیاں جا بھی نہ سکتی ہوں، اُن کی رات کیسے گزری ہوگی؟

جب تک حسینؑ زندہ رہے، اس وقت تک جنابِ زینبؑ کبھی کبھی روتی بھی ہیں، بھائی سے مل کر روئیں، بھائی کے گلے میں ہاتھ ڈال کر روئیں مگر اِدھر حسینؑ کا سر نیزے پر آیا، اُدھر زینبؑ کے آنسو خشک ہو گئے، اس لئے کہ ذمہ داریاں جنابِ زینبؑ پر آ گئی تھیں۔ کبھی اتنی بیبیاں تھیں، اُن کے بچوں کو گود میں لیتی تھیں، کبھی امام زین العابدین علیہ السلام کے پاس آ کر بیٹھتی تھیں اور کبھی ان بیبیوں کو تسلی دیتی تھیں اور کبھی بچوں سے کچھ باتیں کرتی تھیں۔ یہ رات اسی طرح گزر گئی۔ گیارہ محرم یعنی آج یہ ساری بیبیاں قید ہو کر کوفے کی طرف روانہ ہو گئیں۔ جنابِ زینبؑ نے ساری بیبیوں کو خود سوار کیا۔ ذرا تصور تو کیجئے، جنابِ زینبؑ تنہا رہ گئیں اور آپؑ کا سوار کروانے والا کوئی نہ رہا۔ ایک مرتبہ قتل گاہِ حسینؑ کی طرف نگاہ کی، آواز دی، بھیا حسینؑ! ارے زینبؑ کو سوار کرنے والا کوئی نہیں، قید ہو کر جا رہی ہوں۔ کم از کم اونٹ پر سوار کرنے کیلئے تو آ جاؤ! دریا کی طرف نگاہ کی: ارے میرے غیرت مند بھائی عباسؑ! میں قید ہو کر جا رہی ہوں، مجھے سوار کروانے والا کوئی نہیں۔

اس جگہ کا ایک واقعہ یاد آیا، جنابِ ابوذر غفاریؓ اس دنیا سے اُٹھے تھے، ان کی بیٹی راستے میں کھڑی ہو گئی۔ مالک اُشتر کا قافلہ آیا، انہیں بتایا گیا۔ تمام قافلہ رُک گیا۔ ابوذر کو دفن کیا۔ آخر میں مالک اُشتر نے حکم دیا کہ ایک عماری الگ بنائی جائے، ابوذر کی بیٹی کیلئے تا کہ اسے سوار کر کے امیر المؤمنینؑ کی نگرانی میں دیا جائے۔ ایک عماری الگ بنائی گئی، کفن و دفن سے فارغ ہو کر آپ نے حکم دیا: قافلے والو! تیار ہو جاؤ، سفر شروع کرو۔ لوگوں نے تیاری کی، سامان وغیرہ اونٹوں پر رکھ چکے۔ بعض لوگ بیٹھ بھی چکے کہ اتنے میں کسی شخص نے مالک اُشتر سے کہا کہ تم نے جو عماری بنوائی تھی ابوذر کی بیٹی کیلئے، ابوذر کی بیٹی کا پتہ نہیں کہ کدھر چلی گئی؟ کچھ پتہ نہیں چلتا۔ مالک اُشتر گھبرا گئے۔ آپس میں باتیں ہونے لگیں کہ کدھر چلی گئی ابوذر غفاری کی بیٹی؟ ایک شخص اتفاق سے آ رہا تھا، بالکل اجنبی۔ اُس نے بھی کچھ سن لیا۔ اُس نے کہا: گھبراؤ نہیں، آج جو نئی قبر بنی ہے، اس پر میں نے ایک عورت کو روتے ہوئے دیکھا ہے۔ جا کر تلاش کرو، وہی نہ ہو۔

چنانچہ مالک اُشتر خود گئے، دیکھا کہ ابوذر کی بیٹی باپ کی قبر پر منہ رکھے ہوئے رو رہی ہے۔ بابا! میں آج جا رہی ہوں۔ میں اب آپ کی قبر پر فاتحہ کیلئے نہیں پہنچ سکوں گی۔ مالک اُشتر نے کہا: بیٹی چلو۔ ابوذر کی بیٹی نے کہا: چچا مالک! خدا کیلئے مجھے چھوڑ دیں کہ باپ کی قبر پر رہوں، پھر رخصت ہو جاؤں۔

صاحبِ مفتاح الجنان لکھتے ہیں کہ جب بیبیاں سوار ہونے لگیں، جنابِ زینبؑ سوار کرنے لگیں تو کسی کی زبان سے نکلا کہ علیؑ و فاطمہؑ کی چھوٹی بیٹی اُمّ کلثومؑ کدھر ہیں؟ اب ان کو اِدھر اُدھر نگاہیں ڈھونڈنے لگیں۔ آخر میں بیبیوں نے کہا کہ ان میں تو وہ نہیں ہیں۔ یہ جو کہا گیا تو سب بیبیاں گھبرا گئیں۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اتفاق سے ایک شخص اُسے آنکلا۔ اُس نے بھی کچھ سن لیا۔ اُس نے کہا: گھبراؤ نہیں، میں ابھی اُدھر سے آ رہا ہوں، دریا کے کنارے، میں نے دیکھا کہ وہاں ایک لاش پڑی ہوئی ہے جس کے بازو کٹے ہوئے ہیں، اس لاش سے لپٹی ہوئی ایک بی بی رو رہی ہے، دیکھو شاید وہی ہو؟ جنابِ زینبؑ جو پہنچیں تو اُمّ کلثوم عباسؑ کی لاش سے لپٹی ہوئی کہہ رہی تھیں: بھیا! میں قید ہو کر جا رہی ہوں۔

یہ قافلہ کوفے کے قریب پہنچا، چالیس اونٹوں پر بیبیاں سوار، محبانِ حسینؑ سے عرض کر رہا ہوں۔ جب دروازۂ کوفہ ڈیڑھ میل رہ گیا، ایک مرتبہ حکم آتا ہے، ابن زیاد کا، کہ قیدیوں کو ٹھہرا دو، اس لئے کہ ابھی شہر سجایا نہیں گیا۔

عزادارانِ اہلِ بیتؑ! شہزادیوں کا گزر ہونے والا ہے، قیدیوں کی حالت میں ــــ دو گھنٹے یہ قیدی کھڑے رہے، گودوں میں چھوٹے چھوٹے بچے لئے کھڑی ہیں۔ آخر میں ایک دفعہ باجوں کے بجنے کی آواز آئی۔ یہ استقبال ہے کس کا؟ نبی کی بیٹیوں کا جو اس وقت بغیر رِدا کے ہیں۔ اُن کے سر پر چادر نہیں ہے۔ حکم آیا کہ قیدیوں کو بڑھاؤ مگر اس طرح سے کہ جتنے کٹے ہوئے سر ہیں شہداء کے، وہ سب نیزوں پر بلند ہوں۔ سارے سر بلند کئے گئے۔ ہر ایک سر اُس بی بی کے اونٹ کے ساتھ بلند کیا گیا جو اُس کی بہن تھی یا بیٹی تھی یا اُس کی ماں تھی۔ امام حسینؑ کا سر جس نیزے پر نصب کیا گیا، وہ نیزہ جنابِ زینبؑ کے اونٹ کے پاس تھا۔

ارے زینبؑ کی گود میں سکینہؑ بھی تھی۔ یہ پہلی مرتبہ سکینہؑ نے باپ کا سر نیزے پر دیکھا۔ امام حسینؑ کے سر سے دو تین قطرے خون کے گرے۔ جنابِ زینبؑ کی نگاہ پڑی تو اپنے کجاوے کی لکڑی پر اپنا سر دے مارا اور آپؑ نے کہا کہ میری ماں کے چاند! کیا میری ماں نے چکیاں پیس پیس کر اسی لئے پالا تھا کہ تیرا سر اس طرح سے نیزے پر بلند کیا جائے؟

❁❁❁

## امام حسینؑ کی زینبؑ کو وصیت

**امام حسینؑ وصیت کرگئے تھے کہ زینبؑ بھن!میرا کام ختم ھوااور تمھارا کام شروع ھوا،کربلا تک میرا کام تھا اور شام تک تمھاراھے۔زینبؑ بھن!اپنے بھائی کو دعاؤں میں یاد رکھنا۔**

جب قیدی آئے ہیں دربار میں، بعض لوگ نہ سمجھے ہوں گے کہ یہ کون قیدی ہیں؟ ویسے قیدی چشم فلک نے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ بتلاؤں، آپ سمجھ گئے ہیں۔ رسولؐ اللہ کی بیٹیاں، فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی بیٹیاں۔ یہ قید کی گئی تھیں۔ مسلمانو! اگر کسی نے یہ خبر نہ سنی ہوتی تو شاید یہ سننے کے بعد دل کی حرکت بند ہو جاتی۔ رسولؐ خدا کی بیٹی قیدی اور اس طرح کہ پہلے بازارِ شام میں پھرائی بھی گئی ہیں!!

کبھی کبھی کچھ لوگوں کے دلوں میں یہ بات آتی ہے اور کبھی کبھی شکایت بھی پیدا ہوتی ہے کہ یہ کیوں ایسا ہوا؟ جنابِ زینبؑ چاہتیں اور ذرا سے ہاتھ اُٹھا دیتیں کہ کیا مجال تھی؟ کوئی قوت تھی کہ وہ اس طرح سے قید کر کے لے جاتا؟ بات یہ تھی کہ امام حسینؑ وصیت کر گئے تھے کہ بہن! میرا کام ختم ہوا اور تمہارا کام شروع ہوا۔ کربلا تک میرا کام تھا، شام تک تمہارا کام ہے۔

جب سے حکومت دنیا میں بنی ہے، اس کا طریق کار یہ رہا ہے کہ کسی اپنے دشمن کو اگر وہ ذلیل کریں یا قتل کریں یا قید خانے میں ڈال دیں تو کوئی نہ کوئی عیب اس میں نہیں بھی ہے تو عیب اس میں لگایا جاتا ہے۔ پروپیگنڈا کروایا جاتا ہے اپنے آدمیوں کے ذریعے سے کہ یہ شخص اچھا نہ تھا، اس لئے قید خانے میں ڈالا گیا۔ یزید اس چیز کو اچھی طرح سے جانتا تھا کہ پروپیگنڈا کیوں اور کیسے کروایا جاتا ہے کیونکہ اُس نے اُس جگہ پرورش پائی تھی جو اس قسم کے پروپیگنڈے کا گھر تھا اور روزانہ وہ ان چیزوں کو دیکھتا تھا۔ وہ اچھی طرح سے سمجھتا تھا کہ کسی شخص پر الزام لگانے کے کتنے طریقے ہو سکتے ہیں اور کس طرح سے لوگوں میں اس کے اثر و رسوخ کا زائل کیا جا سکتا ہے۔ امام حسین علیہ السلام یہ جانتے تھے اور اس کیلئے جنابِ امام حسینؑ نے جنابِ زینبؑ کو منتخب کیا تھا۔ میری بہن! حکومت جو پروپیگنڈا میرے خلاف کرے گی، اگر تم شام تک چلی جاؤ گی تو یہ تمام قوتیں ختم ہو جائیں گی۔ ایک تمہاری آواز دنیا پر چھا جائے گی۔

اور یہی ہوا اور جنابِ زینب سلام اللہ علیہا اسی خیال سے چلیں۔ لوگوں میں اعلان کیا گیا کہ ایک شخص نے ہم پر حملہ کیا تھا۔ ہم نے اُسے قتل کر دیا۔ اس کے ساتھیوں کو مار ڈالا۔ اُس کے بال بچوں کو گرفتار کیا اور وہ فلاں دن دمشق میں داخل ہوں گے۔ پچاس پچاس میل تک، سو سو میل تک جب یہ خبریں پہنچیں تو لوگوں نے یہ سمجھا کہ کوئی غیر مسلم ہوگا، مسلمان نہ ہوگا جس نے یہ حملہ کیا ہے۔ وہ مسلمان نہ ہوگا جس کی

عورتیں قید ہو کر آ رہی ہیں۔ یہ لوگ جمع ہو گئے، لاکھوں آدمیوں کا ہجوم، قافلہ قیدیوں کا آ رہا ہے۔ کالے عَلم دکھائی دیئے اور زیادہ متوجہ ہو گئے لوگ کہ یہ کیا ہے؟ ابھی تک خیال وہی ہے۔ اس کے جب قریب آئے وہ اونٹ جن کے ساتھ سر تھے تو لوگوں نے گھبرا گھبرا کر دیکھنا شروع کیا اور آخر میں ایک دوسرے سے کہنے لگے: ارے بھائی! کہا جاتا ہے کہ مسلمان نہیں! ان کی پیشانیوں پر تو سجدوں کے نشان ہیں اور اس کے بعد دوسرا کہتا ہے کہ اس کو تو چھوڑا، یہ تو دیکھو ان بیبیوں کی گودوں میں جو بچے ہیں، وہ قرآن پڑھتے ہوئے چلے آ رہے ہیں۔ یہ جو چیزیں دیکھیں تو اس کے بعد لوگوں نے پوچھنا شروع کیا: ارے بھئی! یہ کہاں کے قیدی ہیں؟ یہ کون لوگ ہیں؟ کس خاندان کے ہیں؟ تو کسی نے بتلایا کہ جس کا کلمہ پڑھتے ہو، اُس کی بیٹیاں ہیں۔ وہ جو پروپیگنڈے ہو رہے تھے، ایک مرتبہ ایک نظر میں ختم ہو گئے۔

اس کے بعد وہ طبقہ جو اُمراء کا طبقہ سمجھا جاتا تھا، جن کے خیالات دنیا کی طرف مرکوز رہتے ہیں، اُن سے سامنا ہوا۔ حضور! جب دربار میں یہ قافلہ پہنچ گیا تو وہاں کم سے کم سات سو کرسیاں تھیں جن پر ارکانِ دولت اور رؤسائے وج بیٹھے ہوئے تھے۔ بڑے بڑے آدمی اِدھر اُدھر کے بیٹھے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے دیکھا کہ دروازے کی طرف سے زنجیروں کی آواز آئی۔ اب جو نظر پڑی تو دیکھا کہ ایک بیمار ہے، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنے ہوئے، نظر جھکائے ہوئے چلا آ رہا ہے۔

اس کے بعد بیبیاں نظر آئیں اور بیبیاں کس طرح سے ____ زبان سے الفاظ نکلتے نہیں ہیں مگر کیا کروں؟ کہلوایا زمانے نے، کسی کے سر پر چادر نہیں، ایک طرف بیٹھ گئیں یہ بیبیاں سر جھکائے۔ یزید یہ سمجھ رہا تھا کہ میری فتح کی خوشی ہے۔ وہ اپنی فتح کی خوشی میں مخمور تھا۔ شمر نے آ کر سر پیش کیا بطور تحفہ۔ یزید نے رومال ہٹایا۔ جب لوگوں کی نظریں پڑیں، قتل ہوئے چار پانچ مہینے گزر گئے ہیں مگر دیکھنے والوں کے بیان ہیں کہ خدا کی قسم! اتنا خوش شکل چہرہ کبھی نہیں دیکھا جتنا یہ کٹا ہوا سر تھا۔

چہرے سے نور نکل رہا تھا۔ بعض لوگ جن کی روحوں میں سعادت تھی، سر کو دیکھتے ہی گھبرا گئے۔ یہ کیا ہوا؟ کس کا سر ہے؟ کبھی بیبیوں کی طرف نگاہ ہے، کبھی امام زین العابدینؑ کی طرف۔ امام زین العابدینؑ سر نہیں اُٹھاتے، سر جھکائے ہوئے ہیں۔ آپؑ کے متعلق یہ لکھا ہے کہ کربلا سے قید ہو کر جب چلے، کوفے میں قید رہے، ابن زیاد کے دربار میں پیش ہوئے۔ کوفے سے پھر شام کے راستے دمشق، بارہ سو میل کا راستہ، اس تمام راستے میں امام زین العابدینؑ کی حالت یہ رہی کہ ہمیشہ سر جھکائے ہوئے رہتے تھے۔ دل میں نشتر چبھنے لگتے ہیں۔ خدا کی قسم! جب یہ چیز میرے خیال میں آ جاتی ہے، بنی ہاشم کا جوان، 22 سال کی عمر، رسول کا نواسہ، علیؑ کا پوتا، امام حسین علیہ السلام آخری وصیت میں فرما گئے تھے: بیٹا! ماں اور بہنوں کا ساتھ ہے، گھبرا نہ جانا، میری محنت برباد ہو جائے گی۔

ایک فقرہ اگر آپ کے سامنے عرض کروں تو شاید یہ بے محل نہ ہوگا، ایک مرتبہ ایسا ہوا اور یہ ہوتا چلا آ رہا ہے، ذرا ذرا سی بات پر شمر جنابِ امام زین العابدین علیہ السلام کو ستاتا تھا۔ نوکِ نیزہ سے اذیت دیتا تھا، بازارِ شام میں ایک مرتبہ امام زین العابدینؑ گر پڑے۔ بیمار کو ٹھوکر لگی، گر پڑے، اُس نے نیزے کی نوک سے تکلیف دی، تڑپ کو اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے باپؑ کے سر کی طرف نظر کر کے عرض کرتے ہیں: بابا! میری کمر کو دیکھئے، کتنی زخمی ہو چکی ہے۔ جنابِ زینبؑ نے جب یہ دیکھا تو آواز دی: بیٹا! منزل قریب آ گئی ہے، گھبراؤ نہیں۔

جب یزید نے دربار میں خطاب کیا،تمہارے بھائی کو خدا نے قتل کیا،تم کو رُسوا کیا کہ قید ہو کر میرے دربار میں آئے۔ جنابِ زینب کو موقعہ ملا کہ یہ وقت ہے کہ اُس تمام پروپیگنڈے کو اسی جگہ ختم کر دوں تو ایک مرتبہ آپؑ نے آواز دی: ''یزید! خاموش ہو جا، کیا بک رہا ہے؟ تو یہ کہتا ہے کہ میرا بھائی قتل ہوا، اُس کی ہمیں پروانہیں، قتل ہونا ہماری میراث ہے۔ رہ گئی یہ چیز کہ تو نے ہمیں گرفتار کیا اور دربار میں لایا، ہماری ذلت نہیں، تو ذلیل ہوگا جب قیامت کا میدان ہوگا تو میرے ناناؐ پوچھیں گے''۔ اتنی باتیں کی تھیں جنابِ زینبؑ نے کہ دربار والے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگے کہ علیؑ کی آواز کہاں سے آئی۔ آپؑ نے فرمایا: ''دربار والو! تم ہمارا تماشہ دیکھنے کیلئے بیٹھے ہو، تمہیں پتہ نہیں کہ میں کون ہوں؟ ارے تمہارے رسولؐ کی جو بیٹی تھیں ناں فاطمہ زہراؑ، اُنؑ کی بیٹی زینبؑ ہوں۔ یہ کٹا ہوا سر میرے بے گناہ مظلوم بھائی کا ہے۔

❁❁❁

# سکینہؑ کا باپؑ کی لاش کو تلاش کرنا

## سکینہؑ کا میدانِ کربلامیں جاکر اپنے مظلوم باپؑ کی لاش کو تلاش کرنا اور جنابِ زینبؑ کا میدان میں آکرسکینہؑ کولاشِ پدرسے جداکرکے خیموں میں لے جانا۔

بڑا گھر تھا، ایسا آباد گھر چشم فلک نے کبھی نہ دیکھا ہوگا مگر معلوم نہیں اپنے محاورات میں یہی کہا جاتا ہے کہ کسی کی نظر لگ گئی۔ یہ گھر، ایک وقت آیا کہ اس طرح برباد نہ ہوا ہوگا، اس گھر میں خوشیاں ہوئیں مگر وہ خوشیاں کہ جو خدا کی رضامندی کی وجہ سے تھیں، لیکن اس میں جتنے غم ہوئے اور جتنی مصیبتیں اس گھر پر آئیں، وہ دنیا کے کسی اور گھر پر نہیں آئیں۔ میرے بزرگو! یہ گھر مسمار کیا گیا۔ اس کے رہنے والوں کو نکالا گیا۔ اگر ان کا گھر وہی تھا جہاں چلے گئے لیکن جہاں بھی چلے گئے، لوگوں نے ان کو چین سے نہیں رہنے دیا۔ کسی گھر سے جنازۂ رسولؐ نکلا مگر کس طرح سے نکلا؟ اس طرح سے نکلا، کہنے میں بات آتی ہے، زمانے کا اگر گلہ کروں تو بجا ہے۔ وہ رسولؐ جو ہر ایک شخص کے دکھ اور درد میں برابر شریک ہوتا رہا، اگر معلوم ہوا کہ کوئی بھوکا ہے تو خود نہ کھایا، اُس کا پیٹ بھر دیا۔ اگر کوئی بیمار ہوا تو اُس کی مزاج پُرسی کیلئے خود گئے۔ پھر اعتبار سے کہ سردارِ دو عالم، جن کے احسانات کی کوئی انتہا نہ ہو، ان کے بارے میں اگر غیر مذہب کے آدمی سے کہا جائے کہ اس کا جنازہ نکلا، وہ فوراً کہے گا کہ نہ معلوم کتنے لاکھ آدمی ہوں گے لیکن حضور! جنازہ اس طرح نکلا کہ سوائے اپنے چند آدمیوں کے کوئی جنازے میں نہ تھا۔

اس کے بعد یہی گھر تھا کہ دو تین دن کے بعد جب سیدہؑ قبر پر پہنچی ہیں اپنے باپ کی، تو یہ کہتے ہوئے پہنچی ہیں کہ بابا! اب وہ فاطمہؑ نہیں ہوں جو آپؐ کے زمانے میں تھی۔ کاش! کوئی اتنا کہہ دیتا کہ فاطمہؑ! تمہارے باپ کا انتقال ہوگیا، ہمیں رنج ہے۔ کاش! فاطمہؑ کے دروازے پر آکر لوگ یہ کہہ دیتے کہ فاطمہؑ! تمہارے باپ کے اُٹھ جانے کا ہمیں بہت افسوس ہے۔ ذرا بتلایئے تو سہی، جس کی حالت یکا یک اتنی منقلب ہوگئی ہو، اُس پر کیا کچھ گزری ہوگی؟

کیا عرض کروں؟ جانوروں پر اثر پڑا، طیور پر اثر ہوا، وہ اونٹنی جس پر جنابِ رسالتمآبؐ سوار ہوا کرتے تھے، آپؐ کے انتقال کے بعد اُس نے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ بہت کچھ کوشش کی گئی لیکن اُس نے بالکل کچھ نہ کھایا۔ آخر کب تک ایک جانور بغیر کچھ کھائے پیے رہ سکتا ہے؟ دو دن کے بعد اس سے کھڑا ہونا مشکل ہوگیا۔ ایک مرتبہ اُس نے اپنی رسی تڑوائی اور سیدھی چلی جنابِ رسالتمآبؐ کی قبر کی طرف۔ قبر کے پاس جا کر اُس نے اپنا رخسار رکھ دیا اور لوگوں نے دیکھا کہ اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ لوگ گئے کہ وہاں سے ہٹائیں مگر وہ نہ ہٹی۔ مجبور ہو کر لوگ آئے جنابِ فاطمہؑ کے دروازے پر، سیدۂ عالم سلام اللہ علیہا! آپؑ کے والد کی اونٹنی قبر پر پہنچ گئی ہے اور وہاں سے اُٹھتی نہیں۔ جنابِ سیدہؑ چادر اوڑھ کر نکلیں، قبر پر پہنچیں۔ جب اُس نے دیکھا کہ شہزادیؑ آگئیں، آپؑ نے اشارہ کیا، فوراً اُٹھ کھڑی ہوئی، اپنی جگہ واپس پہنچی۔

جنابِ سیدہؑ اپنے حجرے میں آ گئیں تھوڑی دیر کے بعد یہ اونٹنی پھر وہیں پہنچ گئی یعنی ایک بیقراری کا عالم تھا۔ آخر یہ ہوا کہ کئی مرتبہ اسی طرح سے گئی اور جنابِ سیدہؑ آئیں۔ بعض لوگوں نے چاہا کہ اسے ذبح کر ڈالیں لیکن جنابِ سیدہؑ نے فرمایا: میں اپنے باپ کی اونٹنی کو، جو اتنی محبت کرتی ہے میرے باپ سے، کبھی بھی ذبح کی تکلیف دینا گوارہ نہیں کروں گی۔ وہ اسی طرح مر گئی، اسے دفن کروایا گیا۔

مؤمنین کرام! دیکھا آپ نے کہ جنابِ رسالتمآبؐ کے اُٹھ جانے کا جانوروں پر یہ اثر پڑا تھا۔ اب آپ بتلائیے کہ بیٹی پر کیا اثر ہوگا اور پھر اس کے ساتھ ساتھ جب یہ عالم دیکھا کہ لوگ اتنے پھر گئے کہ کسی نے آ کر دروازے پر یہ بھی نہ پوچھا کہ فاطمہؑ! آپؑ کس حال میں ہیں اور اگر آئے بھی تو کس مشکل میں آئے، اس کا میں کیا ذکر کروں آپ کے سامنے؟ جنابِ سیدہؑ گھر میں بیٹھ کر فریاد کر رہی تھیں کہ بابا! ذرا دیکھئے تو سہی، بابا! دنیا والوں نے آپ کی وفات کے بعد ہم سے کس طرح منہ موڑ لیا ہے؟ آنحضورؐ کے بعد معظمہ بی بیؑ کا سارا وقت روتے اور ماتم کرتے ہوئے گزرا۔ اس کے بعد اس گھر سے سیدہؑ کا جنازہ نکلا اور وہ نکلا چند آدمیوں کے سہارے۔ اس کے بعد سیدہؑ کے فرزند امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کا جنازہ نکلا جس پر تیر برسے۔ آخر میں ایک جنازہ گھر سے تو نہیں لیکن اس گھر میں رہنے والے کا جنازہ یوں نکلا ___ نکلا کیا؟ ___ اُٹھانے والا ہوتا تو نکلتا! کتابوں میں لکھا ہے تیروں نے جنازہ اُٹھایا۔

جنابِ رسالتمآبؐ کا انتقال ہوا تو فاطمہ زہراؑ گھر میں تھیں، امیر المؤمنینؑ موجود تھے، حسنین شریفینؑ موجود تھے، تسلی دینے کیلئے بنی ہاشم کے کچھ لوگ موجود تھے۔ حسینؑ جب شہید ہوئے تو اُنؑ کی بیٹی اور بہن کو کوئی تسلی دینے والا نہ تھا۔ تسلی کو تو جانے دیجئے، ایک چھوٹی سی بچی تھی، وہ اگر اپنے باپ کو یاد کر کے روئی، حاضرین مجلس! کونسا گناہ ہو گیا لیکن اس کو اس طرح تسلی دی گئی کہ شمر نے طمانچے مارے۔ ایک مرتبہ یہ بچی پہنچ گئی جہاں امام حسینؑ کی لاش پڑی تھی، ہائے بیٹیؑ نے کس طرح باپؑ کی لاش کو دیکھا؟ جنابِ زینبؑ کو معلوم ہو گیا کہ سکینہؑ کہیں چلی گئی ہیں تو جنابِ زینبؑ و اُمّ کلثومؑ دونوں بہنیں مقتل کی طرف چل پڑیں۔ رات کا وقت ہے، چاروں طرف اُداسی کا عالم ہے۔ بی بیؑ نے خیال کیا کہ جس وقت حسینؑ چلے تھے، آخری رخصت کے بعد تو سکینہؑ دروازے پر کھڑی دیکھ رہی تھی، اُسی طرف ہی گئی ہو گی۔ جب آپؑ وہاں پہنچیں تو وہاں سکینہؑ کے رونے کی آواز آئی۔ آواز کی طرف چلیں تو وہی نشیب جس میں حسینؑ شہید ہوئے تھے، وہاں یہ بچی باپؑ کی کٹی ہوئی گردن سے منہ ملائے کہہ رہی تھی: بابا! آپؑ کو کس نے شہید کیا؟ مجھ کو کس نے یتیم بنا دیا؟ جیسے ہی جنابِ زینبؑ وہاں پہنچیں، گود میں اُٹھایا، تسلی دیتی ہوئی لا رہی تھیں کہ پوچھا: بیٹیؑ! تم نے کس طرح پہچان لیا کہ یہ تمہارے بابا کی لاش ہے؟ عرض کیا: پھوپھی اماں! میں رو رو کر کہہ رہی تھی، بابا! آپؑ کدھر ہیں، اُدھر سے آواز آئی، بیٹیؑ! اِدھر آ جا، تیرا باپ اِدھر ہے۔

❁❁❁

# ہندہ کا خواب میں حضورؐ کو دیکھنا اور در زندان میں آکر پوچھنا کہ قیدیو! یہ بتاؤ کہ تم میری شہزادی زینبؑ کوجانتی ہو؟

امام حسین علیہ السلام کا سب سے بڑا دشمن تھا یزید ___ مگر آخر میں مجبور ہو کر اسے بھی دربار میں کہنا پڑا: خدا لعنت کرے ابن زیاد پر، اُس نے حسینؑ کو قتل کر دیا۔ میں نے تو کبھی نہیں کہا تھا۔ اور ایک دن وہ تھا کہ دربار میں فخر سے کہہ رہا تھا: کاش! میرے وہ بزرگ ہوتے جو بدر میں مارے گئے تو مجھے دعائیں دیتے کہ یزید! خدا تیرا بھلا کرے کہ تو نے ہمارا بدلہ لے لیا۔ شراب پیتا جاتا ہے، امام حسینؑ کے سرِ اقدس سے بے ادبی بھی کر رہا ہے۔ ہاتھ میں ایک بید ہے جو دندانِ مبارک کو لگا رہا ہے۔ ذرا طہارت کی بلندی ملاحظہ فرمائیں، اسی دربار میں قتلِ حسینؑ کا الزام ابن زیاد کے سر تھوپنے پر مجبور ہو گیا۔

کون پوچھتا اُس سے کہ اگر تو نے قتل نہیں کروایا تو اِن سیدانیوں کو قید کس نے کروایا؟ بغیر چادروں کے ان کو بازاروں اور دربار میں کون لایا ہے؟ جو رسولؐ زادیاں تھیں، ان سے جو دربار اور قید خانے میں واقعات ہوئے، وہ سب اسی کے حکم سے ہوئے۔ کچھ لوگ اُس کے صرف اِس کہنے پر کہہ دیتے ہیں، وہ تو بے قصور ہے، وہ تو کہہ رہا تھا کہ میں نے تو قتل نہیں کروایا! خیر ___ بہر حال ایسا بھی ہوتا آیا ہے زمانے میں ___

یہ کبھی رہا نہ کرتا اہلِ بیتؑ کو ___ مگر یہ مجبور ہو گیا، اسے یہ پتہ نہ تھا کہ جو اُسے پہلے خلیفہ رسول سمجھتے تھے، اب وہ بھی اس کو شیطان سمجھنے لگیں گے۔ حالت یہ ہو گئی کہ دمشق میں بیٹھی ہوئی عورتوں تک جب یہ خبریں پہنچیں کہ یہ جو قید ہو کر بیبیاں آئی ہیں، یہ تو فاطمہؑ کی بیٹیاں ہیں تو ایک ہیجان برپا ہو گیا۔ اُن کے مرد جب گھروں میں آتے تھے تو وہ اُن سے کہتی تھیں کہ بے غیرتو! تم نے اپنی ماں بہنوں اور بیٹیوں کو گھروں میں بٹھا رکھا ہے اور تمہارے رسولؐ کی نواسیاں بازاروں میں پھرائی جا رہی ہیں؟

یزید کو یہ خبریں پہنچیں کہ اب تو ایک انقلابِ عظیم برپا ہونے والا ہے۔ تب اُس نے اِن اسیروں کی رہائی کا حکم دیا۔ اور اس وقت چونکہ وقت کی ضرورت پڑ گئی تھی، وہ سمجھ رہا تھا کہ دنیا مظلوم کی طرفدار بن گئی ہے، فطری حیثیت سے بن جانا چاہئے، لہٰذا طرفدار بن گئی۔ اس لئے اس کو یہ کہنا پڑا کہ میں نے تو کچھ نہیں کیا، قتلِ حسینؑ تو ابن زیاد نے کیا ہے۔

یہ بیبیاں جو قید ہو گئی تھیں، معلوم نہیں کونسا دل تھا اُن کے سینے میں کہ جو کچھ تکالیف پڑتی تھیں، شکر ادا کرتی رہیں، یہاں تک کہ جنابِ زینبؑ کے متعلق تو یہ ہے کہ قید خانے میں بھی کوئی رات نماز قضا نہیں ہوئی۔ اللہ اکبر، ارے یہ بیکسی تھی جو شام تک چلی گئیں۔ آپ کو غالباً معلوم ہے یہ شام سے کربلا جو واپس آئی ہیں، یہ تقریباً چودہ مہینے ہیں، محرم کی گیارہ تاریخ کو کربلا سے گئی ہیں اور بیس صفر کو واپس پہنچی

ہیں، اور ایک سال، وہ تقریباً چودہ مہینے میں یہ قید سے رہا ہو کر آئی ہیں۔ قید میں جو کچھ تکالیف اُٹھائی ہیں، وہ اس کے علاوہ تھیں، معلوم نہیں کونسا دل تھا، کسی بی بی کی زبان سے کبھی یہ نکلا ہو کہ ہم کب رہا ہوں گے؟

بس ایک واقعہ عرض کرتا ہوں کہ یزید نے کیا کیا مظالم کیے، وہ ہر وقت یہ سوچتا رہتا تھا کہ کن کن طریقوں سے ان بیبیوں کو روحانی صدمات پہنچاؤں تاکہ یہ گھل گھل کر یہیں مر جائیں۔ ایک دن اُس کے دل میں خیال آیا اور اس خیال کے آنے کے بعد اپنے گھر گیا، شام کا وقت تھا۔ اُس نے اپنی بیوی سے کہا کہ دیکھو! صبح کو تم شاہانہ لباس پہننا اور کنیزوں کو بھی فاخرہ لباس پہنانا۔ بیوی نے پوچھا کہ کل کوئی عید ہے؟ اُس نے کہا: کچھ قیدیوں کو میں بھیجوں گا، تمہارے سامنے پیش ہوں گے تاکہ ان کو اپنی حالت دیکھ کر اور تمہاری حالت دیکھ کر رنج ہو اور اُن کے دل کڑھیں اور وہ روحانی صدمہ اُٹھائیں۔ اُس کے دماغ میں یہ چیز نہیں آئی، اگرچہ جانتی تھی مگر وہ سمجھی کہ شاید کوئی دوسرے قیدی آگئے ہوں۔ ایک روز حکم ہوا یزید کا کہ اُس دروازے میں حسینؑ کا سر لٹکا دیا جائے اور پھر قیدیوں کو لایا جائے۔

ایک سپاہی نے آکر کہا: زین العابدینؑ! تم یہاں رہو گے اور یہ جتنے قیدی ہیں، یہ سب حرم سرائے یزید میں پیش ہوں گے۔

آپ ذرا دلوں پر ہاتھ رکھ کر سوچئے کہ بیبیوں پر کیا کچھ گزر گئی ہوگی؟ جنابِ زینبؑ اُٹھیں اور جنابِ زین العابدین علیہ السلام سے لپٹ گئیں اور فرماتی ہیں: بیٹا! میں کبھی نہ جاؤں گی، میں ہرگز نہ جاؤں گی۔ امام زین العابدینؑ نے فرمایا: پھوپھی جان! ہم قیدی ہیں، دربار میں اُس نے ہمیں پیش کیا، اب اگر وہ حرم سرا میں بلا رہا ہے تو چلی جایئے۔ ہمیں بددعا نہیں کرنا ہے۔ امام حسینؑ آخری وصیت میں فرما گئے ہیں اور آپؑ کو یاد ہوگا۔ ''بہن! جلال میں نہ آجانا، اور بددعا نہ کرنا ورنہ میری محنتیں برباد ہو جائیں گی''۔

جنابِ زینبؑ مجبور ہو کر زندان سے نکلیں۔ صبح کا وقت تھا۔ کچھ دن چڑھا ہوا تھا۔ بیبیاں ساتھ تھیں۔ جنابِ زینبؑ کو سب نے اپنے ہالے میں لے رکھا ہے، یہ قیدی جا رہے ہیں مگر کس عالم میں جا رہے ہیں کہ قدم رکھتے ہیں کہیں اور پڑتا کہیں ہے! ادھر سے یہ قیدی چلے اور اُدھر سے قدرت نے دوسرا انتظام کیا۔ اس وقت یزید کی بیوی ہندہ سو رہی تھی۔ ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ ایک کنیز دوڑتی ہوئی آرہی ہے کہ راستے سے ہٹ جاؤ۔ محمد مصطفیٰؐ کی بیٹی فاطمہ زہراؑ آرہی ہیں۔ جب اُس نے یہ آواز سنی تو وہ گھبرا کر ایک طرف ہوگئی۔ اب جو دیکھتی ہے کہ چند بیبیاں ہیں جو اپنے منہ پر طمانچے مارتی ہوئی آرہی ہیں، ''واحسیناہ، وامظلوماہ'' کہتی ہوئی آرہی ہیں اور جس وقت اُس کے قریب آئیں، اُسے پہچان لیا۔ یہ کھڑی ہوگئی، سلام کیا اور پوچھا: میری شہزادیؑ! آپؑ یہاں کیسے آئیں؟ تو فرماتی ہیں: میں تیرے پاس نہیں آئی، میری زینبؑ آرہی ہے، میں اُس کیلئے یہاں آئی ہوں۔

❁❁❁

# شہادتِ وہب

## جنابِ سجادؑ نے فرمایا:اے شام کے لوگو! میں رسولؐ اللہ کا فرزند ہوں جن کا تم کلمہ پڑھتے ہو۔

اپنے اپنے زمانے میں اور دیگر کمالات کے اعتبار سے امام حسین علیہ السلام نے جو مظاہرہ کیا ہے کمال کا، کیسا مظاہرہ؟ اس وقت صبر کو بیان نہیں کر رہا۔ مظالم کو برداشت کرنا، یہ نہیں کہنا چاہتا، یہ روزانہ آپ سنتے رہتے ہیں۔ میں ایک بات یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپؑ نے جو اپنے کمال کو پیش کیا ہے، وہ یہ کہ ایسے لوگ بنا لئے کہ کربلا میں پہنچنے کے بعد مصائب کا آسمان ٹوٹ پڑا مگر انہوں نے اُف بھی نہ کی۔ ایسی عورتیں آپؑ نے اپنی تبلیغ کے ذریعے سے مہیا کر لیں کہ اتنی مصیبتیں گزر گئیں لیکن ایک وقت میں بھی انہوں نے شکایت نہ کی۔ مرد ــــ وہ تھے جن کے بارے میں آپ اکثر سنا کرتے ہیں کہ تین دن کی پیاس مگر کبھی کسی نے یہ نام بھی نہیں لیا کہ پانی بھی کوئی چیز ہے دنیا میں یا نہیں!

آپؑ کا یہ کمال کا مظاہرہ تھا۔ ایسے بچے جنہوں نے تیر کھائے اور خدا کی قسم! مسکراتے ہوئے دنیا سے چلے گئے۔ ایسے اصحاب پیدا کر لئے کہ سامنے کھڑے ہو گئے اور پیچھے امام حسینؑ نماز پڑھ رہے ہیں۔ تیر آتے ہیں اور ہڈیوں کو توڑتے ہوئے گزرتے ہیں مگر اُنہیں یہ پتہ بھی نہیں چلتا کہ کب تیر آیا اور کب سینے کے پار ہو گیا۔ ایسی خواتین امام علیہ السلام اپنے ساتھ لائے جو خدا کے نام کیلئے جوان بیٹوں کو قربان کرنے کیلئے آئی تھیں۔ اس لئے ساتھ آئیں کہ یہ قربانی ہمارے سامنے ہو۔ یہ الفاظ نہیں ہیں، یہ واقعات ہیں جن کے بارے میں روزانہ سنتے رہتے ہیں اور کتب تاریخ میں یہ چیزیں موجود ہیں کہ ایسی خواتین ساتھ لائے کہ جوان بیٹوں کو خود انہوں نے رخصت کیا اور کہہ کر رخصت کیا کہ اس وقت تک میں خوش نہیں ہوں گی، اُس وقت دودھ نہ بخشوں گی جب تک تیری لاش نہ آ جائے گی۔ چنانچہ لاشیں آئیں اُن کی تو انہوں نے سب سے پہلا کام جو کیا، وہ سجدۂ شکر ادا کیا، خدایا! تو نے ہمیں سیدہ فاطمہ زہراؑ کے سامنے سرخرو کر دیا (اللہ اکبر)۔

وہب کا واقعہ عام طور پر آپ سنتے رہتے ہیں۔ اُن کی ماں نے آواز دی کہ کہاں ہے میرا بیٹا؟ وہب نے کہا کہ حاضر ہوں۔ ان کی ماں نے کہا کہ ابھی تک تو صرف دیکھ ہی رہا ہے، لاشیں آ رہی ہیں اور امام حسینؑ لاشیں اُٹھا اُٹھا کر لا رہے ہیں اور تو اس طرح سے کھڑا میدان کی طرف دیکھ رہا ہے، اسی لئے تجھے ساتھ لائی تھی؟

اُس نے کہا: نہیں، میں ابھی جان قربان کروں گا۔ دل تو دیکھئے گا اُن کا! تصور بڑی مشکل سے ہوتا ہے کیونکہ نظروں کا ملانا ناممکن ہو گیا ہے۔ وہ کہتی ہیں: کب تک دیکھتا رہے گا اور میں کب تک تیرا انتظار کروں گی کہ تیری لاش آئے؟ اُس نے کہا: آپ گھبرایئے نہیں، میں ابھی جا رہا ہوں۔ کہا ہاں! میں اسی لئے تجھے پکار رہی ہوں اور خیمے سے نکلی ہوں کہ تو میرے سامنے جا۔ اُس نے کہا: بہت اچھا، میں جاتا ہوں۔ صبح سے اسلحہ جسم پر سجا ہوا تھا، جانے لگا خیمے کی طرف۔ کہا! ادھر کہاں جا رہا ہے؟ اُس نے کہا: میں اپنی بیوی سے (سترہ دن ہوئے تھے

شادی کو) اتنا کہہ دوں کہ میں مرنے کیلئے جارہاہوں۔ اُس نے کہا: ادھر جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے، اُس سے کہنے کی کیا ضرورت ہے؟

ارے یہ شہادت کا مرتبہ ہے اوراس میں کسی سے کہنے اور کسی سے مشورہ کرنے؟ اُس نے کہا: نہیں، مشورہ نہیں ہے، میں صرف کہنا چاہتا ہوں۔ گیا، پردہ جو اُٹھایا، دیکھا کہ پردے کے پاس اُس کی بیوی کھڑی ہے اور اُس نے دیکھتے ہی کہا کہ وہب! ابھی تم زندہ ہو؟ اُس نے کہا: تم میری موت کی کیوں خواہش مند ہو گئیں؟ تو وہ کہتی ہے کہ زینبؑ کی بے کلی نہیں دیکھی جاتی۔ زینبؑ کی مظلومی و بیکسی نہیں دیکھی جاتی، میں زینبؑ کے سامنے اُس وقت جاؤں گی جب تمہاری لاش آجائے گی۔

یہ امام حسین علیہ السلام کے کمالات کا مظاہرہ تھا کہ جب سے دنیا بنی ہے، اس وقت سے آج تک کہیں امکان ہی میں یہ چیز نہیں آسکی۔ اس کے بعد بچیاں لائے، بچے لائے۔ مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے کہاں کہاں فریادیں کیں؟ ہاں! ایک اور مقام پر اُن کی فریادوں کی آواز آئی: مثلاً! بازارِ کوفہ یا بازارِ شام سے گزرے ہیں قیدی ــــــ تو مکانوں کی چھتوں پر جو عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں، بعض ایسی تھیں جنہوں نے اپنے ہاتھ میں پتھر لئے ہوئے تھے، پتھر چلے ہیں اور ان بچوں پر پڑے ہیں تو ان بچوں کی چیخوں کی آواز اور اُس کے بعد جنابِ زینبؑ کا کہنا: بیٹا زین العابدینؑ! بچے زخمی ہو گئے اور جنابِ زین العابدین علیہ السلام ــــــ لوگو! یہ ہمیں اس طرح سے قید کر کے لئے جارہے ہیں جیسے حبش و زنجبار کے لوگوں کو قید کیا جاتا ہے۔ میں حبشی و زنجبار کا غلام نہیں ہوں بلکہ میں رسولؐ اللہ کا نواسہ ہوں ــــــ جس کا تم کلمہ پڑھتے ہو، میں اُن کا بیٹا ہوں۔

❁❁❁

# جنابِ سکینہؑ کا زندانِ شام میں انتقال

## جب زائرین شام سے کربلا جاتے ہیں تو سکینہؑ انہیں پیغام دے کر کہتی ہیں کہ میرے بابا سے کہنا کہ آپؑ کو پردیسی سکینہؑ بہت یاد کرتی ہے۔

قید خانے میں ایک واقعہ ہوگیا اور وہ یہ کہ ایک بچی کا انتقال ہوگیا۔ حاضرین مجلس! ہوا یہ کہ جس وقت یزید کا دربار ختم ہوا اور قیدی بھیجے گئے تو اس کی محل سرا کے پاس ایک خرابہ تھا، ٹوٹا ہوا مکان تھا____ اُس کا حکم یہ تھا کہ یہ قیدی وہاں بھیج دیئے جائیں۔ آج بھی وہاں آثار نظر آرہے ہیں کہ کہاں محل سرائے یزید تھی۔ دنیا مٹ گئی، یزید مٹ گیا لیکن اُس بچی کی قبر آج بھی باقی ہے۔ جب قیدی اس خرابے میں داخل کیے گئے اور دروازہ بند کر دیا گیا تو دن میں اتنا اندھیرا ہوگیا کہ ایک کو دوسرا دیکھ نہیں سکتا تھا۔

عزادارانِ اہلِ بیتؑ! اب ذرا آپ اپنے دلوں پر ہاتھ رکھ کر سنئے گا۔ تمام قیدی گھبرا گئے۔ انہوں نے کہاں ایسی جگہیں دیکھی تھیں جہاں دن میں بھی اتنا اندھیرا ہو۔ اپنی ماؤں کی گودیوں میں بلک بلک کر رونے لگے۔ ماؤں نے اُن کے منہ پر ہاتھ رکھا، بچو! روؤ نہیں۔ شہزادیؑ کو تکلیف ہوگی، جنابِ زینبؑ کو رنج ہوگا۔ جنابِ سکینہؑ کچھ زیادہ گھبرا گئیں اور بار بار کہتی تھیں: پھوپھی جان! ہم کہاں آگئے؟ ایک کو دوسرا دیکھ نہیں سکتا ہے، ہم یہاں کیسے زندگی گزاریں گے؟ پھوپھی! میرے بابا کب آئیں گے؟

آخر جنابِ زینبؑ بچی کو سمجھاتی رہیں۔ صاحبانِ اولاد! بعض بچے تاریکی میں گھبرانے لگتے ہیں۔ یہ تاریکی اور گھٹن، چونسٹھ بیبیاں، اُن کی گودوں میں بچے، جنابِ سکینہؑ بہت گھبرا گئیں۔ آپؑ نے سمجھا کر سکینہؑ کو سلا دیا۔ رات جو گزری اور دن آیا تو سکینہؑ نے کہا: پھوپھی جان! کیا یہاں دن نہیں نکلے گا؟ یہاں تو روشنی ہے ہی نہیں؟ میں گھٹ کر مر جاؤں گی۔ جنابِ زینبؑ سمجھاتی رہیں، یہاں تک کہ جب دوسری شام آگئی تو سکینہؑ کچھ اتنی زیادہ گھبرا گئیں کہ اب جتنا سمجھاتی ہیں جنابِ زینبؑ، اس بچی کو قرار نہیں آتا۔ مسلسل رو رہی ہے۔ بابا! ارے جب آپؑ گئے تھے تو مجھ سے فرما گئے تھے کہ میں تمہیں لینے کیلئے آؤں گا، آپؑ کہاں چلے گئے؟ میں کیا کروں؟ میں اس جگہ کیسے رہ سکتی ہوں؟ میری روح نکل رہی ہے، بابا! آیئے____

تقریباً آدھی رات تک یہ بچی روتی رہی۔ اس کے بعد کبھی جنابِ زینبؑ گود میں لیتی تھیں، کبھی امام زین العابدینؑ گود میں لیتے تھے، کبھی جنابِ ربابؑ گود میں لیتی تھیں۔ جنابِ ربابؑ کے دو بچے تھے، ایک جنابِ سکینہؑ اور ایک جنابِ علی اصغرؑ۔ سکینہؑ کو کسی کی گود میں قرار نہیں آتا تھا۔ آخر تھک کر کچھ آنکھ بند ہوئی، تھوڑی دیر تک سوئیں، ایک مرتبہ جو اٹھیں تو اُنہوں نے آواز دی: پھوپھی جان! میرے بابا آئے ہوئے تھے، مجھے چھوڑ کر پھر کہاں چلے گئے؟ ابھی ابھی مجھے گود میں لئے ہوئے تھے، مجھے پیار کر رہے تھے، وہ کہاں چلے گئے ہیں مجھے چھوڑ کر؟

یہ جو باتیں شروع کیں تو اہلِ بیتؑ میں ایک کہرام برپا ہو گیا۔ بے اختیار ہو کر بیبیاں رونے لگیں۔ جب آوازیں بلند ہوئیں تو محل سرائے یزید تک یہی گریہ و بکا پہنچا۔ یہ ملعون جاگ اُٹھا۔ کسی سے کہا کہ پوچھ کر آؤ کہ یہ کیسا شور ہے؟ امام زین العابدینؑ نے کہا کہ بچی یتیم ہے، اُس نے خواب میں اپنے باپؑ کو دیکھا ہے اور اب وہ پکار رہی ہے، یہ تمام بیبیاں اسی لئے رو رہی ہیں۔

اُس ملعون نے کیا کیا؟ یہ تھے تسلی دینے کے طریقے؟ کہا: اچھا! باپ کو پکار رہی ہے، اُس کا سر لے جاؤ، حسینؑ کا سر لے جاؤ اور اُس بچی کو دے دو۔ یوں تسلیاں دی جاتی ہیں؟

چنانچہ امام حسین علیہ السلام کا سر لایا گیا۔ یہ جو بیبیوں نے سنا تو سب کی سب کھڑی ہو گئیں۔ امام حسینؑ کا سر امام زین العابدینؑ نے لیا۔ جس وقت آپؑ اندر پہنچے، سکینہؑ نے فوراً وہ سر لے لیا اور اسے سینے پر رکھا، منہ پر منہ رکھ دیا۔ بابا! یہ گلا کس نے کاٹ ڈالا ہے؟ مجھے کس نے یتیم کر دیا؟

بابا! آپ تو ابھی آئے تھے تو آپؑ کی گردن کٹی ہوئی نہ تھی، یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں؟ کہتے کہتے رونے لگیں اور چیخ کر رونے لگیں۔ بیبیوں میں ایک کہرام برپا ہو گیا آخر اس بچی کی آواز کم ہونے لگی۔ جب بالکل اس بچی کی آواز بند ہو گئی تو وہ بیبیاں سمجھیں کہ شاید سو گئی ہے۔ جنابِ زینبؑ جو قریب پہنچیں اور ہاتھ رکھا تو جسم ٹھنڈا معلوم ہوا۔ جنابِ زینبؑ نے آواز دی: سجادؑ بیٹا! جلدی آؤ، سکینہؑ اپنے بابا کے پاس جا رہی ہے۔ چنانچہ امام زین العابدین علیہ السلام جب آئے تو دیکھا کہ سکینہؑ رخصت ہو چکی تھیں، اس دنیا سے جا چکی تھیں۔

اس بچی کی قبر وہیں بنی اُس قید خانے میں۔ عزادارو! یہ قبرستان نہ تھا، یہ قید خانہ تھا۔ اگر کوئی قیدی مر جاتا تھا، اُن کا قبرستان الگ تھا۔ اس میں جو قبر بنی اس بچی کی تو غالباً اس کی وجہ یہی ہے کہ کوئی جنازہ اُٹھانے والا نہ تھا۔ جب اہلِ بیتؑ رہا ہو کر جانے لگے تو جنابِ زینبؑ نے شام کی عورتوں سے کہا کہ بیبیو! ہم جا رہے ہیں، میں اپنے بھائی کی ایک نشانی چھوڑ کر جا رہی ہوں، ارے جب کبھی آنا تو اس بچی کی قبر پر ذرا سا پانی چھڑک دیا کرنا۔

❁❁❁

# دوسرا باب

# روایات

منقول از

خطیبِ اعظم

علامہ رشید ترابیؒ

# روز عاشور اہلِ بیتؑ کے مردوں کو شہید کردیا گیا، لاشے پامال ہوئے اور چادریں لوٹی گئیں۔ پھر مخدراتِ عصمت کو قید کرکے کوفہ و شام کی طرف روانہ کیا گیا۔

اس منزل پر بیقرار ہوکر اقبالؒ نے ایک عجیب فیصلہ کیا ہے:

اُنکہ بخشد بے یقیناں رایقین　　　اُنکہ لرزد از سجودِ اُو زمین

''وہ انسان جو بے یقینوں کو یقین عطا کرتا ہے، یہ وہ انسان ہے جس کے سجدہ سے زمین کانپتی ہے''۔

لا اِلٰہ اِلاَّ اللہ کی تلوار کے سائے میں جس کا خون بہے تو اُس کے خون کی بوند سے آواز آئے ''لا اِلٰہ اِلاَّ اللہ''۔ وہ حسینؑ ہے جو بے یقینوں کو یقین بخشتا ہے۔

28 رجب کو مدینے سے نکلے، 27 کا دن گزرنے کے بعد روضہ رسولؐ پر آئے۔ بڑے یقین سے آئے اور ایک مرتبہ روضہ رسولؐ کو ہاتھ میں تھاما اور آسمان کی طرف سر اُٹھا کر کہا: پروردگار! یہ تیری نبیؐ اکرم حضرت محمد مصطفیٰؐ کی قبر ہے۔ میں تیرے نبی کی بیٹی کا بیٹا ہوں۔ اب دیکھیے یقین کا عالم، الٰہی وہ وقت آ گیا ہے جس کا تجھ کو علم ہے۔

یہ یقین کی منزل ہے۔ ابن عباس نے امام حسینؑ سے پوچھا: مولاؑ! کہاں جائیں گے؟ فرمایا: عراق جاؤں گا۔ کہا: مولاؑ! دشمن بہت ہیں، بچے ساتھ ہیں۔ فرمایا: ابن عباس! حکم الٰہی یہی ہے۔ عرض کیا: بہنوں کو تو چھوڑتے جایئے۔ ناگاہ کسی بی بی کا ہاتھ پردۂ محمل پر پڑا اور آواز آئی: ابن عباس! کیا تم بہن کو بھائی سے جدا کرنا چاہتے ہو؟

ابن عباس نے مناسب نہیں جانا۔ آپؑ نے تسلی دی۔ میرے نانا کا حکم ہے۔ اللہ نے چاہا ہے کہ تم اُس کی راہ میں قتل ہو جاؤ۔ یقین کی منزل ہے، منزلوں پر منزلیں طے کرتے ہوئے تیسری شعبان کو مکہ معظمہ سے چلے۔ منزل ثعلبیہ پر پہنچے۔ بیٹے نے آکر سلام کیا اور عرض کیا: بابا! میں نے خواب دیکھا ہے کہ آپؑ کا بایاں ہاتھ کٹ گیا ہے اور دایاں بھی کٹ گیا ہے۔ آپؑ کی کمر ٹوٹ گئی ہے۔ فرمایا: سچ ہے، وہ قاسمؑ ہیں جو قتل کئے جائیں گے، وہ عباسؑ ہیں جو مارے جائیں گے۔ میرے اعزا قتل کئے جائیں گے۔ میں کربلا کی طرف جارہا ہوں۔ آہستہ سے کہا: بابا! وہ آپؑ کا سیدھا ہاتھ کون ہے؟ حسینؑ ابن علیؑ تیزی سے کھڑے ہوئے، علی اکبرؑ کا ہاتھ تھاما اور میدان کی طرف چلے اور کہا، علی اکبرؑ! تمہاری ماں سن رہی ہیں، بیٹا! آہستہ بولو، وہ سیدھا ہاتھ تم ہو میرے لعل!

یقین کی منزل!! تو علی اکبرؑ نے برجستہ کہا: بابا! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ ہم حق پر ہیں بیٹا۔ عرض کیا: جب ہم حق پر ہیں تو ہم کو موت کا ڈر کیا ہے؟ وہ جس کو یقین کی منزل حاصل ہے، موت سے نہیں ڈرتا۔ اُس کو تیر وسناں، خنجر و شمشیر نہیں ڈرا سکتے۔ اُس کو لشکروں کا ہجوم خائف

نہیں کرتا۔اس طرح سے میدانِ کربلا میں آئے۔چوتھی سے لشکر پر لشکر آنے لگے۔حسینؑ کے خیمے دریا سے ہٹائے گئے۔

ساتویں سے پانی بند ہوا،آٹھویں اور نویں کو حسینؑ لشکروں کی کثرت کی وجہ سے گھرتے چلے گئے۔نویں محرم کو حسینؑ ابن علیؑ محصور ہو چکے تھے،(اللہ اکبر)۔

دسویں کا دن آیا۔قیامت کا دن تھا۔ایک کے یقین نے بہتر(۷۲)کے دلوں میں یقین پیدا کر دیا۔اب سب یقین کے عالم میں آگے بڑھے،بھانجے گئے،بھتیجے گئے،اعزا گئے،احباب گئے،اٹھارہ برس کا لعل گیا،بتیس(۳۲)برس کا بھائی گیا اور اب میرے امامؑ اکیلے رہ گئے۔سر سے پاؤں تک زخمی تھے۔خیمہ میں آئے،سب کو خدا حافظ کہا،عابدؑ بیمار کا بازو تھاما،سورۂ حمد کی تلاوت فرمائی۔بیمارؑ نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ بابا زخمی ہیں۔پوچھا:بابا!کیا چچا مارے گئے؟کہا:بیٹا!سب مارے گئے۔بیمارؑ نے کہا:بابا!مجھے اجازت دیجئے۔کہا:نہیں بیٹا!نسلِ محمدؐ کو باقی رہنا ہے۔خدا حافظ کہہ کر چلے۔جاتے جاتے بہن سے صرف اتنا کہا کہ عابدؑ بیمار کا خیال رکھنا اور عابدؑ بیمار!تم سب کا خیال رکھیں گے۔مگر زینبؑ!بددعا نہ کرنا۔یہ کہہ کر ایک مرتبہ خیمے کے قریب آئے،گھوڑے کو آواز دی:کوئی ہے میری سواری کا لانے والا؟گھوڑا چل کر آیا۔بہن نے آگے بڑھ کر رکاب کو تھاما،حسینؑ گھوڑے پر آگے بڑھے مگر گھوڑے نے چلنے سے انکار کر دیا۔

پوچھا تو گھوڑے نے گردن کو جھکا لیا۔دیکھا تو گھوڑے کے پاؤں سے سکینہؑ لپٹی ہیں۔اس منزل پر بیٹی کو رخصت کیا۔کہا:سکینہؑ!نہ روؤ بیٹے،شاید کہ میں پانی لاسکوں؟سکینہؑ نے صرف اتنا کہا:چچا عباسؑ بھی کہہ کر گئے تھے۔حسینؑ گئے کربلا کے میدان میں،شام ہوتی گئی،سکینہؑ دروازے پر کھڑی رہیں،بابا شاید اب آئیں گے،اب آئیں گے۔

ہائے کوئی بیٹی اس طرح سے منتظر نہ ہو،شام ہوگئی،بابا نہ آئے۔دوڑ کے پھوپھی کے پاس گئیں۔پھوپھی اماں!میرے بابا نہیں آئے۔کہا:بیٹا!بابا نہیں آئے تو پھوپھی جاتی ہے۔پھوپھی میدان میں آئیں،ہر طرف آواز دیتی چلیں،میرا بھائی کہاں ہے؟

ایک لاشہ کے قریب پہنچ کر آواز آئی:اِدھر آؤ بہن،اِدھر آؤ۔بھائی کو خدا حافظ کہا۔بھائی نے کہا:جاؤ اب خیمے میں جاؤ۔خیمے سے باہر نہ آنا۔انتہا تھی نا شہادتِ حسینؑ!امتحان تھا ناقتلِ حسینؑ!اس کے بعد ضرورت کیا رہی تھی؟لشکر شام نے کہا:دل تو ہمارا سیر ہو چکا،خیمے تو جل چکے،بچے طمانچے کھا چکے،بیبیاں لٹ چکیں۔اب اتنی اجازت اور دیں کہ قومِ عرب جس کو ذلیل کرتے ہیں،اُس کی لاش کو گھوڑوں سے روندتے ہیں،پامال کرتے ہیں۔اجازت مل چکی،حُر کا قبیلہ سامنے آیا۔تلواریں کھینچ لیں،کہا:ہمارا سردار امیر قوم تھا،بڑی ذلت کی بات ہے کہ اگر اُس کا لاشہ پامال ہو۔ہم اس کی اجازت نہ دیں گے۔کہا:اچھا لے جاؤ۔ایک ایک قبیلہ آتا تھا،ایک ایک کی لاش کو اُٹھا کر لے جاتا تھا۔ساری لاشیں اُٹھ گئیں۔مگر کون تھا وارث اِس لاشے کو اُٹھانے والا کربلا کے میدان میں؟

✪ ✪ ✪

**کربلا کے میدان میں شام ہو رہی ہے۔ ڈر اور خوف کی وجہ سے بیبیاں اور بچے سہمے ہوئے ہیں۔ زینبؑ پہرہ دے رہی ہیں۔ نجف سے علیؑ آکر کہتے ہیں کہ زینبؑ! تم آرام کرو، آج علیؑ تمہارا پہرہ دے گا۔**

یہ وہ منزل تھی کہ جہاں حسین ابن علیؑ نے دیکھا کہ نانا کے مقصد کی تکمیل اسی میں ہے کہ گھر چھوٹے، صحیح معنوں میں ہجرت واقع ہو جائے، مدینہ چھوٹے، مدینے کا احترام بھی رہ جائے، مکہ آئیں اور مکے کی عظمت بھی باقی رہ جائے۔ نہ یہاں لڑائی ہو، نہ وہاں لڑائی ہو۔ دونوں جگہ کی لڑائی کو حسینؑ پسند نہیں کرتے تھے، اس لئے نہیں پسند کرتے تھے کہ آگے چل کر کہیں تاریخ یہ نہ کہہ دے کہ قاتل کا پتہ نہیں چلا، معلوم نہیں کس نے قتل کیا؟ معلوم نہیں حاجیوں کے لباس میں کون تھا؟ معلوم نہیں مدینے میں کونسی سازش تھی؟ اِس لئے حسینؑ چاہتے تھے کہ اب جو لڑائی ہو، کھلے میدان میں لڑائی ہو، تقسیم برابر کی ہو۔ اپنا پرایا معلوم ہو جائے، یگانہ بیگانہ پہچانا جائے، آنے والا کوئی آئے تو حُر بن کے آئے۔

اور ایسے موقع پر محرم کی دسویں تاریخ 61ھ کا پہلا مہینہ حسینؑ ابن علیؑ نے طے کر لیا کہ آج قربانی کی منزل ہے اور اس قربانی کی منزل پر انبیاء و مرسلین کو بھی دیکھا۔ اس قربانی کی منزل پر ہم نے دنیا کے بڑے بڑے عقل مندوں کو بھی دیکھا، مگر اس شان سے اِس منزل کو سر کرتے ہوئے کسی کو نہ پایا۔

ابراہیمؑ ایک منزل پر رُک گئے، زکریاؑ ایک منزل پر رُک گئے، موسیٰؑ ایک منزل پر رُک گئے مگر جو یہاں دیکھا، ایک دن میں اتنی لاشیں اُٹھائیں۔ 57 برس کا سن ہے، کبھی بھانجوں کی لاشیں لا رہے ہیں، کبھی بھتیجے کی لاش لا رہے ہیں۔ آخر میں وہ منزل بھی آئی کہ اٹھارہ برس کے جوان بیٹے کی لاش اُٹھائی اور یہ کہہ کر اُٹھائی:

**"عَلَی الدُّنیَا بَعْدَکَ الْعَفَا"**

"علی اکبرؑ! تیرے بعد تو جینے پر خاک ہے"۔

اب جو فرصت ملی تو بتیس (۳۲) برس کے بھائی کی لاش اُٹھائی اور یہ کہہ کر: چلے جاؤ عباسؑ، جاؤ، اب ہماری کمر ٹوٹ گئی، جانے والے جا چکے، اب تھوڑی دیر میں ہم بھی آ رہے ہیں۔ یہی قضائے الٰہی ہے۔

یہ کہہ کر قتل گاہ میں آئے۔ زخمی تو ہو چکے تھے۔ گھوڑے کی گردن میں دونوں ہاتھوں کو ڈال دیا اور کہنے لگے: ذوالجناح! آخری سواری ہے، آہستہ آہستہ چل، جگہ ہم خود پسند کر لیں گے۔

ایک مقام پر پہنچ کر جگہ کو پسند کیا اور بیقراری میں زمین پر سجدۂ باری میں گر پڑے اور آواز دی: تیرے حکم پر راضی ہوں مالک میرے، میرے معبود، تیرے امر کو مان رہا ہوں، تیرے سوا میرا کوئی معبود نہیں ہے۔اے پناہ نہ رکھنے والوں کو پناہ دینے والے! اب میری مدد کر۔ حسینؑ زمین پر آئے، اُدھر خیمے کا پردہ اُلٹ کر بہن نکلی۔ یہ کہتی ہوئی چلیں: بھائی نظر نہیں آتا۔ کربلا کے میدان میں شام ہو رہی ہے۔ بہن بھائی کو ڈھونڈ رہی ہے۔ ایسے میں ایک مرتبہ آواز آئی: جاؤ بہن! واپس جاؤ، واپس جاؤ۔ بہن واپس جاؤ۔ عابدؑ بیمار کی حفاظت کرو، سکینہؑ کی حفاظت کرو، گھر والوں کی حفاظت کرو۔

اب جو واپس آئیں تو دیکھا کہ خیمے جل رہے ہیں تو گھبرا کر بچوں کو باہر کھینچا۔ عابدؑ بیمار کا سجادہ باہر لائیں۔ سکینہ بی بیؑ کو سنبھالا اور ایسے عالم میں، جبکہ خیمے جل رہے تھے اور اُدھر کربلا کے میدان میں شام ہو رہی تھی۔ ہائے رے زینبؑ کی پریشانی! اُمّ کلثومؑ سے کہا: بہن! کل کی بات تھی، اسی خیمے کے اطراف عون و محمدؑ بھی تھے، عباسؑ بھی تھے، علی اکبرؑ بھی تھے، قاسم ابن حسنؑ بھی تھے، بہن! آج کون ہے؟ چلو ہم تم مل کر آج بچوں کی حفاظت کریں۔

یہ کہہ کر ایک مرتبہ بچوں کو رَیت پر بٹھا کر اطراف میں گھومنے لگیں۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ ایک مرتبہ دیکھا کہ تاریکی شب میں کسی کے آنے کی آواز آ رہی ہے۔ گھبرا کے کہا: ارے کون آ رہا ہے؟ پتہ چلا کہ کوئی سوار آ رہا ہے۔ تیزی سے آ رہا ہے۔ پکار کر کہا: علیؑ کی بیٹی تجھ سے کہتی ہے کہ رُک جا۔ میرے بچے ابھی ابھی گھبرا کے سوئے ہیں۔ اِدھر نہ آ۔ مگر وہ سوار نہ رُکنا تھا نہ رکا۔ علیؑ کی بیٹی کو جلال آیا، آگے بڑھ گئیں، گھوڑے کے سامنے کھڑی ہو گئیں اور ایک مرتبہ گھوڑے کی لگام پر ہاتھ ڈال دیا اور کہا: تجھے دھیان نہیں آتا، فاطمہؑ کی بیٹی تجھ سے کہتی ہے رُک جا! سوار نے ایک مرتبہ نقاب کو اُلٹ کر کہا: زینبؑ! علیؑ آیا ہے، علیؑ آیا ہے حفاظت کیلئے! جاؤ زینبؑ! آرام کرو، آج علیؑ حفاظت کرے گا۔

۞ ۞ ۞

# علی اکبرؑ کی وصیت

## علی اکبرؑ وصیت کرتے ہیں کہ بابا! میری لاش کو خیمہ میں نہ لے جانا کہ میری ماں غریب ہے، پردیسی ہے، میری لاش کو دیکھ کر مر جائے گی۔

علی اکبرؑ ابو طالبؑ کی ذریت میں تھے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اگر علی اکبرؑ زندہ رہ جاتے تو حسنؑ اور حسینؑ کے بعد پھر دو بھائی امام ہوتے، علیؑ، علیؑ، علیؑ، امام حسینؑ نے اپنے سب بیٹوں کا نام علی رکھا، علی ابن الحسینؑ، علی اکبرؑ، اُمّ لیلٰی کے نورِ نظر، علی اصغرؑ، اُمّ رباب ؑ کا گوشہ جگر۔ علی اکبرؑ وہ شہزادے ہیں جو اپنے والد گرامی کے ساتھ ہی آرام کر رہے ہیں (آپ کو بھی زیارت نصیب ہو)۔ یہ چھ گوشوں کی قبر ہے۔ امام حسین علیہ السلام سے دور نہیں ہے امام علیہ السلام نے اب تک علی اکبرؑ کو سینے سے لگا رکھا ہے۔ جب ذاکر مجلس پڑھتا ہے تو کبھی کبھی اشارہ بھی ہو جاتا ہے کہ میرے علی اکبرؑ کا تو حال بیان کر۔

شہزادی زینب سلام اللہ علیہا نے علی اکبرؑ کو رخصت دی بھائی کی سفارش پر، مگر یہ کہہ کر کہ علی اکبر، میرے لعل! میں نے اسی دن کیلئے پالا تھا، میں نے تمہارے لئے عون ومحمدؑ کو قربان کر دیا تھا، اچھا جاؤ میرے لعل، خدا حافظ!

امام حسین علیہ السلام بیٹے کو ساتھ لئے، ہاتھ کو تھامے ہوئے خیمے سے باہر آئے۔ بیٹے نے اجازت چاہی، باپؑ نے کہا: ٹھہرو علی اکبرؑ! ابھی کچھ اور میرا فریضہ باقی ہے۔ یہ کہہ کر اپنے خیمے میں علی اکبرؑ کو لائے۔ اپنے ہاتھ سے تبرکات کے صندوق کھولے، ناناؐ کا عمامہ بیٹے کے سر پر رکھا، ناناؐ کی عباء دوش پر ڈالی، ناناؐ کے اسلحۂ جنگ جسم پر سجائے، سر سے لے کر پاؤں تک حسرت بھری نظر سے دیکھا اور کہا: علی اکبرؑ! جب کبھی نانا یاد آتے تو میں تم کو دیکھتا تھا، ہائے! آج تم جا رہے ہو، آؤ میرے لعل، آج میں تم کو سوار کروں۔ یہ کہہ کر خیمے سے باہر آئے، آواز دی: ہے کوئی میرے بیٹے کی سواری لانے والا؟ عقاب (گھوڑا) حاضر ہوا۔ علی اکبرؑ چاہتے تھے کہ سوار ہو جائیں۔ امام حسین علیہ السلام نے علی اکبرؑ کا بازو تھاما، علی اکبرؑ نے ادب سے کہا: بابا! آپؑ زحمت نہ فرمائیں۔ حسینؑ نے کہا: علی اکبرؑ جا رہے ہو، تم جا رہے ہو، میرے لعل، اچھا جاؤ۔ علی اکبرؑ گھوڑے پر بیٹھے، امام حسینؑ نے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا: خداوندا! گواہ رہنا کہ میں اس قوم کی طرف ایسے جوان کو بھیج رہا ہوں جو صورت میں، سیرت میں، رفتار میں، گفتار میں، تیرے رسولؐ کے مشابہ تھا اور ایک مرتبہ عمر سعد کی طرف دیکھ کر کہا: اے عمر سعد! خدا تیری اولاد کے سلسلے کو قطع کر دے کہ تو نے میرے بچے کی نسل کو قطع کر دیا۔

علی اکبرؑ گھوڑے پر سوار ہوئے، گھوڑا اچلا، ایک مرتبہ چاہا کہ مڑ کر بابا کو سلام کریں تو دیکھا کہ امام حسینؑ پیچھے پیچھے آ رہے ہیں۔ علی اکبرؑ نے کہا: بابا! آپؑ کیوں آ رہے ہیں؟ بابا! آپؑ تو رخصت کر چکے؟ کہا! تم نہیں جا رہے ہو علی اکبرؑ، میری جان جا رہی ہے، آہستہ چلو تا کہ جی

بھر کر دیکھ لوں۔ علی اکبرؑ نے گھوڑے کی لگام کو کھینچا، گھوڑے سے کود پڑے، بابا کے قریب آئے، لبِ اقدس گوش ہمایونِ امامت کے پاس لائے، آہستہ سے کہا۔ حسینؑ بیٹے کے جملے سن کر چیخ کر روئے۔ علی اکبرؑ تو چلے گئے، زینبؑ درِ خیمہ سے سب کچھ دیکھ رہی تھیں۔ پوچھا: بھیا! آپؑ کو میرے حق کی قسم! بتلایئے میرے علی اکبرؑ نے چلتے وقت کیا کہا؟ حسینؑ نے فرمایا: زینبؑ زمانہ کا قاعدہ ہے کہ جب بوڑھا باپ مرنے لگتا ہے تو جوان بیٹے کو وصیت کرتا ہے، آج دیکھو تو میرے لعل نے مجھے وصیت کی ہے، کہتا تھا: بابا! میری لاش خیمے میں نہ لایئے گا، میری ماں غریب ہے، میری ماں پردیسی ہے، وہ میری لاش کو دیکھ کر مر جائے گی۔

۞ ۞ ۞

# سفیرِ حسینؑ کی وصیت

## کوفہ کی سرزمین بیوفا نکلی، لوگوں نے سفیرِ حسینؑ سے رُخ موڑ لیا، جنابِ مسلمؑ کی شجاعت کی ایک جھلک اور آپؑ کا سفرِ شہادت، آپؑ نے آخری وصیت میں کہا کہ آقا حسینؑ سے کہہ دو کہ وہ کوفہ نہ آئیں۔

عجیب بات ہے کہ ہماری مذہبی تاریخ میں سے، ''عبدِ صالح'' دو ہستیوں کیلئے استعمال ہوا ہے: ایک ابوالفضل العباسؑ، ایک مسلم بن عقیلؑ۔ دوسری محرم کو دل چاہتا تھا کہ اس انسان کی زندگی کا ذکر کیا جائے جس کا انتخاب کرتے ہوئے حسینؑ ابن علیؑ نے کہا تھا کہ اہلِ کوفہ میں تمہاری طرف بھیج رہا ہوں اپنے بھائی، چچا کے بیٹے اور اپنے اہلِ بیتؑ میں ثقہ ترین کو، اب تم اس کی باتوں کو سمجھو اور اس کو سمجھاؤ کہ تم اپنی دعوتوں سے کیا مطلب حاصل کرنا چاہتے ہو اور اِدھر اِس عبدِ صالح کو بلا کر کہا: مکہ معظمہ میں ___ مسلمؑ! تم کوفہ جاؤ، دیکھو کیا حال ہے؟ دعوت پر دعوت آ رہی ہے، خط پر خط آ رہے ہیں، فاطمہؑ کے لعل حسینؑ کو بلایا جا رہا ہے۔ دیکھو مسلمؑ! تم جاؤ ___ بھیجا ہے احوال دیکھنے کیلئے، مگر بھیجا اُس کو جو اہلِ بیتؑ میں ثقہ ترین ہے۔ اگر آپ اِن جملوں کو سمجھ گئے تو حاصلِ تقریر ہے۔ جو ثقہ ہے، جو قابلِ اعتبار ہے، اُس کو بھیجا ہے، بھروسے کے قابل ہے مگر اُس سے یہ نہیں کہا کہ لڑائی ہوگی، قتل کئے جاؤ گے۔ اُس سے یہ نہیں کہا کہ لشکر پر لشکر اُمنڈ آئے گا۔ تم کو سب سے مقابلہ کرنا پڑے گا، کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، بس جاؤ ___ وہ بھی ثقہ تھا اہلِ بیتؑ کا، جاتے ہوئے حسینؑ کے قدموں سے لپٹ کر مسلمؑ نے کہا: توقع یہی ہے کہ شاید اب اِن قدموں کو نہ دیکھ سکوں۔ یہ کہہ کر چلے، پھر واپس آئے اور اپنے آپ کو حسینؑ ابن علیؑ کے قدموں پر ڈال دیا۔ حسینؑ نے اُٹھا کر سینے سے لگایا اور کہا: جاؤ مسلمؑ! اللہ کے حوالے کیا۔ یہ خیال رہے کہ امیر المومنینؑ کی ایک صاحبزادی، جن کا نام رقیہ ہے اور یہ ابوالفضل العباسؑ کی بہن ہیں، یہ رقیہ زوجہ ہیں حضرت مسلمؑ کی۔ مسلمؑ خیمے میں آئے اور زوجہ سے کہا: میرے بچوں کے لباس تبدیل کر دو۔ بچوں کو لے کر آقا کے قریب آئے۔ بچوں کو آقا کے صدقے کیا اور کہنے لگے: میرے سردارؑ! اگر میں نہ رہوں تو میری نیابت میرے بچے کریں گے۔

چار بچے تھے مسلم ابن عقیلؑ کے۔ دو بچے تو کربلا میں کام آئے اور دو بچے باپ کی شہادت کے بعد کوفہ میں اسیر کئے گئے اور اس کے بعد ان دونوں بچوں نے بھی جامِ شہادت نوش کیا۔ یہ چار بچوں کی قربانیاں اور شوہر کی قربانی کا حال کوئی بی بی رقیہ کے دل سے پوچھے۔

مسلمؑ کی تعریف یہ ہے کہ ___ نائب آلِ محمدؐ ہیں، نائب امامؑ ہیں، سفیرِ حسینؑ ہیں، یہ آلِ محمدؐ کا پیغام لے کر کوفے جا رہے ہیں، نیابت کر رہے ہیں امامؑ ___ اُن کی طہارت کا کیا کہنا ___ اُن کی پاکی کا کیا کہنا ___ اِس حیاتِ طیبہ کو دیکھو ___ شہیدوں میں

نام اُن کا بھی ہے۔ یہ کربلا کے پہلے شہید کا نام ہے مگر وہ نام ہے کہ جس کے فیصلے نے کربلا کی تاریخ لکھی۔ یہ مسلمؑ کا فیصلہ تھا جس نے کربلا کی تاریخ لکھی ___ شہادتِ مسلمؑ، تمہید کربلا ___ عنوانِ کربلا، آغازِ کربلا ___ حسینؑ ابن علیؑ نے آپ کو مالک و مختار بنا کر بھیجا۔ مسلمؑ فیصلہ تم کرو۔ اللہ رے فیصلہ کرنے والا ___ عقیلؑ کا بیٹا ___ فاتح خیبر کا بھتیجا۔ جب زمانہ بدل گیا تو یہی طے کیا کہ نہ کوفے سے بھاگوں گا اور نہ اپنے آپ کو کہیں چھپاؤں گا، نہ کسی کی پناہ میں جاؤں گا، تلوار ہاتھ میں لے کر اکیلے لڑتے رہے۔ فرزند رسولؐ کربلا میں اور کوفے میں، فرق اتنا ہی ہے کہ وہاں بہتر (۷۲) شہید ہیں، یہاں اکیلا مسلمؑ ہے ___ لشکر پہ لشکر ___ حملے پر حملے کر رہے ہیں، زخمی ہوتے جا رہے ہیں۔ وہ وقت آیا کہ زخمی ہو کر گر پڑے۔ ہماری جانیں قربان ___ شیر کے ہاتھوں کو پیچھے باندھ دیا گیا، گرفتار ہو کر دارالامارہ میں آئے۔ کسی کو دیکھ کر کہا: پانی چاہئے ___ اُس نے جامِ آب حاضر کیا ___

خود نہیں، ہاتھ جو بندھے تھے، جامِ آب کو لبہائے مبارک سے کیا، اُنؑ کے ہاتھ تو بندھے ہوئے تھے، چاہا کہ پانی پئیں، کٹے ہوئے لبوں کا لہو پانی میں گرا، منہ کو پھیر لیا۔ کہا: مرتے دم مجھے پانی نہیں ملے گا۔ جو چیز مقدر میں ہے ہی نہیں، وہ ملے گی کیسے؟

مطلب یہ ہے کہ اُسی کی تاسی کر رہے ہیں جس پر جان دے رہے ہیں۔ طے کیا مسلمؑ ابن عقیلؑ نے کہ ہم جان دے دیں گے اور اکیلے جان دیں گے۔ مسلم ابن عقیلؑ نے طے کیا، ہم کربلا کی تاریخ لکھیں گے ___ ہم عنوانِ کربلا بنیں گے ___

یہ واقعہ ۹ رذی الحجہ کا ہے۔ ہم عام طور پر یہ زیارت میں پڑھتے رہتے ہیں کہ:

''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا الْعَبْدُ الصَّالِحُ الْمُطِیْعُ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ''۔

''سلام ہو آپ پر اے بندۂ صالح جو اللہ کا مطیع اور اُس کے رسولؐ اور امیر المومنینؑ کا فرمانبردار تھا''۔

''اَشْهَدُ اَنَّکَ قَدْ مَضَیْتَ عَلٰی مَامَضٰی عَلَیْهِ الْبَدْرِیُّوْنَ الْمُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ''۔

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اسی راستے پر چلے (اور شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے) جس راستے پر کہ بدر کے مجاہدوں نے اپنی جان قربان کی، جو اللہ کی راہ ہے''۔

یہ ہے مقام اس شہید کا۔ اتفاق سے حضرت مسلمؑ اور حضرت عباسؑ دونوں کی زیارت ایک ہے۔ مفاتیح الجنان میں دیکھئے۔
مسلمؑ زخمی ہوئے ___ حاکم کے سامنے لایا گیا۔ لوگوں نے کہا: امیر کو سلام کرو۔ فرمایا: میرا حسینؑ کے سوا کوئی امیر نہیں ہے۔

''وَاللّٰهِ مَالِیْ اَمِیْرٌ سِوٰی الْحُسَیْنِؑ''

''جو ہدایتوں کی پیروی کرے، اُس پر میرا سلام''۔

ابن زیاد لعین نے کہا: تم سلام کرو یا نہ کرو، تم کو قتل کیا جائے گا ___ مسلمؑ نے کہا: قتل ہونے کو تیار ہوں لیکن کوئی ہے جو میری وصیت سن لے؟ دیکھا کہ عمر سعد بھی وہیں بیٹھا تھا۔ کہا: ایک بات میری سن لے:

''اَنْ تَکْتُبْ اِلَی الْحُسَیْنِ اَنْ یَرْجِعَ وَلَا یَأْتِیِ اِلَی الْکُوْفَۃِ''.

''میرے آقا کو جلدی سے اطلاع دے دے کہ مولاؑ! اب کوفے نہ آنا ___ چھوٹے چھوٹے بچے ساتھ ہیں، یہاں نہ آنا ___ ''

ابن زیاد نے آواز دی کہ ہے کوئی جو مسلمؑ کو قتل کرے؟ بکر بن حمران صبح کو مسلمؑ کے ہاتھوں قتل ہوا تھا، اُس کا بیٹا باپ کا انتقام لینے آگے بڑھا۔ مسلمؑ کو لے کر چھت پر چلا، سیڑھیاں چڑھتے ہوئے جنابِ مسلمؑ

''بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ''

کہتے جاتے تھے۔ بھائی پاس، نہ بہن، نہ بچے، نہ اہلِ خانہ، اکیلے قدم بڑھا رہے ہیں۔ نہ نفع کی پروا، نہ نقصان کی فکر۔ ''جو مرضیِ مولاؑ'' پر جا رہا ہے۔ وہ جان رہا ہے کہ اگر ایک قدم بھی غلط پڑ گیا تو اس کا کربلا پر اثر ہوگا۔ خدا کی قسم! عقیلؑ کے بیٹے نے کربلا کی لاج رکھ لی ___ مسلمؑ نے پہلے دن یہ بتادیا کہ یہ گھرانہ نہ کسی کی اطاعت میں آسکتا ہے، اوپر نیچے، ہماری جانیں قربان ___ قاتل نے تلوار کو بلند کیا۔ مسلمؑ نے کہا: دو رکعت نماز پڑھ لوں؟ جوب ملا کہ نہیں، اجازت نہیں ہے اور قاتل نے چاہا کہ تلوار کا وار کرے، ہاتھ سے چھوٹ کر تلوار گری، کانپتا ہوا، بھاگتا ہوا ابن زیاد کے پاس آیا۔ ابن زیاد نے اُس سے پوچھا: کیا ہوا؟ وہ کہنے لگا کہ ایک بزرگ مسلمؑ کے پہلو میں کھڑے کہتے ہیں: میرے بچے نے کیا خطا کی؟ کیوں قتل کرتا ہے؟

ابن زیاد نے کہا: یہ تمہارا واہمہ ہے، جا، جو کہا جا رہا ہے، اُس پر عمل کر۔ مقتل میں تفصیل موجود ہے۔ اتنی دیر میں کہ وہ واپس آئے، حضرت مسلمؑ چل کر چھت کے کنارے پر آئے، ذی الحجہ کی نو (۹) تاریخ تھی، مسلمان عید منا رہے تھے۔ تماشے کیلئے تمام لوگ دارالامارہ کے نیچے کھڑے ہوئے تھے۔ چاہنے والے باپ اپنے بچوں کو کاندھے پر بٹھائے کھڑے تھے، تماشہ دیکھنے کیلئے کہ اب یہاں ایک مؤمن کا خون بہے گا۔ حضرت مسلمؑ نے پکار کر کہا: اے اہلِ کوفہ! تم نے خوب وفا کی، خیر جو ہوا سو ہوا، لیکن سنو! کچھ دنوں کے بعد میرے دو بچے یہاں آئیں گے، اُن سے یہ نہ کہنا کہ یہاں تمہارا باپ قتل کیا گیا تھا۔

قاتل حضرت مسلمؑ کے قریب آگیا۔ اُس نے تلوار کو بلند کیا۔ مسلمؑ نے خانۂ کعبہ کی طرف رُخ کیا، آواز دی:

''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہ''

''سلام ہو آپؑ پر اے فرزندِ رسولؐ!''

منزلِ سوق پر حسینؑ ابن علیؑ کرسی پر تشریف فرماتے تھے۔ علیؑ کی بیٹی پردے کے پیچھے سے بھائی سے کچھ باتیں کر رہی تھیں۔ ایک مرتبہ حسینؑ تعظیم کو کھڑے ہوگئے اور آواز دی:

''عَلَیْکَ السَّلَامُ''

جنابِ زینبؑ نے پوچھا: بھائی! کس کو سلام کیا؟ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: زینبؑ بہن! تلوار کے نیچے مسلمؑ کھڑے ہیں۔

۞ ۞ ۞

# امام حسینؑ کا اپنے بچپن کے عزیز ترین دوست حبیب ابن مظاہرؓ کے نام خط لکھنا ، حبیبؓ کا میدانِ کربلا میں آنااورراہِ خدامیں اپنی جان کی قربانی پیش کرنا۔

اس عزم کے ساتھ حسینؑ چلے ــــ یہ کہتے ہوئے چلے کہ میں قتل ہو جاؤں گا اور میرے اہلِ بیتؑ اسلام کی خاطر، دینِ خدا کی خاطر، بے پناہ تکالیف برداشت کریں گے۔ نہ ہوسِ ملک گیری ہے اور نہ فتوحات کی خواہش ہے۔ مسلمؑ کو رخصت کیا، دوسری محرم کو زمین کربلا پر سواری رُکی اور قافلہ اُترا۔ چوتھی سے لشکر پر لشکر آنے لگے اور بے اختیار، جیسے جیسے یہ ہزاروں کے لشکر آتے، گھبرا گھبرا کر شہزادیاں پوچھتی تھیں: کیا کوئی ہمارا مددگار آیا ہے؟ کیا کوئی ہمارا ناصر آیا ہے؟ لیکن یہی جواب ملتا کہ یہ سب فاطمہؑ کے لعل کے خون کے پیاسے جمع ہو رہے ہیں۔

چوتھی محرم، پانچویں محرم، چھٹی محرم، ساتویں محرم، تاریخیں گزریں، اب لشکروں کی زیادتی ہوئی۔ شمر ذی الجوشن آیا، چار ہزار کا لشکر لے کر ــــ سنان ابن انس آیا، چار ہزار کا لشکر لے کر ــــ حُرملہ بن کاہل اسدی آیا، چار ہزار کا لشکر لے کر، خود عمر سعد آیا، سردارِ لشکر، سات ہزار کا لشکر لے کر، شہزادی زینبؑ نے کہا: فضہ! بھائی کو بلا لاؤ ــــ حسینؑ ابن علیؑ خیمے میں آئے۔ بہن نے بھائی سے کہا: یہاں سے کوفہ دور نہیں ہے۔ کوفے میں میرے بابا نے حکومت کی تھی، کوفے والوں ہی نے ہم کو خط لکھا تھا، اُنہی خط لکھنے والوں میں ایک خط حبیب ابن مظاہر کا بھی تھا۔ بھائی! اپنے دوستوں کو خط لکھیے کہ ہماری مدد کیلئے آئیں۔ حسینؑ ابن علیؑ نے کہا: بہن! مقدراتِ ایزدی میں جو گزر چکا، وہی ہوگا مگر تمہاری بات کو ہم نہیں ٹالیں گے۔ آقا نے کئی خطوط لکھے، ایک خط حبیب ابن مظاہر کو لکھا۔ قاصد خط لکھ لے کر کوفے پہنچا، ظہر کا وقت تھا۔ حبیب اُس وقت دسترخوان پر تھے۔ حبیب کی بیوی بھی کھانے میں حبیب کے ساتھ تھی۔ کسی نے حبیب کو آواز دی۔ حبیب نے پوچھا:

''مَنْ ذِی الْبَابِ''

''کون ہے دروازے پر؟''

اُس نے کہا: باہر آؤ۔ حبیب! میں تمہارے امامؑ کا قاصد ہوں ــــ بے اختیار حبیب کی زبان سے نکلا:

''اِنَّالِلّٰهِ وَاِنَّااِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ''

حبیب باہر آئے۔ قاصد نے خط دیا۔ حبیب نے خط کو لیا، سر پر رکھا، آنکھوں سے لگایا، بوسہ دیا، خط کو چاک کیا، عبارت یہ تھی:

''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم. مِنَ الْحُسَیْنِ ابْنِ عَلِیٍّ، اِلٰی حَبِیْب رَجُلٍ فَقِیْهٍ''

''حسینؑ ابن علیؑ کی طرف سے ____ مردِ فقیہ حبیب کی طرف! حبیب ابن مظاہر کو سلام ہو، حبیب! تم میرے بچپن کے ساتھی ہو، حبیب! فرزندِ فاطمہؑ نرغۂ اعداء میں گھر چکا ہے۔ اگر تم سے ہو سکے تو میری مدد کو آؤ، والسلام''۔

حبیب گھر میں آئے، آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ بیوی نے پوچھا: کیا لکھا ہے؟ کہا: مدد کیلئے بلایا ہے۔ بیوی نے پوچھا کہ کیا ارادہ ہے؟ کہا: مجھے تمہاری فکر ہے۔ بیوی گھبرا کر کھڑی ہوگئی، کہا: اچھا تم یہاں رہو، میں جاؤں گی اپنے امامؑ کی مدد کیلئے ____ حبیب نے کہا: میں تمہارا امتحان لینا چاہتا تھا۔ گھر والوں کو رخصت کیا۔ بچوں کو رخصت کیا۔ کہا: معلوم ہے کیا ہوگا؟ بیوی نے کہا: میں جانتی ہوں کہ کیا ہوگا، میں جانتی ہوں۔ یہ گھر نہیں رہے گا، میں جانتی ہوں کہ ہم سب کو اسیر کر لیا جائے گا۔ میں جانتی ہوں کہ زمینیں چھین لی جائیں گی۔ لیکن حبیب! فاطمہؑ کا لعل نرغۂ اعداء میں گھرا ہوا ہے، جلدی جاؤ۔

حبیب نے خادم کو اشارہ کیا کہ سواری تیار کی جائے۔ سواری کو گھر سے دور لے جایا جائے۔ میں پا پیادہ وہاں تک آؤں گا۔ حبیب جب وہاں پہنچے، دیکھا کہ خادم گھوڑے سے مخاطب ہو کر کہہ رہا ہے: اگر تیرے آقا نے دیر لگائی تو میں تجھ پر سوار ہو کر امامؑ کی نصرت کو چلوں گا۔ ایسے میں حبیب آ گئے۔ غلام سے کہا: تو نے زندگی بھر میرا ساتھ دیا، جا میں نے تجھے آزاد کیا۔ یہ انعام و اکرام لے اور اب اپنے گھر کو جا۔ وہ بے اختیار قدموں سے لپٹ کر رونے لگا اور کہا: اب جبکہ جنت میں جا رہے ہو تو مجھے چھوڑ کر جاؤ گے؟ میں بھی ساتھ ساتھ چلوں گا۔ حبیب چلے، ساتھ میں حبیب کا غلام بھی چلا۔ ۹ محرم کی صبح تھی، حسینؑ اسلحۂ جنگ تقسیم کر رہے تھے کہ ایسے میں ایک خصوصی اسلحہ کو آپؑ نے ایک گوشے میں محفوظ کر دیا۔ کسی نے کہا: آقا! وہ مجھے دے دیجئے۔ کہا: نہیں، میرے بچپن کا ساتھی آ رہا ہے۔ ایک مرتبہ گردِ صحرا اُڑی اور حسینؑ ابن علیؑ نے آواز دی: عباسؑ! حبیب آ رہے ہیں۔ استقبال کو خود حسینؑ چلے، عباسؑ چلے، علی اکبرؑ بڑھے، قاسمؑ بڑھے۔ حبیب نے دیکھا کہ میرا آقا استقبال کو آ رہا ہے۔ حبیب نے اپنے آپ کو گھوڑے سے گرا دیا۔ دوڑ کر آقا کی خدمت میں آئے، قدموں پر سر رکھ کر کہا: فاطمہؑ کے جانی! کیا غلاموں کا استقبال کرو گے؟ فرزندِ رسولؐ! میں نے بچپن سے آپؑ کی خدمت کی ہے، بچپن میں جب آپؑ چلتے تھے تو میں آپؑ کی خاکِ قدم آنکھوں سے لگاتا تھا۔ آقا! میں یہ کبھی نہ بھولوں گا ____ آقا! حبیب کا ہاتھ، ہاتھ میں لئے خیمے کے قریب آئے۔ ایک مرتبہ خیمے کا پردہ اُٹھا، کنیز باہر آئی اور آواز دی؟ فاطمہؑ کی بیٹی آپ کو سلام کہتی ہیں۔ حبیب نے اپنے منہ کو پیٹ لیا اور کہا: اللہ! آج یہ وقت آ گیا کہ علیؑ کی بیٹی مجھ غلام کو سلام بھجوا رہی ہیں ____ اور وہ کہہ رہی ہیں کہ میرے بھائی حسینؑ کو اکیلا نہ چھوڑنا۔ یہ حیاتِ طیبہ کا رُخ ہے، دنیا سمجھ رہی تھی کہ ہم اس بوڑھے کو قتل کر دیں گے۔ لیکن حبیب نے آستانۂ حسینؑ پر اپنے آپ کو فنا کر دیا۔

''عَلَی الْاَرْوَاحِ الَّتِیْ حَلَّتْ بِفِنَائِکَ''

''اُن روحوں پر سلام جو تیرے آستانہ پر تحلیل ہوگئی تھیں''۔

حبیب آج بھی ہیں، حبیب ہمیشہ رہیں گے، حبیب وہیں قریب ہی ہیں، روضے ہی میں ہیں۔ حبیب شہید ہوئے۔ جب لشکر کربلا سے چلا، ایک دشمن قبیلے کے سردار نے حبیب کا بھی سر کاٹ کر نیزے پر بلند کر دیا۔ جب قافلہ چلا تو حبیب کا سر بھی نیزے پر چلا۔ جب کوفے

کے بازار میں آئے اور سب تماشائی جمع ہوئے، حبیب کا فرزند بھی راستے میں موجود تھا۔ بے اختیار بیٹے کی نظر باپ کے سر پر پڑی، اُس نے اپنے دوستوں کو آواز دی: ارے دیکھو! یہ میرے بابا کا سر ہے۔ نوجوانوں نے کہا: حملہ کردو۔ حبیب کے فرزند نے تلوار کھینچی، سب نے تلواریں کھینچیں۔ حبیب کے قاتل کو سب نے قتل کردیا۔ بیٹے نے باپ کے سر کو لیا، سینے سے لگایا اور اکڑتا ہوا تلواروں کے سائے میں چلا، یہ کہتا ہوا کہ جس کا وارث جیتا ہے، اُس کا سر اس طرح سے نہیں جاتا۔ اے عابدؑ بیمار! اے میرے مظلوم امامؑ! آپ کتنے مجبور ہیں؟

چند اشعار پیش خدمت ہیں:

شبیرؑ نے حبیب ابن مظاہر سے یوں کہا
لڑنے کو تو نہ جا کہ بڑھاپا ہے اب تیرا
اُس نے کہا کہ اے جگر و جانِ مرتضیٰؑ
تجھ پر ہزار جان سے ہو جاؤں میں فدا
ہر چند پیر خستہ تن و ناتواں شدم
ہرگہہ نظر بروئے تو کردم جواں شدم

✡ ✡ ✡

# جنابِ اُمّ البنینؑ نے جاتے وقت عباسؑ کو وصیت کی تھی کہ میرے لعل! میں کنیزِ زہرؑا ہوں اور حسینؑ تمہارے آقا،زینبؑ و کلثومؑ تمہاری شہزادیاں ہیں،ان کا ہرحال میں ہر طرح کا خیال رکھنا۔

حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے باہر نکل رہے ہیں۔گرمی کے دن ہیں۔لوگوں نے سوال کیا: اللہ کے رسولؐ! سواری تو نکلی گھر سے مگر آپؐ کے دامانِ عباء میں کوئی چیز چھپی ہوئی ہے، کیا بات ہے، دونوں ہاتھ آپؐ کے بلند کیوں ہیں؟ عباء کا دامن ہٹا کر کہا: یہ میری بیٹی کا چھوٹا بیٹا ہے، گرمی کی وجہ سے میں نے عباء کا دامن اس پر ڈال دیا ہے۔

یہ بتانے کی کوشش کی کہ یہ محبت اقتضائے بشری نہیں ہے، اگر احترام کیا نواسے کا، اگر نواسے کی عظمت ظاہر کی، اگر نواسے کا تعارف کروایا تو اس لئے کہ اللہ کی راہ میں قیام کرنے والا ہے، پھر رہتی دنیا تک میرے نام کو باقی رکھنے والا ہے۔ وہ تو مجھ سے ہے ہی لیکن میں بھی اُس سے ہوں۔ میرا نام حسینؑ سے باقی رہے گا۔ یاد آیا آپ کو عربی کا جملہ: ''حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَاَنَا مِنَ الْحُسَیْنِ''

یا رسولؐ اللہ! میں آپ کی رسالت کو گواہ کر کے کہتا ہوں، یہ آپؐ کے نواسے کے ماتم دار جمع ہیں، خدا گواہ، جب آپ کی حیاتِ طیبہ پر گفتگو ہوتی ہے تو فوراً آپ کا یہ قول یاد آ جاتا ہے۔ میں حسینؑ سے ہوں اور حسینؑ مجھ سے ہیں۔ مدینے سے حسینؑ نکل رہے ہیں۔ یہ رخصتِ رسولؐ ہے۔ یہ ارواحِ طیبہ ہیں، یہ حیاتِ طیبہ رکھنے والے ہیں۔ حیاتِ طیبہ وہ ہے جہاں موت نہیں، فنا نہیں بلکہ آگے بڑھنے کی ایک منزل ہے جہاں موت مانع نہیں مسافر کیلئے یعنی آگے چلیں گے دم لے کر، موت معدوم نہیں کرتی۔ یہ حیاتِ طیبہ ہے۔ قبرِ رسولؐ پر پہنچ کر نواسے نے رخصت مانگی تو عجب نہیں کہ یہ آواز آئی ہو:

کئی دن سے تیری مادر کو نہیں قبر میں چین
آئی تھی شب کو میرے پاس وہ کرتی ہوئی بَین
گھر مرا لٹتا ہے فریاد رسولؐ الثقلین
صبح کو اپنا وطن چھوڑ کے جاتا ہے حسینؑ
کہنے کوئی ہوں کہ منہ قبر سے موڑوں گی میں
اپنے بچے کو اکیلا تو نہ چھوڑوں گی میں

حسینؑ سفر کی تیاری کر رہے ہیں، مدینہ چھوٹ رہا ہے۔ اہلِ وطن کو حسرت ہے کہ حسینؑ واپس آئیں لیکن حسینؑ کہہ رہے ہیں: ناناؐ! آپ گواہ رہئے گا، وہ وقت آ گیا ہے جس کے بارے میں آپ کو جبرئیلؑ امین نے خبر دی تھی ___ دیکھئے! یہ وہ مقام ہے حیاتِ طیبہ کا:

"اِنِّیۡ اَسِیۡرُ بِسِیۡرَۃِ جَدِّیۡ"

فرماتے ہیں: ناناؐ کو گواہ کر کے ___ میں اپنے ناناؐ اور اپنے بابا کی سیرت پر عمل کرتے ہوئے ترکِ وطن کر رہا ہوں۔ سواریاں آمادۂ سفر ہوئیں۔ ناقے آگے بڑھے، جیسے ہی نبی کی نواسیاں سوار ہوئیں اور ناقہ آگے بڑھا، حسینؑ ابن علیؑ نے رکاب میں پاؤں رکھا، عباسؑ نے رکاب کو تھاما۔ حسینؑ ابن علیؑ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ پہلے ناناؐ اور ماں کے روضے کو دیکھا، پھر اہلِ مدینہ کو دیکھا اور بے اختیار کہا: جاؤ، تم کو اللہ کے حوالے کیا، اور ادھر اشارہ بتیس (۳۲) برس کے بھائی کو جو محافظِ اہلِ حرم بھی ہے، حسینؑ کا قوتِ بازو بھی ہے، دیرینہ جاں نثار بھی ہے۔

عباسؑ چلو، حکم پاتے ہی عباسؑ علمدار نے پورے قافلے کا گھوم کر جائزہ لیا۔ قاسمؑ کی سواری کہاں ہے؟ علی اکبرؑ کی سواری کدھر ہے؟ بہنوں کی عماری کہاں ہے؟ اطمینان کر کے آقا کے قریب آئے اور کہا: بسم اللہ! آقا آگے بڑھیئے۔ قافلہ روانہ ہوا، عباسؑ اپنے گھوڑے پر سوار ہونا چاہتے تھے کہ عصمت سرا کا پردہ ہٹا، ایک کنیز باہر آئی اور آواز دی: شہزادے! ماں بلا رہی ہے۔ عباسؑ آؤ، اُم البنین بلا رہی ہیں۔ عباسؑ اپنے گھوڑے سے کود پڑے، گھر میں آئے، ماں کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ ماں نے عباسؑ کا سر اُٹھا کر سینے سے لگا لیا۔ فرماتی ہیں: عباسؑ! میں نے عمر بھر فاطمہؑ کی کنیزی کی ہے، میرے لعل! زہراؑ کی کمائی کا خیال رکھنا، عباسؑ! میں حسینؑ کو تجھ سے لوں گی۔

✡ ✡ ✡

# اُمّ البنینؑ نے رو کر کہا: عباسؑ! اگر تیرے ہاتھ نہ کٹتے تو میرا حسینؑ نہ مارا جاتا

امام حسین علیہ السلام نے شب عاشورا اپنے عزیزوں اور ساتھیوں میں ایک خطبہ ارشاد فرمایا کہ یہ سب میرے خون کے پیاسے ہیں، تم جاؤ ___ بارہ سو آدمی وقتِ واحد میں اُٹھ گئے جو مدینے سے ساتھ آئے تھے ___ بارہ سو آدمی وقتِ واحد میں اُٹھ گئے۔ اس کے بعد نگاہِ جلال ڈالی ___ عزیزوں پر ___ اور اس کے بعد کہا، آہستہ آہستہ کہا: عباسؑ ___ عباسؑ ___ عباسؑ ___ ! تم بھی جاتے تو بہتر تھا۔ اتنا سننا تھا کہ ایک مرتبہ ابوالفضل العباسؑ اُٹھے اور کسی طرف جانے لگے۔ دوڑ کر فرزند رسولؐ نے بانہیں گلے میں ڈال دیں، پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ عرض کیا: مولاؑ! سیدھا نجف جاؤں گا اور جا کر کہوں گا کہ آپؑ نے میری والدۂ گرامی اُمّ البنین کے اصرار پر جو ہاتھ حسینؑ ابن علیؑ کے ہاتھ میں دیا تھا، آج اُس سرکار نے بھی مجھے چھوڑ دیا۔

جنابِ اُمّ البنین کا بڑا احسان ہے قیامِ حق پر ___ چار بیٹے تھے، ایک پوتا، پانچ قربانیاں، ایک گھر ہے ___ چند آخری جملے ___

مروان بن حکم کہتا ہے کہ بعد واقعہ کربلا میں جنت البقیع کے راستے پر گزر رہا تھا کہ دور سے کسی بی بی کے رونے کی آواز آئی۔ میں نے گھوڑے کا رُخ اُدھر پھیر دیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک بی بی خاک پر بیٹھی بَین کر رہی ہے۔ میں نے غور سے سننے کی کوشش کی تو بَین کے الفاظ یہ تھے: ''عباسؑ! اگر تیرے ہاتھ نہ کاٹے جاتے تو میرا حسینؑ نہ مارا جاتا''۔

۞ ۞ ۞

# واقعہ کربلا کے بعد چار بیبیوں کا گریہ کرنا یہ بیبیاں عمر بھر سایہ میں نہ بیٹھیں اور نہ ہی ٹھنڈا پانی پیا، اُن کی آواز گریہ سن کر انسان تو انسان، حیوان بھی گریاں تھے۔

علی اکبرؑ باپ کے حکم سے ماں کی خدمت میں آئے ____ ماں نے کہا: میں سمجھ گئی میرے لعل، تم رخصت کیلئے آئے ہو۔ علی اکبرؑ نے ماں سے کہا: اماں! محشر کے میدان میں کربلا کی ہر بی بی میری دادی فاطمہ زہراؑ سے کہے گی: ہم نے اپنے بیٹوں کو آپؑ کے بیٹے حسینؑ پر قربان کردیا۔ اُم فروہ کہیں گے: میں نے اپنے بیٹے قاسمؑ یتیم حسنؑ کو قربان کیا، پھوپھی اماں فرمائیں گی: میں نے عونؑ ومحمدؑ کو قربان کیا، اُس وقت آپ کیا جواب دیں گے؟

یہ سننا تھا کہ بے اختیار فرمایا: جاؤ علی اکبرؑ، اللہ کے حوالے کیا، میرے لعل جاؤ۔ رخصت کردیا۔ لاش بھی بیٹے کی خیمے میں نہ آسکی، کچھ بیبیاں ہیں جو کبھی بعدِ کربلا سائے میں نہ بیٹھیں، ایک حسینؑ کی بہن زینبؑ، دوسری بی بی اُم البنین کہ جس کے چار بیٹے مارے گئے، تیسری بی بی جو فقط ایک ہی برس زندہ رہیں، اُمِ ربابؑ اور چوتھی بی بی اُم لیلیٰ، مادرِ علی اکبرؑ جو کبھی سائے میں نہ بیٹھیں۔ صبح سے شام ہو جاتی اور نوحہ کرتی، گریہ و ماتم کرتی رہتیں۔ راوی کہتا ہے کہ میرا ناقہ رُک گیا۔ میں نے تازیانہ لگایا لیکن وہ نہ بڑھا۔ میں اُس کے آگے گیا، دیکھا تو میرا ناقہ رورہا تھا۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ میں نے غور کیا تو ایک مکان سے آواز آرہی ہے:

"وَلَدِیْ عَلِیٌّ اِلْاَ کْبَر"۔ "میرے لعل علی اکبرؑ!"۔

مکان کا پردہ ہٹا تو ایک کنیز باہر نکلی، میں نے اُس سے پوچھا: یہ کون بی بی رورہی ہے؟ کنیز نے کہا: تو نووارد ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ اُس نے کہا: تو نہیں جانتا یہ اُمِ لیلیٰ ہیں۔ یہ مادرِ علی اکبرؑ ہیں۔ اپنے نوجوان بیٹے کی مظلومانہ موت اور پیاس کو یاد کررہی ہیں۔

✡ ✡ ✡

# جنابِ عباسؑ خیمہ سے میدان کی طرف روانہ ہوئے تو تمام بیبیاں اور بچے رو کر کہتے تھے کہ عباسؑ! آپؑ کے جانے سے ہماری سب اُمیدیں خاک میں مل گئی ہیں۔

ایسی منزل پر دو طاقتیں ٹکرا رہی ہیں۔ اس میں جو طاقت دب جائے، جو بھی طاقت اُبھر جائے، اُسی کا غلبہ ہے۔ ایسی منزل پر حسینؑ نے سجدہ کر دکھایا اور بتلا دیا کہ:

ڈوب کر پار اُتر گیا اسلام　　　　آپ کیا جانیں کربلا کیا ہے

حسینؑ ابن علیؑ کے ایک سجدے نے وقت کی سیاست کو بدل دیا، حاکم کی دولت کو جمود آیا، حسینؑ کا خون موجیں مارتا ہوا آگے بڑھا۔ کوفہ، کوفے سے شام اور شام سے مدینہ ـــــ بہنوں کو ساتھ لائے، بہنیں اسیر ہوئیں، کوفہ و شام کے بازاروں میں پھرائی گئیں۔ حسینؑ نے سب کچھ گوارہ کیا، اس لئے کہ دنیا جان لے کہ ہم حق پر ہیں۔ پھر اگر تاریخ اسلام میں کربلا نہ ہوتو پھر اب کوئی کربلا کا حوالہ نہ دے۔ جب تاریخ اسلام کا یہ جزو ہی نہیں، ظاہر ہے کہ تاریخ بادشاہوں کے چشم و ابرو کی گردش پر لکھی جاتی ہے۔ تاریخ کے لکھنے کیلئے حکومت وقت اپنے آدمی مقرر کرتی ہے تاکہ مرضی کے مطابق تاریخ لکھی جائے۔

واقعہ کربلا میں حمید ابن مسلم جیسا تاریخ نویس موجود ہے، وہ قسم کھا کر لکھتا ہے کہ صبح عاشور سے عونؑ و محمدؑ کو میں نے دیکھا کہ خیمے سے نکلے، لاشیں آئیں مگر کوئی بی بی باہر نہیں آئی۔ حمید ابن مسلم لکھتا ہے کہ قاسمؑ آئے، جنگ کی، لاش آئی، کسی خیمے کا پردہ نہیں اُٹھا۔ علی اکبرؑ کی لاش آئی، خیمے سے ایک بی بی نکلی مگر حسینؑ نے واپس کر دیا۔ مگر حمید ابن مسلم قسم کھا کر کہتا ہے کہ جب عباسؑ کی سواری کا وقت قریب آیا تو ایک مرتبہ سارے خیموں کے پردے اُٹھ گئے اور ہر طرف سے آواز آئی: عباسؑ ـــــ عباسؑ۔

یہی مؤرخ لکھتا ہے کہ میں نے ناموسِ علیؑ اور مادرِ ابوالفضلؑ کو جنت البقیع میں روتے ہوئے دیکھا۔ یہ کہہ کر روتی تھیں: عباسؑ! اگر تیرے ہاتھ نہ کاٹے جاتے تو میرا حسینؑ قتل نہ ہوتا۔

چلو، کربلا چلو، دیکھو حسینؑ کہاں ہیں؟ عباسؑ کہاں ہیں؟ اُس منزل کو دیکھو، جاننے کی کوشش کرو اور اگر نہیں تو متقدمین سے پوچھو۔ علیؑ کی اولاد کتنی ہے؟ اور پھر ـــــ علماء سے پوچھو کہ حضرت علیؑ کی نسل حضرت عباسؑ سے کیسے پھیلی ہے؟ اُن کی نسل میں وفا کیسے آئی ہے؟ بعد واقعہ کربلا حضرت امام زین العابدین علیہ السلام بیٹھے، سارے فقہاء و محدثین موجود تھے، آپؑ حدیث بیان فرما رہے تھے کہ ایک نوعمر بچہ آیا، امامؑ تعظیم کو کھڑے ہو گئے، لوگوں نے ہاتھ جوڑ کر کہا: فرزند رسولؐ! آپ اور اس بچے کی تعظیم؟ فرمایا: یہ چچا عباسؑ کا بیٹا ہے۔ تم کیا جانو حضرت عباسؑ کی عظمت کو؟ امام جعفر صادق علیہ السلام سے کسی نے پوچھا: فرزند رسولؐ! منزلتِ عباسؑ کیا ہے؟ فرمایا: منزلتِ عباسؑ یہ ہے کہ جب عرصہ محشر گرم

ہوگا اور ختمی مرتبت بے چین ہوکر کرسی سے بلند ہوکر ایک طرف دیکھتے ہوں گے تو پوچھنے والے پوچھتے ہوں گے: اللہ کے رسول کس کو دیکھ رہے ہیں؟ آپؐ یہ فرماتے ہوں گے: میری بیٹی زہراؑ نہیں آئی۔ عرض کیا جائے گا: سواری آرہی ہے۔ تو استقبال کیلئے رسولؐ تشریف لے جائیں گے اور پردۂ محمل کو اُلٹ کر پوچھیں گے: زہراؑ! جلال کو چھوڑ دو، بتاؤ اُمت کی شفاعت کا سامان کیا ہے؟ تو اِک مرتبہ اپنی چادر سے دو کٹے ہوئے ہاتھ نکالیں گی اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے الفاظ یہ ہیں کہ ہماری جدہ فرمائیں گی:

''كَفٰى عَنِ الشَّفَاعَةِ يَدَانِ مَقْطُوْعَتَانِ لِوَلَدِيَ الْعَبَّاسِ''.

''بابا! شفاعت کیلئے کافی ہیں میرے بیٹے عباسؑ کے دو کٹے ہوئے ہاتھ''۔

۞ ۞ ۞

# حضرت عباسؑ کی ولادتِ با سعادت امام حسینؑ کا باپ کی مانند پرورش کرنا۔''عباسؑ کی وفا کی کائنات ھی الگ ھے، میرے دوستو!''

جب امیر المؤمنین علیہ السلام نے اپنے بھائی عقیلؑ سے کہا: میں اپنے بیٹے حسینؑ کی حفاظت کیلئے ایک اپنا نائب چاہتا ہوں جو حسینؑ کی مدد کرے۔ بھائی عقیلؑ! کسی بہادر گھرانے کی کوئی خاتون تلاش کرو۔ اُم البنین کا نام پیش کیا گیا جو شرافت و پاکدامنی اور زہد و تقویٰ کے اعتبار سے مشہور تھیں۔ امیر المؤمنینؑ نے منظور فرمایا، عقد ہوا، اُم البنین خانۂ علی علیہ السلام میں تشریف لائیں۔ حسنؑ و حسینؑ تعظیم کیلئے کھڑے ہو گئے۔ اُم البنین نے ہاتھ جوڑ کر کہا: شہزادو! میں ماں بننے کیلئے نہیں آئی ہوں، میں تو کنیز ہوں۔

بچوں کو بٹھایا اور تین بار بچوں پر سے صدقے ہوئیں، کہا: جب تک زندہ رہوں گی، کنیز رہوں گی۔ اللہ نے اُس بہادر گھرانے کی بیٹی کو چار فرزند عطا کئے۔ چاروں بہادر بیٹے اور سب سے بڑے فرزند جب پیدا ہوائے تو امیر المؤمنین علیہ السلام کو اطلاع دی گئی۔ مُڑ کر کہا: حسینؑ! تم جاؤ ___ حسینؑ! فرزند کا نام بھی تم ہی رکھنا ___ حسینؑ گھر میں آئے، اُم البنین نے بچے کو حسینؑ کے ہاتھوں پر دیا اور کہا: شہزادےؑ! کیا بات ہے، یہ بچہ آنکھیں نہیں کھولتا۔ لیکن جیسے ہی حسینؑ کی گود میں بچہ آیا، آنکھیں کھول دیں۔ بھائی نے بھائی کو دیکھا۔ حسینؑ نے کہا: عباسؑ! امیر المؤمنینؑ بھی تشریف لائے، دیکھا، بھائی کی گود میں بھائی ہے۔ حسینؑ اس وقت 25 برس کے ہیں۔ عباسؑ حسینؑ سے پچیس برس چھوٹے ہیں۔ حسینؑ کربلا میں 57 برس کے تھے اور عباسؑ بتیس ۳۲ برس کے تھے۔ علیؑ نے فرمایا: حسینؑ بھائی کو دیکھا؟

کہا: بابا! اس کے بازو بھرے بھرے ہیں۔ کیا قوی بازو ہیں! چہرہ بہت خوبصورت ہے۔ علیؑ نے فرمایا: حسینؑ! نام رکھ دیا؟ عرض کیا: جی ہاں بابا، میں نے اس بچے کا نام عباسؑ رکھ دیا ہے۔ عباسؑ کے معنی ہیں بپھرا ہوا شیر ___

آپ حضرات بھی مصیبت میں پکارتے ہیں: یا عباسؑ ___ عباسؑ ___ عباسؑ۔ اکثر حسینؑ کہتے تھے کہ عباسؑ جب چھوٹے تھے، جب نیند آتی، میرے سینے پر سو جاتے تھے۔ بھائی کو یاد ہے کہ بھائی سینے پر سوتا تھا۔ کربلا میں وہ بھائی ساتھ ساتھ ہے، حسینؑ کو یاد ہے۔ ایک روز حسینؑ کو پیاس لگی، پانی مانگا، عباسؑ اُس وقت چھوٹے سے تھے۔ اُس وقت عباسؑ کا سن ۹ برس کا تھا، دوڑ کر گئے اور پانی لے آئے۔ راوی کہتا ہے کہ پانی لائے تو کوزے کو سر پر رکھ لیا، جب چلے تو پانی چہرے پر چھلکتا گیا۔ حسینؑ نے عباسؑ کو جو اِس حالت میں دیکھا تو حسینؑ رونے لگے۔ مولاؑ کیا یاد آ گیا؟ آپ کیوں رونے لگے؟ فرمایا: مجھے کوئی وقت یاد آ رہا ہے اور اس وقت کو یاد کر کے گریہ کر رہا ہوں۔

۞ ۞ ۞

# حضرت علیؑ کا عباسؑ کو امام حسینؑ کے سپرد کرنا، عباسؑ کا زندگی بھر درِ حسینؑ کی غلامی کرنا اور عباسؑ کی شہادت پر امام حسینؑ کا گریہ و ماتم

اُنیس کا دن گزرا، بیس کی رات آئی، سب کو وصیتیں کیں۔ ایک ایک وصیت میں کہتے جاتے تھے: دیکھو! میرے بچو! تقویٰ سے کام لینا، دیکھو میرے بچو! یتیموں کا خیال رکھنا، دیکھو! میرے بچو، مسکینوں کا خیال رکھنا، دیکھو میرے بچو! قرآن کا خیال رکھنا، کہیں قرآن پر عمل کرنے میں تمہارا غیر تم سے آگے نہ بڑھ جائے۔ سب وصیتیں ختم ہوئیں تو ایک مرتبہ علیؑ پر غشی طاری ہوئی۔ غشی کے عالم میں علیؑ نے کسی کے رونے کی آواز سنی اور غشی سے آنکھیں کھول کر پوچھا: یہ کون رو رہا ہے؟ لوگوں نے کہا: حضورؑ! یہ اُم البنین رو رہی ہیں۔ یہ عباسؑ کی والدہ گرامی رو رہی ہیں ___ آواز دی: کیا بات ہے اُم البنین؟ یہ رونے کا سبب کیا ہے؟ عرض کرتی ہیں: مولاؑ! میں بنی کلاب کے قبیلے کی ہوں اور یہ سب کے سب بنی ہاشم ہیں۔ اِن میں سے ایک ایک کا ہاتھ تو آپؑ نے حسنؑ مجتبیٰ کے ہاتھ میں دیا، کیا میرا بچہ عباسؑ اس قابل نہ تھا کہ اس کا ہاتھ حسنؑ کے ہاتھ میں دیا جاتا؟ اتنا سننا تھا کہ آواز دی: اُم البنین! گھبرانا نہیں، عباسؑ میرا نائب ہے۔

ارے عباسؑ! میں نے اُس کو اسی لئے پالا ہے کہ وہ کسی کے کام آئے۔ یہ کہہ کر بیٹے کو آواز دی: حسینؑ ادھر آؤ ___ حسینؑ جب نزدیک آئے، عباسؑ کا ہاتھ حسینؑ کے ہاتھ میں دیا اور حسینؑ سے کہا: یہ تمہارا غلام ہے، اور عباسؑ سے کہا: یہ تمہارا آقا ہے۔

عباسؑ کا بچپن، عباسؑ کی جوانی، سب نظر میں رہے۔ بس یہاں سے سنئے، عباسؑ کو رخصت ملی ___ راوی کہتا ہے کہ صبح سے ایک ایک شہید رخصت ہوا۔ علی اکبرؑ گئے، قاسم بن حسنؑ گئے، عونؑ محمدؑ گئے، لیکن کسی کی رخصت پر کوئی بی بی خیمے سے باہر نہیں نکلی مگر جب عباسؑ جانے لگے اور علَم باہر آیا، ایک مرتبہ تمام خیموں کے پردے اُٹھ گئے۔ بیبیاں عباسؑ عباسؑ عباسؑ کہتے ہوئے باہر نکل آئیں۔ بیبیاں پکار رہی تھیں: عباسؑ نہ جاؤ، عباسؑ نہ جاؤ، عباسؑ ہم اسیر ہو جائیں گے، نہ جاؤ عباسؑ!

عباسؑ کی سواری چلی، دریا کے قریب پہنچے (یہ آخری جملے ہیں)۔ حسینؑ ابن علیؑ کے دل سے کوئی پوچھے، حسینؑ نے پالا ہے اس بھائی کو، بتیس سال پالا ہے۔ ایک مرتبہ علَم کو حرکت ہوئی، علَم سیدھے ہاتھ سے بائیں ہاتھ کی طرف آیا۔ ایک مرتبہ علَم نے حرکت کی، بائیں ہاتھ سے علَم قلب کی طرف آیا اور اب علَم جھکا، حسینؑ، یا علیؑ کہہ کر کھڑے ہو گئے اور آواز دی:

"یَاعَبَّاسُ اَلْاٰنَ انْکَسَرَ ظَهْرِیْ"

"عباسؑ! میری کمر ٹوٹ گئی"۔

# شبِ عاشور اور ایک نصرانی کا اسلام قبول کرکے امام حسینؑ کے قدموں پر اپنی جان کو نچھاور کرنا

آج دسویں کی رات ہے، اب کل آپ کو زحمت نہیں دی جائے گی۔ کل اس جگہ کو آپ سنسان پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر بلا سے بچائے۔ حسینؑ گھوڑے سے گر گئے۔ ایک مرتبہ پورے لشکر نے کہا: ابن سعد، ہم جنابِ محمد مصطفےٰؐ کے نواسے کو قتل نہیں کریں گے۔ ابن سعد نے کہا: کیوں، کیا بات ہے؟ اشقیاء نے کہا: اے ابن سعد! عذاب آ جائے گا۔ ابن سعد نے پوچھا: پھر کیا ہو؟ سب نے کہا: کوفے سے ہمارے ساتھ گھوڑوں کے علاج کیلئے ایک نصرانی آیا ہے، اُس کو دے تلوار، اُس کو بھیج دے اور اُس سے کہہ دے کہ وہ جا کر حسینؑ کو قتل کر دے۔ عمر سعد نے اُسے بلایا اور کہا: دیکھو! قتل گاہ میں ایک زخمی پڑا ہے، اُسے قتل کر دے۔ وہ سوچتا ہوا چلا کہ اس مسافر کا بھائی مارا گیا، بیٹا مارا گیا، ارے ایک چھوٹا بچہ بھی مارا گیا، اب یہ زخمی ہو گیا تو میرے ہاتھ سے قتل کروا رہے ہیں۔ تلوار کو لئے ہوئے غریب کے سرہانے پہنچا اور ایک بار کہا: اے غریب! تو میری آواز سن رہا ہے؟ امامؑ چپ تھے۔ امامؑ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کہا: غریب! رات کو میں نے حضرت عیسیٰؑ کو خواب میں دیکھا تھا۔ اُنؑ کے ساتھ ایک بزرگ تھے، کمر خمیدہ تھی، سر پر عمامہ نہیں تھا اور حضرت عیسیٰؑ مجھ سے کہہ رہے تھے: دیکھ! ان بزرگ سے کل مجھے شرمندہ نہ کرنا۔ اے غریب! اس خواب کی تعبیر کیا ہے؟

آقا نے پھر بھی جواب نہ دیا۔ اُس نے کہا: اے غریب! تجھے اُس جوان کا واسطہ جس کی لاش پر تو گھٹنوں کے بل گیا، تو کون ہے؟ اے مسافر! تو کون ہے؟ اے غریب! تو کون ہے؟ آقا خاموش ہیں۔ کوئی جواب نہ دیا، اُس نے کہا: وہ فرات کے کنارے تیرا جوان بھائی مر گیا، اُس کا واسطہ، بتا تو کون ہے؟ آقا نے جواب نہ دیا۔ اُس نے کہا: وہ بچہ جو تیرے ہاتھوں تڑپ کر مر گیا، اُس کا واسطہ! بتا مسافر، تو کون ہے؟ آقا نے جواب نہ دیا۔ اب یہ پریشان ہوا کہ کیا کرے، قتل کر دے، ذبح کر دے؟ ایک مرتبہ خیموں پر نظر گئی، دیکھا کہ ایک بی بی درِ خیمہ پر کھڑی مقتل کی طرف دیکھ رہی ہے، اُس نے پکار کر کہا: اے غریب! تجھے اُس بی بی کا واسطہ، بتا تو کون ہے؟ ایک مرتبہ حسینؑ نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا: میں حسینؑ ہوں۔ میں محمد مصطفےٰؐ کا بیٹا ہوں۔ ایک تلوار لے کر وہ نصرانی یہ کہتا ہوا چلا: تم رسولؐ کے نواسے ہو؟ اور تمہارے قتل کیلئے مجھے بھیجا تھا؟ مجھے اجازت دیجئے، میں نصرت کروں گا۔ لشکر پر حملہ کیا، زخمی ہوا، لڑتے لڑتے گرا اور پکار کر کہا: غریب! تو نے صبح سے ایک ایک کی لاش اُٹھائی ہے، اب تو مجھے سنبھال نہیں سکتا۔

غشی کے عالم میں پکار کر کہا: گھبراؤ مت! ارے میرے بابا تجھے سنبھالیں گے۔

۞ ۞ ۞

## جنابِ ربابؑ نے کربلا پہنچ کر جنابِ زینبؑ سے عرض کی: آقازادی! آپ چلی جائیں، میں یہیں رہوں گی۔اللہ نے مجھے دو بچے دئیے تھے،میری بچی زندانِ شام میں رہ گئی ہے اور بچہ کربلا میں سویا ہوا ہے،میں مدینہ جاکر کیا کروں گی؟

اس شہادتِ عظمیٰ پر نظر ہے___ اس شہادت پر ایک کتاب حسینؑ نے لکھ دی۔ 28/رجب کو مدینے سے سفر کیا، 3/شعبان کو مکہ پہنچے، چلتے وقت خطبہ دیا۔ مکہ میں خطبہ دیا۔ نویں محرم کو پھر خطبہ دیا۔ حسینؑ نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں ابواب قائم کئے۔ یہ بابِ شہادتِ قاسمؑ ہے، یہ بابِ شہادتِ عباسؑ ہے، یہ بابِ شہادتِ عونؑ و محمدؑ ہے، یہ بابِ شہادتِ علی اکبرؑ ہے۔ جب کتابِ شہادت ختم ہونے کے قریب آئی تو اِس کتاب کا آخری باب تھا: ''چھ مہینے کے بچے کی شہادت''___

چھ محرم ہو چکی، ساتویں کی شب آگئی، ہمیشہ سے سنتے آئے ہیں۔ جب محرم کی چھ آتی ہے تو علی اصغرؑ کا تذکرہ کرتے ہیں۔ پیارے صاحب رشید مرحوم، میر انیس کے نواسے، مشہور شاعر، مشہور مرثیہ گو، مشہور رباعی گو شاعر، بہترین سلام اُنہوں نے کہے ہیں۔ ایک سلام میں عجیب شعر کہا ہے:

یہ سمجھ کر لے گئے ہمراہ اصغرؑ کو حسینؑ
قید میں بانو سے یہ بچہ نہ پالا جائے گا

پھر ایک اور سلام میں یہ کہا ہے:

کہتے کہتے کچھ زبانِ بے زبانی رہ گئی
تیر کھاکے سو گئے اصغرؑ کہانی رہ گئی

شہزادی علی اصغرؑ کے لئے بہت سے شعر کہے گئے ہیں، ایک اور سلام میں پیارے صاحب رشید نے ایک اور شعر بہت عجیب کہہ دیا:

کہتی ہے ماں، قبر میں اصغرؑ اب آیا تم کو چین
کیوں گلے کا زخم اچھا ہوگیا آتی ہے نیند

دل، اور اُم ربابؑ کا دل، راوی کہتا ہے کہ جب آلِ محمدؑ قید سے رہا ہو کر اربعین کے روز کربلا آئے اور تین دن تک شہزادیاں ٹھہریں، خیمے ڈالے گئے، مجالس ہوئیں، ماتم ہوا، عابدؑ بیمار نے کہا: پھوپھی اماں! وطن چلئے۔ فرمایا: بیٹا! آپ امامؑ ہیں، حجتِ الٰہی ہیں، چلو

جیسی آپ کی مرضی۔سواریاں آئیں،عماریاں تیار ہوئیں، بڑے احترام کے ساتھ تمام بیبیوں کو جنابِ زینبؑ نے خود سوار کیا۔اپنی سواری کا وقت آیا، پردۂ محمل کو اُلٹایا، بھائی کی قبر کو دیکھا۔آخری سلام کیا۔اب جو بھائی کی قبر پر نظر گئی، دیکھا کوئی بی بی قبر حسینؑ سے لپٹی ہوئی ہے۔فرمایا: بٹھادو میرے ناقے کو، ناقہ بیٹھ گیا۔علیؑ کی بیٹی اُتریں، دوڑ کر قبر کے پاس گئیں، کہا: کون ہے؟ ایک مرتبہ سر کو بلند کر کے اُس بی بی نے کہا: شہزادی! میں ہوں، حسینؑ کی کنیز اُمِ ربابؑ۔فرمایا: بھابھی! آپؑ نہیں چلیں گی مدینے؟ رو کر کہا: شہزادی! مدینے میں میرا کون ہے؟ اللہ نے مجھے دو بچے دیئے، سکینہؑ قید خانۂ شام میں مرگئی، میرا علی اصغرؑ کربلا میں شہید ہوگیا ہے۔اب میری قبر یہیں بنے گی۔میں اپنے آقا حسینؑ کے قدموں میں دفن ہو جاؤں گی، یہاں سے نہیں جاؤں گی۔

✿ ✿ ✿

# •میں رات کو مقتل میں چلی آؤں گی باباؑ

حضرت امام حسین علیہ السلام نے روزِ عاشورہ طویل دعائیں کی ہیں۔ مرزا دبیر نے وہ دعائیں نظم بھی کی ہیں۔ ایک مقام پر مختصری ایک دعا یہ ہے:

غم کا مجھے غم ہے نہ خوشی مجھ کو خوشی کی　　تو سر پہ ہے پروا نہیں بندے کو کسی کی
ہاں ایک یہ حاجت ہے حسینؑ ابن علیؑ کی　　سر ننگے نہ دیکھوں میں نواسی کو نبیؐ کی
بے پردہ وہ جب ہو کہ میں پیوندِ زمیں ہوں
اور یوں تیری مرضی ہے تو باہر بھی نہیں ہوں

حسینؑ ابن علیؑ عزیزوں کو خدا حافظ کہہ کر انصار کے لاشے اُٹھا کر جب خیمے میں آئے اور ایک مرتبہ گھر کی حالت دیکھی، اللہ کسی گھر والے کو اس طرح سے گھر کا اُجڑنا نہ دکھائے۔ سب کے سب پریشان ہیں، سب کے سب حیران ہیں۔ عابدؑ بیمار کے سرہانے پہنچے، سورۂ حمد کی تلاوت کی، بازو کو تھاما، عابدؑ بیمار نے آنکھیں کھولیں اور مضطربانہ لہجے میں پوچھا: بابا! آپؑ زخمی ہیں، کیا چچا مارے گئے؟ کہا: ہاں بیٹا! سب گھر کا گھر قتل ہو گیا۔ بس اتنا کہنے کیلئے آیا ہوں کہ اب یہ گھر تمہارے حوالے ہے، یہ کنبہ تمہارے حوالے ہے۔ عابدؑ بیمار اس گھر کا ذرا خیال رکھنا۔ خدا حافظ کہہ کے چلے تھے کہ عابدؑ بیمار نے چاہا کہ کھڑے ہو جائیں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: میرے حق کی قسم! تم آرام کرو، تم کو اجازت نہیں ہے۔ امام علیہ السلام باہر آئے اور آواز دی: زینبؑ و اُمّ کلثوم، رقیہؑ، سکینہؑ، تم سب کو حسینؑ کا آخری سلام۔

اس کے بعد خیمے کا پردہ اُٹھایا اور جنابِ زینبؑ سے بھی رخصت ہوئے۔ اچانک ایک بچی نے دامن تھام لیا۔ ایسے موقعہ پر بچی نے کہا: بابا! جاتے ہو، جاؤ بابا، جاؤ بابا ــــ میر انیسؔ کہتے ہیں، بچی نے کہا:

نیند آئے گی جب آپؑ کی خوشبو پاؤں گی بابا
میں رات کو مقتل میں چلی آؤں گی بابا
فرمایا نکلتی نہیں سیدانیاں باہر　　چھاتی پہ سلائیں گی تمہیں رات کو مادر
وہ کہتی تھی سوئیں گے کہاں پھر علی اصغرؑ　　فرماتے تھے بس ضد نہ کرو صدقے میں تم پر
شب ہوئے گی اور دشت میں ہم سوئیں گے بی بی
اصغرؑ میرے ساتھ آج وہیں سوئیں گے بی بی

وہ کہتی تھی بس دیکھ لیا آپؑ کا بھی پیار میں آپؑ سے بولوں گی نہ اب یا شہِ ابرار
اچھا نہ اگر کیجئے جلد آنے کا اقرار مرجائے گی اس شب کو تڑپ کر یہ دل افگار
کیسی ہیں یہ باتیں میرا دل روتا ہے بابا
گھر چھوڑ کے جنگل میں کوئی سوتا ہے بابا
اصغرؑ کبھی ساتھ آپکے ابتک نہیں سوئے بہلا لیا اماں نے اگر چونک کر روئے
شفقت تھی مجھی پر کہ یہ بے چین نہ ہوئے یہ پیار ہو جس پر اُسے یوں ہاتھ سے کھوئے
جیتے رہیں فرزند کہ سب لختِ جگر ہیں
میں آپ کی بیٹی ہوں وہ اماں کے پسر ہیں

اب کیا جواب دیتے ہیں حسینؑ، ایک مرتبہ گفتگو کے سلسلے کو بدل کر فرمایا:

لو روؤ نہ اب صبر کرو باپ کی جانی کچھ دیتی ہو عباسؑ کو پیغام زبانی
اُودے ہیں لبِ لال یہ ہے تشنہ دہانی ملتا ہے تو بی بی کیلئے لاتے ہیں پانی
محبوبِ الٰہی کے نواسے ہیں سکینہؑ
ہم بھی تو کئی روز کے پیاسے ہیں سکینہؑ

اب بچی چپ ہوگئی۔ جب باپ نے پیاس کا تذکرہ کیا، بچی چپ ہوگئی۔ حدیث کے الفاظ بھی یہی ہیں کہ سکینہؑ! اب مجھے جانے دو، شاید میں تمہارے لئے پانی لاسکوں۔ سکینہؑ یہیں ٹھہرو۔

حسینؑ گئے، عصر کا وقت آگیا، کربلا کے میدان میں شام ہوگئی۔ حسینؑ گئے اور آفتاب ڈوبا، حسینؑ گئے اور بچی نے طمانچے کھائے۔ حسینؑ گئے اور بچی کے گوشوارے چھین لئے گئے۔ بچی انتظار میں رہی، خیمے جل گئے، بیبیوں کی چادریں چھین لی گئیں۔ بچی یہی کہتی رہی: بابا نہیں آئے؟ بابا کہہ کر گئے تھے، بابا نہیں آئے؟

جنابِ زینبؑ جلتے ہوئے خیموں سے بچوں کو نکال کر لائیں اور ایک مرتبہ سب کو دیکھنا شروع کیا۔ گھبرا کے کہا: اُمّ کلثومؑ! سکینہؑ بی بی نہیں ہیں۔ اُمّ کلثومؑ، سکینہؑ بی بی نہیں ہیں۔ اُمّ کلثومؑ تم یہاں بیٹھو، میں ذرا جا کر دیکھ آؤں، شاید نہر پر چچا کے پاس گئی ہو۔ نہر کے قریب گئیں، آواز دی: عباسؑ! وہاں سکینہؑ تو نہیں ہے؟ وہاں سکینہؑ تو نہیں آئی؟

کوئی جواب نہیں آیا، وہاں سے سیدھی مقتل میں آئیں، لاشِ حسینؑ کے قریب آئیں، بھائی! وہاں سکینہؑ ہے؟ ایک مرتبہ ایک آواز پیدا ہوئی: زینبؑ! آہستہ بولو، میرے سینے پر سو رہی ہے، میرے سینے پر سو رہی ہے۔ جنابِ زینبؑ نزدیک پہنچیں، سکینہؑ کا بازو تھام کر ہلایا، سکینہ بی بی! جنگل میں نہیں سوتے۔ ایک مرتبہ آنکھیں کھول کر کہا: پھوپھی اماں! میرے بابا اکیلے ہیں، میں نہیں آؤں گی۔ زینبؑ نے کہا: چلو بی بی! سکینہؑ ــــــ گھر چلو سکینہؑ۔

# چراغ شامِ غریباں میں کس طرح جلتے
# آج کی رات آلِ محمدؐ کا کوئی بھی نہ رہا

شامِ غریباں کی مجلس ہے، حسینؑ ابن علیؑ کا وعدہ پورا ہوا۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ بتاؤں کہ یہ تھا وقت عصر کا اور اس کے بعد کربلا میں شام ہوئی۔ ظاہر ہے کہ اس بارگاہ میں بڑی رونق تھی، آج یہاں سب مٹی پر بیٹھے ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں مگر یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ کل کی رات اور آج کی رات میں کچھ فرق ہے۔ ممکن ہے کہ آپ کو نظر نہ آئے۔ فرق کوئی زینبؑ کے دل سے پوچھے، کوئی اُمّ لیلیٰ کے دل سے پوچھے، کوئی اُمّ ربابؑ کے دل سے پوچھے، کوئی اُمّ فروہ سے پوچھے کہ ان دو راتوں میں فرق کیا ہے؟ کل کی رات کیسی گزری، شبِ عاشور کیسی گزری؟ عباسؑ خیمے کے گرد تھے، علی اکبرؑ بار بار اُٹھ کر دیکھ رہے تھے کہ کون ناصر حسینؑ کہاں ہے؟ قاسمؑ ابن حسنؑ خیموں کے اطراف تھے۔ بچے تلواریں لئے اپنی ماؤں کے قریب تھے۔ ماؤں کو تسلی تھی کہ ہمارے لعل ہیں۔ بیویوں کو تسلی تھی کہ ہمارے وارث ہیں اور پھر حسینؑ ابن علیؑ موجود ہیں۔

ایک دن میں کوئی گھر اس طرح نہیں اُجڑا۔ ایک دن میں کوئی گھر اس طرح سے تباہ نہیں ہوا۔ جو کل رات تھی، فرزندِ رسولؐ، ایک ایک کے خیمے میں جاتے، دعا کرتے اور دیکھتے، کوئی بندگی میں مشغول ہے، کوئی دادِ شجاعت دے رہا ہے تو یہی کہ کل بتائیں گے کہ کیسی جنگ ہوگی؟ حسینؑ ابن علیؑ سب کیلئے دعائیں کر رہے ہیں۔ ہاں! شہزادیاں مطمئن ہیں کہ علی اکبرؑ ہیں، عونؑ و محمدؑ ہیں۔ میں آپ سے پوچھوں کہ آج گیارہویں کی رات کون ہے؟ آج کون ہے؟ بھرا گھر خالی ہوگیا۔ عباسؑ نہیں، علی اکبرؑ نہیں، عونؑ و محمدؑ نہیں، قاسمؑ بن حسنؑ بھی نہیں اور گھر کا والی بھی نہیں، گھر کا وارث بھی نہیں اور ایسے میں گیارہویں کی رات آئی۔ خیموں میں چراغ نہیں تھے مگر روشنی ضرور تھی اور روشنی تھی خیموں کے جلنے کی۔

چراغ شامِ غریباں میں کس طرح جلتے
کسی کے گھر کو جلایا ہے روشنی یوں ہے

روشنی خیموں کے جلنے کی تھی اور کوئی نہ تھا، ہر ایک یاس کے عالم میں، نا اُمیدی کے عالم میں اپنے اپنے وارث کو یاد کرتے ہوئے جلے ہوئے خیموں کے قریب تھا۔ سوائے ایک بی بی کے جو نہ بچوں کو یاد کر رہی تھی، نہ بھائی کو یاد کر رہی تھی۔ ایک ایک خیمے میں جاتی اور جیسے جیسے وہ خیمہ جلتا، بیبیوں کو باہر لاتی، بچوں کو باہر لاتی، عابدؑ بیمار کو کسی صورت سے باہر لائی اور کہا: آؤ سب نزدیک آؤ۔ یہ کنبے کی وارث ہے زینبؑ، یہ کنبے کی محافظ ہے زینبؑ۔ اب زینبؑ کی ذمہ داری ہے۔ اب عباسؑ زینبؑ، علی اکبرؑ زینبؑ، قاسمؑ زینبؑ، حسینؑ زینبؑ۔ اب سب کی نیابت زینبؑ کرے گی۔ ایک ایک بچے کو سنبھالا اور کہا: اِدھر آؤ، میرے نزدیک آؤ، گھبراؤ نہیں، ڈرو نہیں، کسی کی مجال نہیں ہے کہ اب خیموں

کی طرف آئے۔اب اسدؑاللہ کی بیٹی موجود ہے۔

اللہ اللہ، کسی کو اس طرح کی پریشانی نہ ہو۔ جہاں جہاں میری آواز پہنچ رہی ہے، ممکن ہے وہاں حیرانی ہو، ممکن ہے وہاں پریشانی ہو، ممکن ہے وہاں اسیری ہو، ممکن ہے کہ وہ لوگ بھی قید و بند کی زحمتیں جھیل رہے ہوں، مگر تم یاد تو کرو آج کی رات کو، ظاہر ہے کہ تمہارے لئے اے اسیرو! اے قید ہونے والو! ہمارے دل دکھتے ہیں مگر تم کو یاد رکھنا چاہئے کربلا والوں کو، کربلا والے یاد آئے، عجیب ماتم میں یاد آئے کربلا والے۔

یہ قیامت کی رات ہے، آؤ آؤ، ہم سب مل کر آخری مرتبہ رضائے حق کو پانے والوں کو سلام کریں اور جہاں جہاں میری آواز جارہی ہے، وہ بھی سلام کریں۔ سلام ہو علی اکبرؑ پر، سلام ہو ہمارا عباسؑ پر، سلام ہو ہمارا قاسمؑ ابن حسنؑ پر، سلام ہو ہمارا عونؑ و محمدؑ پر، سلام ہو ہمارا فاطمہ زہراؑ کے اُس لعل پر جس کی لاش پامال کر دی گئی۔

✡ ✡ ✡

# کربلا کے میدان میں شام ہوئی
# ہائے شامِ غریباں!

پیغمبرِ اسلام کو وحی میں یہ نسخہ بتایا، حسینؑ نے آخری سانس تک اس پر عمل کیا، یعنی اطاعت نہیں کریں گے بلکہ تقرب کیلئے سجدہ:
"کُلَّا لَا یُطِعْهُ".

خبردار! اُس کی اطاعت نہ کرنا، سجدہ کرنا اور قرب پالینا اور اس شان سے کہ کوئی سجدہ کرنے والا یا جہاں کائنات لرز جائے، ایسا سجدہ ــــــ

سجدے کی تیاری کیلئے قیام ختم ہوا، رکوع ختم ہوا، سجدے کی تیاری کیلئے کائنات کو چھوڑ رہا ہے۔ بیٹا نہیں، بھائی نہیں، بھتیجے نہیں، بھانجے نہیں، اب گھر نہیں، اہلِ حرم نہیں، نہیں نہیں بلکہ مَیں بھی نہیں۔ اب مَیں اور میرا معبود، یہ بھی سجدے کی منزل ہے۔ یہ ہے سجدے کا مقام! کس شان سے سجدہ حسینؑ کو منظور ہے! یہ پیغمبرؐ کا نواسہ ہے، اُس نے اپنے نانا کو بھی سجدے میں دیکھا، بہت نزدیک سے دیکھا ہے، کاندھے پر سوار ہو کر دیکھا ہے۔ حسینؑ کو معلوم ہے سجدے کا اخلاص اور اخلاصِ بندگی کیا ہے؟ اُس سجدے کی تیاری میں سب کچھ چھوڑ کر چلے اور آواز دی:

"یَازَیْنَبُ یَا اُمَّ کُلْثُوْمٍ یَا رُقَیَّةُ یَا سَکِیْنَةُ عَلَیْکُنَّ مِنِّی السَّلَامُ".

تم سب پر میرا اسلام، سب کو رخصت کیا، سوار ہوئے، مقتل میں آئے۔ ہائے وہ دسویں محرم کی نمازِ عصر، نمازِ ظہر کا وقت ختم ہو چکا، عصر کی تیاری ہے۔ حسینؑ آخری سجدے کیلئے بے چین ہیں۔ کچھ دیر تو حملہ کیا، خوب لڑے فاتح خیبر کا لعل تھا، کیسے نہ لڑتا۔ ایک مرتبہ لاشِ پسر نظر آئی، کہا:

تم نے نہ دیکھی جنگِ پدر اے پدر کی جاں

اس کے بعد تلوار کو روک لیا، زخمی ہوتے چلے گئے۔ ذوالجناح کی گردن میں ہاتھ ڈال دیئے۔ کربلا کے میدان میں کون بَین کرے، کون فریاد کرے۔ محمدؐ کی بیٹی چیختی ہوئی کہہ رہی تھی: زینبؑ جلتے ہوئے خیموں سے نکل آیئے اور کبھی کہہ رہی تھی کہ:

جنگل سے آتی ہے فاطمہ زہراؑ کی یہ صدا
اُمت نے مجھ کو لوٹ لیا وامحمداؐ

اس وقت کون حق رفاقت کرے ادا
ہے ہے یہ ظلم اور دو عالم کا مقتدا

انیس لہو میں زخم تن چاک چاک پر
زینبؑ نکل حسینؑ تڑپتا ہے خاک پر
اے ارضِ کربلا میرا بچہ ہے بے گناہ
اے دشتِ نینوا میرا بچہ ہے بے گناہ
اے نہر علقمہ میرا بچہ ہے بے گناہ
اے دہر بے وفا میرا بچہ ہے بے گناہ
گھیرا ہے ظالموں نے میرے نورِ عین کو
اے ذوالفقار تجھ سے مَیں لوں گی حسینؑ کو

حسینؑ ابن علیؑ پشتِ ذوالجناح پر جھک رہے تھے، دو ہاتھ کانپتے ہوئے نکلے زمین سے، ایسے میں حسینؑ ابن علیؑ زمین پر آئے اور آتے ہی وعدۂ طفلی یاد آیا۔ انبیاء کی سیرت تھی، وہ وارثِ آدم تھے، وارثِ نوحؑ وابراہیمؑ تھے، وہ وارثِ موسیٰؑ وعیسیٰؑ تھے۔ وہ وارثِ محمدؐ تھے، وہ وارثِ علیؑ تھے۔ گرتے ہی سجدہ کیا، یہی سجدہ ہے کہ جلتی ریت پر پیشانی کو رکھ کر آواز دی:

''رِضاً بِقَضَائِہٖ وَتَسْلِیْماً لِاَمْرِہٖ''

''میں تیری رضا پر راضی ہوں اور تیرے امر کو تسلیم کرتا ہوں''۔

''وَصَبْراً عَلٰی بَلَائِکَ''

''اور تیرے امتحان پر صبر کرتا ہوں''۔

''لَا مَعْبُوْدَ سِوَاکَ''.

''تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے''۔

''یَاغِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ''

اور آخر میں سجدے میں ایک دعا کی اور عجیب دعا کی کہ پروردگار! میں نے اپنے وعدے کو پورا کیا، اب تو اپنے وعدے کو پورا کر۔ سجدہ ختم ہوا، سر نہیں اُٹھایا گیا، کربلا کے میدان میں شام ہوئی۔ ہائے شامِ غریباں، ایسے موقعہ پر بہن بھی آئیں، بھائی کو سلام کیا، رخصت ہوگئیں، مگر سکینہؑ کہہ چکی تھیں کہ:

میں رات کو مقتل میں چلی آؤں گی باباؑ

جب خیمے جل چکے تو زینبؑ نے بچوں کو گننا شروع کیا تو دیکھا کہ سکینہؑ نہیں ہیں۔ ایک مرتبہ جلے ہوئے خیموں میں ڈھونڈتی رہیں، عابدِؑ بیمار سے پوچھا، اُمّ کلثومؑ سے پوچھا، ایک ایک بی بی سے پوچھا۔ سکینہؑ تو نہیں ہے؟ کسی نے جواب نہیں دیا۔ ہر ہر طرف آواز دی،

ہر طرف ڈھونڈتے ہوئے پھریں۔ جب کہیں سے کوئی جواب نہ آیا تو دریا کی طرف گئیں، آواز دی: عباسؑ! سکینہؑ نہیں ہے۔

کوئی جواب نہیں آیا، جلدی جلدی قتل گاہ میں آئیں، کہا: بھائی! کیا سکینہؑ یہاں آئی ہے؟ آواز آئی: زینبؑ! آہستہ بولو، سکینہؑ ابھی ابھی سوئی ہے، سکینہؑ سینے پر سو رہی ہے۔ زینبؑ نے جا کر سکینہؑ کا بازو تھاما اور کہا: اُٹھو سکینہؑ! اس طرح سے راتوں کو کوئی گھر چھوڑ کر نہیں جاتا۔ کہا: پھوپھی اماں! میرے بابا بھی تو اکیلے سو رہے ہیں۔ ان کو تنہا نہیں چھوڑوں گی۔

۞ ۞ ۞

## بہتّر جسم ریت پر سوگئے، ظالموں نے گھوڑوں سے لاشیں پامال کردیں۔شامِ غریباں آئی، آلِ محمدؐ کے خیمے جلائے گئے، بچوں نے طمانچے کھائے بیبیوں کی چادریں لوٹی گئیں کل طوق و رسن میں قید کرکے کوفہ اور شام کی طرف لے جایا جائے گا۔

حسینؑ ، فاطمہؑ کے نورِنظر، حسینؑ ،علیؑ کے لختِ جگر حسینؑ ، محمدؐ کے نواسے حسینؑ ، راہِ تسلیم میں بیعتِ یزید سے انکار کیااور 28 رجب 60 ہجری کو مدینے سے چلے۔ماں کی قبر، بھائی کی لحد، ناناؐ کا مزار چھوڑا، نگاہِ یاس سے مدینہ میں رہ جانے والوں نے امامؑ کو دیکھا کہ دیکھیں! اب مسافر کب آتے ہیں؟ 30 شعبان کو حسینؑ ابن علیؑ مکہ پہنچے، اس خیال کہ حاکم وقت کی نگاہ ذاتی مفادات کے سلسلہ میں مکہ کا احترام باقی نہ رکھے گی اور کہیں خانہ خدا کی حرمت ضائع نہ ہو۔حسینؑ ابن علیؑ، ابن عباس سے یہ کہہ کر چلے اور کربلا پہنچ کر وعدۂ طفلی ادا کرنا ہے اور بہتر (۷۲) قربانیوں کو پیش کرنا ہے۔آٹھ ذی الحجہ کو مکہ سے کوچ کیا، 9 ذی الحجہ کو سفیر آلِ محمد مسلم بن عقیلؑ کے قتل کی خبر ملی۔۲ محرم سے لشکر آنے لگے۔ ۷ محرم کو پانی بند ہوا، گرمی کے دن، بچوں کی پیاس، ماؤں کا تڑپنا، گودیوں کے خالی ہوجانے کا خوف ____ غرض راہِ حق کے مسافر کیلئے ہر قدم پر صعوبتیں تھیں۔

نویں محرم کو حسینؑ لشکر اعداء میں گھر گئے۔ایک رات کی مہلت اور دی، شاید کوئی مردِ آزاد فکر حق کی طرف آ کر مثالی نمونہ بن جائے۔ دسویں محرم کی صبح سے لڑائی شروع ہوئی۔ ہزاروں تیر پہلے ہی حملے میں لشکر مخالف کی سمت سے چلے، بائیس انصار وہیں تڑپ کر مر گئے۔پھر بچپن کے ساتھی چلے، طفلی کے رفیق، چھوٹے عزیزوں کی باری آئی۔پنجتنؑ پاک کے نمائندے کربلا میں موجود تھے، حسینؑ ختمی مرتبت کی نمائندگی کررہے تھے۔علی اکبرؑ امام حسینؑ کے نمائندے تھے، عباسؑ حضرت امام علی علیہ السلام کے اور قاسمؑ امام حسن علیہ السلام کے فرائض انجام دے رہے تھے۔فاطمہؑ کی نیابت زینبؑ کررہی تھیں۔علی اکبرؑ میدان میں گئے، حسینؑ نے صبر کی داد دی اور بیٹے کی لاش خود اُٹھا لائے۔ قاسمؑ بن حسنؑ کی لاش پامال ہوچکی تھی۔ حسینؑ نے اس کو رکھ کر عباسؑ کو اُٹھایا۔

بھانجوں کی لاشیں آئیں تو زینبؑ نے شکر کا سجدہ ادا کیا۔عباسؑ دریا پر علَم گاڑھ کر سو گئے۔ چھ مہینے کا بچہ علی اصغرؑ تیر کا نشانہ بنا۔مقتل میں اُس بچے کی قبر بنادی۔عصر کا وقت آتا چلا، حسینؑ ابن علیؑ ذبحِ عظیم کی منزل پر آئے، دعائے ابراہیمؑ ومحمدؐ کی تکمیل کا وقت آیا۔رُک کر لاشوں پر نظر کی اور آواز دی:

''یَااَبْطَالَ الصَّفَاءِ وَیَافُرْسَانَ الْهَیْجَابَانِّیْ اُنَادِیْكُمْ فَلاَ تُجِیْبُوْنِیْ هَلْ مِنْ نَاصِرٍ یَنْصُرُنَا''.

''اے میرے بہادرو! میرے وفادار دوستو! اے میرے عزیزو! میں تمہیں پکاررہا ہوں اور تم میری آواز کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ کوئی ہے جو حسینؑ غریب ومظلوم کی مدد کرے؟

میر انیسؔ کہتے ہیں:

ناگاہ سوئے لاشِ پسر جا پڑی نظر
فرمائے سر کو پیٹ کے سلطانِؑ بحر و بر
سوتے ہو کیا دھرے ہوئے رخسار خاک پر
اکبرؑ اُٹھو کہ گھوڑے سے گرتا ہے اب پدرؑ
بھولے پدرؑ کو نیند میں قربان آپ کے
آؤ نمازِ عصر پڑھو ساتھ باپؑ کے

پھر دریا کی طرف دیکھا اور آواز دی:

عباسؑ نامدار ترائی سے اُٹھ کے آؤ
پھنکتا ہے قلب جل رہے ہیں سب جگر کے گھاؤ
چھڑکو میری زِرہ پر جو پانی کہیں سے پاؤ
چلتے ہوئے عدم کے مسافر سے مل تو جاؤ
ہم سب کے کام آئے ہیں پیٹے ہیں روتے ہیں
بارہ پہر ہوئے کہ نہ لیٹے نہ سوئے ہیں

خیمے میں کہرام مچا ہوا تھا، سب کو امر بہ صبر فرمایا۔ عابدِؑ بیمار کے سرہانے آئے، اُن کو خدا حافظ کہا۔ زینبؑ کو دیکھ کر بولے: ہم نے قافلہ کو مدینہ سے کربلا تک پہنچایا ہے، اب تمہارا کام ہے کہ تم اس قافلے کو شام اور شام سے مدینہ لے جاؤ اور جب مدینہ جانا تو میرے نانا کو میری طرف سے سلام کہنا اور یہ کہنا کہ حسینؑ نے اپنے وعدے کو پورا کیا۔ سب کو خدا حافظ کہا، خیمے کے پردے کے قریب آئے، آواز دی: کوئی ہے ہماری سواری لانے والا؟ ___ کوئی نہ تھا۔

گھوڑا گردن ڈالے قریب آیا، آپؑ سوار ہوئے۔ ناگاہ ایک بچی کی آواز آئی: ٹھہرو بابا۔ حسینؑ گھوڑے سے اُتر پڑے۔ بچی کو پیار کیا اور کہا: سکینہؑ! مجھے جانے دو، میں شاید پانی لاسکوں۔ بچی نے باپ کو خدا حافظ کہا۔ دم بخود دروازۂ خیمہ پر آکر چپ کھڑی ہوگئیں۔ اس

انتظار میں کہ باپ آئیں گے۔ حسینؑ گئے کربلا کے میدان میں، شام ہوگئی، حسینؑ نہ آئے۔ خیمے جلے، بچوں نے طمانچے کھائے، گھر لٹا، حسینؑ نہیں آئے۔ اندھیرا ہوگیا، علیؑ کی بڑی بیٹیؑ نے بچوں کو جمع کرنا شروع کیا، جب باہر میدان میں سب ایک جگہ جمع ہوئے تو زینبؑ نے دیکھا کہ سکینہؑ نہیں ہیں۔ ہر طرف آواز دیتی ہوئی چلیں، سکینہؑ، سکینہؑ۔ دریا پر جا کر پکارا: عباسؑ! کیا وہاں سکینہ آئی ہے؟ مقتل میں آئیں، بچی کو پکارا۔ آواز آئی: آہستہ بولو بہن! سکینہؑ یہاں ہمارے سینے پر سو رہی ہے۔ زینبؑ نے سکینہؑ کو چونکایا شانہ ہلا کر۔ کہا: چلو، بچے اکیلے نہیں سوتے۔ گھبرا کر کہا: پھوپھی اماں! میرے بابا اکیلے ہیں۔

۞ ۞ ۞

# کربلا میں یزیدی فوج کی طرف سے اعلان کر دیا گیاکہ اپنے اپنے قبیلوں کے سرداروں کی لاشوں کو ہٹالیں اس لئے کہ ایک غریب لاش پامال ہونے ہونیوالی ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے آخری سجدہ کیا نینوا کی سرزمین پر ذاتِ واجب کی بارگاہ میں۔ یہ منزل ہے، دیکھا آپ نے۔ پہلے صبر، پھر صلواۃ۔ صابر نے سجدہ کیا تو سر رکھتے ہی آواز دی:

**"یَاغِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ"**

تیرے امتحان میں صابر ہوں، تیری مشیت کو تسلیم کر رہا ہوں۔ تیرے حکم کو مان رہا ہوں۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ اے بے پناہوں کو پناہ دینے والے! حسینؑ تیری بارگاہ میں آرہا ہے۔ تاریخ یہ لکھتی ہے کہ آخری سجدے میں یہ آخری الفاظ ادا کئے۔ محرم کی دسویں ۶۱ھ ہے، عصر کا وقت ہے، آفتاب ڈوبنے کے قریب ہے۔ ایسے میں معلوم ہوا کہ زمین لرزتی چلی گئی۔ کائنات میں تہلکہ مچ گیا۔ ایسا معلوم ہوا کہ ہوائیں تند ہو گئیں، ایسا معلوم ہوا کہ آفتاب کو گہن لگ گیا۔ ایسا معلوم ہوا کہ اندھیرا چھا گیا۔ گھبرا کر علیؑ کی بیٹیؑ نے عابدِؑ بیمار سے کہا: بیٹا! یہ کیا ہو رہا ہے؟ جواب دیا: پھوپھی اماں! ذرا میرا ہاتھ تھام کر مجھے خیمے کے در تک لے جایئے۔ پہنچایا، پردہ اُٹھایا، عابدِؑ بیمار نے سر بلند کر کے کہا: بابا! عابدِؑ بیمار کا سلام ہو۔ مظلوم نے، بیمارؑ نے، صابر نے صابر کو سلام کیا۔ قیامت کی شام ہے شامِ غریباں۔ اُردو ادب میں لفظ عام ہے مگر جہاں جا کر اطلاق انطباق پایا گیا، وہ نینوا کی زمین تھی۔ کربلا کی سرزمین پر دنیا نے دیکھ لیا کہ حقیقت میں صبر کرنے والے ایسے ہوتے ہیں۔

اور اب یہ آخری منزل ہے صبر اور اُس گھرانے کا صبر، ہاں! وارث قتل ہو گئے۔ ہاں! خیمے جل چکے، بچوں نے طمانچے کھائے، سیدانیاں لٹ چکیں، مگر صبر کا حال دیکھو کہ کسی نے آکر شہزادی زینبؑ سے کہا: بی بی یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ سردارانِ لشکر وقبائل اپنے اپنے قبیلوں کے سرداروں کی لاشوں کو ہٹالیں، اس لئے کہ ایک غریب کی لاش گھوڑوں سے پامال ہونے والی ہے۔

ایک ایک کا لاشہ اُٹھایا گیا، حُر کے قبیلے کے لوگ بھی تلواریں لہراتے ہوئے اور یہ کہتے چلے کہ جس کے وارث زندہ ہوتے ہیں، وہ یوں اُٹھاتے ہیں۔ اب ایسے میں زینبؑ کے صبر کا اندازہ کرو۔ عابدِؑ بیمار کے صبر کا اندازہ کرو کہ بچوں سے کہتے جاتے تھے کہ گھبرانا نہیں ____

✿ ✿ ✿

# کربلا کے میدان میں جنابِ سیدہؑ کا سفید بال کھول کر ہر ہر شہید پر گریہ کرنا

کربلا والے علم و یقین کے ساتھ شہید ہو رہے ہیں، تہ تیغ و خنجر گلا رکھ کر بھی شہید ہو رہے ہیں۔ اُن کی شہادت اور مراتب کا کیا کہنا۔ کربلا میں ہم تقویٰ کی چند صورتوں کو ایک ساتھ دیکھتے ہیں۔ بہتر (۷۲) جو نظر آتی ہیں، اُن کا وقار دیکھو، اُن کا شدتوں میں صبر کرنا دیکھو، اُن کی احتیاط دیکھو جبکہ ان کے مقابل میں لشکر کبیر ہے جو اپنے آپ کو بادشاہ کہتا ہے مگر شہزادی زینبؑ نے شام میں یزید کے دربار میں اس کا جواب دیا تھا کہ جس کو تو بادشاہی یا حکومت سمجھتا ہے، وہ حکومت نہیں ہے بلکہ مہلت ہے۔ یزید کو یہ مہلت ملی تو وہ سمجھا کہ اب ہم اس گھرانے کو تباہ کر دیں گے۔ مگر اس کو نہیں معلوم تھا کہ:

''اِنّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ''۔

''اللہ متقین کے ساتھ ہے''۔

''وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ''۔

''جو لوگ راہِ خدا میں قتل کئے جائیں، اُنہیں کبھی مردہ نہ سمجھنا''۔ (بقرہ:154)

یزید کو یہ نہیں معلوم تھا کہ اللہ شہداء کو حیات عطا کرتا ہے۔ اس طرح حیات پانے والے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے زندہ ہو جاتے ہیں۔ حسینؑ شہیدِ راہِ خدا ہیں۔

حسینؑ ایک سلسلہ کا نام ہے، حسینؑ تنہا نہیں ہیں، حسینؑ وہ سلسلہ ہیں جو آدمؑ سے خاتم النبیینؐ اور آپؐ سے قیامت تک سچی زبانوں کا سلسلہ ہے۔ عزائم حق کا نام حسینؑ ہے، اس لئے حسینؑ مؤمن کی واحد تمنا ہیں، حسینؑ تجدیدِ ہستیِ مؤمن ہیں، حسینؑ مؤمن کیلئے، متقی کیلئے، وہ منزلِ اعلیٰ ہیں جس کو دیکھ کر مؤمن مسلسل ترقی کی راہیں طے کرتا جاتا ہے۔ حسینؑ ابن علیؑ اللہ کی ایک بڑی نشانی ہیں، صاحبانِ تقویٰ کیلئے ایک رمز ہے۔

شام ہو چکی ہے کربلا میں، کربلا کے میدان میں شام ہو چکی ہے۔ دنیا واقف ہو چکی ہے کہ کربلا میں کیا ہوا؟ محمدؐ کی بیٹی کا بیٹا حسینؑ، اٹھائیس رجب کو مدینے سے نکلا، تین شعبان کو مکہ پہنچا، آٹھ ذی الحجہ کو مکہ سے نکلا، دو محرم کو کربلا پہنچے۔ چار محرم کو لشکر آئے، سات محرم کو پانی بند ہوا، نویں محرم کو حسینؑ ہر طرف سے گھر گئے۔ دسویں محرم کو فاطمہؑ کا بھرا گھر اُجڑ گیا۔ یہ ہے عاشورہ، دسویں کو فاطمہ زہراؑ کا بھرا گھر اُجڑ گیا۔ حسینؑ نے جان دے دی مگر ایک ہی دن کے فرق میں کیا سے کیا ہو گیا۔ کل کی رات تھی، عباسؑ تھے، علی اکبرؑ تھے، قاسمؑ تھے، عونؑ و محمدؑ تھے، کنبہ

بھرا ہوا تھا، اصحاب و انصار تھے، آج کی رات خیمے جلے ہوئے تھے، بچے طمانچے کھا چکے تھے، عجیب منزلِ فکر ہے، یقیناً حسینؑ اللہ کی ایک بڑی نشانی ہیں۔ صاحبانِ تقویٰ کیلئے ایک رمز ہیں اور کربلا رہتی دنیا تک اپنا پیغام درد کی موجوں پر بھیجتا رہے گا۔ مگر چند باتیں سن لو، کربلا کے میدان میں شام ہوئی۔

قاتل خود بیان کرتے ہیں: مقتل تو پہلے ہی ویران تھا، چند لاشیں پڑی تھیں مگر خدا کی قسم! ہم نے دیکھا کہ ایک بی بی جس کے بال کھلے ہوئے تھے، کبھی ایک لاشے پر جاتی اور کبھی دوسرے لاشے پر جاتی اور کبھی دریا پر جاتی اور بار بار آسمان کی طرف دیکھ کر کہتی کہ پروردگار! میں نے اِس بچے کو چکی پیس پیس کر پالا تھا۔ پہچانا آپ لوگوں نے ___ یہ کون ہے اور کس کا امتحان لیا گیا ہے؟ یہ کس کی آواز تھی؟ سیدِ سجادؑ سے پوچھا کہ وہ بی بی کون تھیں؟ تو انہوں نے فرمایا: وہ میری دادی فاطمہ زہراؑ تھیں۔ کبھی زینبؑ کو سہارا دیتی تھیں کہ نہ گھبراؤ بیٹی! تمہارے بابا آئیں گے۔

۞ ۞ ۞

# دنیاوالو!یزیدیت سے مت گھبراؤ۔یزیدیت کے خاتمہ کیلئے حسینؑ کاذکر ہی کافی ہے۔

انسانی فطرت کی پیچیدگیاں ہر دور میں تاریخ کے صفحات پر اُبھر آتی ہیں اور خصوصاً جب جبلتِ اکتساب ظلم پر اُتر آتی ہے تو پھر انسان سفکِ دماء اور فساد فی الارض کا عادی ہو جاتا ہے۔ انسانیت کی اصلاح جن بندوں کے ذمہ ہے، وہ سنتِ الٰہی کی پیروی کرتے ہوئے کبھی فتنہ و پیکار کو اپنی مدافعت و مصالحت سے روکتے ہیں اور کبھی خنجر بدست اور سر بکف ہو کر اجتماعی زندگی میں اصلاح کی یہی دو صورتیں ہیں اور بنتِ رسولؐ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے دونوں بچوں نے اسی شان سے اپنے فرضِ اصلاح کو ادا کیا۔ حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے اس مسئلہ کو یوں نظم فرمایا ہے:

آن کہ شمعِ شبستانِ حرم
حافظ جمعیت خیر الامم
تا نشنید آتش پیکار و کیں
پشتِ پازد برسر تاج و نگیں
آں دگر مولائے ابرار جہاں
قوت بازوئے اسرار جہاں
درنوائے زندگی سوز از حسینؑ
اہل حق حریت آموز از حسینؑ

دونوں بھائیوں کے پیش نظر ایک ہی مقصد تھا اور اسی مقصد کی تکمیل کیلئے کسی نے جامِ زہر نوش فرمالیا اور کسی نے زیرِ خنجر سجدۂ معبود ادا کیا۔

61ھ، جب رجب کا مہینہ تھا کہ فرزندِ رسول الثقلین نے اپنے مقصد کا اعلان فرمایا اور ضریح رسالت پناہ کو تھام کر اپنے معبود کو یوں مخاطب کیا:

''خداوندا! یہ تیرے نبی حضرت محمد مصطفیٰؐ کی قبر ہے اور میں تیرے نبی کی بیٹی کا بیٹا ہوں۔ خداوندا! وہ وقت قریب آ گیا جس کا مجھے علم ہے۔ میرے پروردگار! مجھے چن لے اس مقصد کیلئے جس میں تیری اور تیرے رسولؐ کی خوشنودی ہو''۔

رضائے حق کے جویا نے مدینے سے نکلتے وقت اپنا وصیت نامہ تحریر فرمایا۔ آغازِ وصیت میں خدائے قدوس کے ایک ہونے اور

اپنے نانا کے رسولؐ برحق ہونے کی گواہی دی اور جنت و نارِ حشر و نشر کی شہادت دی اور پھر یہ اعلان فرمایا:

''میں فتنہ و فساد کیلئے گھر نہیں چھوڑ رہا ہوں۔ میں مدینے جا رہا ہوں، فقط اس لئے کہ اپنے نانا کی اُمت کی اصلاح کروں''۔

مدینہ سے نکلتے وقت شاہِ حجاز مدینے کے ہر انسان کو اپنے ساتھ لے کر نکل سکتے، اگر ملک گیری کا خیال دامن گیر ہوتا:

مدعائش سلطنت بودے اگر
خود نہ کردے باچنیں سامانِ سفر

اپنے گھر والوں کو لے کر نکلے، چند کم سن بچے، چند بیبیاں، چند نوجوان، پھر وہ قافلہ جو جہادِ حقیقی کیلئے نکلا۔ رات کی تاریکی میں نہیں، دن کے اُجالے میں نکلے۔ اعلان کر کے چلے۔ کفر کی دنیا کہتی رہ گئی کہ اگر حسینؑ اب چلے تو اُنؑ کے گردِ راہ سے بھی مطالبۂ بیعت ناممکن ہو جائے گا اور ادھر سیدؑ الشہداء نے بھی طے فرما لیا تھا کہ کسی صورت میں مدینہ چھوڑ دیا جائے تاکہ سوالِ بیعت پر اگر لڑائی چھڑ جائے تو آنے والا مؤرخ کہیں یہ نہ لکھے کہ فرزندِ رسولؐ نے روضۂ رسولؐ کی حرمت کا بھی خیال نہ کیا۔ لاکھوں مسلمان یہ سمجھتے رہے کہ مدینے سے فرزندِ رسولؐ نکلے ہیں، شاید کہ مکہ میں قیام ہو۔ حج کے فرائض امامؑ کے ساتھ ادا ہوں گے لیکن پاسِ حرمتِ کعبہ نے اس پناہ گاہ کو بھی چھوڑنے پر مجبور کیا۔

ذی الحجہ کی سات تاریخ کو آخری خطبہ ارشاد فرمایا۔ الٰہی قوتوں اور طاقتوں پر گفتگو فرماتے ہوئے موت کے یقینی ہونے کا ذکر کیا اور پھر صاف طور پر اعلان فرمایا کہ صحرا کے درندے عراق کی سرزمین پر میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہے ہیں لیکن اس سے مفر نہیں، کوئی اور راہِ گریز نہیں۔ پس یہ فیصلہ ہے کہ رضائے الٰہی و رضائے اہلِ بیتؑ، ہم اہلِ بیتؑ کی وہی مرضی ہے جو خدا کی مرضی ہے۔

یہ ہیں وہ ناموسِ کعبہ جنہوں نے کعبہ کا اس قدر خیال کیا۔ لیکن کیا دنیا نے نہیں دیکھ لیا کہ 63ھ کے آخر تک طاغوتی طاقتوں اور یزیدی لشکروں نے فرزندِ رسول کا خون بہا کر اتنی جرأت و جسارت پیدا کر لی تھی کہ اُن کے آگے نہ خواب گاہِ رسالت کی کوئی قدر تھی اور نہ حریمِ کعبہ کی۔ دونوں مقامات کو روند ڈالا گیا۔ مسجدِ رسولؐ کی بے حرمتی کی گئی اور خانۂ کعبہ کے پردے کو آگ لگا دی گئی۔ فرزندِ رسولؐ نے یہیں پیش گوئی فرمائی تھی کہ میرا لہو بہا کر تم جری ہو جاؤ گے۔ تم کسی کی حرمت کا خیال نہ کرو گے اور بالآخر حرف بہ حرف وہی ہوا جو فرزندِ رسولؐ نے کہہ دیا تھا۔ آٹھ ذی الحجہ کو مکہ سے یہ قافلہ چلا، نو (9) ذی الحجہ کو آلِ محمدؐ کی طرف سے پہلی قربانی کوفہ کے دارالامارہ میں دی گئی اور ابن زیاد نے حضرت مسلم بن عقیلؑ کو عید کے دن قتل کر دیا۔ وہ مسلمؑ جو اگر کوفہ نہ بھیجے جاتے تو شاید کربلا کی جنگ کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا لیکن مرضیِ معبود یہی تھی۔

غرض کوفہ کی طرف اس قافلہ کا رُخ تھا کہ حکومت کی فوجوں نے راستے بند کر دیئے اور دشتِ نینوا میں فرات کے کنارے غاضریہ سے متصل کربلا کی زمین پر یہ قافلہ اُترا۔ سالارِ کاروان نے زمین پسند کی، بچپن کا وعدہ یاد آیا اور ساتھ نانا بھی یاد آ گئے۔ آپؑ اُن یادگار لمحوں کو یاد کر کے کافی دیر تک روتے رہے۔

دوسری محرم تھی کہ لشکر جمع ہونے لگے اور ہر بار یہی مطالبہ کہ حسینؑ بیعت کر لیں۔ لیکن سارا اختلاف تو اسی بیعت پر تھا۔ مدینہ کا شہر یا شام کی زرخیز زمین، وجۂ نزاع نہیں تھیں۔

فرزند رسولؐ نے سنتِ الٰہی پر عمل کرتے ہوئے اعلان کر دیا کہ سر دینے آئے ہیں، بیعت کرنے کیلئے نہیں۔ فرات سے خیمے جبراً ہٹا دیئے گئے، ساتویں سے پانی بند ہو گیا۔ سخت ترین گرمی کا مہینہ، بچوں کی پیاس، اعداء کی کثرت، عزیزوں کی قلت، شہادت کا یقین، غرض کوئی امر ایسا نہ تھا جو اس پائے ثبات کو متزلزل کر دیتا۔

وہ العطش کی صداؤں میں مل رہا تھا سکون

وہ ارجعی کی نداؤں میں اُٹھ رہے تھے قدم

محرم کی چھ تاریخ کو فرزند رسولؐ بالکل گھر گئے تھے۔ نو (۹) کی شام آئی، ایک رات کی مہلت عبادتِ الٰہی کیلئے مانگی، یعنی لشکر مخالف کو ایک رات کی اور مہلت دی کہ وہ سوچے کہ کس کے مقابل میں یہ لشکر آرائی ہو رہی ہے۔ اسی طرح شاید کوئی حُر نکل آئے۔ دس کی صبح کو معرکۂ کارزار گرم ہوا۔

اس معرکہ کیلئے فرزند رسولؐ نے یہ مناسب سمجھا کہ مدینہ میں جنگ نہ ہوتا کہ کھلے میدان میں حق و باطل کا مقابلہ ہو جائے۔ خانۂ کعبہ میں حج کے موقعہ پر کوئی لڑائی چھڑتی تو سازش کا پتہ نہ چلتا اور یہی سمجھا جاتا کہ کسی حاجی نے قتل کر دیا۔ فرزند رسولؐ یہ چاہتے تھے کہ ایک ایسے مقام پر یہ لڑائی ہو کہ کسی کو پھر شبہ باقی نہ رہے کہ کون کس طرف سے لڑ رہا ہے اور یہ بات واضح ہو جائے کہ حسینؑ کے ساتھ کون ہیں اور لشکر مخالف میں کون ہیں اور اُن کے معاون کون ہیں؟

تاریخ ایسی جنگ کو پھر نہ دہرا سکی۔ لشکر مخالف سے عمر سعد نے پہلا تیر چلایا، ہزاروں تیر کمانوں سے نکلے۔ بائیس ساتھی اُسی وقت شہید ہوئے۔ پھر رفیقوں کی باری آئی۔ ایک ایک نے دادِ رفاقت دی، ضعیفوں نے شبابِ ایمان کی بہاریں دکھلائیں، جونوں نے شجاعتوں کے رنگ دکھلائے، بچوں نے مسکرا کر جانیں دیں، اٹھارہ بنی ہاشم تڑپ کر مر گئے۔ جعفر طیارؑ کے پوتے، حیدرؑ کرار کے نواسے، حیدر صفدر کے نورِ نظر مارے گئے۔ عباسؑ ترائی سے پھر نہ اُٹھے۔ علی اکبرؑ نے داغِ مفارقت دیا۔ پنجتنؑ پاک کی پوری پوری نمائندگی تھی۔ آخر میں سرور سردارِ قافلہ، نائب احمدؐ میدان میں تشریف لائے۔ آخری جنگ کی اور بار بار فرماتے تھے: محمدؐ کا نواسہ ہوں، فاطمہؑ کا بیٹا ہوں، علیؑ کا نورِ نظر ہوں، مجھے نہ مارو۔ تم کو چین نہیں ملے گا۔ میری رگوں میں فاطمہؑ کا دودھ ہے، محمدؐ کا لہو ہے۔ بیعت مجھ سے ناممکن ہے۔ میرا بیعت کرنا یزید فاسق کے ہر امر کو تسلیم کرنا ہے، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ مجھے اسلام کو بچانا ہے، لو ____ میرا سر حاضر ہے۔

محرم کی دسویں، عصر کا وقت تھا کہ سرتاپا زخمی ہو کر گھوڑے سے زمین پر تشریف فرما ہوئے، عصر کی نماز ادا کی، بیعت کیلئے ہاتھ نہ اُٹھے، سجدۂ معبود میں سر کاٹ کر زمین سے اُٹھا لیا گیا۔

یہ ہے وہ عظیم المرتبت قربانی جس کا ذکر ہر سال دہرایا جاتا ہے، اس لئے کہ دنیا یزیدیت سے نہ گھبرائے، اس لئے کہ اقلیت اکثریت سے پریشان نہ ہو کیونکہ زحمتوں اور مصیبتوں پر صبر و شکر سے قابو پا لیا جائے۔ اس یاد کو تازہ کیا جاتا ہے کہ اب بھی یزیدی طاقتیں موجود ہیں:

موسیٰ و فرعون و شبیرؑ و یزید
ایں دو قوت از حیات آید پدید

ذکر حسینؑ کو باقی رکھ کر ہم کو باطل کی طاقتوں سے نبرد آزما ہونا ہے، مقصد یہی ہے کہ ہم بہر صورت فکر صحیح کی اشاعت کریں، اتحادِ ملت کیلئے کوشاں ہوں اور ہر آن استحکامِ ملت کیلئے ساعی رہیں۔

۞ ۞ ۞

# ھمارا سلام پھنچے کربلا کی بے کفن لاشوں پر

وہ حسینؑ جس کی یاد منانے کیلئے اور جس کے غم کو باقی رکھنے کیلئے اور ماتم کرنے کیلئے ہم آج یہاں پر جمع ہوئے ہیں، یہ ذکر ذکرِ حسین نہیں بلکہ ذکر محمد عربی ہے۔ یہ ذکر ذکر خاتم النبیینؐ ہے۔ اب آپ سمجھ گئے کہ اس ذکر کی اہمیت کیا ہے؟ اگر تابع ہیں حسینؑ رسولؐ کے اور رسولؐ تابع ہیں حکمِ الٰہی کے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ حسینؑ مرضیِ مولا کے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ اگر مدینے سے نکلے تو مرضیِ مولا تھی اور اگر یہ طے کرلیا تھا کہ ہمارے خیمے فرات سے ہٹ جائیں گے تو مرضیِ مولا ہی تھی اور یہ طے کرلیا تھا کہ بہتر (۷۲) کا لشکر ہزاروں سے ٹکرا جائے تو مرضیِ مولا یہی تھی۔

کوئی یہ نہ کہے کہ حسینؑ نے ایسا کیوں کیا؟ اس واسطے کہ حسینؑ تابع حکمِ الٰہی ہے، تابع ہوا و ہوس نہیں ہے، اسی لئے حسینؑ نے بیعت سے انکار کیا تھا کہ دنیا جان لے کہ بیعت تابعِ ہوس ہوتی ہے۔ جو ایک مرتبہ اپنے آپ کو ذاتِ واجب کے ہاتھوں بیچ دیتا ہے، وہ پھر کسی اور کے ہاتھوں نہیں بکتا۔ ظلم کرنے والے ہوا و ہوس کی متابعت کرتے ہیں، ظلم کرنے والے:

''یَاْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَ الْمُنْکَرِ''

''تم کو برائی کا حکم دیتے ہیں، وہ تم کو بُری باتوں پر آمادہ کرتے ہیں''۔ (نور: 21)

فرزندرسولؐ نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا اور آواز آئی:

''فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِکَ هُوَالْفَوْزُ الْعَظِیْمُ''.

''پس خوش ہو جاؤ، پس بشارت پاؤ کہ تم نے بڑا اچھا سودا کیا ہے اور یہ کامیابی عظیم ہے''۔ (توبہ: 11)

عظیم کامرانی ہے، فرزند رسولؐ متابعتِ رسول کی منزل پر فائز ہیں، اس متابعت کی آخری منزل ہے کہ جہاں آواز دیتا ہے قرآن:

''وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی''

''سلام ہو اُس پر جو ہدایتوں کی پیروی کرے''۔ (طٰہٰ: 47) (قرآن میں انبیاء پر سلام سورۂ صافات، آیات 79، 109، 120 اور 130 میں ہیں)۔

''سَلَامٌ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ''

ہے اگر قرآن میں:

''سَلَامٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعَالَمِیْنَ''

ہے اور

"سَلٰامٌ عَلٰی مُوسٰی و ھَارُوْنَ"

ہے تو پھر کربلا والوں کیلئے بھی قرآن مجید میں سلام موجود ہے اور وہ یہ کہ:

"وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی"

"سلام ہو اُس پر جس نے ہدایتوں کی پیروی کی"۔

"وَسَلٰامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی" (نمل:59)

"سلام ہو اُن پر جو اس کے بندوں میں چنے ہوئے بندے ہیں، مصطفٰی بندے ہیں"۔

"سَلٰامٌ عَلَیْکُمْ بِمَاصَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ"

"سلام ہو تم پر کیا صبر تم نے، میرے صابر بندوں پر سلام ہو"۔(رعد:24)

"سَلٰامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ"

"ربِ رحیم کی طرف سے سلام ہو"۔(یٰسین:58)

"سَلٰامٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْھَا خَالِدِیْنَ"

"تم پر سلام، یہ جنتوں کے دروازے کھلے ہوئے اور تم ان میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے داخل ہو جاؤ"۔(زمر:73)

وہ جہاں ملائکہ مقربین شہداء پر سلام کر رہے ہوں، جہاں ہدایت پانے والوں پر سلام لازم ہے، تو وہاں ایک مرتبہ ہم سلام کر لیں اور اُس آقا کو سلام کریں، اُس مولاؑ پر سلام کریں کہ جس پر اس وقت سلام ضروری ہے، سلام ہو میرا کربلا کے اُس شہید پر جس کی لاش اس وقت بے گور و کفن پڑی ہے، سلام ہو میرا فرزندانِ رسول آپ پر، اس لئے کہ آپؑ نے صبر کیا، اس لئے کہ آپؑ نے ہدایتِ رسولؐ کی پیروی کی۔

سلام ہو میرا فرزند رسولؐ آپؑ پر اور اُس بہنے والے خون پر، اُس بہنے والے لہو پر، اُس شہید پر جو آپؑ کے بازوؤں پر دم توڑ رہا تھا، ایک ایک شہید پر ہمارا سلام ہو۔ فرزند حسینؑ ابن علیؑ پر سلام ہو، برادرانِ حسینؑ ابن علیؑ مظلوم پر سلام ہو، سلام ہو علی اکبرؑ پر، سلام ہو عونؑ و محمدؑ پر، سلام و قاسمؑ بن حسنؑ پر، سلام ہو عباسؑ ابن علیؑ پر اور سلام ہو ہمارا اُن اصحاب و انصار پر جو لبیک لبیک کہہ کر اپنی جانیں فرزند رسولؐ پر نثار کر رہے تھے اور اعلان کر رہے تھے کہ ہم ہوا و ہوس کے ساتھ نہیں ہیں، خدا کے ساتھ ہیں۔

ایک تقسیم ہو چکی تھی کربلا میں، اس طرف ہوا ہے، اُس طرف خدا ہے۔ جو خدا کے ساتھ ہیں، اُن سب پر ہمارا سلام ہو۔ ہمارا سلام ہو شامِ غریباں کی اس مجلس میں امامِ مظلوم پر جس نے آخر وقت کہ انتہائی صبر و استقلال و استقامت سے اس بات کا ثبوت دیا کہ وہ ہدایتوں کے ساتھ ساتھ رہے اور جس کے ساتھ مرنے والے ایک ایک شہید نے اس بات کا ثبوت دیا کہ وہ ہدایت کے ساتھ ہے، کسی ہوا و ہوس کے

ساتھ نہیں ہے۔

ہمارا اسلام قبول ہو رہا ہے، اب ہم سلام کریں گے اُس بی بیؑ پر جس کا نام ثانیِ زہرؑا زینبِ کبریٰؑ ہے، جو فاطمہ زہرؑا کی نائب ہیں۔ بی بیؑ ____ غلاموں کا سلام قبول ہو۔ بی بیؑ! آج پہلی رات ہے جہاں اہلِ حرم کی نگرانی آپؑ کو کرنا ہوگی۔ بی بیؑ! کل تک عباسؑ تھے، کل عونؑ و محمدؑ تھے، کل تک قاسمؑ ابن حسنؑ تھے، کل تک علی اکبرؑ تھے۔ بی بیؑ! آج آپؑ جلے ہوئے خیموں کی نگرانی کریں گی، ہمارا سلام قبول ہو اور ہمارا سلام ہو اُس یتیم بچی پر جو طمانچے کھا کھا کر چچا کو پکار رہی ہے: آؤ چچا، خیمے جل رہے ہیں۔ چچا نہیں آئے، سکینہؑ کا کرتہ جل گیا، چچا نہیں آئے۔ سکینہؑ کے کانوں سے بالیاں نوچی گئیں، چچا نہیں آئے۔ بی بیؑ! ہمارا اسلام ہو آپؑ پر۔ سکینہؑ بی بی! آپؑ رات کے اندھیرے میں جائیں گی، بابا کے سینے پر سونے کیلئے۔

✿ ✿ ✿

**ذوالجناح رُک گیا،مولا نے فرمایا:چل میرے راھوار،رُک کیوں گیا ھے؟ذوالجناح نے اپنے قدموں کی طرف اشارہ کیا:مولا!میں کیسے چلوں،سکینہؑ رو کرکھہ رھی ھے کہ میرے بابًا کے گھوڑے! رُک جا،میں یتیم ھوجاؤں گی۔**

اے حسینؑ ابن علیؑ! اے فرزند رسولؐ! جب آپؑ گھوڑے پر سوار ہو چکے تھے، آخری منزل تھی، بہنوں سے رخصت ہو چکے تھے۔ عباسؑ نہ تھے، علی اکبرؑ نہ تھے، عونؑ ومحمدؑ نہ تھے، قاسمؑ نہ تھے، کوئی یار وناصر نہ تھا۔ ہاں! آپؑ اکیلے تھے۔ بہن کو دیکھا:

''نَظَرَ عَیْناً وَشِمَالاً''

داہنی جانب کو دیکھا، بائیں جانب کو دیکھا، جب دیکھا کہ کوئی نہیں ہے تو کہا: ذوالجناح چل ____ یہ آخری سواری ہے۔ جونہی ذوالجناح نے ارادہ کیا، ایک مرتبہ گھوڑا رُک گیا۔ پوچھا: کیوں چلتے نہیں؟ کہا: مولاؑ! یہ دیکھئے۔ آپؑ نے دیکھا، تین برس کی بچی گھوڑے سے لپٹ گئی۔ آپ گھبرائیں نہیں، آپ پریشان نہ ہوں، آپ حیران نہ ہوں۔ یہ ہماری آخری مجلس ہے۔ یہ ہمارا آخری غم ہے۔ اس کے بعد پھر ہماری محافل ہیں، پھر جشن ہیں۔ سیرت کے جلسے ہیں، ہم پھر سب کے ساتھ ہیں، لیکن آج غم کا خاتمہ ہے۔ اس لئے تمنا کے ساتھ اگر کچھ کمی رہ گئی ہے تو مکمل ہو جائے۔ یہ دو چار جملے سنئے کہ حسینؑ گھوڑے سے اُترے، بیٹی کو گلے سے لگا لیا۔ کیوں سکینہؑ! کیا ارادہ ہے؟ عرض کیا: بابا جان! کہاں جا رہے ہو؟ فرمایا: میں وہاں جا رہا ہوں جہاں جا کر مسافر واپس نہیں آتے۔ سکینہؑ نے عرض کیا: بابا! ہم کو اپنے نانا کے روضے پر پہنچا دیجئے۔ ارشاد فرمایا: سکینہؑ! پہنچاتا ضرور مگر کیا کروں بیٹی، راستے بند ہیں۔ سکینہؑ نے کہا: بابا! اگر اجازت نہیں ہے تو تھوڑی دیر رُک جائیں۔ ارشاد فرمایا: سکینہؑ! کیا چاہتی ہو؟ کہا: بابا! جایئے۔ امام بار بار پوچھتے رہے، سکینہؑ چلی جاوَ۔ سکینہؑ سینے سے لپٹ گئیں، تھوڑی دیر بچی سوئی، اُس کے بعد کھڑی ہو گئی اور کہا: بابا! خدا حافظ۔ فرمایا: سکینہؑ سینے پر سو کر کیوں اُٹھ پڑیں؟ کہا: بابا! میں سوئی تھی، خواب میں دادی آئی تھیں، مجھ سے کہہ رہی تھیں: سکینہؑ! حسینؑ کو نہ روکو، جانے دو، عصر قریب ہے۔

✡ ✡ ✡

# اُمِ حبیبہ نے کہا: قیدیو! دعا کرو، مدینہ میں میرے آقا حسینؑ اور میری شہزادیاں زینبؑ وکلثومؑ رہتی ہیں، وہ خیریت سے ہوں۔

اٹھائیس رجب کو یہ گھرانہ مدینے سے نکلا اور تیسری شعبان کو مکہ پہنچے اور آٹھویں ذی الحجہ کو مکہ سے نکلے، دوسری محرم 16 ہجری کو کربلا پہنچے اور دسویں کو لکھا ہے کہ کربلا میں زہراؑ کا گھر ایسا اُجڑا کہ پھر آباد نہ ہوا۔

اُس کے بعد یہ لٹا ہوا قافلہ کربلا سے روانہ ہوا۔ اب محرم کے بعد مجھے موقعہ مل گیا ہے، چاہتا ہوں کہ چند اہم باتیں بتلا دوں۔ یہ تاریخیں ہمارے پاس بڑی اہم ہیں: 29 محرم، 30 محرم اور پہلی صفر ____ پہلی صفر کو میں اپنی شہزادی جنابِ زینبؑ کا خطبہ پڑھوں گا (انشاء اللہ)۔ جی ہاں! پہلی صفر کو ہماری شہزادی کا داخلہ دربار اور میں شہزادی کا خطبہ پڑھنے کی عزت حاصل کروں ____ اور وہ جب آئے لیکن سلسلے کو چونکہ مجھے قائم رکھنا ہے، اس لئے ایک ایک واقعہ آج کوفے کا، 11 محرم کو کوفہ پہنچے اور کوفے سے غافل نہیں تھے۔ شام والے غافل تھے، کوفے والوں کو علم تھا، امیر المومنینؑ، میرے مولا علی علیہ السلام کوفے میں رہ چکے تھے۔ کوفے والوں کو معلوم تھا کہ اس قافلے میں فاطمہؑ کی بیٹی آئی ہیں، محمد کی نواسیاں آئی ہیں، کوفے والوں کو پتہ تھا کہ یہ عابدؑ بیمار ہیں۔ شہزادی نے کوفے میں خطبہ دیا اور اس شان کا خطبہ دیا ثانیِ زہرؑا نے، قرآن مجید سے جس سورۂ نحل سے استدلال کیا ہے، قیامت تک کیلئے حجت پیش کردی:

''وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنم بَعْدِ قُوَّةٍ أَنكَاثاً''۔

''اور اُس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنا سوت مضبوط کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر کے توڑ ڈالے''۔ (نحل: 92)

عجیب وغریب استدلال ہے اس خطبے میں، خطبہ پڑھا اور جب یہ کاروان شہر کی گلیوں سے گزرتا چلا تو ناقے پر چونکہ بیبیاں تھیں اور راستے کچھ زیادہ وسیع نہ تھے، ایک چھوٹی بچی نے، جو جنابِ زینبؑ کی گود میں تھی، اوپر چھت کی طرف دیکھ کر کہا: پھوپھی اماں! کیا پانی مانگ لوں؟ پھوپھی اماں! پیاس لگی ہے، پانی مانگوں؟

چھت پر بیٹھی ہوئی اُس عورت نے اس جملے کو سنا اور خادمہ کو آواز دی کہ ارے غضب خدا کا، یہ بچی تو پیاسی ہے، کس گھرانے کے قیدی ہیں، پانی لے آ۔ پانی لئے ہوئے کنیز اُتری تو خود بھی ساتھ آ گئی۔ اب اُس ناقے کے قریب کھڑے ہو کر جام میں پانی بھر لیا اور آگے بڑھاتے ہوئے کہا: اے بی بی! بہت پیاسی ہو نا، پانی پی لو۔ بچی نے پانی کا برتن ہاتھ میں لیا تو اب جنابِ زینبؑ نے صورت دیکھ کر فرمایا: اے مومنہ! تیری کوئی خواہش تو نہیں ہے، تیری کوئی تمنا تو نہیں ہے؟ عرض کیا: بی بی! آپؑ کی دعا میں ممکن ہے کہ اثر ہو ____ میں بہت دنوں سے مدینے سے بچھڑی ہوئی ہوں، میری شہزادی مدینے میں ہے، خدا کرے کہ بی بی کی زیارت نصیب ہو جائے۔ اتنا سننا تھا کہ جنابِ زینبؑ نے کہا: اے اُمِ حبیبہ! تو نے اپنی زینبؑ کو نہیں پہچانا؟

# کربلا سے شام تک چالیس چھوٹی چھوٹی قبریں بنی ہوئی ہیں۔

کل صفر کی پہلی ہے، کل غرہ صفر ہے، کل آلِ رسولؐ کا داخلہ ہے دربار میں۔ کل مجھے شہزادی کا خطبہ پڑھنا ہے، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ کل کیلئے تیار ہو کر آئیں۔ شہزادی کا جلال دیکھیں، شہزادی کی منزلِ تنزیہہ پر نظر ڈالیں۔ علمائے مقاتل بیان کرتے ہیں کہ حاکم کی خوشنودی کیلئے دومنزلہ راہ طے کی گئی۔ آپ سمجھے کہ یہ دومنزلہ راہ کیا ہے؟ اگر دومنزلیں دو دن راستوں سے، راہوں سے ناقے پہنچائے گئے، ناقے جب تیز چلے، ماؤں کی گودوں سے بچے اُچھل اُچھل کر گرتے اور مائیں آواز دیتیں: یاعلیؑ، یاعلیؑ ___ میرا بچہ ___ مگر قافلہ نہیں رکتا اور اس طرح سے کربلا سے شام تک چالیس چھوٹی چھوٹی قبریں بنی ہوئی ہیں کہ گویا قافلہ کے نشان آج بھی موجود ہیں۔

کس کس کا گھر لٹا؟ کس کس کی آنکھوں کا نور گیا؟ یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے مگر ایک بات میں آپ کو بتا دوں، مقتل کی تحقیق کے اعتبار سے کہ اس میں حسینؑ ابن علیؑ، اُنؑ کے انصار اور اُن کے اعزا ___ سارے بنی ہاشم، یہ سب کے سب، ان کی بیبیاں چونسٹھ تک اُن کی گنتی ہے۔ چونسٹھ بیبیاں تھیں جو قافلے میں تھیں۔ اِن چونسٹھ بیبیوں میں چالیس بیبیاں وہ تھیں جن کی گودیوں میں دودھ پیتے بچے تھے۔ چنانچہ جب یہ قافلہ مدینے واپس ہوا تو اِن بیبیوں نے دامن پھیلا کر روضہ رسولؐ پر کہا: اے مدینہ! جب ہم گئے تھے تو ہماری گودیاں بھری ہوئی تھیں، اے مدینہ! اب ہم واپس آئے ہیں تو ہماری گودیاں خالی ہیں۔ چلو، چلو، چلو، جلدی چلو، جلدی جلدی چلو، حاکم تک پہنچنا ہے۔ 29 محرم کی شام کو اور شام سے ایک فرسخ دور لا کر کھڑا کر دیا گیا۔ ابن قیس کو بھیجا کہ جا کر سرہائے شہداء نذر کرے اور داخلے کی اجازت مانگے ___ پہنچا ___ حاکم نے کہا: کیسے اجازت دے دوں؟ ارے یہ بڑے گھرانے کے قیدی آئے ہیں، دربار آراستہ ہو، تخت نیا بنے، دربار سجے، شہر میں آئینہ بندی ہو تو پھر ہم اجازت دیں گے۔ پوچھا اہلِ دربار سے کہ کتنے دنوں میں یہ سب کام ہوگا؟ کہا: اے امیر! کم سے کم دو ہفتے لگیں گے۔ اُس نے کہا: اتنی دیر تک تو میں انتظار نہیں کرسکتا۔ کہا: اے امیر! ایک ہفتہ لگے گا۔ کہا: نہیں، میں ایک ہفتہ بھی انتظار نہیں کرسکتا۔ کہا: اے امیر! کم از کم دو دن تو دے دے تاکہ دن رات میں شہر تو آراستہ کرلیں۔ دو دن تک شہر آراستہ ہوتا رہا اور ان دو دنوں تک سیدانیاں شہر کے باہر کھڑی رہیں۔ 29 محرم کی شام کو سیدانیاں پہنچیں، 30 محرم کا دن باہر گزرا۔

میں غرہ صفر کے حالات کل ہی بیان کروں گا، اس لئے کہ اتفاق ہے علماء کا کہ سرِ حسینؑ مظلوم پہلی صفر کو لایا گیا ہے شام میں، اس لئے یہ رات قیامت کی رات ہے۔ نبیؐ زادیاں اور دربار! رسولؐ زادیاں اور دربار! جابر کا دربار، مستبد کا دربار، فاسق کا دربار!!!

راوی کہتا ہے کہ بار بار ثانیِ زہراؑ عابدؑ بیمار سے پوچھتی تھیں کہ بیٹا کیا ہوگا؟ کہتے تھے: پھوپھی اماں! یہ منزل بھی خدا آسان کردے گا۔ پھوپھی اماں! آپؑ گھبرائیں نہیں، پھوپھی اماں! آپؑ تو علیؑ کی بیٹی ہیں، آپؑ گھبرائیں نہیں۔ اور ایسے میں ایک مرتبہ شام والوں کو اطلاع

ملی کہ باغی آگئے (خاکم بہ دہن)، خروج کرنے والے آگئے تو تماشا دیکھنے کیلئے سب کے سب جمع ہوئے۔

چھوٹے بڑے، بچے جوان، ضعیف، عورت مرد سبھوں نے عید منائی۔ خروج کرنے والے آگئے تو تماشے کیلئے سب جمع ہوئے۔

آج تماشا دیکھنا ہے اور جب قافلہ دربار کی طرف چلا تو ایک مسجد کا دروازہ کھلا، اُس مسجد سے ایک (جھکی ہوئی کمر والا شخص) نکلا، بہت ضعیف تھا۔ اُس نے کہا عابدؑ بیمار کو دیکھ کر:

''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَذَلَكُمْ''

''اُس کا شکر ہے جس نے تم کو رسوا کر دیا''۔

عابدؑ بیمار نے کہا: ایسا کیوں کہتا ہے؟ کہا: تم نے بغاوت کی ناں؟____ تم نے بغاوت کی۔ کہا: ہم کیسے بغاوت کریں گے؟ پھر کہا: تو نے قرآن مجید کی وہ آیت پڑھی ہے؟ کہا: کونسی؟ آپؑ نے آیۂ تطہیر کی تلاوت کی۔ اُس نے کہا: ہاں پڑھی ہے۔ پھر کہا: اور کیا تو نے وہ آیت بھی پڑھی ہے، اور آپؑ نے آیت کی تلاوت فرمائی: (شوریٰ:23)

قُلْ لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْراً اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى.

اور کہا: کیا تو نے وہ آیت پڑھی ہے؟ آپؑ نے پھر آیت کی تلاوت فرمائی:

''وَاٰتِ ذَالْقُرْبٰى حَقَّهٗ'' (بنی اسرائیل:24)

اب اُس نے کہا: ہاں پڑھی ہے مگر اِن آیتوں سے تمہارا کیا تعلق ہے بھئی؟ یہ آیتیں تو اہلِ بیتؑ کی شان میں نازل ہوئی ہیں؟ اب آپؑ نے، بیمار امامؑ نے ارشاد فرمایا: ہم ہی تو وہ اہلِ بیتؑ ہیں۔ تو اُس نے غور سے آپؑ کی صورت دیکھی اور کہا: تم قسم کھاؤ کہ تم اہلِ بیتؑ ہو، قسم تو کھاؤ۔ فرمایا:

''وَاللّٰهِ نَحْنُ هُمْ''. ''بخدا! وہ ہم ہی ہیں''۔

تو وہ ضعیف شخص نزدیک آیا اور کہا: اچھا نام بتایئے! آپؑ نے فرمایا: علیؑ۔ کہا: باپ کا نام؟ حسینؑ۔ کون حسینؑ، حضرت فاطمہ زہراؑ کا بیٹا؟ کہا: ہاں۔ پھر کہا: محمدؐ کا نواسہ حسینؑ؟ کہا: ہاں۔ کہا: کیا وہ حسینؑ قتل کر دیا گیا؟ کہا: ہاں۔ حسینؑ محمدؐ کا نواسہ قتل کر دیا گیا۔

اب اُس نے کہا: اچھا، آپؑ فرزند حسینؑ ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: ہاں، میں علی ابن الحسینؑ ہوں اور یہ میرے بابا کا سر ہے۔ وہ دیکھ، وہ نیزے پر میرے بابا حسینؑ ابن علیؑ کا سر ہے۔ کہا: فرزند رسولؐ! سروں کو دیکھا مگر یہ ناقوں پر کون ہیں، یہ کون بیبیاں ہیں اسیروں کی طرح؟

کہا: یہ فاطمہؑ کی بیٹیاں ہیں، محمدؐ کی نواسیاں ہیں۔ اتنا سننا تھا کہ اب اُس نے ہاتھوں کو جوڑ کر عرض کیا: فرزند رسولؐ! میں بوڑھا ہو گیا ہوں، میں تلوار لے کر جنگ تو نہیں کر سکتا، مولاؑ! آپؑ مجھے اجازت دیجئے کہ میں قافلے کے راستے پر لیٹ جاؤں اور چلتے ہوئے ناقے مجھے کچل دیں تاکہ قیامت کے دن میں اللہ کے رسولؐ کو منہ دکھا سکوں کہ میں نے زینبؑ کے بے پردہ نہیں دیکھا۔

۞ ۞ ۞

# فاطمہ زہرؑا کی بیٹیاں، نبیؐ کی نواسیاں اسیر ہیں، زینبؑ کوفہ و شام میں خطبے سنا کر اپنے بھائی کی مظلومیت کی ترجمانی کر رہی ہیں۔

آج صفر کی پہلی تاریخ ہے، غرۂ صفر ہے، جیسا کہ کل میں نے عرض کیا تھا، مجھے تو اُنہی کی بارگاہ میں جانا ہے جنہوں نے دعاؤں کا سلیقہ سکھایا، مجھے اُن کی بارگاہ میں جانا ہے جنہوں نے طوقِ گراں پہن کر بتلایا کہ سجدہ کسے کہتے ہیں، مجھے اُن کی بارگاہ میں جانا ہے جنہوں نے زنجیریں سنبھال سنبھال کر نمازیں پڑھیں، مجھے اُن کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے جنہوں نے بتلایا کہ وہ ہیبتِ آلِ محمدؐ، وہ تقدسِ آلِ محمدؐ، جس کو یزیدی فوج یہ سمجھ رہی تھی کہ ہم ان کو قتل کر کے ان کے تقدس کو ان سے چھین لیں گے، اِن کی ہیبت کو چھین لیں گے، اُسی کو باقی رکھنا ہے، سجدوں سے، دعاؤں سے۔ مجھے اُن کی بارگاہ میں جانا ہے، میرا اسلام ہو عابدِؑ بیمار پر اور آپ سب کا سلام ہو عابدِؑ بیمار پر کہ مولاؑ! کس طرح سنبھال کے قافلے کو لے جارہے ہیں دربار میں ـــــ

سارے مقاتل نے لکھا اور طبقاتِ ابن سعد نے صراحت کر دی کہ صفر کی پہلی تاریخ تھی، سرِ حسینؑ دربار میں لایا گیا، دربار اور جابر کا دربار! دربار اور مستبد کا دربار! وہ دربار ـــــ جہاں حاکم یہ چاہتا تھا کہ اپنی قوت وجلالت و جبروت کو منوانے کیلئے ایک مقدس گھرانے کو تباہ کر کے دنیا کو بتلائے کہ دیکھو! عذاب نازل نہیں ہوا اور تکبر کے ساتھ، غرور کے ساتھ، استبداد کے ساتھ، وہ مسند پر فروکش ہے اور میرے مظلوم امامؑ فرماتے ہیں کہ ہم راستوں کے اژدہام سے گھبرائے ہوئے تھے۔ بار بار میں کہتا تھا، اُن سے کہتا تھا جن کے ہاتھوں میں نیزے تھے اور نیزوں پر سر تھے: ارے سروں کو ذرا آگے لے جاؤ تاکہ تماشہ دیکھنے والے آگے جائیں۔ ارے بیبیاں تو محفوظ رہیں مگر کسی نے ہماری بات نہ مانی اور ایک مقام پر آ کر تین گھنٹے تک کیلئے قافلہ رُک گیا اور اُس مقام کا نام ہی باب الساعات ہو گیا۔ قافلہ رُکا اور شہزادی نے بار بار جلال کے عالم میں دیکھا مگر پھر بھائی کے سر کو دیکھ کر جلال کے عالم میں دیکھا اور عابدِؑ بیمار کو دیکھ کر چپ ہو گئیں کہ ایسے میں آواز آئی کہ چلو چلو، جلدی چلو، راستہ مل گیا۔ حاکم نے بلایا ہے۔ میں آج ہمیشہ ماضی اور جب تک زندہ رہوں گا، مستقبل میں یہی کہتا رہوں گا کہ کربلا کا واقعہ اگر شہادت کی حد تک ہے تو انبیاء اور بھی قتل ہوئے لیکن قتل کے بعد کربلا کی طرح کسی نبی کے گھرانے کو اسیر نہیں کیا گیا۔ تاریخ انکار نہیں کر سکتی، فاطمہ زہرؑا کی بیٹیاں اور اسیر! ـــــ نبی کی نواسیاں اور اسیر! ـــــ

قافلہ رُکا اور یہ معصوم کے الفاظ ہیں: ہم کو ناقوں سے اُتارا گیا:

"اَتَوْنَا بِحِبَالٍ وَّرَبَقُوْنَا مِثْلُ الْعَدْنَانِ"

کچھ رسیاں لائی گئیں، کسی کے گلے کو باندھا گیا تو کسی کی کلائی کو باندھا، کسی کے بازو کو باندھا اور کھینچتے ہوئے چلے۔ عابدِؑ بیمار

فرماتے ہیں: مقتل عابدِ بیمار ہی کا آج ہم پڑھتے ہیں۔ عابدؑ بیمار فرماتے ہیں: اپنی پھوپھی سے زیادہ صابر ہم نے کسی کو نہیں پایا۔ بار بار کہتی جاتی تھیں: گھبرانا نہیں، میں چلی آرہی ہوں۔ بچوں سے کہتی تھیں: گھبرانا نہیں، میں بھی ساتھ ہوں۔ اُم لیلیٰ! آؤ چلو، اُم کلثومؑ! چلو، اُمِ ربابؑ، آؤ۔ بیبیوں کو سنبھالے ہوئے، بچیوں کو سنبھالے ہوئے، ایک ایک دروازے کو عبور کرتی چلیں اور جب ساتواں دروازہ دربار کا کھلا تو شہزادی کی نظر پڑی کہ سات سو کرسی نشین بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایک مرتبہ یہ دیکھ کر کمر تھام کے بیٹھ گئیں اور شہزادی کا بیٹھنا تھا کہ قافلہ رُک گیا، قافلہ رُک گیا اور اشقیاء دوڑے تازیانے لئے ہوئے، عابدؑ بیمار نے بیڑیوں کو سنبھالا، پھوپھی کے قریب پہنچے، عرض کیا: پھوپھی جان! کیاارادہ ہے؟ نگاہیں اُٹھائیں اور فرمایا: بیٹا عابدؑ بیمار! اب تک تو صبر کیا، صبر کروں گی مگر بیٹا دربار کا حال تم نے دیکھا؟ یہ کوفہ نہیں، شام ہے، دارالسلطنت ہے، دارالخلافہ ہے، سفراء ہیں، علماء ہیں، درباری ہیں، سلاطین مملکت ہیں، اراکین سلطنت ہیں، زمیندار ہیں، اپنے اپنے خدم و حشم کے ساتھ اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے ہوئے ہیں اور ایسے میں علیؑ کی بیٹی جائے گی؟ عابدؑ بیمار نے ہاتھ جوڑ کر کہا: پھوپھی اماں! اتنا صبر کیا، یہ وقت بھی گزر جائے گا۔ تو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ کر کہا: بیٹا! اکیسویں رمضان کو جب بابا دنیا سے جا رہے تھے تو آخری مرتبہ مجھ سے چپکے سے یہ کہہ گئے تھے: زینبؑ! گھبرانا نہیں، میں بھی چلوں گا۔ تو اگر تم کہو تو بابا کو بلالوں؟ یہ کہہ کر نجف کی طرف رُخ کیا اور آواز دی: آؤ بابا! زینبؑ دربار میں جارہی ہے۔

دربار میں پہنچیں اور ایک مقام پر بیٹھ گئیں۔ کنیزوں نے حلقہ کیا، میں نے کل وعدہ کیا تھا ناں آپ سے کہ یہ میری عادت ہے کہ پہلی صفر کو میں شہزادی کا خطبہ پڑھتا ہوں، یہ میرا دل جانتا ہے اور یہ اس لئے پڑھتا ہوں کہ دنیا جان لے کہ جلالِ علیؑ کیا ہے، دنیا جان لے کہ جلالِ زینبؑ کیا ہے، دنیا جان لے کہ آلِ محمدؐ کی ہیبت کیا ہے؟

یزید یہ سمجھ رہا تھا کہ حسینؑ کو قتل کر کے ہم نے اس گھرانے کی ہیبت کو چھین لیا مگر زینبؑ نے خطبہ دے کر دنیا کو یہ بتلا دیا کہ آلِ محمدؐ کی ہیبت آج بھی باقی ہے اور قیامت تک یہ باقی رہے گی۔ ایک گوشے میں بیٹھی ہیں، زہیر ابن قیس نے پہلے حسینؑ ابن علیؑ کا سر تحفہ میں پیش کیا، اُس نے کہا کہ طشتِ طلا میں رکھ دو۔

اور اب غور سے سر کی طرف دیکھا، پھر درباروالوں کو دیکھا، اس کے بعد اور سر پیش ہوئے۔ وہ پوچھتا چلا گیا کہ یہ کس کا سر ہے؟ یہ کس کا سر ہے؟ یہ کس کا سر ہے؟ قاتل بتاتے چلے گئے شہیدوں کے نام، ایسے میں اُس نے اسیروں کو دیکھا اور کہا: یہ بیمارؑ قیدی کون ہے؟ یہ بیمارؑ کون ہے؟ کہا گیا: یہ علیؑ ہیں۔ تم نے علیؑ کہا؟ علیؑ تو قتل کر دیئے گئے؟ اُس نے کہا: نہیں، حسینؑ کے سارے بچوں کے نام علیؑ ہیں۔ دیکھا آپ نے جلالِ حسینؑ، حسینؑ کے سارے بچوں کے نام علیؑ ہیں۔ ایک علی اکبرؑ، ایک علی اصغرؑ، یہ علی ابن الحسینؑ ــــــ اُس نے کہا، علی ابن الحسینؑ، علی ابن الحسینؑ! میں آپ سے کچھ باتیں کروں؟ آپ چپ ہیں، مقامِ امامت ہے اور اس کو آپ کو پڑھنا چاہئے۔ انیس نے ایک پورا مرثیہ کہا ہے اس حال میں اور جنابِ زینبؑ کا خطبہ نقل کیا ہے اور اس کو آپ کو پڑھنا چاہئے۔ انیس نے ایک پورا مرثیہ کہا ہے اس حال میں اور جنابِ زینبؑ کا خطبہ نظم کیا ہے اپنے خاص انداز میں اور اُس کا مطلع یہ ہے:

آمد آمد حرمِ شاہ کی دربار میں ہے

اور اس منزل پر کہا:

آئے روتے ہوئے دربار میں جسوقت اسیر ــ دیکھ کر عابدؑ بیمار کو بولا وہ شریر
سرکشی کر کے نہ سربر ہوئے ہم سے شبیرؑ ــ شکر کرتا ہوں کہ خالق نے کیا تم کو اسیر
بیٹھنے کا کہیں دنیا میں سہارا نہ رہا
پنجتنؑ اُٹھ گئے اب زور تمہارا نہ رہا

سن کے یہ آگیا بنت شہِ مرداں کو جلال ــ رو کے فرمایا کہ کیا بکتا ہے او بد افعال
صاحبِ عزت و توقیر محمدؐ کی ہے آلؑ ــ کبھی ہم لوگوں کی عزت پہ نہ آئیگا زوال
ہم کو بے قدر جو سمجھا تو خطا کرتا ہے
دیکھ مصحف میں خدا کس کی ثناء کرتا ہے

آلِ احمدؐ کو حقارت سے نہ دیکھ او مغرور ــ سب پہ ظاہر ہے کہ ہم لوگ ہیں اللہ کا نور
مار کر سبطِ پیغمبرؐ کو یہ نخوت یہ غرور ــ خیر تو دور نہ ہم دور نہ محشر ہے دور
حق کا دریائے غضب جوش میں جب آئے گا
باندھنا ہاتھوں کا سادات کے کھل جائے گا

یہ طویل خطبہ جس طرح سے کہ انیس نے نظم کیا ہے، ایک تفصیلی تقریر چاہتا ہے۔ ہاں! تو میں عرض کروں کہ یزید نے متوجہ کرنا چاہا مجمع کو اور یہاں ایک بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جاتے ہی خطبہ شروع نہیں کیا دربار میں، علامہ باقر مجلسیؒ جلد عاشر میں شیخ عباس قمی، نفس المہموم، ملا ابواسحاق اسفرائنی، نورالعینین میں اس بات پر متفق ہیں کہ عابدِؑ بیمار سے کچھ گفتگو ہوئی تھی کہ ایک ضعیف انسان کرسی سے اٹھا اور اس نے کہا: اے امیر! تو مجھے جانتا ہے؟ کہا: ہاں جانتا ہوں، عبدالوھاب ہے سفیر روم ــــ کہا: امیر تو بتا یہ کس کا سر ہے؟ کہا: یہ حسین کا سر ہے۔ کہا: عرب میں قاعدہ نہیں ہے کہ تنہا نام لیں، یہ کس کا بیٹا ہے؟ اب کہا: فاطمہؑ کا بیٹا ہے۔ کہا: امیر! تو نے باپ کا نام نہیں لیا ماں کا نام لیا، فاطمہؑ! کیا محمد کی بیٹی؟ کہا: ہاں۔ کہا امیر بس! یہی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ میں اس سر کو دیکھ کر ایک محبت سی محسوس کر رہا تھا۔ آج سے برسوں پہلے میں مدینے میں حاضر تھا رسولؐ اللہ اس بچے کو گود میں لے کر دعا کر رہے تھے کہ خداوند! تو اس کو دوست رکھ جو حسینؑ کو دوست رکھے اور تو اس سے بیزار ہو جا جو حسینؑ سے بیزار ہو جائے۔ اس نے کہا کہ اگر امورِ سیاست مانع نہ ہوتے تو میں تیرے قتل کا حکم دیتا۔

اور اگر سفیر کا قتل جائز ہوتا تو؟ عبدالوھاب نے بڑی بے باکی سے کہا: ڈراتا ہے ــــ تیرے پاس سفیروں کا قتل تو جائز نہیں مگر محمدؐ کے نواسے کا قتل جائز ہے؟ اور یہ کہہ کر وہ دربار سے باہر چلا۔ پہلی ہیبت دربار پر طاری ہوئی، اب یزید اپنے مؤقف کو سمجھ گیا کہ اس شخص نے تو تعارف کروا دیا، تو اس نے بات کا رخ بدلنے کے لئے، اس نے باتوں میں اپنے آپ کو ڈالنے کے لئے اور اہلِ دربار کو متوجہ رکھنے کے لئے

رسن بستہ قیدیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"مَنْ هٰذِهٖ ؟ "

یہ کون ہے؟ کہا: یہ اُم فروہ ہے، یہ قاسمؑ کی ماں ہے، یہ رسولؐ اکرم کے بڑے نواسے حسنؑ کی بیوہ ہے۔ کہا: یہ کون ہے؟ کہا: یہ اُمِ رباب ہے، علی اصغرؑ کی ماں ہے۔ ایک مرتبہ یزید نے پہلو بدل کر کہا: بیبیاں کھڑی ہوئی تھیں اور ایک بی بی سب کے درمیان بیٹھی ہوئی تھیں، کنیزیں گھیرے ہوئے تھیں، تو اُس کی زبان سے بے اختیار یہ جملہ نکلا:

"مَنْ هٰذِهِ الْمُتَكَبِّرَةِ؟"

یہ مغرور عورت کون ہے؟ دربار میں اب سناٹا چھا گیا۔ ایسے میں ایک مرتبہ کنیزوں کو ہٹا کے علیؑ کی بیٹی اٹھیں اور سامنے آئیں کہ اے یزید! ان سے کیا پوچھتا ہے؟ مجھ سے پوچھ، میں بتاتی ہوں، میں محمدؐ کی نواسی ہوں، فاطمہؑ کی بیٹی ہوں۔ مجھ سے پوچھ اے یزید! تو اب پورا دربار متوجہ ہوا اور اس کے ساتھ ہی اب وہ خطبہ شروع کیا:

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ. وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى جَدِّىْ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاٰلِهٖ اَجْمَعِيْنَ".

"شروع کیا جاتا ہے نام سے اللہ کے جو رحمٰن ہے، رحیم ہے، ساری تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو عالمین کا رب ہے اور درود وسلام میرے جد پر جو سید المرسلین ہیں، انبیاء کے سردارؐ ہیں اور درود وسلام ان کی آلؑ پر۔

یہ شہزادی کا خطبہ ہے۔ میں نے بار بار کہا تاریخ میں تین خطبے یاد رہیں گے: پہلا خطبہ فاطمہؑ زہرہ کا ___ وہ بھی دربار میں، مولا علیؑ کا خطبہ شقشقیہ (نہج البلاغہ) اور یا جناب زینبؑ کا خطبہ یہ بھی دربار میں ___ یہ سلسلہ ہے۔ اگر فاطمہؑ کا خطبہ نا تمام رہا تو علیؑ نے تکمیل کی اور اگر علیؑ کا خطبہ نا تمام رہا تو اس کی تکمیل زینبؑ نے کی۔ اس کی کئی وجوہات ہیں اور علمی مباحث چھڑ جائیں گے اور اس وقت مصائب پڑھوں۔ شہزادی نے پھر خطبہ شروع کیا، اپنے تعارف کے بعد فرماتی ہیں:

"اَظَنَنْتَ يَا يَزِيْدُ حَيْثُ اَخَذْتَ عَلَيْنَا اَقْطَارَ الْاَرْضِ وَاٰفَاقَ السَّمَاءِ فَاَصْبَحْنَا نُسَاقُ كَمَا تُسَاقُ الْاُسَارٰى؟"

"اے یزید! کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ زمین و آسمان کی راہیں ہم پر بند کر دیں اور ہم کو اس طرح سے دربدر تو نے پھرایا جیسے ترک و دیلم کے قیدیوں کو پھراتے ہیں؟ اے یزید! تو یہ سمجھتا ہے کہ تو کامیاب ہو گیا؟ نہیں، اب شہزادی نے سورہ روم سے آیت ۱۰ پیش کی:

صَدَقَ اللّٰهُ كَذٰلِكَ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَاءُوا السُّوْآى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ".

(اے یزید!) خداوندتعالیٰ نے سچ فرمایا ہے کہ بدترین انجام ہے ان کا جواللہ کی آیتوں کی تکذیب کریں اوران کا مذاق اڑائیں۔

"فَمَهْلاً مَّهْلاً وَلَا تَشْتِ جَهْلاً وَكَيْفَ يُرْتَجٰى مُرَاقَبَةُ ابْنِ مَنْ نَفَظَ فُوْ. اَكْبَادَ الْاَزْكِيَاءِ".

اے یزید! رُک جا، رُک جا، جہالت کی باتیں نہ کر، رُک جا یزید! ابھی کھل جائے گا جو میں کہہ رہی ہوں۔ میں اور کیا توقع کرسکتی تھی اُس کی اولاد سے کہ جس کے بزرگوں نے میرے بزرگوں کا کلیجہ چبایا۔ خطبہ مسلسل ہے، فرماتی ہیں:

"وَنَبَتَ لَحْمَهٗ بِدِمَاءِ الشُّهَدَاءِ"

"اور اُن کی رگوں میں لہو دوڑ رہا ہے اور اُن کا گوشت پل رہا ہے، شہیدوں کے لہو کو پی کر، میں اور کیا توقع کرسکتی ہوں"۔

آپ نے دیکھا کہ مستبد کا دربار ہے، جابر کا دربار ہے، ظالم کا دربار ہے، شقی کا دربار ہے، قاتل کا دربار ہے، اور وہ اسدؓ اللہ کی بیٹی، یہ زینبؑ ہی کا خطبہ ہے جس نے اُن گھرانوں کو صدیوں کیلئے محفوظ کرلیا۔ میرے اس اشارے کو سمجھنے کی کوشش کریں، شہزادی فرماتی ہیں:

"يَا يَزِيْدُ اَنَسِيْتَ قَوْلَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْااَنَّمَا نُمْلِىْ لَهُمْ خَيْرٌ لِاَنْفُسِهِمْ اِنَّمَا نُمْلِىْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْا اِثْماً وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ". (آلِ عمران:178)۔

اے یزید! کیا تو نے اللہ کے قول کو بھلا دیا؟ کیا کفر کرنے والے کافر یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم کو جو مہلت دے رہے ہیں تو کیا اِس لئے مہلت دے رہے ہیں کہ اُن کی باتیں پسند آئیں؟ (اُن کیلئے مفید ہیں)۔

درحقیقت ہم اُن کو مہلت اس وجہ سے دے رہے ہیں تاکہ وہ اپنے گناہوں میں اضافہ کرتے رہیں، بالآخر اُن کیلئے سخت ورسوا کن عذاب تیار ہے۔

یہاں دیکھا آپ نے کہ ہیبتِ آلِ محمدؐ کو مٹا کر وہ یہ بتلانا چاہ رہا تھا کہ دیکھو! عذاب اب تک نہیں آیا اور شہزادی اُس کی اس فکر کو رد کررہی ہیں، یہ کہہ کر، یہ مہلت ہے تاکہ عذاب اور دردناک ہوجائے، کرتے رہو ظلم پر ظلم، اب شہزادی پھر مخاطب ہوتی ہیں:

"اَمِنَ الْعَدْلِ يَاابْنَ الطُّلَقَاءِ تَخْدِيْرُكَ حَرَائِرَكَ وَاِمَائِكَ وَسُوْقُكَ بَنَاتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ سَبَايَا".

اے ابن طلقاء! کیا تیرا یہ عدل ہے؟ آپ نے دیکھا کہ بھرے دربار میں شہزادی نے کس کس کا ذکر کیا، ہندہ جگر خوارہ کا ذکر کیا جس نے حضرتِ حمزہ کا کلیجہ چبایا۔ ماں کے ذکر کے بعد، اب اُس کے دادا کا ذکر کررہی ہیں کہ تیرے دادا (ابوسفیان) کو میرے جد نے آزاد کیا تھا۔ فتح مکہ کے وقت ابوسفیان کا رسالتمآبؐ کے قدموں میں تھا تو آپؐ نے فرمایا تھا کہ جاؤ، جاؤ:

"لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْم فَاذْهَبُوا اَنْتُمُ الطُّلَقَاء"

جاؤ، تم آزاد ہو، رسولؐ اللہ کی زبان سے نکلے ہوئے جملے کو شہزادی استعمال کرتی ہیں، خطبہ کو آگے بڑھایا، پورا خطبہ نہ ہوسکا۔ اب آخری حصہ خطبہ کا:

"فَوَالَّذِیْ شَرَّفَنَا بِالنُّبُوَّۃِ وَالْکِتَابِ وَالسَّعَادَۃِ وَالْاِنْتَخَابِ".

اُس کی قسم جس نے ہمارے گھرانے میں نبوت اور کتاب دے کر ہمیں شرافت عطا کی، اُس کی قسم جس نے ہم کو منتخب کیا، اُس کی قسم جس نے ہم کو سعادت عطا کی۔

"لَا یَمْحُوْا ذِکْرُنَا وَلَا تَبْلُغْ غَائِتَنَا وَلَا تُدْرِکُ اَمَدَنَا".

اے یزید! اب تو ہمارے ذکر کو مٹا نہ سکے گا اور تو ہمارے مقصد کو پا نہ سکے گا۔ تو ہمارے مدعا کو پہچان نہ سکے گا کہ قتلِ حسینؑ کا راز کیا ہے؟ شہادتِ حسینؑ کا راز کیا ہے؟ تو پہچان نہ سکے گا، جا! میں تجھ سے اور کیا توقع کرسکتی ہوں؟

یزید نے دیکھا کہ دربار میں رونے کا غل اُٹھ گیا اور اُس نے اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے اہلِ دربار کو، ایک مرتبہ سرِ حسینؑ سے بے ادبی کی، علیؑ کی بیٹی کو جلال آ گیا، آگے بڑھ کر کہا: اے یزید! بھائی کے دہن پر چھڑی رکھ کر، بہن کو ڈراتا ہے، تو ڈرا رہا ہے مجھے؟ جا اب جو چاہے تو ظلم کرلے، اب آلِ محمدؐ تیار ہیں، جو چاہے ظلم کرلے۔ تو مجھے ڈراتا ہے؟ بھائی کے چہرے پر چھڑی رکھ کر ــــ ایک مرتبہ ایک بزرگ نے کھڑے ہوکر آواز دی: اے یزید! ارے رسولؐ تو بوسے لیتے تھے اِن ہونٹوں کے ــــ اے یزید! ہٹا لے چھڑی۔ یہ گفتگو ختم نہ ہوئی تھی کہ پیچھے سے پردہ ہٹا، ایک عورت دوڑتی ہوئی آئی، اُس کے سر پر چادر نہ تھی، یزید نے کپڑا اُس کے سر پر ڈال دیا اور کہا کہ تجھے خیال بھی نہیں کہ تو میری ناموس ہے اور یہ بھرا دربار ہے؟ اب شہزادی نے پھر کہا: خاک پڑے تیری ناموس پر، میں ابھی ابھی فاطمہ زہراؑ کی آواز سن رہی تھی، ارے میری بچی دربار میں آ گئی؟ میری بیٹی دربار میں ــــ

۞ ۞ ۞

# سید سجادؑ تاریخ انسانیت کے وہ پہلے خطیب ہیں جو طوق و سلاسل میں جکڑے ہوئے تھے۔

جب جنابِ زینبؑ نے شام کے دربار میں خطبہ دیا اور جب جلالِ زینبؑ کو دنیا نے دیکھا اور جب عبدالوھاب، سفیر روم نے کہا کہ اے امیر! اس صاحبِ راس کا، جس کا سر سامنے رکھا ہے، میں نے اس کا بچپن دیکھا ہے اور جب راس الجالوت، یہودیوں کے عالم نے کہا کہ اے امیر! ستر پشت ہیں مجھ میں اور داوٗدؑ میں لیکن اب بھی جب راستے سے گزرتا ہوں تو میرے پاؤں کی مٹی لوگ اُٹھا کر اپنی آنکھوں میں لگاتے ہیں۔ اے امیر! یہ تو تیرے نبی کی بیٹی کا بیٹا ہے ناں؟ اور جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں! اور جب یہ ساری باتیں ہو چکیں تو ایک مرتبہ حکمِ امیر شام سے ایک شخص منبر پر گیا، اُس نے جا کر پہلے حاکم کی تعریف کی، توصیف کی اور بتایا کہ بادشاہِ وقت سے بغاوت کی گئی تھی، اس لئے اس گھرانے کو قتل کیا گیا وغیرہ۔

جب اُس نے اپنی تقریر کو ختم کیا تو بیڑیوں کو سنبھالتے ہوئے عابدؑ بیمار آگے بڑھے اور فرمایا:

"اَتَأذَنُ لِیْ اَنْ اَصْعَدَ هٰذِهِ الْاَ مْوَاد"

کیا مجھے اجازت ہے کہ میں اس طرح لکڑیوں کے بنے ہوئے اس منبر پر بیٹھ جاؤں؟ اُس نے منہ پھیر لیا، اہلِ دربار کھڑے ہو گئے اور کہا کہ اے امیر! اللہ کی قدرت ہے کہ علیؑ کا پوتا، منبر پر جانے کی خواہش کر رہا ہے اور تو منہ پھیرے، ایک زمانہ ہو گیا ہم نے اس گھرانے کی فصاحت نہیں سنی۔ تو اب امیر شام (یزید) مجبور ہو گیا اور کہا کہ جاؤ، مگر خبردار ہماری شان کے خلاف گفتگو نہ ہو۔

آپ کے بیمار امامؑ بیڑیاں تھامے ہوئے منبر پر گئے، یہ پہلا خطبہ ہے دنیا میں جس کو طوق و سلاسل پہنے ہوئے دیا، پہلا خطبہ دنیا کو جو طوق و سلاسل میں جکڑا ہوا اور جس نے حالتِ اسیری میں بھرے دربار میں خطبہ دیا اور خطبہ کو یوں شروع کیا۔ یہ وہ گھرانہ ہے جو ایسی حالت میں بھی حمدِ الٰہی کر رہا ہے۔ خطبہ شروع کیا:

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم. اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی جَدِّیْ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ یَامَعَاشِرَالنَّاسِ مَنْ عَرَفَنِیْ فَقَدْعَرَفَنِیْ وَمَنْ لَمْ یَعْرِفْنِیْ فَاَنَا اُعَرِّفُهٗ نَفْسِیْ اَنَاابْنُ مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰیؐ اَنَاابْنُ مَنْ اَسْرٰی لِعَبْدِهٖ لَیْلاً مِنَ الْمَسْجِدِالْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی اَنَاابْنُ اَوْحٰی عَلٰی عَبْدِهٖ مَااَوْحٰی".

(اس خطبے کا کچھ حصہ صحیفۂ کاملہ میں ہے)۔ "تمام تعریفیں اللہ ہی کیلئے زیب دیتی ہیں (شکر ہے اللہ کا) جو عالمین کا رب ہے، درودوسلام میرے جد سید المرسلینؐ پر (نہیں پہچانا تھا شام والوں نے، پہچاننا ضروری ہے اور اب فرماتے ہیں) اے لوگو! جنہوں نے مجھے پہچانا، وہ پہچانتے ہیں، "وَلَمْ یَعْرِفْنِیْ"، اور جو نہیں پہچانتا ہے تو میں پہچان کرواؤں گا، میں محمد مصطفےٰ کا بیٹا ہوں، میں اُس کا بیٹا ہوں جو صاحبِ معراج ہے، جو عرش پر اللہ کا مہمان تھا، میں اُس کا بیٹا ہوں جس پر اللہ نے وحی فرمائی، جو وحی فرمائی میں اُس کا بیٹا ہوں، جس کا تم کلمہ پڑھتے ہو، میں اُس کا بیٹا ہوں جس نے رکوع میں زکوٰۃ ادا کی، جس نے نماز پڑھی، جس نے حج کیے، جس نے لبیک کی آوازیں بلند کیں۔ یہ کہہ کر ابتدائی خطبے میں پوری معراج پر گفتگو فرمائی کہ وہاں کیا ہوا اور یہاں تک کہا کہ: "اَنَاابْنُ اَوْحٰی عَلٰی عَبْدِہٖ مَااَوْحٰی" کہ جس کی طرف اللہ نے وحی کی اور جو کچھ وہ وحی کرنا چاہتا تھا)، بس اس جملے تک آپؑ پہنچے تھے کہ دربار میں رونے کی آوازیں بلند ہوئیں، ہر طرف سے گریہ شروع ہوا اور سب سے زیادہ دردناک آواز میں تو جنابِ زینبؑ کے بین تھے۔ پھوپھی رو رہی تھیں، زینبؑ رو رہی تھیں، شہزادیاں رو رہی تھیں ــــــ پورے دربار میں رونے کا غل ہوا، یزید نے گھبرا کر کہا: مؤذن! اذان دے دے۔

مؤذن گیا اور کہا: اللہ اکبر۔ امامؑ نے خطبے کو روک دیا اور اتنا کہا کہ اس نام کیلئے تو ہم نے جان دی ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ "اَجَلُ وَاَعْلٰی"، ہے کبریائی صرف اُسی کیلئے۔ مؤذن اور آگے بڑھا اور کہا:

**"اَشْھَدُ اَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ"**

امامؑ نے کہا: میرا گوشت پوست، میری ہڈیاں گواہی دیتی ہیں کہ اُس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ جب مؤذن نے کہا:

**"اَشْھَدُاَنَّ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ"**

میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفیٰؐ اللہ کے رسولؐ ہیں تو اب امامؑ نے صرف اتنا کہا کہ اسی نام کی قسم! اے مؤذن! رُک جا، مؤذن رُک گیا۔ یزید کی طرف آپؑ نے مڑ کر پوچھا: اے یزید! یہ تیرے جد کا نام ہے کہ میرے جد کا نام ہے؟ یزید بولا کہ یہ واقعی آپؑ کے جد کا نام ہے۔ تو فرمایا: اے یزید ــــــ یہ کیسی بات ہے کہ اذان میں نام میرے جد کا لیا جائے اور اُس کی نواسی دربار میں رسن بستہ کھڑی ہوں؟

۞ ۞ ۞

# ہم آلِ محمدؐ کے گھرانے کے قیدی ہیں، لوگو! ہمیں پہچانو، یہ حسینؑ کی پیاری بیٹی سکینہؑ ہے، اس پر ظلم نہ کرو!

ساری کوشش اہلِ شام کی یہ تھی کہ شام والے نہ پہچانیں کہ یہ گھرانہ کون ہے؟ میں اُسی سلسلے میں ہوں، کل میں نے شہزادی کا خطبہ پڑھا تھا اور آج طبقاتِ ابن سعد سے اُس اہم روایت کو پڑھ رہا ہوں کہ جس کو سارے علمائے اسلام نے لکھا، یعنی فقط شیعہ علماء نے نہیں بلکہ سارے علماء نے لکھا ہے اور اُسی سلسلے میں ہے کہ حق کو پہچانو، شہزادی کا خطبہ تمام ہوا۔ کل کی تقریر کا سلسلہ، کوئی کنیز باہر نکل کر آئی، دربار میں رونے کا غل تھا اور ہر ایک یہی کہتا ہوا پایا گیا کہ علیؑ کی بیٹی ہے، فاطمہؑ کی بیٹی ہے، محمدؐ کی نواسی ہے، سے رونے کا غل شروع ہوا تو ایسے میں زنیر، شاہی مسخرہ دربار میں اُچھلتا ہوا، کودتا ہوا حاکم کے قریب آیا۔ یہ طبقاتِ ابن سعد کی روایت ہے کہ اُس نے حاکم کو خوش کرنے کیلئے پہلے قیدیوں کو دیکھا، پھر حاکم کو دیکھا اور اب ایک بچی کو دیکھا اور ایک مرتبہ اشارہ کر کے کہا:

"یَااَمِیْرُ هَبْ لِیْ هٰذِهِ الْجَارِيَةَ"

"اے امیر! اس بچی کو میری کنیزی میں دے دے"۔

کیا انقلابِ دہر ہے؟ کیا انقلابِ زمانہ ہے؟ روزگار یوں بدلتا ہے، کوئی یہ گھمنڈ نہ کرے کہ آج میں بہتر حالت میں ہوں۔ اس کا ہمیشہ خیال رہے:

"هَبْ لِیْ هٰذِهِ الْجَارِيَةَ"

"اس کو میری کنیزی میں دے دے"۔

تو اب وہ بچی گھبرا کے اپنی پھوپھی سے لپٹ گئی اور ایک مرتبہ بے اختیار چیخ کر کہا:

پھوپھی اماں! یتیم تو ہوگئی، اب کیا کنیز بھی بنائی جاؤں گی؟

پھوپھی نے بچی کو سہارا دیا اور ایک مرتبہ اس شخص کی طرف اشارہ کر کے کہا: خدا تیرے اس ہاتھ کو قطع کرے جس ہاتھ سے تو نے میری طرف اشارہ کیا ہے۔ تجھے نہیں معلوم کہ ہم کون ہیں؟ اب جو شہزادی کو جلال آگیا، اس عالم میں وہ شخص عابدؑ بیمار کی طرف متوجہ ہوا اور کہا:

"مِنْ اَیِّ الْاُسَارٰی اَنْتُمْ"

"تم کس گھرانے کے قیدی ہو؟"

### ''نَحْنُ اُسَارٰی آلِ مُحَمَّدٍ''

''ہم آلِ محمدؐ کے گھرانے کے قیدی ہیں''۔

اُس نے کہا: تم لوگ آلِ محمدؐ ہو؟ تمہارا نام کیا ہے؟ کہا: علیؑ۔ کہا: تمہارے باپ کا نام؟ کہا: حسینؑ۔ اُس نے کہا حسینؑ؟ حسینؑ، فاطمہ زہراؑ کا بیٹا؟ کہا: ہاں، وہی حسینؑ، فاطمہؑ کا بیٹا۔ کہا: وہ بچی کون ہے جس کی طرف میں نے اشارہ کیا تھا؟ وہ بچی کون ہے؟

اب عابدِؑ بیمار رونے لگے: کہا، وہ بچی حسینؑ کی پیاری سکینہؑ ہے۔ بس اتنا سننا تھا کہ اب اُس نے پہچانا حق، اپنی کمر سے اُس نے خنجر کو کھینچا اور کہنی سے اُس ہاتھ کو، جس سے اشارہ کیا تھا، کاٹا اور کٹے ہوئے ہاتھ کو بیمارؑ کے قدموں پر پھینکا اور عرض کرنے لگا: فرزندِ رسولؐ! میں نہیں جانتا تھا کہ محمدؐ کا گھرانا قیدی ہے۔

۞ ۞ ۞

# دربارِ یزید میں یزید کا سکینہؑ سے امتحان لینا اورسرِ حسینؑ کا اپنی یتیم بیٹیؑ کے پاس جانا

دوہری طوق پہنی، بیڑیاں پہنیں اور ساربان بن کے چلے، ماں بہنوں اور باعظمت پھوپھی کو اسیر دیکھا اور راستے بھر اگر کبھی اُنؑ کی پھوپھی نے یہ کہا بھی کہ عابدؑ بیمار! کیا میں بددعا کروں؟ تو بے اختیار کہا: پھوپھی اماں! ذرا بابا کے سر کو دیکھئے، بابا کا سر آپؑ کو دیکھ رہا ہے۔ عجیب بات ہے، میں جس کو سمجھاؤں اور سمجھ جائیں تو یہ میری زندگی کا حاصل ہے۔ وہ یہ کہ اب تک بدر کی ہیبت تھی، اُحد کی ہیبت تھی، خندق کی ہیبت تھی، خیبر میں ہیبت تھی، جمل میں ہیبت تھی، صفین میں ہیبت تھی، نہروان میں ہیبت تھی، مگر کربلا کے بعد اسیری میں ہیبت ہے، صبر میں ہیبت ہے، طوق پہننے میں ہیبت ہے، زنجیروں کے سنبھالنے میں ہیبت ہے۔ راستے والے پریشان ہیں کہ یہ عظیم گھرانہ ہے۔

ایک بیمارؑ ہے، قیدی ہے، تازیانہ کھائے جاتا ہے اور کہتا ہے: ارے خدا کیلئے، مجھے نہ مارو، میں نے کچھ نہیں کیا۔ مگر صبر پر صبر کئے جارہا ہے۔ صبر کی ہیبت یعنی اُس ہیبت کو پیدا کیا عابدؑ بیمار نے ___ عابدؑ بیمار نے اُس ہیبت کو پیدا کیا کہ اُس ہیبت کا انجام آپ کو معلوم ہے۔

امام زین العابدین علیہ السلام بیڑیاں پہنے منبر پر گئے، خطبہ دیا، خطبہ ختم کیا، مؤذن کو روکا اور حضرت محمد مصطفیٰ کی قسم دی اور اُس کے بعد کہا: کیوں یزید! یہ جو نام لیا، یہ نام تیرے جد کا تھا یا میرے جد کا ہے؟ جب اُس نے اقرار کیا کہ یہ آپؑ کے جد کا نام ہے تو پھر آپؑ نے فرمایا: یہ جو ابھی نام لیا گیا، اے اہلِ دربار! اسی کا تم کلمہ پڑھتے ہو، یہ اُس کی نواسیاں ہیں۔ سیدانیوں میں رونے کا غل ہوا اور ایک مرتبہ یزید گھبرا گیا۔ دیکھئے! انتقام نہیں لیا، عذابِ الٰہی نہیں آیا، آسمان پھٹ نہیں پڑا، زمین شق نہیں ہوئی مگر ایک مرتبہ دربار کا رنگ بدلا اور آپس میں ایک دوسرے سے کہتا چلا: ارے یہ تو بالکل علیؑ کی آواز ہے، یہ بالکل علیؑ کے خطبے کی شان ہے، یہ علیؑ کا پوتا بول رہا ہے، یہ حسینؑ کا بیٹا ہے۔

غضب کیا یزید نے، اور ایسے موقعہ پر ایک بوڑھا اپنی کرسی سے اُٹھا اور کہا: اے امیر! میں نصرانی ہوں، میرا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، کہا: اے یزید! کیا تیری اجازت ہے کہ میں اس سر کو اُٹھاؤں؟ کہا: ہاں، اُٹھالے۔ سر کو اُٹھایا، سر کی پیشانی پر اپنی پیشانی کو رکھا اور کہا: اے محمدؐ کے نواسے! گواہ رہنا:

"اَشْهَدُاَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ"

"میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد اللہ کے رسولؐ ہیں"۔

یہ کہتا ہوا اپنی پیشانی سرِ حسینؑ پر رکھ دی۔ ایسے موقعہ پر ایک ایسی صاحبزادی جن کو باپ بڑا عزیز تھا، یکایک یہ خیال آیا کہ یہ بوڑھا ضعیف شخص تو سر کو گود میں لیتا ہے، میں بھی گود میں لے لوں تو آگے بڑھ کر بچی نے کہا: اے یزید! میں بھی اپنے باپ کو پیار کروں، اگر تیری اجازت ہو تو میں بھی اپنے باپ کا سر گود میں لے لوں؟ تو اب دیکھئے مقامِ رعب، مقامِ جلال، مقامِ عزت واحترام! اُس نے کہا: سکینہؑ!

تمہارا باپ تو امامت کا دعویٰ کرتا تھا (سکینہؑ نے امامت اور اپنی حجت کی تصدیق کروادی۔ قیدی بچی نے حجت پیش کی اور سرِ حسینؑ گود میں آیا)۔ تم سر پدر کو مانگ رہی ہو، اگر امامت کا دعویٰ صحیح ہے تو کہہ دو نا کہ وہ آجائے تمہاری گود میں ____ بس اتنا سننا تھا کہ وہ بچی رونے لگی۔ اب اپنے پھٹے ہوئے دامن کو پھیلا کر کہا: بابا! یزید میری محبت کا امتحان کر رہا ہے، آجاؤ بابا۔ ایک مرتبہ سرِ حسینؑ بلند ہوا اور اپنی پیاری بیٹی سکینہؑ کی گود میں آیا ____

۞ ۞ ۞

# راوی کھتا ھے کہ جب شامِ غریباں ھو چکی تو میں نے ان لاشوں میں ایک بی بی کو روتے اور ماتم کرتے ھوئے دیکھا۔وہ کبھی کسی لاش پر جاکر بین کرتی اورکبھی کسی پر ماتم کرتی تھی۔

حسینؑ کا سجدۂ آخر ہے، حسینؑ ابن علیؑ کا سجدۂ آخر ہے اور ظاہر ہے کہ حکومت مستبد ہے، جابر ہے، ظالم ہے مگر مقابل میں ایک سجدہ اور ایک دعا، لشکر کے مقابل میں ایک سجدہ، اُس کی بزرگی اور جلالت کے مقابل میں ایک دعا____ تاریخ لشکر کو تو نہ رکھ سکی، دعا رہ گئی اور وہ دعا یہ تھی، چھوٹی سی دعا، کبھی اس پر گفتگو ہوگی، اگر حیاتِ مستعار ساتھ دے، دعا یہ تھی:

رِضاً بِقَضَائِکَ وَصَبْرًا عَلٰی بَلَائِکَ وَتَسْلِیماً لِاَمْرِکَ.

''میں تیری قضا پر راضی ہوں، میں تیرے امتحان میں صابر ہوں، میں تیرے حکم کے آگے سر کو جھکا رہا ہوں، اے معبود! تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے)''۔

''یَاغِیَاثَ الْمُسْتَغِیثِیْنَ''

''اے بے پناہوں کو پناہ دینے والے!''

اب دعا کا ٹکڑا سنئیں، یہ حسینؑ ابن علیؑ کی دعا ہے اور وقتِ آخر کی دعا ہے اور اُس کے بعد دل بتائے گا کہ وہ دعا قبول ہوئی یا نہیں!

''اِلٰھِی قَدْ وَفَیْتُ بِعَھْدِیْ اُوْفِ بِعَھْدِکَ''

''میرے معبود! پروردگار! میں نے تو اپنے وعدے کو پورا کیا، اور اب تو اپنے وعدے کو پورا فرما''۔

وہ وعدہ پورا ہوا یا نہیں؟ آپ جانتے ہیں کہ ہوا، پورا ہوا۔ یہ وعدے کا ہی پورا ہونا ہے کہ یہ مجلس ہے، یہ آپ ہیں، یہ عزاخانہ ہے، یہ امام بارگاہیں ہیں اور یہی وفائے عہد ہے کہ بے سروسامانی کے عالم میں اتنی عظیم عمارتیں بن جاتی ہیں جس میں یقیناً آپ اور آپ کے گھر والے، آپ کے بچے، بہنیں، بیٹیاں، مائیں فراخدلی سے حصہ لیتی ہیں۔ یہ وفائے عہد ہے، یہ کسی تنہا آدمی کا کام نہیں ہے کہ ایسی منزل کو آپ کیلئے معین کردے کہ اگر دنیا کسی حال میں ہو، مگر یہ ذکر تو جاری رہے گا۔

''قَدْ وَفَیْتُ بِعَھْدِیْ اُوْفِ بِعَھْدِکَ''

دعائے حسینؑ ختم ہوئی، تھوڑی دیر آپ میرے ساتھ چلیں، راوی کہتا ہے کہ میں نے اپنے کانوں سے فرزندِ رسولؐ کی اس دعا کو سنا

اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ فرزندرسولؐ کا سر نوکِ نیزہ پر ہے ___ میں نے یہ بھی دیکھا اور اس کے بعد میں دیکھا کہ کربلا کے میدان میں شام ہوئی، شام ہوئی ___ راوی کہتا ہے کہ مجھے کسی غرض سے اپنے خیمے سے نہر تک جانا تھا، مقتل کو عبور کر کے، جب ایک مقام پر پہنچا تو نہ بھولوں گا، خدا کی قسم! کہ لاشوں کے درمیان میں نے ایک بی بیؑ کو پایا، کبھی اُس لاشے پر جاتیں، کبھی اِس لاشے پر جاتیں، کبھی نہر پر جاتیں اور کبھی آسمان کی طرف دیکھتیں اور کہتی تھیں: پروردگار! کیا اسی لئے بچوں کو چکی پیس پیس کر پالا تھا؟

۞ ۞ ۞

# نانا!ہم اُجڑکر آپ کے مدینے واپس آگئے اب ہمارا کوئی نہیں رہا،ہم جئیں تو کس کیلئے جئیں؟

یہ میرے جملے نہیں ہیں، ثانیِ زہراؑ آتی ہیں مقتل میں، جنابِ زینبؑ آتی ہیں مقتل میں اور عصرِ عاشور آتی ہیں۔ شام ہو چکی تھی اور بھائی کا سر نوکِ نیزہ پر تھا۔ آئیں اور آ کے ایک مرتبہ دیکھا کہ بھائی کا جسم بغیر سر کے ہے تو جسم کو دیکھ کر رُخ مدینے کی طرف کیا، یہ حیاتِ رسولؐ ہے، اور کہا:

''اَلسَّلامُ عَلَیْکَ یَاجَدَّاہُ''.

''نانا! دکھیاری زینبؑ کا سلام قبول ہو، نانا!''

''ھٰذَ حُسَیْنُکَ مُرَمَّلُ بِدِمَائِہٖ صَلّٰ عَلَیْکَ مَلَیْکُ السَّمَاء''.

''نانا! آپؐ پر آسمان کے فرشتوں نے درود بھیجا تھا، نانا! آپ کی نماز میں تو فرشتے شریک ہوتے تھے۔ یہ آپ کا نواسہ ہے جو اپنے خون میں جلتی ریت پر سویا ہوا ہے''۔

آپ نے دیکھا کہ وہ یاد آئے گا، ہر وقت یاد آئے گا، دل تو چاہتا تھا کہ ایک اور سانحے کو شامل کیا جائے اور بتلایا جائے لیکن اُس کو کل کیلئے چھوڑتے ہوئے کہ پھر آلِ رسولؐ نے کہاں یاد کیا___ کہاں یاد کیا؟ عابدؑ بیمار نے یاد کیا جس کے عزاخانے میں آپ تشریف فرما ہیں۔ اُس نے اپنے جد کو یاد کیا تو کربلا میں___ عصرِ عاشور پہنچیں اور کہا: نانا! میرا سلام قبول ہو۔ یہ آپ کا نواسہ حسینؑ ہے۔ جب لٹ کر مدینہ آئیں تو دونوں ہاتھوں سے ضریح کو تھام کر کہا: نانا! زینبؑ واپس آ گئی، زینبؑ کا سلام قبول ہو۔

✡ ✡ ✡

# ایک راھب کا بیان

جنابِ سیدہؑ فرماتی ہیں کہ جب بابا چھوٹے نواسے کو پیار کرتے تو دونوں ہاتھوں سے سر کو تھامتے اور اپنا دہن اقدس، دہن حسینؑ پر رکھ دیتے۔ اس سر کی اتنی قدر تھی مگر اس کے بعد یہ سر نیزے پر آیا۔ یہ سر تنور میں رکھا گیا، یہ سر درختوں کی شاخوں سے باندھا گیا، یہ سر فصیلِ کوفہ سے لٹکایا گیا، یہ سر دَیرِ راہب میں رکھا گیا صندوق میں بند کر کے۔ راہب قسم کھا کر بیان کرتا ہے کہ رات پُرخطر تھی اور لشکر یزید نے یہ سمجھا کہ کوئی حملہ کر کے شب خون مار کے اِن سروں کو چھین لے جائے گا۔ اِس لئے ہمارے دَیر میں لا کر انہوں نے صندوقوں میں یہ سر رکھ دیئے اور قیدیوں کو باہر رکھا۔ راہب کہتا ہے کہ کچھ دیر نہ گزری، میں نے دَیر کے دروازے کو بند کیا، دیکھا کہ آسمان سے عماریاں اُتریں اور ایک بی بیؑ کو دیکھا، سر کے بال کھلے ہوئے تھے اور پکارتی ہوئی آئیں: میرا حسینؑ ___ میرا حسینؑ ___ میرا حسینؑ۔

☆ ☆ ☆

# اصغرؑ کو لحد میں رکھ کے کہتے تھے حسینؑ آرام کرو بس یہی گھوارہ ہے۔

حمید ابن مسلم نے کچھ لکھا، کوفے کے لشکریوں نے کچھ لکھا، کوفے کے لشکریوں، قاتلوں نے کچھ بیان کیا، شام کے مؤرخین نے کچھ لکھا، مگر بہتر طریقہ پر اندازہ اُس وقت ہوا جب حضرت مختار ایک ایک قاتل کو پکڑتے جا رہے تھے اور پوچھتے جا رہے تھے کہ بتا تو نے کیا کیا؟ اُس وقت اندازہ ہوا کہ کیسے ظلم ہوئے۔ ایسے میں ایک خبر مشہور ہوئی کہ مختار بدلہ لے رہے ہیں۔ اصل میں بدلہ تو کوئی کیا لے گا، وہ ذکر موتو رہے، وقت نہیں اس پر بحث کا، مگر ہاں، امامِ زمانہ علیہ السلام بدلہ لیں گے، اُنؑ کا انتظار ہے، چن چن کر خبر لیں گے۔

بعد واقعہ کربلا نامہ بر پہنچا مدینے سید الساجدین علیہ السلام کی خدمت میں، امامؑ نے فرمایا: کیا حال ہے، مختار کا؟

عرض کیا: مختار آپؑ کے پدرِ گرامی کے دشمنوں کو چن چن کر قتل کر رہے ہیں اور مختلف قاتلوں کے نام لئے۔ امامؑ نے پوچھا: کیا حُرملہ گرفتار ہوا؟ اُس نے ہاتھوں کو جوڑ کر عرض کیا: فرزندِ رسولؐ! کیا بات ہے کہ آپؑ نے اس قاتل کا خاص طور پر نام لیا؟ آپؑ نے علی اکبرؑ کے قاتل کا نام نہیں لیا، آپؑ نے جنابِ عباسؑ کے قاتل کا نام نہیں لیا، آپؑ نے پدرِ گرامی کے قاتل کا نام نہیں لیا؟

آپؑ نے ارشاد فرمایا: ارے حرملہ نے جو تیر چلایا، فقط وہ بچے کے گلے کو نہیں، آلِ محمدؐ کے دلوں کو چیرتا ہوا گزر گیا۔

وہ واپس ہوا، کوفہ آیا اور دربار میں اُس دن پہنچا جس دن اعلان ہوا کہ حرملہ آ گیا ____ اُس نے کہا: ''اللہ اکبر''۔

مختار نے کہا: اللہ تو کبریائی ہی کیلئے ہے مگر بتا یہ کونسا محلِ تکبیر ہے؟ اُس نے کہا: اے امیر! میں مدینے سے آ رہا ہوں، میرے امامؑ نے پوچھا تھا کہ کیا حرملہ گرفتار نہیں ہوا؟ وہ آ گیا۔ یہ سننا تھا کہ مختار کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے۔ قاتل سامنے آیا، آپ نے پوچھا: حرملہ! بتا تو نے کربلا میں کیا کیا؟ حرملہ نے کہا: امیر! درگزر کر، جو سزا تجویز کرنی ہو، کر دے مگر تفصیل مت پوچھ۔ کہا: نہیں بتا۔

اُس نے کہا: امیر! مجھے معاف کر، اس لئے کہ بہت بڑا ظلم ہوا ہے۔ مختار نے کہا: ہم سننا چاہتے ہیں۔ حرملہ نے کہا: امیر! میرے ترکش میں سات تیر تھے، چار تیر نشانے پر نہ لگے۔ تین تیر نشانے پر لگے، پہلا تیر مشکِ سکینہؑ پر، دوسرا تیر حسینؑ ابن علیؑ کے سینہ پر جب حسینؑ پشتِ ذوالجناح پر جھول رہے تھے اور یہ کہہ کر حرملہ نے سر کو جھکا لیا۔

مختار نے کہا: تیسرا تیر؟

مختار نے مزید اصرار کیا: کہا: امیر! حسینؑ چھوٹے سے بچے کو لے کر آئے اور وہ بچے کیلئے پانی مانگ رہے تھے۔ عمر بن سعد نے کہا: اُن کی زبان کو قطع کر دے۔ حرملہ نے کہا: میں نے تیر مارا بچے کو۔ مختار نے پوچھا: پھر کیا ہوا؟

کہا: امیر! بچہ باپ کے ہاتھوں پر اُلٹ گیا۔

## آخری منزل شام کی تھی،قاصد نے کہا:اے امیر! قیدی آگئے ،ظالم نے جواب دیا:ابھی ان کو روکے رکھو کہ لوگ جشن منانے کی تیاریاں کرلیں،شہرپوری طرح سج جائے۔

بتیس (۳۲) منزلیں ہیں کوفے سے شام تک ____ سولہ (۱۶) دن میں طے ہوا یہ سفر، دو دو منزلیں ایک ایک دن میں، جلدی چلو، جلدی چلو، حاکم کی خوشی ہے، کہیں راستے میں کوئی شب خون نہ مارے، جلدی چلو، کہیں راستے میں کوئی حملہ نہ کردے۔ جلدی چلو، کہیں راستے میں سرِ حسینؑ کو نہ چھین لے، بڑھاؤ ناقوں کو، ناقوں پر بیبیاں اپنے دودھ پیتے بچوں کو سینے سے لگائے، یا علیؑ، یا علیؑ کہتے ہوئے سنبھل رہی ہیں اور بچے ماؤں کی گودوں میں اُچھل اُچھل کر گر رہے ہیں۔ کوفے سے شام تک کے راستے میں چالیس چھوٹی چھوٹی قبریں بن گئیں۔ قافلہ تیزی سے چلتا، بچہ اُچھل کر گرتا اور وہیں اُس کا دم نکل جاتا۔ ماں کو اجازت نہ تھی کہ رُکے اور دفن کرے، قافلہ گزر گیا اور کلیجوں کے ٹکڑے جنگل میں رہ گئے۔

اٹھائیسویں کی شام تھی کہ اہلِ بیتؑ سوادِ شام میں پہنچے، جہاں سے ملک شام کی عمارتیں نظر آرہی تھیں۔ جا کر ایک نامہ بر نے کہا: امیر! قیدی آگئے، سرِ حسینؑ آگیا۔ اُس نے وزراء سے مشورہ لیا کہ کیا کیا جائے؟ لوگوں نے کہا: یزید! جب بڑے گھر کے قیدی آتے ہیں تو دربار سجایا جاتا ہے، شہر سجایا جاتا ہے، ملک میں آئینہ بندی ہوتی ہے، عید منائی جاتی ہے، اتنا موقعہ دیا جاتا ہے کہ لوگ لباسِ فاخرہ بنالیں اور جب ایسے مشہور گھرانے کے قیدی آئیں جس سے مشہور کوئی گھرانہ نہیں تو یقیناً ہم کو اے امیر! چودہ دن دے۔ جواب دیا: ناممکن، درباریوں نے کہا: سات دن۔ کہا: یہ بھی ناممکن، کسی نے کہا: اچھا تین دن کی اجازت دے۔ کہا: منظور۔ چنانچہ دن تین دن تک بازار سجتا رہا، شہر کی آئینہ بندی ہوتی رہی، لوگوں کے لباس بدلتے رہے اور رسولؐ کی بیٹیاں شہر سے باہر کھڑی رہیں۔

۞ ۞ ۞

# اے یزید! اذان میں جس ہستی کا نام لیا جارہا ہے، اُس کی نواسیاں قید ہوکر تیرے سامنے کھڑی ہیں۔

جابر بادشاہ کا دربار ہے اور اُس بادشاہ کے مقابل بیکسوں کا لٹا ہوا قافلہ، اور اُس کے سامنے مولائے زمانؑ یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے کہ اگر تیری اجازت ہو تو میں ان لکڑیوں (منبر کی طرف آپؑ کا اشارہ تھا) پر چڑھ جاؤں، اجازت ملی تو آپؑ نے فرمایا: یہ وہ گھرانہ ہے جو مسلسل مصائب کے بعد حمدِ الٰہی کر رہا ہے:

”بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم. وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى جَدِّىۡ سَيِّدِالۡمُرۡسَلِيۡنَ يَامَعَاشَرَالنَّاسِ مَنۡ عَرَفَنِىۡ فَقَدۡعَرَفَنِىۡ وَلَمۡ يَعۡرِفۡنِىۡ فَاَنَااُعَرِّفُهٗ نَفۡسِىۡ اَنَاابۡنُ مَكَّةَ وَمِنٰى اَنَاابۡنُ مُحَمَّدِنِ الۡمُصۡطَفٰى اَنَا ابۡنُ مَنۡ لَايَخۡفٰى فَاسۡتَعۡلٰى فَجَازَسِدۡرَةَ الۡمُنۡتَهٰى وَ كَانَ مِنۡ رَّبِّهٖ قَابَ قَوۡسَيۡنِ اَوۡاَدۡنٰى اَنَاابۡنُ مَنۡ صَلَّ الۡمَلَائِكَةُ السَّمَاءَ مَثۡنٰى مَثۡنٰى اَنَاابۡنُ مَنۡ اُسۡرِىَ بِهٖ مِنَ الۡمَسۡجِدِالۡحَرَامِ اَلَى الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصٰى اَنَا ابۡنُ عَلِيِّ نِ الۡمُرۡتَضٰى اَنَاابۡنُ فَاطِمَةَ الزَّهۡرَاءِ اَنَا ابۡنُ خَدِيۡجَةَ الۡكُبۡرٰى اَنَاابۡنُ الۡمُقۡتُوۡلُ ظُلۡمَاءَ اَنَا ابۡنُ الۡمَجۡرُوۡرِالرَّاسِ مِنَ الۡقَفَاءِ اَنَاابۡنُ الۡعَطۡشَانُ حَتّٰى قَضٰى اَنَاابۡنُ الۡمَسۡلُوۡبُ الۡعِمَامَةِ وَالرِّدَاءِ اَنَاابۡنُ طَرِيۡحِ كَرۡبَلَا اَنَاابۡنُ مَنۡ بَكَتۡ عَلَيۡهِ مَلَائِكَةُ السَّمَاءِ“.

”تمام تر حمد وثناء تمام عالمین کے پروردگار کیلئے زیبا ہیں اور درود وسلام میرے جدِ امجد سیدؐ المرسلین پر۔ اے گروہِ انسان! جو مجھے پہچانتا ہے، وہ تو پہچانتا ہی ہے اور جو نہیں پہچانتا، وہ پہچان لے کہ مکہ ومنیٰ کا بیٹا ہوں (سارے علماء نے لکھا ہے، کوئی پوچھے کہ یہ فرزندِ مکہ ومنیٰ کے کیا معنی؟) میں محمدؐ کا بیٹا ہوں، میں اُس کا بیٹا ہوں جو پوشیدہ نہیں ہے، میں اُس کا بیٹا ہوں جو ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ سدرۃ المنتہیٰ سے بھی آگے بڑھ گیا، میں اُس کا فرزند ہوں جس کے پیچھے (شبِ معراج) عرش پر ملائکہ نے دو دو رکعت نماز پڑھی، میں اُس کا فرزند ہوں جس کو مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے جایا گیا، میں فرزندِ علی المرتضیٰ ہوں، میں فرزند فاطمہ زہراؑ ہوں، میں خدیجۃ الکبریٰ کا فرزند ہوں، میں اُس کا بیٹا ہوں جس کو ظلم سے قتل کیا گیا، میں اُس کا فرزند ہوں جس کو پس گردن سے ذبح کیا گیا، میں اُس کا فرزند ہوں جو زندگی کے آخری لمحات تک پیاسا رہا، میں اُس کا فرزند ہوں جس کا عمامہ وردا لوٹا گیا، میں اُس کا فرزند ہوں جو کربلا کی جلتی ریت پر خاک وخون میں غلطیدہ پڑا ہوا تھا،

میں اُس کا فرزند ہوں جس پر ملائکہ آسمان نے گریہ کیا''۔

یہ سن کر دربار میں رونے کا غل اُٹھا، سیدانیوں نے رونا شروع کیا، یزید ملعون نے مؤذن سے کہا کہ اذان دے دے اور روک دے اس آواز کو۔ مؤذن نے کہا:

''اَشْهَدُ اَنْ لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰه''.

میرے مظلوم امامؑ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ مؤذن نے کہا:

''اَشْهَدُاَنَّ مُحَمَّدًارَّسُوْلُ اللّٰهِ''

مقتل کے الفاظ یہ ہیں کہ امامؑ نے اپنے سر اقدس سے عمامے کو گرا دیا اور بے اختیار فرمایا: مؤذن! تجھے اسی نام کی قسم، رُک جا ___ مؤذن رکا ___ تو آپؑ متوجہ ہوئے یزید کی طرف اور فرمایا: یزید! بتا یہ تیرے جد کا نام ہے یا میرے جد کا؟

یزید نے کہا: آپؑ کے جد کا نام ہے۔ فرمایا: کیوں یزید، میرے جد کا نام تو اذان میں کہے اور اُسی کی نواسیاں بے پردہ کھڑی ہیں؟

✿ ✿ ✿

## جب شام کے قریب قافلہ پہنچا، سیدِ سجادؑ پا پیادہ تھے زنجیروں کو تھامے ہوئے، قافلہ آگے بڑھ رہا تھا، لوگو! ہمارا تماشہ نہ دیکھو، ہم آلِ محمدؐ ہیں۔

امامؑ مظلوم رخصت کیلئے آئے اور عابدؑ بیمار کو بیہوش پایا، واپس آئے اور بہن سے یہ کہا: میر انیس نے اس مقام پر کہا:

کہنا عابدؑ سے یہ پیغام میرا بعد سلام
غش تھے تم، پھر گئے دروازے تلک آکے امامؑ
قید میں پھنس کے نہ گھبرائیو تم اے گلفام
کاٹیو صبرورضا سے سفر کوفہ و شام
ناؤ منجدھار میں ہے شورِ تلاطم جانو
ناخدا جاتا ہے گھر جانے، بس اب تم جانو

مسلمانوں کے مؤرخ طبقات ابن سعد، ابن سعد کو بڑا وقار حاصل ہے، اکثر موقعوں پر اس کا بار بار ذکر کیا جاتا ہے، یہ بڑی ضخیم کتاب ہے، اس میں ذکر کیا گیا ہے، صحابہ پر، تابعین، تبع تابعین پر اور مختلف طبقات پر ذکر کرتے ہوئے جب عابدؑ بیمار پر پہنچے تو انہوں نے ذکر کیا ہے، لکھا ہے کہ جب شام کے قریب قافلہ پہنچا اور امامِ مظلوم پا پیادہ تھے، زنجیروں کو تھامے ہوئے تھے، قافلہ آگے بڑھ رہا تھا تو، یہ طبقات کی روایت ہے، بڑے شوق سے آپ دیکھیں، ہم مقتل میں بڑے محتاط ہیں، جب کبھی مقتل پڑھیں گے، بڑے احتیاط سے پڑھیں گے۔ مسجد سے ایک بوڑھا شوروغل کی آواز سن کر گھبرا کر باہر آیا اور قرآن مجید پڑھتا ہوا باہر آیا تو دیکھا کہ بڑا شوروغل ہے۔ دیکھا کہ ایک قافلہ آرہا ہے، کسی سے پوچھا کہ یہ قافلہ کیسا ہے؟

بتایا گیا کہ یہ قافلہ وہ ہے جس نے بادشاہِ وقت کے خلاف خروج کر دیا تھا۔ اُس کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اُس کے بچوں کو قیدی بنایا گیا ہے۔ وہ بوڑھا سیدِ سجاد علیہ السلام کے قریب پہنچا اور کہنے لگا:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ذَلَّلَکُمْ".

"اُس اللہ کا شکر ہے جس نے تم کو رسوا کر دیا"۔

امامؑ نے فرمایا: کیا کہہ رہا ہے؟ بوڑھے نے کہا: آپؑ نے بادشاہِ وقت کے خلاف بغاوت کی۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: تو نے قرآن مجید کی تلاوت کی ہے؟ اُس نے کہا: ہاں، میں ابھی قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا۔ امامؑ نے فرمایا: تو نے شوریٰ میں اس آیت کی تلاوت

کی ہے:

'قُلْ لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی'

کہا: ہاں ــــــ فرمایا: تو نے سورۂ احزاب میں آیۂ تطہیر کی تلاوت کی ہے؟ کہا: ہاں۔ آپؑ نے فرمایا: تو نے آیۂ مباہلہ (آلِ عمران: 61) کی تلاوت کی؟ اُس نے کہا: ہاں، مگر ان آیتوں کا آپؑ سے کیا تعلق ہے؟ یہ آیتیں تو آلِ محمدؐ کے لئے ہیں۔ آپؑ نے فرمایا:

"نَحْنُ آلُ مُحَمَّدٍ"

"ہم ہی آلِ محمدؐ ہیں"۔

اب وہ گھبرایا، کہنے لگا: قسم کھاؤ کہ تم آلِ محمدؐ ہو؟ آپؑ نے فرمایا:

"وَاللّٰہِ نَحْنُ ھُمْ".

"اللہ کی قسم! ہم وہی ہیں یعنی آلِ محمدؐ ہم ہی ہیں"۔

اُس نے کہا: نام کیا ہے؟ فرمایا: علیؑ۔ کہا: والد کا نام؟ فرمایا: حسینؑ۔ کہا: حسینؑ؟ فاطمہؑ کا بیٹا؟ فرمایا: ہاں۔ ہائے یہ انقلاب آیا کہ محمدؐ کا لختِ جگر قتل ہوگیا۔ یہاں تک تو طبقات کی روایت تھی، اس کے بعد اُس نے کہا: فرزندِ رسولؐ! یہ ناقوں پر کون ہیں؟ فرمایا: یہ نبی کی بیٹیاں ہیں۔ اُس نے عرض کیا: فرزندِ رسولؐ! میں بہت بوڑھا ہوگیا ہوں۔ میں لڑ نہیں سکتا، لیکن مولاؑ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں ان ناقوں کے سامنے لیٹ جاؤں تاکہ یہ ناقے مجھے کچلتے ہوئے گزر جائیں اور قیامت کے دن میں اللہ کے رسولؐ سے یہ کہہ سکوں کہ میں نے آپ کی نواسی کو بے پردہ نہیں دیکھا۔

۞ ۞ ۞

# امامِ سجادؑ پینتیس سال واقعۂ کربلا کے بعد زندہ رہے، پوچھنے پرکہ آپؑ کو سب سے زیادہ تکلیف کہاں ہوئی فرمایا: شام، شام، شام۔

نام محمدؐ احترام چاہتا ہے، محمدؐ کا گھرانہ احترام چاہتا ہے۔ اتنا تاریخ کہہ دے کہ واقعہ غلط ــــــ یہ واقعہ ہوا ہی نہیں اور اگر ایسا واقعہ ہوا ہے تو نبی کی نواسی لائی گئی ہے بازار میں، تو اس سے بڑھ کر کوئی اور ظلم ہے کوئی اور ناحق پرستی کا مظاہرہ ہے۔

آپؑ کے چوتھے مظلوم امامؑ فرماتے ہیں:

''اُقَادُ ذَلِیْلاً فِیْ دَمِشْقٍ کَاَنَّنِیْ مِنَ الزَّنْجِ عَبْدٌ غَابَ عَنْہُ نَصِیْر''.

''ہم کو اس طرح ذلیل کر کے دمشق میں لے جایا گیا کہ جیسے غلامانِ ترک و روم کو لے جاتے تھے اور ان کا کوئی مددگار نہ تھا''۔

اِس کے بعد فرماتے ہیں:

''اَقْبَلُوْنَا بِجِبَالٍ فَارْبَقُوْنَا فِیْھَا مِثْلُ الْاَغْنَامِ''.

کچھ رسیاں لائی گئیں اور ہم کو بھیڑ بکریوں کی طرح باندھ دیا گیا۔

مجھے دو واقعات یاد ہیں تاریخ اسلام کے، جنگِ جمل کے بعد مروان بن حکم قید ہوگیا، امام حسن علیہ السلام نے سفارش کی، امیر المؤمنین علیہ السلام نے کہا: اس کے بندھے ہوئے ہاتھ کھول دو، اب وہ میرے سامنے ہے۔ مروان کے بندھے ہوئے ہاتھ کھول دیئے گئے۔ دوسرا واقعہ انیسویں ماہِ رمضان 40 ہجری کی صبح، ابن ملجم کو لایا گیا، امیر المؤمنین علیہ السلام نے غش سے آنکھیں کھولیں، فرمایا کہ اے ابن ملجم! کیا میں تیرا اچھا امامؑ نہیں تھا؟ پھر فرمایا: اس کے ہاتھ کھول دو، ہاتھ نہ باندھو۔

قاتل اور ظالم کے تو ہاتھ کھول دیئے جائیں اور ــــــ

ہمارے چوتھے امامؑ فرماتے ہیں: ہم جیسے ہی ناقوں سے اُترے تو ہمیں طوق و رسن سے جکڑ دیا گیا، کسی کا گلا، کسی کا بازو، اس طرح سے رسیاں باندھی گئیں، اسیر ہوں آلِ نبیؐ، اسیر ہوں آلِ رسولؐ ــــــ

کیا تاریخ اسلام بھلا دے گی اس واقعے کو؟ اسیر ہو کر آئے ہیں، اللہ، قیامت کی اسیری ہے، کوئی عابدِؑ بیمار کے دل سے پوچھے، ہوگئی گفتگو، عابدِؑ بیمار واقعہ کربلا کے بعد پینتیس سال زندہ رہے، جب کبھی آپؑ سے پوچھا گیا: آپؑ پر مصیبت کہاں زیادہ گزری؟ تو آپؑ ہمیشہ فرماتے تھے: ''اَلشَّام، اَلشَّام، اَلشَّام''.

# اور جب قیدی یزید کے سامنے لائے گئے، سینکڑوں کرسی نشین شراب میں مست ہو کرمحوِ تماشا ہیں، ہزاروں لوگ خوشیوں کے جشن منا رہے ہیں، ہائے قسمت! زہرؑا کی بیٹیاں بے پردہ ہیں۔

محدث کاشانی نے لکھا، سید نے لکھا، کفعمی نے لکھا کہ غرۂ صفر داخلہ دربار سے سرِ حسینؑ دربار میں آیا، تفصیل میں سناؤں گا۔ قافلہ سوادِشام میں پہنچ چکا، ایک بار فیصلہ ہوا کہ حاکم کی منظوری چاہیے۔ تیاری ہوئی، ایک مرتبہ صفر کی پہلی تاریخ صبح کو حکم ملا: قیدیوں کو لاؤ دربار میں۔ قافلہ چلا، قافلے کی شان یہ ہے کہ پہلی مرتبہ علمائے مقاتل نے تفصیل سے لکھا کہ جب قافلے کو منظّم کیا گیا تو سب سے آگے عباسؑ کا سر ___ علمبردار کا سر، لوگ پوچھتے جارہے تھے کہ یہ کون ہے؟ نیزے کا حامل پکار کر کہتا جارہا تھا کہ یہ قافلے کا علمبردار ہے۔ اُس نیزے کے پیچھے پیچھے عابدؑ بیمار پاپیادہ، عابدِؑ بیمار کے ساتھ ساتھ ناقوں کی قطاریں تھیں، ثانیِ زہراؑ جس ناقے پر تشریف فرما تھیں، اُس کے بالکل متصل نیزے پر بھائی کا سر ___ سہل ساعدی بیان کرتا ہے کہ میں مجمع کو چیرتا ہوا اُس ناقے کے قریب آیا، میں نے سلام کیا، میں نے کہا: شہزادی! میں غلام ہوں، ادنیٰ غلام، میں نے آپؑ کے جد کی زیارت کی ہے، کوئی خواہش ہے تو بیان کیجئے؟ فرمایا: ہاں، اگر تیرے بس میں ہو تو یہ نیزہ بردار جس کے پاس میرے بھائی کا سر ہے، اس کو آگے بڑھادے، تماشہ دیکھنے والے آگے بڑھ جائیں تاکہ یہ جمعیت مجھے نہ دیکھے۔

سہل ساعدی نے اس کو کچھ (چار یا پانچ سو) دینار دیئے اور کہا: یہ سر لے کر کچھ آگے بڑھ جا ___ اور اس طرح یہ قافلہ جب شام کے مرکزی بازار میں پہنچا تو اتنا مجمع تھا کہ یہ قافلہ آگے نہ بڑھ سکا اور اُدھر سے حاکم کی طلبی پر طلبی، لاؤ، قیدیوں کو جلدی لاؤ، ادر یہاں سے یہ جواب کہ راستہ نہیں ملتا۔

اللہ رے انقلابِ زمانہ، یہ محمدؐ کا گھرانہ اور یہ اُمت کا سلوک!!

جہاں پر قافلہ رُک گیا تھا، اُسے ''باب الساعات'' کہتے ہیں۔ چھتیس (۳۶) گھنٹے اس مقام پر قافلہ ٹھہرایا گیا، دوسرے راستے سے اہلِ بیتؑ کے قافلے کو دربار تک پہنچایا گیا۔ عابدِؑ بیمار کہتے ہیں کہ ہمیں اُس وقت باندھ لیا گیا، کسی کی کلائی، کس کا بازو، کسی کا گلا اور اس طرح میں نے اُس دن اپنی پھوپھی کا جلال دیکھا، ایک ایک سے کہتی جاتی تھیں: گھبرانا نہیں، ڈرنا نہیں، پریشان نہ ہونا، میں ساتھ ہوں۔ اُمِّ فروہ چلو، اُمِ ربابؑ چلو، اُمِ لیلیٰ چلو، اُمِ کلثومؑ چلو، میں ساتھ ہوں۔

حاکم نے یہ انتظام کیا تھا کہ دربار تک پہنچنے کے ساتھ دروازے مقرر کئے تھے اور ہر دروازے پر سات سات سو کی فوج تھی تاکہ قیدیوں کو اپنا جلال دکھائے۔ جیسے جیسے دروازوں سے بی بیؑ گزرتی اور دربار قریب آتا گیا، شہزادی کی بے چینی بڑھتی گئی۔ اب آخری دروازہ

جب آیا تو اس مقام پر پہنچ کر بیٹھ گئیں۔ عابدِ بیمار نے ہاتھوں کو جوڑ کر کہا: پھوپھی اماں! دربار میں نہیں جائیں گی؟ فرمایا: بیٹا! چلوں گی مگر اکیس رمضان کو جب بابا دنیا سے جا رہے تھے تو مجھ کو نزدیک بلا کر کہا تھا: زینبؑ! دربار میں جانا تو مجھے پکار لینا۔ یہ پُرسے کی مجلس ہے، میرے نزدیک یہ آج کا دن روزِ عاشور سے کم نہیں۔

آمد آمد حرمِ شاہؑ کی دربار میں ہے

شہزادی نے بابا کو پکارا: یاعلیؑ، یاعلیؑ، عجب نہیں کہ مدد آئی ہو، علیؑ نے کہا ہو: بیٹی چلو، ہم ساتھ ہیں۔ نبی زادیاں آئیں، زنیر ابن قیس نے سر کو پیش کیا، یزید نے سر کو دیکھا اور کہا:

''لَیتَ اشیاخی ببدرشھدوا جزع الخزرج من قع الاصل''.

''بدر میں مارے جانے والے میرے بزرگ زندہ ہوتے تو دیکھتے، میں نے کیسا بدلہ لیا''۔

ایک مرتبہ یزید نے اشارہ کر کے ایک ایک بی بی کو پوچھنا شروع کیا: مَن ھٰذِہٖ، مَن ھٰذِہٖ، مَن ھٰذِہٖ، یہ کون ہے؟ یہ کون ہے؟ یہ کون ہے؟ قیس نے ایک ایک بی بی اور ایک ایک قیدی کا نام لیا۔ یزید نے ایک مرتبہ عابدِ بیمار کی طرف دیکھا اور کہا: یہ کون ہے؟ کہا: یہ علیؑ ہے۔ یزید نے کہا: وہ تو قتل ہو گئے؟ سیدؑ الساجدین نے فرمایا: وہ میرا بھائی تھا، وہ بھی علیؑ تھا۔ بے اختیار یزید کی زبان سے نکلا: ابن مرجانہ نے حسینؑ کو قتل کیا۔ سید الساجدین علیہ السلام نے بے اختیار کہا: خدا لعنت کرے اُس پر جس نے حسینؑ کو قتل کیا۔ اب قیدیوں کا جلال دیکھا، یزید بگڑ گیا اور کہا: تم لعنت کرتے ہو؟ امامؑ نے فرمایا: ہاں، رحمتِ الٰہی سے وہ دور ہے جس نے میرے بابا کو قتل کیا۔ یزید نے کہا: تم کو اس کی فکر نہیں کہ تم کو قتل کر دیا جائے گا؟ ایک مرتبہ سیدانیوں میں سے ایک بی بی کا ہاتھ آگے بڑھا، بھتیجے کو اپنے سے قریب کیا اور پکار کر (رعب دار آواز میں) کہا: تیری مجال ہے کہ تو اس طرح سے میرے بیٹے سے باتیں کرے؟ کنیز کے حلقے کے ساتھ شہزادی آگے بڑھیں تو یزید نے پوچھا:

''مَنْ ھٰذِہِ الْمُتَکَبِّرَۃُ''

''یہ مغرور عورت کون ہے؟''

لوگوں نے کہا: امیر! یہی تو ہے علیؑ کی بیٹی ــــــ یہی تو ہے محمدؐ کی نواسی، بے اختیار شہزادی کو دیکھ کر یزید نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی: (آلِ عمران:26)

''وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ''

''شہزادی نے بے اختیار (برجستہ) جواب میں سورۂ روم کی یہ آیت پڑھی:

''ثُمَّ کَانَ عَاقِبَۃَ الَّذِیْنَ اَسَاءُ وُا السُّوْیٰ اَنْ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَکَانُوْا بِھَا یَسْتَھْزِءُ وْنَ''.

''پھر جنہوں نے بُرا عمل کیا، اُن کا انجام بھی بُرا ہی ہوا کیونکہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کی تکذیب کی اور وہ اُن کی ہنسی و مذاق اُڑایا کرتے تھے''۔

بدترین انجام ہے یزید اُس کا جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے اور اللہ کی آیتوں کا مذاق اُڑائے۔ پھر شہزادی نے یوں خطبہ شروع کیا:

''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم. اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى جَدِّىْ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ صَدَقَ اللّٰهُ''.

''تعریف اللہ ہی کیلئے ہے اور درود وسلام میرے جد کیلئے ہے جو مرسلین کا سید و سردار ہے، اللہ سچا ہے''۔

''اَظَنَنْتَ يَا يَزِيْدُ حَيْثُ اَخَذْتَ عَلَيْنَا اَقْطَارَ الْاَرْضِ وَاٰفَاقَ السَّمَاءِ''

''اے یزید! کیا تو اب اس بات پر گمان کرنے لگا کہ ہم کو در بدر، شہر در شہر، زمین پر پھرا کر اور آسمان کے کناروں میں گھما کر کہ،

''اِنَّ عَلَيْکَ مِنَ اللّٰهِ لُطْفًا وَاِعْتِنَانًا وَعَلَيْنَاهَوَانًا فَاَصْبَحْنَانُسَاقُ كَمَاتُسَاقُ الْاُسَارٰى اَنَّ بِنَاعَلَى اللّٰهِ هَوَانًا وَّبِکَ عَلَيْهِ كَرَامَةً وَاِنَّ ذٰلِکَ لِعِظَمِ خَطَرِکَ عِنْدَهٗ؟''

''کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ اللہ ہم سے ناراض ہے، اور اللہ تجھ سے خوش ہو گیا نہیں نہیں، یہ تیرا گمان باطل ہے، یہ تیرا گمان فاسد ہے، اللہ نے ہم کو امتحان میں کامیاب کیا۔ اللہ نے ہم کو صبر کی منزل پر فائز کیا۔ یزید! تو یہ سمجھ رہا ہے کہ ہم در بدر پھر کر رُسوا ہو گئے؟ نہیں (بڑی عجیب منزل ہے، سنئے)۔

''وَكَيْفَ يُرْتَجٰى مُرَافَعَةُ مَنْ لَفَظَ فُوْهُ اَكْبَادًا لْاَزْكِيَاء وَنَبَتَ لَحْمَهٗ مِنْ دِمَاءِ الشُّهَدَاءِ''.

''میں اور کیا اُمید کرسکتی تھی اُس کی اولاد سے جس کی دادی نے میرے بزرگوں کا کلیجہ چبایا تھا''۔ (کس جلال کا جملہ ہے)۔

بادشاہِ وقت یزید کے سامنے زینبؑ، جو مقید ہیں، گفتگو فرما رہی ہیں اور ہاں! اے یزید! اب سن لے، میں بتلاتی ہوں۔

''وَلَاتَرْحَضُ عَنْکَ عَارُهَاوَهَلْ رَأْبُکَ اِلَّا خَنَدٌ وَّاَيَّامُکَ اِلَّاعَدَدٌ وَّجَمْعُکَ اِلَّابَدَدٌ يَّوْمَ يُنَادِى الْمُنَادِىْ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰالِمِيْنَ''.

''اب تیرے دن گنتی کے رہ گئے، اب تیری رائے میں فتور آچکا، اب تیرا یہ مجمع بکھرنے والا ہے، اب تیری جمعیت پریشان (پراگندہ) ہونے والی ہے اور یہ تو جان لے کہ جو مہلت تجھے ملی ہے، جس کو تو نعمت سمجھ رہا ہے، یہ مہلت ہی ہے (نعمت نہیں)''۔

یہ کہہ کر شہزادی نے سورۂ آلِ عمران کی آیت 178 کی تلاوت کی، جس کا ترجمہ یہ ہے:

''اور کافر یہ نہ سمجھیں کہ ہم نے اُن کو جو مہلت دی ہے، تو اُن کی باتیں ہم کو پسند آتی ہیں (نہیں) بلکہ مہلت اس لئے دی ہے تاکہ وہ گناہ پر گناہ کرتے جائیں اور ہم عذاب پر عذاب تیز کرتے جائیں''۔

اور خطبہ اس شان سے آگے بڑھ رہا تھا اور اب شہزادی فرماتی ہیں:

''اَ لَا فَالْعَجَبُ كُلَّ الْعَجَبَ لِقَتْلِ حِزْبِ اللّٰهِ النُّجَبَاءِ بِحِزْبِ الشَّيْطَانِ الطُّلَقَاءِ فَهٰذِهِ الْاَيْدِیْ تَنْطِفُ مِنْ دِمَائِنَا وَالْاَفْوَاهُ''۔

''پس تعجب بالائے تعجب کا مقام ہے کہ گروہِ خداوندی کے بزرگ (سادات) اُن لوگوں کے ہاتھوں سے قتل ہوں جو گروہِ شیطان اور آزاد کردۂ رسولؐ کی اولاد ہو''۔

(ظاہر ہے دربار میں کون کون لوگ تھے؟ سات سو کرسی نشین سے زیادہ تھے، نصرانی اور یہودیوں کے علماء موجود تھے، روم اور دیگر ملکوں کے سفراء موجود تھے، ایسے موقعہ پر شہزادی زینب سلام اللہ علیہا کا خطبہ ہو رہا تھا)۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ صاحبِ منبر سلونی کوفے کے منبر پر خطبہ دے رہے ہیں، اس کے بعد برجستہ زینبِ علیا نے ارشاد فرمایا:

اے یزید! یہ گمان نہ کر کہ تجھے جو مہلت دی گئی ہے تو تیری نیکیاں پسند کی گئی ہیں، نہیں! تو گناہ پر گناہ کرتا کہ عذاب بھی اُسی اعتبار سے زیادہ کیا جائے اور ہاں! یہ جو کہہ رہا ہے تو کہ میرے بزرگ جو بدر میں مارے گئے، اگر زندہ ہوتے تو وہ دیکھتے (تو اسی وقت اپنے کافر و مشرک بزرگوں کا کلمہ پڑھ رہا ہے) اچھا او یزید! اب تو مجھے ڈرا نہیں سکتا، تو سمجھتا ہے کہ علیؑ کی بیٹی زینبؑ ڈر جائے گی؟ شہزادی زینبؑ علیا کی توجہ ہٹانے کیلئے اُس نے سرِ حسینؑ کے ساتھ چھڑی سے بے ادبی شروع کر دی تو شہزادی نے یہ کہہ کر ٹوکا: یہ چھڑی ہٹالے، بھائی کے سر کے پاس سے، بے ادبی کرتا ہے سرا حسینؑ کے ساتھ؟ مجھے ڈرارہا ہے؟ اس کے بعد شہزادی نے سورۂ کہف کی آیت پڑھی، پھر سورۂ مریم سے آیت پڑھی، سورۂ مائدہ سے آیت پڑھی، آیت پر آیت:

''بِئْسَ لِلظَّالِمِيْنَ بَدَلًا''

''بدترین انجام (بدلہ) ظالموں کو ملنے والا ہے''۔ (کہف: 50)

''وَاَيُّكُمْ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا''

''(اور یہ دنیا جان لے گی کہ) تمہارے لئے بدترین مقام کہاں ہے اور (تیرا) لشکر کتنا کمزور ہے، ابھی تجھے پتہ چل جائے گا''۔

اَمِنَ الْعَدْلِ؟ يَابْنَ الطُّلَقَاءِ تَخْرِيْرُكَ حَوَائِرُكَ وَاِمَامَكَ يَسْتُوْمُكَ بَنَاتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ سَبَايَا قَدْ هَتَكْتَ سُتُوْرَهُنَّ وَاَبْدَيْتَ وُجُوْهَهُنَّ''

''(حکومت کے تخت پر بیٹھنے کا دعویٰ کرتے ہوئے) کیا یہ عدل ہے کہ اے آزاد کردۂ رسولؐ کی اولاد! تیری مخدرات، بیٹیاں اور کنیزیں تو پردے میں بیٹھیں اور نبی زادیاں بازاروں اور درباروں میں بے پردہ پھرائی جائیں؟ مجمعِ عام میں اُن کی ہتک کی جائے (دوچار

جملے اور تقریر کو میں نے ختم کیا)۔

"اَمِنَ الْعَدْلِ یَابْنَ الطُّلَقَاءِ"

دیکھئے یہ جملہ محمدؐ کی نواسی ہی کہہ سکتی تھیں، مکہ فتح ہوا تھا تو رسولؐ نے خطبہ دیا تھا، زینبؑ نے شام کو فتح کر کے خطبہ دیا ہے۔ مکے کے خطبے میں رسولؐ نے کہا تھا:

"لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ فَاذْهَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَاء"

"جاؤ، آج تم کو ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، اب تم سب کو (اللہ کا رسولؐ) آزاد کرتا ہے"۔

اور شام کی فتح کے بعد ثانیِ زہراؑ نے خطبہ دیا اور فرمایا:

"اَمِنَ الْعَدْلِ یَابْنَ الطُّلَقَاءِ"

"اے آزاد کردۂ رسولؐ کی اولاد، کیا یہ تیرا عدل ہے؟"

شہزادی نے خطبے کو ختم کیا، آلِ عمران کی اس مشہور آیت پر، دیکھئے، اس آیت میں پھر نعمت کا ذکر ہے:

"اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَکُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ"

"فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ"

"تحقیق، تمہارے (مقابلے کے) لئے بہت سے (دشمن) لوگ جمع ہو گئے ہیں، پس اُن سے ڈرو تو (اس بات سے) اُن کا ایمان اور بڑھ گیا اور انہوں نے کہا، ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے"۔ (آلِ عمران: 173)

"پس وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ واپس پلٹ آئے، انہیں کوئی تکلیف چھو بھی نہ گئی اور انہوں نے اللہ کی خوشنودی کی پیروی کی اور اللہ تو بڑا ہی صاحبِ فضل ہے"۔ آلِ عمران: 174۔

اللہ کی نعمتوں نے اُن کو گھیر لیا، جب بندوں نے کہا:

"حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ"

شہزادی کا خطبہ اس آیت پر ختم ہوا ہے۔ دربار میں رونے کا غل اُٹھا، ہر ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا: سنا، محمدؐ کی نواسی کیا کہہ رہی ہے؟ سنا، فاطمہؑ کی بیٹی کیا کہہ رہی ہے؟ سنا، علی المرتضیٰؑ کی بیٹی کیا کہہ رہی تھی؟ دربار میں جو رونے کا غل ہوا تو یزید سر کو جھکا کر خاموش بیٹھ گیا۔ ایسے میں ایک چھوٹی بچی نے آگے بڑھ کر کہا: پھوپھی اماں! یزید چپ ہے، بابا کا سر مانگ لوں؟ بابا کا سر مانگ لوں؟ پھر ایک مرتبہ سکینہؑ نے کہا: یزید! بہت دن ہو گئے، بابا مجھ سے جدا ہیں، میرے بابا کا سر مجھے دے دے۔

یزید نے کہا: اگر تمہارے بلانے سے آجائیں تو پکارو حسینؑ کو؟

یہ سنتے ہی سکینہؑ نے دامن پھیلا کر کہا: بابا! یزید میری محبت کا امتحان لے رہا ہے، آجاؤ بابا ___ آجاؤ بابا۔ سرِ حسینؑ بلند ہوا اور سکینہؑ کی گود میں آیا ___ سکینہؑ نے بابا کے منہ پر منہ رکھ دیا اور آواز دی: بابا آگئے ___ میرے بابا آگئے۔

۞ ۞ ۞

# تیسرا باب

# روایات

منقول از

سیّد العُلماء

علامہ سید علی نقی نقوی رح

# حضرت فاطمہ معصومہؑ کا مدینہ سے سفر کر کے اپنے بھائی امام رضاؑ کے دیدار کے لئے ایران میں آنا اور بھائی سے ملے بغیر پردیس قم میں انتقال کرجانا۔ ہائے قسمت! بھائی بھی پردیس میں شہید ہوا اور بہن بھی پردیس میں مر گئیں۔

ایک شخص ظلم کر رہا ہے اور دوسری طرف مصائب کو دیکھ کر یا سن کر آنسو بہہ رہے ہیں۔ ظلم اختیاری ہے، یہ کیفیت قہری ہے، وہ اختیاری عمل ہے، یہ مصیبت کا اثر ہے اور اب آپ کے سامنے واقعات مجلسوں میں آ ہی گئے ہوں گے کہ کن محل پر ظالم روئے ہیں مگر وہ رونا کیا قیمت رکھتا ہے جو ظلم سے باز نہ رکھے۔ ظلم کر رہے ہیں اور مظلومہ کے زیور اُتار رہا ہے اور رو بھی رہا ہے۔ کہا: کیوں روتے ہو؟ کہا: آپؑ کی مظلومیت پر۔ کہا: زیور کیوں اُتار رہے ہو؟ کہا: اس لئے کہ میں نہ اُتاروں گا تو کوئی اور اُتار لے گا، میں ہی فائدہ اُٹھالوں۔ تو بتایئے کہ اس رونے کی کوئی قیمت ہے؟ بس یاد رکھئے کہ وہ مصیبت تو ایسی ہے کہ ظالم روئے۔ اب اگر ہم اثر مصیبت سے روئے تو اس رونے کی کیا قیمت ہوگی؟ صاحب! یہ مستقل موضوع ہے، چند جملے کہہ رہا ہوں، حالانکہ آپ کیلئے ناخوشگوار ہیں یہ باتیں، آپ کیلئے تو بہت خوش آئند، اس کے مخالف پہلو ہیں، تو میں کہتا ہوں کہ ناز ہے ہمیں، بڑا کارنامہ محبت ہے، میں کہتا ہوں محبت ہمارا کارنامہ ہے؟ جو قابلِ محبت ہے، اُس کا حسن ہے جو متقاضیِ محبت ہوتا ہے۔ محبت کرنے والے کا کوئی کارنامہ تھوڑا ہی ہوتا ہے، ب محبت کرتے ہیں۔ قابلِ محبت ہے تو اس شعبہ میں ظلم کے مرتکب نہیں ہیں، اس کے آگے یہ کارنامہ کیا ہے کہ ہم محبت کرتے ہیں؟ اسی طرح سے ہم اُن کے مصائب پر روتے ہیں، مصائب ہیں ہی ایسے کہ ان پر پتھر بھی روئے، ہم روئے تو کیا کمال کیا؟

بس اب یہ بات مصائب سے میں کہتا ہوں کہ ہم تو آنسوؤں سے روتے ہیں، کائنات نے تو شاعروں کے مجاز کو حقیقت بنادیا۔ خون کے آنسوؤں سے روئی۔ محمد ابن طلحہ شافعی کی کتاب ''مطالب السؤل'' ہے، علامہ سبط ابن جوزی کی کتاب ''تذکرہ خواص'' ہے اور علامہ ابن حجر مکی کی کتاب ''صواعق محرقہ'' ہے، ہر ایک لکھ رہا ہے کہ واقعہ کربلا کے چالیس دن بعد تک جو کپڑا زیر آسمان پھیلایا جاتا تھا، اس پر خون کے نشان ہوجاتے تھے کیونکہ آپ کا عشرہ اس زمانے میں ہو رہا ہے تو میں کہتا ہوں کہ اس رعایت سے میں سمجھا، میں نے محسوس کیا کہ عشرہ کا دن ہی روزِ مصیبت اُس کی طرف کا مقرر کردہ نہیں ہے بلکہ اربعین تک کا زمانہ عزا____ یہ بھی اُدھر کا مقرر کردہ ہے کیونکہ چالیس دن پورے ہوتے ہیں بیس صفر کو____ تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ چہلم کی تاریخ بھی اُدھر سے مقرر ہوئی ہے۔ دنیا ہم سے کہتی ہے کہ تم روتے کیوں ہو؟ میں کہتا ہوں کہ آسمان سے جاکر پوچھو کہ کیوں روتا ہے؟ زمین سے پوچھو کہ کیوں روتی ہے اور ایک عجیب سوال کرتے ہیں کہ رسولؐ کا ماتم

کیوں نہیں کرتے؟ حسینؑ کا ماتم کیوں کرتے ہو؟

میں کہتا ہوں کہ خیر اگر ہم رسولؐ کا ماتم نہیں کرتے تو ہم تھوڑی دیر کیلئے مان لیتے ہیں کہ یہ ہماری کوتاہی ہے مگر آپ کو احساس ہے تو آپ ہی کیجئے اُن کا ماتم۔ یہ ہمارے رونے کیلئے آپ کو رسولؐ یاد آتے ہیں، آپ رسولؐ کا ماتم کیجئے۔ ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کے ساتھ شریک ہوں گے۔ تقسیم عمل ہو جائے، آپ رسولؐ کا ماتم کیجئے، ہم فرزند رسولؐ کا ماتم کرتے ہیں، یونہی سہی، یہ آپ ماتمی ہونے سے گھبراتے کیوں ہیں؟ آپ بھی غم کیجئے، ماتم کے معنی ایک خاص طرز نہیں ہے، جس طرز سے آپ چاہیں، ہمارے ہاں ہر جگہ عزاداری ایک ہی عنوان سے ہوتی ہے، وہ تو فریاد کی کوئی لے نہیں ہے، نالہ پابند نہیں ہے، جس کی جو سمجھ میں آتا ہے، جذبہ ہے اظہارِ سوگواری کا____ ہمارے ہاں جس طرح کی شبیہاں بنتی ہیں، بس اربابِ عزاء! مجھے معلوم ہے کہ مصائبِ حسینؑ کے آپ عموماً طلبگار ہوتے ہیں، مگر آج تو عزائے حسینؑ میں ایک اور عزا بھی ہوگئی ہے شریک، وہ بھی ایک بہن سے چھوٹا ہوا بھائی ہے جس کا ماتم آج ہے۔ ارے کربلا میں سب کچھ تھا مگر زینبؑ کیلئے تسلی تھی کہ میں پاس تھی، چاہے بچا نہ سکی مگر فاطمہؑ معصومہ ؑقم، ارے انہیں تو کوئی خبر دینے والا تک نہ ہوا کہ وہ بتا دے کہ تمہارے بھائی پر کیا گزری؟ اور ہاں! ایک بات، عرصہ تک سوچا میں نے، حیران رہا کہ مصائبِ حسینی اتنے بے پناہ اور اُنؑ کی غربت ایسی مگر کیا بات ہے کہ غریب الغرباء ہم اُس مظلوم کو کہتے ہیں، انہیں سیدؑ الشہداء کہتے ہیں، سیدؑ الصابرین کہتے ہیں، بہت کچھ کہتے ہیں مگر غریب الغرباء جب کہتے ہیں تو اس سے صرف اپنے آٹھویں امامؑ کو مراد لیتے ہیں۔ بس فرق یہی محسوس ہوا کہ حسینؑ وطن سے دور تھے مگر گھر والے پاس تھے اور یہ ایسے بے گھر تھے کہ گھر والے بھی پاس موجود نہ تھے۔

اب جب عرصہ تک بہن کو خیریت معلوم نہ ہوئی تو چلی بھائی سے ملنے کیلئے، منزل بہ منزل چلتی گئیں، یہاں تک کہ ایران کی حدود میں پہنچ گئیں۔ جو لوگ ماشاءاللہ زیارت سے مشرف ہو چکے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ تہران اب، جہاں سے اُس کے بھی آگے پہنچ چکی تھیں، قم کے رئیس کو معلوم ہوا، حاکم قم کو پتہ چلا کہ امام رضا علیہ السلام کی ہمشیرہ آرہی ہیں، بہن بھی غریب الوطن ہے مگر پھر بھی اب ویسی سواری نہ سوچئے گا جیسی زینبؑ کی تھی____ تزک واحتشام کے ساتھ بی بی معصومہ کی سواری آرہی ہے۔ پردہ محمل ہے، کنیزیں ہیں، حاجب و دربان ہیں، اس شان سے سواری آرہی ہے، حاکم قم کو معلوم ہوا تو اُس نے درخواست بھیجی کہ بی بی قم میں تشریف لے آئیں اور تھوڑی دیر قم میں قیام فرمائیں۔ اب سیدھے راستے کو چھوڑ کر مڑیں، قم کی طرف جانے کیلئے، اُس کی فرمائش پر، اُس کے خلوص کی قدر کی بناء پر وہاں پورے شہر کو حکم ہوا کہ استقبال کیلئے چلو۔ پورا قم استقبال کیلئے نکل آیا مگر کیونکر____ سیاہ پوش جتنے افراد ہیں، سب ماتمی لباس پہنے ہوئے اور علموں کے پھریرے ماتمی، اس لئے کہ پُرسے دینے کو ایک بہن کے پاس جارہے ہیں۔ اہلِ عزا! ادھر معصومہؑ قم کے قریب آئیں اور اُدھر سے یہ فوج و لشکر آتا ہوا نظر آیا۔ کنیز سے پوچھا: یہ شور کیسا ہے؟ کہا: آپؑ کے بھائی کا لشکر آرہا ہے، آپؑ کے بھائی کی جماعت آپؑ کے استقبال کیلئے آرہی ہے۔

بس ایک دفعہ پردہ محمل سے دیکھا، میرے بھائی کے علَم سیاہ نہیں ہوسکتے۔ ارے جاؤ، پوچھو کہ میرے بھائی کہاں ہیں؟ میرے

بھائی کی خیریت کوئی بتائے۔ بس کنیز نے جا کر پوچھا: عام آدمی کو جرأت نہیں ہوئی کہنے کی، کہا: ہمارے حاکم کے پاس چلو۔ اب حاکم کے پاس لے گئے کہ مجھے معصومہ معظّمہ نے بھیجا ہے۔ خواہر امام رضا علیہ السلام نے دریافت کیا ہے کہ میرے بھائی امام رضا علیہ السلام کہاں ہیں؟ بس اب حاکم نے عمامہ سر سے پھینک دیا، کہا: ارے بھائی کہاں؟ وہ تو دنیا سے رخصت ہوئے۔ اُس نے جا کر خبر دی کہ بی بیؑ! وہ تو کہتا ہے کہ آپؑ کے بھائی زندہ نہیں رہے (وہ شہید ہو چکے ہیں)۔ بس یہ سننا تھا کہ اُنہوں نے کہا کہ اب میں آگے جا کر کیا کروں گی؟ وہیں سفر ختم کر دیا اور ایک بارگاہ کے نام کی ہو گئیں۔ اب روایتوں میں تفصیل نہیں ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ پھر زندہ نہ رہیں، تھوڑے ہی دن کے بعد بیمار پڑیں اور ایسی بیمار کہ اسی میں رحلت کی۔ میں کہتا ہوں، اے جنابِ معصومہؑ قم! آپؑ نے اپنے بھائی کی خبر بڑے عزت واحترام کے ساتھ سنی، لیکن زینبؑ کو خبر ملی، وہ کیونکر:

"اَلا قُتِلَ الْحُسَيْنُ بِكَرْبَلا، اَلا ذُبِحَ الْحُسَيْنِ بِكَرْبَلا".

۞ ۞ ۞

**مولا علیؑ! نہایت ادب سے عرض کروں گا کہ مولا! آپؑ کی نماز بھی یادگار اور سجدہ بھی یادگار مگر مولا! آپؑ کو سجدے سے سر اُٹھانے کا موقعہ تو مل گیا لیکن آپؑ کے بیٹے نے جب سجدہ میں سر رکھا تو کسی اور نے اُٹھایا۔**

روزِ عاشورہ کی صبح کی نماز ___ خاص اہمیت ہے اس نماز کی کیونکہ یہ آخری نماز ہے جو مولاؑ نے جماعت کے ساتھ پڑھی۔ بہت سے اصحاب کی زندگی کی آخری نماز ___ صبح کی نماز ___ تو آج کیا خصوصیت برتی کہ روز کے مؤذن حجاج ابن مسروق جعفی اور یہ آج کی نماز فرماتے ہیں: بیٹا علی اکبرؑ! آج اذان تم دے دو۔ یہ کیا ہے؟ مولاؑ جانتے ہیں کہ میرا علی اکبرؑ بھلانے کی ہستی نہیں ہے، وہ چاہتے ہیں کہ جب تک میرے علی اکبرؑ کی یاد قائم رہے، تب تک اس نماز کی یاد قائم رہے۔

ماشاءاللہ! جو نمازی ہیں، اُن کیلئے بھی بار صبح ہی کی نماز ہوتی ہے۔ بہت سے ایسے ہیں جو سب نمازیں وقت پر پڑھتے ہیں لیکن صبح کو آنکھ نہیں کھلتی، قضا پڑھتے ہیں۔

تو مولاؑ نے صبح کی اذان علی اکبرؑ سے دلوائی کہ اس وقت کوئی علی اکبرؑ ہی کا ماتم کرنے والا جوان ___ اُس کی بستر پر آنکھ کھل جائے تو اس وقت اُسے یاد آ جائے کہ اس وقت میرا شہزادہ کہہ رہا ہے کہ:

"حَيَّ عَلَى الصَّلٰوۃ"

تو اب یہ دیکھنا ہے کہ علی اکبرؑ کی آواز پر کون کون آتا ہے؟ یہ صبح کی نماز منتشر ہوئی، اُدھر صفِ جہاد مرتب ہوئی۔ اب راہِ خدا میں جاں نثاری ہے، میدانِ جنگ میں خون برس رہا ہے، تیر برس رہے ہیں۔ گرمی سے آگ برس رہی ہے اور اس عالم میں ظہر کی نماز کا وقت آتا ہے اور ابوثمامہ ساعدی فوراً حاضر ہوتے ہیں کہ یہ نماز آپؑ کے ساتھ باجماعت ادا کرلوں۔ امامؑ اس طرح دعائیں دینے لگتے ہیں جیسے کوئی طالب علم اُستاد کی توقع سے زیادہ صحیح جواب دے۔ فرماتے ہیں: تم نے خود نماز کو یاد کیا، اللہ تمہارا شمار نمازیوں میں کرے۔ میں کہتا ہوں عزادارانِ حسینؑ! اگر حسینؑ کی دعائیں لینی ہیں تو نماز کو نہ بھولئے۔ کیا کہنا اُس نماز کا! اِدھر نماز ہو رہی ہے، اُدھر دو جاں نثار سامنے کھڑے ہیں، جو تیر آتا ہے، اپنے اوپر روکتے ہیں۔ اِدھر نماز ہو رہی ہے، اُدھر تیر کھائے جا رہے ہیں۔ یوں تو کربلا کا پورا جہاد شریعت کی خاطر ہوا ہے مگر یہ دو قربانیاں ہیں جو بلا شبہ مجاز نماز کی خاطر ہوئی ہیں۔ اب جس نماز پر حسینؑ اپنے دو جاں نثاروں کو قربان کر دیں، اس نماز کو ہم اپنے عمل سے پامال کر دیں تو حسینؑ ہمیں اپنا ماتم دار، اپنا عزادار سمجھ سکتے ہیں؟

صورتِ واقعہ یہ بتاتی ہے کہ اثنائے نماز ہی میں تیر اتنے کھالئے، کھڑے ہونے کی طاقت نہ تھی۔ مگر میں تو یہ کہتا ہوں کہ یہ طے

کر کے کھڑے ہوئے تھے کہ مولاؑ نماز پڑھ لیں تو جب تک امامؑ نے سلام نہیں پھیرا، سعید زمین پر نہیں گرے۔ اِدھر امامؑ نے سلام پھیرا اور سعید زخموں سے چور ہو کر زمین پر گرے اور پوچھتے ہیں:

"اَوَفَیْتُ یَااَبَاعَبْدِاللّٰہِ"

"کیوں مولاؑ! میں نے اپنا حقِ وفا ادا کر دیا؟"

فرماتے ہیں:

"نَعَمْ وَفَیْتَ جَزَاکَ اللّٰہُ خَیْراً"

ہاں، تم نے حقِ وفا ادا کر دیا، اللہ جزائے خیر عطا فرمائے"۔

ہوسکتا ہے اور حکمِ شرع کے مطابق میں سمجھتا ہوں کہ اس ظہر کے ساتھ عصر بھی ہوگئی ہوگی، اس لئے کہ حالتِ خوف اور حالتِ سفر میں بہ اجماعِ اہلِ اسلام، سب کے نزدیک جمع صحیح ہے تو یقیناً عصر کی نماز بھی ہوگئی ہوگی، چونکہ عام وقت ظہر کا وقت سمجھا جاتا تھا، اس لئے تاریخ نے نام ظہر کا لیا ہے ورنہ حکمِ شرع یہی ہے کہ اس وقت عصر کو ہو جانا چاہئے ان حالات میں یقیناً، مگر ایک حقیقت ہے کہ ہمارے آئمہ معصومینؑ عموماً نمازوں کو اوقاتِ فضیلت میں پڑھتے تھے۔ عام دستور یہی تھا، اسے بیان کر دیا کہ وہ بھی جائز ہے مگر عام عمل یہی تھا کہ الگ الگ پڑھتے تھے، اس لئے اب تاریخ میں تو ذکر نہیں ہے مگر کتب مقاتل بتاتی ہیں کہ پھر ظہر کے بعد مولاؑ نے حسبِ دستور عصر بھی پڑھی ہے۔ مگر ارباب عزا! اب میں معذرت کا طلبگار ہوں، میں سخت مصائب نہیں پڑھتا ہوں۔ اب میں اُس نماز کی پوری کیفیت نہیں بیان کرسکتا، بس اتنا کہوں گا کہ اب راکب دوشِ رسولؐ پشتِ فرس پر نہ تھا۔ ہاں! ایک بات اور کہہ دوں کہ اب جماعت نہ تھی، جماعت تو زمین کربلا پر خاک و خون میں غلطاں پڑی ہوئی تھی۔ اب مولاؑ نے یہ نماز فرادیٰ ادا کی۔ اب اس کے بعد یہ نہیں کہہ سکتا کہ رکوع کس عالم میں ہوا، قیام کس شان سے ہوا، بیٹھنا کس انداز سے ہوا، بس سجدے کی خصوصیت عرض کروں گا۔ تاریخ اسلام میں ایک اور سجدہ یادگار ہے اور وہ ہمارے مولا امیر المومنین علیہ السلام کا سجدہ ہے۔

19 رمضان کو، میں کہتا ہوں یہ تو باپ کی میراث تھی، باپ کے سر پر بھی ضربت نماز میں لگی، بیٹے کے گلے پر بھی خنجر نماز میں چلا مگر بارگاہِ امیر المومنینؑ میں عرض کروں گا کہ اے میرے مولاؑ! آپؑ کی نماز بھی یادگار، آپؑ کا سجدہ بھی یادگار! مگر آپؑ کو سجدے سے سر اُٹھانے کا موقعہ مل گیا اور حسینؑ نے تو بس سر سجدے میں رکھ دیا، بخدا! پھر انہوں نے سر نہیں اُٹھایا، وہ کوئی اور تھا جس نے سر کو نوکِ نیزہ پر آویزاں کیا۔

❁ ❁ ❁

# جب چھ مہینے کے معصوم بچے کو امامِ مظلوم میدان میں لے کر آئے تودشمن کی زبان بند ہوگئی۔امام حسینؑ کی مظلومیت پر علی اصغرؑ کے خون نے مہرِ تصدیق ثبت کردی۔

بس اب بابِ مصائب ہے کہ کہاں کہاں ہم نے اللہ اکبر کے نعرے سنے ہیں۔ بس ایک شاعر عرب کا شعر پڑھتا ہوں، حضرت امام حسینؑ کو مخاطب کر کے اُس نے شعر کہا ہے:

یُکَبِّرُوْنَ بِاَنْ قُتِلْتَ وَاِنَّمَا     قَتَلُوْابِکَ التَّکْبِیْرَ وَ تَھْلِیْلَا

''ارے یہ آپؑ کو شہید کر کے تکبیر کا نعرہ لگا رہے ہیں، حالانکہ آپؑ کے ساتھ انہوں نے تکبیر و تحلیل کے گلے پر چھری چلائی ہے''۔

اور یاد رکھئے کہ یہی کام امام حسین علیہ السلام نے کربلا کے جہاد میں سب سے بڑا کیا اور اس کو مختصر طور پر یوں عرض کروں گا کہ بد نصیبی سے ادھر کی جماعت بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتی تھی اور جس جس چیز کو سمجھ لیجئے، اسلامک کلچر ظاہری طور پر اس سب کو وہ اختیار کئے ہوئے تھی اور اتنی بڑی جماعت جہاں کی نمائندہ تھی، وہاں اونچے اونچے محل تھے، اونچے اونچے عالیشان مینارے تھے۔ قصر ابیض وقصر احمر وقصر خضرا، وہ سب وہاں تھے۔ مجھے بہت باتیں ڈاکٹر اقبالؒ کی پسند ہیں مگر جہاں اُنہوں نے ان قصروں کو یاد کیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ وہاں وہ جاہ وجلالِ دنیا سے مرعوب، ارے مسجدِ مدینہ کو یاد نہیں رکھتے اور قصر احمر وقصر خضرا پر فخر کرتے ہو؟ مگر جو عرض کر رہا ہوں، اس پر غور کیجئے کہ اگر کوئی غیر مسلم واقعی تحقیق کی غرض سے بھی تاریخ کی دوربین لگا کر اسلامی تہذیب کا پتہ لگانا چاہتا تو وہ قصر خضرا جاتا، قصر احمر جاتا، دمشق کے عالیشان محل میں جاتا اور جب وہاں جاتا تو حریر ودیبا کے پردے نظر آتے، سونے چاندی کے برتن کھنکتے ہوئے نظر آتے، غلام سنہری ڈابیں، طلائی ٹپکے کمر پر باندھے ہوئے نظر آتے اور پھر اور آگے شراب کے جام کھنکتے ہوئے نظر آتے تو وہ اسلامک کلچر اسی کو سمجھتا۔ کہاں وہ جاتا محلّہ بنی ہاشم میں، اُس نیچی دیواروں والے مکان میں جس کے دروازے پر اونی کپڑوں کے پردے تو پڑے ہوئے تھے لیکن لکڑی وغیرہ کا دروازہ نہیں تھا۔

حضرت مام حسین علیہ السلام نے کربلا میں یہ کہا کہ میں اُن کے اسلام کے مقابلے میں ایک اسلام کا نمونہ پیش کردوں اور آفتاب کی روشنی میں اُن کو سچے مسلمانوں کا ایک گروہ دکھلا دوں اور اپنے کردار کو اتنا اونچا لے جاؤں کہ دمشق کے مینارے دب جائیں اور میرے اللہ اکبر کی صدا دنیا کے دل میں گھر کرے۔ اس کیلئے حضرت امام حسین علیہ السلام نے اسلحہ جنگ لئے، اگر فوجی عسکری فتح حاصل کرنا ہوتی تو قدآور جوان ساتھ لیتے اور بالا قامت والے سورما ساتھ لیتے مگر ان کو اس طرح کی جنگ لڑنا نہیں تھی۔ جنگ کے کتنے نمونے آپ کے سامنے

ہوں گے،فوج میں عمر کی حدیں مقرر ہیں،اس سے کم عمر کا نہیں لیا جائے گا،اس سے زیادہ عمر کا نہیں لیا جائے گا،قد ناپا جاتا ہے،سینہ ناپا جاتا ہے،تب فوج میں لیا جاتا ہے۔

اور امام حسین علیہ السلام کے سپاہیوں میں نہ کم عمر کی قید، نہ زیادہ عمر کی قید! یہاں ستر برس کا حبیب ابن مظاہر بھی فوج کا سپاہی ہے اور نابالغ بچہ قاسمؑ بھی فوج کا سپاہی ہے۔اور کہنے دیجئے کہ چھ مہینے کا بچہ بھی اُن کے مقصد کا بہت بڑا سپاہی ہے،تو اسی سے سمجھ میں آتا ہے کہ وہ جنگ انہیں نہیں لڑنا ہے،اب اُنؑ کی فتح وشکست کو اس پیمانہ پر نہ ناپئے،انہوں نے بھی انتخاب کیا سپاہیوں کا،اب زیادہ تفصیل سے نہیں عرض کرنا ہے ہ سپاہی وہ لئے جو انسانیت اور اسلام کی کسوٹی بن سکیں،اُنہیں قد آور سپاہی نہیں چاہئے،سپاہی اُنہیں ایسے چاہئیں کہ کوئی حافظِ قرآن ہے،کوئی عابد شب زندہ دار ہے،حبیب ابن مظاہر وہ ہیں جن کے بارے میں روایت ہے کہ ایک سجدہ میں قرآن ختم کرتے تھے۔ بریر ہمدانی وہ ہیں جو کوفے کے بچوں کو حفظِ قرآن کرواتے تھے،سید القراء کا خطاب تھا۔ایسے ایسے سپاہی لائے ہیں، کیوں؟ تاکہ مسلمانوں کی آنکھیں کھلیں کہ اسلام پر کیا وقت پڑ گیا ہے کہ ایسے لوگ تلواریں لے کر آگئے ہیں اور اس کے بعد، اربابِ عزا! خاندانِ رسالتؐ کا پورا سرمایہ ہے، میں نے دو لفظ کہے تھے،''انسانیت اور اسلام کی کسوٹی''، میں کہتا ہوں کہ انسان مختلف ہیں، کسی کو جوان پر رحم آتا ہے، کسی کو بچے پر رحم آتا ہے، کسی کو کسی خاتون پر ترس آجاتا ہے، امامؑ اپنے ساتھ ہر نمونہ لائے تھے کہ اگر ان میں انسانیت کا کوئی شائبہ ہوگا تو کبھی جوان کے مقابلے میں ہاتھ رُکے گا،کبھی بچے کے مقابلے میں ہاتھ رکے گا،کبھی کسی خاتون پر رحم آئے گا اور جب یہ نہیں ہوا تو دنیا سمجھ لے کہ اس اسلام کے برقع کے پیچھے کیسے لوگ چھپے ہوئے ہیں۔اس اسلام کی نقاب کے پیچھے کون سے مسلمان ہیں اور اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ کربلا کے جہاد کی نوعیت بالکل مختلف ہوگئی۔ ہمارے ہاں ہندوستان میں،اب بھی جلسوں میں کثرت سے غیر مسلم شریک ہوتے ہیں،غیر مسلم شاعر بھی ہیں، مداحِ اہلِ بیت بھی ہیں،تو جناب ایک مشترک جلسہ تھا،ایک ہندو شاعر نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو مخاطب کر کے کہہ دیا کہ ہم بے شک غیر مسلم ہیں مگر ہم میں آپؑ کا قاتل کوئی نہیں ہے۔مجمع نے تو بہت داد دی مگر مجھ پر بارِ خاطر ہوگیا کہ یہ بالواسطہ اسلام پر ضرب لگ گئی۔اب آخر میں مجھے تقریر کا موقعہ ملا۔ میں نے اپنی تقریر میں چند جملے کہے،خلاصہ اُن کا عرض کر رہا ہوں جسے انہوں نے بھی تسلیم کیا۔

میں نے پہلے اُن کی تعریف کی،ان کی شاعرانہ بلندی،تصورات کی،خلوص کی اور اس کے بعد میں نے کہا کہ بے شک ہمارا سر شرم سے جھک جاتا ہے جو ہمارے دوست نے یہ نظم کیا ہے مگر یہ کہ میں یہ کہتا ہوں کہ یہی تو حسینؑ نے کارنمایاں انجام دیا ہے کہ ایسے بہتر (۷۲) پیش کئے ہیں کہ ہمارے دوست کو بھی ماننا پڑے گا کہ ہم میں اگر حسینؑ کا قاتل کوئی نہیں ہے تو انہیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ہم میں حبیب بھی کوئی نہیں ہے،ہم میں مسلم ابن عوسجہ بھی کوئی نہیں ہے، ہم میں بریر ہمدانی بھی کوئی نہیں ہے، حسینؑ نے بہتر (۷۲) نمونے ایسے پیش کر دیئے کہ جب ادھر کا تاریک مرقع پیش ہو تو یہ روشن مرقع فوراً اسلام کی عظمت کا گواہ بن جائے۔

تو بس اربابِ عزا! آپ کی توجہ تو ہے مگر زیادہ عرض نہیں کرنا ہے، میں کہتا ہوں کہ حسینؑ نے کربلا میں، وقت جتنا سخت ہو، اُتنا مؤثر ہتھیار لایا جاتا ہے،تو کربلا میں ظاہری نگاہوں میں، یہاں تک تو میں ارتقاء دکھا سکتا ہوں کہ شروع میں اصحاب گئے، بعد میں عزیز گئے، پہلے عونؑ و محمدؑ چلے گئے، پہلے فرزندانِ عقیلؑ چلے گئے،اس کے بعد بھتیجوں کی نوبت آئی،عباسؑ بعد میں گئے،علی اکبرؑ روایتِ مشہور کی بناء پر بعد میں

گئے۔ مگر یہاں تک میں ارتقاء دکھا سکا، میں کہتا ہوں کہ یہیں سے مقصدِ حسین علیہ السلام سمجھئے کہ عباسؑ کے بھی بعد اور علی اکبرؑ کے بھی بعد یہ چھ مہینے کی جان، یہ شش ماہہ مجاہد، تو جسے حسینؑ نے اپنا پیش خیمہ رکھا، یہ کیا ہے، یہ ہے، اس اصول کے مطابق کہ جتنا سخت ہو جائے، اتنا ہی مؤثر ہتھیار پیش کرو۔

جب تک علی اکبرؑ میدان میں آئے، دنیا کہہ سکتی تھی کہ تلوار لے کر میدان میں آئے، اگر جنگ نہ کرتے تو کیا کرتے! جب تک عباسؑ آئے، کہہ سکتے تھے، ارے تلوار نہ سہی، نیزہ تو ہاتھ میں سہی، مگر نیزہ لائے تھے، جنگ نہ کرتے تو کیا کرتے، ارے قاسمؑ، کم سن سہی مگر گئے تو وہ بھی تھے تلوار لے کر، مگر جب علی اصغر آئے تو اب دشمن کی زبان بند ہوگئی۔ حسین علیہ السلام کی بے گناہی پر علی اصغرؑ کے خون نے مہر تصدیق ثبت کر دی۔ اب یہ وہ ہستی ہے کہ حسینؑ تو دین کی زبان میں معصوم تھے اور یہ بچہ تمام دنیا کی زبان میں معصوم ہے، ہر مذہب وملت کی زبان میں معصوم ہے اور بس اربابِ عزا! ایک جملہ عرض کر کے اسی پر ختم کر دوں گا کہ ہاتھوں پر بے شیر، تیر سہ شعبہ اور بچے کی گردن اُدھر۔ بچے نے حسینؑ کے ہاتھوں پر دم توڑا اور مولاؑ نے گویا قیامت تک کے انسانوں کو پکار کر پوچھا کہ کیوں، بتاؤ، ایسوں کی بیعت کر لیتا؟ مقصد حسین علیہ السلام میں روح پڑ گئی، جان پیدا ہوگئی۔

۞ ۞ ۞

# بھتّر کی شھادت کے بعدکیا کربلا کے پیاسوں کا پانی پینے کو جی کرتاھوگانھر فرات بھہ رھی ھے، پیاسے منہ پھیرے بیٹھے ھیں کہ اب ھمیں اس پانی کی کوئی ضرورت نھیں ھے۔

اب خواجہ غریب نواز کے ایک شعر کے معنی کی طرف آتے ہیں، انہوں نے کہا:

حقا کہ بنائے لاالٰہ است حسینؑ

آج کل لوگ ہر ایک بات پر اعتراض کر دیتے ہیں کہ انہوں نے لا الٰہ کیا کہا؟ لا الٰہ اکیلا تو کلمۂ کفر ہے، لا الٰہ کی بنیاد بنا دیا، حالانکہ فقط ان بے چارے نے تو نہیں کہا تھا، ڈاکٹر اقبال صاحب نے بھی کہا:

پس بنائے لا الٰہ گردیدہ است

انہوں نے بھی تو آدھا لیا، پس بنائے لا الٰہ گردیدہ است، تو وہ تو چھ صدی پہلے تھے، یہ تو ابھی کل تھے اور زندہ، گویا اپنی نیک نامی کے لحاظ سے زندہ شاعر ہیں تو جناب اُن کے ہاں ہیں یہ لفظ: ''پس بنائے لا الٰہ گردیدہ است''

تو لوگ یوں بھی کہہ دیتے ہیں کہ صاحب وہ تو شعر کی مجبوری تھی کہ پورا کلمہ موزوں نہیں ہوتا تھا تو کسی صاحب نے کہا کہ ضرورتِ شعری سے میں نے کہا ہے۔

کسی نے کہا کہ شعر کہنے کی ضرورت ہی کیا تھا؟ تو میں نہیں مانتا، ہاں ضرورتِ شعر بھی ہے، لیکن ضرورتِ شعر کو ایمان نہیں بنا سکتی۔ ایک کلمہ کفر کو کلمہ ہدایت تھوڑا ہی بنا سکتی ہے تو یہ نہیں ہے، میں کہتا ہوں کہ 61ھ میں لا الٰہ خطرہ میں نہیں تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ مسجدیں تو آباد تھیں، اذانیں ہو رہی تھیں، خانۂ کعبہ میں حج تو ہو رہے تھے۔ وہی لا الٰہ جس کیلئے رسولؐ نے قربانیاں پیش کیں، وہی لا الٰہ خطرہ میں تھا۔ جب دنیا پتھر کے بتوں کو پوج رہی تھی، اب گوشت پوست سے بنا ہوا یزید حکمِ الٰہی کے خلاف لوگوں سے اپنی اطاعت لے رہا تھا۔ حقیقت میں وہی لا الٰہ خطرہ میں تھا اور حضرت امام حسین علیہ السلام نے بھی جو اتنی قربانیاں پیش کیں، وہ اس لا الٰہ کی خاطر تھیں۔ اب کوئی کہتا ہے کہ قربانیوں کا نتیجہ کیا ہوا؟ میں آنکھوں سے دکھا سکتا ہوں اور آپ کی موچی دروازے (لاہور) کے باہر وہ شاندار حسینؑ ڈے ہوا تھا جو دونوں حکومتوں کے اہتمام سے ہوا تھا، حکومتِ ہند نے بھی اس میں حصہ لیا تھا اور حکومتِ پاکستان نے بھی۔ اور دونوں ملکوں کے تعلقات کے قریب لانے کیلئے ہوا تھا۔ کاش! اُس نسخے کو چھوڑا نہ گیا ہوتا تو مستقل طور پر تعلقات خوشگوار ہو جاتے۔ تو اس میں مَیں نے کہا، بعض حضرات ایسے ہوں گے جو اس میں موجود تھے، اس میں ہر مکتبِ خیال کے علماء موجود تھے اور آپ کو تو یاد ہوگا کہ سٹیج اس کا اتنا بڑا تھا جتنا یہ ہمارا ہال ہے۔ اس

میں تمام مذاہب کے علماء موجود تھے اور جب ہر مذہب کے علماء موجود تھے تو ہر نقطہ نظر کے مسلمان موجود تھے۔ تو میں نے اس پورے مجمع سے پوچھا تھا کہ بتاؤ! آج یزید جیسا کوئی شخص جانشین رسولؐ ہونے کا دعویٰ کرے تو مانو گے؟ اور حدِ نظر کے سامنے جتنا مجمع تھا، سب چیخ اُٹھا تھا کہ ہرگز نہیں مانیں گے۔

میں نے کہا تھا کہ 60ھ میں مان رہے تھے، میں نے سب علماء کو گواہ کیا، ان سے پوچھ لیجئے، 60ھ میں تمام مسلمان مان رہے تھے، اگر نہ مان رہے ہوتے تو تاریخ شمار کر کے کیوں بتاتی کہ کس کس نے نہیں مانا۔ یہ تاریخ کا شمار کر لینا بتاتا ہے کہ رسولؐ کے اتنے بعد 60ھ میں صرف پچاس برس بعد سب مان رہے تھے یزید جیسے شخص کو اور آج چودہ سو برس گزرنے کے بعد آپ نہیں مان رہے تو ماننا پڑے گا کہ حسین علیہ السلام نے اپنے خونِ ناحق سے بیہوش احساساتِ اسلامی پر جو چھینٹا ڈالا تھا، وہ مٹنے پر بھی آج تک اس طرح باقی ہے اور اس طرح بس ایک جملہ کہوں، وہ بھی یاد رکھنے کا ہے، اور اس کے بعد آگے بڑھوں گا مصائب کی طرف کہ حضورِ والا! حضرت امام حسین علیہ السلام نے صرف اس یزید کے مقابلے میں فتح حاصل نہیں کی جو ایک خاص باپ کا بیٹا تھا جو ایک خاص شہر کے تخت پر متمکن تھا، اس یزید کے مقابلے میں فتح حاصل نہیں کی ہے بلکہ قیامت تک ہر یزید کے مقابلے میں۔

بس اربابِ عزا! مقصد اتنا عظیم تھا جبھی تو ایسی قربانیاں پیش کیں اور اب اس کو مجلسی زبان میں پیش کروں کہ عباسؑ کی وفادار اخوت ایسی نہ تھی کہ معمولی مقصد کی خاطر دے دی جائے، قاسمؑ جیسا یتیم بھتیجا ایسا نہ تھا کہ معمولی مقصد کی خاطر دے دیا جائے، علی اکبرؑ جیسا بیٹا ایسا نہ تھا جس کسی معمولی مقصد کی خاطر قربان کر دیا جائے اور سب سے آخر میں کہوں کہ زینبؑ کی چادر ایسی نہ تھی کہ معمولی مقصد کی خاطر دے دی جائے اور کربلا میں اگر کوئی جنگِ مغلوبہ ہوتی تو سب ایک ساتھ شہید ہو گئے ہوتے تو ہمارے لئے رونے کے واسطے تو قیامت تک کیلئے کافی تھا۔ لیکن یہ جوہر اختیار صبر کا نمونہ نہ ہوتا جو کربلا کے تدریجی رفتارِ مصائب میں ہے۔

دیکھو! اصحاب سب چلے گئے، عزیز ابھی سب موجود ہیں، حسینؑ ابھی بیعت کر کے علی اکبرؑ کو بچا سکتے ہیں، عباسؑ کو بچا سکتے ہیں، قاسمؑ کو بچا سکتے ہیں، لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے عمل سے دکھلایا کہ جس راستے میں حبیب کی پیری گئی، اسی راستے میں علی اکبرؑ کی جوانی بھی جائے گی اور بس اہلِ عزا! دنیا میں ہر کارنامے کی انتہا سمجھی جاتی ہے۔

نفس کی آمد و رفت، محاورہ ہمارا یہ ہے کہ آخری دم تک ساتھ دوں گا، آخری سانس تک قدم نہیں ہٹاؤں گا مگر جو ہمارے محاورات کی انتہا ہے، وہ حسینؑ کے عمل کی عبوری منزل ہے۔ اگر دم کے سانس کے آنے جانے تک قربانی پیش کرنا ہوتی تو یہ جماعت کافی تھی جو خیموں کے باہر ہے مگر حسینؑ انتظام کر کے آئے تھے کہ میرے سانس کا سلسلہ ختم ہو جائے، میری قربانیوں کا سلسلہ قطع نہ ہو، اس وجہ سے کربلا کے جہاد کے دو حصے ہو گئے، ایک جہادِ عصر عاشور تک اور ایک جہادِ عصر عاشور کے بعد۔ وہ جہاد جو عصر عاشور تک تھا، اس کے سرکردہ حسینؑ ابن علیؑ اور وہ جہاد جو عصر عاشور کے بعد تھا، اُس کی سرکردہ زینبؑ بنتِ فاطمہؑ۔ میری کیا مجال کہ میں مولاؑ کے کارناموں پر کسی کے کارناموں کو بڑھاؤں لیکن جو واقعاتی فرق ہے، وہ کیونکر نظر انداز کروں کہ جو مصائب حضرت امام حسین علیہ السلام نے اُٹھائے، ہر منزل میں زینبؑ ساتھ ساتھ تھیں۔

ایک جملہ ماشاءاللہ آپ کیلئے کافی ہے، میں کہتا ہوں کہ قربانی کے راستے میں بھائی چلا گیا، بہن رہ گئی۔اب زینبؑ کی جتنی قربانیاں ہیں اور سب مصائب ایک طرف، ارے پیاس ہی کو لے لیجئے، جہاں ساتویں سے پانی بند ہو، جو جتنا زندہ رہا، اتنا زیادہ پیاسا رہا اور اس لئے بہتر (۷۲) سب پیاسے تھے۔مگر مرثیہ جب پڑھا گیا حسینؑ کی پیاس کا، سید سجاد علیہ السلام نے بھی کہا کہ میرا باپ پیاسا رہا، زینبؑ نے کہا: میرا بھائی پیاسا گیا، مگر میں کہتا ہوں کہ ذرا غور کیجئے کہ مولاؑ کی بھی حد عطش عصر عاشور، جس کے بعد ہم لوگ فاقہ شکنی کرتے ہیں مگر زینبؑ کب تک پیاسی رہیں، وہ ایک روایت پڑھی جاتی ہے شام غریباں کی مجالس میں، مگر میں کیا کروں کتابوں میں تو پتہ نہیں ہے، حُر تو راستے سے آیا تھا، اس کے ساتھ بیوی بچے کہاں، کسی کتاب میں نہیں ہے، میری جو سمجھ میں آیا ہے، عرض کرتا ہوں۔

ارے کیا اُن کے ظرفِ شرافت میں اتنی گنجائش تھی کہ فتح کے باجے بجانے کی بجائے وہ پانی بھیجتے۔ارے جو پیاسوں کی طرف آگ بھیجیں، وہ بھلا پانی بھیجیں گے؟ میری سمجھ میں جو آیا ہے، وہ میں عرض کرتا ہوں کہ وہ پہرا جو ساتویں سے بیٹھا تھا، وہ عصر کے بعد اُٹھ گیا، اس لئے کہ شیر نہیں رہے جن کا ڈر تھا۔اب فرات بہہ رہی ہے، جس پیاسے کا دل چاہے جا کر پانی پی لے۔مگر میں آپ سے محبتِ حسینؑ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ عصر عاشور جب آپ فاقہ شکنی کرتے ہیں تو کیا واقعہ پانی پینے کو دل چاہتا ہے؟ اب فرات پر پہرا نہیں بیٹھا ہے، جس کا جی چاہے جا کر پانی پی لے مگر ذرا سوچئے کہ کیا علی اکبرؑ کے بعد لیلیٰ کا دل چاہا ہوگا کہ پانی پئیں۔

کیا قاسمؑ کے بعد بیوۂ حسنؑ کا دل چاہا ہوگا کہ پانی پئیں؟ کیا حسینؑ کے بعد زینبؑ کا دل چاہا ہوگا کہ پانی پئیں؟ اور بات تو بظاہر انتہا تک پہنچ گئی، میں کہتا ہوں کہ کیا علی اصغرؑ کے بعد سکینہؑ کا دل چاہا ہوگا کہ پانی پئیں؟ میں تو سمجھتا ہوں کہ فرات بہہ رہی ہوگی، پیاسے منہ پھیرے بیٹھے ہوں گے کہ ہمیں اس پانی کی ضرورت نہیں!

۞ ۞ ۞

**شمر نے مشک کا دھانہ کھولا، معصوم سکینہؑ سمجھی کہ یہ مجھے پانی دے گالیکن اُس ظالم نے پانی زمین پر گرا دیا اور سکینہؑ گیلی مٹی اُٹھا کر سروسینہ پر ڈال کر کھتی تھیں کہ پھوپھی اماں! ھائے میں پیاس سے مر رھی ھوں۔**

صلح اور بیعت؟ تو فرق میں بتا دوں کہ بیعت تو وہی غیر مشروط اطاعت کا عہدہ، ارے وہ کسی خصوصی طور پر قید کے ساتھ بیعت ہو جیسے وہاں خرید و فروخت میں بھی وہ، بیع اسی بیعت سے ہے، یعنی ایک معاہدہ ہوتا ہے کہ یہ چیز ہم تمہیں دیتے ہیں، وہاں بھی ہاتھ پر ہاتھ مارا جاتا تھا عرب میں، اسی لئے فقہ کی کتابوں میں سفق کا لفظ ہے جس کا مطلب تالی بجانا ہے کیونکہ اس میں بھی ہاتھ پر ہاتھ مارا جاتا تھا۔ آج کل بھی ہمارے عوام میں ہے لاؤ ہاتھ ____

یہ تو ہے بیعت اور صلح ایک درمیان کا راستہ ____ دو فریق میں ایسا پیدا ہوتا جس سے تصادم ختم ہو جائے اور کسی کے اصول کو صدمہ نہ پہنچے، اس کا نام صلح ہے۔ اس کیلئے عمومی حکم قرآن میں دیا ہے رسولؐ کو:

''اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْم''

''جب بھی یہ جھکیں صلح کی طرف تو فوراً آپ بھی جھک جایئے''۔

اور توکل علی اللہ، پھر اس سے بحث نہ رکھئے کہ یہ عمل کریں گے یا نہیں۔ اس کو اللہ کے سپرد رکھئے تو رسولؐ اللہ نے صلح فرمائی، حضرت امام حسن علیہ السلام نے بھی صلح فرمائی، امام حسینؑ کے سامنے بیعت کا سوال ____ یہ تو بنی اُمیہ کا پروپیگنڈہ تھا کہ بھائیوں کے مزاج ہی میں فرق ہے، وہ حسنؑ صلح پسند ہیں اور یہ حسینؑ شروع ہی سے جنگ پسند ہیں؟ یہ تو دشمنوں کا پروپیگنڈہ تھا۔

مگر حقیقت کے لحاظ سے 60ھ میں حسن مجتبیٰ علیہ السلام ہوتے تو وہ یہی کرتے جو حضرت امام حسینؑ نے کیا۔ اگر 60ھ میں حسینؑ برسر اقتدار امامؑ ہوتے تو وہ وہی کرتے جو حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے کیا اور 60ھ میں وہ تو یہی کرتے جو حضرت امام حسینؑ نے کیا، یہ ذات کا اختلاف کیسا، وقت کا اختلاف ہے۔ فرض کا اختلاف ہے، اب بیعت بھی کس سے؟ یزید ایسے شخص سے ان کے سامنے بیعت کا سوال؟ اب دنیا والے آج یہ سوال اُٹھاتے ہیں کہ ارے یہ سب کچھ برداشت کیا اور بیعت نہ کی؟ یہ بیعت سے اتنا انکار کیوں تھا؟ تو میں اس کے جواب میں کہا کرتا ہوں کہ آپ اُدھر سے سوچتے ہیں کہ ان کو بیعت پر اتنا اصرار کیوں تھا؟ ارے جب پورا عالم اسلام بیعت کر چکا تھا، سب مان چکے تھے تو اگر ایک فرد بیعت نہ کرتا تو یزید کا کیا بگڑتا؟ کیا نقصان ہوتا جبکہ آپ کا نظامِ جمہوریت یہی ہے کہ اکثریت مان لے تو اقلیت کی بات غیر

معتبر ہے کہ پوری طاقت سلطنت کی صرف کردی جائے اُنؑ سے بیعت حاصل کرنے کی کوشش میں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یزید سمجھتا تھا کہ یہ ایک فرد کا معاملہ نہیں ہے، فرد اہمیت حاصل کرتا ہے کسی اصول کا نمائندہ بن کر، مختصر طور سے اس وقت عرض کرنا چاہتا ہوں، وہ سمجھتا تھا کہ جب تک حسینؑ نے بیعت نہ کی، تب تک حکومت کے مقابلے میں شریعت کا محاذ قائم ہے اور اگر یہ بیعت کرلیں تو ہمیشہ کیلئے حکومت کے راستے سے شریعت ہٹ جائے گی۔ اب حسینؑ کی بیعت کا سوال نہیں تھا، شریعت کی بیعت کا سوال تھا اور بیعت کے معنی ہیں جھک جانے کے۔

صاحبِ شریعت کا جھک جانا، تو میں کہتا ہوں کہ اللہ تو، اگر اس کی شریعت دوسرے کے سامنے جھک جائے تو اس کے معنی ہیں کہ اُس کا قانون دنیا کے قانون کے سامنے جھک جائے تو اب حسینؑ کے لباس میں فقط حسینؑ کی عزت نہیں ہے، اللہ کی عظمت کا سوال ہے، ارے کہہ رہا ہوں زبان سے نہیں یعنی عمل سے ثبوت دے دیا کہ بیعت نہیں کروں گا۔

اب بیعت نہیں کروں گا تو کیا کروں گا؟ خدا کی قسم! عمل سے حسینؑ کر کے نہ دکھاتے تو ہمیں تصور ہی نہیں ہوتا۔ ہاں! جس دن کہا، جس وقت کہا کہ بیعت نہیں کروں گا، اُسی وقت تمام امکانات کا جائزہ لے کر، سامنے رکھ کر اُنہیں واقعی مان کر کہا کہ بیعت نہیں کروں گا۔ دنیا کو اُن تفصیلات کا علم نہیں تھا، اُن کے اِس اجمال میں پوری تفصیل مضمر تھی۔ اب مجھے علم ہوگیا کچھ تفصیلات کا۔ مطلب یہ ہے کہ بیعت نہیں کروں گا، چاہے وطن چھوڑنا پڑے، بیعت نہیں کروں گا چاہے دربدر پھرنا پڑے، بیعت نہیں کروں گا چاہے خانۂ کعبہ میں پناہ بھی نہ ملے اور بیعت نہیں کروں گا چاہے ہزاروں کا لشکر چاروں طرف سے گھیرے۔ اور ہاں اہلِ عزا! بیعت نہیں کروں گا چاہے پانی بند ہو جائے، چاہے چھوٹے چھوٹے بچے صدائے العطش بلند کرتے ہوں، چاہے سکینہؑ پیاس سے تڑپ رہی ہو اور پھر روزِ عاشور اور بعد عاشور جو جو ہوا، وہ سب کے سامنے تھا۔ اب یہ کہہ دیا کہ بیعت نہیں کروں گا اور چونکہ عطش کا ذکر آ گیا تو اس کو تفصیل سے عرض کرتا ہوں تو اس دن کہہ چکا ہوں کہ روزِ عاشور جو زیادہ رہا، وہ زیادہ پیاسا رہا اور اس لئے بہتر (۷۲) تو سب پیاسے تھے، مگر مرثیہ جب پڑھا گیا حسینؑ کی پیاس کا۔

سید سجاد علیہ السلام نے بھی کہا کہ میرا بابا پیاسا تھا، زینبؑ نے بھی کہا کہ میرا بھائی پیاسا تھا۔ ارے رُبابؑ نے یہ پوچھا کہ میرے وارث کو پانی بھی نہ ملا تھا؟ اَجرُ کُمْ عَلَی اللہ۔ کیونکہ مجھے آج یہ احساس ہے کہ اٹھارہ صفر آ گئی اور میں نے اس دور کے مصائب ابھی کسی دن بیان ہی نہیں کیئے، یوں مصائب تو اُن کے ہر دن کے مصائب ہیں مگر کچھ خواہش ہوتی ہے کہ جس کا زمانہ ہے، اس کا بھی تذکرہ ہو، اس لئے میں آج بس ایک واقعہ اس سلسلے کا بیان کروں گا۔ الغرض! میں نے کہا کہ جو زیادہ رہا، تو مولاؑ کی بھی حد عطش معلوم ہوتی ہے۔

عصر عاشور مگر زینبؑ کب تک پیاسی رہیں، بیبیاں کب تک پیاسی رہیں؟ ہمیں شہزادہ علی اصغرؑ کی عمر عطش معلوم ہوتی ہے مگر شہزادی سکینہؑ کب تک پیاسی رہیں؟ میں نے کہا میں تو بتا ہی نہیں سکتا، بس گیارہویں محرم کی رات کا تو پتہ نہیں چلتا، ہاں ضرور آیا، کبھی آیا، کبھی آیا پانی، اس کو راویوں نے بیان نہیں کیا۔ گیارہویں تاریخ کو آیا۔ ممکن ہے کہ گیارہویں تاریخ کو جب روانہ ہو رہے ہوں تو اُس سے پہلے پانی آ گیا ہو۔ اب جب پانی آنے کا حال راویوں نے نہیں لکھا تو اس وقت کی کیفیات کیا تھیں، اسے کون راوی لکھے؟ میرا تو دل کہتا ہے کہ سید سجادؑ کو خیموں کی آگ کے وقت اپنی امامت سے کام لینا پڑا تھا، حکمِ امامت دیا تھا کہ خیموں سے نکلئے ورنہ بیبیاں قدم نہیں نکال رہی تھیں۔ اسی طرح سے شاید جب پانی آیا ہو تو سید سجاد علیہ السلام کو زینبؑ کے پاس آ کر بحیثیت امامؑ کہنا پڑا کہ پھوپھی اماں! میں کہتا ہوں ____ مگر یہاں تک

میں نے سرسری طور پر بیان کیا، اب آج جو چیز عرض کرنا ہے، وہ یہ کہ عاشور کے فاقے ہی کو لیجئے، چہ جائیکہ تین دن کی پیاس۔ کیا گرمی کے زمانے میں روزہ جو آپ رکھتے ہیں، یا عاشورہ کا فاقہ جو آپ کرتے ہیں، تو افطار کے وقت جو پانی پی لیتے ہیں تو کیا پاس بجھ جاتی ہے؟

فرصت کے لمحات میں غور کیجئے گا جو عرض کر رہا ہوں۔ یاد رکھئے کہ گرمی کے موسم میں پہلی دفعہ جو پانی پیتے ہیں، تو طلب میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ جب تک بلا مزاحمت کافی مدت تک بہ اطمینان پانی پیتے نہ رہیں، پانی پیا ہے، مگر پیاس نہیں گئی ہے۔ اب جو میں کہتا ہوں، وہ سنئے کہ ہے حقیقت یا نہیں؟ میں کہتا ہوں مجھے ابتدائے عطش معلوم ہے، انتہائے عطش نہیں معلوم!

ساتویں سے پانی بند ہوا، گیارہویں کو پانی ملا ہو، مگر پانی مل گیا کیا؟ پیاس بجھ گئی، پھر کسی وقت پانی آ گیا جیسے قیدیوں کو دیا جاتا ہے تو پانی تو پیا ہے بے شک قسم کھانے کو مگر کیا پیاس بجھی ہے؟ اور اس لئے بس یہ جملہ ہے اسی شہزادی کیلئے آج بیان کرنا ہے، جو ہمارے بزرگ پڑھا کرتے تھے اور ذاکرین نے چھوڑ دیا پڑھنا کچھ عرصے سے، کہ حضور مجھے تو راہِ کوفہ میں سکینہؑ کی پیاس نظر آتی ہے، مجھے تو راہِ شام میں بھی سکینہؑ کی پیاس نظر آتی ہے اور اس ذیل میں ایک روایت جو میں نے کہا کہ ہمارے بزرگ پڑھا کرتے تھے، ہمارے والد ماجد ایک زمانے میں عراق جانے سے پہلے بہت شاندار ذاکری فرماتے تھے، اُن کے بھی میں قلم سے دیکھا ہے کہ یہ روایت ضرور بیان فرمایا کرتے تھے۔

اور بزرگ بھی پڑھتے تھے کہ حضور ایک منزل ہے کوفہ اور شام کے راستے میں جس کو منزلِ حمص کہتے ہیں۔ اب وہاں کی جو تصویر اس واقعہ کی اُن بزرگوں سے سنی ہوئی ہے، اُن کے الفاظ مجھے یاد ہیں کہ اس منزل پر جو قیام کیا تھا، تمازتِ آفتاب بہت زیادہ تھی، تمام فوج کیلئے خیمے نصب ہوئے، یہاں تک کہ گھوڑوں تک کیلئے شامیانے نصب ہوئے اور گھوڑے شامیانوں کے نیچے باندھے گئے۔ لیکن آلِ رسولؐ جلتی زمین پر تمازتِ آفتاب میں بٹھا دی گئیں۔ اب خود ہماری زبان اس وقت کے بزرگوں کی زبان سے کچھ مختلف ہو گئی ہے۔ لیکن اس وقت میرا دل چاہ رہا ہے کہ اُن ہی بزرگوں کی زبان سے عرض کروں کہ شمر بمعہ عربوں کے مشکیں اور چھاگلیں لے کر قریب کی نہر پر گیا، وہاں سے پانی بھر کے لایا اور اُس نے فوجیوں کو پانی پلانا شروع کیا۔ سکینہؑ نے پھوپھی سے کہا کہ پھوپھی! ہمیں بھی اجازت ہے کہ ہم بھی جا کر شمر سے پانی مانگیں؟ حضرتِ زینب سلام اللہ علیہا نے فرمایا کہ شمر بڑا قسی القلب ہے، مجھے یقین نہیں ہے کہ وہ تمہیں پانی دے گا مگر میں تمہیں منع نہیں کرتی، جاؤ۔

اب میں یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ جملہ، جو اَب ہے، یہ خود میرا ہے، اگر حسینؑ کربلا میں سوالِ آب نہ کر چکے ہوتے تو شاید زینبؑ اجازت نہ دیتیں۔ اب پھر انہی کی زبان میں عرض کر رہا ہوں کہ سکینہؑ شمر کے قریب گئیں، خاندانِ رسالت کی تربیت یافتہ بچی کہتی ہیں:

اے شمر! میرا کلیجہ پیاس سے بھنا جا رہا ہے، میں یہ نہیں کہتی کہ تم دوسروں سے پہلے مجھے پانی پلا دو مگر بس یہ التجا ہے کہ جب سب کو پانی پلا لینا اور پانی بچے تو تھوڑا سا مجھے بھی دے دینا۔

اب اُس زمانے کے علماء کی زبان یہی ہوتی تھی۔ آپ مطلب تو سمجھ لیں گے تو شمر نے کوئی جواب نہ دیا۔ سکینہؑ سکوت کو اقرار سمجھ کر یعنی خاموشی نیم رضا سمجھ کر جب تک ننھے منھے پیروں کی قوت نے ساتھ دیا، پیچھے پیچھے شمر کے پھرا کی۔

جب پیروں کی قوت نے جواب دے دیا تو درخت کے سہارے سے اس انتظار میں بیٹھ گئیں کہ جب شمر سب کو پلا لے گا تو مجھے بھی پانی دے گا۔ ہاں! اربابِ عزا! چند جملے ہیں کہ آئی وہ منزل شمر سب کو سیراب کر چکا اور سکینہؑ نے دیکھا کہ پانی بچا ہے۔ اب سکینہؑ قریب آئیں اور کہا: اب تو سب پی چکے ہیں، اب تو مجھے پانی دے دو، تب اُس نے پھر لفظوں سے کچھ جواب نہ دیا، دہانہ مشک کا کھولا، سکینہؑ سمجھیں کہ مجھے پانی دے گا کہ ایک مرتبہ سب پانی زمین پر بہا دیا۔ سکینہؑ گیلی مٹی اُٹھا اُٹھا کر سر و سینہ پر رکھنے لگیں، کہنے لگیں: ارے پھوپھی! دیکھئے۔

۞ ۞ ۞

# آج پیاسی بیبیاں خیموں کی خاکستر پر بیٹھی ہوئی ہیں اور اُن کے سر پر چادر نہیں ہے اور کوئی بھی نہیں ہے اس اُجڑے ہوئے خاندان کو تسلی دینے والا۔

اور اب بابِ مصائب میں پیش کروں کہ امام حسین علیہ السلام کی اہمیت رسولؐ کے پیش نظر سے، اللہ کے دیئے ہوئے علم سے یہ دے رہے ہیں کہ یہ تو میری ایک وقت کی نماز ہے اور اُس کا سجدہ ہے اور یہ بچہ وہ ہے جس کی بدولت قیامت تک نماز قائم رہے گی اور یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں، معصومؑ نے زیارتِ حضرت امام حسینؑ میں کہا ہے کہ:

''اَشْهَدُ اَنَّکَ قَدْ اَقَمْتَ الصَّلٰوۃَ''

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ نے نماز کو قائم رکھا''۔

تو شہادتِ حسینؑ شریعت اسلام کی بقاء کی خاطر، اور میں کہتا ہوں کہ کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے کردار سے ثابت کر دیا کہ جو میرے ساتھ بچپن میں رسولؐ نے کیا تھا، وہ بلاوجہ نہیں تھا، گویا زیرِ خنجر رسولؐ کا عمل اُن کے سامنے تھا۔ یہ مصائب ہیں، میں کہتا ہوں کہ اُن کے پیش نظر ہے میرے لئے بچپن میں رسولؐ نے سجدے کو طول دیا تھا، تو یہی جو سجدہ ہی ہو اور گلے پر خنجر ہو، اب بڑی سخت بات ہے، میں نے کراچی میں بھی کہی تھی اور جو حقیقت ہے، بہر حال کہتا ہوں کہ یہ ہمارے عزاداروں کے یاد رکھنے کی بات ہے کہ اس کے بعد انقلابِ زمانہ نہیں ہے تو کیا ہے کہ ہمیں خنجر تو یاد رہا اور سجدہ نہ یاد رہے۔ اُنھوں نے تو اپنی شہادت کا جز و بنا دیا نماز کو ___ اور ایک دن کہہ چکا ہوں کہ یہ ہر نمازی سر رکھتا ہے تو سر اُٹھاتا بھی ہے مگر ذرا باریک بات ہے، لیکن ماشاء اللہ آپ حضرات ہر باریک بات کو سمجھتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ سجدہ طولانی کتنا ہوتا ہے، رکوع اس وقت تک طولانی ہوگا جب تک سر نہ اُٹھائے، سجدہ اس وقت تک طولانی ہوگا جب تک سر نہ اُٹھائے، تو پیغمبرؐ نے بچپن میں سجدے کو کتنا طول دیا، وہ ہم بتا سکتے ہیں اور حسینؑ نے سجدے کو کتنا طول دیا، حیرت وہی ہے کہ ایسا سجدہ اور حضرت علی ابن ابی طالب علیہما السلام کا سجدہ اور مسلسل زندگی کے سجدے، مگر سید الساجدینؑ نہ علیؑ کا لقب ہے، نہ حسینؑ کا لقب ہے، اُن کے بے شمار القاب ہیں، امام المتقین ہے، سید الوصیین ہے، مگر کیا کروں سید الساجدین نہیں ہے اُنؑ کے القاب میں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے القاب میں سید الصابرین ہے، سید الشہداء ہے، میں کیا کروں کہ سید الساجدین آپؑ کے القاب میں نہیں ہے، مگر یہ ہمارے چوتھے امامؑ نے کس عالم میں سجدے کئے، اُنؑ کا لقب ہو گیا سید الساجدینؑ! اب وہ مسلسل کربلا سے کوفہ اور کوفے سے شام، وہ گرانی آہن کے ساتھ، وہ سجدے، اُن کی کیفیات کہاں راویوں نے بیان کیں مگر ایک سجدے کی کیفیت علامہ عبد القادر شافعی نے اپنی کتاب ''ذخیرۃ المعاد فی مناقب آلہ الامجاد'' میں بیان کی تو بڑا قیامت خیز وقت ہے، وہ گیارہویں شب محرم کی، جسے ہم آپ شامِ غریباں کہتے ہیں، بڑی قیامت کی رات ہے،

کوئی کہے شبِ عاشورہ ہے یا وہ قیامت کی رات، میں کہتا ہوں، جی ہاں! شبِ عاشورہ سے بہت بڑھی ہوئی، ارے شبِ عاشور حسینؑ کی تسبیح و تحلیل کی آوازیں تھیں۔

شبِ عاشور اصحاب کی تکبیروں کی صدائیں تھیں، شبِ عاشور تمام اعزّہ کی تسبیح و تحلیل کی آوازیں تھیں اور میں کہتا ہوں کہ شبِ عاشور عباسؑ کے شیرانہ ہمہموں کی صدا تھی جو بیبیوں کے دل کو ڈھارس دے رہی تھی۔ لیکن گیارہویں شب جب آندھیاں سیاہ چل چکی تھیں، جب فرات کا پانی نیزوں سے اُچھل چکا تھا اور کہوں، جب خیمے جل کر شمع فرو ہو چکے تھے، خاکستر بن گئی تھی تو اس شب کی قیامت کا حال کوئی بیان کرسکتا ہے؟ ارے کل تو تسبیح و تحلیل، تکبیر سب آوازیں تھیں۔

آج نہ امامؑ کی صدائے تکبیر، نہ اصحاب کی آوازیں، نہ عزیز و اقارب کی صدائیں، نہ عباسؑ کی صدائے شیرانہ اور اہلِ دل! میں کہتا ہوں کہ آج ایک بچے کے رونے کی آواز بھی نہیں ہے، سناٹا ہے اور مکمل سناٹا۔ اور عرض کروں کہ ارے شبِ عاشور بیبیاں خیموں کے نیچے بیٹھی تھیں، آج پیاسی بیبیاں خیموں کی خاکستر پر بیٹھی ہیں، تو آج کے دنوں کے واقعات کوئی بیان کرسکتا ہے؟ مگر نہیں، یہ جملہ ہے، اسی پر ختم کردوں گا بابِ مصائب، تیر و خنجر بھی نہیں ہیں، یہ واقعات سب مصائب ہیں، میں کہتا ہوں کہ یہ قیامت خیز رات اور علامہ شافعی لکھتے ہیں کہ سید الساجدینؑ نے پوری رات ایک سجدے میں گزاری ہے اور زبان پر تھا:

"لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ حقًّاحقًّا لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ صِدْقًا صِدْقًا شُکْراً شُکْراً".

❁ ❁ ❁

**شہادتِ حسینؑ کے وقت کوئی بی بی میدان میں موجود نہ تھی۔پردے کا اس قدر خیال رکھا گیا۔ذوالجناح کو جب کچھ نظر نہ آیا تو اُس نے اپنی پیشانی خونِ امامؑ سے رنگین کی۔درِخیام پر ٹکریں زمین پر مار مار کر بیبیوں کو اطلاع دی کہ مولاحسینؑ شہید ہوگئے ہیں۔**

کربلا فقط مرقعِ مصیبت نہیں ہے جو ہمیں اشک افشانی کی دعوت دیتا ہو، یہ کربلا ایک مدرسہ تعلیماتِ اسلامی بھی ہے۔اسلام کے اصول حسینؑ نے اپنے عمل سے دنیا کے سامنے پیش کئے ہیں۔تو اب کربلا کا ایسا ہنگام تین دن سے پانی بند اور جو لوگ بحمدللہ زیارات سے مشرف ہوئے ہیں، اُن کو معلوم ہوگا کہ خیمہ گاہ سے مقتل کتنی دور ہے! تو مجاہد ہوتا تھا وہاں، جہاں ضریح سے مقتل گاہ ہے اور امامؑ ہوتے تھے خیمہ گاہ کے دروازے پر، کتنا فاصلہ ہے؟ جو گرتا تھا، پکارتا تھا، کوئی ایسا جس نے پکارا ہو اور حسینؑ اُس کے سرہانے نہ گئے ہوں، حالانکہ اگر کسی کیلئے عباسؑ و بھیج دیتے تو اس کے فخر کیلئے وہ بھی کافی ہوتا مگر مولاؑ کیلئے کیونکر ممکن ہے کہ حبیب کے سرہانے خود جائیں اور جون، غلامِ ابوذر کیلئے کسی اور کو بھیج دیں اور غلام ترکی کیلئے کسی اور کو بھیج دیں، نہیں! جو حبیب کے سرہانے گیا، جو مسلم ابن عوسجہ کے سرہانے گیا، وہی جون کے سرہانے بھی جائے گا۔

اب تین دن کی بھوک پیاس میں اتنی دفعہ جانا اور اتنی دفعہ آنا، اس میں عطش کس سیلابی رفتار سے بڑھ رہی ہے مگر مولاؑ کو حقوقِ انسانی یاد دلانے ہیں، مولاؑ کو مساواتِ اسلامی برقرار رکھنا ہے اور بس اربابِ عزا! میں بھولا نہیں ہوں، آپ کے ہاں شبیہ برآمد ہوتی ہے، اب میں قریب آرہا ہوں کہ دیکھئے! وہ ماں کا جو کردار تھا، اُسے کیسے سخت وقت میں مولاؑ نے نبھایا ہے، جس وقت بہتر (۷۲) داغ اُٹھا چکے اور زیادہ پھیلا کے عرض نہیں کرنا ہے، سب سے سخت بات کہہ دوں کہ جب ابھی ابھی ایک ننھی سی قبر بنا کے آئے ہیں اور اب رخصتِ آخر کیلئے درِ خیمہ پر آئے ہیں، اس وقت کی وارداتِ قلبی دیکھئے، سب کو بے آس، بے وارث، جس کے سامنے عصر کے بعد کا منظر ہے اور وہ اکیلا چھوڑ کر اب رخصت ہو کر جا رہا ہے مگر اس قیامت خیز وقت میں حقوقِ انسانی کا لحاظ، مساواتِ اسلامی کا تحفظ۔خیمے کے اندر کون ہے جو حسینؑ سے عمر میں چھوٹا نہ ہو اور ہر حیثیت سے چھوٹا نہ ہو مگر نہیں، اسلام میں حقوق کی تقسیم میں چھوٹے بڑے کا سوال نہیں، حسینؑ دروازے پر کھڑے ہوئے ہیں، کہتے ہیں:

''اَلسَّلَامُ عَلَیْکِ یَازَیْنَبُ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکِ یَااُمّ کُلْثُوم''.

''اے زینبؑ! تمہیں سلام ہو، اے اُمِ کلثومؑ! تمہیں سلام ہو''۔

یہ بہنوں کو سلام ہو گیا، اس کے بعد فرماتے ہیں:

''اَلسَّلَامُ عَلَیْکِ یَاسَکِیْنَۃُ''. ''اے سکینہؑ! تمہیں سلام ہو''۔ اور اس کے بعد:

''اَلسَّلَامُ عَلَی اللّٰتِی قُتِلَ اَوْلَادُھُنَّ وَاَزْوَاجٌ فِیْ نُصْرَتِیْ''.

''سلام ہو اُن خواتین پر جن کے شوہر، جن کی اولاد میری نصرت میں شہید ہوئے''۔

لیجئے مادرِ عمرو ابن جنادہ کو سلام ہو گیا، اُم وہب کو سلام ہو گیا اور اب اُس کے بعد اربابِ عزا! کیا کہتے ہیں:

''اَلسَّلَامُ عَلَیْکِ یَافِضَّۃُ''.

''اے فضہ! میری ماں فاطمہ زہراؑ کی مددگار! تمہیں بھی میرا سلام ہو''۔

پس اہلِ عزا! مصائب تو وہی عرض کروں گا جو آج کی شبیہ سے تعلق رکھتے ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ یہ سب سن لیتے ہم تو ہمارے دل پر داغ رہ جاتا کہ ہم نہیں تھے، آخر کیلئے، سید سجادؑ سے گفتگو کی تو فرمایا: جب قید سے چھوٹ کر مدینے جانا تو ہمارے شیعوں کو ہمارا سلام کہہ دینا۔ پس رخصت ہو کر مولاؑ میدان میں گئے، میں قیامت خیز شہادت نہیں پڑھ سکتا، سخت مصائب نہیں پڑھ سکتا۔

اب مجھے جو عرض کرنا ہے، وہ بس یہ ہے جو شبیہ کے سلسلہ میں ہے، جو آنے والی ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ ہمارا ادائے حق ہے کہ ہم نے کربلا کے صرف انسانوں ہی کی یادگار نہیں قائم رکھی بلکہ جانور بھی اگر ہمارے امامؑ کے کام آیا تو اُس کی یادگار ہم نے قائم رکھی ہے کہ امامؑ کا اسپِ وفا جس کی شبیہ کو اب ہم ذوالجناح کہتے ہیں، اس اسپِ وفا نے کیا مولاؑ کے ساتھ رفاقت کی ہے، دن بھر میں جتنا چلے پھرے ہیں، سب اس کی پشت پر کیا ہے تو اب اس کی بھی پیاس کی انتہا!

وہ وقت آیا جب پشتِ راکب دوشِ رسولؐ سے خالی ہوگئی تو عرب میں فرس کی فراست مشہور ہے، نام اس کا فرس ذہانت ہی کی وجہ سے ہوا، چہ جائیکہ وہ فرس جو جہادِ کربلا کیلئے منتخب ہوا، اب جب اُس نے دیکھا کہ اب اپنے سوار کی کوئی خدمت نہیں کر سکتا تو اُس نے ادھر دیکھا، اُدھر دیکھا، اگر کہیں عباسؑ ہوتے تو جا کر اُنؑ سے اشارہ کرتا، اگر علی اکبرؑ ہوتے تو اُنؑ سے اشارہ کرتا مگر وہ تو زمین گرم پر پڑے ہوئے ہیں۔ ایک روایت آپ سنتے رہتے ہوں گے لیکن میرے ضمیر نے اُسے قبول کبھی نہیں کیا ہے، بی بی کوئی میدان میں نہیں تھی، بیبیوں کو جہاں حسینؑ بٹھا گئے تھے، وہاں سب بیٹھی تھیں اور اگر کوئی بی بی میدان میں ہوتی تو ذوالجناح کو درِ خیمہ پر جانے کی ضرورت نہ ہوتی اور جب کچھ نظر نہ آیا کہ کیا کرے تو اپنی پیشانی خونِ حسینؑ سے رنگین کی اور سیدھا خیمے کے دروازے پر گیا اور اپنے انداز میں ایک صدا بلند کی۔ اب یہ روایت بھی آپ سنتے رہتے ہیں، آ گئی، لیکن پھر بھی دروازے پر کوئی معظمہ نہیں آئی، سکینہؑ درِ خیمہ پر آئیں، دیکھا کہ باگیں کٹی ہوئی، زین ڈھلا ہوا، جابجا تیر پیوست، اب خیمے کے اندر گئیں، باپؑ نہیں ہیں۔ بس اہلِ عزا! یہ قیامت خیز خبر آ گئی، پھر بھی گھبرا کر بیبیاں نہیں نکلیں، یہاں تک کہ خیموں میں آگ لگی۔

# زینبؑ پانی کی اتنی پیاسی نہ تھیں جتنی آنسوؤں کی پیاسی تھیں، فرمایا: ہمارے ماتم کیلئے ایک مکان خالی کرادو تاکہ صفِ ماتم بچھا کر اپنے شہیدوں کا سوگ منا لوں، جی بھر کر رولوں اور دنیا والوں کو بتا دوں کہ ہم حق پر ہیں۔

میرے سامنے اب ایک منزل ہے کہ زندانِ شام میں ایک دن حضرت سید الساجدین علیہ السلام نے حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کو دیکھا کہ بیٹھ کر نمازِ شب پڑھ رہی ہیں تو پوچھا کہ پھوپھی! یہ آج آپؑ نمازِ شب بیٹھ کر کیوں پڑھ رہی ہیں؟ فرمایا: جانے دو، کیا کرو گے پوچھ کر۔ عرض کیا: نہیں، میں سمجھنا چاہتا ہوں، جاننا چاہتا ہوں، ویسے وہ علمِ امامت الگ ہے مگر ہمیشہ سوالات ہوتے ہیں، دریافت کیا جاتا ہے، بتایئے۔ کہتی ہیں: پوچھتے ہو تو سنو کہ یزید کے ہاں سے کھانا پانی اتنا کم آتا ہے کہ وہ میرے بھائی کے بچوں کیلئے کافی نہیں ہوتا، لہٰذا اکثر میں اپنے حصے کا بھی بچوں کو کھلا دیتی ہوں تو اب اتنی طاقت نہیں رہی ہے کہ ہر نماز کھڑے ہو کر ادا کروں۔

دیکھا آپ نے کہ پیاس مسلسل قائم ہے۔ مگر اب وہ منزل آتی ہے، اس ایک لمحے کو یاد دلاؤں گا، پیاس مسلسل قائم ہے مگر وہ منزل آتی ہے کہ یزید کو احساسِ شکست ہوا، کوئی نیک نیتی سے تو رِہا نہیں کیا تھا، کسی جذبۂ انسانیت سے رِہا نہیں کیا تھا! نہیں، شکست کا احساس دیکھا کہ ملک میں شعلے بھڑک رہے ہیں مخالفت کے۔

مسلمانوں کا ضمیر بیدار ہو رہا ہے، ناقابلِ برداشت ہوگئی بات تو اب بلایا، آدمی بھیجا کہ لے آؤ زین العابدین علیہ السلام کو۔ اور اہلِ عزا! ایک پہلو کی طرف توجہ دلاؤں کہ یہ شاید پہلا موقعہ تھا کہ سید سجاد علیہ السلام آئے اور زینبؑ نہیں بلائی گئیں۔ تو اب دیکھئے، اتنی دیر زینبؑ پر کیا گزری؟ بہر حال اب امام علیہ السلام وہاں تشریف لے گئے تو یزید نے کہا کہ جو کچھ کیا، ابن مرجانہ نے کیا یعنی ابن زیاد اس کو گالی کے طور پر اُس نے کہا: ابن مرجانہ نہ کہا کہ جو کچھ کیا وہ ابن مرجانہ نے کیا۔ براہِ راست مجھ کو سابقہ حسینؑ کا پڑتا تو میں یہ نہ کرتا، یہ سب سیاسی باتیں، جو کچھ کیا وہ اُس نے کیا اور اس کے ساتھ یہ جزو ہے، متفقہ کتابوں میں جس کو آج کل صفائی میں پیش کیا جاتا ہے۔ خدا لعنت کرے ابن زیاد پر کہ اُس نے مسلمانوں کو مجھ سے متنفر کر دیا۔

یہ جملہ ہے، بس یہاں میں نتیجہ نکالتا ہوں اور اُس کے بعد میں طے کریں گے کہ اصل قاتل کون ہے؟ مگر یہ تو طے ہوگیا کہ جو قاتلِ حسینؑ ہے، وہ مستحقِ لعنت ہے۔ بہر حال اُس نے کہا کہ اب ہم تمہیں رِہا کرتے ہیں اور تمہیں اختیار ہے، چاہے یہاں دمشق میں رہو عزت کے ساتھ اور چاہے مدینے واپس جاؤ۔ اب دیکھئے خاندانِ رسالت کا حفظِ مراتب، جب خیموں میں آگ لگی تھی تو زینبؑ نے کہا تھا کہ بغیر امامِ

وقت سے پوچھے ہوئی کچھ نہیں کہہ سکتی۔

اور اب زینب سلام اللہ علیہا کی عظمت وہ ہے کہ امامِ وقت کہہ رہے ہیں کہ بغیر پھوپھی سے پوچھے، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لو ہار پہلے بلا لیا گیا تھا اور وہ ہتھکڑیاں اور بیڑیاں اور طوقِ گرانبار، وہ سب الگ کئے گئے اور سید سجاد علیہ السلام نے کہا کہ اچھا! جا کر پھوپھی سے پوچھ کر بتاتا ہوں۔ اب آئے تو روایت نے چاہے نہ بتایا ہو، میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ زینبؑ کو درِ زندان پر پایا، خیر پہلی ہی نگاہ میں تبدیلی محسوس کر ہی لی کہ اب وہ ہتھکڑیاں اور بیڑیاں نہیں ہیں۔

مگر ذرا تفصیل پوچھی کہ یہ کہو کیا بات ہے؟ بیٹا کیوں گئے؟ کہا: ہمیں رہا کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ مجھے بتاؤ کہ تم یہاں رہنا چاہتے ہو یا مدینے جانا چاہتے ہو؟

بس زینبؑ نے گھبرا کر کہا: پھر تم نے کیا کہا؟ فرمایا: میں بغیر آپؑ کے پوچھے کیا کہہ سکتا ہوں؟ میں نے کہا کہ جب تک پھوپھی سے نہ پوچھ لوں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

اب دیکھئے میں کہہ چکا ہوں کہ پانی ابھی تک دل کھول کے نہیں آیا، مگر زینبؑ کی فرمائش سے پتہ نہیں چلے گا زینبؑ پانی کی اتنی پیاسی نہ تھیں جتنی آنسوؤں کی پیاسی تھیں۔ یہ نہیں کہا کہ ارے! رہا کیا ہے تو ہمارے بچوں کیلئے کھانا پانی ذرا فراوانی کے ساتھ بھیج دے بلکہ کہا کہ اے بیٹا! جب تم نے مجھ پر چھوڑا ہے تو میری طرف سے جا کر کہہ دو کہ ابھی تو ہمیں کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا، ہم ابھی بتا ہی نہیں سکتے کہ یہاں رہیں گے یا مدینے جائیں گے۔ ابھی تو ہم اپنے شہیدوں کو رو دئے نہیں ہیں، حضرت علی علیہ السلام کی بیٹی، جنہیں دنیا کہتی ہے سیاست نہیں جانتے تھے، باپ کو یہی کہتے ہیں، دیکھئے کیسا سیاست کو بے بس کیا ہے۔ زینبؑ سمجھتی ہیں کہ یہ کوئی مہربانی سے رہا تو نہیں کر رہا، یہ اندیشہ انقلاب سے رہا کر رہا ہے تو اب یہ مجبور ہے، ہماری خاطر داری پر_____

فرماتی ہیں: کہو، ابھی تو ہم نے اپنے شہیدوں کا ماتم نہیں کیا ہے، لہٰذا ایک مکان خالی کروا دے کہ ہم اپنے وارثوں کا جی کھول کر ماتم کرلیں۔ لیجئے! وہی ہوا جو دخترِ علیؑ کا تصور تھا، اُس نے کہا: ہاں، ہاں، مکان خالی کروا دیتا ہوں۔

اب یہ دمشق وہ جگہ ہے جہاں رعایا کو ناواقف رکھا گیا آلِ رسولؐ سے، ان میں سے بہت سے جانتے ہی نہیں کہ یہ شخصیات تھیں کون؟ اور اب مکان خالی ہو گیا۔ بہت سے قبیلہ قریش اور بنی ہاشم کے لوگ بھی، دمشق میں دار السلطنت تھا، تو وہ بسے ہوئے تھے، لیکن آج تک کوئی تعزیت کیلئے نہیں آیا تھا۔ ارے قیدیوں کے پاس کون آتا ہے؟ اب جو معلوم ہوا کہ بادشاہ کے حکم سے عزائے حسینؑ برپا ہوئی ہے تو اشرافِ دمشق کی عورتیں سیاہ کپڑے رنگوا کر آنا شروع ہوئیں تعزیت کیلئے، پُرسا دینے کیلئے آنا شروع کیا۔

بس چند جملے ہیں مصائب کے، ماشاءاللہ آپ تیار ہو لئے ہیں، میں کہتا ہوں کہ عورتوں کی ایک فطرت ہوتی ہے، مرد مختصر طور پر بات کرتے ہیں، عورتوں سے گفتگو کا انداز یہ ہوتا ہے کہ تفصیلات کچھ بیان کرتی ہیں، وہ تفصیلات کچھ پوچھتی ہیں۔

اب جو لوگ تعزیت کیلئے آنا شروع ہوئے تو میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی پہنچ گئی بیوۂ حسینؑ کے پاس، تو اُس نے کہا: ارے بی بی! میرا

بچہ تو وہ تھا کہ دشمن کے ایک سپاہی نے کہا: چاند کا ٹکڑا نکل آیا، اب اس پر کیا اثر ہوا اور ہاں اہلِ عزا! اگر کوئی لیلیٰ کے پاس آ گئی، انہوں نے کہا: ارے بی بی میرا بچہ تو ہو بہو رسولؐ اللہ کی تصویر تھا اور ان ظالموں نے کیا کیا۔ اس کے ٹکڑے کر ڈالے اور بس جناب! اس جملے پر ختم کر دوں گا کہ اگر کوئی ربابؑ کے پاس آ گئی تو ربابؑ نے کہا: ارے بی بی! علی اکبرؑ تو تلوار لے کر گئے تھے، ارے قاسمؑ بھی تلوار لے کر گئے تھے، عباسؑ بھی نیزہ و تلوار لے کر گئے تھے، میرے بچے کے پاس کون سا ہتھیار تھا، وہ تو بس ایک زبانِ خشک تھی مگر اس کو بھی ـــــ انتہائی بیدردی کے ساتھ شہید کر دیا گیا۔

۞ ۞ ۞

# واقعۂ کربلا کی مثال اوّلین میں ہے نہ آخرین میں، وہاں مرنا اتنا مشکل نہ تھا جتناکہ جینا مشکل تھا۔

اقبالؒ نے کہا ہے (مرحوم عالم اسلام کے بہت بڑے دانشور، فلسفی اور شاعر تھے):

موسیٰؑ وفرعون وشبیرؑ ویزید　　　　این دوقوت از حیات آمد پدید

اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ دنیا میں آئے تو تھے ہجرت کے تین، چار سال گزرنے کے بعد لیکن آدمؑ کے وقتِ اوّل سے لے کر جنگ حسینؑ اور یزید قائم تھی، اس کا مطلب یہ ہے کہ اقبالؒ کی زبان میں ہر دور کا حق پرست رمزی طور پر حسینؑ ہے اور ہر دور کا باطل پرست رمزی طور پر یزید ہے۔ تو اب اس اصطلاحِ اقبال کو سامنے رکھ کر، جو میں کہہ رہا ہوں اس پر غور کیجئے کہ میں کہتا ہوں کہ ان سے پہلے کسی دور کے حسینؑ نے کسی یزید کی بیعت نہیں کی۔ موسیٰؑ نے فرعون کا کہا مان لیا ہوتا تو جلاوطن کیوں ہوتے؟ ابراہیمؑ نے نمرود کا کہا مان لیا ہوتا تو آگ میں کیوں پھینکے جاتے اور ہمارے رسولؐ نے ابوجہل اور ابولہب وغیرہ کا کہا مان لیا ہوتا تو تیرہ برس جسم مبارک پر پتھر کیوں کھاتے؟ تو پھر کہوں گا کہ کسی دَور کے حسینؑ نے کسی دَور کے یزید کی بیعت نہیں کی۔ تو ماشاء اللہ! صاحبانِ فہم ہیں، اب یہاں میں کہتا ہوں کہ آج کا موسیٰؑ، آج کا ابراہیمؑ، آج کا محمد مصطفیٰؐ اپنے وقت کے فرعون ونمرود وابوجہل کی بیعت کیوں کرے گا؟ تو میں کہتا ہوں کہ امام حسین علیہ السلام نے کوئی نیا کام نہیں کیا۔ اُنہوںؑ نے وہی کیا جو اُنؑ کے بزرگ، انؑ کے اسلاف ہمیشہ کرتے آئے تھے، مگر اس کے ساتھ ایک اور بات کہتا ہوں کہ واقعہ کربلا کی مثال نہ اوّلین میں ہے اور نہ آخرین میں ہے۔

تو کوئی کہے گا کہ یہ دونوں باتیں ایک دوسرے سے ٹکرا گئیں، ابھی تو یہ کہا کہ کوئی نیا کام نہیں کیا، وہی کیا جو اُنؑ کے اسلاف نے کیا، اور اب کہا جارہا ہے کہ اس کی مثال نہ اوّلین میں نہ آخرین میں؟ میں کہتا ہوں کہ میں نے دونوں باتیں سمجھ کر کہی ہیں۔ انہوںؑ نے وہی کیا جو ہمیشہ اُنؑ کے آباؤ اجداد نے، اسلاف نے کیا تھا مگر ان کے ساتھ وہ کبھی نہیں ہوا تھا اور اس کو یوں میں عرض کرتا ہوں کہ ہمیشہ ظلم کے دل میں کچھ حسرت رہ گئی اور صابر کے متعلق کچھ غلط فہمی دنیا کی باقی رہ گئی۔ ظلم کے دل میں حسرت یہ کہ اتنا ہم نے کیا، اتنا اور کرتے تو اُنہیں راہِ حق سے ہٹا دیتے۔ یہ تو ظلم کی حسرت رہ گئی، صابر کے متعلق یہ غلط فہمی رہ گئی کہ ہم نے اتنا کیا تو برداشت کر گئے، اگر اتنا اور کرتے تو پھر آدمی تھے، بشر تھے، پھر برداشت نہ کر سکتے۔ یہ حجت حسینؑ نے کربلا میں ختم کر دی۔ اب ظالم سوچ نہیں سکتا کہ یہ کرتے اور صابر کے متعلق غلط فہمی نہیں ہوسکتی کہ یہ ہوتا تو یہ نہ سہہ سکتے۔

میں کہتا ہوں کہ کیا رہ گیا جو اور کرتے اور کیا باقی رہا جسے یہ نہ سہہ سکتے اور بس، یہ بابِ مصائب ہے، عموماً مصائب میں ایسی چیزیں خلافِ اصولِ ذاکری سمجھی جاتی ہیں جس میں ذہن کو ذرا اُلجھا دیا جائے مگر میرا طرز یہی ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ دماغ کو بھی متوجہ رکھئے، جو

حقیقت ہے، اُسے بھی سمجھئے اور پھر دل کو بھی جو اثر کا تقاضا ہے، وہ کیجئے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر جنگ مغلوبہ ہوتی اور سب ایک ساتھ شہید ہو جاتے تو یہ جوہر اختیار صبر نمودار نہ ہوتا۔ اصحاب سب چلے گئے، عزیز ابھی سب ہیں۔ اب بھی حسینؑ اقرارِ بیعت کر کے عباسؑ کی جوانی کو بچا سکتے ہیں، اب بھی حسینؑ اقرارِ بیعت کر کے علی اکبرؑ کے شباب کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ مگر کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام نے دکھلا دیا کہ نہیں! جس راہ میں حبیب کی پیری گئی تھی، اُسی راہ میں علی اکبرؑ کا شباب بھی جائے گا۔ بس چند جملے اور ذرا غور کیجئے، کیا عرض کر رہا ہوں کہ حضور! کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کیلئے بہت آسان تھا کہ صبحِ عاشور میدان میں جاتے اور جنگ کر کے اپنا سر راہِ خدا میں دے دیتے لیکن اگر ایسا کرتے تو اُنؑ کی منزل یحییٰ بن ذکریاؑ سے آگے نہ بڑھتی۔ جنابِ یحییٰ کا بھی سر قلم ہو گیا تھا۔ یہ بھی اپنا سر قلم کروا لیتے تو اس منزل سے اُنؑ کی منزل آگے نہ بڑھتی۔ کربلا میں حسینؑ کا کارنامہ یہ نہیں کہ سر دے دیا، کارنامہ یہ ہے کہ جب تک ایک بھی رہا، سر نہ دیا۔ اب میں اسے اپنی اردو زبان میں کہہ دوں کہ کربلا میں مرنا اتنا مشکل نہ تھا، جتنا جینا مشکل تھا اور اس لئے پیغمبرؐ خدا کا اصولِ جنگ جو تھا، نہج البلاغہ میں امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہمیشہ عزیزوں کو آگے رکھتے تھے، اصحاب کو پیچھے رکھتے تھے، کیا معاذ اللہ حسینؑ اپنے خاندانی اصولِ جنگ کو نہیں جانتے تھے؟ اپنے نانا کی سیرت سے واقف نہ تھے؟

مگر کربلا میں یہ اُلٹ گیا____ اصحاب آگے رکھے گئے، عزیز بعد کو رکھے گئے، یہ کیا؟ بات یہ ہے کہ ہر جنگ میں یقین ہوتا تھا کہ کچھ شہید ہو جائیں گے، کچھ بچ جائیں گے۔ وہاں اگر اصحاب کو آگے رکھیں تو اس کے معنی یہ کہ غیروں کو کٹوانا ہے، اپنوں کو بچانا ہے، لیکن کربلا میں یہ تو طے شدہ تھا کہ شہید ہونا سب کو ہے، امکاناتِ حیات تو شبِ عاشور کو خطبے سے ختم کئے جا چکے ہیں، اب تو یہ طے ہے کہ سب جان دیں گے۔ لیکن صورتِ واقعہ یہ ہے کہ جو پہلے چلا گیا، اس کی مسافتِ مصیبت مختصر ہوگئی۔ ارے سب مصیبتیں ایک طرف، پیاس ہی کو لے لیجئے، جہاں ساتویں سے پانی بند ہو، آفتاب کی تمازت کے ساتھ____ طوفانِ عطش سیلابی رفتار سے بڑھ رہا ہے، اب یہاں جو سب سے پہلے آ گیا، ادھر کا نووارد، وہ ابھی جائے گا کیونکہ جب تشنہ ہو کر آیا تھا، جب تو پانی پلا دیا تھا، اب دوست ہو کے آیا تو ایک گھونٹ پانی کا نہیں کہ مہمان کی ضیافت کر سکیں۔

اگر پانی پلا نہیں سکتے تو پیاسا بھی کیوں رکھیں، کہا جاؤ، اجازت ہے، پہلے جاؤ، آخر خاص الخاص اصحاب، وہ دو پہر تک باقی رہیں۔ حبیب دو پہر تک ہیں، ابو ثمامہ دو پہر تک ہیں اور اصحاب میں سے بھی جب تک ایک ہے، کوئی عزیز نہ جائے۔ ممکن ہے کہ کسی ذاکر سے آپ نے سنا ہو لیکن جہاں تک میرا مطالعہ ہے، یہ نہیں ہے کہ عزیزوں نے جانا چاہا ہو، اصحاب نے قدموں پر سر رکھ دیئے ہوں کہ ہم اپنی زندگی میں نہیں جانے دیں گے۔ کربلا کے اقدامات تکلفات کے ماتحت نہیں ہو رہے تھے، فرائض کے ماتحت ہو رہے تھے۔

میں تو یہ جانتا ہوں کہ حسینؑ نے حکماً روکا، حکماً منع کیا، جب تک اصحاب میں سے ایک بھی ہے، کوئی عزیز____ خبردار____ نہ جائے۔ اے علی اکبرؑ! تمہیں کیا حق ہے کہ کوثر پر جا کر سیراب ہو جاؤ اور حبیب پیاسا رہے؟ ارے قاسمؑ! تم کم سن سہی، تمہیں کیا حق ہے کہ تم اپنی پیاس ختم کر دو اور میرے اصحاب تشنہ لب رہیں۔ جب عزیزوں کی باری آئی تو دور کے عزیز پہلے جائیں، فرزندانِ جعفر چلے جائیں، فرزندانِ عقیل چلے جائیں، برابر کا بھائی بعد کیلئے رہے، جوان بیٹا بعد کیلئے رہے، یعنی جس کی قوتِ برداشت کا امتحان زیادہ لینا ہے، اُسے آخر تک کیلئے

رکھا ہے۔ بس اس جملے کے بعد ختم کر دوں گا مجلس کہ مولاؑ سے خود عرض کروں کہ مولاؑ! یہاں تک میری منطق نے ساتھ دیا، یہاں تک میرے فلسفے نے مدد کی، مگر مولاؑ! میری منطق اور فلسفہ ہتھیار ڈالتا ہے کہ یہ عباسؑ کے بعد، یہ علی اکبرؑ کے بعد، یہ چھ مہینے کی جان ___ یہ شہزادہ علی اصغرؑ؟ اسے بس مولاؑ نے اپنا پیش خیمہ رکھا۔

۞ ۞ ۞

# امام حسینؑ نے استغاثہ بلند کیا، سید سجادؑ نے آنکھیں کھول کر پوچھا: پھوپھی! کیا یہ آوازمیرے مظلوم باباؑ کی ہے؟جنابِ زینبؑ نے اشک آلود آنکھوں سے کہا:ہاں آواز تو تمہارے بابا کی ہے۔ عرض کی:پھوپھی جان! ہم کس وقت کام آئیں گے، لائیے تلوار!

میں کہتا ہوں کہ دنیا نے کربلا میں کوئی کمی اُٹھا رکھی تھی، اس سلسلہ کو ختم کرنے کی، وہ تو خالق نے اپنے مقصد کے تحفظ کیلئے وہاں بھی غیبت سے کام لیا۔ ذرا باریک بات ہے مگر ماشاء اللہ آپ توجہ سے سن رہے ہیں، وہاں بھی غیبت، سے کام لیا، غیبت کے معنی تو یہ ہیں کہ ہم اُنہیں دیکھ نہیں رہے، اس نے غیبت یوں طاری کی کہ دن بھر اُنہیں غش میں رکھا کیونکہ اگر غش میں نہ ہوں تو نصرت باپ کی واجب ہوجائے، اگر نصرت نہ کریں تو کردارِ امامت کے خلاف ہو، پھر علی اکبرؑ سے ان کی منزل پیچھے رہ جائے۔ امام کب، جو اپنا فرض نہ ادا کرے ورنہ میرا ایمان ہے کہ ان حضرات کو غش بیہوش نہیں بنا سکتا، مرض بے ہوش نہیں کرسکتا۔

یہ مشیّتِ ربانی ہے، مصلحتِ کردگار ہے کہ دن بھر بیہوش رہے اور اس کا ثبوت مَیں بر بنائے واقعات عرض کروں گا کہ دن بھر بیہوش رہے۔ جب تک فریضہ جہاد ادا ہو رہا تھا، تب تک وہ بیہوش رہے۔ اب یہ بیانِ مصائب ہے، بس اس پورے دن میں چند بار مجھے نظر آتا ہے کہ ہوش میں آئے۔

پہلی منزل ہے وہ جب واضح غلامِ ترکی امامؑ کی خدمت میں آیا کہ مجھے اجازت دیجئے، جیسے غلام ابوذر تھا، ویسے ہی یہ ___ ظاہر ہے کہ جَون بھی اپنے آپ کو غلام اِمامؑ کہنے میں کوئی عذر نہیں رکھتے تھے مگر یہ اُن کی حق شناسی ہے کہ چالیس برس گزر گئے ابوذر کو لیکن اب بھی اُنہیں اپنا غلام نہیں کہتے، اُن کے نام کا جزو ہے، غلام ابوذر ہے، بس یہ اُن کو پناہ دیئے ہوئے ہیں اور اُن کی مدد کر رہے ہیں۔ اُن کی ضروریاتِ زندگی پوری کر رہے ہیں اور نام اُن کا ہے غلام ابوذر۔

اس طرح سے یہ ظاہر ہے کہ امامؑ کے غلام تھے، امام حسین علیہ السلام کے، اس میں کیا شک مگر آپ نے ان کی نسبت دے دی تھی سید سجاد علیہ السلام کی طرف حضرت زین العابدین علیہ السلام کی طرف، تو یہ سید الساجدینؑ کے غلام تھے۔ اب جب روزِ قربانی آیا اور مجاہدین راہِ خدا میں جان دینے لگے تو یہ بھی حاضر ہوئے اور خاندانِ رسالتؐ میں رہ کر یہ غلام کیا ہو جاتے تھے، یہ تو حافظِ قرآن ہیں، میں نے تذکرۂ حفاظِ شیعہ میں، دو جلدوں میں ہے، اُن کا ذکر کیا ہے ___ حافظِ قرآن ___ امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: مولاؑ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں بھی جان دوں۔ کہا: تم کو میں کیونکر اجازت دوں، تم تو زین العابدینؑ کے غلام ہو؟

یہ دیکھئے حفظِ حقوق ہے یعنی زین العابدین علیہ السلام سے اجازت لو، میں کیونکر اجازت دوں؟ لیجئے، آئے درِ خیمہ پر، کہلوایا کہ مجھے اپنے آقا سے کچھ عرض کرنا ہے۔ بیبیاں سمجھیں کہ کوئی خاص بات ہے، ورنہ اس محل پر جبکہ معلوم ہے کہ بیہوش ہیں، یہ حالت ناسازیٔ مزاج کی ہے تو کیوں آئے ہیں؟ کوئی اہم بات ہے، موقعہ دیا ____ آئے، کسی طرح سے ہوش میں لائے، حضرتؑ نے آنکھ کھول کر کہا: کیوں؟ کیسے آئے؟ کہا: حضورؑ! بس اب مجھے اجازت دیجئے، میں چاہتا ہوں کہ آپؑ کے والد بزرگوار کی مدد کروں، نصرت کروں۔ امامؑ سے عرض کیا، وہ فرماتے ہیں کہ میں تمہیں نہیں اجازت دیتا، تم اجازت سید سجادؑ سے لو، اس لئے حاضر ہوا ہوں۔

بس ایک عجیب کلمہ حضرتؑ نے فرمایا: اچھا! بابا پر یہ وقت پڑ گیا ہے کہ تمہاری مدد کی ضرورت ہے؟ اور اس کے بعد ایک عجیب کلمہ حسرت فرمایا:

فرماتے ہیں کہ اگر ہم اس لائق ہوتے تو ہم اپنے بابا کی نصرت کرتے مگر ہم تو اس عالم میں ہیں، لہٰذا اے واضح! تم میری طرف سے جا کے میرے بابا کی مدد کرو ____ دیکھئے حسینؑ نے سید سجاد علیہ السلام کے پاس بھیج کر مرتبہ واضح کو کس معراج پر پہنچا دیا!!

میں کہتا ہوں کہ جب خیمہ میں داخل ہوا تھا تو غلام تھا اور جب جا رہا ہے تو حقیقی معنی میں نائبِ امام ہو کر جا رہا ہے۔ اتنی ہی عزت افزائی بہت تھی مگر بیبیوں سے کہا: ذرا گوشہ پردہ، گوشہ خیمہ ہٹا دیجئے، میں اپنے غلام کی نصرت دیکھوں ____ اپنے غلام کی جنگ دیکھ لوں۔ لیجئے! غلام نے پکارا، مولاؑ نے لاش اُٹھوائی میدان سے اور سید سجاد علیہ السلام کو غش آ گیا۔ وقت سخت سے سخت تر ہوتا جا رہا ہے۔ اب میں بتاؤں کہ دوسری دفعہ کب غش سے افاقہ ہوا؟ جب مولاؑ نے کہا:

"هَلْ مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرُنَا"

"کیا کوئی ہے جو میری مدد کرے؟"

حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ امامؑ نے کئی مرتبہ صدائے استغاثہ بلند کی اور ہر صدائے استغاثہ کا ایک اثر ہوا ہے، ایک صدائے استغاثہ پر علی اصغرؑ نے تڑپ کر خود کو جھولے سے گرا دیا تھا، ہر صدائے استغاثہ کا ایک خاص اثر معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اثر امامؑ جانتے تھے کہ کیا ہوگا، اس لئے صدا ہے میدان میں اور نگاہ ہے درِ خیمہ پر۔ سید سجاد علیہ السلام کے کان میں آواز آئی، کہا: پھوپھی اماں! بابا آواز دے رہے ہیں؟ زینبؑ نے اشک آلود آنکھوں سے کہا کہ ہاں، آواز تو تمہارے بابا ہی کی ہے تو عرض کیا: پھوپھی جان! ہم کس وقت کام آئیں گے، لایئے تلوار ____

❁ ❁ ❁

**جنابِ فاطمہؑ زہرا کا کوئی بھائی نہ تھا، اللہ نے یہ نعمت اُنؑ کی صاحبزادیوں زینبؑ وکلثومؑ کو دیدی۔جتنا پیار زینبؑ و اُمِ کلثومؑ نے بھائیوں سے کیا اور جتنا پیار بھائیوں نے ان بہنوں کو دیا،اسکی تاریخ انسانیت میں کوئی نظیرنہیں ملتی۔**

سیدۂ عالم کی تعظیم پیغمبرؐ خدا فرما رہے ہیں۔سیدۂ عالم کی منزل کیا ہے کہ رسولؐ نے فرمایا کہ:

''فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّیْ''

''فاطمہؑ میرا ایک جزو ہے''۔

یہ جزو جسم کا جزو نہیں ہے، مجھے معلوم ہے بعض ذاکر یہ ترجمہ کردیتے ہیں لختِ دل، پارۂ جگر، اس سے بات محبت پر ڈھل جاتی ہے۔رسولِؐ اکرم نے فرمایا ہے کہ اس میں نہ دل ہے نہ جگر، پیغمبرؐ نے فرمایا: میرا ٹکڑا، تو میرا ٹکڑا ہے۔اس کے معنی یہ ہیں کہ میرے فرائض کی تکمیل نہ ہوتی فاطمہؑ کے بغیر اور پھیلا کے عرض کرنے کا موقعہ نہیں مگر یاد رکھئے کہ فرمانِ رسولؐ جو زبانی ہے، وہ توہدایتِ خلق کر سکتے تھے اقوال سے، سیرتِ رسولؐ مقامِ اتباع میں کافی نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ رسولؐ مردوں کیلئے نمونہ بن سکتے تھے، خواتین کیلئے نمونۂ عمل نہیں بن سکتے تھے۔لہٰذا ضرورت تھی کہ خزانۂ رسالتؐ میں ایک گہر بے بہا ایسا ہو جس کا کردار خواتین کیلئے ویسا ہی معصوم نمونہ ہو جیسا رسولؐ کا کردار مردوں کے معصوم نمونہ ہے۔اس کیلئے خالق نے فاطمہ زہراؑ جیسی بیٹی کرامت فرمائی اور میرے نزدیک تو رسولؐ اسی لئے تعظیم کو کھڑے ہوتے تھے۔وہ فاطمہؑ کی تعظیم نہ تھی، اُس منصب کی تعظیم تھی جو فاطمہؑ کے سپرد تھا اور میں نے عرض کیا کہ تفصیل سے عرض کرنے کا موقعہ نہیں ہے مگر ایک خیال میرے ذہن میں مدتوں رہا ہے، میں انکار نہیں کرتا ____ اپنی کوتاہیِ علم کا اقرار کرتا ہوں کہ حضرت امیرالمؤمنین علیہ السلام کے فضائل بے شمار ہوں مگر مجھے کہیں نہیں ملا کہ رسولؐ اللہ حضرت علیؑ کی تعظیم کو کھڑے ہوگئے ہوں، کسی اور کا کیا ذکر، علیؑ کیلئے نہیں ملا کہ رسوؐل تعظیم کو کھڑے ہوئے ہوں مگر فاطمہؑ کیلئے مل رہا ہے۔

میں نے اس پر غور کیا ہے کہ آخر یہ کیا بات ہے، نہیں، فضائل کا زیادہ ہونا اور چیز ہے، اوصاف کا بلند ہونا اور چیز ہے۔تو یقیناً امیرالمؤمنینؑ کی جو منزل ہے، خود اپنے معتقدات کی روشنی میں، بھئی اوصاف اور چیز، کمالات اور چیز! مگر علی علیہ السلام کا جو منصب ہے، وہ بعدِ رسولؐ ہوگا اور فاطمہؑ کا جو منصب ہے، وہ رسوؐل کی موجودگی میں ہے۔گزشتہ دور میں ہمیں ایک معصومہ معلوم ہیں حضرتِ مریمؑ، مگر حضرتِ مریمؑ کی زندگی رہنمائیِ خلق کیلئے کافی نہیں ہے کیونکہ وہ کسی کی شریک نہیں عورتوں کیلئے، جو اصلِ زندگی ہے، اُس کیلئے مثال نہیں بن سکتیں تو مریمؑ

کے بعد فاطمہؑ کی ضرورت تھی، بقولِ اقبالؒ:

مریمؑ از یک نسبت عیسیٰؑ عزیز
از سہ نسبت حضرت زہراؑ عزیز

تو انہوں نے تو عزت کے اعتبار سے کہا، میں دوسری حیثیت سے کہہ رہا ہوں کہ بحیثیت نمونۂ عمل کے حضرت مریمؑ بیٹی ہونے کا نمونہ بن سکتی ہیں۔ ماں ہونے کا نمونہ بن سکتی ہیں مگر شریکِ حیات کی حیثیت سے جو فرائض ہیں، اس کا نمونہ نہیں بن سکتیں۔ اس کیلئے ضرورت تھی حضرت فاطمہ زہراؑ کی۔ یہاں تینوں پہلو مکمل، بحیثیت بیٹی باپ کے ساتھ شریک، عملِ مباہلہ میں بحیثیت زوجہ کے امیر المومنین علیہ السلام کی شریکِ حیات عمر بھر ___ اور بحیثیت ماں کے، چاہے حسنؑ و حسینؑ کا نام لیجئے، چاہے زینبؑ و اُم کلثومؑ کا، یہاں تینوں شعبے مکمل! مگر اب مصائب عرض کرنا ہیں، میں خود بارگاہِ سیدۂ عالم میں عرض کروں گا کہ بے شک آپؑ کی زندگی مکمل معاذ اللہ، آپؑ کی سیرت میں کوئی نقص نہیں مگر قدرت نے آپؑ کو بھائی عنایت نہیں کیا تھا۔

لہٰذا اس رشتے کے تقاضے کیا ہوتے ہیں، وہ آپؑ نہیں ظاہر فرما سکتیں، جس طرح مریمؑ کے بعد آپؑ کی ضرورت تھی، وہاں آپؑ کے بعد مخدومۂ عالم آپؑ کی بیٹی کی ضرورت تھی۔ آپؑ شریکِ جہادِ مباہلہ ___ یہ شریکِ جہادِ کربلا۔ مگر بہ اعتبارِ صنف جہاد کے تقاضوں پر عمل الگ الگ ہوا، میں کہتا ہوں کہ وہ عصر تک کا جہاد، اس میں سرکردہ حسینؑ ابن علیؑ، عصر کے بعد کا جہاد ___ اس کی سرکردہ زینبؑ بنتِ فاطمہ ___ اور میری کیا مجال! میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے کارنامہ پر کسی کارنامے کو فوقیت دوں مگر جو واقعاتی فرق ہے، وہ میں کیونکر عرض کروں کہ مولاؑ جب میدانِ جہاد میں تھے تو ہر مصیبت میں زینبؑ شریک تھیں، کونسی مصیبت مولاؑ نے اُٹھائی جو زینبؑ نے نہ اُٹھائی ہو؟ مگر جب زینبؑ کا وقتِ جہاد آیا تو اب بھائی موجود نہ تھے، بھائی کا سر تھا جو کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک ساتھ ساتھ چلا گیا۔

بس ایک جملہ اور ___ اور اسی پر ختم ___ میں کہتا ہوں کہ کربلا والوں نے عصر تک کا جہادِ بے مثال کیا، بے شک شہزادہ قاسمؑ نے بہترین جہاد کیا، شہزادہ علی اکبرؑ نے بے نظیر جہاد کیا، ہمارے آقا ابوالفضل العباسؑ نے بہترین جہاد کیا، ہمارے مولاؑ نے جب تلوار لے کر جہاد کیا تو وہ بے مثال تھا مگر ان ہستیوں کی بارگاہ میں عرض کروں گا کہ اے میرے شہزادے قاسمؑ و علی اکبرؑ! اے میرے چھوٹے آقا عباسؑ! اے میرے آقا حسینؑ! بے شک آپؑ نے جہادِ بے مثال کیا مگر جو جہاد آپؑ نے کیا، وہ خاندانی روایات کے مطابق تھا، علیؑ کے پوتے یوں جہاد نہ کرتے تو کون کرتا؟ حمزہؑ کے وارث یوں جہاد نہ کرتے تو کون کرتا؟ جعفرؑ کے پوتے یوں جہاد نہ کرتے تو کون کرتا؟

مگر زینبؑ نے جو جہاد کیا، وہ خاندانی روایت سے الگ تھا۔ ارے جس کی ماں کا جنازہ رات کو اُٹھا ہو، وہ روزِ روشن میں شہر بہ شہر؟

۞ ۞ ۞

# جب علی اکبرؑ میدان کی طرف جانے لگے تو امام حسینؑ دُور تک اکبرؑ کے گھوڑے کے پیچھے پیچھے چلتے رہے اور پکار کر کہتے تھے کہ بیٹا! جب تک سامنے رہنا، مُڑ مُڑ کر دیکھتے رہنا۔

اب اللہ تعالیٰ کی مقرب ترین ہستی کی ضریح مطہر زائر کے سامنے ہے اور وہ ضریح مطہر کو بوسہ دے رہا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جاہل سے جاہل دیہات کا رہنے والا، آج کا مسلمان، اُس سے پوچھے کہ کس کی زیارت کو آئے ہو تو وہ کیا کہے گا کہ خاندانِ بنی ہاشم کے ایک بڑے آدمی کی زیارت کو آیا ہوں۔ کیا وہ کہے گا کہ تاجدارِ مدینہ، مجازاً آپ کہہ لیں کہ مدینہ کے بادشاہ کی زیارت کو آیا ہوں؟ کیا وہ کہے گا کہ قومِ عرب کے سردار کی زیارت کو آیا ہوں؟

جاہل سے جاہل آدمی بھی کہے گا کہ رسولؐ اللہ کی زیارت کو آیا ہوں۔ دنیا کہتی ہے قبر پرستی ہے ____ قبر پرستی ہے۔ ارے قبر پرستی ہوتی تو ہمارے ملک میں قبروں کی کوئی کمی تھی؟ یہ ہم اتنی مسافت طے کر کے وہاں کیوں جاتے؟ معلوم ہوا کسی قبر کی پرستش نہیں ہے، صاحبِ قبر کا رشتہ ہے جو لے آیا ہے۔

اور اب فرض کیجئے کہ ہم دُور اُفتادہ ہیں، ہماری رسائی کربلا تک نہیں ہے، رکاوٹیں بھی ایسی ہوگئی ہیں کہ پہنچنا اب اس دور میں تو آسان نہیں رہا ہے۔ میں دعا کرتا ہوں، آپ سب بھی دعا کریں کہ سب رکاوٹیں پروردگارِ عالم دُور کرے۔ یہ ہماری تمنا ہے کہ وہاں پہنچیں۔ اب وہاں تک نہیں پہنچ سکتے، ویسے بھی ہر دور میں ہر ایک کے حالات تو نہیں ہوتے کہ وہاں ہر وقت پہنچ سکے۔ لہٰذا اس نے شبیہِ قبر تیار کی، شبیہِ ضریح تیار کی، اب وہ اس کا احترام کر رہا ہے، اس کا طواف کر رہا ہے، اس کو بوسہ دے رہا ہے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ مشرک ہوگیا۔ میں کہتا ہوں یہی اجزائے ضریح دوکان پر بھی تو تھے، ہم نے وہاں جا کر ان کی تعظیم کیوں نہ کی؟ جب ان میں ایک شکل پیدا ہوئی کہ کسی خاص ضریح کی شبیہ بن گئے تو معلوم ہوا کہ وہی جذبہ ہے۔ اب یہ جذبہ کی قوت پر انحصار ہے کہ کتنی دور تک لہریں جاتی ہیں۔ جن کا جذبۂ محبت قوی ہے، اُن کیلئے حکمِ رسولؐ رہنمائی کیلئے ہے۔ فتاویٰ قاضی خان میں یہ حدیث ہے کہ ایک شخص پیغمبرؐ خدا کی خدمت میں آیا اور اُس نے یہ کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے اور ایک روایت میں کہ میں نے نذر کی ہے کہ میں پیشانیِ حورِ عین اور جنت کی چوکھٹ پر بوسہ دے رہا ہوں۔ چوکھٹ پر جنت کی اور پیشانی پر حورِ عین کی۔ اوّل تو ماشاء اللہ آپ ہر موقع پر نکتہ رس ثابت ہوئے ہیں، میں کہتا ہوں پہلے ہی رسولؐ کو کہنا چاہئے کہ یہ خواب تمہارا شیطان کا دکھایا ہوا ہے، بھلا بوسہ بھی کہیں ہوتا ہے!

گویا خواب میں بھی یا اُس نے نذر کی، شرک کی تو پیغمبر اکرم کا کام ہی ہے توحید کی طرف بلانا تو آپ کو پہلے ہی اس کی زبان پکڑنی

چاہئے کہ ارے یہ کیا، یہ شرک تم نے خواب میں دیکھا یا شرک کی، تم نے نذر کی تو جناب اس نے یہ کہا: پیشانی حور عین اور جنت کی چوکھٹ کو بوسہ دے رہا ہوں۔ ارشاد فرمایا: تمہیں یہ کرنا چاہئے کہ باپ کی پیشانی اور ماں کے قدموں کو بوسہ دے لو۔ اُس نے کہا کہ حضور والا! میرے ماں باپ زندہ نہیں ہیں، وفات پا چکے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: اُن کی قبریں ہیں، دونوں کی قبروں کو جا کر بوسہ دے لو۔

دیکھئے! کیا رسولؐ اللہ قبر پرستی کی تعلیم دے رہے ہیں؟ فرمایا کہ اگر دونوں کی قبریں ہیں تو دونوں کی قبروں کا جا کر بوسہ لے لو۔ اُس نے کہا: حضورؐ! قبروں کا پتہ نہیں ہے۔ میں کم سن تھا، دونوں اُس وقت دنیا سے اُٹھ گئے۔ مجھے نہیں معلوم کہ قبریں کہاں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: دو لکیریں کھینچو، ایک پر اُس کا نام لکھو، ایک پر اُس کا نام لکھو اور ان کو بوسہ دے لو۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بھی ہمارے مولا نے نہیں لکھا، یا کہ کس زیارت کے مشتاق ہو تو شبیہ کو دیکھ کر زیارت کا شوق پورا کر لو۔ کچھ حضرات کا ذہن منتقل ہو گیا ہوگا مگر میں کہتا ہوں کہ ہمارے امامؑ کو اللہ نے ایک زندہ شبیہ رسولؐ کی عطا کی تھی، وہ کون؟ شہزادہ علی اکبرؑ۔ اور اسی وجہ سے یہ علی اکبرؑ کی خصوصیت ہے کربلا میں کہ کسی کے جاتے وقت حسینؑ نے اللہ کو گواہ نہیں بنایا، مگر جب علی اکبرؑ جا رہے ہیں تو ہاتھ اُٹھا دیتے ہیں دربارِ الٰہی میں:

''اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ عَلٰی ھٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ فَقَدْ بَرَزَ اِلَیْھِمْ غُلَامٌ وَاَشْبَهُ النَّاسِ خَلْقًا وَخُلُقًا وَمَنْطِقًا بِنَبِیِّکَ وَکُنَّا اِذَا اشْتَقْنَا اِلٰی نَبِیِّکَ نَظَرْنَا اِلٰی وَجْھِهٖ''۔

''خداوندا! تو گواہ رہنا اس قوم کے ظلم پر کہ اب وہ جا رہا ہے''۔

ماشاء اللہ، آپ غور سے سن ہی رہے ہیں، امام کیا کیا کہہ سکتے تھے، کون جا رہا ہے؟ یہ کہہ سکتے تھے کہ میری ضعیفی کا سہارا جا رہا ہے، یہ کہہ سکتے تھے کہ بھرگھر کی رونق جا رہا ہے، یہ کہہ سکتے تھے کہ پھوپھی کے اٹھارہ برس کی ''محنت'' جا رہا ہے، یہ کہہ سکتے تھے کہ ماں کے دل کی ڈھارس جا رہی ہے، ارے یہ کہہ سکتے تھے کہ میرا اکڑیل جوان جا رہا ہے۔ مگر مولاؑ نے یہ نہیں کہا، کہتے ہیں:

''پروردگار! گواہ رہنا کہ وہ جا رہا ہے جو صورت و سیرت، گفتار و رفتار میں تیرے رسولؐ سے دنیا بھر میں سب سے زیادہ مشابہ ہے۔ پروردگار! جب ہم تیرے نبی کی زیارت کے مشتاق ہوتے تھے تو اپنے اِس جوان کو دیکھ لیتے تھے''۔

میں کہتا ہوں کہ جب سے علی اکبرؑ پیدا ہوئے، امام علیہ لسلام نے کتنی مرتبہ علی اکبرؑ کو دیکھا ہوگا، مگر آج امامؑ نے اپنی پوری عمر کی سیرت کی تفسیر کر دی کہ اٹھارہ برس کی عمر میں جب بھی بیٹے کو دیکھا تو بنظرِ عبادتِ خدا دیکھا ہے، ہمیشہ شبیہِ رسولؐ کی حیثیت سے دیکھا ہے۔

اور اسی وجہ سے ایک خصوصیت علی اکبرؑ میں پیدا ہو گئی، میرا خیال یہ ہے، اسی وجہ سے اور وہ کیا ہے؟ جسے رخصت کر دیا، بس رخصت کر دیا، مگر علی اکبرؑ کو جب رخصت کیا تو مولاؑ اپنی جگہ کھڑے نہیں رہ سکتے، دور تک علی اکبرؑ کے گھوڑے کے پیچھے پیچھے چلے گئے اور پکار کر کہہ رہے تھے کہ اے بیٹا! جب تک سامنا رہے، مڑ مڑ کر ادھر دیکھتے رہنا!

اب مناجاتِ حسین علیہ السلام کی روشنی میں مَیں فیصلہ نہیں کر سکتا کہ یہ بیٹے کی محبت تھی یا شبیہِ رسولؐ کی تعظیم تھی، شبیہِ رسولؐ کی عزت تھی۔ آپ بھی جب تعزیہ، ضریح، عَلَم وغیرہ کی زیارت کیلئے جاتے ہیں تو پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔ تو مولاؑ شبیہِ رسولؐ کی مشایعت کر رہے تھے۔

بس اہلِ عزا! اب آخری جزو مصائب کا عرض کروں کہ مجھے ایک کے صبر کی داد دینا ہے جس کیلئے مولاؑ اپنی جگہ کھڑے نہ رہ سکے ہوں۔ مگر ماں نے خیمے سے باہر قدم نہیں نکالا، حالانکہ اس خاندان کی بیٹی نہیں ہے۔ بخدا! اس رشتہ کی عزت کربلا کی بہوؤں نے رکھ لی۔ یہ صرف اس خاندان کی بہو ہے۔ مگر ان کا ضبط دیکھئے کہ انہوں نے خیمے سے باہر قدم نہیں نکالا۔ ہاں! خیمے کے اندر بھی بیٹھا نہیں گیا، درِ خیمہ پر پس پردہ کھڑی ہوئی ہیں، اُدھر نہیں دیکھتیں جدھر علی اکبرؑ گئے ہیں۔

کیوں؟ کیونکہ اُدھر نامحرموں کی فوج ہے۔ مولاؑ کے چہرے پر نظر کہ یہ امامؑ سہی مگر باپ کا دل ہے۔ اگر میرے بیٹے کے کوئی زخم آئے گا، کوئی گزند پہنچے گا تو امامؑ کا چہرہ ضرور متغیر ہوگا۔ ہاں اہلِ عزا! وہ منزل آگئی، ایک دفعہ امامؑ کا چہرہ متغیر ہوا اور لیلیٰ نے تڑپ کر پوچھا کہ کیوں مولاؑ! میرے بچے کی تو خیر ہے؟ امامؑ نے فرمایا کہ ہاں! علی اکبرؑ زندہ سلامت ہے مگر ایک نامی پہلوان مقابلے کو آگیا ہے، وہ سیر و سیراب ہے اور میرا بچہ تین دن سے بھوکا پیاسا ہے۔ اس لئے مجھے اس کے مقابلے میں بھی علی اکبرؑ کے لئے خطرہ ہے۔ میں کہتا ہوں جسے مرنے کیلئے بھیجا ہے، اس کیلئے خطرہ کیسا؟ مگر یاد رکھئے کہ یہ آلِ محمدؐ ہیں۔ مظلوم ہونا پسند کرتے ہیں، مغلوب ہونا پسند نہیں کرتے۔ وہ ایک کو مل کر ہزار لیں، یہ اور بات ہے مگر علیؑ کا پوتا کسی ایک کے مقابلہ میں اُس کی تلوار سے شہید ہو جائے، یہ مولاؑ کو گوارہ نہیں ہے۔ فرماتے ہیں: اے لیلیٰ! یہاں کیوں کھڑی ہو؟ میں نے نانا سے سنا ہے کہ ماں کی دعا بیٹے کے حق میں قبول ہوتی ہے، جاؤ خیمے میں، اپنے بچے کی فتح کی دعا کرو۔ حکمِ امامؑ سے مجبور ہو کر چلی تو گئیں مگر یہ سوچتی ہوئی کہ معلوم ہوتا ہے کہ میرا درِ خیمہ پر بھی کھڑا ہونا امامؑ کو پسند نہیں آیا۔ ارے دعا کرنا تھی تو امامؑ خود دعا کر دیتے، یہ مجھے کیوں ہٹایا؟ یہ سوچتی ہوئی گئیں، اس لئے احترامِ حکمِ امامؑ میں دعا تو کر لی، کہا: اے زینبؑ و اُم کلثومؑ، اے ربابؑ، اے سکینہؑ، اے فاطمہؑ! آؤ میں اپنے بچے کی فتح کی دعا کروں گی۔ دعا کی: خداوندا! اس دشمن پر علی اکبرؑ کو فتحیاب کر۔ ابھی سوکھی ہوئی زبان پر دعا ناتمام تھی کہ اپنے مقابل دشمن پر علی اکبرؑ فتحیاب ہوئے۔ مگر منشائے امامؑ سمجھ گئی تھیں۔ بس انہی جملوں پر ختم کروں گا۔ سمجھ گئی تھیں مولاؑ کا منشاء، اس لئے دعا کر کے پھر درِ خیمہ پر نہیں آئیں۔ علی اکبرؑ کی لاش آگئی مگر لیلیٰ نے قدم باہر نہیں رکھا۔

❁ ❁ ❁

**میدانِ جهاد_کربلا میں بے زبان گھوڑے نے جو کردار اداکیا ہے،اتنا تو ایک وفادارانسان بھی نہ کرسکے،وہ ہرقدم پراپنے شہسوار کا ساتھ دیتا رہا، وہ دشمنوں کے حملوں سے امامؑ کو بچاتا تھا، اشقیاء کو اپنے سُموں کے نیچے پامال کرتا رہا۔**

یہ شبیہ کس کی ہے؟ یہ رواروی میں کہہ دیجئے گا جنابِ اسماعیلؑ، میں کہوں گا ذرا غور کر کے بتایئے کہ یہ شبیہ کس کی ہے؟ اگر غور کیجئے تو یہ جنابِ اسماعیلؑ کی شبیہ نہیں ہے، یہ اُس گوسفند کی شبیہ ہے جو جنابِ اسماعیلؑ کے بدلے آیا۔ وہی تو ذبح ہوا تھا، تو اس اصول کو یاد رکھئے کہ اگر جانور بھی نبی زادے کے کام آئے تو وہ یاد رکھنے کے قابل ہوتا ہے۔

اب اگر ہم ذوالجناح نکالیں تو نہ کہئے گا کہ اس کے کیا معنی ہیں؟ ہم وفادار ہیں۔ ہم اُس جانور کو بھی یاد رکھتے ہیں جو آلِ رسولؐ کے کام آیا۔ اب انسان اگر نہ کام آئے ہوں وقت پر تو ہم انسانوں کو بھول جائیں گے مگر اس جانور کو یاد رکھیں گے جو آلِ رسولؐ کے کام آیا۔ ذوالجناح نے کس نازک وقت پر حسینؑ کا ساتھ دیا۔

اربابِ عزا! غور کیجئے، جہاں سوار تین دن کے بھوکے پیاسے ہوں، وہاں مرکبوں کو کیا غذا ملی ہوگی! مرکبوں کو کیا پانی ملا ہوگا! جس طرح وہ تین دن کے بھوکے پیاسے، اسی طرح مرکب بھی تین دن کے بھوکے پیاسے۔ اور جو مجاہد پہلے شہید ہو گیا، اُس کے مرکب نے اُتنی ہی دیر تک کام کیا جو زیادہ وقت تک رہا۔

اسی لئے شہدائے کربلا میں، مَیں کہتا ہوں کہ ہر ایک کی پیاس اُس وقت تک رہی جب تک وہ درجۂ شہادت پر فائز نہیں ہوا تھا۔ تو اب کربلا کے مجاہدین میں سب سے زیادہ پیاسے ہمارے مولا حسین علیہ السلام! بس یہاں میرا ذہن ایک اضافہ کرتا ہے کہ مولاؑ کی بھی حد عطش عصر عاشور رہی، جس وقت ہم آپ فاقہ کر لیتے ہیں مگر زینبؑ کب تک پیاسی رہیں؟ اُم کلثومؑ کب تک پیاسی رہیں؟ علی اصغرؑ کی حدِ عطش بتا سکتا ہوں، سکینہؑ کی حدِ عطش کب تک رہی، یہ نہیں بتا سکتا۔ تو اب جب حسین علیہ السلام انسانوں میں سب سے زیادہ پیاسے ہیں تو ماننا پڑے گا کہ فرسِ حسینؑ اپنی نوع میں سب سے زیادہ تشنہ لب ہے۔ پھر تشنہ لبی صرف خاموشی کے ساتھ ہو رہی تھی، جس نے پکارا، مولاؑ اُس کی لاش پر گئے۔ یہ آمدورفت پوری اسی ذوالجناح کی پشت پر ہو رہی تھی۔ تو اس پیاس میں کتنی دفعہ مولاؑ کو لے کر گیا اور کتنی دفعہ واپس آیا۔

اربابِ عزا! میں کہتا ہوں کہ شاید ذوالجناح کو کسی خدمت میں اتنی تکلیف نہیں ہوئی ہے مگر ارے اُس کی پشت پر ایک بے شیر کو ہاتھوں پر جب بلند کیا اور اُس کی لاش کو لے کر خیمے کی طرف آئے تو بے زبان بھی تڑپ گیا۔ ارے مجھے یہ بھی خدمت ادا کرنا تھی____

ماشاءاللہ، اَجرُ کُمْ عَلَی اللّٰہ ____ جب تک حسینؑ مصروفِ جہاد تھے، فرس شریکِ جہاد تھا، اور ماشاءاللہ مجمع میں سپہ گری کے فن سے بھی واقف ہوں گے اور فوج کے لوگ بھی ہوں گے، ہر ایک جانتا ہے کہ میدانِ جنگ میں گھوڑا ساتھ والا ایک سپاہی ہوتا ہے، وہ واروں کو رد بھی کرتا ہے، وہ حملہ آور ہونے میں مدد بھی کرتا ہے تو کربلا کے جہاد میں حسینؑ کے ساتھ یہ گھوڑا شریک ہے۔

تو اب خلافِ فطرت کیا بات نہ ہوگی اگر کوئی سوچے کہ کیا گھوڑے کو کوئی زخم نہیں آیا؟ ارے یہ راوی نے بیان نہیں کیا کہ گھوڑا کتنا زخمی ہوگیا تھا مگر اس کے باوجود آخر دم تک مولاؑ کا ساتھ دیا۔ مگر کب تک، جب تک مولاؑ پشت پر تھے مگر جب پشتِ راکبِ دوشِ رسولؐ سے خالی ہوگئی تو عرب میں فرس کی فراست مشہور ہے، اسی لئے نام فرس ہوا ہے، چہ جائیکہ وہ فرس جو کارنامہ کربلا کیلئے منتخب ہوا ہو۔ اب جب پشت پر حسینؑ نہ رہے تو کیا خدمت ادا کرے؟ اب جو کام کیا، وہ یہ کہ اِدھر دیکھا، اُدھر دیکھا، اگر عباسؑ سامنے ہوتے تو انؑ کو جا کر اشارہ کرتا، اگر علی اکبرؑ ہوتے تو اُنؑ کو جا کر اشارہ کرتا، مگر وہ تو سب زمین گرم پر تھے۔ اسی لئے پیشانی اپنی خونِ حسینؑ سے رنگین کی اور اب سیدھا خیمے کی طرف گیا اور اب تفصیل سے عرض نہیں کرنا ہے۔ مگر میں آپ سے کہتا ہوں کہ اگر کوئی بی بی خیمے کے باہر ہوتی تو ذوالجناح کو خیمے پر جانے کی ضرورت نہ ہوتی مگر وہ تو سب وہیں بیٹھی تھیں جہاں حسینؑ بٹھا کر گئے تھے۔ اسی لئے خیمے کی طرف گیا اور دروازہ پر کھڑے ہو کر ایک صدا بلند کی، سنا کرتے ہیں آپ، نتیجہ نہیں نکالتے۔ میں کہتا ہوں کہ دیکھئے! آپ نے سنا ہوگا کہ اب بھی آواز سن کر درِ خیمہ پر سکینہؑ ____ اب سکینہؑ نے دیکھا، باگیں کٹی ہوئی، زین میں جا بجا تیر پیوست، بس خیمے کے اندر گئیں، کہنے لگیں: ہائے بابا، ہائے بابا!

۞ ۞ ۞

# جس بھن کے اٹھارہ بھائی ھوں،کس کی مجال که اُس کے بازوؤں میں رسی باندھے مگرجب عباسؑ شہید ھوگئے توزینبؑ کو یقین ھوگیا که اب نه حسینؑ بچیں گے اورنه اُنؑ کے سرپرچادر رھے گی۔

میں کہتا ہوں کہ اگر بچوں کی محبت ہوتو پیشانی بھی اپنے بچے کی ہے، رخسار بھی اپنے بچے کے ہیں، ہاتھ بھی اپنے بچے کے ہیں، سینہ بھی اپنے بچے کا ہے مگر کیا بات ہے کہ جب بوسے لیتے ہیں تو ایک کے دہن کے بوسے لیتے ہیں اور ایک کے گلے کے بوسے لیتے ہیں۔ میں پوری ضمانت کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ سند کیسی ہے، کس درجہ کی روایت ہے مگر بہر حال یہ روایت آپ نے سنی ہوگی کہ بعض وقت بچے کو ذرا محسوس ہوئی یہ بات، یہ آپ نے سنا ہوگا۔

ایک دفعہ سیدۂ عالم کے پاس گئے اور یہ کہا کہ مادرِ گرامی! ذرا دیکھئے، ہمارے منہ سے کیا بو آتی ہے؟ اور سیدۂ عالم نے کہا کہ تمہیں یہ تصور کیوں ہوا؟ تمہارے دہن سے تو مشک وغیرہ سے بہتر خوشبو آتی ہے۔ یہ تم پوچھ ہی کیوں رہے ہو؟ تو کہا: بس اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ ہم بھی ناناؐ کی گود میں ہوتے ہیں، بھائی حسنؑ بھی ہوتے ہیں، مگر بھائی حسنؑ کے دہن سے بوسے لیتے ہیں اور جب ہماری باری آتی ہے تو ہم اپنا دہن بڑھاتے ہیں تو ناناؐ ہمارے منہ کو ہٹا کر گلے کے بوسے لے لیتے ہیں۔ سیدۂ عالم حقیقت سے تو واقف تھیں مگر فرمایا کہ چلو تمہیں تمہارے نانا جان سے بھی سنوا دیں۔ ساتھ لیا حسینؑ کو اور آئیں والد کی خدمت میں اور ممکن ہے بالکل لفظ نہ ہوں اُس دن، نقل بامعنی کے متعلق عرض کر چکا ہوں، حقیقت حال وہی ہو۔

اور ممکن ہے کہ لفظ ہمارے ہوں کہ وہ سیدۂ عالم نے جیسے فرمایا کہ بابا جان! آپ ہی تو کہتے ہیں کہ حسینؑ کے رونے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے مگر کیا بات ہے کہ آپؐ ہی کے عمل سے کوئی بات ایسی ہوجائے کہ اُس کی آنکھیں اشک آلود ہو جائیں۔ فرمایا: کیوں، کیا ہوا؟ کہا: اس نے ابھی جا کر مجھ سے یہ کہا تو میں تو اسے محسوس کرتا ہوں کہ رسولؐ نے فرمایا ہو کہ ارے فاطمہؑ! جانے دو، سن کر کیا کرو گی؟ انہوں نے کہا ہو کہ نہیں، میں تو چاہتی ہوں کہ اس کو اطمینان دلاؤں۔ فرمایا: تو پھر سنو کہ حسنؑ کے لب سے بوسے لیتا ہوں اس لئے کہ زہر دغا متصل ہے اس کے لبوں سے، اس کے گلے کے بوسے لیتا ہوں اس لئے کہ خنجر جفا متصل ہے اس کے گلے سے۔ بس اب اس روایت سے سمجھ میں یہی آتا ہے کہ وہی قربانی پیش نظر ہے جس کی بناء پر بوسے لے رہے ہیں اور اب یہ سلسلہ برابر قائم ہے۔ یہ بھی روایت میں ہے کہ حسینؑ آتے ہیں اور رسولؐ فرماتے ہیں کہ یا علیؑ! ذرا پیراہن اُٹھاؤ، جسمِ حسینؑ سے ____ جناب شیخ جعفر شستری نے لکھا ہے خصائص حسینیت میں، پیراہن اُٹھاتے ہیں، اب جا بجا رسولؐ اکرم بوسے لیتے ہیں اور علیؑ بھی کہتے ہیں: یا رسولؐ اللہ! یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ فرماتے ہیں:

"اُقَبِّلُ مَوَاضِعَ السُّيُوفِ وَ اَبْكِیْ".

"جہاں جہاں تلواریں پڑیں گی، وہاں وہاں بوسے لے رہا ہوں"۔

اب وہ تو ہر دن کچھ نہ کچھ اس سلسلہ میں عرض کرتا ہوں کہ ہمارے گروہ پر مختلف سوالات ہوتے رہتے ہیں، تو ان میں سے ایک یہ سوال بہت بڑا ہے جسے ایک شاعر نے کہا کہ زندہ کو رویا جاتا ہے، روئیں وہ جو قاتل ہوں ہمارے شہداء کے ____

"ہم زندہ جاوید کا ماتم نہیں کرتے"، یہ گویا بہت مشہور شعر ہے، تو میں کہتا ہوں کہ ہم سے تو بعد میں پوچھنا چاہئے، وہ بچہ جب پیدا ہوا اور رسولِؐ اکرم کی گود میں لا کر دیا گیا، اُسی وقت پیغمبر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور گریہ فرمانے لگے۔ تو کسی نے کہا کہ رسولؐ اللہ! یہ تو خوش ہونے کا موقعہ ہے، یہ آپ گریہ کیوں کر رہے ہیں؟

آپؐ فرماتے ہیں: تمہیں نہیں معلوم، اس پر مصائب کیا پڑیں گے؟ تو میں کہتا ہوں، ہم سے آپ پوچھ رہے ہیں کہ زندہ کو کیوں روتے ہو؟ اسی وقت رسولؐ اللہ سے یہ پوچھتے کہ زندہ کو کیوں رو رہے ہیں؟ ارے یہ زندگی تو عالم معنی کی ہے، آنکھوں کے سامنے والی زندگی نہیں ہے، اور وہ تو اس وقت حیاتِ عنصری کے ساتھ، لیتی ہوئی زندگی کے ساتھ رسولؐ اکرم کی گود میں تھے اور اس کے باوجود رسولؐ خدا گریہ فرما رہے ہیں۔ تو اب تو سمجھے کہ گریہ موت پر نہیں ہوتا، مصائب پر ہوتا ہے۔ اگر پیغمبرؐ خدا کو اس کی زندگی میں رونے کا حق تھا تو ہمیں اس نوع زندگی میں رونے کا حق ہے۔ یہ کیا کہ زندہ کا ماتم نہیں ہوتا، زندہ کو رویا نہیں جاتا۔ میں کہتا ہوں کہ جنابِ یوسف علیہ السلام بھی تو زندہ تھے، اور روایت کی بات نہیں ہے، نصِ قرآن کی بات ہے، قرآن سے ثابت ہے کہ انہیں اطلاع مل گئی تھی کہ زندہ ہیں، بعد میں کہا کہ جو میں جانتا ہوں، وہ تم نہیں جانتے۔ تو بتایا جا چکا تھا انہیں زندہ ہیں اور اس کے بعد کتنا روئے ہیں:

"وَ ابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ".

"آنکھیں سفید ہو گئیں روتے روتے"۔

اب وہ ہر وقت رنج و غم سے خاموش رہتے تھے، معلوم ہے کہ زندہ ہیں تو یہ نہیں کہ مرنے کا غم ہوتا، جدائی کا بھی غم ہوتا ہے۔ مصائب پر بھی رونا ہوتا ہے، مختلف صورتیں ہیں گریہ کی۔

اب جو چیز عرض کر رہا ہوں، وہ چاہے مختصر ہو مگر آپ کیلئے بڑے مرثیے کے برابر ہے۔ میں کہتا ہوں کہ عقلی اصول کے لحاظ سے (میں کہیں عقل کا دامن نہیں چھوڑتا) کہ اگر ایک بھائی کے لب شعائر اللہ ہیں، ایک بھائی کی گردن شعائر اللہ میں داخل ہے تو ماننا پڑے گا کہ ایک بہن کے بازو بھی شعائر اللہ میں سے ہیں اور وہ بھی بابِ مصائب میں جو روایات بیان ہوئی ہیں، اس میں ضمانت نہیں ہوتی صحت کی، بس کتاب میں ہوں، ہاں! وہ چیز روا نہیں ہے کہ منبر پر جا کر تصنیف ہو بر وقت، ایک چیز جس کا کہیں وجود نہ ہو اور میں نے تو دیکھا کہ زیادہ تر یہی ہوتا ہے۔

اس کیلئے کوئی وجہ جواز نہیں بلکہ وہ افتراء علی اللہ والرسول میں داخل ہے۔ جو اگر حالتِ روزہ ہو تو روزے کو باطل کر دیتی ہے، تو وہ

حدیث کربلا میں بیان ہوئی ہے اور بڑے سخت وقت میں بیان ہوئی ہے۔ بس ارباب عزا! اسی ذکر پر مجلس کو ختم کروں گا کہ وہ وقت ہے جب ابوالفضل العباس علیہ السلام جارہے ہیں اور سکینہؑ سے مشک لے چکے اور اب رخصت ہورہے ہیں تو حضرت ثانی زہرا سلام اللہ علیہا سے، سب سے آخر میں زینبؑ سے رخصت ہونے آئے، کہا: بی بی! اب میں جارہا ہوں۔ زینبؑ تو جانتی تھیں کہ پانی لانا فقط بہانہ ہے جانے کا، جو گیا، واپس نہیں آیا، عباسؑ بھی واپس نہیں آئیں گے۔ کہنے لگیں: بھائی! جاتے ہوتو چلتے چلتے ایک حدیث سنتے جاؤ:

اب مجھے تو اس کے بیان کیلئے یہی الفاظ ملتے ہیں کہ شیر خدا کا شیر سر جھکا کر بہن کے قدموں پر بیٹھ گیا، اس لئے کہ جانشین فاطمہ حدیث سنانے لگی ہیں۔ اے بھائی! سنو، بچپن میں ایک دفعہ بابا کے زانو پر بیٹھی تھی، میں فیصلہ نہیں کرسکتا کہ بابا سے مراد امیرالمومنینؑ ہیں یا رسولؐ اللہ، اگر حسنؑ وحسینؑ فرزندِ رسولؐ ہیں تو زینبؑ کو کیوں حق نہیں تھا کہ وہ رسولؐ اللہ کو بابا کہیں؟ بہرحال وہاں اُبی ہے، بابا___

باپ کے زانو پر بیٹھی تھیں، اب اندازہ کیجئے کہ کم سن ہیں کہ بزرگ کے زانو پر بیٹھی ہیں اور اب یہ ہوائے زمانہ ہے، کتنی مخالف بات ہے مگر جب موقعہ آئے گا ایسی بات کہنے کا تو کہوں گا ضرور کہ اتنی کم سن کہ بزرگ کے زانو پر بیٹھی ہیں مگر تہذیبِ خاندانِ رسالتؐ یہ ہے کہ اس وقت دوش پر چادر ہے۔ یہ جزوِ روایت ہے، کہتی ہیں کہ بابا کے زانو پر بیٹھی تھی کہ ایک دفعہ میرے دوش سے چادر ہٹ گئی تو بابا نے جھک کر میرے بازو کا بوسہ لے لیا۔

چونکہ ایک نئی بات تھی، اس لئے میں کھڑی رہ گئی، میں نے کہا: بابا! یہ آپؐ نے آج کیا کیا؟ فرمایا: زینبؑ! ایک دن ان بازوؤں میں رسی بندھے گی۔ کہتی ہیں: اس وقت تو میں کم سن تھی، بعد میں جب بڑی ہوئی اور گھر بھائیوں سے بھر گیا تو نہ جانے کب کب میں نے سوچا، بچپن کی اس بات کو کہ جس بہن کے اٹھارہ بھائی ہوں، کس کی مجال ہے کہ اُس کے بازوؤں میں رسی باندھے، مگر اے عباسؑ! سب جاچکے، اب تم بھی جارہے ہو، یقین ہوگیا کہ بہت جلد ان بازوؤں میں___

❁ ❁ ❁

# جنابِ اُمِ سلمہؓ قبر رسولؐ پر آئیں اور دیکھا کہ فاطمہ صغریٰؑ نے بال کھولے اور گریبان چاک کیا ہوا ہے اور عراق کی طرف منہ کر کے کہہ رہی ہیں: بابؑا!خدا خیر کرے،غم سے میرادل پھٹاجارہا ہے۔

بس ایک روایت جنابِ اُمِ سلمہؓ کی ___ پیغمبرؐ خدا آئے جنابِ اُمِ سلمہ کے ہاں اور حجرے میں تشریف لے گئے، ارشاد فرمایا کہ وحی نازل ہونے والی ہے، کوئی میرے پاس نہ آئے۔ دروازہ بند کر دیا گیا،تھوڑی دیر میں حسینؑ آئے، اِدھر دیکھا، اُدھر دیکھا، پوچھا: نانا جان کہاں ہیں؟ جو واقعہ تھا، وہ انہوں نے بیان کیا کہ آپ حجرے میں تشریف لے گئے ہیں، فرما گئے ہیں کہ کوئی نہ آئے۔ اب جو اصلِ واقعہ ہے، جو الفاظ میری سمجھ میں آتے ہیں، وہ یہ کہ حسینؑ نے یہ پوچھا کہ کیا ہمیں بھی منع کیا ہے؟ بس یہ آواز حسینؑ کی پیغمبرؐ نے سنی، پھر کیا ہوا؟ حسینؑ داخل ہوگئے۔ کوئی بتائے، میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ جیسے اُنہوں نے پوچھا کہ کیا ہمیں بھی منع کیا ہے؟ بس پیغمبرؐ اکرم نے آواز سن کر فرمایا: اُمِ سلمہؓ! میرے حسینؑ کو آنے دو۔ حسینؑ داخل ہو گئے، پھر دروازہ بند کر دیا گیا۔ اب تھوڑی دیر میں جنابِ اُمِ سلمہ کہتی ہیں کہ میں نے محسوس کیا کہ رسولِؐ اکرم گریہ فرمارہے ہیں۔

اب ہر صاحبِ عقل محسوس کرے جو حجرے کے باہر ہو اور حجرے کا دروازہ بند ہو، وہ فقط آنسوؤں کا گریہ محسوس نہیں کرسکتا۔ ماننا پڑے گا کہ صدائے گریہ تھی جو جنابِ اُمِ سلمہؓ نے محسوس کی اور اب یہ دروازے کے قریب آئیں، کہا: یارسولؐ اللہ! کیا میں آسکتی ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں، آسکتی ہو۔ یہ جو گئیں تو اُن کا بیان ہے کہ پیغمبرؐ خدا کے سینہ مبارک پر شہزادہ ہے اور زار زار گریہ فرمارہے ہیں۔ انہوں نے پوچھا: یارسولؐ اللہ! یہ گریہ کا کیا سبب ہے؟ فرمایا: میرا بچہ جو آیا میرے سینے سے لگا تو ایک فرشتے نے کہا: یارسولؐ اللہ! آپ اس بچے کو چاہتے ہیں؟ ذرا غور فرمایئے یہ فرشتہ کس واقعہ کی کیا خبر دینے آیا ہے؟ ارے وہ تو وقتِ ولادتِ حسینؑ خبر دی جا چکی تھی۔ اُس دن میں بیان کر چکا کہ شہزادے کو گود میں لا کر دیا گیا اور رسولؐ اللہ نے گریہ فرمایا تو پھر یہ اطلاع دینے کو آیا ہے، نہیں، اطلاع دینے نہیں آیا، کہی ہوئی بات کو دہرانے آیا ہے یعنی اس ذکر کو تازہ کرنے آیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ مجلس اسی کو کہتے ہیں، مجھے حق ہے یہ کہنے کا کہ یہ فرشتہ آیا ہے مجلسِ حسینؑ کرنے کیلئے ___ اب جو پوچھ رہا ہے، یہ سوال ہے واقعی کیا کہا، وہ نہیں جانتا کہ محبت کرتے ہیں، یہ پوچھنا کیا ہے، میں کہتا ہوں یہ تمہید ذاکر مرتب کر رہا ہے۔ کیا آپ اس سے محبت فرماتے ہیں؟ فرماتے ہیں: خدا گواہ ہے کہ کتنی محبت کرتا ہوں۔ اب فرشتہ کہتا ہے: اچھا پھر یاد رکھئے کہ یہی وہ بچہ ہے جو آپؐ کے دین کی خاطر شہید ہوگا۔

مصائب کافی تفصیل سے بیان کر دیئے۔ اب جس وقت رسولِؐ اکرم فرشتے کا بیان سن رہے تھے تو فرشتہ ذاکر اور خود رسولؐ

سامع ــــ اور جب رسولِ اکرم اُمِ سلمہؓ سے بیان کر رہے ہیں تو اب رسولِ خدا ذاکر اور اُمِ سلمہؓ اور خود حسینؑ یہ سامعین ہیں۔ بس دو لفظوں میں حقیقت عرض کرتا ہوں کہ ہماری مجلسوں کے دو ہی کردار ہوتے ہیں، ایک کردار ذاکر کا ہوتا ہے ــــ ایک کردار سامعین کا ہوتا ہے۔ جو ذاکر ہوتا ہے، وہ بھی عملِ رسولؐ اور جو سامعین کا کردار ہے، وہ بھی عملِ رسولؐ ــــ تو مجلس کا تو ہر جز و سنت ہے، بدعت کہاں قدم رکھے گی اور بس یہیں بھی سمجھ لیجئے کہ رسولِ اکرم نے جب سنا تو وہ روئے تھے یا نہیں، رو ہی رہے تھے ناں ــــ اور آواز کے ساتھ رو رہے تھے ــــ رو رہے تھے ناں ــــ تو اب یاد رکھئے کہ اب گریہ بدعت نہیں ہے، نہ رونا بدعت ہے، رونا بدعت نہیں ہے اور یہ حدیث ایسی ہے کہ بڑی مشہور شخصیت ہے، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، ایک دن ''سرالشہادتین'' کا مضمون پڑھ چکا ہوں کہ حسینؑ کی شہادت رسولؐ کی شہادت ہے۔ اُن کی دوسری کتاب ہے فتاویٰ عزیزیہ، وہ لوگوں کے سوالات ہیں اور اُن کے جوابات، وہ بھی مطبوعہ شکل میں موجود ہے، چھپی ہوئی ہے فتاویٰ عزیزیہ ــــ اس میں کسی نے کہا کہ آپ کا عملِ روزِ عاشور کیا ہوتا ہے؟ تو انہوں نے لکھا کہ جو میرا عمل ہے، وہ میں درج کرتا ہوں کہ عصر کے وقت میرے پاس میرے احباب، معتقدین، مخلصین عاشور کے دن جمع ہوتے ہیں اور فقیر خود منبر پر ہوتا ہے اور کچھ احادیث رسولؐ فضائلِ حسینؑ میں اور کچھ احادیث جو شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے متعلق وارد ہوئیں، جیسے حدیث اُمِ سلمہؓ، تو یہ اتنے پائے کی حدیث ہے، اس کے بعد کچھ شہادتِ امامؑ کے حالات بیان کرتا ہوں۔

واقعہ کربلا کے حالات اور کچھ جو خواتین بنی ہاشم نے بعد واقعہ کربلا راتوں کو جنات کی آوازیں مرثیہ کی سنی ہیں، وہ اشعار بھی درج ہیں، راتوں کو، آدھی آدھی پہر رات گزرے ہوئے مابین فضا و آسمان، اشعار مرثیے کے جو پڑھے جاتے تھے، وہ اشعار لوگوں نے درج کر دیئے ہیں، کتابوں میں درج ہیں۔ وہ بیان کرتا ہوں اور اس وقت مجھ فقیر پر بھی گریہ طاری ہوتا ہے اور جو حاضرین ہوتے ہیں، ان پر بھی گریہ طاری ہو جاتا ہے۔ تو یہ جنابِ اُمِ سلمہ کی روایت ہے، اس کے ساتھ صحیح ترمذی کی روایت ہے، بس اسی پر ختم کر دوں گا۔

جنابِ اُمِ سلمہؓ نے یہ سنا، حضرتؐ نے فرمایا کہ فرشتے نے کہا کہ آپ وہ زمین دیکھنا چاہتے ہیں جہاں یہ واقعہ پیش آئے گا؟ میں کہتا ہوں کہ اب دیکھئے کہ زیارتِ کربلا کی سنت قائم ہو رہی ہے۔ رسولؐ فرماتے ہیں: ہاں، میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ تو رسولِ اکرم مشتاقِ زیارت ہوں، ہم نہ ہوں؟ یاد رکھئے حالتِ گریہ میں جو دعا ہو، وہ اُمید ہے کہ مستجاب ہو۔ یاد رکھئے کہ جو رکاوٹیں زیارت کی راہ میں ہیں اور جو اشخاص حائل ہیں، خداوند عالم ان حالات میں انقلاب پیدا کرے۔

تو فرشتے نے اشارہ کیا، زمین کربلا نمودار ہوئی، اب مجلس تفصیل کے ساتھ ہو رہی ہے، جیسے مجلس ہو رہی ہے، زبانی اور پھر مرقع سامنے آ جائے تو اثر مجلس میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اب فرشتہ تفصیل سے کہہ رہا ہے کہ دیکھئے وہ جگہ ہے جہاں خیمے نصب ہوں گے۔ اب جو جو اُس نے کہا، اپنے وقت میں کہا ہو، وہ جگہ ہے جہاں عباسؑ کے شانے قلم ہوں گے، وہ جگہ ہے جہاں علی اکبرؑ کے نیزہ لگے گا، جو جو کہا ہو، اُس سب کی تفصیل، مجھے کیا علم کہ کیا کیا اُس نے کہا۔ ایسا تھا کہ رسولؐ پر اتنی دیر سے گریہ طاری تھا اور اب آپؐ نے فرمایا کہ فرشتے نے یہ کہا ہے کہ اس نے ہاتھ بڑھا کر مٹھی خاک کی لی اور مجھے دی ہے کہ یہ خاک ہے اس زمین کی۔ جب یہ خاک سرخ ہو جائے تو سمجھئے گا کہ آپ کا فرزند شہید ہو گیا۔ پیغمبرِ اسلام کی مٹھی میں خاک تھی، وہ آپؐ نے جنابِ اُمِ سلمہؓ کے سپرد فرمائی۔ یہ اللہ کے دیئے ہوئے علم سے بتانا تھا کہ تم اُس وقت

زندہ ہوگی۔ جنابِ اُم سلمہؓ نے وہ خاک حفاظت سے شیشی میں رکھ چھوڑی۔ اب اتنا زمانہ گزرا۔ پورا امیر المومنین علیہ السلام کا دور گزرا، پھر امام حسن علیہ السلام کا زمانہ گزرا، امام حسین علیہ السلام کی عمر کے دس برس بعد امام حسنؑ گزرے۔ یہاں تک کہ امام حسین علیہ السلام نے سفر کربلا کیا اور وہ خاک وہاں ہے اُس شیشی میں۔ اب جب حسینؑ سفر پر گئے تو ذریعہ تسلی وہ خاک ہے، یہ اُسے دیکھتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ ابھی حسینؑ زندہ ہیں اور اب مدینہ میں ہیں۔ کون کون، ایک تو یہی چاہنے والی نانی اور ایک وہ خاتونِ معظمہ جس نے اپنے چار شیر اور بہادر بیٹے امام حسینؑ کے ساتھ بھیج دیئے۔ ارے ایک کو بھی تو اپنے پاس نہیں رکھا۔ وہ جنابِ اُم البنین، بیوہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام، یہ لوگ تو یقینی تھے۔

اور کچھ روایتوں میں ہے کہ ایک بیمار بیٹی بھی تھی، اس کو بھی مدینہ میں چھوڑا تھا حسینؑ نے اور میرا دل کہتا ہے کہ یہ روایت ٹھیک ہے، اس لئے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو جنابِ اُم البنین، جنابِ زینبؑ کا ساتھ نہ چھوڑتیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ امامؑ کا کچھ کام تھا جو اُن کے سپرد کر کے گئے تھے۔ ہماری بیٹی کی تیمارداری، تو اب اُم سلمہؓ جب دم اُلٹتا ہے، جا کر خاک کو دیکھتی ہیں، تسلی ہو جاتی ہے، جا کر فاطمہؑ صغریٰ کو بھی تسلی دیتی ہیں کہ تمہارے بابا زندہ ہیں۔ تفصیل سے اب عرض کرنے کا موقعہ نہیں، وقت ختم ہو گیا ہے۔ اب جب سے نمودار ہوا محرم کا چاند ____ دل کی اُلجھن کچھ ایسی بڑھ گئی کہ روز آ کر خاک کو دیکھتی ہیں اور اصلی حالت پر پاتی ہیں۔ مگر راوی نے نہیں بیان کیا، آپ سے پوچھتا ہوں جو حالات آپ کو معلوم ہیں، دل کو دل سے راہ ہوتی ہے، ایسا تو نہیں تھا کہ ساتویں محرم سے جب پانی سامنے آئے تو آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ چاہے سمجھ میں نہ آئے کہ یہ بات کیا ہے؟ یہ پانی میں خاصیت ہوگئی ہے۔ انہیں کیا معلوم کہ وہاں پانی بند ہو گیا ہے، وہاں چھوٹے چھوٹے بچے صدائے العطش بلند کر رہے ہیں۔ غرض اب دس محرم کو صحیح ترمذی کا بیان ہے، جنابِ اُم سلمہؓ خاک کو جا کر دیکھتیں، کبھی فاطمہؑ صغریٰ کو جا کر تسلی دیتی تھیں، سارا دن اسی پریشانی اور تگ و دو میں گزرا، عصر سے قبل اپنے حجرے میں خاک پر لیٹ کر سو گئیں۔

صحیح ترمذی کی روایت ہے کہ جنابِ اُم سلمہ کہتی ہیں کہ خواب میں عصر کا وقت آگیا، اب ادھر عصر کا ہنگام آیا اور رسولؐ اللہ کے سر پر عمامہ نہ تھا۔ بہت سی باتیں ناواقفیت سے لوگ نہیں سمجھتے، صحاحِ ستہ سب کی مانی ہوئی ہیں، میں کہتا ہوں کہ اب سر برہنہ ہونا غمِ حسینؑ میں بدعت نہیں ہے، رسولؐ اللہ بغیر عمامہ کے ہیں اور ہاتھ میں ایک شیشی ہے جیسے اُس دن شیشی تھی۔ اُس میں وہ خاک تھی، آج ایک شیشی ہے جس میں خون جوش مار رہا ہے اور اس کے بعد کیا ہے کہ سر اور داڑھی پر خاک پڑی ہوئی ہے، بال بکھرے ہوئے ہیں، اُم سلمہ خواب میں پوچھتی ہیں: یا رسولؐ اللہ! یہ کیا؟ ____ فرماتے ہیں: تمہیں خبر نہیں کہ میرا فرزند حسینؑ شہید ہو گیا؟

اس کے بعد فرماتے ہیں: صبح سے اس وقت تک میں کربلا میں تھا، میرے سر اور ریش پر خاکِ کربلا ہے۔ اب خاک رسولِؐ اکرم کے سر اور داڑھی پر ہو، پاک نہیں ہوگی تو اور کیا ہوگی؟ فرماتے ہیں: حسینؑ اور انصارِ حسینؑ کا خون ہے۔ اسے میں دن بھر جمع کرتا رہا ہوں۔ اگر یہ کام کبھی کام آنے والا نہیں تھا تو رسولؐ کیوں جمع کر رہے تھے؟ معلوم ہوتا ہے اس کا مقصد شفاعت ہے، اس خون سے شفاعتِ اُمت کا کام لیں گے۔ اُم سلمہؓ بیدار ہوئیں تو جا کر خاک کو دیکھا، اُس میں خون جوش مار رہا تھا، سمجھ گئیں کہ حسینؑ شہید ہو گئے۔ قبرِ رسولؐ کے پاس آئیں تو محسوس یہ ہوا کہ قبر تھرتھرا رہی ہے۔ اب خیال ہوا کہ جا کر دیکھوں کہ فاطمہؑ صغریٰ کا کیا عالم ہے؟ جا کر جو دیکھا تو رُخ ہے عراق کی طرف، گریبان پھٹا ہوا ہے، ارے بابا! آپؑ پر کیا گزر گئی، میرا دل پھٹا جا رہا ہے۔

# صدیاں گزرگئیں،رونے کا سلسلہ جاری ھے، جنھیں بر وقت رونے کا حق تھا،اُنھیں رو لینے دیا جاتا تو شاید ھم آج تک نہ روتے!

عصر کربلا تک کے جہاد میں اصطلاحی طور پر معصوم ___ تو بس ایک ذات ہے عصر تک کے جہاد میں معصوم، اصطلاحی ایک ذات، اس کے بعد حضور! سب عرب ہی نہیں، ان میں حبشی بھی ہیں، ترکی بھی ہیں، تو سب عرب بھی نہیں۔ ارے سب آزاد بھی نہیں، ان میں غلام بھی ہیں تو اپنی جگہ تو جو فرق ہے، مجھے معلوم ہے اور زمین آسمان کا فرق ہے مگر جہاں تک کردارِ کربلا کا تعلق ہے، مجھے کوئی اور فرق کیا، مجھے اس کردار میں معصوم اور غیر معصوم کا فرق بھی نظر نہیں آتا اور اگر کردار کی منزل میں کوئی فرق ہوتا تو حجتِ خدا سب کو مخاطب کر کے نہ کہتے:

''بِاَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیْ یَااَصْحَابَ الْحُسَیْنِ طِبْتُمْ وَ طَابَتِ الْاَرْضُ الَّتِیْ دُفِنْتُمْ فِیْهَا''.

معصوم ابن معصوم، حجتِ خدا ابن حجتِ خدا، وہ کہہ رہے ہیں: میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں اے مجاہدین کربلا، تم بھی پاک ہوئے اور وہ زمین بھی پاک ہوئی جہاں تم دفن ہوئے اور کاش میں تمہارے ساتھ ہوتا اور اس عظیم کامیابی میں شریک ہوتا۔

پس جناب! کل عرض کر چکا ہوں کہ ہمارے رونے پر طرح طرح کے سوال ہوتے ہیں، ہماری عزا پر طرح طرح کے اعتراض ہوتے ہیں۔ ایک سوال کل پیش کیا تھا، اب ایک اور سوال جو بہت ہوتا ہے۔

ہر قسم سے، ہر ڈھب سے تماشہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ رونا تو بزدلی ہے، عورتوں کا کام ہے۔ مرد اور بہادر لوگ تو نہیں روتے۔ انہوں نے رو کر قوم کو بزدل بنا دیا۔ اتفاق سے ایک بات مجھے یاد آ گئی، معلوم نہیں کہاں سے چلی ہے، اتفاق سے اس لفظ کو شروع شروع میں استعمال کرنے والے بھی ایک ایرانی تھے، جلال الدین، ان کا رسالہ ''حبل المتین'' کلکتہ سے نکلتا تھا، وہ اصطلاحی طور پر کہتے ہیں کہ مجلسوں میں فقط گریہ کو نصب العین نہیں بنانا چاہئے، تو اس کے ذیل میں انہوں نے کہا تھا کہ ہماری قوم تو ملتِ گریہ کن ہے، کبھی طنز سے کہا جاتا ہے: ''ملتِ گریہ کن''۔ یہ سب سے پہلے ان ایرانی جلال الدین، ایڈیٹر حبل المتین نے لکھا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ کیا قدرت کی کارفرمائی ہے کہ ایک ایرانی فرد کا جواب ایرانی قوم نے اپنے عمل سے دیا کہ دیکھو! جو ملت گریہ کن ہے، وہ یہ کرتی ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ رونا تو بزدلی ہے، یہ کیا گریہ کا عمل، اتنی کوشش، یہ پورا ہر سال گویا گریہ کی فراوانی، تو میں کہتا ہوں کہ گریہ کا پس منظر اسی جملے میں ہے۔ ہمیں سکھایا گیا ہے کہ واقعہ کربلا کو یاد کرو تو کہو:

''یَالَیْتَنِیْ کُنْتُ مَعَکُمْ فَاَفُوْزُ فَوْزًا عَظِیْمًا''.

''کاش! میں آپ لوگوں کے ساتھ ہوتا اور اس عظیم کامیابی کو حاصل کرتا''۔

یہ شخص جو کہہ رہا ہے کہ رونا بزدلی ہے، اب میں اس سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہوں گا کہ سمجھ کر کہو کہ کس معرکہ میں ہو کر رونا بزدلی ہے اور کس معرکے میں شریک نہ ہونے پر رونا عین شجاعت ہے؟

بخدا!! اگر ہم زیر رایت ابوالفضل العباس علیہ السلام ہوتے تو نہ روتے، کربلا میں کون روتا ہوا دنیا سے گیا؟ حبیب ابن مظاہر روتے ہوئے گئے؟ مسلم ابن عوسجہ روتے ہوئے گئے؟ قاسمؑ اس وقت تک روئے جب تک اجازت نہ ملی، جب اجازت مل گئی تو ہشاش بشاش چہرے کے ساتھ گئے۔ عباسؑ کیا روتے ہوئے گئے؟ علی اکبرؑ روتے ہوئے گئے؟ ارے کربلا میں تو بے شیر بھی ہنس کر گیا۔ کربلا میں جو تھے، وہ روتے ہوئے نہیں گئے، دہرانا میری عادت نہیں مگر مقصد دہرا رہا ہوں کہ عباسؑ نہیں روئے، علی اکبر نہیں روئے، قاسمؑ روتے ہوئے نہیں گئے۔

حسینؑ بھی جب تک دوسرے جا رہے تھے، نہیں روئے، جب خود میدان میں گئے تو نہیں، ہاں! اگر روئے تو مخدراتِ عصمت کی مظلومیت پر روئے ہیں یا اپنے بچھڑنے والوں کی یاد میں روئے ہیں۔ آپؑ اس لئے قطعی طور پر نہیں روئے کہ وہ شہید ہونے کیلئے میدان میں آئے ہیں بلکہ آپؑ کو اپنی، اپنے عزیزوں اور ساتھیوں کی غریبی اور مظلومیت رُلا رہی تھی۔ آپؑ اپنے پردہ داروں کی اسیری اور مظلومیت کو یاد کر کے رو رہے تھے۔ لیکن امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد امام زین العابدین علیہ السلام عمر بھر روتے رہے۔ اب رونے کا مطلب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ سید سجاد علیہ السلام خون کے آنسو کیوں روتے تھے؟

''اَجرُکُمْ عَلَى اللّٰه''۔

مجلس ختم ہوگئی، اب ایک سوال اور اُس کا جواب ــــــ ارے چودہ سو سال گزر گئے اور اب تک آپ لوگ رو رہے ہیں، میں کہتا ہوں کہ جنہیں بروقت رونے کا حق تھا، اگر اُنہیں رو لینے دیا ہوتا تو شاید ہم آج تک نہ روتے۔

❁ ❁ ❁

# امام حسینؑ کے ہاتھوں پر بے شیرؑ ہے اور حُرملہ کے تیرنے معصوم اصغرؑ کی رگِ گردن کو نہیں توڑا بلکہ ظالموں کے چہروں پر پڑی ہوئی اُس انسانیت کی نقاب کا آخری تار تھا جو ٹوٹ کر بکھر گیا۔

فلسفہ مباہلہ کو دیکھ کر یہ حقیقت کھل کر واضح ہوگئی ہے کہ حق کی راہ بھی جو مادّی فتح حاصل کرنا ہو یعنی فوج کو شکست دینا، اس میں عورتوں اور بچوں کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن ہاں سی ذہنیت کو قتل کرنا ہو تو وہاں عورتوں اور بچوں کی ضرورت ہوتی ہے اور واقعات آپ کے سامنے ہیں۔ یہ سفر عورتوں اور بچوں کے بغیر مکمل نہیں ہوتا تو بدر واُحد وخندق وخیبر وغیرہ میں نہیں لائے۔ کربلا کے جہاد میں اگر مادی فتح حاصل کرنا ہوتی تو عباسؑ کی ضرورت تھی، زینبؑ کی ضرورت نہ تھی، علی اکبرؑ کی ضرورت تھی، علی اصغرؑ کی ضرورت نہ تھی، لیکن مولاؑ کے عمل سے سمجھئے کہ کربلا کے میدان میں ویسی جنگ نہیں لڑنا تھی۔ مختصر کر کے عرض کروں کہ حسینؑ کو یزید کو شکست نہیں دینا تھی، یزیدیت کو شکست دینا تھی۔ تختِ سلطنت یزید کا اُنہیں اُلٹنا تھا۔ یزیدی ذہنیت کو اُلٹنا تھا، اس لئے انہوں نے بھی جنگ کی تیاری کی۔

کون کہتا ہے کہ جنگ کی تیاری نہیں کی؟ مگر جیسی جنگ لڑنا تھی، اس لئے ویسی ہی تیاری کی۔ ذہنیتِ اسلامی اس وقت کیسی ہوگئی تھی، اُسے تاریخ میں دیکھئے کہ کیا عالم ہوگیا تھا، کیوں یہ تھا؟ اسلام کے خلاف کوئی غیر مسلم محاذ سے ہو تو ہم جلدی چونکیں گے اور جب کسی اسلامی طاقت کی طرف سے ہو تو پھر مسلمان محسوس نہیں کریں گے۔ چونکہ جو کچھ ہو رہا تھا، وہ نام نہاد مسلمانوں کے ہاتھوں ہو رہا تھا اور بنامِ اسلام ایک فرمانروا کے ہاتھوں ہو رہا تھا، تو مسلمان بیدار نہیں ہو رہے تھے۔

حسین علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ کربلا میں یہ دکھادوں کہ اس! اسلام کی نقاب کے پیچھے کیسے آدمی چھپے ہوئے ہیں! یہ اسلام کا برقعہ جو ہے، اُسے اُن کے کردار سے نوچ کر دنیا کو دکھادوں۔ اس لئے وہ کسوٹیاں لیں جو اسلام اور انسانیت کے پرکھنے کی ہیں۔ حسینؑ کے بہتر (۷۲) عوام نہیں تھے، ان میں حفاظِ قرآن تھے، ان میں تہجد گزار تھے، حبیب ابن مظاہر تھے جن کیلئے روایت ہے کہ ایک سجدہ میں قرآن ختم کرتے تھے۔ ان میں بُریر ہمدانی تھے جو سید الشہداء کے لقب سے جانے جاتے تھے۔ قراء کے معنی اس وقت تھے حفاظِ قرآن۔ سید القراء یعنی حافظانِ قرآن کے سردار، یہ اُن کا لقب تھا۔ کوفے کے بچوں کو قرآن پڑھایا کرتے تھے ____ قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے، یہاں تک کہ غلام ترکی جو تھا، وہ حافظِ قرآن تھا۔

کوئی محدث تھا، کوئی حافظِ قرآن تھا، کئی صحابہ رسولؐ تھے۔ انس بن حارث صحابیِ رسولؐ تھے، مسلم ابن عوسجہ کے بارے میں بھی روایت ہے کہ صحابیِ رسولؐ تھے۔ تو ان کو اپنے ساتھ لائے تھے کیونکہ جب یہ میدان میں آجائیں گے تو مسلمانوں کی آنکھیں کھل جائیں گی کہ

اسلام پر کیا وقت پڑ گیا ہے کہ ایسے ایسے تلواریں لے کر میدان میں آ گئے ہیں اور پھر خاندانِ رسولؐ کا پورا سرمایہ، تاریخ روا روی میں کہہ دیتی ہے کہ اٹھارہ بنی ہاشم۔ ورنہ بنی ہاشم کہاں تھے؟ سب ابو طالبؑ کی اولاد تھے، دکھلا دوں کیسے انسان ہیں، دکھلا دوں کیسے مسلمان ہیں؟

یاد رکھنا چاہئے کہ انسانوں کی طبیعت بھی مختلف ہوتی ہے، کسی کو جوان پر رحم آتا ہے، کسی کو بچے پر رحم آتا ہے، کسی کا دل عورت پر کڑھ جاتا ہے، ترس آ جاتا ہے۔ حسینؑ اپنے انسانیت کے پرکھنے کا ہر ذریعہ لائے تھے اور قدم قدم پر انہوں نے تاریخ کی دنیا کو، ان کے اسلام کی جانچ کر کے قیامت تک کے مسلمانوں کو دکھا دیا ہے کہ دیکھو! یہ کیسے مسلمان ہیں؟ ظہر کی نماز کا وقت ہے، ابو ثمامہ آتے ہیں، کہتے ہیں: تمنا ہے کہ مولاؑ یہ نماز آپؑ کے ساتھ باجماعت ادا ہو جائے۔

میں نے نوجوانوں کے اس اقدام کی کراچی میں تعریف کی ہے جنہوں نے نمازِ باجماعت کی روایت کو جلوسِ عزا میں رائج کیا ہے۔ کچھ لوگ جو قدیم تصورات رکھتے ہیں، ان میں سے ایک نے مجھ سے کراچی میں کہا کہ حسینؑ بڑے یا نماز؟ فوراً ذہن میں میرے یہ تصور آیا کہ یہ اس کے ذہن کی بات نہیں ہے، بہت سی باتیں غلط طور پر پہنچی ہیں۔ تو خیر انہوں نے جب یہ سوال کیا تو میں نے ان سے کہا کہ وہ حسینؑ تو نہیں ہیں، آپ کا جلوس ہے اور نماز تو وہ ہے جس کیلئے حسینؑ کا جہاد ملتوی ہو سکتا ہے۔ تو آپ کا جلوس اگر اتنی دیر کیلئے رُک جائے تو یہ حقیقی یادِ حسینؑ ہوگی۔

تو اب آپ دیکھئے کہ حسین علیہ السلام کے جہاد کی فضیلت کتنی بھی ہو، مگر نماز وہ چیز ہے کہ آپؑ فرماتے ہیں کہ ان سے کہو کہ اتنی دیر تک کیلئے جنگ روک لیں کہ ہم نماز ادا کر لیں۔ میں کہتا ہوں کہ مجھ ایسا جاہل جانتا ہے کہ شریعت اسلام میں ہر وقت پر ایک ترتیبِ نماز ہے، نماز کے ادا کرنے کیلئے التوائے جنگ کی ضرورت نہیں ہے۔ جنگ مغلوبہ میں بھی نماز ہو سکتی ہے۔ کبھی اشاروں سے ہو سکتی ہے، کبھی دوسری صورتوں سے بھی۔

میں کہتا ہوں کہ کیا (معاذ اللہ) امام حسین علیہ السلام اس فقہی مسئلے سے واقف نہیں تھے؟ مگر یاد رکھئے کہ اگر یہود سے مقابلہ ہوتا تو التوائے جنگ کی ضرورت نہ ہوتی، اگر نصاریٰ سے مقابلہ ہوتا تو منکرین خدا سے مقابلہ ہوتا، التوائے جنگ کی درخواست نہ کی جاتی۔ چونکہ بدنصیبی سے نام نہاد مسلمانوں سے مقابلہ تھا، اس لئے یہ التوائے جنگ کی درخواست نہ تھی، یہ اُن کے اسلامی ضمیر کو جانچ کر دنیا کو دکھانا تھا کہ دیکھو! ایسے مسلمان ہیں کہ نماز کیلئے جنگ نہیں روکتے۔

بس دو ایک مثالیں اور، کسی کے جاتے وقت اللہ کو گواہ نہیں کیا مگر جب علی اکبرؑ جا رہے تھے، ایک کتاب ہے دلائلِ خیرات، جو دلائل الخیراتِ شریعت کہلاتی ہے، اس میں کچھ وظائف ہیں اور اس میں تصویرِ نعل شریف ہے، حضرت کے پاؤں میں پہننے کی نعل، نعل مبارک کی تصویر ہے اور اس کے نیچے یہ لکھا ہے کہ جس گھر میں یہ رہے، اس میں خیر و برکت رہے گی۔ مسلمان اس کتاب کو شریعت کہتے ہیں اور ذوق و شوق سے اس صفحہ کی زیارت کرتے ہیں جس میں تصویرِ نعل شریف ہے۔

آج چودہ سو برس کے بعد یہ کیفیت ہے اور وہ نام نہاد مسلمانوں کا مجمع تھا جس کے سامنے کون جا رہا ہے؟ حسینؑ نے یہ نہیں کہا کہ

میرا بیٹا جارہا ہے، یہ کہا:

"اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ عَلٰی ھٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ فَقَدْ بَرَزَ اِلَیْھِمْ غُلَامٌ اَشْبَہُ النَّاسِ خَلْقًا وَخُلُقًا وَمَنْطِقًا بِرَسُوْلِکَ کُنَّا اِذَا اشْتَقْنَا اِلٰی نَبِیِّکَ فَنَظَرْنَا اِلٰی وَجْھِہٖ".

"گواہ رہنا کہ وہ جارہا ہے جو صورت اور سیرت، گفتار اور رفتار میں تیرے رسولؐ سے مشابہ ہے۔ خداوندا! جب ہم تیرے رسولؐ کے مشتاقِ زیارت ہوتے تھے تو اپنے اس جوان کو دیکھ لیتے تھے"۔

یعنی اس نام نہاد اسلامی مجمع کے تمام افراد کو سنایا کہ یہ شبیہ رسولؐ ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ رسولؐ کے نام لیوا رسولؐ کی اس شبیہ کی کیا قدر کرتے ہیں اور اہلِ عزا! کسی کے ایک زخم آیا ہوگا لیکن جب سناں کا وار لگ چکا تو گھوڑا علی اکبرؑ کو لے کر فوج کے اندر چلا گیا۔ اب روایت میں ہے کہ جدھر سے گزرے، ایک تلوار کا وار ہو گیا:

"فَقَطَّعُوْہُ بِسُیُوْفِھِمْ اِرْبًا اِرْبًا".

"ارے رسولؐ کی تصویر کو اپنی تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا"۔

پتہ چل گیا کیسے مسلمان ہیں، اب یہاں بھی چونکہ دو الفاظ کہے تھے: اسلام اور انسانیت، تو اب ختم کروں گا کہ اسلام کو آزما کر دیکھا دیا اور قیامت تک کی مسلم اور غیر مسلم دنیا کو دکھا دیا کہ یہ لوگ کیسے ہیں؟ اب ہاتھوں پر وہ بے شیر ہے جو ہر مذہب کی زبان میں معصوم ہے۔ علی اکبرؑ تک وہ کہہ سکتے تھے کہ تلوار لے کر آئے تھے، نہ لڑتے تو کیا کرتے مگر اب علی اصغرؑ کو لا کر مولاؑ نے یہ حجت تمام کر دی، ارے یہ تو کوئی تلوار لے کر نہیں آئے، یہ تو صرف زبان پر اپنی، اس کو تلوار سمجھو یا جو سمجھو، ان کے پاس تو تلوار نہیں ہے، بس اہلِ عزا! کیا ہوا؟ وہ آپ کو معلوم ہے، حسینؑ کے ہاتھوں پر بے شیر اور وہ تیر، اُس تیر نے اُن کی رگِ گردن کو نہیں توڑا بلکہ ظالموں کے چہروں پر جو پڑی ہوئی تھی، اُس انسانیت کی نقاب کا یہ آخیر تار تھا جو ٹوٹ کر بکھر گیا۔

اور بس اس جملے پر ختم کروں گا، حالانکہ اس میں نہ تیر ہے نہ تلوار، میں کہتا ہوں کہ مولاؑ نے قیامت تک کی دنیائے انسانیت کو مخاطب کر کے سوال کر لیا کہ تم بتاؤ! ایسے لوگوں کی بیعت کر لیتا؟

❁ ❁ ❁

**عاشورہ کادن، مدینہ کا شہر، جنابِ اُمِ سلمہؓ کی ایک لمحہ کیلئے آنکھ لگ گئی تو عالمِ خواب میں رسولِؐ خدا کو دیکھا کہ آپؐ بغیر عمامہ کے ہیں، سروریش پر گرد پڑی ہوئی ہے، بال بکھرے ہوئے ہیں، پوچھا: یارسولؐ اللہ! آپؐ نے یہ حالت کیوں بنا رکھی ہے؟ فرمایا: اُمِ سلمہؓ! تمہیں خبرنہیں، میراحسینؑ شہیدہوگیا ہے۔**

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی جانی پہچانی شخصیت، اپنے طبقہ کیلئے مایہ ناز کتاب ہے تو جناب اُن کی کتاب ہے ''سرّ الشہادتین''، اس میں وہ کہتے ہیں کہ خدا ہمارے رسولؐ کو وہ فضیلتیں عطا کیں جو تمام انبیاء کو ملیں بلکہ اس سے بالاتر ____ لیکن ایک صفت انبیاء کو ملی تھی جو براہِ راست ہمیں اُن کے ہاں نظر نہیں آتی۔ وہ ہے شہادت، لہٰذا خالق کو یہ منظور ہوا کہ صفتِ شہادت اُن کے فضائل میں رہ بھی نہ جائے اور براہِ راست اُن پر کسی دشمن کا وار کام بھی نہ کرے بلکہ اس کیلئے اللہ نے ان کو دو نواسے عطا فرمائے اور شہادت کی دو قسمیں ہیں: ایک شہادتِ سرّی اور ایک شہادتِ جہری، مخفی شہادت زہر سے ہوتی ہے اور اعلانیہ شہادت تلوار سے ہوتی ہے۔ دونوں شہادتیں دونوں نواسوں پر تقسیم ہوگئیں۔

حسنؑ کے حصے میں شہادتِ سرّی آئی اور حسین علیہ السلام کے حصے میں شہادتِ جہری آئی۔ یعنی کھلم کھلا شہادت اور ان کے ذریعہ سے اللہ نے صفتِ شہادت کو فضائلِ رسولؐ میں شامل کر دیا۔ اس کا نتیجہ انہوں نے فرمایا، اگر وہ میرے سامنے ہوتے تو میں بڑے احترام سے عرض کرتا: بہت بڑے آدمی ہیں، میں احترام سے عرض کرتا کہ یہاں تک تو آپ نے فرما دیا، جو میں سوال کروں، اُس کا جواب دیجئے کہ جب اُن کی شہادت، اُن کی شہادت تو جو اِن کا قاتل ہے، وہ اُن کا قاتل۔

اب جناب نہ ہچکچایئے گا، جتنے زور سے آپ نے وہ بات کہی، اُتنے ہی زور سے میری بات کا جواب دیجئے اور سوا ایک جواب کے دوسرا ہو ہی نہیں سکتا۔ آپ کو منطقی طور پر قبول کرنا پڑے گا کہ جو اِن کا قاتل، وہ اُن کا قاتل یعنی رسول کا قاتل۔ اب یہ جملہ اُن کا ابھی تک ہے مگر کھول کر دونوں ٹکڑے کہہ دیجئے کہ جو امام حسنؑ کا قاتل، وہ جنابِ رسولِؐ اکرم کا قاتل اور جو حسینؑ کا قاتل، وہ بھی رسولِؐ اکرم کا قاتل۔ اب کوئی بحث نہ کیجئے گا کہ امام حسین علیہ السلام کا قاتل، وہ رسولِؐ اکرم کا قاتل، اب کوئی بحث نہ کیجئے گا کہ قاتلِ حسینؑ کو یہ کہا جائے یا نہیں؟ بس آپ جو رسولِؐ اکرم کے قاتل کو کہہ سکتے ہیں، وہ کہئے۔ ایک اور سوال کا جواب ہو جائے۔ ہم سے سوال کیا جاتا ہے، طرح طرح کی منطقی باتیں سوچ سوچ کر ہماری عزاداری پر کہی جاتی ہیں، یعنی ہاتھ ہم اپنے سینوں پر مارتے ہیں، دل دوسروں کے دہلتے ہیں۔ روتے ہم ہیں

صدمہ دوسروں کو ہوتا ہے، طرح طرح کے منطقی سوال سامنے آتے ہیں کہ وفاتِ رسولؐ پر اتنا غم و ماتم نہیں ہوتا جتنا امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اُن کو رسولِؐ اکرم سے بڑھاتے ہو۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ میں یہ کہوں کہ اچھا صاحب! نواسے کو ہم نے حصہ میں لے لیا، رسولِؐ اکرم کو آپ اپنے حصہ میں لے لیجئے۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اس میں ہم آ کر آپ کے ساتھ شریک ہوں گے۔ آپ اس میں ہمارے ساتھ شریک ہو جائیں۔

جناب شاہ عبدالعزیز کے مطابق سال میں دو تاریخیں ہیں، ایک وفاتِ رسولؐ کی، ایک شہادتِ رسولؐ کی۔ وہ ربیع الاوّل کی کسی تاریخ کو ہے اور یہ جو دس محرم کو ہے، یہ شہادتِ رسولؐ کی تاریخ ہے۔ اب آپ بتایئے کہ وفات کی یادگار قائم کریں یا شہادت کی؟ اور اب مصائب میں مَیں کہتا ہوں کہ اسے ہم سے کیوں پوچھتے ہیں؟ آسمان سے پوچھئے کہ وفاتِ رسولؐ پر خون کیوں نہیں برسا، حسینؑ کی شہادت پر کیوں خون برسا؟ اسے علامہ کمال الدین محمد ابن طلحہ شافعی کی ''مطالب السئول'' میں دیکھ لیجئے، علامہ ابن حجر مکی کی ''صواعق محرقہ'' میں دیکھ لیجئے، خواہ سبط ابن جوزی کی ''تذکرہ خواص الائمہ'' میں دیکھ لیجئے کہ دس محرم کے بعد چالیس دن تک جو کپڑا پھیلایا جاتا تھا زیر آسمان، اُس پر خون کے چھینٹے نظر آتے تھے۔ اہلِ عزا! دیکھیں کہ عاشور ہی کی تاریخ اِدھر سے مقرر کی ہوئی نہیں ہے بلکہ چہلم کی تاریخ بھی اُدھر کی مقرر کی ہوئی ہے۔ یعنی اس نے بیس صفر تک کائنات کو سوگوار رکھا ہے۔ چہلم کے دن تک، بیس صفر تک خون برس رہا ہے اور میں کہتا ہوں کہ پیغمبرؐ خدا کے غم میں سیدۂ عالم رو رہی تھیں، علیؑ رو رہے تھے، حسینؑ رو رہے تھے، ارے صحابہ میں سے بھی جن جن کو رونے کی فرصت تھی، وہ رو رہے تھے۔ سب ہی سیاست دان تو نہیں تھے۔

شاہ محدث دہلوی نے ''مدارج النبوۃ'' میں کہا کہ بعض صحابہ گریبان پھاڑ پھاڑ کر جنگلوں میں نکل گئے اور مدینہ میں کہرام برپا تھا۔ یہ تاریخ سے ثابت ہے تو یقیناً یہ سب رو رہے تھے۔ مگر حسین علیہ السلام کے غم میں تو رسولؐ اللہ رو رہے ہیں اور پھر دیکھئے کہ جنابِ اُم سلمہؓ نے خواب میں دیکھا اور یہ بھی متفق روایت ہے۔ اب کوئی اور یہ خواب دیکھتا تو کوئی یہ بحث پیدا کر سکتا تھا کہ وہ رسولؐ کی صورت کو کیا جانے؟ لیکن جنابِ اُم سلمہؓ کے بارے میں تو یہ سوال پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ رسولِؐ اکرم نے ایک خاک دی تھی کہ اسے رکھ چھوڑو، یہ بھی صحیح ترمذی میں ہے کہ جب یہ خون ہو جائے تو سمجھنا کہ میرا فرزند حسینؑ شہید ہو گیا ہے۔ یہ خاک جب حسینؑ کے سفر کے بعد دیکھتی تھیں تو دل کو ڈھارس ہو جاتی تھی کہ حسینؑ زندہ ہیں۔

اس وقت گھر والوں کو کون بتاتا کہ مسافر حسینؑ پر کیا بیت رہی ہے؟ تو جب دل اُلجھتا تھا تو اُمِ سلمہ اس خاک کو دیکھ لیتی تھیں۔ لیکن جب محرم کا چاند ہو گیا تو دل کی اُلجھن اتنی بڑھ گئی کہ خاک کو دیکھ کر وقتی تسلی تو ہوتی ہے مگر جب دم اُلجھتا ہے تو مکمل طور پر دل کو قرار نہیں آتا۔ اب روز خاک پر نظر ڈالنے لگیں۔ اب جو عشرہ کا دن آیا تو خاک کو اصلی حالت پر دیکھ رہی ہیں، تب بھی دل نہیں ٹھہرتا ورنہ بار بار آ کر کیوں دیکھتیں؟

اربابِ عزا! دوپہر تک دیکھا، خاک اصلی حالت پر ہے، پھر دل کو قرار نہیں، راز سمجھ میں نہیں آتا، خاک کی رنگت نہیں بدلی،

خاصیت بدل گئی، رنگت وہی ہے لیکن اب دل کو تسلی نہیں ہوتی اُسے دیکھ کر۔ ارے میں کہتا ہوں پہلے بھی دیکھا تو خاک ہی تو بتا رہی ہے کہ حسینؑ زندہ ہیں، صادق رسولؐ کا قول ہے، خاک اصلی حالت پر ہے لیکن کیا عباسؑ بھی زندہ ہیں؟ کیا علی اصغرؑ بھی زندہ ہیں؟ کیا قاسمؑ بھی زندہ ہیں؟ کیا علی اکبرؑ بھی زندہ ہیں؟ کیا فاطمہؑ صغریٰ کا وہ ننھا مسافر بھائی بھی زندہ ہے؟ چونکہ حسینؑ زندہ ہیں، لہٰذا خاک اصلی حالت پر ہے۔ دن بھر کی تگ و دو سے اور پریشانی سے اتنی تھک گئیں کہ اپنے حجرے میں آ کر لیٹ گئیں۔ سونے میں عصر کا ہنگام آیا۔ اب پھر صحیح ترمذی کی روایت ہے کہ عصر کا ہنگام آیا تو رسولؐ اللہ سامنے بغیر عمامہ کے ہیں، سر و ریش مبارک پر خاک پڑی ہوئی، بال بکھرے ہوئے، پوچھتی ہیں: یا رسولؐ اللہ! کیا ماتم ہے؟ فرماتے ہیں: تمہیں نہیں خبر؟ میرا فرزند حسینؑ قتل ہو گیا۔

فرماتے ہیں: میں صبح سے اس وقت تک کربلا میں تھا، یہ میرے سر و ریش پر خاکِ کربلا ہے۔ یہ حسینؑ اور انصارِ حسینؑ کا خون ہے جو دن بھر میں جمع کرتا رہا ہوں۔

اے اہلِ عزا! جنابِ رسالتمآبؐ فرماتے ہیں کہ دن بھر میں کربلا میں رہا ہوں تو علی اکبرؑ کے سینے پر برچھی لگی، رسولؐ اللہ دیکھ رہے تھے، عباسؑ کے شانے کٹے، رسولؐ اللہ دیکھ رہے تھے اور ننھا مسافر کربلا کا حسینؑ کے ہاتھوں پر نشانہ تیر ستم ہوا، رسولؐ اللہ کی آنکھوں کے سامنے اور وہ جسے کاندھے پر چڑھاتے تھے، جسے سینے پر لٹاتے تھے، اُس کو تہہ خنجر دیکھا۔

۞ ۞ ۞

# جنابِ زینبؑ کا پردہ کتنا اہم ہے کہ مولا کھنیوں پر زور دے کر اس ناتوانی میں اونچے ہو کر فرماتے ہیں: زینبؑ بہن! میں ابھی زندہ ہوں، باہر نہ آنا۔

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا جنت کی عورتوں کی سردار ہیں، اس کا مطلب کیا ہے؟ مطلب یہ کہ جنت میں جانے کا جو معیار ہے، وہ میری بیٹی میں اتنے کمال کے نقطہ پر ہے کہ قیامت تک کوئی مسلمان خاتون اگر جنت میں جانا چاہے تو اس کے پیچھے ہی چل کر جاسکتی ہے۔ اس سے آگے چل کر نہیں۔ کون ہمارے ہاں کی خاتون ہے جو کنیز سیدہؑ کہنے کو اپنا حق نہ سمجھتی ہو؟ تو اگر کنیز سیدہؑ ہے تو سیدہؑ کے شعار کو وہ اپنی توہین سمجھ سکتی ہے؟ سیدہؑ کے راستے سے ہٹنے کو وہ عزت سمجھ سکتی ہے؟ دیکھئے! سیدہؑ عالم کا معیارِ حجاب کیا ہے؟ پردہ داری کا معیار کیا ہے؟ اپنے باپ کے خطبے میں کبھی برقعہ و چادر میں نہاں ہو کر بھی باپ کے خطبے میں تشریف نہیں لائیں، حالانکہ جو حضرات ماشاء اللہ فریضہ حج سے سبکدوش ہوئے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ خانہ سیدہؑ عالم اور مسجد نبویؐ کے درمیان نہ کوئی کوچہ ہے اور نہ کوئی بازار ہے۔ وہ تو آج تک بھی مسجد سے باہر لے کر نہیں جاسکا، یہ اور بات ہے کہ جب تک میں نے دیکھا ہے کہ خاردار تاروں سے گھیر دیا گیا ہے، کوئی زیارت کیلئے اندر نہیں جاسکتا۔ یہ سب کچھ ہے مگر یہ کہ اس کو باہر کر دیا گیا ہے۔ یہ میرے دَور تک کسی کی ہمت نہیں ہوئی تھی تو جناب مسجد نبوی کے اندر ہیں بلکہ یہ ایک عجیب چیز میں نے محسوس کی کہ بہت سے دروازے ہیں اس کے، اُن کے بہت سے نام ہیں، ایک دروازہ جس میں سے بڑھ کر خانۂ فاطمہ زہراؑ سامنے نظر آتا ہے، اُس دروازے کا نام ہے بابِ جبرئیلؑ ___ جنت البقیع سے آگے بڑھئے اور پھر حرم میں داخل ہوں تو پھر وہ بابِ جبرئیلؑ ہوگا۔ اس میں داخل ہو جایئے تو خانۂ فاطمہ زہراؑ ملے گا۔

اس کے بعد آگے بڑھئے تو روضۂ رسولؐ ملے گا۔ میرے ذہن نے جغرافیائی ترتیب سامنے رکھ کر ایک رائے قائم کی کہ آخر اس کا نام بابِ جبرئیلؑ کیوں ہے؟ تو سوائے اس کے میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اور لوگ اور دروازوں سے آتے ہوں گے، لیکن جبرئیلؑ جب آتے تھے تو پہلے سیدہؑ عالم کے گھر پر سلام کرتے تھے، پھر رسولِؐ اکرم کی خدمت میں آتے تھے، ورنہ دروازے کا نام آخر یہ کیوں ہوا؟ تو اب نہ کوئی کوچہ ہے اور نہ کوئی بازار ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی باپ کے خطبے میں کبھی نہیں آئیں۔ یہ نہیں ہے کہ دل نہیں چاہتا ہو، دل تو ایسا چاہتا تھا کہ جب بڑا بیٹا جاتا تھا حسنؑ مجتبیٰ تو اکثر پوچھ لیتی تھیں کہ تمہارے جدِ بزرگوار نے آج کیا بیان کیا؟ اور حسنؑ مجتبیٰ اپنے جدِ امجد کے خطبے کا پورا مضمون ماں کو سنا دیا کرتے تھے۔

آپؑ کا سنا ہوا ہے وہ واقعہ ___ اس وقت واقعہ پورا پیش نہیں کرنا ہے، میں کہتا ہوں اس طرح سے ایک سوال کا جواب بھی، قیامت تک کیلئے اپنی کنیزوں کو دے دیا۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ پردہ مانع تعلیم ہے تو انہوں نے بتایا کہ نہیں، مانع تعلیم نہیں ہے، اگر چاہیں تو اپنے

محرم افراد کے ذریعہ سے وہ بھی زیورِ تعلیم سے آراستہ ہو سکتی ہیں۔غرض یہ کہ وہ ہوا چلتی ہے جس معقولیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔تو یہ باپ کے خطبہ میں نہیں جاتیں اور بے شک حکمِ الٰہی سے مباہلہ میں گئیں۔اس دن عرض چکا ہوں مباہلے کے میدان میں بڑے اہتمامِ پردہ داری سے گئیں۔آگے آگے رسولؐ، پیچھے پیچھے علیؑ ابن ابی طالبؑ اور بیچ میں برقعہ و چادر میں نہاں، جو اُنؑ کا معیارِ حجاب تھا، اس کے لحاظ سے۔آج انہوں نے حکمِ الٰہی کی تعمیل میں ایک قربانی دی اور میں کہتا ہوں کہ اس طرح زینبؑ کیلئے راستہ صاف ہو گیا۔بیٹی! یہ وقت کی بات ہے کہ میرے لئے اتنی ہی ضرورت تھی لیکن کبھی دینِ خدا کو ضرورت ہو تو کسی حال میں جانے میں عذر نہ کرنا۔

اور وہ منزل زینبؑ کیلئے قریب آگئی۔مگر کب؟ عصر کے بعد! جب تک حسینؑ زندہ رہے، تب تک بخدا! کربلا میں پردہ کا جتنا وقار ثابت ہوا ہے، اُتنا تاریخ عالم میں کہیں نہیں ہوا۔دیکھئے کربلا کی صورتِ واقعہ ہے کہ ہر غیر اہم اہم پر قربان ہو رہا ہے۔اصحاب بنی ہاشم پر قربان ہوئے۔

بنی ہاشم جتنے تھے، حسینؑ پر قربان ہوئے اور اگر کوئی چیز ایسی ہو جسے بچانے کیلئے حسینؑ اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال دیںؑ تو یہ اس اہمیت کیلئے کچھ کم بات نہیں ہے۔وقت یہ ہے کہ راکب دوش رسولؐ ہے اور زمین پر ہے اور غشی کا عالم ہے اور یہ عالم ہے کہ ان ظالموں میں آپس میں اختلاف ہے، کوئی کہتا ہے کہ روح نے جسم سے مفارقت کی، کوئی کہتا ہے کہ نہیں، ابھی زندہ ہیں۔شمر نے ایک تدبیر بتائی کہ گھوڑوں کا رُخ خیموں کی طرف کر دیا جائے، اگر زندہ ہیں تو آنکھ کھول دیں گے۔

بس اربابِ عزا! گھوڑوں کا رُخ ہو گیا خیموں کی طرف۔دیکھئے! خطرہ حسینؑ سے دور ہو رہا ہے مگر زینبؑ کا پردہ کتنا اہم ہے کہ مولاؑ کہنی پر زور دے کر اس ناتوانی میں اونچے ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں: زینبؑ بہن! ابھی میں زندہ ہوں، تم باہر نہ آنا۔

۞ ۞ ۞

**جب خیموں کو آگ لگی تو جنابِ زینبؑ نے سیدِ سجّاد سے پوچھا: بیٹا! تم امامِ وقت ہو، بتاؤ کہ اب ہم کیا کریں؟ باہر نکل جائیں یا جل مریں؟ امامؑ نے کہا: پھوپھیؑ جان! آپؑ باہر چلی جائیں۔ بی بیؑ سب کچھ جانتی تھیں لیکن امامِ وقت سے اجازت لینا ضروری تھا۔**

کیا کربلا میں کوئی کمی رہ گئی تھی اس سلسلے کو قطع کرنے کی؟ اس سلسلے کو قطع کرنے کی کوئی کسر دنیا نے اُٹھا رکھی؟ وہ تو سید سجادؑ پر خالق نے غشی کو طاری کر دیا۔ میں کہتا ہوں یہ غشی نہیں تھی، ایک پردۂ غیب تھا جو اُنؑ کی حفاظت کیلئے اُنؑ پر ڈالا گیا، ورنہ یہ غش میں نہ ہوں اور پھر امام حسین علیہ السلام کی مدد نہ کریں تو اُنؑ کا کردار علی اکبرؑ کے کردار سے پیچھے رہ جائے گا۔ لہٰذا خالق نے غش کو اُنؑ پر طاری کیا اپنی بلند حکمت کی بناء پر، ورنہ میرا ایمان ہے کہ مرض ان کو کبھی بے ہوش نہیں کر سکتا، نہ مرض ہوش وحواس سلب کر سکتا ہے، نہ مرض بیہوش کر سکتا ہے۔ یہ حکمتِ الٰہی تھی، بقائے امامت کیلئے۔

بس اربابِ عزا بس ــــ چند مواقع ایسے ہیں جہاں غش سے افاقہ ہوا۔ پہلا موقعہ وہ ہے جب اُنؑ کا غلام، غلام ترکی مولاؑ کے پاس آیا کہ اب مجھے اجازت دیجئے۔ یہ غلام آپؑ نے سید سجاد علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا تھا، اس لئے فرمایا کہ تم مجھ سے کیوں اجازت مانگتے ہو، اپنے آقا سے اجازت مانگو؟ وہ دروازہ پر آتا ہے، بیبیاں جانتی ہیں کہ سید سجاد علیہ السلام غش میں ہیں، کوئی اہم بات ہے جو آیا ہے۔ موقع دیتی ہیں، غلام آتا ہے، ہوش میں لاتا ہے، کہتا ہے کہ مولاؑ! اجازت دیجئے کہ جا کر آپؑ کے بابا کی نصرت کروں۔ بس دیکھئے! عجیب کلمہ حسرت ــــ کہ اچھا بابا پر یہ وقت پڑ گیا کہ تمہاری مدد کی ضرورت ہے؟ اور اب ایک کلمہ حسرت فرماتے ہیں کہ ہم اگر اس لائق ہوتے تو بابا کی مدد کرتے؟ مگر ہم تو اس عالم میں ہیں، تم جاؤ میری طرف سے بابا کی مدد کرو۔ جو کہہ رہا ہوں، اُس پر غور کیجئے۔ امام حسین علیہ السلام نے اس کو خیمے میں بھیج کر کتنی بلندی عطا کر دی، جب خیمے میں داخل ہوا تو غلام تھا، اب جو جا رہا ہے تو حقیقی معنوں میں نائبِ امامؑ ہو کر جا رہا ہے۔ اتنی عزت افزائی بہت تھی، کہا: میرے سامنے خیمے کا گوشہ ہٹا دیا جائے کہ میں اپنے غلام کی جنگ دیکھوں۔ بس ادھر یہ غش میں گر گئے، اب وقت سخت سے سخت ہوتا جا رہا ہے۔ دوسری منزل عرض کروں کہ جب مولاؑ نے صدا بلند کی:

"هَلْ مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرُنَا"

"کوئی ہے جو میری مدد کرے"۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مولاؑ نے کئی دفعہ استغاثہ کیا ہے اور ہر استغاثے کا ایک خاص اثر ہوا ہے۔ یہ استغاثہ جو کیا ہے تو خود مولاؑ سمجھتے تھے کہ اس کا اثر کیا ہوگا اور ثبوت اس کا یہ ہے کہ استغاثہ میدان میں تھا اور نگاہ درِ خیمہ پر تھی۔ اس استغاثے کی خاصیت یہ تھی کہ آواز سید سجاد علیہ السلام کے کان میں گئی، آنکھ کھولی، کہا: پھوپھی جان! بابا فریاد کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے جنابِ زینبؑ رونے لگیں کہ ہاں، آواز تو انہی کی ہے۔ کہا: تو پھوپھی! میری تلوار لا دیئے، یہ حکمِ امامؑ ہے۔ اگرچہ پھوپھی ہیں، لا کر دے دیتی ہیں تلوار۔ اب میدان وہاں سے دیکھتے ہیں اور پکار کر کہتے ہیں: زینبؑ! سید سجادؑ کو آنے نہ دینا۔

میں کہتا ہوں کہ اب امامِ وقت کے حکم نے ان کے ہاتھوں میں طاقت پیدا کی کہ لے جا کر پھر بستر پر ڈال دیا۔ پھر غش آ گیا۔ اب تیسرا وقت کونسا ہے جب مولاؑ رخصتِ آخر کیلئے آئے ہیں، سب سے رخصت ہوئے، فرماتے ہیں کہ زین العابدینؑ کا کیا حال ہے؟ بی بیؑ کہتی ہیں: کیا پوچھتے ہیں، دن بھر غش میں رہے ہیں۔ تشریف لائے، بیٹے نے آنکھ کھولی، تعظیم کیلئے کھڑا ہونا چاہا۔ مولاؑ نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا: نہیں، نہیں، اس وقت اُٹھو نہیں، بس جو میں کہتا ہوں، وہ سن لو۔ پورے قافلے کی ذمہ داری تم پر ہے۔ اب میں جا رہا ہوں۔ اس کے بعد یہ الفاظ روایتوں میں آئے ہیں۔ اس کی حقیقت ہم کہاں سمجھ سکتے ہیں کہ اسرارِ امامت تعلیم فرمائے اور اس کے بعد تشریف لے گئے۔

بس اربابِ عزا! مجلس ختم۔ اب کب ہوش آیا، آندھیاں سیاہ چل چکیں، ہوش نہیں آیا۔ منادی نے ندا کی، ہوش نہیں آیا، خیموں میں آگ لگی، ہوش نہیں آیا۔ اب کب ہوش آیا؟ جب پھوپھی سرہانے کھڑی ہیں، کہا: اے بیٹا! خیموں میں آگ لگی ہے، اب تم امامِ وقت ہو، بتاؤ جل کر مر جائیں یا خیموں سے باہر نکلیں۔ اب سید سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں: بس اب حکمِ خدا یہی ہے کہ خیموں سے باہر نکل جایئے۔ اربابِ عزا! اب وہ بیبیاں جن کی ماں کا جنازہ رات کا اُٹھا تھا، وہ روزِ روشن میں شہر بہ شہر ______

# حضرت عباسؑ علمدار کی زندگی تک سب کو یقین تھا کہ پانی مل جائے گا مگر جب عباسؑ شہید ہوئے اور عَلم گرا.....

سب سے بڑا امتحان ابوالفضل العباس علیہ السلام کا تھا جو دوسری محرم سے بے چین، جس وقت نہر سے خیمے اُٹھائے گئے تو ہمارے مرثیہ نگاروں نے تو نظم کر دیا ہے کہ حضرت ابوالفضل العباسؑ اس وقت بیتاب تھے اور انہوںؑ نے عرض کیا، مگر نہیں، تاریخ کی روشنی میں یہاں حضرت ابوالفضل العباسؑ کا نام اس منزل میں نہیں ہے۔ جنابِ زہیر ابن قین نو وارد تھے اس جماعت میں، یہ ابھی پورے طور پر نظامِ کار امامؑ کو نہیں سمجھے تھے۔ اس لئے جب خیمے ہٹائے جانے لگے تو جنابِ زہیر ابن قین نے عرض کیا کہ مولاؑ! یہ ابھی ایک ہزار ہیں، ان سے ہمیں نمٹ لینے دیجئے ورنہ پھر اتنے آجائیں گے کہ ہمیں تابِ مقاومت نہیں ہوگی۔ یہ نو وارد ہیں، اس لئے ان کی نظر اسباب پر ہے اور وہ ہستیاں جو ہیں، ان کو اس سے مطلب ہی نہیں کہ دس ہزار آجائیں گے یا دس لاکھ آجائیں گے۔ انہیں تو فرض کو پورا کرنا ہے۔ انہوں نے یہ کہا جنابِ زہیر ابن قین نے ___ تو میں اس کو جنابِ حبیب ابن مظاہر کی شان کے لائق نہیں سمجھتا تو جنابِ عباسؑ کی شان کے لائق کہاں سمجھوں گا۔

پس زہیر ابن قین نے یہ کہا تو عباسؑ کی نظر تو حسین علیہ السلام کے لبوں پر جم گئی کہ یہ کیا جواب دیتے ہیں؟ تو امامؑ نے یہ جواب دیا، مختصر ___ میری شان یہ نہیں ہے کہ میں جنگ میں ابتداء کروں۔ بس اب انہوں نے امامؑ کے اس جواب کو یوں کہوں گا کہ گرہ میں باندھ لیا ورنہ آپ ذرا عباسؑ کے دل میں جھانک کر دیکھئے کہ پانی بند ہو جائے اور عباسؑ خاموش رہیں۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ مولاؑ اجازت دیجئے کہ ہم جا کر دریا چھین لیں۔ جو تن تنہا جا کر چھین لے، اس وقت تمام اصحاب موجود ہیں، اس کیلئے کیا دشوار تھا؟

مگر وہ امامؑ کا جملہ اس کے تحت میں یہ فلسفہ مضمر ہے کہ اگر پانی ہی پر جنگ کرنا ہوتی تو خیمے کیوں ہٹائے جاتے۔ یاد رکھئے کہ اگر اس وقت جہاد ہو جاتا تو واقعہ کربلا کی تاریخ بدل جاتی کہ پانی پر جھگڑا ہوا تھا۔ حسینؑ تو یہ چاہتے تھے کہ جو میری جنگ ہو، وہ اصول پر ہو۔ جب بپا شدہ خیمے ہٹا لئے اور پانی بند ہو گیا تو محل کیا ہے کہ ہم کہیں مولاؑ سے کہ ہمیں اجازتِ جہاد دیجئے۔ یہ وہ کہے جو فلسفہ اقدامِ حسینؑ کو نہ سمجھتا ہو۔ اب آپ ان کے دل کی کیفیت کا اندازہ کیجئے کہ سکینہؑ الگ کہہ رہی ہیں اور یہ خاموش ہیں اور بچے خالی کوزے لئے ہوئے پھر رہے ہوں اور یہ خاموش رہیں اور محمد باقر علیہ السلام کا کملایا ہوا چہرہ دیکھیں اور یہ خاموش رہیں۔ مگر ہاں! بالکل خاموش نہیں ہیں، کنویں کھود رہے ہیں یعنی وہ قوت جو تلوار پر صرف ہوتی، وہ بیلچے پر صرف ہو رہی ہے۔ اب کہیں پانی نہیں نکلتا، پھر بھی جنگ کرنا نہیں ہے۔

اب میں کہتا ہوں کہ وہ جنگ وفائے عباسؑ نہیں ہے، یہ خاموشی وفائے عباسؑ ہے۔ چنانچہ تین دن گزر گئے، پیاس طوفانی ہوتی رہی، بڑھتی گئی اور عباسؑ خاموش! یہاں تک کہ اب عصر عاشور حملہ ہو گیا۔ اصحاب خیموں سے باہر ہیں، عزیز سب خیموں سے باہر ہیں۔ گھوڑوں کی ٹاپوں کی صدا سب سے پہلے جنابِ زینبؑ کے کانوں میں جاتی ہے، فرماتی ہیں فضہ سے کہ جاؤ، دیکھو، بھائی کیا کر رہے ہیں؟

فضہ نے جا کر دیکھا اور کہا کہ پاس کوئی نہیں ہے مگر نمازِ ظہر کے بعد عمودِ خیمہ سے تکیہ کر کے بیٹھ گئے ہیں، نیند آ گئی۔ اب زینبؑ قریب آئیں اور کہا: بھائی! بھائی، آنکھ کھولئے، حملہ ہو گیا ہے۔ اب بھائی بہن میں کافی گفتگو ہوئی تو عباسؑ آئے اور کہا: مولاؑ! حملہ ہو گیا۔ کیا یہ بتانے آئے ہیں کہ حملہ ہو گیا؟ اگر بتانے آئے ہیں تو اتنی دیر میں آئے ہیں؟ میں کہتا ہوں کہ یہ بتا نہیں رہے ہیں، اس دن کی بات کا حوالہ دے کر تقاضا کرنے آئے ہیں کہ مولاؑ! حملہ ہو گیا، اب تو آپؑ کے اصول کو صدمہ نہیں پہنچتا، اُس دن انداز اور تھا ___ حاکمانہ تھا۔

میری شان نہیں ہے کہ میں جنگ کی ابتداء کروں۔ اب عباسؑ نے جو یہ کہا ہے تو اب مولاؑ کا انداز حاکمانہ نہیں ہے کیونکہ اصول کوئی سدِراہ نہیں ہے۔ حسینؑ اس کے متقاضی نہیں تھے کہ اب رات کو جنگ ہو جائے، لہٰذا جو جنگ کیلئے بے چین ہے، اس کو التوائے جنگ کی درخواست دے کر بھیجا۔ خدا کی قسم! یہ ہے عباسؑ کی وفا۔

میں کہتا ہوں کہ اس کیلئے حبیب ابن مظاہر کو بھیج دیجئے، اصحاب میں سے کسی سن رسیدہ فرد کو بھیج دیجئے۔ یہ عباسؑ ایسے شیر کو اور اس مقصد کیلئے! دنیا صبرِ عباسؑ کو نہیں دیکھتی، جلالِ عباسؑ کو دیکھتی ہے۔ امام علیہ السلام بھی جانتے ہیں کہ بڑا مشکل کام لے رہا ہوں، اس لئے اندازِ گفتگو کیا ہے؟ خدا کی قسم! مجھے تو علی اکبرؑ سے گفتگو میں بھی یہ الفاظ نہیں ملے۔ ارے خود عباسؑ سے گفتگو میں یہ الفاظ نہیں ملے، طبری کے صفحات پر حسینؑ فرماتے ہیں:

"بِنَفْسِیْ اَنْتَ یَااَخِیْ"

"ارے میری جان قربان تم پر! اے میرے بھائی"۔

میں کہتا ہوں بس مولاؑ! جو چاہے کام لے لیجئے، دیکھئے اس وقت مرحلہ کتنا مشکل ہے، جو جنگ کیلئے تقاضے کو آیا ہے، اس کا اندازِ طبیعت کیا ہوگا جو درخواستِ صلح لے کر جائے گا، اُس کا انداز کیا ہونا چاہئے؟

مگر الفاظِ حسینؑ کے بعد عباس علیہ السلام کو ایک دم اپنے آپ کو بدلنا ہے اور بس اب چلے جا رہے ہیں۔ دبی زبان سے بھی تو نہیں کہتے کہ اس کام کیلئے تو کسی اور کو بھیج دیجئے۔ لیکن یہ تو حکمِ امامؑ کی اطاعت کو واجب جانتے ہیں۔ لہٰذا بس مڑ گئے میدانِ جنگ کی طرف اور اب وہاں جا کر کیا کیا سنا؟ ایسی باتیں جو ہمارے خون کو کھولا دیں۔ کوئی کہتا ہے: مہلت دی جائے، کوئی کہتا ہے کہ مہلت نہ دی جائے، کوئی کہتا ہے کہ اگر کفار ترک و دیلم ہوتے اور وہ مہلت مانگتے تو دینا چاہئے تھی، یہ تو بہرحال خود کو مسلمان کہلواتے ہیں؟

عباسؑ خاموش ہیں، کوئی ایسا قدم نہ ہو جو مصلحتِ امامؑ کو نقصان پہنچائے۔ بہرحال کامیاب ہوئے۔ اچھا ___ مہلت ہے ایک رات کی ___ ایک معاہدہ ہوا ہے، ایک طے شدہ، دو جماعتوں میں تو اپنے دو نمائندے میرے ساتھ کرو کہ وہ جا کر توثیق کریں اس التوائے جنگ کی۔ تب وہ معتبر ہوگا تو دو آدمی ادھر سے اپنے ساتھ لے کر حسینؑ کے پاس آئے۔ میں یہ الفاظ کہہ سکتا ہوں کہ ایسے خوش آئے جیسے فرات فتح کر کے آئے ہوں۔ رات کی مہلت مل گئی، دل بے چین تھا مگر اطمینان تھا۔ ارے میں نے ہی تو مہلت لی ہے، ایک رات ہی کی تو مہلت ہے، اب صبح ہو تو دیکھا جائے گا۔ اب وہ صبح ہوئی۔ ترتیبِ لشکر ہوئی اور سب وہ مراحل درمیان کے گزرے، ایک دفعہ مولاؑ کہتے ہیں کہ لو یہ علَم تم لو۔ اب علَم کا لینا تھا، سمجھتے تھے میرے پیروں میں زنجیریں پہنا دی ہیں۔ اب عباسؑ کے دل میں جھانک کر دیکھئے کہ قاسمؑ کا لاشہ آ جائے،

عونؑ ومحمدؑ کے لاشے آجائیں اور عزیزوں کے لاشے آجائیں اور عباسؑ خاموش کھڑے رہیں۔

خدا کی قسم! یہ سب قربانیاں ہیں جو علَم کے احترام میں ہو رہی ہیں۔ یہ نفسیاتی قربانیاں ہیں جو علَم کے احترام میں ہو رہی ہیں اور پھر جب علَم لے کر گئے تو کس طرح حفاظت کی؟ آپ کو معلوم ہے کہ ہاتھ بھی نہیں رہے، تب بھی علَم زمین پر نہیں گرنے دیا۔ ارے میں کہتا ہوں کہ اگر اس وقت پکار لیا ہوتا مولاؑ کو تو سکینہؑ کی مشک پہنچ جاتی لیکن نہیں، ابھی ہمتِ عباسؑ تو پست نہیں ہوئی۔ ایک ہاتھ میں رہا علَم بھی، مشک بھی، پھر بھی شمشیر زنی، پھر بھی رُخ خیموں کی طرف۔ آپ کو توجہ دلاؤں، کیا جب سے عباسؑ آئے ہیں، بچے خیمے کے اندر بیٹھے ہیں؟ یقیناً درِ خیمہ پر ہیں اور نگاہیں علَم پر ہیں اور علَم آرہا ہے اور بچوں کا دل بڑھ رہا ہے۔ اربابِ عزا! ایک دفعۃً علَم گرا ____

❁ ❁ ❁

# حضرت امام جعفرؑ صادق نے فرمایا: کربلا کے بعد ہمارے لئے نہ خوشی رہی ہے نہ عید،جنابِ زینبؑ جب بھی روتیں تو کہتیں: ہائے میرا پردہ!

بخدا! زینب کبریٰ نے وہ مثال بھائی کے ساتھ اتحادِ عملی کی پیش کی کہ کربلا کے جہاد کے دو حصے ہو گئے: ایک حصہ عصر عاشور تک اور ایک حصہ عصر عاشور کے بعد۔ مقصد کے لحاظ سے دونوں برابر ہیں مگر ایک امتیاز ہے۔ اس کو اس طرح پیش کروں گا کبھی اس چیز کو ___ ممکن ہے کہ سابق مصائب میں پیش کر چکا ہوں کہ دس محرم تک جو تھا، وہ حسینؑ کا عشرہ تھا، اور عصر عاشور کے بعد سے اب تک، یہ سب زینبؑ کا عشرہ ہے۔ اہلِ عزا! اُس عشرہ کے دنوں کی تعداد میں بتا سکتا ہوں، اس کا نام ہی عشرہ ہے لیکن زینبؑ کے عشرہ کی گنتی مَیں نہیں بتا سکتا اور میں وہ تاریخ نہیں بتا سکتا جس تاریخ کو یہ عشرہ ختم ہوتا ہے کیونکہ تاریخ تو اس وقت بتاؤں جب رہائی اُسی سال ہوئی ہو۔

اگر رہائی دوسرے سال ہوئی ہو، بخدا! یہ مجبوری ہے کہ بس آٹھ ربیع الاوّل تک انتہا سے زیادہ سوگ رکھ کے عزا کو ختم کر دیتے ہیں، ورنہ جب دوسرے سال رہائی ہوئی ہے تو اب کونسا دن ہے جب یہ سوگ ختم ہو۔ اس کی طرف ہمارے ایک معصومؑ نے اشارہ فرمایا ہے:

امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس ایک صحابی آئے عید کے دن، دیکھا کہ جو کپڑے روز پہنتے ہیں، وہی کپڑے پہنے ہوئے ہیں، نئے کپڑے نہیں پہنے۔ پوچھا: مولاؑ! آج تو عید کا دن ہے، آج تو آپؑ نے لباس تبدیل فرمایا ہوتا؟ ہمارے چھٹے امامؑ نے فرمایا: کیا کربلا کے بعد ہمارے لئے کوئی عید رہ گئی ہے؟ ایک بات کہوں کہ اگر عید کے دن حسینؑ کا غم نہ ہوتا تو زیارتِ حسین علیہ السلام عید کے دن کیوں پڑھی جاتی؟ عید الفطر میں بھی زیارتِ حسینؑ ہے، عید الاضحیٰ میں بھی زیارتِ حسینؑ ہے۔ غمِ حسینؑ سے کوئی دن خالی رہا ہی نہیں۔ یہ ہے دورِ مصیبت براہِ راست برائے زینبؑ ___ اور اب میں نے براہِ راست کی قید لگائی کیونکہ جو دورِ مصیبت ہمارے مولا حسینؑ کا تھا، کیا زینبؑ اس میں شریک نہ تھیں؟ جو بھائی کا امتحان تھا، ہر امتحان میں زینب سلام اللہ علیہا شریک، شدائدِ سفر انہوں نے برداشت کئے، تو کیا حضرت زینبؑ نے نہیں برداشت کئے؟ کربلا میں جب سے آئے تو ساتویں سے پانی بند ہوا، بھائی پیاسا رہا تو کیا بہن کے لب تر ہو گئے؟ مگر مولاؑ کی حدِ عطش معلوم ہے اور وہ عصر عاشور جس کے بعد ہم فاقہ شکنی کر لیتے ہیں، اس کے بعد مولاؑ کی پیاس باقی نہیں رہی ہے لیکن زینبؑ کب تک پیاسی رہیں؟ ہر مصیبت میں زینبؑ بھائی کے ساتھ ___ کونسا داغ انہوں نے اُٹھایا جو انہوں نے نہیں اُٹھایا۔ عباسؑ کے جانے سے اُنؑ کی کمر ٹوٹ گئی تو زینبؑ پر کیا اثر ہوا؟ علی اکبرؑ کے جانے سے ان کی نگاہ کا نور کم ہو گیا۔ تو زینبؑ نے اٹھارہ برس پالا تھا، زینبؑ کو کیا صدمہ ہوا ہو گا اور پھر ایک خاص جملہ یہاں عرض کر دوں، وہ یہ ہے کہ ارے مولاؑ نے بس عباسؑ اور اُن کے بھائیوں کا داغ اُٹھایا، زینبؑ نے تو حسینؑ جیسے بھائی کا داغ بھی اُٹھایا۔ یعنی جس پر سب کو قربان کر دیا، وہ نہ بچ سکا۔ تو ہر مصیبت میں بھائی کے ساتھ بہن شریک! مگر جب بہن کے امتحان کا وقت

آیا تو بھائی بظاہر نہ تھا، بھائی کا سر تھا جو کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک ساتھ ساتھ چلا گیا، بس ایک خصوصیت ۔

اہلِ حرم کی بے پردگی پر تو اب بھی دنیا ویسے ہی روتی ہے جیسی اس دورِ جدید سے پہلے روتی تھی، میں کہتا ہوں ۔بے شک عباسؑ نے بڑا جہاد کیا، بے شک علی اکبرؑ نے بڑا جہاد کیا، ہمارے مولاؑ نے بھی تلوار لے کر جو جہاد کیا تو وہ بھی بے نظیر تھا۔ مگر میں ان تمام حضرات کی خدمت میں دست بستہ عرض کروں گا: اے میرے شہزادے علی اکبرؑ، اے میرے چھوٹے آقا عباسؑ، اے میرے مولا حسینؑ! بے شک آپؑ نے بے نظیر جہاد کیا لیکن آپؑ نے جو جہاد کیا، خاندانی روایت کے مطابق تھا، حمزہؑ کے بھتیجے جہاد نہ کرتے تو پھر کون کرتا؟ علیؑ کے بیٹے اور پوتے یوں جہاد نہ کرتے تو پھر کون کرتا؟ مگر زینبؑ نے جو جہاد کیا، ارے جس کی ماں کا جنازہ رات کو اُٹھا ہو، وہ روزِ روشن میں شہر بہ شہر ______

۞ ۞ ۞

# ایک علیؑ نے سجدہ شکر آغازِ کار کیلئے کیا تھا، آج دوسرا علیؑ انجامِ کار کیلئے سجدہ کررہا ہے!

انیسویں رمضان کی شب کو جب امیر المؤمنین علیہ السلام پر حالتِ سجدہ میں قاتلانہ حملہ ہوا اور آپؑ کے سرِ اقدس پر تلوار لگی تو آپؑ نے فرمایا:

"فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ"

"خدا کی قسم! میں کامیاب ہو گیا"۔

بخدا! اس جملے میں وہی ہے جو الحمد للہ میں ہے۔ اس جملہ میں وہی ہے جو سجدۂ شکر میں ہے۔ اب سمجھے کہ وقت آ گیا امانت کو مالک تک پہنچانے کا۔ اس کا سامان وہ کیا، سجدۂ شکران الفاظ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ یہ کیسی ضربت تھی، اس محل پر ہزار کے مقابل جو سورما تھا، اُس کی تلوار پڑی تھی، اسی محل پر یہ تلوار پڑی ہے۔

یہ تلوار کیسی قیامت خیز تھی کہ فاتح خیبر کا یہ عالم ہو گیا کہ بیٹوں سے کہتے ہیں کہ گھر لے چلو ___ مجھے گھر لے چلو۔ ان الفاظ میں کتنی بے بسی ہے۔ اربابِ عزا! لے چلنے کا ایک تصور تو یہ ہوتا ہے کہ سہارا دے کر لے چلے۔ اس کے بعد یہ کہ بغلوں میں ہاتھ دے کر لے چلے لیکن صورت لے چلنے کی یہ بتائی ہے کہ ایک چادر لائی جاتی ہے، اس میں لٹایا جاتا ہے یعنی کسی کا جنازہ ایک دفعہ اُٹھا ہوگا، انؑ کا جنازہ ___ دو دفعہ اُٹھا۔ اس چادر میں گھر پر لائے جاتے ہیں، خود محسوس کر لیا تھا کہ اب میں جان پر نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے اپنے الفاظ میں سجدۂ شکر کیا تھا، جبھی تو شکرانہ ادا کیا کہ الحمد للہ! میں کامیاب ہوا۔ یہ علیؑ کا انتہائے سفر زندگی پر سجدۂ شکر ہے اور اب مجھے ایک اور علیؑ کا سجدۂ شکر نظر آ رہا ہے۔ دنیا میں ہمارے عالمِ تصور میں کوئی ایسا آدمی نہیں آ سکتا جو ایسا سجدۂ شکر کرے۔

وہ کون علیؑ؟ وہ ہمارا چوتھا امام حضرت زین العابدین علیہ السلام، بیمارِ کربلا ___ دن بھر غشی میں رہے، یہ دیکھئے کہ جو دن بھر غش میں رہا ہو، بس جس وقت پھوپھی سرہانے آ کر کھڑی ہوئیں، غش نہیں آیا، اس پہلو پر توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ وہ نیزوں کے وار، تلواروں کے وار، وہ سب حربوں کے بار، وہ سب عظیم مصائب ہیں مگر اس نوعیتِ مصیبت کو دیکھئے کہ باپ کے بعد بحیثیت جانشین، پہلا مسئلہ کیا پوچھا جاتا ہے یعنی پہلا فریضہ امامت عملی طور پر امامؑ ہونے کے بعد کیا ادا کرنا پڑتا ہے؟ اپنی زبان سے کہتے ہیں پھوپھی سے کہ بس! اب جسے دن بھر غش رہا ہو، اب اس کے بعد پھر غش نہیں آیا۔ اب کیا کیا ہو گا مگر پھر کوئی روایت نہیں بتاتی کہ غش آیا ہو۔ اب غش کیونکر آتا؟ اب تو آپؑ کے جہاد کا وقت آ گیا تھا۔ اب تو مستقبلِ حسینی انؑ کے اور اُنؑ کی پھوپھی کے ہاتھ میں تھا۔ تمام اہلِ حرم اور ایک سید سجاد علیہ السلام، اکیلے مستقبلِ حسینؑ کے ذمہ دار ہیں، تو اب غش نہیں آتا، بس اب سجدۂ شکر اُنؑ کا جس کیلئے حوالہ دے دوں۔

علامہ عبدالقادر شافعی اپنی کتاب ''ذخیرۃ المآل'' میں اس سجدہ کو درج کرتے ہیں، وہ کب ہوا ہے سجدہ؟ وہ قیامت خیز رات گیارہ محرم کی ہے جس کی شام کو آپ سب لوگ شامِ غریباں کہتے ہیں۔ کوئی کہے گا کہ کیا یہ سب عاشورہ ہے؟ قیامت کی رات میں کہوں گا کہ بے شک بہت سی حدیثوں سے یہ قیامت کی رات جیسی ہے، ایسی رات پہلے کبھی نہیں آئی ہے۔ کل تک امام حسین علیہ السلام کی تسبیح وتہلیل و مناجات کی آوازیں خیمے کے باہر تھیں۔ اصحاب کی تکبیروں کی آوازیں اہلِ حرم کے کانوں تک پہنچ رہی تھیں اور اہلِ عزا! عباسؑ کے شیرانہ ہمہموں کی آوازیں تمام بیبیوں کے دلوں کو ڈھارس دے رہی تھیں۔ مگر آج کی رات! کل تک بیبیاں خیموں کے اندر بیٹھی تھیں، آج خیمے نہیں ہیں، خیموں کی جلتی ہوئی خاکستر ہے جس پر بیبیاں پیاسے بچوں کو لے کر بیٹھی ہوئی ہیں اور اب کیا عالم ہے؟ نہ مولاؑ کی تسبیح وتقدیس کی آواز، نہ اصحاب کی تکبیر کی صدائیں، نہ عباسؑ کے شیرانہ ہمہموں کی آواز اور اہلِ دل! آج تو ایک رونے کی آواز بھی نہیں ہے۔ کس کی مجال ہے کہ اس وارداتِ قلب کی ترجمانی کر سکے؟ جو اس وقت سب کیلئے ہے مگر اب یہ یادگار بات ہے کہ علامہ شافعی لکھتے ہیں کہ پوری رات سید سجادؑ نے ایک سجدہ میں گزری ہے اور زبان پر تھا:

''لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ حَقًّاحَقًّا لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ صِدْقًا صِدْقًا شُكْرًا شُكْرًا''.

وہ اُن علیؑ کا سجدۂ شکر تھا آغازِ کار میں، یہ اِن علیؑ کا سجدۂ شکر ہے انجامِ کار میں۔

۞ ۞ ۞

## حضرت امام حسینؑ نے سب کچھ قربان کرنے کے بعد اپنا سر سجدہ میں رکھ کر کہا: بارِالٰہا! میں اور میرا سب کچھ تیرے ہی لئے ہے ، خدایا! میری تھوڑی سی قربانی کو قبول فرما۔

ہمیں تعلیم دیا گیا ہے کہ جب واقعہ کربلا کو یاد کرو تو یہ کہو:

یَالَیْتَنَا کُنَّا مَعَکُمْ فِیْ یَوْمِ عَاشُوْرَہ فَنَفُوْزَ فَوْزاً عَظِیْماً

کاش! ہم آپؑ کے ساتھ ہوتے۔ایک شخص سے معصومؑ نے کہا کہ اگر تم نے یہ صدقِ دل سے کہا تو تمہارا شمار شہدائے کربلا میں ہو جائے گا۔ یہ وہی اُصول ہے جس کا اعلان علیؑ نے کیا۔ جو ایک فرد کہتا ہے، اُسی کو دوسرے الفاظ میں دوسرا کہتا ہے۔ دراصل یہ سب ایک ہیں۔آپؑ نے فرمایا: اگر تم صدقِ دل سے کہہ رہے ہو یعنی جذبات تمہارے وہی ہیں تو پھر سمجھو کہ تم شہدائے کربلا میں شامل ہو۔ دنیا ہم سے کہتی ہے کہ طرح طرح کے رُخوں سے اعتراض ہوتا ہے۔ فلسفہ حدیث جہاں جہاں جو جو چیز سمجھ آتی ہے، جس طرح کربلا میں ایک وقت جو ہتھیار جس کے پاس تھا، اس سے حملہ کرتا تھا، جس کے پاس تیر تھا، وہ تیر لگاتا تھا، جس کے پاس نیزہ تھا، وہ نیزہ لگاتا تھا۔ اسی طرح ان کی عزا پر جو حربہ جس کی سمجھ میں آتا ہے، وہ استعمال کرتا ہے۔ تو یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رونا بزدلی ہے، رونا تو عورتوں کا کام ہے، مردوں کا کام نہیں ہے، رونا تو بزدلی کی علامت ہے۔ اس کے جواب میں شرمندہ نہیں ہوں گا، آنکھیں ڈال کر کہوں گا کہ ذرا سمجھ کر بات کرو، کسی معرکہ میں محصور رہ کر رونا بزدلی ہے لیکن کسی معرکے میں شریک نہ ہونے پر رونا عین شجاعت ہے۔ یہ بزدلی نہیں ہے۔ بخدا! اگر ہم زیرِ رایت ابوالفضل العباسؑ روزِ عاشور ہوتے تو کبھی نہ روتے۔ کربلا والوں میں کون رہا تھا، حبیب ابن مظاہر روتے ہوئے اس دنیا سے گئے؟ مسلم ابن عوسجہ روتے ہوئے گئے؟

کیا بُریر ہمدانی روتے ہوئے دنیا سے گئے؟ اور اہلِ عزا! اب جب عزیزوں کی باری آئی، کیا عونؑ و محمدؑ روتے ہوئے اس دنیا سے گئے؟ قاسمؑ اس وقت تک روئے جب تک اجازت نہیں ملی اور جب اجازت مل گئی تو روتے ہوئے دنیا سے نہیں گئے۔ علی اکبرؑ روتے ہوئے اس دنیا سے گئے؟ مولاؑ عزیزوں کے غم میں روئے ہیں، جب میدانِ جہاد میں تھے تاریخ گواہ ہے ___ آپؑ بالکل نہیں روئے اور جب آخری وقت بارگاہِ خداوندی میں سر رکھا تو آپ نہ روئے بلکہ آپؑ نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ امام علیہ السلام بارگاہِ الٰہی میں کہہ رہے تھے کہ یا اللہ! حسینؑ کو تیری رضا کی ضرورت ہے، میری ان تمام قربانیوں، فداکاریوں کو قبول فرما۔

❁ ❁ ❁

# خدا کی قسم! فلاسفہ آج تک موت کی حقیقت کو نہ بتا سکے لیکن شہزادہ قاسمؑ نے بتادیا کہ موت کا مزہ شہد سے بھی شیریں ہے۔

حضرت علی اکبر علیہ السلام ہر وقت اپنے والد گرامی حضرت امام حسینؑ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ امامِ عالی مقام علیہ السلام تھوڑی دیر کیلئے سو گئے اور جب آپؑ کی آنکھ کھلی تو آپؑ کی زبان پر تھا:

"اِنَّالِلّٰهِ وَاِنَّااِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ".

یہ کلمہ ہے جو مصیبت کے وقت قرآن مجید کی ہدایت کے مطابق اہلِ ایمان زبان پر جاری کرتے ہیں۔ علی اکبرؑ نے عرض کیا کہ بابا! اس وقت اس کلمہ کو زبان پر جاری کرنے کا سبب کیا ہوا؟ اب آپؑ بتائیں گے کہ آپؑ نے خواب میں دیکھا تھا، تو میں بارگاہِ حسینؑ میں عرض کروں گا کہ خواب آپؑ نے دیکھا تھا، حضرت علی اکبرؑ کو سنانے کی کیا ضرورت ہے؟ مجملاً کوئی جواب دیجئے۔ لیکن امام حسین علیہ السلام میرے جواب میں شاید فرمائیں کہ اگر ابراہیمؑ نے اسماعیلؑ سے خواب بیان نہ کیا ہوتا تو میں بھی اپنے بیٹے علی اکبرؑ سے بیان نہ کرتا۔

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر ابراہیمؑ، اسماعیلؑ سے خواب بیان نہ کرتے تو قربانی فقط کارنامہ ابراہیمؑ ہوتی، کارنامہ اسماعیلؑ نہ ہوتی۔ لیکن جب اسماعیلؑ سے خود مختارانہ طور پر بیان کر دیا اور انہوں نے کہہ دیا کہ:

"يَاأَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُوْنِيْ اِنْشَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصَّابِرِيْنَ".

"جو حکم ہو رہا ہے اس کی تعمیل کیجئے، آپؑ مجھے انشاءاللہ صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے"۔

تو اب کارنامہ دونوں کا ہو گیا، باپ کا بھی اور بیٹے کا بھی۔ ویسے ہی امام حسینؑ نے جو خواب دیکھا تھا، وہ بیان نہ کرتے حضرت علی اکبرؑ سے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ علی اکبرؑ اسماعیلؑ کی طرح اپنے عزم کو ظاہر نہ کر سکتے۔ وقت پر مصیبت آتی تو لوگ کہتے کہ اتفاقی (ہنگامی) صورتحال تھی جو پیدا ہو گئی۔

مولاؑ خلیلِ کربلا ہیں، اپنے ذبیح سے اس خواب کو بیان فرما دیتے ہیں۔ وہی اندازِ امتحان ہے کہ:

"كَيْفَ صَبْرُكَ"

"تمہارا صبر کیسا ہوگا؟"

وہی انداز جو ابراہیمؑ کے ہاں تھا، کہ یہ نہیں کہا تھا کہ مجھے حکم ہوا ہے، کہا یہ ہے کہ میں نے خواب دیکھا ہے، وہی سنت ہے، وہی

انداز ہے کہ یہ اپنے ذبیح کے سامنے خواب کہہ کر بیان فرما رہے ہیں اور بطورِ تصور مصیبت اس پر:

"اِنَّاللّٰهِ وَاِنَّااِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ".

بھی فرمادیا ہے۔ یہ سب تمہید ہے علی اکبرؑ سے جواب سننے کی ____ علی اکبرؑ نے پوچھا کہ آپؑ نے اس وقت یہ کلمہ زبان پر کیوں جاری فرمایا ہے؟ آپؑ نے فرمایا: میں نے ابھی ابھی خواب دیکھا کہ یہ صدا آ رہی ہے، کوئی کہہ رہا ہے کہ یہ لوگ جا رہے ہیں اور موت اِن کے ساتھ ساتھ جا رہی ہے۔

جیسے حضرت علی علیہ السلام نے رسولؐ اللہ کو ایک دم جواب نہیں دیا تھا بلکہ پوچھا تھا کہ کیا یہ میرے دین کی سلامتی کی حالت میں ہوگا؟ بالکل اسی طرح حضرت علی اکبرؑ نے سوال کیا کہ کیوں بابا! ہم حق پر تو ہیں؟ یہ بتا دیجئے کہ ہم حق پر تو ہیں؟ تو امام حسینؑ فرماتے ہیں:

"بَلِ الَّذِیْ مَرْجِعُ الْعِبَادِ"

ہاں ہاں! قسم اُس کی جس کی طرف سب کو جانا ہے کہ ہم حق پر ہیں"۔

جب یہ سن لیتے ہیں تو حضرت علی اکبرؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ بابا! پھر ہمیں موت کی کیا پرواہ ہے۔ حق پر ہم دنیا سے جا رہے ہیں تو ہمیں موت کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔

اب تو یہ علی اکبرؑ ہیں انتہائے سن کمال پر مگر مجھے شوقِ موت میں ایک بچے کی صدا آتی ہوئی فضائے تاریخ سے سنائی دیتی ہے، وہ بچہ کون ہے؟ کربلا کے مجاہدین میں جو میدانِ جہاد میں جا کر جنگ کر کے شہید ہوئے ہیں، کسی کے بارے میں نہیں ملتا کہ وہ بچہ ہو، سب جوان تھے لیکن اُن کیلئے، کس کیلئے؟ یتیم حسنؑ کیلئے صراحت ہے کہ یہ حدِ بلوغ تک نہیں پہنچے تھے۔ مجھے معلوم ہے کہ شریعتِ اسلامی میں پندرہ برس کی عمر میں بلوغ ہوتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ پندرہ برس کی عمر نہیں تھی کیونکہ امام حسن علیہ السلام کی وفات اور کربلا کے واقعہ میں دس برس کا فاصلہ ہے، اس لئے آپؑ کا کوئی فرزند اس سے کم تو ہو نہیں سکتا تھا۔ آخر میں کتابِ مقاتل میں ایک اور شہید عبداللہ ابن حسن کا تذکرہ ملتا ہے، اُن کی صورتحال سے ظاہر ہے کہ جنابِ قاسمؑ سے چھوٹے تھے۔ اس لئے اندازہ ہوتا ہے کہ جنابِ قاسمؑ کی عمر کربلا میں تیرہ برس کی تھی مگر آثارِ کم سنی اتنے تھے کہ جب مدینہ سے چلے تو بیبیوں کے ساتھ محمل میں بٹھا دیئے گئے تھے۔ اُنؑ کو کوئی مرکب سواری کیلئے نہیں دیا گیا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ حسرت تو کربلا میں پوری ہوگئی کہ شاید وہ پہلی سواری تھی جو منزلِ شہادت تک لے کر گئی اور کم سنی کی وجہ سے یہ ہوا کہ جو میدانِ جنگ میں گیا، اُس کے جسم پر زرہ تھی لیکن جنابِ قاسمؑ میدانِ جنگ میں گئے تو اُنؑ کے جسم پر ایک کرتہ تھا۔ واقعہ کربلا کا چرچا اکثر گھر میں ہوتا رہتا تھا، جب رسولِؐ اکرم اطلاع دے چکے تھے تو گھر والوں کیلئے یہ راز راز نہیں تھا، تو جب چرچا ہوتا تھا تو خاندانِ رسالت کا بچہ ہے، جانتا ہے کہ جہاد میں عمر کی قید ہوتی ہے، زیادتیِ عمر کی قید نہیں ہے مگر اس طرف کمی کی حد میں قید ہے۔ بہت سے بچے جوش میں بدر میں آنا چاہتے تھے، جنابِ رسولِؐ اکرم واپس کر دیتے تھے کہ یہ بچہ ہے، ابھی اس لائق نہیں ہے کہ اسے جہاد میں لایا جائے۔

قاسمؑ چونکہ کم سن تھے، اس لئے نہ جانے کب کب ان کو فکر ہوتی تھی کہ کہیں میری کم سنی میری بدنصیبی کا باعث نہ ہو جائے۔ جب

شبِ عاشور مولاؑ نے خطبہ پڑھا کہ کل روزِ قربانی ہے اور جسے میرا ساتھ چھوڑ کر جانا ہو تو وہ چلا جائے اور یہاں تک فرمادیا کہ میرے عزیزوں کا ہاتھ بھی اپنے ہاتھ میں لے لو یعنی کوئی عباسؑ کو ساتھ لے جائے، کوئی علی اکبرؑ کو ساتھ لے جائے۔ مولاؑ نے اگر یہ جملہ نہ کہا ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ سب سے پہلے مسلم ابن عوسجہ کھڑے ہوتے مگر چونکہ مولاؑ نے یہ جملہ کہہ دیا، اس لئے اصحاب کشمکش میں پڑ گئے کہ کیا جواب دیں۔ مولاؑ نے گویا ایک کام بھی سپرد کردیا، اب کہیں جائیں یا نہیں جائیں گے۔ اس رکاوٹ کو ابوالفضل العباسؑ علیہ السلام نے کھڑے ہوکر دور کردیا اور سب عزیزوں کی طرف سے عرض کیا:

عجیب انداز ہے، عزیز بھی سب آواز ملا رہے تھے، کہا: مولاؑ! یہ آپؑ نے کیا کہہ دیا کہ آپؑ کا ساتھ چھوڑ دیں، اس لئے کہ زندہ ہیں؟ خدا کی قسم! وہ زندگی ہمارے لئے موت سے بدتر ہے جو آپؑ کا ساتھ چھوڑ کر ہو۔ پھر اصحاب نے اپنے خیال پیش کئے، وہ عرض نہیں کرنے ہیں، موضوع کی مناسبت سے ایک فقرہ کہوں گا کہ یہ زندگی جیسی کربلا میں ذلیل ہوئی ہے، ایسی کہیں ذلیل نہیں ہوئی۔ مولاؑ ان کی زندگیاں واپس کررہے تھے کہ مجھے ان زندگیوں کی ضرورت نہیں ہے اور وہ آپؑ کے قدموں میں ڈال رہے تھے کہ ہمیں بھی اس زندگی کی ضرورت نہیں ہے۔

اربابِ عزا! اب قاسمؑ کھڑے ہوئے، مدت کا جو تردد تھا، اُسے دور کرنے کا موقعہ مل گیا۔ انہوں نے پوچھا: چچا جان! کل یہ سعادت ہمیں بھی نصیب ہوگی؟ امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''نہیں''۔ ایک سوال کرلیا:

''یَابُنَیَّ کَیْفَ الْمَوْتُ عِنْدَکَ''.

''ارے بیٹا! یہ تو بتاؤ کہ موت تمہارے نزدیک کیسی ہے؟''

لیجئے! امام علیہ السلام کا سوال ہے اور امتحان ہے۔ خدا کی قسم! فلاسفہ کا کلام ہم نے دیکھا، لیکن جو حقیقت قاسمؑ نے بتائی ہے، وہ فلاسفہ کے کلام میں نہیں ملی۔ آپ بھی میرے ساتھ غور کیجئے کہ قاسمؑ کے جواب سے کم سنی ٹپک رہی ہے۔

مگر حقیقت وہ بتائی ہے جس فلسفیوں نے نہیں بتائی۔ کسی نے موت کا مزہ نہیں بتایا، جس نے بھی بتایا ہے، تلخ بتایا ہے۔ قاسمؑ جو جواب دیتے ہیں، وہ کم سنی میں ڈوبا ہوا ہے:

''یَا عَمِّیْ اَحْلٰی مِنَ الْعَسَلِ''.

''ارے چچا جان! وہ تو شہد سے زیادہ میٹھی چیز ہے''۔

۞ ۞ ۞

**جب اکبرؑ گھوڑے سے گرے تو حسینؑ کی ساری قوت جواب دے گئی۔کبھی دائیں طرف جاتے اور کبھی بائیں طرف۔ رو کر کہتے ہیں:اب تم ہی بتاؤکہ تم کہاں ہو تمہارے مرنے کے بعد تمہارے ضعیف باپؑ کو کچھ نظر نہیں آتا۔**

بہت مشکل ہے کہ آدمی مقصدِ حسینی کو کماحقہٗ سمجھے اور پھر اُس کی اہمیت پر غور کرے۔ میں کہتا ہوں کہ اس سے آسان طریقہ یہ ہے کہ ان قربانیوں کو دیکھو کہ کیا پیش کی گئیں اور پھر غور کرو کہ کیا کسی معمولی مقصد کی خاطر ایسی قربانیاں پیش کی جاسکتی تھیں؟ یہ قربانیاں خود بتائیں گی کہ مقصد کتنا عظیم ہے۔علی اکبرؑ کی جوانی ایسی نہ تھی کہ کسی معمولی مقصد کی خاطر قربان کردی جائے، قاسمؑ جیسے یتیم بھتیجے کی کم سنی ایسی نہ تھی کہ کسی معمولی مقصد کی خاطر دے دی جائے۔زینبؑ کی چادر ایسی نہ تھی کہ کسی معمولی مقصد کی خاطر دے دی جائے۔قربانیاں خود بتا رہی ہیں کہ مقصد اتنا عظیم تھا کہ اس کیلئے یہ سب قربانیاں گوارہ کرلی گئیں اور کربلا میں جنگ مغلوبہ ہوتی اور سب ایک ساتھ شہید ہوجاتے تو ہماری اشک فشانی کیلئے وہ سرمایہ بھی بہت بڑا تھا۔عمر بھر رونے کیلئے وہ بھی کافی تھا۔لیکن ایک دم سے جنگ مغلوبہ میں سب شہید ہوتے تو جوہر اختیارِ صبر نمودار نہ ہوتا۔وہ کربلا کی تدریجی رفتارِ مصائب ہے۔اگر عزیز پہلے جاتے، اصحاب بعد میں رہتے تو دنیا سوچ سکتی تھی کہ جب علی اکبرؑ جیسا بیٹا نہ رہا تو اب بیعت کرکے کیا کریں؟ جب عباسؑ جیسا بھائی نہ رہا تو اب بیعت کرکے کیا کریں؟ مگر کربلا کی جو رفتارِ مصائب ہے کہ ہر مصیبت آتی ہے اور مولاؑ کے دل پر وہ اثر ڈالتی ہے جو ایک مصیبت انسان کے دل پر اثر ڈالتی ہے اور پھر گویا سوال رہتا ہے کہ کیا اب بیعت یزید نامنظور اور حسینؑ کے آہنگ انکار میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔اصلِ صبر یہ ہے، دنیا کہتی ہے کہ رونا خلافِ صبر نہیں، گریہ خلافِ صبر نہیں ہے، نہ رونا صبر نہیں ہے، کردار پر یکساں طور سے باوجودِ مصائب قائم رہنا اصل میں صبر یہ ہے۔میں نہیں خلافِ شانِ امامؑ سمجھتا۔کسی شاعر نے کہا کہ علی اکبرؑ کے غم میں روئے تو یہ خلافِ صبر نہیں۔روئے بھی ہیں، بَین بھی کیے ہیں، بیتابی بھی ہوئی ہے۔جو اثر مصائب کے ہوتے ہیں، وہ سب ہوئے ہیں۔

میں کہتا ہوں یہ رونا نہیں تھا، مرثیے نہیں تھے، یہ بَین نہیں تھے، یہ اُس قربانی کی قیمت کا اظہار تھا اور اُس مقصد کی اہمیت کا احساس پیدا کرنا تھا کہ دیکھو! میرا کیسا بھتیجا ہے کہ جسے میں نے مقصد کی خاطر دے دیا۔دیکھو! میرا کیسا بھائی ہے، انہی تاثرات سے ہم ان قربانیوں کے درجوں سے واقف ہوئے۔جب حبیب ابن مظاہر گئے، مولاؑ کے چہرے پر شکستگی کے آثار تھے کہ ہم سمجھے کہ جس منزل پر حبیب تھے، اُس منزل پر کوئی دوسرا نہ تھا اور اربابِ عزا! جب قاسمؑ رخصت کیلئے مولاؑ کے پاس آئے تو آپؑ کسی طرح اجازت نہیں دیتے تھے اور یہ نہیں کہ یہ فرمائیں کہ ابھی نہیں، ابھی نہیں بلکہ قطعی انکار! تمہیں کیونکر اجازت دوں؟ اس طرح بچے کیلئے ایک معمہ بن گیا کہ رات کو اطلاع تو دے چکے تھے کہ تمہارا نام بھی دفترِ شہداء میں ہے مگر اجازت تو دیتے ہی نہیں، کروں کیا؟

بچے نے اتنا صبر کیا اور مولاؑ نے انکار کہ شہزادہ تھک کر عمودِ خیمہ کے ساتھ سر لگا کر سوچ میں پڑ گیا۔ اجازت نہیں مل رہی ہے، یعنی کوئی مرنے سے کیا گھبراتا ہوگا جیسا یہ جینے سے گھبرا رہے ہیں۔ ایک دفعہ یاد آیا کہ میری ماں نے بیان کیا تھا کہ میرے پدرِ بزرگوار نے دنیا سے جاتے وقت میرے بازو پر ایک تعویذ باندھا تھا کہ جب سخت وقت پڑے تو اس کو کھول کر اس پر عمل کرے۔ بس اپنے دل سے پوچھا: کیوں قاسمؑ! اس سے بڑھ کر سخت وقت ہوسکتا ہے؟ دل نے جواب دیا کہ اس سے بڑھ کر سخت وقت نہیں ہوسکتا۔ تعویذ کو کھولا، اُس میں لکھا تھا: اے قاسمؑ! تم اس تعویذ کو اُس وقت کھولو گے جب تمہارا چچا نرغۂ اعداء میں گرفتار ہوگا۔ اے قاسمؑ! اگر میں ہوتا تو میں اپنے بھائی کی نصرت کرتا۔ اب میں تو نہیں ہوں گا، تم کربلا میں میری طرف سے میرے بھائی کی مدد کرنا۔

اہلِ عزا! تعویذ جو پڑھا تو امامؑ کے پاس آئے، کہا کچھ نہیں، بس وہ نوشتہ امامؑ کے سامنے پیش کر دیا۔ بس اربابِ عزا! اب اپنے دل کو سنبھالئے کہ ابھی تک بھیجنے کا حق نہیں تھا، اب روکنے کا حق نہیں ہے۔ جناب شیخ مفیدؒ نے لکھا ہے کہ بھتیجے کو گلے لگا کر رخصت کے وقت اتنا روئے، اتنا روئے کہ غش آ گیا۔ میں اس رونے کا کیونکر انکار کروں کہ مولاؑ روئے نہیں، یہ رونا تو اس مصیبت کی عظمت کا اظہار ہے۔ یہ اُس قربانی کی اہمیت کا اظہار ہے اور جب قاسمؑ نے صدا دی کہ چچا جان! میں نے جان نثار کی:

''یَا عَمَّاہُ اَدْرِکْنِیْ''۔

''اے چچا جان! میری خبر لیجئے''۔

تو جب امام حسین علیہ السلام قاسمؑ کی لاش پر آئے تو اُس وقت بھی ایک مرثیہ پڑھا ہے۔ وہ مرثیہ یہ ہے:

''اے میرے بھتیجے! اے میرے بھتیجے! تیرے چچا پر بڑا شاق ہے کہ تو پکارے اور وہ تیری مدد نہ کرے یا مدد کرے بھی تو تجھ سے مصیبت کو دفع نہ کر سکے، تجھے کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے''۔

یہ کیا ہے؟ یہ اس قربانی کی اہمیت کا اظہار ہے۔ بس اربابِ عزا! اسی پر ختم کروں گا کہ علی اکبرؑ جب جانے لگے تو بڑی خصوصیات مولاؑ نے برتیں۔ ایک تو یہ کہ کسی کے جانے پر اللہ کو گواہ نہیں کیا مگر جب علی اکبرؑ جانے لگے تو ہاتھ اُٹھ گئے بارگاہِ الٰہی میں ____ عرض کیا: پروردگار! تو گواہ رہنا کہ اب وہ جا رہا ہے، ہاں اہلِ عزا! امامؑ کیا کہتے کہ کون جا رہا ہے؟ یہی کہہ سکتے تھے کہ میری ضعیفی کا سہارا جا رہا ہے، یہ کہہ سکتے تھے کہ میری نظر کا نور جا رہا ہے، یہ کہہ سکتے تھے کہ گھر بھر کی رونق جا رہی ہے، یہ کہہ سکتے تھے کہ ماں کے دل کی ڈھارس جا رہی ہے، یہ کہہ سکتے تھے کہ پھوپھی کی اٹھارہ برس کی کمائی جا رہی ہے۔ ارے مختصراً کہہ سکتے تھے کہ میرا کڑیل جوان جا رہا ہے۔ مگر مولاؑ نے یہ نہیں کہا، کچھ نہیں کہا، کہتے ہیں: وہ جا رہا ہے جو صورت اور سیرت، رفتار و گفتار میں تیرے رسولؐ سے مشابہ ہے۔ اس مضمون کو، جو میں نے ابھی بیان کیا، مجھ سے بطورِ شعر نظم ہوگیا:

شہ کو غم تھا شبیہِ احمدؐ کا کب وہ روتے تھے اپنے اکبرؑ کو

اللہ کو گواہ کیا، اس کے بعد جب سب کو رخصت کرتے تھے تو بس رخصت کرتے تھے۔ مگر علی اکبرؑ جب چلے تو مولاؑ اپنی جگہ کھڑے

نہیں رہ سکے، دور تک علی اکبرؑ کے گھوڑے کے پیچھے پیچھے چلے گئے اور پکار کر فرماتے تھے کہ جب تک سامنے رہو، مڑ مڑ کر دیکھتے رہو۔ ہاں اربابِ عزا! آخری خصوصیت کو ادھر علی اکبرؑ نے صدا دی تو جس کی لاش پر گئے، سیدھے چلے گئے، عباسؑ جیسا شیر جدا ہوا، کمر تھام لی، کہا: میری کمر ٹوٹ گئی۔ مگر پھر تلوار لے کر فوج پر حملہ کر دیا اور وہ فوج جو عباسؑ جیسے شیر کو مار چکی، گویا قتل کر چکی، وہ حسینؑ کی تلوار کے سامنے سے بھاگی۔ تو جملہ ہے طبری میں ___ جو میں سمجھتا ہوں ایک مرثیہ ہے، امام علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اَیْنَ یَفِرُّوْنَ فَقَدْ قَتَلْتُمْ اَخِیْ".

"ارے بھاگتے کہاں ہو؟ میرے بھائی کو تو مار دیا"۔

تو عباسؑ کا داغ اُٹھانے کے بعد کمر شکستہ ہوگئی مگر یہ عالم ہے کہ فوج پر حملہ کر دیا مگر علی اکبرؑ کی جب آواز آئی تو یہ عالم ہے کہ کبھی دائیں طرف جاتے ہیں، کبھی بائیں طرف جاتے ہیں۔ کہتے ہیں یا علیؑ، یا علیؑ، مطلب کیا ہے اس یا علیؑ کا؟ کوئی عالم کہتا ہے کہ علی اکبرؑ ہی کو آواز دے رہے ہیں کیونکہ اُن کا نام علیؑ تھا، مطلب یہ کہ بیٹا! اب نگاہ کام نہیں کرتی، ایک دفعہ اور صدا دے لو تو تمہاری آواز پر آ جاؤں۔

کوئی عالم یہ کہتا ہے کہ باپ کو پکار رہے تھے کہ بابا! آپؑ مشکل کشا ہیں، آپؑ کے بیٹے پر سخت وقت پڑا ہے، آپؑ ہی سہارا دیں۔

۞ ۞ ۞

# کربلا میں ظلم کی حد تو معلوم ہوتی ہے لیکن صبر کی حد معلوم نہ ہوسکی،ظالم نے جب علی اصغرؑکے گلے پرنشانہ باندھ کرتیرماراتوعلیؑ کا پوتا علیؑ مسکرا کر کہتا ہے:ظالم!تیرا ظلم ختم ہوگیا مگر ہمارا صبر ختم نہیں ہوسکتا۔

ہمیشہ ظالم کے دل میں کچھ حسرت باقی رہی اور صابر کے متعلق کچھ غلط فہمی رہی یعنی یہ تصور ہر دَور کے ظالم کا رہا کہ اتنا ہوا اسے تو سہہ گئے، اگر یہ اور ہوتا تو پھر نہ سہہ سکتے۔ بس یہ سوال کربلا کے بعد ہمیشہ کیلئے ختم ہوگیا۔ اب ظالم سوچ نہیں سکتا کہ میں یہ کرتا تو شاید ان کو ہٹا سکتا اور صابر کے متعلق یہ غلط فہمی باقی نہیں رہی کہ اسے تو برداشت نہ کر سکتے، اس کے معنی یہ ہیں کہ کربلا میں ظلم بھی انتہا تک نمودار ہوا اور صبر بھی انتہا تک نمودار ہوا۔ مگر میں اپنے جملے میں ترمیم کرنا چاہتا ہوں، میں کہتا ہوں کہ ظلم کی انتہا تو معلوم ہوگئی مگر صبر کی انتہا اب بھی معلوم نہیں کیونکہ ظلم کے ترکش میں کوئی تیر رہتا اور پھر صبر کے قدموں میں تزلزل ہوتا تو میں سمجھتا کہ صبر کی انتہا ہوگئی اور جب ظلم کا آخری تیر بھی صرف ہوگیا، اب ترکش میں کوئی رہا ہی نہیں تو مجھے کیا معلوم کہ اُن کا صبر کہاں تک ہے؟ ظلم کی حد تو معلوم ہوئی ہے، صبر کی حد معلوم نہیں ہوئی اور میں کہتا ہوں کہ ظالم تو اس وقت سمجھتا تھا کہ جتنا انہیں صبر کرنا تھا، وہ ہو چکا، پاس والی صف خالی ہوگئی یعنی کوئی نہیں رہا جسے مولاؑ بھیجتے تو اس کے نزدیک بس اب یہ انتہا ہوگئی مگر اُن کی ہمتِ صبر نے جواب نہیں دیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ تمہارے نزدیک میرے پاس اب کوئی نہیں ہے؟

مگر معلوم ہے کہ تمہارے ترکش ظلم میں ایک تیر ابھی باقی ہے، دیکھو میں نشانہ ڈھونڈ کے لائے دیتا ہوں اور اب وہ خواہ ربابؑ کی گود ہو، پھوپھی کی آغوش ہو یا گہوارہ ہو، تلاش کر کے نشانہ پیش کر دیا اور اہلِ عزا! شدتِ مصیبت کے اظہار کیلئے۔

بعض ذاکرین سے آپ نے سنا ہوگا کہ مولاؑ نے کانپتے ہاتھوں پر اصغرؑ کو بلند کیا۔ میں کہتا ہوں کہ شدتِ مصیبت کے تقاضے کیلئے الفاظ صحیح ہیں مگر کیا مولاؑ کے ہاتھ کانپ رہے تھے؟ غور کیجئے جتنا نشانہ مختصر ہو، اُتنا تیر کا خطا کرنا آسان ہوتا ہے۔ اگر قدم پیچھے ہٹتا تو تیر خطا ہوتا، اگر ہاتھ میں لرزہ ہوتا تو تیر خطا کرتا مگر نہ قدم پیچھے ہٹا، نہ ہاتھ میں جنبش ہوئی۔ تیر ٹھیک نشانے پر لگا:

"فَتَقَلَّبَ الصَّغِيْرُ عَلٰى يَدِ الْاِمَامِ".

''بچہ امام حسین علیہ السلام کے ہاتھوں پر منقلب ہوگیا''۔

۞ ۞ ۞

# اے خاتونِ جنت! آپؑ نے اپنے باباؐ کا نام جنابِ بلالؓ سے بڑی عزت سے سنا تھا لیکن بیہوش ہوکر گرپڑی تھیں مگر سکینہؑ کے دل سے پوچھئے کہ کربلا سے کوفہ، کوفہ سے شام تک کس طرح باباؑ کا نام سنتی رہیں؟

پورا وفد آیا ہے حضرت علی علیہ السلام کے پاس اور کہتا ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ سے کہئے کہ دن رات وہ گریہ کرتی ہیں تو نہ ہمیں رات کو نیند آتی ہے، نہ ہمیں کھانے پینے میں مزہ ملتا ہے۔ ہماری طرف سے یہ کہئے کہ یا دن کو روئیں یا رات کو روئیں یعنی ابھی تک کم از کم گریہ کے بدعت ہونے کا تصور نہیں ہوا تھا، ورنہ یہی کہہ دینا کافی تھا۔ مگر یہ اپنی زحمتوں کا ذکر کر رہے ہیں کہ یا دن کو گریہ کریں، رات کو خاموش رہیں یا رات کو گریہ کریں، دن کو خاموش رہیں۔ مجھے اور آپ میں سے ہر ایک کو اس فرمائش کے سننے سے تکلیف ہوئی تو علی علیہ السلام کے دل پر کیا گزری ہوگی؟ مگر وہ اس امین کے جانشین تھے کہ انہوں نے اس پیغام کو پہنچانا بھی ضروری سمجھا۔ گئے، اور بتقاضائے احتیاط، کتنا ہی ہلکا کر کے ارشاد فرمایا ہو۔

لیکن جو اصل بات تھی، وہ تو کہنا ہی تھی۔ پہلے تو سیدۂ عالم نے یہ جواب دیا کہ اُن سے کہہ دیجئے کہ تمہاری زحمتوں کی عمر طولانی نہیں ہے، مجھے بابا خبر دے چکے ہیں کہ میں بہت جلد اُنؐ کے پاس چلی جاؤں گی۔ جواب تو دے دیا اور کہا کہ میں کوشش بھی کروں گی ان کی شکایت کو دور کرنے کی۔ گریہ تو بس میں نہ تھا کہ اس کیلئے اوقات کا تعین کر سکتیں مگر صبح ہوئی تو حسینؑ کا ہاتھ ہاتھ میں لے کر جنت البقیع میں چلی جاتی تھیں اور ہوتا یہ تھا کہ اِدھر فاطمہؑ زہرا نے رونا شروع کیا، اُدھر بچے شریکِ گریہ ہوگئے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر وقت مجلس برپا رہتی تھی تو اس لئے سیدۂ عالم نے چاہا کہ جب میں جاؤں تو میرے ساتھ جو شریکِ غم ہیں، جو ہم نوائے نالہ و فریاد ہیں، انہیں بھی اپنے ساتھ لے جاؤں۔ اس لئے حسین علیہ السلام کو اپنے ساتھ لے کر جاتی تھیں اور دن بھر روتی رہتی تھیں۔ شروع میں کوئی سایہ نہ تھا، زیرِ سایۂ آفتاب بیٹھی رہتی تھیں تو امیر المومنین علیہ السلام نے ایک حجرہ بنوا دیا جس کا نام ''بیت الحزن'' تھا۔ جب تمام روضے جنت البقیع کے برباد ہوئے تو سیدۂ عالم کی وہ یادگار بھی مسمار کر دی گئی تو اس طرح سے دن رات گریہ کرتی رہیں۔

اب یہ بات یاد آئی کہ بلالؓ مؤذنِ رسولؐ ہیں، انہوں نے بعد پیغمبرؐ یہ عہد کر لیا تھا کہ میں رسولؐ اکرم کے بعد کسی کیلئے اذان نہیں دوں گا۔ اسی سے اُن کی حق شناسی ظاہر ہے مگر جانتے تھے کہ مدینہ میں رہ کر اسے نبھانا مشکل ہے، لہٰذا مدینہ چھوڑ دیا، شام کے قریب ایک جگہ جا کر رہنے لگے۔ کچھ عرصہ تک وہاں رہے مگر جس شخص کو پیغمبرؐ سے اتنا لگاؤ ہو، پیغمبرؐ خدا کو اُس سے لگاؤ نہیں ہوگا؟ خواب میں آقائے نامدار کو دیکھا کہ ارشاد فرماتے ہیں کہ بلال! ہم نہیں رہے تو تم نے ہماری ڈیوڑھی بھی چھوڑ دی؟ بس اب خواب سے چونکے تو بے تابانہ انداز

میں ____ سامانِ سفر بھی نہیں لیا، پشتِ شتر پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے، تیز رفتاری کے ساتھ مدینہ کی طرف ____ جب مدینہ کے قریب پہنچے تو ایک ساتھی مسافر نے مدینہ میں جا کر خبر دے دی کہ بلال آ رہے ہیں اور کل تک پہنچ جائیں گے۔ تو مسلّمہ تاریخی واقعہ ہے کہ پورا مدینہ بلالؓ کیلئے اُمڈ آیا، یہاں تک کہ پردہ دار عورتیں تک گھروں سے باہر نکل آئیں کہ بلال آ رہے ہیں۔

مؤذنِ رسولؐ آ رہے ہیں، جب بلال پہنچے تو یہ تاریخی جملہ ہے، وفاتِ رسولؐ کے بعد رونے والوں اور رونے والیوں کا یہ کہرام دیکھنے میں نہیں آیا تھا، اب پتہ چلا کہ وفاتِ رسولؐ کے وقت بھی کہرام تھا اور کہتے ہیں کہ آپ کی وفات کے بعد سے یہ کہرام سننے میں نہیں آیا تھا۔ کہرام اُس اجتماعی صدا کو کہتے ہیں جس میں شخصیات گم ہو جائیں۔ اس وقت مدینہ میں صرف صحابہ ہیں اور صحابیات اور کہرام ____ میں نے کہا کہ اجتماعی عمل کا نام ہے تو دنیا یاد رکھے کہ یہ اجماعِ صحابہ ہے گریہ کے سنت ہونے پر ____ بلال سیدھے روضہ رسولؐ پر پہنچے، وہاں آئے۔ یعنی خانۂ سیدۂ عالم پر اور دروازہ پر آ کر اطلاع کروائی کہ بلال حاضر ہوئے ہیں۔ بلال کا نام سنتے ہی دل پر کیا گزر گئی مگر یہ وارثِ خلقِ عظیم ہیں، جوابِ سلام کہلوایا کہ بلال جب سے بابا کا سایہ سر سے اُٹھا ہے، تمہاری آواز کو بھی کان ترس گئے ہیں۔

بلال نے جو واقعہ بیان کیا کہ میں نے عہد کیا ہے کہ رسولِؐ اکرم کے بعد کسی کیلئے اذان نہیں کہوں گا، ہاں! جو ناواقف ہوں، اُن کیلئے ____ یہ بات عرض کرتا ہوں کہ جیسے نذر امرِ شرعی ہے، جیسے قسم امرِ شرعی ہے، ویسے ہی عہد عملِ شرعی ہے۔ اس کا صیغہ ہے، اس کی مخالفت حرام ہے تو انہوں نے کوئی رسمی عذر نہیں کیا تھا، شرعی عذر تھا۔

سیدۂ عالم نے یہ سنا تو فرمایا: بلال سے جا کر کہو کہ تمہیں میرے حق کی قسم، ایک دفعہ میرے لئے اذان دے دو۔ بلال نے دبی زبان سے بھی وہ بات نہیں کہی یعنی پھر کہتے کہ یہ رسمی عذر نہیں تھا، تو یہ عہد کیا تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات کے تربیت یافتہ افراد تھے، چاہے وہ غلام ہوں، چاہے مؤذن، عوام نہیں ہوتے۔ اجتہاد نام اسی کا ہے۔ ایک لمحے میں انہوں نے دلیل مرتب کی، دل کے اندر، اور بجلی کی رفتار سے انہوں نے نتیجہ نکالا۔ جونہی انہوں نے کہا: میرے حق کی قسم، فوراً انہوں نے دلیل مرتب کر لی کہ میں نے یہی تو قسم کھائی ہے کہ رسولؐ کے سوا کسی کیلئے اذان نہیں دوں گا اور یہ کون کہہ رہا ہے: یہ وہی کہہ رہی ہیں جنہیں رسولؐ نے اپنا جزو کہا ہے اور یہ کہا ہے کہ اس کی رضا مندی میری رضا ہے، اس کی ناراضگی میری ناراضگی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو بات فاطمہؑ کیلئے ہے، وہ غیر رسولؐ کے لئے نہیں ہے تو یہ میرے عہد کے خلاف نہیں ہوگا۔ اگر فاطمہ زہراؑ کے کہنے سے میں اذان دوں، یہ سوچا اور کہا:

"سَمْعًا وَ طَاعَةً"

"سنا اور اطاعت کی"۔

اذان شروع کی، چار مرتبہ اللہ اکبر کہا، سیدۂ کو بابا کا دَور یاد آ گیا، اِدھر بلالؓ کی آواز آئی، اُدھر فرمایا: بابا! بلالؓ اذان دے رہے ہیں، آپ نماز میں جانے کی تیاری نہیں کرتے۔ بیتابی کے ساتھ رونا شروع کر دیا۔ اذان آگے بڑھی:

"اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه".

فاطمہؑ کے گریہ میں اضافہ ہوا۔ مؤذن نے کہا:

**"اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰه".**

بس یہ کہنا تھا، دوسرا جزو کہنے نہیں پائے تھے کہ کنیز دوڑتی ہوئی آئی، اُس نے کہا: بلال! اذان موقوف کرو، فاطمہ زہراؑ کا یہ عالم ہوگیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ روح جسم سے نکل جائے گی۔ بس اہلِ عزا! میں کہتا ہوں اے مخدومہٴ عالم! اے سیدۃ النساء، اے خاتونِ جنت! آپؑ نے اپنے بابا کا بڑی عزت کے ساتھ نام سنا مگر سکینہؑ کے دل سے پوچھئے کہ کربلا سے کوفہ تک، کوفے سے شام تک کس طرح بابا کا نام سنتی رہیں؟

❁ ❁ ❁

# گیارہ محرم کی شب کو جب خیموں کو آگ لگی اور شعلے بلند ہوئے تو سب بیبیاں سمٹ کرثانیِ زہرؑا کے پاس آئیں اور یک زبان ہوکر کہا کہ بی بیؑ! ہم نے مرنا بھی آپؑ کے ساتھ ہے اور جینا بھی آپؑ کے ساتھ۔

پیغمبرؐ خدا اپنے دور میں اوران کے بتائے ہوئے نامزد جانشین ہمارے آئمہ معصومینؑ جب تک رہے، جب تک اُن کے حکم سے جہاد نہ ہو، وہ جہاد نہیں ہوگا، جنگ ہوگی۔ وہ جنگ چاہے کسی مفادِ اسلامی کیلئے ہو، جہاد اُسی وقت ہوگا جب اُن کا اذن ثابت ہو، اس لئے بڑے بڑے صاحبِ اوصاف افراد نے بنی اُمیہ سے ٹکر لی اور شہید ہوئے تو شہید اس معنی میں تو ہیں کہ مقتولِ ظلم ہیں لیکن وہ شہادت جو اصطلاحی شہادت ہے، جس میں غسل وکفن نہیں ہوتا، وہ صرف اُسی وقت ہوگی جب میدانِ جنگ میں امام علیہ السلام سے اجازت ہو، معصومؑ کی اجازت ہو۔ اسی لئے ان لڑائیوں کو، جو چاہے مظلوم حیثیت سے لڑی گئی ہوں بنی اُمیہ کے مقابلہ میں، لیکن چونکہ ثابت نہیں ہے کہ ہمارے آئمہؑ کی تائید اس میں شامل ہے، اس لئے ہم نے اِن لڑائیوں کو وہ درجہ نہیں دیا جو اُن لڑائیوں کو دیا ہے جن میں معصومینؑ شریک تھے۔

اسلام آباد میں ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ بنی ہاشم میں سے جن حضرات نے بنی اُمیہ سے ٹکر لی اور شہید ہوئے، ان کا محرم میں تذکرہ کیوں نہیں جاتا، وہ تو بنی اُمیہ سے جنگ ہے تو اگر ہمیں بنی اُمیہ سے مقابلے میں دلچسپی ہوتی، اسی لئے دنیا سمجھ لے کہ ہمارے ہاں کوئی جذباتی محبت اور نفرت نہیں ہے، ہم تو ان معیاروں کو دیکھتے ہیں جو خدا کی طرف سے مقرر ہیں۔ یہ درحقیقت معیار ہے جس کی وجہ سے تہذیب جہاد ہوگئی۔

یعنی چاہے امامؑ کی زیرِ سربراہی میدان میں آئے ہوں، جو جارہا ہے، وہ اجازت لے کر جارہا ہے اور اسے سخت سے سخت حالات میں نبھایا گیا، کربلا سے بڑھ کر کوئی ہنگامی وقت میں ہوسکتا ہے؟ لیکن کربلا کے میدان میں دیکھ لیجئے کہ جو شہید جاتا ہے، امامؑ سے اذن لے کر! امامؑ سے اجازت لے کر جاتا ہے اور جب تک اجازت نہیں ہے، چاہے دل پر جو کچھ گزر رہی ہو، لیکن اُس وقت تک قدم آگے نہیں بڑھاتا، جب تک اجازت نہ ملے۔ جنگِ مغلوبہ میں اِدھر سے حملہ ہوا، اُدھر سے مولاؑ نے تو کبھی اپنی پوری جماعت کو حملے کا حکم نہیں دیا، یہ کارنامہ کربلا کی عجیب ندرت ہے کہ مولاؑ نے اپنے بہتر (۷۲) کو کبھی حکم نہیں دیا کہ حملہ کرو۔ جب جنگِ مغلوبہ ہوئی تو اُدھر سے حملہ ہوا ہے، اس میں جتنے شہید ہوگئے ____ لیکن جتنے گئے ہیں میدان میں، چاہے اصحاب ہوں، چاہے اعزہ ہوں، سب امامؑ سے اجازت لے کر گئے ہیں اور جب تک اجازت نہیں ملی، چاہے دل پر کیسی ہی بن رہی ہو، اس میں سب سے نمایاں حضرت ابوالفضل العباسؑ، کہ بیتاب ہیں کب سے جہاد کیلئے مگر روزِ عاشور حکمتِ امامؑ کہ ان کو علمدار بنادیا۔ علمداری مل گئی تو اسی وقت سمجھ لیا کہ میرے پیروں میں زنجیر پڑگئی۔ اصحاب شہید ہورہے ہیں

اور یہ زبان سے کہتے بھی نہیں کہ مجھے اجازت دیجئے کیونکہ اگر اجازت دینا ہوتی تو علَم کیوں دیتے؟ محل شناس تھے۔

مگر اُنؑ کے دل سے پوچھئے کہ مسلم بن عوسجہ جیسا بوڑھا شہید ہوجائے اور عباسؑ علَم لئے ہوئے کھڑے رہیں۔ امامؑ کا بچپن کا دوست حبیب ابن مظاہر جن کی شہادت سے امامؑ کے چہرہ پر شکستگی کے آثار نمودار ہوگئے، اُس کی لاش آجائے اور یہ علَم سنبھالے کھڑے رہیں۔ اُنؑ کے دل پر کتنا سخت اثر ہوگا مگر حکمِ امامؑ اور حکمِ امامؑ نہیں بلکہ نظامِ جہادِ امامؑ کہ علَم ہاتھ میں لئے ہیں، کیونکر جائیں؟ مگر جب دل کے ٹکڑوں کی باری آئی تو ہر دفعہ جاتے ہیں کہ مولاؑ اب مجھے اجازت دیجئے مگر ہر دفعہ مولاؑ کہتے ہیں کہ تم تو علمدار ہو، تمہیں کیونکر اجازت دوں؟ عباسؑ کے دل میں نگاہ ڈال کر دیکھئے کہ فرزندانِ عقیلؑ و مسلمؑ کی لاشیں آجائیں اور اتنا ہی نہیں عونؑ و محمدؑ کے لاشے آجائیں، عباسؑ کھڑے برداشت کررہے ہیں لیکن جب قاسمؑ کی لاش آئی تو اب ایک عجیب جملہ ہے، جیسے ایک سپاہی اپنے سردار کے سامنے ہتھیار کھول کر ڈال دے، مجھے یہی انداز نظر آرہا ہے۔

عباس علیہ السلام عرض کرتے ہیں کہ مولاؑ عزیزوں کے صدمے اُٹھاتے اُٹھاتے اب تو عباسؑ کا دل تنگی محسوس کرنے لگا ہے، اب تاب نہیں ہے، میں بارگاہِ ابوالفضل العباسؑ میں عرض کروں کہ اے میرے چھوٹے شہزادے! آقا ابوالفضل العباسؑ! بے شک بڑا تحمل کیا، بڑا صبر کیا، بے شک بڑی برداشت سے کام لیا مگر مولاؑ آپ عباسؑ ہیں، یہ حسینؑ ہیں، آپؑ بھی چلے جایئے، یہ آپؑ کا داغ بھی اُٹھالیں گے۔ مولاؑ نے ایک دفعہ وہی جملہ اور کہا: اے عباسؑ! تم تو علمدار ہو؟ لیکن اب عباسؑ خاموش نہیں ہوئے۔ ہر دفعہ سر جھکا دیتے تھے مگر اب کہا: مولاؑ! وہ فوج کہاں ہے جس کا میں علمدار ہوں؟ اس جملے نے بتایا کہ دل پر کیا گزر گئی صبح سے اب تک ______

مگر آئین جہاد نبھایا جارہا ہے۔ عباسؑ جیسا شیر اس اصول کی پابندی کررہا ہے۔ تو جو جاتا تھا، وہ اجازت لے کر، اور ہر ایک کو مولاؑ اجازت دیتے تھے، ان کو جانے کی اجازت دے دی کہ جاتے ہو تو ذرا پانی کی بھی فکر کرو۔ یعنی جانے کی اجازت ہوگئی اور علی اکبرؑ نے جب اجازت مانگی تو میں سمجھتا ہوں کہ اجازت تو دینا تھی کیونکہ اگر انہیں اجازت نہ دیتے تو کسے دیتے؟ اب رہا کون ہے؟ تو بھیجنا تو ہے، اب یہ کہتے ہیں: بابا! ہمیں اجازت دیجئے۔ تو علی اکبرؑ سے مخاطب ہوکر نہیں کہا جاتا کہ جاؤ، اجازت ہے۔

وہ کہتے ہیں اجازت اور یہ ہاتھ اُٹھا دیتے ہیں بارگاہِ خداوندی میں ____ پروردگار! وہ جارہا ہے جو صورت و سیرت اور رفتار و گفتار میں تیرے رسولؐ سے مشابہ ہے۔ تو معلوم ہوا کہ آخر تک یہ اُصول قائم کیا گیا کہ جب تک اجازت نہ لے لیں، اُس وقت تک میدان میں نہیں جائیں گے۔

اربابِ عزا! علی اکبرؑ کے بعد کون بچا ہے جو اجازت لے کر میدان میں جائے؟ جو مجاہد بچا ہے، وہ بے زبان ہے۔ میں کہتا ہوں کہ وہ روایت آپ سنا کرتے ہیں کہ جھولے سے خود کو گرا دیا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ جھولے سے خود کو گرانا نہیں تھا، یہ طلبِ اجازت تھی۔ ایک دورِ جہاد ختم ہوا، دوسرا دورِ جہاد شروع ہورہا ہے جب خیموں کو آگ لگی ہے۔ اس جہاد کی جو ہستیاں سربراہ ہیں، ان میں سے ایک ابھی تک غش میں ہے۔ ایک خاتونِ معظّمہ یقیناً اپنے وقت کی قافلہ سالار ہیں، جن کے ہاتھ میں حسینؑ کے جہاد کی باگ ہے، وہ غش میں ہیں۔ پہلے تو دیکھئے پردہ کی اہمیت کہ گھبراہٹ میں قدم نہیں اُٹھتے۔ پردہ کی راہ میں جہاد ہورہا ہے، وہ کیونکر ____ ایک خیمے میں آگ لگتی ہے، بیبیاں دوسرے خیمے

میں چلی جاتی ہیں، دوسرے خیمے میں آگ لگتی ہے، تیسرے خیمے میں چلی جاتی ہیں، جب سب طرف آگ کے شعلے بلند ہوئے تو اب بھی پریشان ہو کر قدم باہر نہیں اُٹھے، سب سمٹ کر آئیں ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کے پاس کہ بزرگِ خاندان ہونا بڑی ذمہ داری کی بات ہے۔

کہتی ہیں: بی بی! آپ بتایئے، آپ جانشین فاطمہؑ ہیں، ہر طرف آگ کے شعلے بلند ہیں، آپ بتایئے کہ جل کر مر جائیں یا قدم باہر نکالیں۔ مجھے یقین ہے کہ جو مسئلہ مجھ جیسے جاہل کو معلوم ہے، بھلا ممکن ہے کہ ثانیِ زہراؑ کو معلوم نہ ہو؟ مگر کہتی ہیں: بیبیو! خدا امامِ وقت کو زندہ رکھے، جب تک امامِ وقت سے نہ پوچھ لوں، میں کیا کہہ سکتی ہوں؟

اب آئیں وہاں جہاں ہمارے آپ کے چوتھے امامؑ غش میں پڑے ہیں۔ کہتی ہیں: بیٹا! اُٹھو، آنکھ کھولو، اب تمام امامؑ وقت ہو یعنی باپ دنیا سے سدھارے اور امامت کا منصب تمہیں مل گیا۔ ارے بیٹا! آگ کے شعلے بلند ہیں، تم بتاؤ کہ جل کر مر جائیں یا قدم خیمے سے باہر نکالیں؟ ظاہر میں تو مسئلہ پوچھنے آئی ہیں مگر میرا دل یہ کہتا ہے کہ مسئلے سے تو واقف تھیں، مسئلہ پوچھنے نہیں آئی تھیں، یہ اذنِ جہاد لینے آئی تھیں کہ اب ہمارے جہاد کا وقت ہے، اب تم امامؑ ہوتے ہوئے ہمیں اجازت دو کہ ہم اپنا جہاد شروع کریں۔

❁ ❁ ❁

**جنابِ سکینہؑ دروازہ پر آئیں اور دیکھا کہ ذوالجناح کی باگیں کٹی ہوئی ہیں، زین ڈھلا ہوا ہے، جابجا تیر پیوست ہیں، خیمے میں جا کر کہا: بیبیو! میں یتیم ہو گئی ہوں، میرے بابا شہید ہوگئے ہیں۔**

باب مصائب میں یہ موقع بہت سخت ہے اور میں سخت مصائب پڑھتا نہیں ہوں۔ لیکن اپنے مقصد کی خاطر وہ موقعہ یاد دلانا بڑا ضروری ہے جب وہ عالم تھا کہ راکب دوشِ رسولؐ سے پشت فرس خالی ہو چکی تھی۔ مولاؑ اب گرم زمین پر تھے اور زخموں سے ایسے نڈھال تھے کہ فوج والوں میں اختلاف تھا کہ روح جسم میں ہے یا مفارقت کر چکی ہے۔ تو امامؑ کے ذہن کو سمجھے ہوئے تو دشمن تک بھی تھے، انہوں نے کہا کہ ہم ایک ترکیب بتادیں کہ گھوڑوں کا رُخ خیموں کی طرف کر دیا جائے، اگر زندہ ہیں تو برداشت نہیں کر سکیں گے۔

بس اہلِ عزا! گھوڑوں کا رُخ خیموں کی طرف کر دیا گیا، اب ہر صاحب فہم غور کرے کہ حسینؑ کی ذات سے خطرہ دور ہو رہا ہے گر ٹاپوں کی صدا جو سنائی دی تو ایک دفعہ آنکھ کھولی، دیکھا کہ گھوڑوں کا رُخ اُدھر ہے تو کہنیوں پر زور دے کر بلند ہوئے اور پکار کر کہا: ابھی میں زندہ ہوں، ابھی میرے خیموں سے کیا مطلب؟ بس اربابِ عزا! اب اسی محل پر آپ کے ہاں بہت محبوب شبیہ ہے، بڑی عقیدت مندی سے ذوالجناح کی شبیہ، جسے گھوڑے کی شبیہ کہتے ہیں، تو ذوالجناح کی شبیہ کہاں کا شرک؟ اور کہاں کی بدعت؟

یہ تو کچھ یادیں ہیں اور بخدا! ہم نے صرف انسانوں کی یاد قائم نہیں کی ہے، حیوان بھی اگر ہمارے مولاؑ کے کام آیا ہے تو یہ حق شناسی ہے کہ ہم اس کی بھی یاد قائم رکھتے ہیں۔ یہ یاد کا ذریعہ ہے جس یاد کو مجلس میں ہم اس شکل میں تازہ کرتے ہیں۔ اس کے حق کو ادا کرنا جو اُس نے کربلا میں کیا۔ فرس کی فراست مشہور ہے، خصوصاً وہ فرس جو کربلا کے جہاد کیلئے منتخب کیا گیا ہو۔ تو جب تک مولاؑ پشت پر رہے، برابر شریک جہاد رہا۔ اب جب اُس نے دیکھا کہ میں اپنے راکب کی خدمت نہیں کرسکتا تو آخری خدمت جو انجام دی، وہ یہ کہ اگر کوئی میدان میں ہوتا، اس لئے مَیں اس روایت کو تسلیم نہیں کرتا کہ کوئی بی بی خیمے کے باہر حسینؑ کی زندگی میں آئی۔ اگر کوئی بی بی ہوتی تو ذوالجناح کو خیمے کے دروازے پر جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ بیبیاں تو جہاں حسینؑ بٹھائے گئے، وہاں بیٹھی تھیں۔ ذوالجناح نے بس آخری کام یہ کیا، اِدھر اُدھر دیکھا، کوئی نظر نہ آیا تو پیشانی خونِ حسین علیہ السلام سے رنگین کی اور سیدھا درِ خیمہ پر گیا۔ ایک آواز بلند کی، آپ سنا کرتے ہیں لیکن نتیجہ نہیں نکالتے۔ خیمے کے دروازہ پر کوئی بڑا نہیں آیا، سکینہؑ خیمے کے دروازے پر آئیں، دیکھا کہ باگیں کٹی ہوئی ہیں، زین ڈھلا ہوا ہے، جابجا تیر پیوست ہیں، سمجھ گئیں۔ خیمے کے اندر گئیں: ارے میرے بابا شہید ہو گئے، میرے بابا شہید ہو گئے۔

۞ ۞ ۞

**امام حسینؑ نماز پڑھ رہے ہیں، آپؑ کے جانثار صحابی تیر کھا کھا کر امامِ مظلومؑ کو نماز پڑھوا رہے ہیں۔ سعید اُس وقت تک زمین پر نہیں گرے جب تک امامؑ کی نماز مکمل نہ ہوئی۔ جب امامؑ نماز پڑھ چکے تو سعید گر پڑے اور کہا: مولا! کیا آپؑ اس غلام سے راضی ہیں؟**

اب کربلا والوں کو دیکھئے کہ اِدھر جہاد ہو رہا ہے، اُدھر سورج پر نظر ہے، کوشش یہ ہے کہ مولاؑ کہنے نہ پائیں کہ ہم اپنا نذرانہ عبادت پیش کریں۔ اور صاحبانِ علم جانتے ہیں کہ ظہر کے وقت شناخت سب سے زیادہ مشکل ہے، خط نصف النہار پر کوئی لکیر کھینچی ہو جو آنکھ سے نظر آئے، ایک خطِ موہوم ہے جس سے آسمان کے دو حصہ ہوتے ہیں، ایک مشرق اور ایک مغرب۔ جب تک آفتاب ادھر ہے، اُس وقت تک زوال نہیں ہوا، جب آفتاب اُدھر ہو گیا تو زوال ہو گیا۔ پہچان کا اتنا نازل ذریعہ اور دیکھئے کہ اُدھر زوال ہوا اور خدمت امامؑ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ دشمن بہت قریب آ گیا، تمنا ہے کہ نماز آپؑ کے ساتھ باجماعت ادا ہو جائے۔

امامؑ دعائیں دینے لگتے ہیں، جس طرح کوئی اُستاد کی توقع سے زیادہ صحیح جواب دے دے، فرماتے ہیں: تم نے ایسے وقت پر نماز کو یاد کیا، اللہ تمہارا شمار نمازیوں میں کرے:

''نَعَمْ هٰذَا اَوَّلُ وَقْتِهَا''.

''ہاں! یہ اس کا اوّلِ وقت ہے''۔

آپ دیکھتے ہیں کہ غیر معصومؑ کی نگاہ کی عصمت یہ ہے، اُن کی ڈیوڑھی پر رہنے کا فیض ہے کہ جوہر امتیاز کا پیدا ہو گیا ہے کہ معصوم اور غیر معصوم میں فرق نہیں ہو رہا ہے اور بس اب یہ فرماتے ہیں کہ ان سے کہو کہ اتنی دیر کیلئے یہ جنگ روک لیں کہ ہم نماز ادا کر لیں۔ میں جانتا ہوں کہ نماز کیلئے جنگ کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر حال میں جنگ ہو سکتی ہے۔ جنگِ مغلوبہ میں بھی نماز ہو سکتی ہے، اشاروں سے ہو جاتی ہے۔

مگر میرا دل یہ کہتا ہے کہ اگر یہود سے مقابلہ ہوتا تو التوائے جنگ کی درخواست نہ کی جاتی، اگر نصاریٰ سے مقابلہ ہوتا تو التوائے جنگ نہ کی جاتی۔ یہ اُن کے ضمیر اسلامی کو بیدار کرنے کی امکانی کوشش تھی۔ جب مہلت نہیں دی گئی تو امام علیہ السلام نے دکھا دیا کہ ہم نماز پڑھنے میں تمہاری مہلت کے محتاج نہیں ہیں۔ تو جو نماز ہو اور باجماعت ہو مگر کس طرح؟ کہ دو ساتھی سعید ابن عبداللہ اور زہیر ابن قین کو سامنے کھڑا کر دیا جاتا ہے کہ جو تیر آتا ہے، اُسے اپنے اوپر روکو ____ لیجئے! ادھر نماز ہو رہی ہے، اُدھر تیر کھائے جا رہے ہیں۔ کسی کو حق نہیں ہے یہ سمجھنے کا کہ ان دونوں نے یہ نماز نہیں پڑھی، سب عالمِ مسائل تھے، سب فقیہ تھے، کون کہہ سکتا ہے کہ تیر کھانے کو جھکے تو رکوع نہیں کر لیا،

کون کہہ سکتا ہے کہ کھڑے ہوئے تو قیام نہیں ہوگیا؟ جب گر پڑے تو اشارہ سے سجدے نہیں ہو گئے؟ لیکن بہر حال اس جماعت میں تو شریک نہیں ہوئے اور اب کون عالم ہے جو یہ فیصلہ کر سکتا ہو کہ ان کی نماز افضل کہ جنہوں نے مولاؑ کے پیچھے نماز پڑھی یا ان کی نماز افضل جنہوں نے مولاؑ کو نماز پڑھوائی؟

صورتِ واقعہ یہ بتاتی ہے کہ اثنائے نماز میں اتنے تیر کھائے کہ اب کھڑے ہونے کی طاقت نہیں رہی مگر یہ قوتِ ارادی تھی کہ طے کر کے کھڑے ہوئے تھے کہ مولاؑ نماز پڑھ لیں۔ جب تک امامؑ نے سلام نہیں پھیرا، سعید زمین پر نہیں گرے، اُدھر امامؑ نے سلام پھرا، اِدھر سعید زخموں سے چور زمین پر گر پڑے۔ مڑ کو پوچھا:

''اَوَفَيْتُ يَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰه''۔

''کیوں مولاؑ! میں نے حقِ وفا کر دی؟''

اللہ جزائے خیر عطا فرمائے۔ حضور یہ تو ظہر کی نماز تھی، میری زبان میں اتنی طاقت نہیں کہ عصر کا حال بیان کروں۔ امامؑ نے وقت فضیلت پر عصر کی نماز بھی پڑھی ہے۔ میں اس کی کیفیت بیان نہیں کر سکتا مگر اتنا کہوں گا کہ اب جماعت نہیں تھی۔ جماعت تو گرم زمین پر سر کٹائے پڑی تھی۔ یہ نماز امامؑ نے جماعت کے بغیر فرادیٰ ادا کی۔ بس یہ نہیں بتا سکتا کہ رکوع کس عالم میں ہوا، قیام کس انداز سے ہوا؟ قعود کس شان سے ہوا مگر سجدے کی ایک خصوصیت، بے شک تاریخ اسلام میں ایک اور سجدہ محفوظ ہے اور وہ ہمارے مولا امیر المؤمنین علیہ السلام کا سجدہ ہے جو 19 رمضان المبارک کی صبح کو ہوا۔ ارے یہ تو باپؑ کی میراث تھی، باپؑ کے سر پر ضربت بھی نماز میں لگی تھی۔

بیٹے کے گلے پر خنجر بھی نماز میں چلا مگر امیر المؤمنین علیہ السلام کی بارگاہ میں عرض کرتا ہوں: مولاؑ! بے شک آپؑ کی نماز بھی تاریخی، آپؑ کا سجدہ تاریخی، مگر ارے میرے مولاؑ! آپؑ کو سجدے سے سر اُٹھانے کا موقعہ ملا اور حسینؑ ___ حسینؑ نے تو بس سر سجدے میں رکھ دیا، پھر بخدا! انہوں نے نہیں اُٹھایا۔

۞ ۞ ۞

**امام حسینؑ کی فوج میں علی اصغرؑ سب سے چھوٹے تھے، اتنے کمسن کہ انؑ کی عمر میں برس کا لفظ نہیں، انہیں چھ ماہ کابچہ کہا جاتا ہے۔ خود مصیبت اُٹھالینا اکثر آسان ہوتا ہے مگر کسی تڑپتی ہوئی ماں کو دیکھنا صبر آزمامرحلہ ہوتاہے،نہ جانے اصغرؑ کی ننھی سی لاش کو دیکھ کر رُبابؑ کے دل پر کیا گزری ہوگی!**

میں چند پہلو پیش کرتا ہوں، دونوں موازنے کے کہ بے شک اسماعیلؑ آئے میدانِ قربانی میں۔کوئی روایت نہیں بتاتی کہ وہ بھوکے اور پیاسے ہوں لیکن کربلا کے میدان میں جو قربانیاں آئیں، وہ سب تین دن کے بھوکے اور پیاسے اوراہلِ عزا! قربانیِ اسماعیلؑ میں اسماعیلؑ یقیناً بچے تھے، خالق نے دونوں پہلونمایاں کیئے ہیں کہ اس نے اسماعیلؑ کی قربانی کی اہمیت ظاہر کرنے کیلیئے ذکر کیا تھا کہ بچہ دوڑ دھوپ کرنے کے قابل ہوگیا۔اس میں دورُخ ہیں کہ پوراجوان نہیں ہواتھا، بچہ ہی تھا۔

ایک پہلو یہ کہ بچہ تھا، دوسرا پہلو یہ ہے کہ ایسا بچہ نہ تھا جوکام نہ آسکے بلکہ ایسا تھا جوساتھ چل پھر سکتا تھا۔دورُخ ہیں، ایک عمر کی کمی کا بھی رُخ ہے، ایک عمر کی زیادتی کا بھی رُخ ہے۔دولفظوں میں دو مصیبتیں آپ کے سامنے تصویر کی شکل میں آجائیں گی کہ وہ جو دوڑ دھوپ والی عمر کی بڑائی تھی، وہ ترقی کرکے علی اکبرؑ تک پہنچی اور وہ جو کم سنی کا دردناک پہلو تھا، وہ ادھر ترقی کرکے علی اصغرؑ تک پہنچا۔ارے وہ بچے تھے تو چند برس کے تو تھے مگر یہاں جوسب سے کم سن تھا، اُس کی تو عمر کے حساب میں برس کالفظ بھی نہیں آتا، وہ نام کا اس کے جزو ہے، شش ماہہ، چھ مہینے کا بچہ۔

اور بس اب ایک پہلو، اور وہ یہ ہے کہ خود مصیبت اُٹھالینا اکثر آسان ہوتا ہے مگر کسی تڑپتی ہوئی ماں کو دیکھنا بڑا صبر آزما مرحلہ ہوتا ہے۔ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں کہ جاکر کسی کو دفن کیا، نہیں روئے، دفن کرکے پلٹے، نہیں روئے مگر جب گھر کے اندر آکر کسی بلکتی ہوئی بچی کو دیکھ لیا، کسی بیقرار بہن کو دیکھ لیا، کسی تڑپتی ہوئی ماں کو دیکھ لیا تو صبر کا بند ٹوٹ جاتا تھا۔بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے جلیل المرتبہ، بے شک بڑے عظیم امتحان میں کامیاب ہوئے مگر جب بچے کو لے گئے تو ماں کو نہیں بتایا کہ کہاں لے جارہا ہوں بلکہ پیغمبرانہ صداقت کے ساتھ یہ جملہ کہا: ایک دوست کے کہنے سے لے جارہا ہوں۔بالکل صحیح ہے خلیل کا کہنا۔جب چھری اور رسی مانگی تو پھر ذرا پریشان ہوئیں۔ جنابِ ہاجرہ نے کہا: چھری اور رسی کا کیا کیجیئے گا؟ کہا: دوست کے ہاں جارہا ہوں، شاید قربانی کی ضرورت پڑے؟ جنابِ ہاجرہ خاموش ہوگئیں، سمجھ نہیں سکیں۔جب حضرت ابراہیمؑ واپس ہوئے تو خیال کیا کہ اب تو فدیہ آگیا، اب کیا کروں واقعہ بیان کرکے۔کچھ ذکر نہیں کیا،

دو چار دن کے بعد جناب ہاجرہ نے تبدیلیِ لباس کیلئے کرتہ اُتارا تو گلے پر ایک خط نظر آیا، پوچھا: اے خلیلِ خدا! یہ میرے بچے کے گلے پر خط کیسا ہے؟ اب ابراہیم علیہ السلام کیا جواب دیتے؟ یہ خیال ہوا کہ اب چھپانے سے کیا فائدہ؟ بچہ سامنے کھڑا ہوا مسکرا رہا ہے، قربانیِ اسماعیلؑ عید کا دن بن گئی۔ لہٰذا واقعہ بیان کر دیا۔ صاحبِ عقل بی بی زبان سے تو کچھ نہ کہا مگر نفسیاتی اثر یہ پڑا کہ اُس دن سے بیمار ہوئیں اور اسی بیماری میں دنیا سے رحلت کیا۔ یہ تصور کہ اگر فدیہ نہ آتا تو میرا بچہ ذبح ہو گیا ہوتا۔ اب خبر لیجئے، ربابؑ کے دل کی خبر لیجئے، لیلیٰؑ کے دل کی، خدا کی قسم! جیسے وہ فخرِ اسماعیلؑ، ایسے یہ بیبیاں فخرِ ہاجرہ ہیں۔ وقت وہ ہے کہ راکبِ دوشِ رسولؐ زمین پر ہے اور غشی کا عالم ہے اور یہ عالم ہے کہ ان ظالموں میں آپس میں اختلاف ہے۔

کوئی کہتا ہے کہ روح نے جسم سے مفارقت کی، کوئی کہتا ہے کہ نہیں، ابھی زندہ ہیں تو شمر نے تجویز پیش کی کہ گھوڑوں کا رُخ خیموں کی طرف کر دیا جائے، اگر زندہ ہیں تو آنکھ کھول دیں گے۔ گھوڑوں کا رُخ خیموں کی طرف ہو گیا۔ دیکھئے خطرہ حسینؑ سے دور ہو رہا ہے مگر زینبؑ کا پردہ کتنا اہم ہے کہ مولاؑ کہنیوں پر زور دے کر اونچے ہوئے اور فرمایا کہ ابھی میں زندہ ہوں۔

❁ ❁ ❁

**امام زین العابدینؑ ایک مجلس عزا میں شریک ہوتے ہیں اور مؤمنین جہاں جوتے اُتارتے ہیں، وہاں پر آکر بیٹھ جاتے ہیں۔زھری بانیٔ مجلس تھا،ہاتھ جوڑ کر عرض کی: مولا! آپؑ یہاں کیوں بیٹھ گئے؟ فرمایا:میرے لئے یہی جگہ مناسب تھی، سو بیٹھ گیا۔**

میں کہتا ہوں کہ حسینؑ نے کربلا میں اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ میرے ناناؐ نے، جو بچپن میں میری خاطر جو سجدے کو طول دیا تھا، اُس کا میں حقدار تھا۔ جیسے تہہ خنجر یہ اُن کے پیش نظر تھا کہ ناناؐ نے میرے لئے سجدہ کو طول دیا تھا تو سہی، جو یہی سجدہ ہوا اور گلے پر خنجر ہوا اور یہ جو میں نے کہا کہ ان کی بدولت قیامت تک نماز قائم ہوئی، یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں، ہم جو آئمہ طاہرینؑ کی سکھائی ہوئی زیارت پڑھتے ہیں:

"اَشْهَدُ اَنَّکَ قَدْ اَقَمْتَ الصَّلٰوةَ"

"میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے نماز کو قائم رکھا"۔

میں کہتا ہوں کہ نماز بھی جیسی کربلا میں پڑھی گئی، تاریخ عالم میں نہیں پڑھی گئی۔ پیغمبرؐ نے ان کیلئے سجدہ کو طول دیا، کوئی بتائے کہ نماز کے کسی عمل کو کب تک طول ہوتا ہے، ہر عمل کو طول ہوتا ہے جب تک دوسرا عمل نہیں ہوگا۔ رکوع ہوا اور قیام نہیں ہوا تو قیام کے وقت تک رکوع قائم رہا، قیام تھا اور پھر سجدہ میں نہیں گئے تو اس وقت تک قیام کو طول ہوا۔ وہ تو ہم کو معلوم ہے، اس کی پیائش ہم کر سکتے ہیں، کہا کرتے ہیں کہ ستر مرتبہ ذکرِ سجود کی نوبت آئی، اتنی دیر طول دیا لیکن حسینؑ نے سجدہ کو کتنا طول دیا؟ میں نے کہا کہ کوئی عمل اتنا طول پاتا ہے جب تک کہ اس کے خلاف عمل نہ ہو۔ بخدا! انہوں نے تو سر سجدہ میں رکھ دیا، پھر سر کو اُٹھایا نہیں۔

اب اس سجدہ کی عمر میں کیا بتا سکتا ہوں، مَیں حسینؑ کے عزاداروں کو مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ خنجر یاد ہے اور سجدہ یاد نہیں، حالانکہ خنجر شمر کا تھا اور سجدہ حسینؑ کا تھا۔ مجھے حیرت ہے کہ ایسا سجدہ حسینؑ نے کیا اور ان کا لقب سید الساجدینؑ نہیں ہے۔ امیر المؤمنینؑ کے بے شمار القاب اور ان کے کیسے کیسے سجدے ہیں، ابودردا کو یقین ہوا کہ انہوں نے رحلت فرمائی، روتے ہوئے خانۂ سیدۂ عالم پر تو ایسی عبادت اور ایسے سجدے، لیکن ان کے القاب میں سب کچھ ہے مگر سید الساجدینؑ نہیں ہے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے القاب سید الصابرینؑ، سید الشہداءؑ ہیں مگر سید الساجدینؑ نہیں ہے۔ لیکن ہمارے چوتھے امامؑ نے کیسے عالم میں سجدے کئے ہیں کہ اُن کا لقب ہو گیا سید الساجدینؑ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے معیار پر سب سے بڑا سجدہ کرنے والے، طوق کی گرانی کے ساتھ سجدے ہو رہے ہیں، زنجیر کو سنبھالتے ہوئے سجدے ہو رہے ہیں۔ اب ایک بات آپ سے کہوں گا اہلِ عزا! آپ خوش نصیب ہیں کہ جب چاہتے ہیں امامؑ کی مجلس کر لیتے ہیں اور سید الساجدین

علیہ السلام ـــــــ میں سمجھتا ہوں کہ وہ فقط زندانِ شام نہ تھا، عمر بھر ان کی قید خانہ میں گزری یعنی باپ کی مجلس وہ نہیں کر سکتے۔ کیا دل نہیں چاہتا؟ مگر تمنا تک بیان نہیں کرتے۔ ایک دفعہ زہری آ گئے، یہ بہت بڑے محدث ہیں۔ امام شہاب الدین زہری مگر دل کے گوشے میں اہلِ بیتؑ سے کچھ عقیدت تھی، محبت تھی، آئے امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں اور عرض کی: مولاؑ! میرے ہاں تقریب شادی ہے، دل چاہتا ہے کہ میرے گھر کو آپؑ رونق بخشئے۔ دیکھئے اس بات کا کسی سے ذکر نہیں کیا تھا۔ جب بات آ گئی، انہوں نے درخواست پیش کی تو کہا: جب سے کربلا کا واقعہ ہوا ہے، میں نے شادیوں میں شرکت چھوڑ دی ہے۔ اس کے بعد ہمت ہی نہیں ہوئی۔ اصرار کرنے پر واپس چلے گئے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ واقعی تمنا تھی، وہ جملہ امامؑ کا دل میں گھر کر گیا تھا۔

اس لئے کچھ دن کے بعد آئے، عرض کیا: مولاؑ! اس موقع پر جو آپؑ نے فرمایا، پھر میں کچھ کہہ نہیں سکا لیکن میری تمنا یہی ہے کہ آپؑ میرے گھر تشریف لائیں۔ اب میں نے امام حسین علیہ السلام کی مجلس قائم کی ہے۔ جب یہ سنا تو حضرت نے فوراً فرمایا: اب ہم آئیں گے۔ اب ضرور آئیں گے۔ ان کی پہنچ حکومتِ شام کے دربار تک بھی تھی، یہ کوئی گمنام آدمی نہیں تھے۔

لہٰذا بڑی احتیاط سے افراد منتخب کئے کہ کس کس کو مدعو کیا جائے تو خاص قابلِ اعتبار افراد ہو سکتے تھے۔ موالیانِ اہلِ بیتؑ کو جمع کیا اور اس کے بعد معین وقت پر امامؑ تشریف لائے۔ انہیں لے جا کر صدر محفل میں جو مناسب شان والی جگہ تھی، وہاں بٹھایا گیا۔ ذاکر منبر پر آ گیا اور اُس نے تذکرۂ کربلا شروع کیا۔ آپ مجلسوں میں اکثر سنتے رہے ہیں کہ سیدہؑ عالم تشریف لاتی ہیں، یہ ذکر ہو جاتا ہے، مجلس میں خاص تاثیر پیدا ہو جاتی ہے، چہ جائیکہ آنکھوں کے سامنے صاحب عزا، جسے پرسہ لینے کا ہے، وہ موجود ہو تو عالم یہ ہوا کہ کسی کو ہوش ہی نہ رہا۔ لوگ تاثراتِ غم میں اس طرح محو ہوئے، سب گریہ میں مصروف ہو گئے، مجلس ختم ہو گئی تو ذرا ہوش میں آئے، انہوں نے دیکھا کہ امام علیہ السلام اپنی جگہ پر نہیں تھے۔ گھبرا کر اُٹھے، اِدھر اُدھر دیکھا تو دیکھا کہ دروازہ کے پاس جہاں مؤمنین نعلین اُتارتے ہیں، وہاں امامؑ تشریف رکھتے ہیں، آئے قدموں پر گر پڑے، مولاؑ! میں تو وہاں بٹھایا تھا؟ آپؑ یہاں کیسے آ گئے؟

فرمایا: اے زہری! تمہاری نگاہ اُسی کو دیکھتی ہے جو بیٹھے ہوئے ہیں اور میں دیکھ رہا ہوں کہ کون کون اس مجلس میں ہے، میں نے اپنی جگہ یہی مناسب سمجھی۔

۞ ۞ ۞

**جب جنابِ علی اکبرؑ شہید ہوئے تو امام حسینؑ کی ہمتِ قربانی ختم نہیں ہوئی، اس لئے گھوارے سے ڈھونڈتے ہوئے آئے ، اصغرؑ کو اُٹھاکرکہا: ارے ظالمو! تمہارا ظلم ابھی ختم نہیں ہوا تو میرا صبر بھی ختم نہیں ہوا۔ علی اصغرؑ کی شہادت کے بعد تمہارا ظلم ختم ہوجائیگا۔**

اب مجھے معصومؑ کی زبان کا ایک جملہ یاد آرہا ہے جو سیدؑالشہداء کو مخاطب کر کے آپؑ نے کہا ہے:

"عَجَبَتْ مِنْ صَبْرِکَ مَلَائِکَۃُ الْمُقَرَّبِیْنَ".

"اے حسینؑ! آپؑ کے صبر سے ملائکہ مقربین ششدر رہ گئے"۔

یعنی اُن کے تصور سے بالاتر نمونۂ صبر اُن کے سامنے آیا۔ اب صرف حدیث، جو زیارتیں معصومینؑ نے بتائی ہیں، وہ بھی ایک قسم کی حدیث ہیں تو وہ جملہ تو بس اتنا ہی ہے مگر اب مجھے تلاش ہوئی ہے کہ وہ کربلا کے مرقع کا کونسا موقع ہوگا، وہ کونسا زاویہ ہوگا جہاں فرشتوں کو حیرت ہوئی ہوگی اور میرے سامنے کردار کے جو مرقعے آرہے ہیں تو بخدا شاعر نے تو کسی اور مرقع کیلئے کہا تھا مگر میں اسے یہاں صرف کر رہا ہوں کہ:

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است

مرقع کا ہر گوشہ مجھے ایسا ہی نظر آرہا ہے کہ بہت ممکن ہے کہ فرشتے کو یہیں حیرت ہوگئی ہو۔ ہوسکتا ہے کہ اس پر بھی حیرت ہوئی ہو، پھر حیرت میں اضافہ ہوتا چلا گیا ہو تو اب کتنے مرقع آئے سامنے، میں راستے ہی سے شروع کر رہا ہوں، ورنہ پھر مصائب کیلئے بھی کافی وقت درکار ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ وہ بھی ایک موقعہ ہے جب یتیم بھتیجا جارہا ہے، کون؟ قاسمؑ بن حسنؑ؟ مثل مشہور ہے کہ اپنے ماں باپ کو تو اپنا بد صورت بچہ بھی خوبصورت معلوم ہوتا ہے لیکن یہ قاسمؑ کیا چیز ہیں کہ جب فوجِ دشمن کی طرف جارہے ہیں، ارشاد شیخ مفیدؒ کی روایت ہے، شیخ مفیدؒ جنہیں امام علیہ السلام "اَلشَّیْخُ مُعْتَمَدِیْ" کہتے ہیں، وہ ارشاد میں لکھ رہے ہیں کہ جب فوجِ دشمن کی طرف جارہے تھے تو دشمن کی فوج کے سپاہی نے بعد میں جب روداد سنائی ہے تو اُس نے کہا:

"خَرَجَ غُلَامٌ کَانَ وَجْھُہٗ کَالْقَمَرِ".

"ارے ایک بچہ ایسا نکلا جیسے چاند کا ٹکڑا ہو"۔

وہ چچا کی نگاہ میں کیا تھا؟ وہ پھوپھی کی نظر میں کیا تھا؟ وہ بیوہ ماں کی نظر میں کیا تھا؟ تو یہیں سے ممکن ہے مَلَک کی حیرت شروع ہوئی ہو۔ اس کے بعد جب ایسا بھائی جدا ہوا کہ حسینؑ نے کمر تھام لی اور ہر ایک کی ایک انفرادیت ہے، کیا کہوں، کب کمر تھامی؟ جب عباسؑ کی آواز آئی: مولاؑ! خبر لیجئے۔ مجھے معلوم ہے جب آخر وقت ہوا تو ہر ایک نے صدا دی، جب گھوڑے سے گرنے لگا، آواز دی۔ الفاظ بدلتے گئے، اصحاب نے سب نے کہا:

"یَامَوْلَاہُ اَدْرِکْنِیْ".

"اے مولاؑ! میری خبر لیجئے"۔

عزیزوں کی باری آئی، جس کا جو رشتہ تھا، بھانجوں نے کہا: ماموں! خبر لیجئے۔ بھتیجے نے کہا: چچا! خبر لیجئے۔ اب ممکن ہے کہ کسی کے ذہن میں ہو یا سنا بھی ہو کسی سے کہ عباسؑ نے بھائی کہا۔ ارباب عزا! میں تو واقعہ یہ دیکھ رہا ہوں کہ عباسؑ نے پکارا ہی نہیں۔ میرے کہنے سے نہ مانئے، غور کر لیجئے۔ ارے کیا انہوں نے پکارا؟ پکارتے کیونکر، مشک کا دستہ تو دانتوں میں تھا۔ مولاؑ تو جیسے منتظر رہے کہ عباسؑ کی صدا آئے مگر عباسؑ کی صدا ہی نہیں آئی۔ بس علَم گرا اور حسینؑ نے کمر تھام لی:

"اَلْاٰنَ اِنْکَسَرَ ظَھْرِیْ".

"اب میری کمر شکستہ ہوگئی"۔

مگر یاد رکھئے کمر شکستہ ہوئی ہے، ہمت شکستہ نہیں ہوئی۔ یہی منزل ہے جہاں مَلَک کو ششدر ہو جانا چاہئے۔ اس منزل پر بھی اور اہلِ عزا! اب وہ منزل آئی جب شبابِ محمدی جدا ہو رہا ہے اور اس مجاہد کی بھی خصوصیت ہے، جو کوئی میدان میں گیا ہے۔

مولاؑ نے کہا ہے، ہاں! اجازت ہے۔ علی اکبرؑ نے اجازت طلب کی تو امامؑ سہی مگر باپ بھی تو ہیں۔ مجھے تو یہی الفاظ ملتے ہیں دنیائے فطرتِ انسان میں کہ جس نے کہا: اجازت دیجئے، کہا: اجازت ہے۔ علی اکبرؑ نے کہا کہ مجھے اجازت دیجئے۔ اب مولاؑ سے جیسے یہ نہیں کہا جاتا کہ اجازت ہے، کہتے نہیں اجازت ہے، ہاتھ اُٹھا دیتے ہیں بارگاہِ الٰہی میں:

"اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ عَلٰی ھٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ فَقَدْ بَرَزَ اِلَیْھِمْ غُلَامٌ".

"پروردگارا! تو گواہ رہنا کہ اب وہ جا رہا ہے"، (علی اکبرؑ سمجھ گئے کہ اجازت ہے) وہ جا رہا ہے جو صورت، سیرت اور رفتار و گفتار میں تیرے رسولؐ سے مشابہ ہے"۔

اور اس کے بعد علی اکبرؑ کی یہ خصوصیت ہے کہ جو گیا، بس اُسے رخصت کر دیا لیکن علی اکبرؑ کو رخصت تو کر دیا مگر مولاؑ اپنی جگہ کھڑے نہیں رہ سکے۔ دُور تک علی اکبرؑ کے گھوڑے کے پیچھے پیچھے چلے گئے۔ اب مناجاتِ حسینی کی روشنی میں مجھے اس فیصلہ کا حق نہیں ہے کہ یہ علی اکبر کی محبت تھی یا شبیہِ رسولؐ کی عزت تھی۔ جب اس کی آواز آئی مگر کیا آواز آئی؟ یہ اُن کی انفرادیت ہے، وہ عباسؑ کی انفرادیت ہے کہ جو کہتا تھا، یہ کہتا تھا کہ مولاؑ! میری خبر لیجئے۔ مگر انہوںؑ نے یہ نہیں کہا، ارے کیوں نہیں کہا؟ ایک تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے، تصور ہوگا کہ جو پکارتا تھا، بابا

آتے تھے تو کم از کم میں ساتھ ہوتا تھا۔اب میں پکاروں گا تو کون ہے جو ساتھ آئے اور ایک دوسرا پہلو جو میرے ذہن میں ہے، اس کیلئے ماشاءاللہ جو جوان ہوں، انہی کو مخاطب کر رہا ہوں کہ شاید ننگ شجاعت محسوس ہوتا تھا کہ جوان بیٹا بوڑھے باپ کو مدد کیلئے پکارے؟

انہوں نے یہ نہیں کہا کہ بابا! خبر لیجئے بلکہ کیا کہا؟

"یَااَبَتَاهُ عَلَیْکَ مِنِّی السَّلَامُ".

یعنی "بابا! زحمت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، میرا اسلام قبول کر لیجئے"۔

بس اب ملک کی حیرت انتہا کو پہنچ جائے گی کہ ارے ایسا بیٹا جدا ہو گیا مگر حسینؑ کی ہمت قربانی ختم نہیں ہوئی۔اس لئے گہوارے سے ڈھونڈتے ہوئے ایک اور نشانہ لے آئے کہ تمہارا ظلم ابھی ختم نہیں ہوا تو میرا صبر بھی ابھی ختم نہیں ہوا۔

۞ ۞ ۞

**وہ بیٹیؑ جو باپؑ کے سینے پر سونے کی عادی تھی،اُس کا جی چاہ رہا تھا کہ باپؑ کے سینے پر سوئے مگر شبِ عاشور حسینؑ بے حد مصروف ہیں۔ایک وقت ایسا بھی آیا جب حسینؑ نے فرمایا: آؤ سکینہؑ! بابا کے سینہ پر سولو، پھر تم نے مٹی پر سونا ہے۔**

حضرت امام حسین علیہ السلام نے کربلا میں یہ مثال قائم کی کہ جتنا وقت سخت ہو، اُتنا عبادتِ الٰہی میں اضافہ کردو، کمی نہ ہونے پائے۔ یوں تو آلِ رسولؐ تھے، ہر ایک ان میں نمازِ تہجد کا پابند تھا مگر خود پیغمبرؐ خدا کو خالق کی ہدایت یہ ہے کہ پوری رات جاگنے کی ضرورت نہیں:

''قُمِ اللَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلاً''۔

''نصف شب یا کم وبیش عبادت کیجئے''۔

باقی آرام کیجئے، عموماً آلِ رسول کا بھی یہی عمل تھا لیکن جو زندگی کی آخری رات ہے اور ابھی اور قدر اس رات بتاؤں کہ وہ رات جو مانگ کر حاصل کی گئی ہے، پہلے ہی امامؑ نے اس رات کے مانگنے کا مقصد بتا دیا۔ جب حضرت عباس علیہ السلام سے کہا کہ جاؤ ان سے ایک رات کی مہلت لو، طبری کے صفحات پر بھی یہی الفاظ ہیں:

''اَللّٰهُ يَعْلَمُ اِنِّىْ اُحِبَّ الصَّلٰوةَ وَذِكْراً لَهٗ''۔

''خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کی نماز اور عبادت میں کتنی محبت رکھتا ہوں''۔

یاد رکھئے کہ فطرتِ محبت ہے کہ اپنا محبوب جس شے سے محبت رکھتا ہو، اس سے اس کو بھی محبت ہو، یہ تو نئی محبت ہماری ہوگی اور ہم حسینؑ سے محبت کا دعویٰ کریں اور نماز سے ہم کو محبت نہ ہو، نماز سے فرار ہو۔ اس کے معنی ہیں کہ محبت کا بھی دعویٰ ہمارا غلط ہے۔ فرماتے ہیں کہ دیکھو! اللہ گواہ ہے کہ اس کی نماز اور اس کی عبادت کو میں کتنا دوست رکھتا ہوں۔

اس کے بعد پوری رات یونہی گزری اور یہ خصوصیت ہے اور میرا مستقل موضوع ہے، واقعہ کربلا کی خصوصیت ہے کہ جو چیز کبھی جزوِ تاریخ نہیں بنتی، اس نے اسے جزوِ تاریخ بنا دیا۔

میں کہتا ہوں کہ ایک دن کم 57 برس کی عمر میں امام حسین علیہ السلام نے کتنی نمازیں پڑھی ہیں مگر کوئی نماز جزوِ تاریخ نہیں بنی مگر کربلا کی نمازیں جزوِ تاریخ ہیں یعنی حسینؑ نے کربلا کو شریعتِ اسلام کی یادگار بنا دیا کہ جب تک میرا معرکہ یاد ہے، تب تک خدا کی عبادتیں بھی

یادرہیں گی۔ اب نہ ہمارے ذہن کا تضاد ہوگا کہ ہم معرکہ کربلا کو یاد رکھیں اور وہ سجدے ہمیں یاد نہ رہیں، وہ نمازیں ہمیں یاد نہ رہیں، وہ عبادتیں ہمیں یاد نہ رہیں تو یہ کچھ عجیب ذہنی تضاد ہوگا۔

اربابِ عزا! یہ پوری رات کس طرح گزاری جا رہی ہے؟ تاریخ کا جزو، کبھی تاریخ نے یہ صدائیں کیوں نہ سنیں، کبھی تاریخ نے یہ منظر کیوں نہ دیکھے اور محسوس نہ کیے؟ یہ کربلا کا صدقہ ہے جو یہ تمام مناظر جزوِ تاریخ بن رہے ہیں۔ طبری کا مؤرخ لکھتا ہے:

"بَا تُوَابِيْنَ رَاكِعٍ وَقَائِمٍ وَسَاجِدٍ".

"پوری جماعت نے پوری رات گزاری کہ کوئی رکوع میں ہے، کوئی قیام میں ہے، کوئی سجدے میں ہے"۔

اس رات کے سناٹے میں ان کی تسبیح وتہلیل ومناجات کی آوازیں گونج رہی ہیں۔

کبھی تاریخ نے نہ یہ آوازیں سنیں، نہ تاریخ نے یہ سجدے دیکھے، نہ یہ رکوع دیکھے، رکوع کرنے والے بھی یہی تھے، سجدے کرنے والے بھی یہی تھے، کوئی بھی اُن کا رکوع وسجود جزوِ تاریخ نہیں بنا مگر آج کا سجدہ بھی، آج کا رکوع بھی جزوِ تاریخ بن گیا۔ پوری رات یوں گزاری جاری ہے، ذرا دلوں کے تقاضے دیکھ لیجئے، سب کو معلوم ہے کہ کل روزِ قربانی ہے تو بہنوں کی تمنا ہوگی کہ بھائی آج زیادہ سے زیادہ وقت ہمارے پاس گزاریں، مائیں جن کے بچے کل تہہ تیغ ہو جائیں گے، ان کی آرزو ہوگی کہ ہمارے بیٹے آج رات بھر ہماری آنکھوں کے سامنے رہیں، وہ خواتین جو کل بیوہ ہو جائیں گی، ان کی تمنا ہوگی کہ آج وارث ہمارے پاس بیٹھ کر بعد کیلئے ہمیں کچھ ہدایات کر جائیں اور اہلِ دل! وہ بچی جو باپ کے سینے پر سونے کی عادی ہوگی، اس کا دل چاہ رہا ہوگا کہ آج پوری رات باپ کے سینے پر گزار دے مگر ان تمناؤں کے بالکل برخلاف یہاں پوری جماعت یوں گزار رہی ہے کہ رکوع وسجود میں مصروف ہے، نمازوں میں مصروف ہے۔

مجھے معلوم ہے کہ ایک روایت آپ سنتے رہے ہوں گے، یہ نہیں ہے کہ بے بنیاد ہے، بعض کتابوں میں بھی ہے لیکن میرے دل نے کبھی قبول نہیں کی ہے اور اس کیلئے قرائن بھی ابھی پیش کردوں گا۔ میرا دل تو یہ کہتا ہے کہ لیلیٰ رات بھر انتظار میں رہیں کہ میرا علی اکبرؑ آجائے تو میں جی بھر کر صورت دیکھ لوں مگر وہاں پوری جماعت اس طرح رکوع وسجود میں مصروف ہے تو ممکن تھا کہ علی اکبرؑ تو سیرت میں بھی نبی کی تصویر ہیں، یہ کب ممکن تھا کہ وہ سب مصروفِ عبادت ہوں اور یہ مصروفِ خواب ہوں؟ ہرگز میرا دل قبول نہیں کرتا اور اب اس کا قرینہ میرے پاس موجود ہے کہ جو رات بھر عبادت میں مصروف رہے ہوں، وہ نماز کو بالکل اوّل وقت میں پڑھیں گے یعنی تہیہ نماز کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ کچھ وقت وضو میں صرف ہوتا ہے، اسبابِ نماز میں نہیں نہیں فوراً نماز پڑھیں گے۔

اور آج کی صبح کی نماز میں مولاؑ نے خصوصیت کیا برتی کہ روز کے مؤذن حجاج بن مسروق جعفی، اور آپ آج کی نمازِ صبح کے وقت فرماتے ہیں: بیٹا علی اکبرؑ! آج کی اذان تم دو۔ دیکھا آپ نے، بیٹا باپ کے پاس موجود ہے، فرماتے ہیں، آج صبح کی اذان تم دے دو۔ اس میں نفسیاتی احترام ہوسکتا ہے۔

خدا کی قسم! اسلام دینِ فطرت ہے، یہ اولاد کی محبت کو دل سے نکالنے کیلئے نہیں آیا، یہ بھائیوں کے دل سے بھائیوں کی محبت نکالنے

کیلئے نہیں آیا ہے، حسینؑ کو خبر ہے کہ لیلیٰ کے دل کی تمنائیں کیا ہوں گی؟ رات بھر صورت نہیں دیکھی تو اس وقت آواز ہی اپنے جوان کی سن لیں۔ (ماشاء اللہ اجر کم علی اللہ)

میں کہتا ہوں کہ ایک مصلحت ہے امامؑ کی، اور وہ کیا ہے کہ امامؑ جانتے ہیں کہ میرا علی اکبرؑ بھولنے کی ہستی نہیں ہے، دنیا علی اکبرؑ کو یاد رکھے گی۔ امامؑ عالمِ نفسیات بھی ہیں۔ جانتے ہیں کہ تمام نمازوں سے زیادہ امتحانی نماز صبح کی ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ جو نمازوں کے عادی بھی ہیں، وہ اکثر صبح کی نماز، نمازِ ظہر کے ساتھ قضا پڑھتے ہیں۔ تو جنابِ والا! حسینؑ نے صبح کی نماز کی اذان دلوائی علی اکبرؑ سے اور دنیا میں جوانی کی نیند مشہور ہے۔ مولاؑ کا مقصد یہ ہے کہ اگر کسی نوجوان کی بستر پر آنکھ اس وقت کھل جائے اور اُسے تصور یہ ہو جائے کہ آواز پر کون کون آتا ہے؟ ہاں جناب! یہ صبح کی نماز ہے جس کی تعقیبات میں کربلا کا جہاد ہے۔

ادھر صفِ نماز منتشر ہوئی، اُدھر صفِ جہاد مرتب ہو گئی اور اب راہِ خدا میں جدال و قتال ہے۔ راہِ خدا میں قربانیاں پیش ہو رہی ہیں اور اس عالم میں ظہر کی نماز کا وقت آتا ہے اور ظہر کی نماز کے وقت ابوثمامہ ساعدی حاضر ہوتے ہیں۔ کوئی عزیز نہیں آیا، ایک صحابی ہیں، محبت اہلِ بیتؑ کے ایک دعویدار ہیں، وہ آئے ہیں۔ یہ کیا ہے؟ یہ یہ ہے کہ جہاد ہو رہا ہے اور نگاہ آفتاب پر ہے، کوشش یہ ہے کہ مولاؑ حکم نہ دینے پائیں کہ ہم اپنے ذوقِ عبادت کا نذرانہ پیش کر دیں۔ عرض کرتے ہیں کہ مولاؑ! دشمن بہت قریب آ گئے ہیں اور تمنا یہ ہے کہ یہ نماز آپؑ کے ساتھ باجماعت ادا ہو جائے۔ امام علیہ السلام فرماتے ہیں:

"ذَكَرْتَ الصَّلٰوةَ جَعَلَكَ اللّٰهُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ".

"تم نے اس وقت نماز کو یاد کیا، اللہ تمہارا شمار نمازیوں میں کرے"۔

یہ اوّلِ وقت نماز ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ اس سے پہلے تو آیا ہی نہیں تھا وقت، ادھر وقت آیا اور اُدھر انہوں نے درخواست پیش کر دی۔ مولاؑ نے فرمایا کہ یہ اوّل وقت نماز ہے، مولاؑ دعائیں دے رہے ہیں، تم نے نماز کو خود یاد کیا، اللہ تمہارا شمار نمازیوں میں کرے۔

❁ ❁ ❁

**علی اصغرؑ جزو ھے بولتے ھوئے قرآن کا باوجود بے زبانی کے وہ قرآنی فریضہ ادا کیاکہ دنیاحیران ھوکررہ گئی۔ ادھرتیر آتا ھے،اُدھروہ مسکراکر کھتے ھیں:اے یزید! تُوھار گیا ھے اور میرے بابا قیامت تک کے لئے فتحیاب ھوگئے ھیں۔**

جب جوان بیٹا جانے لگا، ہاتھ اُٹھا دیئے بارگاہِ الٰہی میں ___ عرض کیا: پروردگار! گواہ رہنا کہ جو صورت وسیرت اور رفتار وگفتار میں تیرے رسولؐ سے مشابہ ہے، خداوندا! جب ہم تیرے رسولؐ کی زیارت کے مشتاق ہوتے تھے تو اپنے اس جوان کو دیکھ لیتے تھے۔ یہ اصول بھی ہمیں ہمارے مولاؑ نے سکھایا ہے کہ کسی زیارت کے مشتاق ہو اور وہاں نہ پہنچ سکو تو شبیہ کو دیکھ کر دل کی تسلی کرلو۔ حسینؑ کو اللہ نے ایک جیتی جاگتی رسولِؐ خدا کی شبیہ عطا کی تھی۔ جملہ دیکھئے، ایک دفعہ کی بات نہیں: ''کُنَّا اِذَا''، ماضی استمراری، ''کُنَّا اِذَا شْتَقْنَا''، ''ہم جب تیرے رسولؐ کی زیارت کے مشتاق ہوتے تھے''، اب اس سے علی اکبرؑ کی جلالتِ قدر دیکھئے کہ علی اکبرؑ کی ولادت کے وقت مولاؑ نے جب دیکھا، رسولِؐ خدا کی زیارت کی نیت سے دیکھا۔ اسی لئے اب علی اکبرؑ کی یہ خصوصیت ہوگئی کہ جب علی اکبرؑ چلے تو مولاؑ اپنی جگہ پر کھڑے نہ ہو سکے۔

کسی کو یہ سمجھنے کا حق نہیں کہ یہ صرف بیٹے کی محبت تھی، نہیں یہ شبیہِ رسولؐ کا احترام تھا اور یہ جو پکار کر کہہ رہے ہیں کہ جہاں تک سامنا رہے، اُس وقت تک مڑ مڑ کر میری طرف دیکھتے جاؤ، یہ کیا ہے؟ جانتے ہیں کہ یہ تصویر اب کہاں ملے گی، لہٰذا جتنا زیادہ ممکن ہو، اُتنا رسولِؐ خدا کی زیارت کرلوں۔ بس اربابِ عزا! اب دوسرا شعبہ ''عَمِلُوا الصَّالِحَات'' اس ایک لفظ کی دنیا اتنی وسیع ہے کہ عملِ صالح میں حقوق اللہ بھی ہیں، حقوق الناس بھی ہیں، حقوق الناس میں زندوں کے بھی حق ہیں، مُردوں کے بھی حق ہیں، دوستوں کے بھی حق ہیں، دشمنوں کے بھی حق ہیں، یعنی حقوقِ ایمانی بھی ہیں اور حقوقِ انسانی بھی، ہر طرح کے حق ہیں۔ کارنامہ کربلا ہے اور مولاؑ کا کارنامہ ہے کہ فقط مرقع مصیبت ہی نہیں ہے جو ہمیں صرف اشک افشانی ہی کی دعوت دے سکے بلکہ یہ شریعتِ اسلام کا پورا مدرسہ ہے۔ ایسے سخت ماحول میں حسینؑ نے جتنی تعلیمات دینا ہیں، ان میں سے کسی کو تشنہ تکمیل نہیں چھوڑا۔ ہر ایک کی کوئی مثال پیش کی۔ اب ''عَمِلُوا الصَّالِحَات'' کی دنیا کتنی وسیع ___ تو حقوق اللہ کے بارے میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ نماز جیسی کربلا میں پڑھی گئی، ویسی نماز تاریخ عالم میں کبھی نہیں پڑھی گئی۔ اس کے بعد حقوق الناس، کسی نے پکارا اور مولاؑ اُس کی لاش پر نہیں گئے ہیں؟ حالانکہ مقتل سے خیمہ گاہ کتنی دُور ہے، مجاہد ہوتا تھا وہاں اور مولاؑ ہوتے تھے یہاں خیمہ گاہ جہاں ہے، وہاں سے وہ پکارتا تھا اور امام علیہ السلام یہاں سے اُس کی لاش پر جاتے تھے۔ یہ کب ہو رہا تھا؟ تین دن کی بھوک پیاس میں، عرب کی دھوپ میں، عراق کی گرمی میں۔ ہر شخص اندازہ کرسکتا ہے کہ ہوسکتا تھا کہ کسی کی آواز پر عباسؑ سے کہیں کہ تم چلے جاؤ، کسی کی آواز

پر علی اکبرؑ سے کہیں کہ تم چلے جاوَ۔ خدا کی قسم! غلاموں کی صدا پر عباسؑ چلے جاتے تو بھی اسے فخر ہو جاتا، علی اکبرؑ چلے جاتے تو بھی اسے فخر ہو جاتا مگر مولاؑ سے کیونکر ممکن تھا کہ حبیب کی لاش پر خود جائیں اور جَون غلام ابی ذر کی لاش پر کسی اور کو بھیج دیں، نہیں، جو بچپن کے دوست کی لاش پر گیا ہے، وہی غلام ترکی کی لاش پر جائے گا، وہی غلامِ ابوذر کی لاش پر بھی جائے گا۔

اور جو علی اکبرؑ کی لاش پر گیا ہے، وہی حُر کے لاشے پر بھی جائے گا۔ اب کتنی پیاس مولاؑ کی بڑھ گئی؟ کتنی مشقت بڑھ گئی؟ مگر حقوق الناس میں یہ تفریق نہیں کر سکتی۔ اس کے بعد بڑے سخت سے سخت مقام پر حقوق الناس کی مثالیں پیش کی ہیں۔ ہمارے ہاں تو اسلام کے معاملہ میں چھوٹے اور بڑی کی تفریق ہے کہ چھوٹا بڑے کو سلام کرے، بڑا مستثنیٰ ہے۔ خیمے میں کون تھا جو مولاؑ سے چھوٹا نہ ہو مگر جب رخصتِ آخر کیلئے، کیا رخصتِ آخر نزاکتِ وقت کو اتنا بتا سکتی ہے، میں کہتا ہوں کہ جب ابھی ایک چھوٹی سی قبر بنا کر آ رہے ہیں اور اس عالم میں حقوق الناس کا یہ خیال کہ درِ خیمہ پر کھڑے ہو کر صدا دے رہے ہیں:

"اَلسَّلَامُ عَلَیْکِ یَازَیْنَبُ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکِ یَاُمِّ کُلثُوم".

یہ تو بہنوں کو سلام ہو گیا اور:

"اَلسَّلَامُ عَلَیْکِ یَاسَکِیْنَۃُ".

یہ بیٹی کو سلام ہو گیا۔

"اَلسَّلَامُ عَلَیْکِ یَالَیْلٰی، اَلسَّلَامُ عَلَیْکِ یَا رُبَابُ".

یہ بیویوں کو سلام ہو گیا۔

"اَلسَّلَامُ عَلَی اللَّوا تِیْ قُتِلَ اَزْوَجُھُنَّ وَاَوْلَادُھُنَّ فِیْ نُصْرَتِیْ".

"سلام ہو اُن خواتین پر جن کا شوہر اور جن کے عزیز میری نصرت میں جان نثار کر گئے"۔

لیجئے! اُمِ وہب کو سلام ہو گیا اور زوجہ مسلم ابن عوسجہ کو سلام ہو گیا۔ اب کیا فرماتے ہیں:

"اَلسَّلَامُ عَلَیْکِ یَافِضَّۃُ".

"ارے فضہ! تمہیں بھی میرا سلام ہو"۔

یہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی کنیز ہے، فضہ کو سلام ہو گیا۔ یہ ہیں حقوق الناس، مگر بڑا سخت موقع ہے جو عرض کر رہا ہوں، مجھے اسی پر مجلس ختم کر دینی چاہئے مگر ابھی تھوڑا آگے بڑھنا ہے کہ مولاؑ کے دل پر داغ تھا کہ اسلام اور مسلمانوں میں دفن کرنا سب سے اہم بات ہے مگر میں اپنے ساتھیوں کے لاشے دفن نہیں کر سکا۔ ہاں! احترامِ میت جتنا ممکن تھا، جہاں تک ممکن ہوا، کسی لاش کو میدان میں نہیں رہنے دیا۔ یہاں پر ذرا سی تفریق ہے، جب تک اصحاب رہے، لاشے اُٹھوائے اور جب دل کے ٹکڑوں کی باری آئی تو خود اُٹھائے، خود لاشے اُٹھائے، کسی کو نہ رہنے دیا۔

سوائے اس کے جس کی لاش نہ اُٹھ سکتی ہو ورنہ بھلا مولاؑ جو غلامِ ابوذر کی لاش کو اُٹھوائیں، وہ عباسؑ کے لاشے کو رہنے دیں؟ (ماشاءاللہ اجرکم علی اللہ) مجلس ہوگئی ہے، میں چاہتا ہوں کہ چند الفاظ میں سورۃ کی عملی تفسیر کو پورا کردوںؒ۔

اربابِ عزا! احترامِ میت جتنا ممکن تھا، اتنا کیا مگر مولاؑ کو یہ صدمہ رہ گیا کہ دفن نہیں کرسکا۔ مگر دنیا کو دکھادیا کہ یہ دیکھو! یہ وقت کی مجبوری ہے، مگر میں اس فرض کو بھولا نہیں ہوں، اس لئے ایک چھوٹی سی لاش کو دفن کرکے اس فریضہ اسلامی کو بھی ادا کردوں گا۔ علی اصغرؑ کی لاش کو بے دفن نہیں رہنے دوں گا۔ اب آگے بڑھتی ہے آیت کہ:

''وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ''

''ایک دوسرے کو حق کی ہدایت کرتے ہیں''۔

خدا کی قسم! مولاؑ نے جتنے خطبے پڑھے ہیں، ان میں اپنا تعارف کروایا ہے کہ میں کون ہوں؟ میں کون ہوں؟ یہ ہرگز اُمید نہیں تھی کہ وہ لوگ راہِ راست پر آجائیں گے مگر یہ ''وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ'' کو ادا کرنا تھا۔ اس کے بعد ''وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ''، مجھے اصحاب میں بھی اس کی مثال ملتی ہے۔ مسلم ابن عوسجہ گھوڑے سے گرے، حبیب ابھی زندہ ہیں۔ حبیب کو لئے ہوئے مولاؑ قریب آئے ہیں، مسلم کی حبیب ابن مظاہر سے بھی زیادہ عمر تھی، اس لئے ان کا اصحابِ رسولؐ میں بھی روایتوں میں شمار آیا ہے۔ سب سے زیادہ کبیر السن تھے، ضعف پیری بھی ہے، زخم بھی لگے ہیں، اس لئے غش میں ہیں۔ حبیب پکارتے ہیں: مسلم! مسلم آنکھ نہیں کھولتے۔ حبیب کہتے ہیں: حسینؑ سرہانے کھڑے ہیں۔ حسینؑ کا نام سننا تھا کہ مسلم ابن عوسجہ نے آنکھیں کھول دیں۔ انہوں نے کہا: مسلم! اگر اُمید ہوتی کہ تمہارے بعد زندہ رہوں گا تو کہتا کہ کچھ وصیت کرو مگر پھر بھی اگر کچھ کہنا ہے تو کہو۔ کمزور اتنے ہیں کہ آنکھ نہیں کھلتی تھی۔

مگر جیسے ہی یہ سنا تو ایک دفعہ تھرتھرائی ہوئی انگلی کو بلند کیا اور حسینؑ کی طرف اشارہ کرکے کہا:

''اُوْصِیْکَ بِھٰذَا''۔

''وصیت یہ کہ اُنؑ کا دامن نہ چھوٹنے پائے''۔

یہ کیا ہے؟ ''وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ'' پر عمل ہے اور اہلِ عزا! اب آگے بڑھوں، ایک روایت آپ نے سنی ہوگی کہ اثنائے جنگ میں علی اکبرؑ ایک مرتبہ آئے تھے اور کہا تھا کہ بابا! گرانیِ آہن نے جان لے لی اور پیاس نے مار ڈالا، اگر ایک گھونٹ پانی کا مل جائے تو پھر جنگ کرسکتا ہوں طاقت کے ساتھ۔ اور مولاؑ نے اپنی زبان اُنؑ کے دہن میں دی اور علی اکبرؑ نے گھبرا کر نکال دی اور کہا: بابا! آپؑ کی زبان تو میری زبان سے زیادہ خشک ہے۔ اس وقت مولاؑ نے بس ایک جملہ کہا تھا کہ بس جاؤ! عنقریب تمہارے دادا تمہیں ایسا جام پلائیں گے جس کے بعد کبھی پیاسے نہیں ہوگے۔ یہ تو بہت دفعہ آپ نے سنا ہوگا۔ اب علی اکبرؑ میدان میں گئے، جتنا ممکن تھا، جہاد کیا، آواز دی: بابا! میرا اسلام قبول کیجئے۔ مولاؑ کسی طرح لاش پر گئے۔ اس کو بھی ایک دن عرض کرچکا ہوں، بہر حال لاش پر پہنچے۔ ایک دفعہ کہا: یا علیؑ! آنکھیں کھولو۔ حسینؑ کی آواز سن کر علی اکبرؑ نے آنکھیں کھولیں۔ اب کیا کہا ہے؟ چونکہ ابھی مولاؑ اُن کی پیاس کی شدت کو دیکھ چکے تھے تو ایک طرف باپ کیلئے تسلی

بھی ہے، دوسری طرف ان کے ارشاد کی تصدیق بھی ہے۔ اتنا وقفہ گزرا ہے کہ بس مولاؑ پہنچے ہیں تو مولاؑ بعد میں پہنچے، علی علیہ السلام پہلے آ گئے ہیں۔ علی اکبرؑ کہتے ہیں:

''يَاابَتَاهُ هَذَا جَدِّیُ قد سقانی بِكَاسِةٍ اِلَّا وَفِیُ شَرُبَةٍ لَااَظُمَعُ بَعُدَهَا''۔

''اے بابا! یہ میرے دادا اعلیٰ سامنے ہیں، انہوں نے مجھے ایسا جام پلا دیا ہے جس کے بعد میں کبھی پیاسا نہیں ہوں گا''۔

اس کے بعد ایک جملہ اور کہتے ہیں، اس کی کیا ضرورت ہے؟ خدا کی قسم! یہ خاندانِ رسولؐ کی فرد ہیں اور شریعت کے تقاضوں کو بھی جانتے ہیں، قرآن کی ہر آیت بھی انہیں حفظ ہے۔

مگر محسوس کیجئے کہ یہ حفظِ مراتب کے خلاف ہے کہ بیٹا باپ کو وصیت کرے کہ ثابت قدم رہنا۔ مسلم ابن عوسجہ کیلئے آسان تھا حبیب سے کہہ دینا، علی اکبرؑ کیلئے تقاضائے منزل کے خلاف ہے کہ یہ باپ سے کہیں کہ ثابت قدم رہئے مگر دیکھئے، ایک ہی جملے میں فصاحت و بلاغت میں یہ علیؑ کا وارث ہے۔

یہ دو مہمیں طے کرتا ہے، ایک طرف باپ کو تسلی دی کہ مجھے ایسا جام پلا دیا، کہتے ہیں کہ دادا ایک دوسرا جام ہاتھ میں لئے ہوئے ہیں، فرما رہے ہیں: یہ میرے حسینؑ کیلئے ہے۔ ارے وہ بڑا پیاسا ہے۔ وہ بھی بہت جلد آ رہا ہے۔ یہ جام اُس کیلئے ہے۔ دیکھئے! کس ادب سے انہوں نے ''وَتَوَاصَوُابِالصَّبُرِ'' پر عمل کر دیا۔ پس اربابِ عزا! مصائب کو اتنا طول دینا مشکل تھا مگر میں مختصر مختصر منزلیں طے کر کے اس منزل تک پہنچا ہوں۔ اب آخری بات اور اسی پر مجلس ختم، یہ علی اکبرؑ تھے، صاحبِ زبان تھے، یہ زبان سے انتہائی ادب کے ساتھ الفاظ جاری کر سکتے تھے مگر اب جو بے زبان ہے، مگر وہ بھی قرآنِ ناطق کا جزو ہے۔ بولتے ہوئے قرآن کا وہ بھی جزو ہے، باوجودِ بے زبانی کے وہ قرآنی فریضہ ادا کرے گا، کیونکر؟ وہ ایسے کہ ادھر تیر آتا ہے، وہ مسکرا دیتا ہے۔ یہ اپنے انداز میں ''وَتَوَاصَوُابِالصَّبُرِ'' ہے۔

۞ ۞ ۞

# شہادتوں سے حسینؑ کی کمر ٹوٹی ہے مگر ہمت نہیں ٹوٹی۔امامِ مظلومؑ نے صبر کرکے ثابت کر دیا کہ دنیا میں بے شمار انسان پیدا ہوسکتے ہیں لیکن حسینؑ کوئی نہیں ہوسکتا۔

امام حسین علیہ السلام کے سامنے ایک ترازو نصب تھی، ایک میزان نصب تھی جس کے ایک پلڑے میں حق تھا، جو بدلنے والی چیز نہ تھی، دوسرے پلڑے میں قربانیاں آرہی تھیں اور مولاؑ اپنے عمل سے ثابت کررہے تھے کہ حق کا وزن میرے نزدیک زیادہ ہے۔ یہ قربانی بھی مجھے گوارہ ہے۔ دوپر اور اس کے بعد تک ایک پلڑے میں کبھی حبیب ابن مظاہر کی رفاقت آئی، کبھی مسلم ابن عوسجہ کی وفاداری آئی۔ فیصلے ہوتے رہے، پھر جب دل کے ٹکڑوں کی باری آئی تو ایک پلڑے میں وہی حقِ اسلام اور دین اور دوسرے پلڑے میں یتیم بھتیجا اور وہ کون؟ قاسمؑ ابن حسنؑ! کیسا بھتیجا؟ جس کیلئے ارشادِ شیخ مفیدؒ کی روایت ہے کہ جب میدانِ جنگ میں گئے تو فوجِ دشمن کے ایک سپاہی نے کہا:

"خَرَجَ غَلَامٌ كَانَ وَجْهُهُ فَلْقَةُ الْقَمَرِ".

"ایک بچہ ایسا نکلا جیسے چاند کا ٹکڑا ہوتا ہے"۔

اب جو دشمن کی نگاہ میں چاند کا ٹکڑا ہو، وہ چچا کی نگاہ میں کیا ہوگا؟ وہ پھوپھی کی نگاہ میں کیا ہوگا؟ وہ بیوہ ماں کی نگاہ میں کیا ہوگا؟ مگر امام علیہ السلام نے دکھلا دیا کہ دیکھو! یہ قربانی بھی مجھے گوارا ہے مگر وقارِ حق پر حرف نہ آئے۔ حق کو صدمہ نہ پہنچے۔ اب ایک منزل آئی کہ ایک پلڑے میں وہی اسلام، دین حق اور دوسرے پلڑے میں وفائے عباسؑ اور مولاؑ نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ دیکھو یہ قربانی بھی مجھے گوارا ہے۔ عباسؑ کی شہادت بھی گوارہ ہے۔ ہاں ہاں، کمر ضرور ٹوٹ جائے گی، مگر ہمت نہیں ٹوٹے گی۔ کمر شکستہ ہو جائے گی مگر ہمت شکستہ نہیں ہوگی۔

اور اب اہلِ عزا! ایک پلڑے میں وقارِ اسلام اور دوسرے پلڑے میں شبابِ محمدی۔ رسولؐ اللہ کی ہو بہو جوانی، حسینؑ نے یہ تعارف کروایا تھا: پروردگار! اب وہ جارہا ہے جو صورت اور سیرت، رفتار اور گفتار میں تیرے رسولؐ سے مشابہ ہے مگر حسینؑ نے اپنے عمل سے دکھا دیا کہ یہ قربانی بھی گواہ ہے، پھر ثابت کر دیا کہ میری ہمت شکستہ نہیں ہوئی۔ دیکھو! اب دشمن کے علم میں میرے پاس قربانی نہیں ہے۔ صفیں تو سب خالی ہوچکیں، اب اسے کوئی نظر نہیں آتا جسے میں بھیج دوں۔ مگر دیکھو! میری ہمت ابھی ہے قربانی کی کہ میں ڈھونڈ کر قربانی لاؤں گا، چاہے وہ گہوارہ کی آغوش سے ہو، چاہے پھوپھی کی آغوش میں ہو، چاہے وہ ماں کی گود میں ہو مگر میں قربانی پیش کر دوں گا۔

اربابِ عزا! یہ دیکھ لیجئے کہ امام حسین علیہ السلام کی ہمت کا کیا ذکر، اُنؑ کے ہاتھوں میں رعشہ بھی نہیں ہے، یوں بعض وقت کہہ دیا

جاتا ہے کہ مولاؑ نے بچے کو کانپتے ہاتھوں پر بلند کیا مگر میں یہ کہتا ہوں کہ بر بنائے واقعہ دیکھئے، کیا مولاؑ کے ہاتھ کانپ رہے تھے؟ یاد رکھئے! نشانہ جتنا مختصر ہو، اُتنا ہی تیر کا خطا کرنا آسان ہوتا ہے۔ اگر قدم پیچھے ہٹتا تو تیر خطا کرتا، اگر ہاتھ کو جنبش ہوتی تو تیر خطا کرتا مگر نہ قدم پیچھے ہٹا، نہ ہاتھ کو جنبش ہوئی، تیر ٹھیک نشانے پر پڑا:

”فَانْقَلَبَ الصَّبِیُّ عَلٰی اَیْدِی الْاِمَام“.

”بچہ امام علیہ السلام کے ہاتھوں پر منقلب ہوگیا“۔

❁ ❁ ❁

# سلام ھو جنابِ اُمِ لیلیٰؑ کی عظمت پر،اکبرؑ کی شھادت پر بھی قدم باھر نھیں نکالا کہ میرے مولا کی شریعت میں پردہ بھت ضروری ھے۔

مشہور روایت کے مطابق حضرت علی اکبر علیہ السلام کا سن مبارک اٹھارہ برس تھا اور بعض علماء کے نزدیک پچیس (۲۵) برس اور حضرت عباس علمدار علیہ السلام کی عمر بتیس (۳۲) برس یعنی تقریباً دونوں برابر کے جوان تھے۔ میں نے کسی کتاب میں تو نہیں، عراق کے منبروں پر سنا ہے، اُنہوں نے کہیں دیکھا ہوگا کہ یہ عباسؑ و علی اکبرؑ دونوں جوان اور نوجوان کیسے تھے کہ جب مدینہ کے بازار میں نکلتے تھے تو جب تک سامنے رہتے تھے، خرید و فروخت موقوف رہتی تھی، کاروبار سب بند ہو جاتا تھا۔ لوگ دونوں جوانوں کو دیکھنے میں مصروف رہتے تھے۔ چچا بھتیجے ایسے برابر کے جوان تھے۔ اب حسین علیہ السلام کے دل کی خبر لیجئے کہ عباسؑ جا چکے اور علی اکبرؑ سامنے کھڑے ہیں (ماشاءاللہ اجرکم علی اللہ)۔ آپ مثاب ہو گئے، عموماً عشرۂ محرم کے بعد وہ اثر نہیں رہتا جو عشرۂ محرم کی مجالس میں رہتا ہے مگر بحمد للہ! آپ ہر مجلس میں یہ ثبوت دیتے ہیں کہ آپ کیلئے وقت کی کوئی خصوصیت نہیں ہے، ہر وقت آپ ویسا ہی اثر لے سکتے ہیں۔

ایک پہلو عرض کروں کہ خود کسی مصیبت کا ضبط کرنا اور اُٹھا لینا آسان ہوتا ہے لیکن کسی تڑپتی ہوئی ماں کا دیکھنا، کسی بلکتی ہوئی بچی کو دیکھنا، کسی روتی ہوئی بہن کو دیکھنا، یہ وہ ہے کہ جب صبر و ضبط کا بند ٹوٹ جاتا ہے۔ ہم نے ایسے متحمل دیکھے ہیں کہ جنازہ لے گئے ہیں، قبرستان میں نہیں روئے، دفن کر کے آئے، نہیں روئے مگر جب گھر پر آ کر کسی بچی کو تڑپتا ہوا دیکھا، کسی ماں کو روتا ہوا دیکھ لیا تو اب گریہ طاری ہوگا۔ اب ذرا غور کیجئے کہ جنابِ ابراہیمؑ بڑے صاحبِ عزم، مگر جب جانے لگے تو ماں کو نہیں بتایا کہ بچے کو کہاں لئے جا رہا ہوں۔ جنابِ ہاجرہ نے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو تو بالکل صحیح کہا کہ ایک دوست کے بلانے پر جا رہا ہوں۔ خلیل اللہ تھے، انؑ کو یہ کہنے کا حق تھا کہ دوست کی فرمائش پر جا رہا ہوں۔ اس کے بعد چھری اور رسی مانگی تو اب پریشان ہوئیں۔ جنابِ ہاجرہ نے کہا: یہ چھری اور رسی کیا کیجئے گا؟ کہا: دوست کے ہاں جا رہا ہوں، ممکن ہے کہ قربانی کی ضرورت پڑے۔ پھر ہاجرہ خاموش ہو گئیں۔ اس کے بعد وہاں گئے، فدیہ آ گیا۔ واپس آئے تو خیال کیا کہ اب بیان کر کے کیاں کروں، اب تو روزِ قربانیِ اسماعیلؑ عید بن چکا۔ اب ذکر کر کے کیاں کروں؟

چند دن کے بعد جنابِ ہاجرہ نے تبدیلی لباس کیلئے جو پیرہن جسمِ اسماعیلؑ سے جدا کیا تو گلے پر ایک لکیر نظر آئی، پوچھا: اے خلیلِ خدا! یہ لکیر کیسی ہے؟ اب جنابِ ابراہیمؑ نے خیال کیا کہ اب تو کئی دن گزر گئے، پورا واقعہ بیان کر دیا۔ صاحبِ عقل بی بی تھیں، توکل علی اللہ تھیں، کہا تو کچھ نہیں مگر نفسیاتی اثر یہ پڑا کہ اُسی دن سے بیمار ہو گئیں اور اسی بیماری میں دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ یہ تصور کہ اگر فدیہ نہ آتا تو میرا بچہ ذبح ہو گیا ہوتا۔ میں کہتا ہوں کہ خبر لیجئے لیلیٰ کے دل کی، جب علی اکبرؑ چلے تو لیلیٰ کو نہیں بتایا کہ کہاں جا رہے ہیں؟ علی اکبرؑ بھی جا رہے ہیں مگر

یہ کارنامہ ہے انؑ کا، ہوائے زمانہ کے خلاف باتیں کرتے ہیں۔

دنیا کردار کے ان پہلوؤں پر غور نہیں کرتی کہ علی اکبرؑ سے بیٹا چلا جائے، جس کے مولاؑ اپنی جگہ کھڑے نہ رہ سکیں۔ مگر لیلیٰ نے قدم خیمے سے باہر نہیں نکالا۔ بس چند جملے اور ہاں! خیمے کے اندر بھی بیٹھا نہیں گیا۔ درِ خیمہ پر کھڑی رہیں۔ درِ پردہ اس طرح کہ جیسے مولاؑ پر بھی راز ہے، وہ علمِ نبوت و امامت الگ چیز ہے، اسبابِ ظاہر سے مولاؑ نے نہیں دیکھا کہ لیلیٰ کھڑی ہوئی ہیں۔ صورتِ واقعہ سے ظاہر ہے کہ لیلیٰ پس پردہ کھڑی ہیں، امامؑ کی نگاہ سے بھی اوجھل ہیں اور اتنا ہی کارنامہ بہت ہے مگر ادھر نہیں دیکھتیں جدھر علی اکبرؑ گئے ہیں کیونکہ اُدھر نامحرموں کی فوج ہے۔ مولاؑ کے چہرہ پر نظر ہے کہ امام سہی مگر باپ کا دل ہے، میرے بیٹے کو کوئی گزند پہنچے گا تو امامؑ کا چہرہ ضرور متغیر ہوگا۔

ہاں اربابِ عزا! ایک دفعہ امامؑ کا چہرہ متغیر ہوا اور لیلیٰ نے تڑپ کر پوچھا: کیوں مولاؑ! میرے بچے کی تو خیر ہے؟ امامؑ نے فرمایا: ہاں! تمہارا بچہ ابھی صحیح و سالم ہے مگر ایک بڑا نامی پہلوان مقابلہ پر آ گیا ہے، وہ سیر و سیراب ہے، میرا بچہ تین دن کا بھوکا پیاسا ہے، مجھے اس کے مقابلہ میں علی اکبرؑ کیلئے خطرہ ہے۔ میں مصائب میں بھی بے سمجھے آگے نہیں بڑھتا، میں کہتا ہوں کہ جس کو مرنے کیلئے بھیجا ہے، اس کیلئے خطرہ کیسا؟ یاد رکھئے کہ آلِ محمدؐ مظلوم ہونا پسند کرتے ہیں، مغلوب ہونا پسند نہیں کرتے۔ ایک کو مل کر ہزار ماریں گے۔ وہ اور بات ہے مگر علیؑ کا پوتا کسی ایک کے ہاتھ سے دست بدست مقابلہ میں قتل ہو جائے، یہ مولاؑ کو پسند نہیں ہے۔ فرماتے ہیں: لیلیٰ یہاں کیوں کھڑی ہو؟

میں نے ناناؐ سے سنا ہے کہ ماں کی دعا بیٹے (بچوں) کے حق میں قبول ہوتی ہے، جاؤ اپنے فرزند کی فتح کیلئے دعا کرو۔ حکمِ امامؑ سے لیلیٰ خیمے کے اندر گئیں مگر یہ سوچتی ہوئی کہ اگر فقط دعا ہی کروانا ہوتی تو خود دعا کر لیتے۔ یہ مجھ سے کیوں کہا؟ محسوس کیا کہ میرا خیمے کے دروازے پر کھڑا ہونا بھی امامؑ کو پسند نہیں آیا۔ اس لئے احترامِ حکمِ امامؑ میں جا کے دعا تو کر لی، پکار کر کہا: اے زینبؑ! اے اُمِ کلثومؑ! اے ربابؑ! اے سکینہؑ! آؤ میں اپنے فرزند کی فتح کیلئے دعا کروں گی، لیجئے ہاتھ اُٹھا دیئے: پروردگار! میرے فرزند کو اس دشمن کے مقابلے میں فتح دے۔ ابھی دعا ناتمام تھی کہ علی اکبرؑ نے اپنے دشمن کو تہہ تیغ کیا۔ مگر اربابِ عزا! اب دعا کر کے پھر خیمے کے دروازہ پر نہیں آئیں، علی اکبرؑ کی لاش آ گئی مگر لیلیٰ نے قدم خیمے سے باہر نہیں نکالا۔

۞ ۞ ۞

## ہائے افسوس! جن بیبیوں کی ماں کا جنازہ رات کو اُٹھا تھا، وہ قیدی بن کر روزِ روشن میں کھلے عام پھرائی جارہی ہیں۔

اب میں اُردو میں ایک جملے میں ترجمہ کرسکتا ہوں کہ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں، یعنی اگر میں نہ ہوتا تو حسینؑ نہ ہوتا اور اگر حسینؑ نہ ہوتا تو میں نہ رہتا۔ جس وقت سے حسینؑ پیدا ہوئے، 3 رشعبان 3 ہجری سے لے کر 10 رمحرم 61 ہجری تک حسین علیہ السلام رسولؐ سے اور 10 رمحرم 61 ہجری سے لے کر قیامت تک رسولؐ حسینؑ سے۔ یہ حقیقت ہے کہ ایک انسان کی بقاء اس کے نام اور کام کی بقا سے ہے۔ 60ء ہجری میں رسولؐ کا نام خطرہ میں تھا اور کام بھی خطرہ میں تھا، تو اب جس نے اپنی قربانی دے کر رسولؐ کے نام اور کام کو باقی رکھا، وہ رسولؐ کی بقا کا سبب ہے۔ یہی تو اتنا بڑا مقصد ہے جس کیلئے اتنی قربانیاں پیش کی گئیں۔ ایک روز کہہ چکا ہوں کہ استدلال کے دو طریقے ہیں: ایک طریقہ یہ ہے کہ سبب کو دیکھو، اثر کو دیکھو۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اثر کو دیکھو، سبب کو دیکھو۔

یہ دو طریقے ہیں، یہاں بھی دونوں طریقے دیکھ سکتے ہیں۔ پہلے سمجھ لیجئے کہ مقصد کتنا عظیم تھا، اس کیلئے بڑے غور وفکر کی ضرورت ہے، بڑے مطالعہ کی ضرورت ہے۔ اور میں دوسرا طریقہ آپ کو بتاتا ہوں کہ یہ دیکھئے کہ قربانیاں کیسی پیش ہوئیں اور ان قربانیوں کو دیکھ کر فیصلہ کیجئے کہ کیا یہ قربانیاں کسی معمولی مقصد کی خاطر دی جاسکتی ہیں؟ وہ مقصد کتنا عظیم ہوگا جس کیلئے یہ قربانیاں پیش کی گئیں! علی اکبرؑ کی جوانی ایسی نہ تھی کہ کسی معمولی مقصد کی خاطر دے دی جائے۔ عباسؑ کا شباب ایسا نہ تھا کہ کسی معمولی مقصد کی خاطر دے دیا جائے۔ چھ مہینے کی جان وہ بچہ ایسا نہ تھا کہ کسی معمولی مقصد کی خاطر اس کی قربانی دے دی جائے۔

اور ار بابِ عزا! آخر میں کہوں گا کہ زینبؑ کی چادر ایسی نہ تھی کہ کسی معمولی مقصد کی خاطر دے دی جائے۔ اب میں آپ کو اس چادر کی اہمیت بتاؤں کہ مولاؑ نے ہر قربانی اپنی نگاہوں کے سامنے پیش کی۔ وہ ہر لاشہ آنکھوں سے دیکھ سکتے تھے مگر یہ چادرِ زینبؑ کی قربانی مولاؑ اپنی نگاہوں کے سامنے گوارہ نہیں کر سکتے تھے۔ اب ایک اور موقعہ عرض کروں گا بڑا دلدوز، کربلا کی ترتیب یہ تھی کہ غیر اہم اشرف پر قربان ہو رہا تھا۔ اصحاب جب تک زندہ رہے، عزیزوں کی باری نہیں، اعزہ میں جب تک ایک بھی رہا، اشرف کو کوئی گزند نہیں پہنچا۔ سب امامؑ پر قربان ہو گئے اور درمیان کی مسافت چھوڑ کر خطابت نہیں کرنا چاہتا، میں کہتا ہوں کہ اب اگر کوئی چیز ایسی ہو کہ حسینؑ جس کیلئے خود کو خطرہ میں ڈال دیں تو اس کی اہمیت محسوس کرنا پڑے گی کہ مولاؑ کی نظر میں اس کی اہمیت کیا ہے؟ اب ایک نازک مرحلہ ہے، مصائب کی منزل وہ ہے کہ راکبِ دوشِ رسولؐ اب زمین پر ہے۔

عالم یہ ہے کہ فوج میں اختلاف ہے کہ روح نے جسم سے مفارقت کی یا ابھی زندہ ہیں۔ ان میں سے ایک شقی نے یہ کہا، وہ بڑا شقی تھا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ دشمن مزاجِ حسینؑ سے واقف تھا۔ اُس نے کہا کہ میں ایک ترکیب بتاتا ہوں، گھوڑوں کی باگیں خیموں کی طرف موڑ

دو۔ اگر زندہ ہیں تو برداشت نہیں کر سکیں گے۔

ہاں اربابِ عزا! یہ ہو گیا ___ گھوڑوں کا رخ خیام کی طرف کر دیا گیا۔ مولاؑ کے کانوں میں جو آواز گھوڑوں کی ٹاپوں کی اپنے سے دور ہوتی ہوئی نظر آئی اور خیموں کے رُخ کی طرف سے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں آئیں، جو کچھ میں نے عرض کیا تھا، اُس کے پیش نظر اس جملے پر غور کیجئے، دیکھئے خطرہ مولاؑ سے دور ہو رہا ہے مگر مولاؑ نے جونہی دیکھا کہ گھوڑوں کا رُخ خیموں کی طرف ہے، کہنیوں پر زور دے کر کہا: ابھی میں زندہ ہوں، ابھی میرے خیموں سے کیا مطلب؟ ___ ماشاءاللہ، مجلس ہو گئی ہے۔

مگر مجھے یاد ہے کہ آج کی مجلس میں سید الساجدین علیہ السلام کے مصائب کا کچھ تذکرہ ہونا چاہئے۔ میں کہتا ہوں کہ اب دیکھئے کہ یہ عظیم امتحان کس نے دیا ہے؟ یہ ہمارے چوتھے امامؑ ہیں، یہ امتحان اُنؑ کیلئے مخصوص ہو گیا اور یہ عظیم امتحان کس کا تھا اور کتنا عظیم امتحان تھا کہ پھوپھی سرہانے کھڑی ہیں: بیٹا! بتاؤ، خیموں میں چاروں طرف آگ لگی ہوئی ہے، تم بتاؤ جل کر مر جائیں یا باہر نکلیں؟ میں کہتا ہوں کہ تیر و خنجر، نیزہ و تلوار جتنے حربے ہیں، وہ سب بڑے مصائب ہیں، مگر ان مصائب کی نوعیت کو دیکھئے، چند جملوں سے زیادہ عرض نہیں کروں گا۔ یہ دیکھئے کہ مولاؑ کو بحیثیت امامؑ پہلا حکم کیا دینا پڑتا ہے؟ یہ جانشین کے طور پر پہلا حکم دے رہے ہیں کہ پھوپھی! اب خیموں سے نکل جایئے۔ ہاں اربابِ عزا! اب وہ بیبیاں، جن کی والدہ کا جنازہ رات کو اُٹھا تھا، وہ روزِ روشن میں اس طرح نکلتی ہیں کہ اُن کے سر کے بال کھلے ہوئے ہیں۔

❁ ❁ ❁

# علی اصغرؑ کے بعد سکینہؑ پانی کیسے پئے گی؟دریا بھہ رہا ہوگا، پیاسے منہ پھیرے بیٹھے ہوں گے کہ اب ہمیں اس پانی کی ضرورت نہیں ہے۔

جناب شیخ جعفر شوستری اعلی اللہ مقامہ، نے خصائص حسینیہ میں لکھا ہے کہ کربلا میں اصحابِ حسینی، اعزائے حسینی جس طرح تین دن کے پیاسے تھے، اسی طرح تین دن کے بھوکے بھی تھے بلکہ ممکن ہے کہ پانی کے قبل سے غذا نہ ملی ہو۔ مگر کربلا میں سوالِ آب تو طرح طرح ہوا، پیاس کا اظہار طرح طرح، مگر بھوک کا نام ایک دفعہ بھی کسی کی زبان پر نہیں آیا۔ اب یہ میں اضافہ کر رہا ہوں کہ بعد میں زینبؑ کبریٰ نے کہا:

''قُتِلَ اَخِیْ جَایِعًا قُتِلَ اَخِیْ عَطْشَانًا''.

''میرا بھائی دنیا سے بھوکا اُٹھا، میرا بھائی دنیا سے پیاسا اُٹھا''۔

انہوں نے پیاس کے ساتھ بھوک کا بھی تذکرہ فرمایا ہے۔ مگر کربلا میں بڑوں کا کیا ذکر، کسی بچے تک نے بھوک کا نام نہیں لیا، یہ کیوں؟ انہوں نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ بات یہ ہے کہ امامؑ اور اُنؑ کے اصحاب بھی، اعزا بھی، باوجود انتہائے مصائب کے عزتِ نفس کی منزل سے نیچے نہیں اُترے۔ پانی کا مانگنا عیب نہیں ہے، خودداری کے خلاف نہیں ہے، راہ گیر پیاسا ہوتا ہے تو اجنبی سے پانی مانگ لیتا ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے مگر سوالِ غذا؟ یہ بلند نفوس کے خلاف ہے۔ لہٰذا کربلا میں پانی کا سوال طرح طرح ہوا اور ابھی عرض کروں گا کہ کس کس طرح ہوا۔ اُن کا ارشاد ____ شیخ جعفر شوستریؒ کا، یہاں تک ہے۔

بڑی بلند حقیقت تک اُن کی نظر گئی۔ مگر میرا دل اُس سے آگے بھی کچھ کہتا ہے، میرا ضمیر اس کے آگے بھی رہنمائی کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر پانی بھی ان کا جمع کردہ ذخیرہ ہوتا تو شاید امام علیہ السلام سوال نہ کرتے۔ چونکہ اللہ کی بنائی نہر سامنے تھی، یہ سوالِ آب نہ تھا، حقوقِ انسانی کیلئے احتجاج تھا۔ بے شک سوالِ آب کیا اور جو جو کیا، وہ ہم تک پہنچا۔ یہ کہا کہ تمہارے نبیؐ کا نواسہ ہوں اور پیاسا ہوں۔ یہ کہا کہ علیؑ و فاطمہؑ کا بیٹا ہوں اور پیاسا ہوں۔ یہ کہا کہ تمہارا بلایا ہوا مہمان ہوں اور پیاسا ہوں۔ اور اہلِ عزا! روایت مشہور کی بناء پر عرض کر رہا ہوں کہ جب سوالِ آب میں اپنی زبان نے کام نہ کیا تو بے زبان کی زبان سے بھی کام لیا۔ پانی کا سوال طرح طرح سے کیا، جو جو کہا، وہ میں عرض کر چکا مگر یہ ایک دفعہ بھی نہیں کہا کہ میں نے تمہیں پانی پلایا تھا، اس لئے کہ احسان کر کے یاد دلانا شانِ کریم نہیں ہے۔ ارے کسی ایک بچے تک نے آپس کی گفتگو تک میں نہیں کہا کہ یہ کیسے لوگ ہیں؟ ہم نے تو انہیں پانی پلا دیا تھا، اور یہ لوگ ہم کو پانی نہیں پلاتے؟ یہاں تک کہ سکینہؑ جو اتنی کم سن ہے کہ شاید میں پورے طور پر نہ بتا سکوں کہ کتنے برس کی تھیں، اس لئے کہ تذکرہ تو آپ نے سنا ہوگا، وہ بچی کی کم سنی ظاہر کرنے کیلئے کافی ہے کہ جب مولاؑ رخصت ہو کر جا رہے تھے تو سکینہؑ نے کہا کہ بابا! ہمیں نانا کے روضے پر پہنچا دیجئے۔ میرے خیال میں تو یہ سوال

ان کی کم سنی اور نادانی کو ظاہر کرنے کیلئے کافی ہے مگر اتنی کم سنی ہوتے ہوئے بھی انہوں نے بھی یہ نہیں کہا کہ پھوپھی! بابا نے تو انہیں پانی پلایا تھا اور یہ ہمیں پانی نہیں دیتے ہیں۔

اس گھر کے بچے بھی اتنے بلند ظرف تھے کہ یہ تذکرہ نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے تین دن کہے ھل اتی کے اور تین دن کہے کربلا کے اور چوتھا دن کہا کہ وہاں بھی شامل تھا اور یہاں بھی چوتھا دن شامل ہے۔ مگر اب ایک حقیقت کی طرف توجہ دلاؤں کہ کربلا میں کسی کی حدِ عطش کب تک ہے، جو پہلے چلا گیا، اُس کی پیاس جلدی بجھ گئی اور جو زیادہ دیر تک رہا، زیادہ پیاسا رہا۔ اس لئے ترتیب شہداء یہ قرار دی گئی تھی، ممکن ہے آپ نے واعظین سے سنا ہو مگر میرا جہاں تک مطالعہ ہے، یہ نہیں ہوا کہ اعزا نے جانا چاہا ہو اور اصحاب نے پیروں پر سر رکھ دیئے ہوں کہ ہم آپ کو نہیں جانے دیں گے۔ کربلا کے اقدامات تکلفات کے ماتحت نہیں ہو رہے تھے، میرا تو تصور ہے کہ مولاؑ نے حکم دے کر یہ نظام قائم کیا تھا کہ پہلے اصحاب جائیں اور گویا تائید کی تھی کہ خبردار! اصحاب میں سے جب تک ایک بھی ہے، عزیز کوئی نہ جائے۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ جو پہلے گیا، اُس کی مسافتِ مصیبت مختصر ہوگئی۔ عطش کا طوفان کربلا کے آفتاب کی تمازت کے ساتھ ساتھ سیلابی رفتار سے بڑھ رہا ہے۔ گویا مولاؑ یہ کہہ رہے ہیں کہ علی اکبرؑ تمہیں کیا حق ہے کہ تم کوثر پر جا کر سیراب ہو جاؤ اور میرا حبیب پیاسا رہے؟ تو کربلا کی ترتیب یہ ہے کہ جو نو وارد ہے، وہ پہلے جائے کیونکہ امامؑ کو تو یہ تصور ہوگا کہ جب دشمن فوج کا سردار ہو کر آیا تھا، تب تو ہم نے پانی پلا دیا تھا اور اب جب دوست ہو کر آیا ہے تو ایک جرعہ آب نہیں ہے کہ مہمان کی ضیافت ہو سکے۔ تو اگر پانی نہیں پلا سکتے تو پیاسا بھی کیوں رکھیں، لہٰذا ابھی آیا ہے تو ابھی جائے اور خاص الخاص اصحاب حبیب ابن مظاہر اور زہیر ابن قین وغیرہ، وہ ظہر تک رہیں۔

اصحاب میں سے جب تک ایک بھی ہے، اُس وقت تک عزیز نہ جائیں۔ جب عزیزوں کی باری آئے تو دور کے عزیز پہلے جائیں، پسرانِ عقیلؑ چلے جائیں، اولادِ جعفرؑ چلی جائے، پھر بھتیجے جائیں۔ برابر کا بھائی بعد کیلئے رہے اور یہ جوان بیٹا، روایت مشہور کے مطابق بعد تک رہے۔ یہ کیا ہے؟ سمجھ میں آیا، یعنی مولاؑ کو جس کی قوتِ برداشت پر زیادہ بھروسہ ہے، جس سے شدتِ وقت کا مقابلہ زیادہ کروانا ہے، اُس کو آخر کیلئے رکھا گیا ہے۔

بس میں بارگاہِ سیدؑ الشہداء میں عرض کروں گا کہ اے میرے مولاؑ! یہاں تک میں نے سمجھا اور مجمع کو سمجھایا مگر اب میری منطق ساتھ چھوڑتی ہے۔ اب میرا فلسفہ ہتھیار ڈالتا ہے۔ مولاؑ! یہ عباسؑ کے بھی بعد علی اکبرؑ کے بھی بعد، یہ چھ مہینے کی جان، یہ شہزادہ علی اصغر ____ ارے مولاؑ نے بس اپنا پیش خیمہ رکھا۔ بات تو بظاہر انتہا کو پہنچ گئی، اب کربلا کے بعد جو شہداء ہیں، ان میں سب سے زیادہ پیاسے کون؟ ہمارے مولا حسین علیہ السلام، اس لئے باوجودیکہ بہتر (۷۲) پیاسے تھے، مگر جب مرثیہ پڑھا گیا تو حسینؑ کی پیاس کا۔ سید سجاد علیہ السلام بھی کہتے رہے کہ میرا باپ دنیا سے پیاسا گیا، زینب سلام اللہ علیہا نے بھی یہی کہا کہ میرا بھائی دنیا سے پیاسا گیا۔ ارے یہاں تک کہ ربابؑ نے بھی یہ پوچھا کہ میرے مالک کو پانی بھی ملا تھا یا نہیں؟ (ماشاءاللہ اجرکم علی اللہ)

تو بے شک اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کربلا کے مجاہدین میں سب سے زیادہ پیاسے امام حسین علیہ السلام، مگر امام حسینؑ کی بھی

حد عطش عصر عاشور، وہی جس وقت ہم آپ فاقہ شکنی کر لیتے ہیں۔ اس وقت مولاؑ کی عطش ختم ہو چکی ہے۔

مگر میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ زینبؑ کب تک پیاسی رہیں؟ اُم کلثومؑ کب تک پیاسی رہیں؟ اور اہلِ حرم کب تک پیاسے رہے؟ ایک روایت کبھی کبھی پڑھی جاتی ہے اور میں کیا کہوں کہ کتابوں میں کہیں نظر نہیں آتی، وہ زوجۂ حُر کا پانی لانا۔ ارے حُر اکیلا آیا تھا، اس کے ساتھ زوجہ کہاں تھی؟ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ یہ کیا اُن کے ظرف شرافت میں اتنی گنجائش تھی کہ وہ فتح مناتے وقت یہ تصور کرتے کہ ہم انہیں پانی بھیجیں؟ اہلِ عزا! جو پیاسوں کی طرف آگ بھیجیں، وہ بھلا پانی کیسے بھیجیں گے؟ میری سمجھ میں جو آیا ہے، وہ یہ کہ پانی کبھی آیا ہو مگر گیارہویں محرم کی رات کوئی ثبوت نہیں، بس اتنا ہے کہ عصر کے بعد وہ پہرہ جو فرات پر بیٹھا تھا، وہ پہرہ ہٹ گیا، اس لئے کہ وہ شیر نہیں رہے جن کا ڈر تھا۔ اب فرات بہہ رہی ہے، جس پیاسے کا دل چاہے، وہ پانی پی لے مگر میں آپ سے محبتِ حسینؑ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ فاقہ شکنی کے وقت جب آپ کے سامنے فاقہ شکنی کا سامان آتا ہے تو کیا واقعی آپ کا دل پانی پینے کو چاہتا ہے؟ بخدا! حکمِ شرعی کی پابندی ہے کہ کامل روزہ نہیں ہونا چاہئے، ورنہ پانی پینے کو کس محبِ حسینؑ کا دل اس وقت چاہتا ہوگا؟

اب انصاف کیجئے کہ فرات بہہ رہی ہے مگر کیا لیلیٰ کا دل چاہا ہوگا کہ علی اکبرؑ کے بعد جا کے پانی پئیں؟ کیا اُم کلثومؑ کا دل چاہا ہوگا عباسؑ کے بعد کہ جا کے پانی پئیں؟ کیا بیوۂ حسینؑ کا دل چاہا ہوگا کہ قاسمؑ کے بعد جا کے پانی پئیں؟ کیا زینبؑ کا دل حسینؑ کے بعد چاہا ہوگا کہ جا کر پانی پئیں؟ بظاہر تو بات انتہا تک پہنچ گئی مگر اہلِ عزا! میں کہتا ہوں کہ کیا علی اصغرؑ کے بعد سکینہؑ کا دل چاہا ہوگا کہ پانی پئیں؟ میرا تو تصور ہے کہ دریا بہہ رہا ہوگا، پیاسے منہ پھیرے بیٹھے ہوں گے کہ ہمیں اب اس پانی کی ضرورت نہیں ہے۔

❁ ❁ ❁

# جنابِ عباسؑ نے ہاتھ جوڑ کر کہا: مولا! عباسؑ ہر غم سہہ سکتا ہے لیکن اکبرؑ کی موت کو برداشت نہیں کرسکتا، اب مجھے مرنے کی اجازت دیجئے۔

میں کہتا ہوں روزِ عاشور دیکھئے، کیا مسلم ابن عوسجہ کو شوق برادرانِ حسینؑ سے زیادہ تھا؟ کیا حبیب ابن مظاہر کو شوقِ شہادت حضرت عباس علمدار علیہ السلام سے زیادہ تھا؟ پھر کیا ہے کہ وہ اتنی جلدی شہید ہوئے اور یہ اتنی دیر میں؟ تو کیا جس وقت شہید ہوئے، تو اُن کا درجہ اُن سے اونچا ہو گیا کہ جو ابھی شہید نہیں ہوئے؟ میں کہتا ہوں کہ اُن کا بڑھ جانا اُن کا جہاد تھا اور ان کا رکے رہنا ان کا جہاد تھا۔ اگر جوش میں آ کر یہ آگے بڑھ جاتے تو تقاضائے شہادت کے خلاف ہوتا اور سب سے بڑا امتحان تو حضرت ابوالفضل العباسؑ کا تھا جو دوسری محرم سے بے چین تھے۔ جس وقت نہر سے خیمے ہٹائے گئے، ہمارے مرثیہ نگاروں نے نظم کر دیا ہے کہ حضرت عباس علیہ السلام اُس وقت سے بیتاب تھے اور انہوں نے عرض کیا مگر نہیں، تاریخی روشنی میں حضرت عباسؑ کا نام اس منزل میں نہیں ہے۔ جناب زہیر ابن قین، ان کی بارگاہ میں معافی مانگوں گا مگر جو تاریخی حقیقت ہے، وہ کیوں نہ عرض کروں کہ اس جماعت میں نو وارد تھے۔ یہ ابھی پورے طور پر نظامِ کارِ امامؑ کو نہیں سمجھے تھے، اس لئے جب خیمے ہٹائے جانے لگے تو جنابِ زہیر ابن قین نے عرض کیا کہ مولاؑ! یہ ابھی ایک ہزار ہیں، ان سے ہمیں نمٹ لینے دیجئے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کی نظر میں ایک ہزار تو کچھ ہیں ہی نہیں۔ یہ ابھی ایک ہزار ہیں، ان سے ہمیں نمٹ لینے دیجئے۔ ورنہ پھر اتنے آ جائیں گے کہ ہمیں تابِ مقاومت نہیں رہے گی۔

میں نے عرض کیا کہ یہ شان کے مطابق ہے حضرت ابوالفضل العباسؑ کی، کوئی اور جناب حبیب ابن مظاہر یا مسلم ابن عوسجہ یہ نہیں کہہ سکتے تھے۔ یہ نو وارد ہیں، اس لئے ان کی نظر اسباب پر ہے۔ ان ہستیوں کو اس سے مطلب نہیں ہے کہ دس ہزار آ جائیں گے یا دس لاکھ آ جائیں گے۔ انہیں تو فرض کو پورا کرنا ہے۔ تو جب زہیر ابن قین نے یہ کہا، اس وقت عباسؑ کی نظر تو امامؑ کے لبوں پر جم گئی کہ یہ کیا جواب دیتے ہیں؟ زہیر ابن قین کو حضرت امام حسین علیہ السلام نے یہ مختصر جواب دیا کہ میری شان یہ نہیں ہے کہ میں جنگ کی ابتداء کروں۔ بس انہوں نے امامؑ کے جواب کو یوں کہوں کہ گرہ میں باندھ لیا ورنہ آپ ذرا عباسؑ کے دل میں دل ڈال کر دیکھیں کہ پانی بند ہو جائے اور عباسؑ خاموش رہیں۔ اب یہ نہیں کہتے کہ مولاؑ! اجازت دیجئے، ہم جا کر دریا چھین لیتے ہیں۔ جو تن تنہا چھین لے، اُس کیلئے تمام اصحاب کی مدد کے ساتھ کیا دشوار تھا؟

مگر امام علیہ السلام کا جملہ یاد رہا۔ اس کے تحت یہ فلسفہ مضمر ہے کہ اگر پانی پر جنگ کرنا ہوتی تو خیمے ہی کیوں ہٹائے جاتے۔ یاد رکھئے کہ اگر اس وقت جہاد ہو جاتا تو واقعہ کربلا کی تاریخ بدل جاتی کہ پانی پر جھگڑا ہوا تھا۔ حسینؑ یہ چاہتے تھے کہ جو میری جنگ ہو، وہ اُصول پر

ہوتو جب بپاشدہ خیمے ہٹالئے اور جنگ نہیں کی تو پانی بند بھی کر دیا تو کیا محل ہے کہ ہم کہیں مولاؑ سے کہ ہمیں اجازتِ جہاد دیجئے۔ یہ وہ کہے جو فلسفہ اقدامِ حسینی کو نہ سمجھتا ہو۔ اب آپ ان سے دل کی کیفیت کا اندازہ کیجئے کہ سکینہؑ العطش کہہ رہی ہو اور یہ خاموش رہیں اور بچے خالی کوزے لئے بیتاب پھر رہے ہوں اور یہ خاموش رہیں اور محمد باقرؑ کا کملایا ہوا چہرہ دیکھیں اور یہ خاموش رہیں۔

مگر ہاں، بالکل خاموش نہیں ہیں، کنویں کھودرہے ہیں یعنی وہ قوت جو تلوار پر صرف نہیں ہوئی، وہ بیلچے پر صرف ہو رہی ہے۔ اب کہیں پانی نہیں نکلتا۔ میں کہتا ہوں کہ وہ جنگ وفائے عباسؑ نہیں ہے، یہ خاموشی وفائے عباسؑ ہے۔ چنانچہ تین دن گزر گئے، بچوں کی پیاس بڑھتی رہی اور عباسؑ خاموش! یہاں تک کہ اب عصر عاشور حملہ ہو گیا تو صفحۂ کاغذ پر تو الفاظ آتے ہیں، لب و لہجہ نہیں آتا۔ حضورِ والا! بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ جو فلسفے اور منطق سے سمجھ میں نہیں آتیں۔ اصحاب سب خیموں سے باہر ہیں، عزیز سب خیموں سے باہر ہیں مگر گھوڑوں کی ٹاپوں کی صدا پہلے زینبؑ کے کانوں تک جاتی ہے، فضہ سے فرماتی ہیں: جاؤ دیکھو کہ ہمارے بھائی کیا کر رہے ہیں؟ فضہ نے آکر دیکھا اور کہا کہ پاس کوئی نہیں ہے، نمازِ ظہر کے بعد عمودِ خیمہ کے ساتھ تکیہ کر کے بیٹھ گئے ہیں، نیند آگئی ہے۔ زینبؑ آئیں قریب، کہا: بھائی، بھائی! آنکھ کھولئے، حملہ ہو گیا۔

امام علیہ السلام نے آنکھ کھولی، بھائی بہن میں گفتگو ہوئی، تب عباسؑ آئے۔ صفحۂ تاریخ پر یہ الفاظ ثبت ہیں کہ مولاؑ حملہ ہو گیا۔ میں کہتا ہوں کہ کیا یہ بتلانے آئے ہیں کہ حملہ ہو گیا؟ اگر بتانے آئے ہیں تو اتنی دیر میں آئے ہیں؟ اور پھر محل کیا ہے، یہاں تو بہن بھائی میں گفتگو ہی یہی ہو رہی ہے، بتانے کا محل کیا ہے؟ میں کہتا ہوں کہ یہ بتانے نہیں رہے ہیں، یہ اُس دن کی بات کا حوالہ دے کر کہہ رہے ہیں کہ مولاؑ حملہ ہو گیا، اب تو آپؑ کے اُصول کو صدمہ نہیں پہنچتا، بے شک اُس دن انداز حاکمانہ تھا، میری شان نہیں ہے کہ میں جنگ میں ابتداء کروں۔ اب عباسؑ نے جو یہ کہا ہے تو مولاؑ کا انداز حاکمانہ نہیں ہے کیونکہ اب کوئی اُصول سدِ راہ نہیں ہے۔

اب امامؑ گویا اپنے ذوق کا واسطہ دیتے ہیں اور پھر حکمتِ امام علیہ السلام اس کی متقاضی نہیں ہے کہ رات کو جنگ ہو جائے مگر بڑے مشکل کام کو بھیج رہے ہیں، جو جنگ کیلئے بے چین ہے، اُسے التوائے جنگ کی درخواست دے کر بھیج رہے ہیں۔

خدا کی قسم! یہ ہے عباسؑ کی وفا۔ میں کہتا ہوں کہ مولاؑ اس مقصد کیلئے حبیب ابن مظاہر کو بھیج دیجئے، کسی سن رسیدہ فرد کو بھیج دیجئے، عباسؑ جیسے شیر کو اور اس مقصد کیلئے؟ دنیا والے صرف غضب کے موقعہ کو پیش کرتے ہیں۔ خدا کی قسم! انہیں معرفتِ عباسؑ نہیں ہے، وہ صرف جلال کو دیکھتے ہیں، صبر عباسؑ کو نہیں دیکھتے۔ امامؑ بھی جانتے ہیں کہ بڑا مشکل کام لینا ہے، خود حسینؑ جانتے ہیں کہ عباسؑ سے بڑا مشکل کام لینا ہے، اس لئے اندازِ گفتگو کیا ہے؟ خدا کی قسم! مجھے تو علی اکبرؑ سے بھی گفتگو میں یہ الفاظ نہیں ملتے۔ ارے خود عباسؑ سے گفتگو میں اس سے پہلے یہ الفاظ نہیں ملتے۔ طبری کے صفحات پر فرماتے ہیں:

"بِنَفْسِیْ اَنْتَ یَااَخِیْ".

"ارے میری جان تم پر قربان! اے میرے بھائی"۔

میں کہتا ہوں، بس مولاؑ! اب جو چاہے کام لے لیجئے عباسؑ سے۔ دیکھئے، اس وقت یہ مرحلہ کتنا مشکل ہے، جو جنگ کیلئے تقاضے کو آیا ہو، اُس کا اندازِ طبیعت کیا ہوگا؟ جو درخواست صلح لے کر جائے، اُس کا انداز کیا ہونا چاہئے مگر الفاظِ امامؑ کے بعد عباسؑ کو ایک دم اپنے آپ کو بدلنا ہے اور بس اب چلے جا رہے ہیں، دبی زبان سے بھی تو نہیں کہتے کہ مولاؑ! اس کام کیلئے کسی اور کو بھیج دیجئے۔ جی نہیں، یہ تو حکمِ امامؑ کی اطاعت کو واجب جانتے ہیں، لہٰذا گئے میدانِ جنگ کی طرف اور وہاں جا کر کیا کیا سنا؟ ایسی باتیں جو ہمارے ذہن کو کھولا دیں۔ کوئی کہتا ہے کہ مہلت دی جائے، کوئی کہتا ہے کہ مہلت نہ دی جائے۔

کوئی کہتا ہے کہ اگر کفار ترک و دیلم ہوتے تو وہ بھی مہلت مانگتے تو دینا چاہئے تھی، یہ تو بہرحال مسلمان ہیں۔ یہ سب باتیں اور کوئی اقدام نہ ہو جو مصلحتِ امامؑ کو نقصان پہنچائے۔ مجھے تو یہ الفاظ ملتے ہیں کہ یہ ہے ایک غیر معصوم فرد کی عصمتِ کردار! آخر میں کامیاب ہوئے اور کہا: اچھا مہلت ہے ایک رات کی اور اب دیکھئے، کہہ رہے ہیں کہ میں نہیں جاؤں گا، معاہدہ ہو رہا ہے دو جماعتوں کے درمیان۔ اپنے دو نمائندے میرے ہمراہ کرو کہ وہ جا کر توثیق کریں اس التوائے جنگ کی، تب وہ معتبر ہوگا۔ چنانچہ دو آدمی اُدھر سے اپنے ساتھ لے کر حسینؑ کے پاس آئے اور میں تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ ایسے خوش آئے کہ جیسے فرات کو فتح کر کے آئے ہوں۔ رات کو مہلت مل گئی۔ دل بے چین تھا مگر اطمینان ہے کہ میں نے مہلت لے لی ہے، ایک ہی رات کی تو بات ہے، صبح ہو تو دیکھا جائے گا۔ صبح ہوئی اور لشکر مرتب ہوا، ایک مرتبہ مولاؑ کہتے ہیں کہ یہ لو علَم تم لو۔ اب یہ علَم کا لینا تھا، سمجھتے تھے کہ میرے پیروں میں زنجیریں پڑ رہی ہیں۔ اب عباسؑ کے دل میں نظر ڈال کر دیکھئے کہ قاسمؑ کا لاشہ آجائے، عونؑ و محمدؑ کے لاشے آجائیں اور عزیزوں کے لاشے آجائیں اور عباسؑ خاموش کھڑے رہیں۔

خدا کی قسم! یہ سب قربانیاں ہیں جو علَم کے احترام پر ہو رہی ہیں۔ یہ نفسیاتی قربانیاں ہیں جو علَم کے احترام پر ہو رہی ہیں اور پھر جب علَم لے کر گئے تو کس طرح حفاظت کی؟

آپ کو معلوم ہے کہ ہاتھ نہیں رہے، تب بھی علَم زمین پر گرنے نہیں پایا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اس وقت پکار لیا ہوتا مولاؑ کو تو شاید سکینہؑ کو مشک پہنچ جاتی مگر نہیں، ابھی عباسؑ کی ہمت ہے، کم نہیں ہوئی۔ ایک ہاتھ نہیں رہا تو دوسرے ہاتھ میں علَم بھی مشک بھی اور پھر شمشیر زنی اور پھر بھی رُخ خیموں کی طرف۔ ایک پہلو کی طرف توجہ دلاؤں، کیا جب عباسؑ آئے ہیں، بچے خیمے کے اندر بیٹھے ہیں، یقیناً درِ خیمہ پر ہیں اور نگاہ علَم پر ہے اور علَم آرہا ہے، بچوں کا دل بڑھ رہا ہے۔

اربابِ عزا! ایک دفعہ علَم گرا، حسینؑ نے کمر تھام لی اور کہا: اب میری ٹوٹ گئی۔ سکینہؑ نے کہا: ہائے میرے چچا، ہائے میرے چچا!!

❁ ❁ ❁

**ہرشہید نے گھوڑے سے گرتے وقت مولا کو بلایا، مگر علی اکبرؑ گھوڑے سے گرے تو عرض کی: باباؑ جان! میرا سلام قبول کیجئے، اس لئے کہ ان کے ضعیف باباؑ کو مزید تکلیف نہ ہو۔ اکبرؑ کو اپنے باباؑ کی مظلومیت کا کتنا احساس تھا!!**

انسان کو نا اُمید کبھی نہیں ہونا چاہئے، جتنے وقت پر بھی اصلاحِ عمل کر سکے۔ میں کہتا ہوں کہ اسے بھی کربلا نے ہمارے سامنے پیش کیا حُر کی شکل میں کہ دیکھو کتنے سنگین جرائم یعنی ہم بہر حال بھول تو نہیں سکتے ہیں، غور فرمایئے، وہ سب کچھ ____ اُس نے راستہ روکا، وہ بندشِ آب کا واحد ذمہ دار ہے، یعنی اگر نہر کے پاس خیمے ہوتے تو پانی بند ہی نہیں ہوسکتا تھا۔ ادھر سے جو حکم تھا کہ کسی ایسی جگہ ٹھہراؤ جہاں نہ پانی موجود ہو نہ گھاس موجود ہو۔

یہ حکم ہی درحقیقت بندشِ آب کی تمہید تھا۔ پانی بند کرنا نہ ہوتا تو یہ حکم بھی نہ ہوتا۔ پانی نہ موجود ہوتا کہ سوار پیاسے رہیں اور گھاس موجود نہ ہوتا کہ گھوڑے بھوکے مریں۔ عرب جانتے تھے کہ گھوڑا میدانِ جنگ میں برابر کا سپاہی ہوتا ہے۔ میدانِ جنگ میں اپنے سوار کا مددگار ہوتا ہے۔ میدان کے گھوڑے دشمن کو زد پر لاتے ہیں اور دشمن کے وار سے اپنے سوار کو بچاتے ہیں۔ پس مقصد یہ تھا کہ گھوڑوں کی طاقتیں سلب ہوں اور سواروں کی طاقتیں سلب ہوں، لہٰذا ایسی جگہ ٹھہراؤ جہاں نہ پانی ہو اور نہ گھاس ہو۔

یہ حُر ہی تھا جس نے اِس حکم کی تعمیل کی اور خیمے نصب نہ ہونے دیئے۔ میں جرم کی سنگینی دکھا رہا ہوں کہ سکینہؑ کی العطش کی ہر آواز حُر کے اس اقدام کی یاد دلاتی تھی کہ اُسی نے خیمے نصب نہ ہونے دیئے۔ ایک دن پہلے تک اسی راستہ پر رہا۔ ایک دن پہلے تک اسی فوج میں شامل رہا مگر صلاحیتِ ظرف موجود تھی، ابھی ہمت اتنی نہ تھی کہ دنیا کو بالکل ٹھکرا دے مگر سمجھ رہا تھا کہ غلط راستے پر ہے، اسی احساس نے منزلِ حق کے قریب کر دیا۔

خود روداد بعد میں سنائی ورنہ دنیا اس کے وارداتِ قلب کو کیا جانتی کہ راستے بھر اُس کے کیا تصورات رہے؟ ادھر سے شرائطِ صلح امامؑ نے پیش کیں، حُر غور سے دیکھتا رہا اور شرطیں ایسی تھیں جو اُمید افزا تھیں۔ ادھر سے سردارِ فوج عمر ابن سعد نے خط لکھا کہ اب بنائے جنگ کوئی نہیں رہی، اس لئے کہ امام حسین علیہ السلام یہاں تک تیار ہیں کہ میں ملک چھوڑ دوں گا، دور دراز کسی طرف چلا جاؤں گا۔ اس کے بعد جنگ کی کوئی ضرورت نہیں۔ پہلا تاثر ابن زیاد کا بھی یہی تھا، اُس نے اپنے دربار میں کہہ دیا اس خط کو پڑھ کر کہ یہ خط بالکل خیر خواہی کا ہے، جنگ کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

مگر تاریخ بتاتی ہے کہ اس وقت دربار میں شمر موجود تھا۔ اُس نے ایسی مفسد تقریر کی کہ خود ابن سعد کی وفاداری کو مشکوک بنا دیا۔ اس میں عہدہ کی رقابت کا بھی بڑا دخل تھا۔ اُس نے کہا کہ میں نے تو خبریں سنی ہیں کہ وہ جا کر حسین علیہ السلام سے مل گیا ہے اور آدھی آدھی رات تک گفتگو ہوا کرتی ہے اور یہ بالکل دھوکہ دینا ہے۔ مزید کہا کہ اگر اس وقت حسینؑ قبضہ سے نکل گئے تو پھر کبھی وہ ہاتھ نہیں آئیں گے۔ ایسی فساد انگیز تقریر تھی کہ خود عمر سعد کے خلاف زبردست غصہ پیدا ہو گیا کہ وہ سب کو بیوقوف بنا رہا ہے اور اسی غصہ میں خط لکھا کہ ہم نے تم کو صلح کی گفتگو کیلئے نہیں بھیجا ہے، نہ اس لئے بھیجا ہے کہ تم ان کی سفارش ہمارے پاس کرو۔ ہم نے تو تم کو اس لئے بھیجا ہے کہ بس یہ مطالبہ پیش کرو کہ وہ ہتھیار ڈال دیں اور غیر مشروط طور پر اطاعت کر لیں۔

یا پھر جنگ کرو اور اگر تم تعمیل نہ کر سکو تو میں نے شمر کو ہدایت کر دی ہے، شمر کو ہدایت یہ تھی کہ اگر وہ تعمیل نہ کرے تو تم سردارِ لشکر ہو اور عمر سعد کا سر قلم کر کے بھیج دینا۔ یہ خط و کتابت نو محرم کی سہ پہر تک جاری تھی اور حُر برابر اُسے غور سے دیکھ رہا تھا اور اُمید کرتا تھا کہ کچھ نہ کچھ تو طے ہو ہی جائے گا۔ بس یہ خط لئے ہوئے شمر نو محرم کی سہ پہر کو پہنچا، شام کے وقت وہ خط لئے ہوئے ابن سعد کے پاس آیا تو ابن سعد خط کو پڑھ کر صورتِ واقعہ کو بالکل سمجھ گیا۔ اُس نے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ تم نے وہ کام خراب کر دیا جو بن رہا تھا۔ ایک بڑا تاریخی جملہ اُس نے کہا ہے کہ بخدا! حسینؑ بیعت تو نہیں کریں گے، غیر مشروط طور پر اطاعت کا اقرار نہیں کریں گے۔ طبری کے دو نسخے ہیں، عام نسخہ جو چھپا ہوا اِس وقت ہے، وہ تو یہ ہے کہ:

"اِنَّ نَفْسَ اَبِيَّةً بَيْنَ جَنْبَيْهِ".

"ایک ذلت سے انکار کرنے والا نفس اُن کے پہلو میں ہے"۔

ذلت سے انکار کرنے والا اِبا کرنے والا ــــــ یہ تو اُن کی عزت کا اقرار ہے یعنی وہ سمجھتا ہے کہ یزید کی بیعت کرنا عزتِ نفس کے خلاف ہے۔

طبری کے ایک اور نسخے میں ہے، وہ نسخہ چھپے گا، الفاظ چونکہ قریب ہیں، اس لئے بہت قرین قیاس ہے کہ لفظ "اب" تھی جو بدل گئی ہے:

"اِنَّ نَفْسِ اَبِيْهِ".

اُس وقت نقطے نہیں ہوتے تھے، حقیقتاً تحریر یہ تھی:

"اِنَّ نَفْسَ اَبِيْهِ بَيْنَ جَنْبَيْهِ".

اُس نے کہا کہ وہ بیعت نہیں کریں گے۔ ان کے باپ کا دل اُن کے سینے میں ہے۔ میں نے عرض کیا، ہم اسے غیر کے سامنے پیش نہیں کر سکتے کیونکہ چھپے ہوئے نسخوں میں نہیں ہے لیکن بڑی قیمتی بات ہے کہ بڑی دُور کی بحث کا فیصلہ ہو جاتا۔

میں کہتا ہوں کہ اس ایک جملے سے کہ بیعت نہیں کریں گے، اس لئے کہ اُنؑ کے سینے میں اُنؑ کے باپؑ کا دل ہے یعنی نہ اُنؑ کے

باپؑ نے کبھی بیعت کی، نہ یہ بیعت کریں گے۔ شمر نے کہا: ان باتوں سے فائدہ کیا ہے؟ یہ بتاؤ تعمیل حکم کرنا ہے یا نہیں؟ جانتا تھا کہ نتیجہ کیا ہے؟ کہا نہیں، تعمیل تو اس پر میں ہی کروں گا۔ جانتا ہے کہ حسینؑ کا موقف صحیح ہے لیکن کہہ رہا ہے کہ تعمیل حکم تو میں ہی کروں گا۔ اب اگر وہ اس پہلو پر عمل کرتا تو پھر وقت صرف ہوتا دو تین دن۔

پھر وہ پیغام بھیجتا کہ بیعت کیجئے اور پھر آپؑ انکار فرماتے اور انکار یقیناً فرماتے ہیں لیکن چونکہ اس نے طے کرلیا کہ یہ پیغام بھیجنا حماقت ہے، غلط ہے، کوئی فائدہ حاصل نہیں، لہٰذا اب اپنی وفاداری ثابت کرنے کیلئے عاجلانہ قدم اُٹھانا تھا۔ اس لئے بغیر اعلان ایک دم حملہ کردیا۔ صلح کی گفتگو جاری تھی، اس پس منظر میں ایک دم سے حملہ ہوگیا۔ امامؑ نے جنابِ ابوالفضل العباسؑ سے فرمایا کہ ان کے پاس جاؤ اور ایک رات کی مہلت لے لو۔ اس کی مصلحت امامؑ نے یہ فرمائی کہ ایک رات میں عبادت میں گزارنا چاہتا ہوں۔ اتنی عبادتوں کے بعد بھی ان کا دل بھرا نہیں ہے۔ گویا اپنی عمر بھر کی عبادتوں کو کم سمجھ رہے ہیں کہ اس کی آخری رات بھی عبادت کرلیں۔ جو جو کام انجام دیئے، وہ ہمارے سامنے ہیں، جو نتائج برآمد ہوئے، وہ ہمارے سامنے ہیں اور ہماری نظر پر اس طلبِ مہلت کی قیمت ظاہر ہوئی۔ آپ غور فرمائیے کہ یہ رات اگر نہ ہوتی تو حُر کہاں ہوتا؟ یہ رات مولاؑ نے صرف اختیار کیلئے دے دی دوست اور دشمن کو، ورنہ ظالمین بہت سے بعد میں کہتے کہ ہنگامی طور پر جنگ شروع ہوگئی ورنہ ہم اس جرم میں کبھی شریک نہ ہوتے اور اصحابِ امامؑ کے بارے میں غلط فہمی رہ جاتی کہ ایک دم جنگ شروع ہوگئی، سب پھنس گئے ورنہ موقعہ ملتا تو کتنے چلے جاتے۔

ایسے موقعہ پر کوئی ثابت قدم رہ سکتا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ نہ ساتھ والوں کی وفاداری نمایاں ہوتی، نہ ادھر والوں کا ظلم نمایاں ہوتا۔ اس کے ساتھ اُدھر والوں نے اس رات سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ ممکن ہے آپ نے منبر پر سنا ہو مگر جہاں تک میرا تاریخ کا مطالعہ ہے، جن کو جانا تھا، وہ جنابِ مسلمؑ کی شہادت کی خبر سن کر چلے گئے تھے۔ اب کربلا میں جتنے تھے، ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہے جس نے ساتھ چھوڑ کر جانا گوارہ کیا ہو۔

اُدھر والوں میں سے کسی نے فائدہ نہیں اُٹھایا مگر ادھر سے رات کی پوری قیمت حُر کی شکل میں آگئی۔ میں کہتا ہوں ہ حقانیتِ امامؑ پر کتنی بڑی مہر تصدیق ثبت کردی کہ جتنے ہمت شکن اسباب ہوسکتے ہیں، وہ سب ادھر تھے اور جتنے ہمت بڑھانے والے اسباب ہوسکتے ہیں، وہ سب اُدھر تھے مگر کوئی جھوٹی روایت نہیں کہ اِدھر کا کوئی ٹوٹ کر اُدھر گیا ہو مگر اُدھر کا کوئی معمولی شخص نہیں ہے، ایک حصہ فوج کا سردار اِدھر آگیا۔ یہی اس رات کا ماحصل ہے جو حُر کی شکل میں ادھر آگیا۔ حُر کو پہلے یقین تھا کہ جنگ ہوگی۔ اُس نے ابن سعد سے گفتگو کی تو اُس نے کہا کہ جنگ ضرور ہوگی۔ اب وہ چلا ارادہ کرکے مگر چاہتا تھا کہ نمایاں نہ ہو، ورنہ یہیں گرفتار ہوجاؤں گا، منزل پر نہ پہنچ پاؤں گا۔ لہٰذا ابھی اُس نے اپنے مقصد کو چھپایا، گویا اتنی بصیرتِ ایمان پیدا ہوگئی ہے کہ تقیہ سے کام لے رہا ہے۔ چاہتا ہے کہ مقصد پورا ہوجائے، بیکار جان نہیں دینا ہے۔ وہاں پہنچ جاؤں، پھر جان دینا ہے مگر بیکار جان نہیں دینا ہے، جان کو اکارت نہیں کرنا ہے، لہٰذا آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا ہے۔

مرہ ابن قیس اس کا ہم قبیلہ اور بے تکلف دوست تھا۔ اُس نے پوچھا: کہاں جارہے ہو؟ گویا حُر کے اطمینان اور سکون میں ایک

ہلچل مچ گئی۔ حُر نے کہا: وہ تم نے اپنے گھوڑوں کو پانی پلایا ہے؟ تو اُس نے کہا: نہیں۔ حُر نے کہا: جاتے کیوں نہیں، پلاتے کیوں نہیں؟ اس طرح اُسے ہٹایا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ کہتے کہتے پیاس تو یاد آ گئی ہوگی جس کا خود ذمہ دار تھا۔

آہستہ آہستہ اور آگے بڑھا اور سمجھا کہ اب مجھے کوئی نہیں دیکھ رہا۔ مگر کسی نے کہہ دیا کہ حُر تمہارا عالم کیا ہے؟ اپنے حدودِ لشکر سے آگے بڑھ چکا تھا۔ کیا حملہ کرنے کا ارادہ ہے؟ یعنی ابھی فوج تو بڑھ نہیں رہی ہے، تم کیسے بڑھ رہے ہو؟ کیا حملہ کرنے کا ارادہ ہے؟ بس امامؑ پر حملے کے تصور نے اُس کے جسم میں تھرتھراہٹ ڈال دی۔ غیر ارادی عمل تھا جو خلافِ تقیہ تھا۔ اُس نے کہا کہ حُر اگر مجھ سے کوئی پوچھتا کہ عرب میں سب سے زیادہ بہادر کون ہے تو میں تمہارا نام لیتا مگر یہ کیا؟ میں تمہارا عجیب عالم دیکھ رہا ہوں؟ اب پردہ داری ممکن نہ رہی۔ حُر نے جواب دیا کہ کیا میں موت کے خوف سے لرز رہا ہوں؟ ارے میرے سامنے تو ایک طرف بہشت ہے اور ایک طرف دوزخ ہے اور مجھ سے تو یہ نہیں ہوسکتا کہ بہشت کی طرف جانے کا امکان ہوتے ہوئے دوزخ کی طرف جاؤں۔ یہ کہہ کر گھوڑے کو ایسا دوڑایا کہ حدودِ لشکر سے نکل گیا اور امام علیہ السلام کے قریب پہنچ گیا۔

میرے سامنے ایک واقعہ ہے کہ اس فوج کا ایک آدمی دو دن پہلے ابن سعد کی طرف سے پیغام لے کر آیا تھا۔ اس وقت ابوتمامہ آگے بڑھے اور کہا: کیا مطلب ہے؟ تو اُس نے اپنے الفاظ میں کہا کہ امامؑ کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ امامؑ کے پاس جانا چاہتے ہو تو تلوار مجھے دے دو۔ اُس نے کہا: سپاہی اپنی تلوار کسی دوسرے کو نہیں دیتا۔ انہوں نے کہا: ٹھیک ہے، تلوار تمہاری ہے، قبضہ پر میرا ہاتھ ہوگا۔ اُس نے نہیں مانا تو واپس چلا گیا۔ اُس کی جگہ پر ایک دوسرا آدمی بھیجا گیا جس نے ان شرائط کو مانا اور پیغام پہنچایا۔ اصحابِ حسینؑ ایسے وفادار تھے اور یہ نمایاں شخص جس نے راستہ روکا تھا، وہ بلا مزاحمت پہنچ گیا، اتنا قریب کہ قدموں پر سر ڈال دیا۔ بہت دفعہ کہا کرتا ہوں کہ ہر بات راویوں نے نہیں بتائی ہے، درایۃً غور کیجئے کہ یہ کیسے پہنچ گیا۔

میں محسوس کرتا ہوں کہ ادھر وہ حدِ نظر کے سامنے آیا اور امام علیہ السلام نے فرمادیا کہ روکنا نہیں، دوست ہے، دشمن نہیں ورنہ کسی اور کا کیا ذکر ____ حضرت عباس علیہ السلام کے ہوتے ہوئے بلا کسی رکاوٹ کے حسینؑ کے قدموں تک پہنچ جاتا۔ بس یہ مولاؑ کا ظرفِ عالی ہے کہ روایت میں یہ ہے کہ اُس نے آ کر ڈھال آگے لے لی۔ کچھ علماء نے لکھا ہے کہ عرب میں علامت تھی کہ اگر کوئی جنگ کیلئے آتا تو تلوار ہاتھ میں لیتا تھا اور اگر سپر سامنے لے لی ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ طالبِ امان ہے یا کوئی اور پیغام لے کر آیا ہے۔ سپر سامنے لے لی اور میں کہتا ہوں کہ چہرے کو چھپالیا تھا کہ کیا منہ دکھاؤں، غرض آیا اور قدموں پر سر رکھ دیا۔

میں نے یقین کے ساتھ کہا کہ امام علیہ السلام نے بتادیا تھا کہ دوست آرہا ہے اور اب یہ ظرفِ کریم ہے کہ اس کی شرمندگی کم کرنے کیلئے فرماتے ہیں: سر تو اُٹھاؤ، تم ہو کون؟ جیسے پہچان ہی نہیں رہے ہیں کہ یہ کون ہے۔ اور اب وہ اپنا تعارف کروا رہا ہے اور میں کہتا ہوں کہ خود قرارداد جرم سنا رہا ہے: کیا پوچھتے ہیں کہ کون ہوں؟ ____ وہی ہوں جو تمام مظالم کا ذمہ دار ہے، وہی ہوں جس نے راستہ روکا، وہی ہوں جس نے واپس نہیں جانے دیا، وہی ہوں جس نے نہر سے خیمے اُٹھوائے۔ کیا اس کے بعد بھی میرا گناہ معاف ہوسکتا ہے؟ امام علیہ السلام نے بغیر کسی تمہید کے فرمادیا کہ ہاں، ہم نے معاف کیا۔ اللہ تعالیٰ بھی معاف فرمائے۔ گویا ضمانت ہے کہ اللہ کی طرف سے۔ میں کہتا ہوں کہ

مولاؑ نے ایک دفعہ تو فرمایا، اچھا تھوڑی دیر ٹھہرو۔ اُس نے کہا: حضور! سب سے پہلے روکنے آیا تھا تو اب سب سے پہلے جانا چاہتا ہوں۔ بس امامؑ نے ایک دفعہ کہا تھا کہ ذرا ٹھہرو لیکن اُس نے جب یہ کہا کہ میری تمنا یہ تھی کہ پہلے آیا تھا تو پہلے جاؤں، انہوںؑ نے نہیں روکا۔

میں کہتا ہوں کہ امامؑ کیا روکتے؟ انہیں احساس تھا کہ جب دشمن فوج کا سردار ہو کر آیا تھا، تب تو پانی پلا دیا اور اب مہمان ہو کر آیا ہے تو ایک گھونٹ پانی کا بھی نہیں ہے جس سے مہمان کی ضیافت ہو سکے۔ تو اگر پانی نہیں پلا سکتے تو پیاسا بھی کیوں رکھیں۔ لہٰذا امام علیہ السلام کا مقصد بھی یہی تھا کہ ابھی آیا ہے تو ابھی جائے اور اس سے اصول طے ہوا کہ جسے پہلے سیراب کرنا ہے، اُسے پہلے بھیجتے ہیں۔ خاص الخاص اصحاب حبیب ابن مظاہر وغیرہ دوپہر تک ہیں اور جب تک اصحاب میں سے ایک بھی عزیز، کوئی نہ جانے یہ نہ بھیجنے کا سبب کیا ہے؟

مولاؑ نے حکم دے کر جیسے روکا کہ خبردار! جب تک اصحاب میں سے ایک بھی ہے، تب تک عزیز کوئی نہ جائے۔ مطلب یہ ہے کہ علی اکبرؑ تمہیں کیا حق ہے کہ کوثر پر جا کر سیراب ہو جاؤ اور میرا حبیب پیاسا رہے؟ قاسمؑ تم کم سن سہی مگر میرا بوڑھا مجاہد مسلم ابن عوسجہ تشنہ لب رہے اور تم جا کر سیراب ہو جاؤ۔ اس کا سبب کیا ہے؟

اربابِ عزا! جب سب اصحاب چلے گئے اور پھر عزیز، اس کا مطلب یہ ہے کہ بہتر (۷۲) سب پیاسے ہیں مگر بنی ہاشم کی پیاس سب سے زیادہ، بنی ہاشم میں بھی جو پہلے چلا گیا، اُسی کی پیاس بجھ گئی۔ علی اکبرؑ کو ذرا دل پر داغ تھا کہ بابا کو میری پیاس کا خیال ہے، اس لئے یہ روایت عموماً پڑھتے نہیں ہیں کہ جب یہ گھوڑے سے گرے تو دل پر اثر تھا کہ بابا کو میری پیاس کا احساس ہے تو انہوں نے سلام کیا اور سلام بھی انوکھا ___ تمام اصحاب کی آوازوں سے الگ، تمام عزیزوں کی آوازوں سے الگ، مجھے معلوم ہے کہ کون کیا کہتا تھا، اصحاب کہتے تھے:

"یَامَوْلَاہُ اَدْرِکْنِیْ".

"آقا! میری خبر لیجئے"۔

عزیز، جس کا جو رشتہ تھا، وہ کہتا تھا، بھتیجے کہتے تھے:

"یَاعَمَّاہُ اَدْرِکْنِیْ".

"یَااَبَتَاہُ اَدْرِکْنِیْ".

"اے بابا! میری خبر لیجئے"۔

مگر انہوں نے یہ نہیں کہا کہ اے بابا! میری خبر لیجئے، انہوں نے کیا کہا، ابھی عرض کروں گا۔

میں کہتا ہوں کہ انہوں نے کیوں نہیں کہا: اے بابا! خبر لیجئے۔ میں کہتا ہوں کہ ایک تو ننگ شجاعت محسوس ہوا کہ جوان بیٹا بوڑھے باپ کو مدد کیلئے بلائے اور پھر یہ بھی احساس ہوگا کہ جو پکارتا تھا، بابا جاتے تھے اور کم سے کم میں ساتھ ہوتا تھا۔ اب میں پکاروں تو کون ہے جو باپ کے ساتھ آئے؟ اس لئے انہوں نے کیا کہا:

"یَااَبَتَاہُ عَلَیْکَ مِنِّی السَّلَامُ".

''اے بابا! میرا سلام قبول کیجئے''۔

مطلب کیا ہوا؟ کہ بابا زحمت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

بس میں نے اپنا فرض ادا کیا، جان قربان کر دی۔ بس اب میرا سلام لے لیجئے۔ مگر ممکن کہاں تھا کہ جو جَون غلامِ ابوذر کی لاش تک پر گیا ہو، وہ اب شبیہِ پیغمبرؐ خدا کی لاش پر نہ جائے۔ اس لئے امامؑ چلے۔ علی اکبرؑ کو جو اپنی پیاس کے احساس کا صدمہ تھا کہ باپ کو میری پیاس سے تکلیف ہے تو اس کے ساتھ یہ کہتے ہیں:

''یَااَبَتَاهُ عَلَیْکَ مِنِّی السَّلَامُ''.

''اے بابا! میرا سلام لیجئے''۔

''هٰذَا جَدِّیْ سَقَانِیْ بِکَاسٍ اَوْفٰی''.

''یہ میرے دادا علیؑ کھڑے ہوئے ہیں، انؑ کے ہاتھ میں دو جام ہیں، ایک جام مجھے دے دیا ہے اور ایسا پانی پلایا ہے کہ جس سے پیاس بالکل بجھ گئی ہے۔ اور بابا! ایک جام اور ہاتھ میں ہے، فرماتے ہیں کہ یہ میرے بچے حسینؑ کیلئے ہے، وہ تین دن کا بھوکا پیاسا آ رہا ہے۔

## جب لوگوں کا ہجوم ہوا تو جنابِ زینبؑ نے رو کر کہا: ہائے میرا پردہ! اپنی بہنؑ کو روتا ہوا دیکھ کر سرِ حسینؑ نے کہا: زینبؑ! رونہیں، میں قرآن پڑھتا ہوں، لوگ میری طرف دیکھیں گے، تیرا پردہ بچ جائے گا۔

میں کہتا ہوں کوئی منظر آپ کے سامنے آیا کہ کوفہ و دمشق کا راستہ ہے اور مختلف نیزوں پر، میں تو یہی محسوس کرتا ہوں کہ مختلف قد و قامت کے قرآن ہیں، کوئی جوان کا سر ہے، کوئی نو جوان کا سر ہے اور کوئی بچے کا سر ہے۔ مختلف قد و قامت کے قرآن نیزوں پر بلند ہیں اور ایک نیزۂ طویل پر قرآنِ اعظم وہ ہے جس کو سب سے آگے رکھا ہے۔ بالکل صفین کا مرقع ہے جو آج کھنچا ہوا ہے۔ اربابِ عزا! انہوں نے کوفہ کے بازار میں نیزے پر بھی ثابت کر دیا اپنے ناناؐ کے ارشاد کی سچائی کو کہ دیکھو! ہم سے قرآن کبھی جدا نہیں ہوتا، سر اور گردن الگ الگ ہو گئے۔

لیکن ہم سے قرآن الگ نہیں ہوا۔ اس کے گواہ ہیں صحابیِ رسولؐ زید بن ارقم، جنہوں نے اپنے بالا خانے پر سے، جو سرِ راہ تھا، یہ سنا کہ قرآن مجید کی آواز آ رہی ہے اور یہ آیت ہے:

''اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّ اَصْحَابَ الْکَهْفِ وَالرَّقِیْمِ کَانُوْا مِنْ اٰیَاتِنَا عَجَبًا''۔

''تم سمجھتے ہو کہ اصحابِ کہف کا واقعہ اس سے زیادہ عجیب ہے تو یہ نیزہ پر سر ہے اور زبان پر تلاوتِ قرآن ہے''۔

دیکھے دنیا کہ قرآن جدا نہیں ہوا، سر و گردن علیحدہ علیحدہ ہو گئے اور اب میں کہتا ہوں کہ وہ سجدۂ آخر تھا جو عصر کو ہوا اور یہ اُس کے تعقیبات ہیں جو نیزے پر ادا ہو رہے ہیں۔ بہر حال انہوں نے ثابت کر دیا کہ قرآن ہم سے جدا نہیں ہوتا۔

۞ ۞ ۞

## امامؑ کی پیاس کی حد عصرِ عاشور تک ھے لیکن زینبؑ کی پیاس کی کوئی حد ھی نہیں ھے۔میرے نزدیک تو جنابِ زینبؑ نے باقی عمر بھوک وپیاس میں گزاری ھے۔

جب واقعہ کربلا یاد آئے تو تم یہ کہو کہ کاش! ہم بھی آپ کے ساتھ ہوتے اور اس عظیم کامیابی کو حاصل کرتے۔ یہ ''کاش ہم ہوتے''، اس کے معنی ہیں مقصد میں اظہارِ وحدت کے جو شہدائے کربلا کا مقصد تھا، اس مقصد میں ہم شریک ہیں۔ اس کے معنی ہیں اظہارِ عزم کہ ہم نہیں تھے اُس وقت، مگر ہوتے تو وہی کرتے جو مجاہدین کربلا نے کیا۔ تو اب ہمارے مولا علی ابن ابی طالب علیہما السلام نے جنگِ جمل کے موقعہ پر اصول بتا دیا کہ اس اصول کے ماتحت کربلا میں وہی فقط بہتر (۷۲) نہیں تھے بلکہ جو جو بعد میں جذباتِ نصرتِ دین میں شریک ہوں، اُن کے ساتھ قیامت تک جو بھی گویا صدائے ''هَلْ مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرُنَا'' پر اپنے طرز پر لبیک کہتے رہے، وہ سب اجر شہادت میں ان کے ساتھ شریک تھے جو کربلا والے تھے۔ اور یہی تمنائے بیقرار ہے جس کی بنیاد پر ہم اور آپ روتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ رونا تو بزدلی ہوتی ہے لیکن کسی معرکے میں شریک نہ ہونے پر رونا یہ دین شجاعت ہے۔ ہم زیر رایت ابوالفضل العباس علیہ السلام ہوتے تو نہ روتے، اگر کربلا میں ہوتے تو نہ روتے۔ کربلا کے مجاہدین رو نہیں رہے تھے۔ ہمیں جو وہ دن نصیب نہیں ہوا تو یہ رونا ہے۔ یہ رونا اس تمنا کا اظہار ہے کہ آج ہم آنسو بہا رہے ہیں، اُس وقت ہوتے تو اپنا خون بہاتے۔ اپنا خون اس راہ میں نثار کرتے۔

اب وہ سوال کہ اتنی مدت تک چودہ سو برس گزر گئے، کہاں تک روؤ گے؟ میں کہتا ہوں کہ اس سوال سے تو میری رگِ دل کٹ جاتی ہے۔ اتنی مدت کے بعد اب تک کیوں رو رہے ہو؟

میں کہتا ہوں کہ جنہیں بروقت رونے کا حق تھا، انہیں رو لینے دیا ہوتا تو شاید یہ گریہ اب تک قائم نہ رہتا۔ لیکن جنہیں رونے کا حق تھا، اُنہیں رونے کب دیا؟ ہمارے امامؑ کو رونے والوں کی کمی نہیں تھی۔ زینبؑ اور اُمِ کلثومؑ ایسی بہنیں، سکینہؑ اور فاطمہؑ ایسی بیٹیاں۔ لیلیٰ اور ربابؑ ایسی بیویاں، سید سجاد علیہ السلام ایسا فرزند۔ رونے والوں کی کوئی کمی نہیں تھی مگر رونے کا موقعہ کہاں ملا؟ ادھر وارث کی خبر آئی، اُدھر اشقیاء آگ لے کر خیموں کے پاس آ پہنچے۔ وہاں تو اپنے پردے کے سلسلہ میں جہاد ہونے لگا۔ رونے کا وقت کہاں تھا؟ کربلا میں پیاسے کون سب سے زیادہ تھے؟ جو زیادہ وقت تک رہے، وہ زیادہ پیاسے رہے، اس لئے بہتر (۷۲) سب پیاسے تھے مگر مرثیہ جب پڑھا گیا، حسینؑ کی پیاس کا۔ زینبؑ نے کہا تو یہ کہا کہ میرا بھائی پیاسا تھا، وہ سید سجادؑ نے بھی کہا کہ میرے بابا پیاسے رہے، ربابؑ نے بھی یہی سوال کیا کہ میرے وارث کو پانی بھی ملا؟ مگر مولاؑ کی حدِ عطش عصر عاشورہ، عصر عاشور کے بعد مولاؑ کی پیاس ختم ہوگئی۔

وہی جس کے بعد ہم لوگ فاقہ شکنی کر لیتے ہیں اور خدا کی قسم! شرع کے دباؤ سے کرتے ہیں کیونکہ ان لوگوں نے منتی روزے رکھے

تھے،اس لئے ہمیں تاکید کی گئی کہ اس وقت کچھ کھالو تاکہ ان کے عمل سے شباہت پیدا نہ ہو ورنہ ہم کوئی خوشی سے کھاتے ہیں؟ اُس وقت کوئی خوشی سے پانی پیتے ہیں؟ جب جانتے ہیں کہ اس وقت وہاں آگ کے شعلے بلند ہوئے۔خدا کی قسم! یہ اُن کے عمل سے شباہت سے بچنے کیلئے کلیجے پر پتھر رکھ کر پانی پیتے ہیں، کلیجے پر پتھر رکھ کر کچھ غذا کھاتے ہیں۔تو حضور! مولاؑ کی حدِ عطش عصرِ عاشورہ، لیکن اہلِ حرم کب تک پیاسے رہے،امامؑ کی حدِ عطش میں نے بتادی، زینبؑ کی پیاس کی حد کیا بتاؤں کہ زینبؑ کب تک پیاسی رہیں؟

۞ ۞ ۞

# ہر مجلس حسینؑ میں آئمۂ طاہرین کی ارواحِ پاک آتی ہیں، خاص طور پر جنابِ سیدہؑ اپنے مظلوم بیٹےؑ کی مجلس میں ضرور تشریف لاتی ہیں اور مؤمنین و مؤمنات کو دعائیں دیتی ہیں۔

شہاب الدین زہری، یہ آئمہ حدیث میں سے ہیں اور عبدالملک بن مروان کے ہاں اُن کی بڑی قدر و منزلت تھی، کثیر التعداد شاگردوں کے اُستاد ہیں۔ اُن سے احادیث پوچھی جاتی تھیں اور یہ حق کی بہت سے حقیقتوں سے واقف تھے مگر چونکہ بادشاہ تک پہنچ تھی تو آزادی کے ساتھ مفادات کو نظر انداز تو نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا پھر بھی حسبِ مصلحت بیا کرتے تھے۔ بادشاہ نے اُن سے پوچھا، اُموی بادشاہ نے پوچھا کہ کیا آپ کے علم میں یہ ہے، سنا ہے کہ علی مرتضیٰؑ کے سر پر جب ضربت لگی ہے اور آپؑ کی وفات ہوئی ہے تو بیت المقدس میں جو بھی پتھر اُٹھایا گیا، اس کے نیچے سے خون اُبلتا تھا۔ یہ روایت غالباً عام طور پر گوش زد نہیں ہوئی ہے۔ یہ روایت کہ حضرت علی علیہ السلام کی شہادت پر پتھروں کے نیچے سے خون اُبل رہا تھا، اُس نے کہا کہ کے آپ نے سنی ہے؟ یہ بات بے جھجک بیان نہیں کرنا چاہتے تھے، اُس نے کہا کہ میں نے سنا ہے، آپ سے تصدیق چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہ بالکل صحیح ہے اور یہ روایت مجھ تک پہنچی ہے اور میں اس کو معتبر سمجھتا ہوں۔ بے شک ایسا ہوا ہے۔ دیکھئے اب کتنا ٹکراؤ ہے۔ ضمیر میں اور سیاست میں کہ خود مشتاق ہو کر پوچھا اور تصدیق کروائی اور جب انہوں نے تصدیق کر دی تو کہا کہ اچھا مجھے معلوم ہو گیا، اب اس کو لوگوں سے بیان نہ کیجئے گا۔ دیکھا آپ نے کہ فضائلِ آلِ محمدؐ کس طرح مصلحت بینی کے پردوں میں چھپ کر ہم تک پہنچے ہیں۔

غرض یہ ایسے محدثین میں سے تھے کہ بادشاہِ وقت ان سے حدیثوں کی تصدیق چاہتے تھے، اب یہ آئے، دل کے کسی گوشے میں محبتِ اہلِ بیتؑ تھی، آئے اور امام زین العابدینؑ سے عرض کیا کہ میرے ہاں شادی ہے، تمنا ہے کہ آپ تشریف لائیں اور میری عزت افزائی فرمائیں۔ دیکھئے اتنی اہم بات، آج تک اس کا اظہار نہیں ہوا تھا۔ واقعہ سے ظاہر ہے کہ یہ عرض کیا، انہوں نے جو یہ کہا تو گویا مجبور ہو کر امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ بھائی! واقعہ کربلا کے بعد سے میں نے شادیوں میں شرکت ترک کر دی ہے۔ اس جملہ میں اتنا درد ہے کہ میری زبان پر آیا تو آوازیں گریہ کی بلند ہوئیں، چہ جائیکہ صاحبِ عزا خود اپنی زبان پر یہ جملے لائے، اس میں اتنا سوز و گداز تھا کہ انہیں اصرار کی ہمت ہی نہیں ہوئی۔ محل ہی باقی نہیں رہا کہ وہ اصرار کریں اور گویا دل کے اندر یہ جملے گھر کر گئے۔ وہاں سے واپس ہوئے، میں سمجھتا ہوں کہ افسردہ دلی کے ساتھ، یہی تو فلسفہ عزا ہے کہ مسرت متعدی نہیں ہے، محلے میں گانا بجانا ہو رہا ہو تو جستجو نہیں پیدا ہو گی کہ کیا بات ہے لیکن اگر کسی گھر سے رونے کی آواز آ جائے تو آپ کی فطرت مجبور ہو گی کہ دروازہ پر رُک کر پوچھیں کہ کیا بات ہے یعنی اثرِ غم وہ ہے کہ غیر

متعلق کو متعلق بنادیتا ہے۔

بس یہی فلسفہ عزا ہے، یہی کوشش انسدادِ عزا کا فلسفہ ہے ورنہ آنسو ہم بہاتے ہیں، تکلیف لوگوں کو ہوتی ہے، ہاتھ ہمارے سینوں پر پڑتے ہیں، دل دوسروں کا دکھتا ہے۔ درحقیقت فلسفہ عزا بھی یہی ہے اور فلسفہ انسدادِ عزا بھی یہی ہے۔

پس دل میں گھر کر گئی وہ بات اور افسردگی کے ساتھ یعنی خوشی شادی کی ذرا مغلوب ہوگئی، اعلان ہو چکا تھا، ظاہر ہے کہ شادی ہوئی مگر دل پر جو اثر ہو چکا تھا، تو کچھ عرصہ کے بعد جب وہ مصروفیات ختم ہوئیں تو امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اس دن میں نے گزارش کی تھی اور آپؑ نے ایسی بات فرمائی تھی کہ مجھے ہمت نہیں ہوسکتی تھی کہ میں مزید اصرار کرتا لیکن میری دلی تمنا ہے کہ آپ میرے گھر تشریف لائیں تو اب میں آپؑ کے والد بزرگوار کی مجلس عزا قائم کی ہے۔ آپؑ اس میں تشریف لائیں۔ آپؑ نے فرمایا: ہاں! اس میں ضرور آئیں گے۔ ظاہر ہے کہ جب ماحول ایسا ہو اور بادشاہ تک سے رابطہ ہو تو کتنی احتیاط سے سامعین کو چن چن کر اطلاع دی ہوگی، جو رازدار بھی ہوں اور اس گھر کے ساتھ خاص عقیدت بھی رکھتے ہوں۔ وہ مجمع خاص افراد کا ہوا اور امامؑ وقتِ معین پر تشریف لائے۔ انہوں نے امامؑ کو صدرِ محفل میں جگہ دی، مجلس شروع ہوئی اور اب ذاکر منبر پر آ گیا۔ یہ حقیقت ہے کہ ابتداء ذکرِ حسینؑ کی نظم سے ہوئی۔ شاعر نے مرثیہ امام حسین علیہ السلام کا پڑھا۔

میں کہتا ہوں کہ کبھی کبھی ذاکر مصائب میں یہ بیان کر دیتا ہے کہ مجلس میں حضرتِ سیدہؑ عالم تشریف لاتی ہیں اور آپؑ کے ہاتھ میں رومال ہوتا ہے اور رونے والے کے آنسوؤں کو خشک کرتی ہیں۔ تو جب ذاکر یہ بیان کرتا ہے تو مجلس میں اثر پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ تو ایک ذاکر ہے جو بیان کرتا ہے، چہ جائیکہ صاحبِ عزا سامنے موجود ہوں تو اب سامعین کے اثر کا عالم کیا ہوگا۔ نتیجہ یہ ہے کہ ذکرِ مصیبت شروع ہوا تو کسی کو اتنا ہوش نہ رہا کہ کون کہاں بیٹھا ہے؟ جب ذاکر کا بیان ختم ہوا، انہوں نے سر اُٹھایا تو دیکھا کہ جہاں بٹھایا تھا، امامؑ وہاں تشریف نہیں رکھتے۔ پریشان ہوئے، گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا تو یہ دیکھا کہ جہاں لوگ جوتے اُتارتے ہیں، وہاں تشریف رکھتے ہیں۔ انہوں نے آ کر قدموں پر سر رکھ دیا، کہا: مولاؑ! میں نے تو آپؑ کو وہاں بٹھایا تھا، آپؑ یہاں کیوں تشریف لائے ہیں؟ فرمایا: تم تو اسی مجمع کو دیکھ رہے ہو جو تمہارے سامنے ہے، میں دیکھ رہا ہوں کہ کون کون یہاں موجود ہے؟ میری جگہ یہی ہے جہاں میں ہوں۔

❁ ❁ ❁

**کربلا میں جو بھی شہید ہوا،اُس کی مادّی تکلیف اُسی وقت ختم ہوگئی لیکن جو زندہ رہا،وہ سخت تکلیف میں مبتلا رہا۔گویاوہاں جینا مشکل اور مرنا آسان تھا۔ مجھے اس بات کی سمجھ نہیں آسکی کہ مولا نے علی اصغرؑ کو شہادت کیلئے کیوں رکھا، حالانکہ چھ ماہ کا بچہ بھوک و پیاس سے بلک رہا تھا۔**

بہت اہم ہیں کربلا کے یہ تین دن! میں کیا کروں، وحی کا دروازہ بند ہو چکا، کوئی آیت نہیں دکھا سکتا، کوئی پورا سورہ نہیں دکھا سکتا، یہاں جزا کا ذکر کرنا ہی نہیں ہے، یہاں تو بس یہ کہہ دیا کہ اے نفسِ مطمئنہ! بس آ، جنت موجود ہے، داخل ہو اور جنت تیرے لئے کچھ تھوڑی ہے، تو ہم سے خوش ہے، ہم تجھ سے خوش ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ تین دن جو پیاس ہے، اس میں غور کیجئے کہ سب سے زیادہ تشنہ لب کون ہے؟ کربلا میں پیاس کی سب سے زیادہ خصوصیت یہ ہے کہ جو زیادہ وقت تک زندہ رہا، وہ زیادہ پیاسا رہا، اسی لئے ہر جہاد میں عزیز آگے بھیجے جاتے تھے۔

اصحاب پیچھے رکھ جاتے تھے مگر کربلا کی منزل میں یہ ہوا کہ اصحاب پہلے گئے، عزیز بعد میں گئے۔ ممکن ہے کسی ذاکر سے آپ نے سنا ہو کہ عزیزوں نے جانا چاہا ہو اور اصحاب نے قدموں پر سر رکھ دیئے ہوں کہ ہم نہیں جانے دیں گے، ہم اپنے گلے کاٹ ڈالیں گے۔ لیکن میں آپ سے اپنے مطالعہ کی قوت پر یہ عرض کرتا ہوں کہ کربلا کے اقدامات تکلفات کے ماتحت نہیں ہو رہے تھے، میرا علم بھی یہی ہے اور میرا عقیدہ بھی یہی ہے کہ کربلا کے اقدامات ایک مقررہ نظام کے تحت ہو رہے تھے۔ ہرگز یہ نہیں ہے کہ عزیزوں نے جانا چاہا ہو اور اصحاب نے روکا ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ مولاؑ حکم دے کر کہا تھا کہ خبردار! جب تک اصحاب میں سے کوئی ایک بھی ہے، کوئی عزیز آگے قدم نہ بڑھائے۔ میں کہتا ہوں گویا مولاؑ نے کہا: علی اکبرؑ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ تم حوضِ کوثر پر جا کر سیراب ہو جاؤ اور میرا حبیب پیاسا رہے۔ قاسمؑ تم کم سن سہی لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ تم اپنی پیاس بجھا لو اور میرے بوڑھے اصحاب تشنہ لب رہیں۔ اب اس نظام کی تائید میں مَیں واقعہ پیش کرتا ہوں۔ اصحاب میں سے جو نو وارد ہے، وہ سب سے پہلے چلا جائے۔ حُر کو پہلے بھیج دیا۔ خاص الخاص اصحاب دوپہر تک ہیں۔ حبیب ابن مظاہر ظہر تک ہیں اور مسلم ابن عوسجہ بعد تک ہیں۔ حضورِ والا! حُر کو پہلے بھیج دیا۔ امامؑ کے پیشِ نظر یہ ہے کہ جب دشمنوں کی فوج کا سردار ہو کر آیا، تب تو ہم نے پانی پلا دیا اور اب اپنا دوست ہو کر آیا ہے تو ایک جرعۂ آب نہیں۔ تو اگر پانی نہیں پلا سکتے تو پیاسا کیوں رکھیں؟ لہٰذا ابھی آئے ہو، ابھی جاؤ۔

خاص الخاص اصحاب دو پہر تک ہیں۔اس کے بعد فرزندانِ مسلمؑ پہلے چلے جائیں۔فرزندانِ جعفرؑ پہلے چلے جائیں۔عباسؑ ایسا بھائی بعد میں جائے اور برابر کا بیٹا، کڑیل جان بعد میں جائے۔اب کچھ آپ نے سمجھا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس کی قوتِ برداشت پر بھروسہ زیادہ ہے اور جس سے مصیبت کا مقابلہ زیادہ کروانا ہے، اُسے آخر کیلئے رکھا گیا ہے۔

مگر مولاؑ کی خدمت میں دست بستہ عرض کروں گا کہ یہاں تک میری منطق نے ساتھ دیا، یہاں تک میرے فلسفہ نے مدد کی مگر مولاؑ! اب میری منطق جواب دے گئی ہے کہ اب میں اس کا فلسفہ نہیں بتا سکتا کہ یہ عباسؑ کے بعد، علی اکبرؑ کے بعد، یہ چھ مہینے کی جان، آپؑ نے حضرت علی اصغرؑ کو تو بس اپنا پیش خیمہ رکھا۔اس کے بعد جو کہنا ہے، اس کا تتمہ یہ ہے کہ بہتر (۷۲)، سب پیاسے ہیں۔مگر سب سے زیادہ تشنہ لب ہمارے امام حسینؑ۔اس لئے سب پیاسے ہیں مگر مرثیہ جب بھی پڑھا گیا، حسینؑ کی پیاس کا، سید سجادؑ نے بھی کہا: میرے بابا دنیا سے پیاسے گئے، زینبؑ نے کہا: میرا بھائی دنیا سے پیاسا گیا، ربابؑ نے بھی یہی پوچھا کہ کیا میرے سرتاج کو پانی ملا؟ میں کہتا ہوں کہ پھر بھی مولاؑ کی پیاس کی حد عصر عاشور، وہی جس کے بعد ہم اور آپ لوگ فاقہ شکنی کرتے ہیں۔اب مولاؑ کی پیاس ختم ہوگئی ہے مگر میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ زینبؑ کب تک پیاسی رہیں؟ علی اصغرؑ کی پیاس کی حد بتا سکتا ہوں مگر سکینہؑ کب تک پیاسی رہیں؟_____

❁ ❁ ❁

# آوازِ انبیاء نہ پہنچی جہاں تلک
# پہنچی ہیں تیرے خون کی چھینٹیں وہاں حسینؑ

میں کہتا ہوں کہ کردارِ کربلا میں مجھے معصوم وغیر معصوم کا فرق نظر نہیں آتا۔ایک بے داغ مرقعِ کرداری ہے ورنہ معصومؑ اپنی پاک زبان سے سب کو یکساں طور پر کیوں کہتے:

"بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ طِبْتُمْ وَطَابَتِ الْاَرْضِ الَّتِیْ دُفِنْتُمْ فِیْهَاوَفُزْتُمْ فَوْزًا عَظِیْماً".

میرے باپ تم پر قربان ہوں، تم بھی پاک ہوئے اور وہ سرزمین بھی پاک ہوئی جس میں تم دفن ہو گئے۔اب معصوم اپنی تمام کارنامہ ہائے عصمت والی زندگی کے ساتھ کہہ رہا ہے کہ:

"یَالَیْتَنِیْ کُنْتُ مَعَکُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزاً عَظِیْماً".

"کاش! میں تمہارے ساتھ اس کامیابی میں شریک ہوتا اور اس عظیم کامیابی کو حاصل کرتا"۔

ہمیں بھی سکھایا یہی گیا ہے کہ تم جب واقعہ کربلا کو یاد کرو تو یہ کہا کہ:

"یَالَیْتَنَا کُنَّا مَعَکُمْ فَنَفُوْزَ فَوْزاً عَظِیْماً".

"کاش! ہم آپ کے ساتھ ہوتے اور اس عظیم کامیابی کو حاصل کرتے"۔

میں عرض کرتا ہوں کہ پورے ہمارے رونے کا پس منظر اس جملے میں ہے۔مجھے معلوم ہے کہ اس گریہ کے مقابلہ میں منطق سے بھی کام لیا جاتا ہے، فلسفہ سے بھی کام لیا جاتا ہے۔طرح طرح کے اعتراضات نفسیات کی روشنی میں بھی کئے جاتے ہیں، تراشے جاتے ہیں، تلاش کئے جاتے ہیں۔جو جو پہلو سمجھ میں آتے ہیں، وہ پیش کئے جاتے ہیں۔ایک بڑی مہم ہے گریہ کے خلاف۔اسی میں ایک بات ہے کہ کہنے والے کہتے ہیں کہ رونا تو بزدلی ہے، عورتوں کا کام ہے، مرد کہیں رویا کرتے ہیں؟ یہ بزدلی کی نشانی ہے۔بعض اوقات اندازِ بیان اس طرح کا ہوتا ہے کہ سننے والا شرما جاتا ہے، سوچنے لگتا ہے کہ واقعی یہ بزدلی ہے۔

مگر کوئی شرمائے، میں تو نہیں شرماؤں گا، کوئی مجھ سے کہے کہ یہ بزدلی ہے، میں کہوں گا کہ سمجھ کے بات کیجئے، کسی معرکہ میں موجود رہ کر رونا بزدلی ہے اور کسی معرکہ میں شریک نہ ہونے پر رونا عین شجاعت ہے۔خدا کی قسم! ہم حضرت عباس علمدار علیہ السلام کے علَم کے نیچے ہوتے تو روتے نہ ہوتے، کربلا میں کوئی روتا ہوا دنیا سے نہیں گیا۔حبیب ابن مظاہر روتے ہوئے نہیں گئے، مسلم ابن عوسجہ روتے ہوئے نہیں

گئے، زہیر ابن قین روتے ہوئے نہیں گئے۔ تمام فرزندانِ مسلمؑ، فرزندانِ عقیلؑ، فراندانِ جعفرؑ اور بھائی بھتیجے امام حسین علیہ السلام کے، ان سب میں سے کوئی روتا ہوا نہیں گیا۔ قاسمؑ بھی اس وقت تک روئے جب تک اجازت نہیں ملی اور جب اجازت مل گئی تو ہشاش بشاش چہرہ کے ساتھ گئے۔ ہمارے مولاؑ نے، بے شک عباسؑ نے جب پکارا تو کمر تھا ملی، بے شک علی اکبرؑ کی صدا آئی تو بین بھی کئے، روئے بھی ہیں، مرثیہ بھی پڑھا ہے، ان سب کو قابلِ انکار نہیں سمجھتا لیکن جب میدانِ جنگ میں گئے ہیں تو تاریخ طبری میں ہے، اُدھر کی فوج کا ایک سپاہی بعد میں بیان کرتا ہے، وہی طبری کے صفحات میں آیا ہے کہ میں نے کسی ایسے فرد کو نہیں دیکھا کو زخم بھی کھا چکا ہو اور بہتر (۷۲) داغ بھی اُٹھا چکا ہو، جس کے عزیز وا قارب اور اولاد سب داغِ جدائی دے گئے ہوں اور وہ حسینؑ سے زیادہ مطمئن نظر آتا ہو اور یہ جملہ ہمارے ہاں روایت میں ہے کہ جتنا وقت صرف ہوتا جاتا تھا، مولاؑ کا چہرہ دمکتا جاتا تھا تو پھر کہوں گا کہ کربلا میں کون روتا ہوا گیا؟

مگر سید سجاد علیہ السلام عمر بھر روئے۔ اب دنیا ہمارے رونے کا مطلب سمجھے، دنیا کبھی رُخ بدل کر یہ کہتی ہے کہ صدیاں گزر گئیں، اب تک روتے ہو؟ اس سے میرے دل پر نشتر لگ جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جنہیں بروقت رونے کا حق تھا، اُنہیں رو لینے دیا ہوتا تو شاید رونا آج تک قائم نہ رہتا۔

اربابِ عزا! حسینؑ کو رونے والوں کی کمی نہ تھی۔ زینبؑ واُمِ کلثومؑ ایسی بہنیں، لیلیٰ اور ربابؑ ایسی بیویاں، فاطمہؑ اور سکینہؑ ایسی بیٹیاں، سید سجاد علیہ السلام ایسا فرزند! مگر رونے کہاں پائے؟ اِدھر وارث کی خبر آئی، اُدھر اشقیاء آگ لے کر خیموں کے پاس آ گئے۔ قدرت نے دیکھا، اُس نے ان کے صبر کی داد دی۔ اے لیلیٰ! تو اپنے علی اکبرؑ کو نہ رو سکی لیکن قیامت تک جوان اور نوجوان تیرے علی اکبرؑ کا ماتم کریں گے۔ اے ربابؑ! تو اپنے بے شیر کو نہ رو سکی، لیکن قیامت تک علی اصغرؑ کا نوحہ پڑھا جائے گا۔ اے زینبؑ! تو اپنے بھائی کو نہ رو سکی، لیکن حسین، حسینؑ کی صدائیں دنیا میں گونجتی رہیں گی۔

❁ ❁ ❁

# جنابِ زینبؑ کے مصائب کو دیکھئے کہ جس پر سب کو قربان کردیا، وہ اُسے بھی نہ بچا سکیں۔

میں بارگاہِ سیدہؑ عالم میں خود دست بستہ عرض کروں گا کہ آپؑ نے بے شک ہر شعبے میں مثال چھوڑی ہے مگر اے معصومہؑ عالم! اے خاتونِؑ جنت! اے مخدومہ دو جہاں! آپؑ کی سیرت کا نقص نہیں ہے مگر اللہ نے آپؑ کو کوئی بھائی نہیں عنایت کیا۔ اس رشتہ کے تقاضے آپؑ نہیں دکھا سکتی تھیں۔ لہٰذا جس طرح مریمؑ کے بعد آپؑ کی ضرورت تھی، اسی طرح آپؑ کے بعد آپؑ کی بیٹی زینبؑ کی ضرورت تھی۔ اس رشتہ کا مکمل نمونہ حضرت زینبِ کبریٰ سلام اللہ علیہا، انہوں نے اس رشتہ کے تقاضے کربلا میں پیش کر دیئے۔ اربابِ عزا! میری کیا مجال کہ میں حضرت سیدّ الشہداء کی منزل پر کسی کو آگے بڑھاؤں، مگر جو واقعاتی فرق ہیں، وہ کیوں نہ عرض کروں کہ جنابِ سیدّ الشہداء جس میدانِ جہاد میں تھے اور جس میدانِ امتحان میں تھے، تو ہر مصیبت میں زینبؑ ساتھ ساتھ شریک تھیں۔ کیا غربت کے شدائد مولاؑ نے برداشت کئے اور حضرت زینبؑ نے برداشت نہیں کئے؟ کیا روضہ رسولؐ سے روانگی کا صدمہ ہمارے امامؑ کو تھا اور ہماری شہزادی کو نہیں تھا؟ میں کہتا ہوں کہ معتبر روایت تو حضرت سیدہؑ کے متعلق یہ ہے کہ بیت الشرف میں یعنی اپنے گھر کے اندر دفن ہوئیں۔ پہلے تو وصیت یہ کی تھی کہ رات کو میرا جنازہ اُٹھے مگر بعد میں تو جنازہ باہر لایا ہی نہیں گیا۔ بہت مستند روایت ہے، میں کہتا ہوں کہ مولاؑ کیلئے تو مجاز ہے کہ جب اُداس ہوتے ہوں گے تو رسولِؐ اکرم کے سرہانے چلے جاتے ہوں گے یا ماں کی قبر پر چلے جاتے ہوں گے لیکن زینبؑ کیلئے تو گھر کے اندر ماں کی قبر تھی، لہٰذا اُن کیلئے ماں کی قبر سے جدا ہونا بالکل حقیقت، تو کیا حسینؑ کو صدمہ تھا، اُنؑ کو نہیں تھا؟ جب سے کربلا میں آئے، ساتویں سے پانی بند ہوا تو مولاؑ تشنہ لب رہے اور کیا بہن کے لب تر ہو گئے؟ بلکہ مولاؑ کی حد عطش عصر عاشورہ، مگر زینبؑ تو اس کے بعد بھی پیاسی رہیں اور بیبیاں اس کے بعد بھی پیاسی رہیں اور کونسا داغ امامؑ نے اُٹھایا ہے، جس کو زینبؑ نے نہیں اُٹھایا؟ کیا عونؑ و محمدؑ کا صدمہ انہی کو ہوا تو اُن کے بھانجے تھے، اُن کے بیٹے تھے اور عزیزوں کا جو اُن سے رشتہ تھا، وہ ان سے رشتہ تھا۔ حضرت عباس علیہ السلام کے جانے سے مولاؑ کی کمر ٹوٹ گئی، زینبؑ کا کیا عالم ہوگا؟ مولاؑ کی کمر ٹوٹی اور زینبؑ کا دل ٹوٹ گیا عباسؑ کے جانے سے۔

اور علی اکبرؑ کا صدمہ کیا صرف حسین علیہ السلام کو ہوا اور اٹھارہ برس تک جس نے بڑی محنت سے پالا تھا، اُسے صدمہ نہیں ہوا؟ اور بس اہلِ عزا! حسینؑ نے تو فقط عباسؑ اور اُنؑ کے بھائیوں کا داغ اُٹھایا اور زینبؑ نے تو حسینؑ کا بھی داغ اُٹھایا۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے مصائب کو دیکھئے کہ جس پر سب کو قربان کر دیا، اُسے نہ بچا سکیں، اس سے بھی جدائی ہوگئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہر مصیبت میں حضرت زینبؑ بھائی کے ساتھ، مگر اہلِ عزا! جب بہن کے جہاد کا وقت آیا تو بھائی بظاہر ساتھ نہ تھا، اب بھائی کا سر تھا جو کربلا سے کوفہ، کوفہ سے شام تک بہن کے ساتھ چلا گیا۔ مگر بس ایک فرق اور یہ کہ یقیناً علی اکبرؑ نے بے مثل جہاد کیا، یقیناً عباسؑ نے بے نظیر جہاد کیا۔ ہمارے مولاؑ نے

جب تلوار اُٹھائی تو اس حال میں بھی بے مثل جہاد کیا۔

یقیناً ہر ایک نے بے مثل جہاد کیا مگر خود ان حضرات کی بارگاہ میں عرض کروں کہ اے میرے مولا عباسؑ، اے میرے شہزادے علی اکبرؑ، اے میرے مولا حسینؑ! بے شک آپؑ نے بے نظیر جہاد کیا مگر جو جہاد آپؑ نے کیا، وہ خاندانی روایات کے مطابق تھا۔ حمزہؒ کے وارث یوں جہاد نہ کرتے تو کون کرتا؟ جعفرؒ کے وارث یوں جہاد نہ کرتے تو کون کرتا؟ فاتح خیبر کے جانشین یوں جہاد نہ کرتے تو کون کرتا؟ مگر زینبؑ نے جو جہاد کیا، وہ خاندانی روایات سے الگ تھا۔ ارے جس کی ماں کی جنازہ رات کو اُٹھا ہو اور وہ روزِ روشن میں شہر بہ شہر ______

۞ ۞ ۞

# شہزادہ قاسمؑ نے جب بابا کا وصیت نامہ چچا کے سامنے رکھا تو پہلے بھیجنے کا حق نہ تھا، اب روکنے کا حق نہ رہا۔

نہ جانے کب شہزادہ قاسمؑ نے سوچا ہے کہ کہیں میری کم سنی سنگ راہ نہ ہو جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ میری کم سنی باعثِ بدنصیبی ہو جائے مگر خاندانِ رسالت کا بچہ تھا، بے موقعہ سوال کرنے کا محل بھی نہیں ہوتا۔ شب عاشور جب یہ ذکر آیا، امامؑ نے اجازت دے دی کہ ان کو مجھ سے مطلب ہے اور میں تم لوگوں کو اجازت دیتا ہوں کہ تم چلے جاؤ۔ دنیائے تاریخ میں ایسے موقعہ پر ایسا خطبہ نہیں پڑھا گیا ہوگا۔ ہمیشہ ایسے موقعوں پر جوشِ جہاد دلانے والے خطبے پڑھے جاتے ہیں۔

تو اب جہاد بیان ہوتا ہے، جنت کے تذکرے ہوتے ہیں، دوزخ سے ڈرایا جاتا ہے۔ یہی ہمیشہ ہوتا رہا ہے لیکن یہ انوکھا خطبہ تھا کہ امامؑ نے فرمایا کہ دیکھو! یہ رات تاریک ہے:

"فَتَخِذُوْہُ جَمَلاً"۔

اس رات کی تاریکی کو اپنا مرکب بنالو۔ اس مرکب کی پشت پر سوار ہو کر نکل جاؤ۔ امامؑ کے حکم نے ہماری غلط فہمی کو دور کر دیا۔ ہمیں یہ جملہ ملا ہے، آپ نے بھی سنا ہوگا کہ نو (۹) محرم وہ دن ہے جب امام حسین علیہ السلام پر گھیراڈال دیا گیا تھا، محاصرہ تھا، گھر گئے تھے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ چاروں طرف سے فوج نے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ خیال یہ ہوتا ہے کہ راستے بند تھے، غلط فہمی رہ جاتی ساتھ والوں کے کردار میں یہ تصور ہوتا کہ وہ تو پھنس گئے تھے، جاتے تو کیونکر جاتے؟ امام حسینؑ نے اس غلط فہمی کو دُور کر دیا۔

اب ہماری سمجھ میں آیا کہ راستے بند تھے مدد کیلئے آنے والوں کیلئے، لیکن ساتھ چھوڑنے والوں کیلئے راستے بند نہیں تھے۔ آپؑ نے فرمایا کہ جس کا دل چاہے، چلا جائے اور اس میں ایک احساسِ غیریت ہوتا، لہٰذا یہ جملہ بھی ارشاد فرمایا کہ ارے میرے عزیزوں کا ہاتھ بھی اپنے ہاتھ میں لے لو یعنی کوئی عونؑ و محمدؑ کو اپنے ساتھ لے جائے، کوئی فرزندانِ مسلمؑ کو اپنے ساتھ لے جائے، کوئی میرے بھتیجوں کو لے جائے، کوئی عباسؑ کو لے جائے، کوئی علی اکبرؑ کو لے جائے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر یہ جملہ حضرتؑ نے نہ فرمایا ہوتا تو مجمع میں سب سے پہلے مسلم ابن عوسجہ کھڑے ہوتے۔ مگر امامؑ نے یہ جملہ فرمایا کہ جیسے انہیں پریشانی میں ڈال دیا کہ کیا جواب دیں؟ جیسے مولاؑ نے کام بھی اپنا سپرد کر دیا۔

اب ہم کہیں کہ جائیں گے یا یہ کہیں کہ نہیں جائیں گے۔ اس رکاوٹ کو دُور کر دیا عباسؑ نے کھڑے ہو کر، ورنہ یہ جملہ نہ ہوتا تو عباسؑ کو کھڑے ہونے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ چونکہ حضرتؑ نے یہ جملہ فرما دیا تو ابوالفضل العباسؑ مجمع میں سے کھڑے ہوئے اور عجیب انداز یہ ملتا ہے کہ انہوں نے جب کہنا شروع کیا تو تمام عزیز آواز میں آواز ملا رہے تھے کہ کیوں چلے جائیں؟ کیا اس لئے زندہ رہیں؟ خدا کی قسم! وہ

زندگی ہمیں موت سے بدتر ہے جو آپ کا دامن چھوڑ کر بسر ہو۔ جب عباسؑ کہہ چکے اور یہ گویا طے ہو گیا کہ یہ لوگ نہیں جائیں گے۔ تب مسلم ابن عوسجہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے یہ کہا کہ ابھی تو ہمارے ہاتھ میں تلوار ہے، اگر تلوار نہ ہو تو نیزہ لیں گے، نیزہ نہ ہوگا تو کسی اور حربے سے حملہ کریں گے، کچھ اور نہ رہے گا تو پتھر لے لیں گے یعنی عمل محتاجِ ذرائع نہیں ہے۔ جب فرض کا ادا کرنا منظور ہو تو جو ذریعہ ہو، اس کو استعمال کریں گے۔ یہ مسلم ابن عوسجہ نے کہا۔ اس کے بعد زہیر ابن قین کھڑے ہوئے، انہوں نے کہا: ارے یہ تو ایک دفعہ کی موت ہے، اگر ستر دفعہ مارے جائیں اور لاش جلادی جائے اور خاکستر ہوا میں منتشر کر دیا جائے اور پھر زندہ کئے جائیں تو تمنا یہ ہوگی کہ آخری دفعہ بھی جان انہی قدموں پر نثار ہو۔ سب نے کہہ دیا کہ ہم نہیں جائیں گے۔

میں کہتا ہوں کہ خدا کی قسم! یہ دنیا کی زندگی جیسی شب عاشور شرمندہ ہوئی ہے، ایسی کبھی نہیں ہوئی کہ مولاؑ ان کی زندگیاں واپس کر رہے تھے کہ مجھے تمہاری زندگیوں کی ضرورت نہیں ہے اور وہ پھر حسین علیہ السلام کے قدموں پر ڈال رہے تھے کہ اگر آپؑ کو ہماری زندگی کی ضرورت نہیں ہے تو ہمیں بھی اس زندگی کی ضرورت نہیں ہے۔ جب یہ طے پا گیا کہ کوئی نہیں جائے گا تو قاسمؑ کھڑے ہوئے کیونکہ مدت سے تردد تھا، اب محل ہو گیا اس تردّد کے دور کرنے کا اور اطمینان حاصل کرنے کا۔ مدت سے جو پریشانی تھی اپنی کم سنی کی وجہ سے، اس لئے کھڑے ہوئے کہ کیوں چچا جان! میرا نام بھی دفتر شہداء میں ہے؟ میں نے محسوس کر لیا کہ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟ معاذ اللہ، مولاؑ نہیں محسوس کر سکتے تھے؟ سمجھے کہ کم سنی کی وجہ سے یہ ڈر رہا ہے، اسے یہ احساس ہے کہ شاید اسے اجازتِ جہاد نہ ملے کم سن ہونے کی وجہ سے۔ تو پہلے تو ایک سوال کر لیا ان کی کم سنی کی بناء پر کہ دنیا یہ نہ سمجھے کہ اس بچے نے بچپنے میں نادانی کی بناء پر ایک بات اپنے چچا سے پوچھی ہے۔ یہ بچہ اصل معاملہ سمجھا ہی نہ تھا، اس لئے مولاؑ نے ایک سوال کر لیا کہ بیٹا! جواب بعد میں دوں گا، یہ بتاؤ:

"كَيْفَ الْمَوْتُ عِنْدَكَ".

"تمہارے نزدیک موت ہے کیسی چیز؟"

بس بچہ معرضِ امتحان میں آ گیا، فوراً بلا توقف جواب دیا اور ایسا جواب دیا جو حکماء نے اور دانش مندوں نے نہیں دیا۔ ارسطو کا کلام بھی ہم نے سنا ہے موت کے بارے میں، افلاطون کا کلام بھی سنا ہے مگر کسی نے موت کا مزہ نہیں بتایا اور بتایا بھی ہے تو تلخ بتایا ہے۔ شہزادےؑ نے جواب اتنا اونچا دیا ہے کہ دنیا کے حکماء نے نہیں دیا۔ مگر محسوس کیجئے کہ شہزادےؑ کے جواب میں کم سنی ٹپک رہی ہے۔ اس سے بڑا کوئی یہ تشبیہ نہیں دے سکتا، کہتے ہیں: چچا جان! ارے آپؑ کیا پوچھ رہے ہیں؟

"اَلْمَوْتُ اَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ".

"موت تو شہد سے زیادہ میٹھی چیز ہے"۔

معلوم ہو گیا شہزادےؑ کا ذوق کہ شہد بہت پسند تھا۔ کہتے ہیں وہ موت شہد سے زیادہ میٹھی چیز ہے۔ بس مقصد حاصل ہو گیا، اب مولاؑ کو سوال کا جواب دینا ہے۔ میں کہتا ہوں ذرا غور کیجئے جو وجہ تردّد ہو، اس کی قریب تر مثال پیش کر دی جائے تو اطمینان ہو جاتا ہے۔ بچہ یہ کہہ

رہا ہے کہ میرا نام بھی ہے یا نہیں؟ وجہِ تردّد کمسنی ہے تو اس لئے ضرورت ہوئی کہ مولاؑ فرمائیں: ارے قاسمؑ! کل تو وہ دن ہے کہ تمہارا چھوٹا بھائی علی اصغرؑ بھی راہِ خدا میں قربان ہوگا۔ جو مقصد مولاؑ کا تھا، وہ بالکل پورا ہوگیا۔ قاسمؑ کو اپنے لئے اطمینان ہوگیا مگر علی اصغرؑ کا جو نام لیا تو ذہن دوسرے پہلو کی طرف چلا گیا۔ گھبرا کر کہنے لگے کہ کیوں چچا! کیا اشقیاء خیموں کے اندر آجائیں گے؟ بس اب مولاؑ نے شہزادےؑ کا امتحان زیادہ نہیں لیا۔

میری زندگی میں تو یہ مجال نہیں ہے، میں خود ہاتھوں پر علی اصغرؑ لاؤں گا۔ مختصر طور پر کیفیت شہادت بیان کی۔ بس اربابِ عزا! رات کو تو اطمینان حاصل کرلیا مگر روزِ عاشور چونکہ اطمینان ہوگیا بچپن کی طرف سے، جب تک اصحاب جا رہے تھے، تب تک نہیں کہا۔ خاندانِ رسالت کا بچہ ہے، مگر جب عزیزوں کی باری آئی تو فرزندانِ مسلمؑ جانے لگے، قاسمؑ نے کہا: چچا! ہمیں اجازت دیجئے۔ فرزندانِ جعفرؑ جانے لگے، کہنے لگے کہ چچا! ہمیں اجازت دیجئے۔ مگر اب مولاؑ یہ نہیں فرماتے کہ ابھی نہیں بلکہ ہر دفعہ جواب میں فرماتے ہیں: تمہیں کیونکر بھیجوں؟ یعنی جیسے شہزادےؑ کیلئے ایک معمہ بن گیا۔ رات کو تو اطمینان دلا چکے تھے مگر اجازت تو دیتے ہی نہیں، کروں کیا؟ دیکھئے اجازت کتنی ضروری شرط ہے، اجازت نہیں دیتے، کیا کروں؟ میں کہتا ہوں کہ اجازت کیونکر دیں؟ شریعتِ اسلام میں بچہ اپنی ذات کا مالک نہیں ہے۔ بچے کا مالک باپ ہے یا دادا، یہاں نہ باپ موجود ہے، نہ دادا موجود ہے۔ وہ امامت کا علم تھا جس کی بناء پر خبر دے دی تھی اور یہ آئین شریعت ہے جس کی بناء پر بے بسی کا اظہار کر رہے ہیں۔ اتنا انکار کیا، اتنا انکار کیا، اور اصرار اُن کا اور اُن کا انکار اتنا بڑھا کہ بچہ نا اُمید ہوگیا۔ تھک کر ایک عمودِ خیمہ سے لگ کر بیٹھ گیا۔ کوئی مرنے سے کیا اتنا گھبرائے گا جو یہ جینے سے گھبرا رہا ہے؟ کیا کروں، کیا کروں؟ ایک مرتبہ یاد آیا کہ میری ماں نے بیان کیا ہے کہ میرے بابا نے دنیا سے جاتے وقت میرے بازو پر ایک تعویذ باندھا تھا اور یہ کہا تھا کہ جب سخت وقت پر کوئی مشکل منزل آئے تو اس تعویذ کو کھول لینا اور اُس پر عمل کرنا۔ جب انہوں نے اپنے دل سے پوچھا کہ کیوں قاسمؑ! اس سے بڑھ کر کوئی سخت وقت ہوسکتا ہے؟ ضمیر نے کہا کہ اس سے سخت وقت کوئی نہیں ہوسکتا۔ تعویذ کو کھولا تو دیکھا کہ اس میں لکھا ہے کہ اے قاسمؑ! اس تعویذ کو تم اُس وقت کھولو گے جب تمہارا چچا نرغۂ اعداء میں گرفتار ہوگا۔ اے قاسمؑ! تم میری طرف سے میرے بھائی کی نصرت کرنا۔ بس قاسمؑ کو کچھ کہنا نہیں تھا۔ وہ تعویذ لے کر آگئے، وہ نوشتہ امامؑ کے سامنے پیش کردیا۔ میں کہتا ہوں کہ اب مولاؑ کے دل کی خبر لیجئے، ابھی تک بھیجنے کا حق نہ تھا اور اب روکنے کا حق نہ رہا۔ بچے کو گلے سے لگا کر اتنا روئے، اتنا روئے کہ ___

۞ ۞ ۞

# امام حسینؑ اصغرؑ کے لاشے کو درِخیام پر لاکر سات مرتبہ آگے بڑھے اور سات مرتبہ پیچھے ہٹے کہ ربابؑ سے کیا کھوں گا؟

بخدا! میرے نزدیک کربلا کا شش ماہہ بچہ جو ہے، اُس کی شرکت نے پورے مجاہدین کربلا کیلئے بے خطا ہونے پر مہر تصدیق ثبت کردی۔ جب تک عباسؑ آئے، دنیا کہہ سکتی تھی کہ تلوار نہ سہی، نیزہ لے کر آئے تھے۔ اب جنگ نہ کرتے تو کیا کرتے۔ علی اکبرؑ آئے تھے، دنیا کہتی کیونکر جنگ نہ کرتے، فاتح خیبر کے خاندان کا شیر تلوار لے کر آیا تو جنگ نہ کرتے تو کیا کرتے؟ ارے قاسمؑ! کم سن بچہ سہی مگر تلوار لے کر گئے ہیں تو کہتے کہ بچہ سہی مگر شیروں کا شیر ہے۔ وہ بچہ بھی تو اسی خاندان کا ہے، جنگ نہ کرتے تو کیا کرتے۔ لیکن جب علی اصغرؑ آگئے تو اب دنیا اپنے ظلم کی کوئی توجیہہ نہیں کرسکتی۔

دنیا اپنے ظلم کی کوئی وجہ نہیں بیان کرسکتی۔ ارے یہ کونسی تلوار لے کر گئے ہیں؟ یہ کونسا نیزہ لے کر گئے ہیں؟ ان کے پاس بس ایک زبانِ بے زبانی ہے۔ ارے جب ان پر تیر ستم رہا ہوا تو پتہ چلا کہ جتنے تھے، سب بے گناہ تھے، جتنے تھے سب بے خطا تھے۔ جیسے حسنؑ و حسینؑ کی مباہلہ میں شرکت نے بتا دیا کہ جتنے مجاہدین ہیں، سب بے خطا ہیں۔

یہ ایسے ظالم ہیں کہ جب ایک بچے کو تیر ستم کا نشانہ بنا سکتے ہیں تو کسی اور پر یہ ظلم کریں تو ان سے کیا بعید ہے؟ اس بچے کی شرکت نے فیصلہ کردیا۔ میں کہتا ہوں کہ اس بچے کی اہمیت کو محسوس کیجئے۔ شہزادےؑ کی عمر کا نام کا جزو ''ششماہہ''، چھ مہینے شہزادے کی عمر ہے۔ محرم میں شہادت ہوگئی تو چھ مہینے ہی تو ہوئے۔ کچھ سمجھ میں آیا، میری سمجھ میں تو یہی آیا کہ جیسے بعثتِ رسولؐ منتظر رہی ان علیؑ کے ایک عمر تک پہنچنے کی، ویسے ہی امام حسین علیہ السلام کا اقدامِ عمل منتظر رہا اس علیؑ کے دنیا میں آنے کا۔ بس ادھر علی اصغرؑ دنیا میں آئے، پتہ نہیں چلتا کہ کتنے دن کے تھے کہ مولاؑ نے سفر غربت اختیار کیا اور میں تو یہ کہوں گا کہ علی اصغرؑ کی زندگی کا ہر دن مولاؑ کے سفر کی ایک منزل ہے اور جب مولاؑ کا سفر اختتام تک پہنچا تو علی اصغرؑ کی عمر انتہا تک پہنچ گئی اور اب میں کہتا ہوں کہ ان کی عمر کی اب ایک نئی حد شروع ہوگئی۔ اب ایک جملہ ہے، ظاہر ہے کہ نہ کسی کو گھٹانا ہے، نہ کسی کو بڑھانا ہے، جو واقعاتی فرق ہے، وہ عرض کررہا ہوں کہ کربلا کے دن تک ہمیں معلوم ہے کہ ایک علی اکبرؑ تھا اور ایک علی اصغرؑ تھا اور کربلا کے بعد جو علی اکبرؑ کی عمر ہے، وہی علی اصغرؑ کی عمر ہے۔

بس اہلِ عزا! ایک مزید اہمیت پر بنائے ترتیب کربلا کہ ترتیبِ کربلا یہ تھی کہ اصحاب سب سے پہلے چلے جائیں، عزیز بعد میں جائیں۔ عزیزوں میں بھی دور کے عزیز پہلے جائیں، علی اکبرؑ بعد تک رہیں، عباسؑ بعد تک رہیں۔ اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ جس سے شدتِ وقت کا مقابلہ زیادہ کروانا ہے، اُسے بعد کیلئے رکھا ہے۔ بس بارگاہِ حسینی میں یہ عرض کرنا ہے کہ عباسؑ کے بھی بعد، علی اکبرؑ کے بھی بعد، یہ

چھ مہینے کی جان، یہ شہزادۂ علی اصغر جیسے مولاؑ نے اپنا پیش خیمہ رکھا۔ ان کے بعد بس خود مولاؑ میدان میں گئے ہیں۔ بس اس شہادت کی ایک خصوصیت پیش کرنا ہے۔ ہمیں تاریخ کربلا میں تردّد کا کوئی وقت نہیں ملتا۔

غم اور ہے، رنج اور ہے، صدمہ اور ہے مگر جس کا نام تردّد ہے، ایک وقت بھی نہیں ملتا کہ جب کسی محل پر تردّد ہوا ہو مگر بس یہ ایک منزل ہے، یہ تردّد کونسا محل ہے؟ تردّد اُس وقت ہوا ہے جب لائے تھے بچے کو اور اب ہاتھوں پہ لاش ہے۔ آپ سب عملِ عاشور کے پابند ہوں گے۔ عملِ عاشور کی دو ترکیبیں ہیں: ایک میں تو سو مرتبہ صلوات اور سو مرتبہ لعن ہے، ایک دوسری ترکیب ہے کہ اس میں سات مرتبہ آگے بڑھتے ہیں اور سات مرتبہ پیچھے ہٹتے ہیں اور زبان پر ہوتا ہے:

"اِنَّالِلّٰهِ وَ اِنَّااِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ".

حدیث میں یہ ہے مگر علماء نے کہا ہے کہ یہ شبیہ ہے عملِ حسینؑ کی اور یہی منزل ہے تردّد کی کہ جب علی اصغرؑ کو لائے ہیں تیر کھانے کے بعد تو مولاؑ چاہتے ہیں خیمے کے اندر جائیں مگر پھر خیال آتا ہے کہ رُبابؑ سے کیا کہوں گا؟ علی اکبرؑ کیلئے کوئی تردد نہیں ہوا کیونکہ لیلیٰ جانتی تھیں کہ کہاں جا رہے ہیں۔ مگر جس ماں نے سمجھا ہو کہ پانی پلانے لے جا رہے ہیں، اب اس سے کیا کہیں؟ اب تردد ہے کہ کیا کہوں گا؟ تو جیسے ملتِ ابراہیمی میں یہ عدد بھی کچھ میراث بنا تھا کہ جتنی دفعہ ہاجرہ نے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی تھی، وہی سات مرتبہ مولاؑ خیمے کی طرف بڑھے اور پھر پیچھے ہٹے۔ یہی ہدایت ہے عملِ عاشور کیلئے کہ سات مرتبہ آگے بڑھو اور سات مرتبہ پیچھے ہٹو۔ اسی طرح مولاؑ کبھی چاہتے ہیں کہ خیمے میں جائیں، جلالتِ حسینؑ مانع ہے مگر کیا کروں اُردو میں یہی لفظ ہے کہ چاہتے ہیں خیمے میں جائیں مگر جیسے ہمت نہیں ہوتی۔ بس جب سات مرتبہ آمد و رفت ہو چکی تو اب مجھے تو پھر یہی لفظ ملتا ہے کہ اب دل کو مضبوط کر کے خیمے کے اندر قدم رکھا اور کہا کچھ نہیں گیا، بس جس حال میں تھے علی اصغرؑ، انؑ کی ربابؑ کی گود میں دے دیا اور ربابؑ نے چہرہ پر نظر کی۔

خدا کی قسم! یہ وہ ہیں جنہوں نے اس خاندان میں بہو ہونے کی عزت رکھی ہے کہ ربابؑ نے معصومؑ کو گود میں لیا اور جو کیفیت میں صدیوں بعد محسوس کر رہا ہوں، ربابؑ نے بھی اُسے محسوس کر لیا کہ مولاؑ جیسے مجھ سے شرمندہ ہیں۔ ایک جملہ کہا، آج آپ اس کیفیت کا اندازہ کیجئے، ایک جملہ کہا ہے جو مرثیہ بھی ہے اور گویا حسینؑ کی طرف سے عذر خواہی بھی ہے، کہتی ہیں:

"یَابُنَیَّ اَمِثْلُکَ یُنْحَرُ".

"کیوں بیٹے! کیا تمہارا ایسا بھی ذبح کیا جاتا ہے؟"

مرثیہ تو ہے ہی مگر میں کہتا ہوں کہ گویا کہہ رہی ہیں کہ مولاؑ! شرمندہ نہ ہو جایئے۔ ارے کوئی کوئی یہ سوچ سکتا ہے کہ یہ نتیجہ ہوگا۔ کہیں اس عمر کے بچوں کو تیر لگایا جاتا ہے؟

❁ ❁ ❁

# مقصدِ حسینؑ کو اُجاگر کرنے کیلئے کوفہ وشام کے درباروں اور بازاروں میں جاکر جو کردار زینبؑ اور سیدِ سجادؑ نے ادا کیا، وہ قیامت تک کوئی بھی ادا نہ کر سکے گا۔

لوگ کہتے ہیں کہ بہتر (۷۲) کو فوج کیوں کہا جاتا ہے؟ کہیں بہتر (۷۲) کی فوج ہوتی ہے؟ میں کہتا ہوں کہ مولاؑ اگر ان کو فوج نہ سمجھتے تو ترتیبِ لشکر کیوں کرتے؟ مولاؑ اپنے بہتر (۷۲) کو نظر حقارت سے نہیں دیکھتے تھے کہ یہ کیا ہیں؟ جس طرح وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے، ان میں میمنہ تھا، میسرہ تھا، ویسے ہی انہوں نے بہتر (۷۲) میں میمنہ بھی بنایا، میسرہ بھی بنایا۔ قلبِ لشکر بھی بنایا، علمدار بھی بنایا۔ ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ جہاں مجموعی تعداد بہتر (۷۲) ہو، ارے زیادہ سے زیادہ تلاش کیا جائے تو ڈیڑھ سو نکلتے ہیں، تو جہاں یہ تعداد ہو، وہاں میمنہ کتنے آدمیوں کا ہوگا، میسرہ کتنے آدمیوں کا ہوگا؟ قلبِ لشکر کتنے آدمیوں کا ہوگا؟ مگر وہ تاریخیں دیکھ لیجئے، سب سے قدیم تاریخ طبری ہے ہمارے ہاتھوں میں جس میں تفصیل کے ساتھ ہے۔ وہ سب سے پہلا مؤرخ ہے جس نے جو جو اس تک پہنچ گیا، اس سب کو تفصیل سے لکھا۔ اس میں ہمارے نقطہ نظر سے کچھ ناقابل اعتبار بھی ہوتا ہے مگر اس میں سب محفوظ کر دیا گیا۔

طبری کے صفحات میں دیکھ لیجئے کہ ادھر کے میمنہ کا اُدھر کے میسرہ سے مقابلہ ہوا اور ادھر کے میسرہ کا ادھر کے میمنہ سے بھی مقابلہ ہوا لیکن ہر حملے میں یہ ثابت قدم ہوئے اور اُدھر کی جماعت جو ہزاروں کی تھی، اُس نے شکست کھائی۔ ہر حملے میں وہ پسپا ہوئے میمنہ والے حملے میں بھی اور میسرہ والے حملے میں بھی۔ اور یہ وہ ہیں کہ جو ''مَاضَعُفُوْا''، جنہوں نے کمزوری نہیں دکھائی اپنے کردار سے۔ اس کے بعد ''وَمَااسْتَکَانُوْا''، انہوں نے سر نہیں جھکایا یعنی کسی وقت پر یہ قابلِ غور مسئلہ بھی نہیں بنا کہ بیعت کر لی جائے۔ میں کہتا ہوں کہ کسی اور کا کیا ذکر، سکینہؑ رخصتِ آخر کے وقت باپؑ کا دامن پکڑ کر کہتی ہیں کہ مجھے ناناؐ کے روضہ پر پہنچا دیجئے۔ یہ واقعہ میرے نزدیک سکینہؑ کی کم سنی کو ثابت کرنے کیلئے کافی ہے۔ مجھے جو عرض کرنا ہے وہ یہ ہے کہ سکینہؑ باوجودِ کم سنی کے یہ کہہ سکتی ہیں کہ مجھے ناناؐ کے روضے پر پہنچا دیجئے۔ مگر سکینہؑ کی زبان پر یہ نہیں آتا کہ بابا! اب تو بیعت کر لیجئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بیعتِ یزید ____ جنابِ سکینہؑ کیلئے بھی ناممکن تھی۔ ''وَمَااسْتَکَانُوْا''، انہوں نے سر نہیں جھکایا۔ اس جماعت کا جو قبلہ نظر ہے، جو مرکز ہے، جس کے گرد یہ پروانوں کی طرح طواف کر رہے ہیں، وہ خود کیسا ہوگا؟ حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں معذرت کے ساتھ کہ وہ اولوالعزم ہیں، رسول ہیں مگر جب جماعت ساتھ نہیں دیتی تو وہ بارگاہِ الٰہی میں معذرت کرنے لگتے ہیں کہ خداوندا! میں کیا کروں؟ میرا تو کوئی ساتھ دیتا ہی نہیں۔ بس میں ہوں اور میرا بھائی ہے اور کوئی ہے ہی نہیں۔ یعنی'' اب میں کیا کروں'' اظہارِ بے بسی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ فخرِ موسیٰ علیہ السلام ہیں کربلا میں کہ وہ خود پوری جماعت کو کہتے ہیں کہ مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ شب

عاشور کا خطبہ کیا چیز ہے؟ شبِ عاشور کے خطبہ کے معنی ہی یہی ہیں کہ میں تنہا اس مہم کو طے کرلوں گا۔ یہ شبِ تاریک ہے، چلے جاؤ۔ ابھی تو مخاطب مسلم ابن عوسجہ اور حبیب ابن مظاہر ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میرے عزیزوں کا ہاتھ بھی اپنے ہاتھ میں لے لو، قاسمؑ کو لے جاؤ، علی اکبرؑ کو لے جاؤ، یہاں تک کہ انہوں نے کہا تھا کہ میں اور میرا بھائی، اور یہ حسینؑ ہیں کہ بھائی کو بھی مستثنیٰ نہیں کرتے اور اگر بھائی کو مستثنیٰ کیا ہوتا تو عباسؑ کو ضرورت کیا تھی کھڑے ہونے کی مجمع میں سے تو سب سے پہلے عباسؑ کھڑے ہوئے تھے اور کہا تھا کہ ہم آپؑ کا ساتھ کیوں چھوڑ کر چلے جائیں؟ اس لئے کہ زندہ رہیں؟ خدا کی قسم! وہ زندگی ہمیں موت سے بدتر ہے جو آپؑ کا ساتھ چھوڑ کر ہو۔ جب یہ کہہ چکے تو پھر اصحاب کھڑے ہوئے۔ یہ زندگی جیسی کربلا میں ذلیل ہوئی ہے، ایسی کبھی نہیں ہوئی۔ امام علیہ السلام اُن کی عمریں واپس کر رہے ہیں کہ مجھے تمہاری زندگیوں کی ضرورت نہیں ہے اور وہ اس زندگی کو حسین علیہ السلام کے قدموں میں ڈال دیتے ہیں کہ ہمیں بھی اس کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کربلا کا قائد ہے اور یہ کربلا کے ساتھی ہیں جن میں ساتھی ایسے ہیں جن کی مثال نہیں اور سردار ایسا ہے جس کی نظیر نہیں۔ اور کوئی اور کیا نظیر ہوگا جبکہ میرے سامنے اولوالعزم رسول حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کی نظر ہے اور حسینؑ کا کردار اور اس سے آگے نظر آ رہا ہے۔

بس اہلِ عزا! اب بابِ مصائب آ گیا۔ یہ کہا مولاؑ نے کہ میرے عزیزوں کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤ مگر ہماری ناقص نگاہ، ظاہر ہے کہ نگاہ تو ہماری ناقص ہے ہی، ہمارے نزدیک جو سب سے بڑی کہنے کی بات تھی، وہ مولاؑ نے نہیں فرمائی کہ جاتے ہو تو اہلِ حرم کو مدینہ پہنچا دو۔ ہمارے نزدیک یہ سب سے بڑی کہنے کی بات ہے۔ مولاؑ نے یہ نہیں کہا، اس سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مولاؑ کو اپنے جہاد میں عباسؑ کی ضرورت نہ تھی مگر زینبؑ کی ضرورت تھی۔ یہ کسی سے نہیں کہا، یہ کہا کہ عزیزوں کو لے جاؤ، اس کے معنی یہ ہیں کہ علی اکبرؑ کیلئے کہا کہ کوئی لے جائے۔ لیکن علی اصغرؑ کیلئے نہیں کہا کیونکہ وہ تو اہلِ حرم کے ساتھ ہیں۔ جب اہلِ حرم کو جانے کیلئے نہیں کہا تو کیا مطلب ہوا کہ مقصدِ حسینی عباسؑ کے بغیر پورا ہو جاتا مگر زینبؑ کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔ امام علیہ السلام کا مقصد بغیر علی اکبرؑ کے پورا ہو جاتا مگر بغیر علی اصغرؑ کے پورا نہیں ہوتا۔ دنیا والے کہہ رہے تھے کہ مولاؑ! آپ جا رہے ہیں تو انہیں کیوں لے جا رہے ہیں؟

اس وقت مولاؑ ہر ایک کو کیا مستقبل بتاتے؟ کسی سے یہ کہا کہ یہ رسولؐ کی امانتیں ہیں۔ کسی سے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے، یا اللہ پر چھوڑتے تھے کہ اللہ کو منظور یہی ہے۔ ان کو کیا فلسفہ بتاتے کہ کیوں لئے جا رہے ہیں؟ میں کہتا ہوں کہ اب تو واقعات سامنے ہیں، بتایئے جس جس کو حسینؑ اپنے ساتھ لائے، وہ ان کے مقصد میں صرف ہوا یا نہیں؟ اسی لئے کربلا کے دو جہاد ہو گئے: ایک جہاد وہ جو عصر عاشور تک ہوا اور ایک وہ جہاد جو عصر عاشور کے بعد شروع ہوا۔ وہ جہاد جو عصر عاشور تک تھا، اس کے سربراہ حسینؑ ابن علیؑ اور وہ جہاد جو عصر عاشور کے بعد تھا، اُس کی سربراہ زینبؑ بنت فاطمہؑ۔

میں کہتا ہوں کہ جس موقعہ پر خیموں میں آگ لگی، زینبؑ آئیں سید سجاد علیہ السلام کے پاس، بیبیوں سے کہا کہ بغیر امامؑ سے پوچھے ہوئے کیا کہوں؟ تو کیا مسئلہ پوچھنے آئی ہیں؟ جو مسئلہ مجھے معلوم ہے وہ معاذ اللہ حضرت زینبؑ کو معلوم نہ تھا؟ جو میں کہتا ہوں، وہ انشاء اللہ آپ کی سمجھ میں بغیر تشریح کے آجائے گا۔

میں کہتا ہوں کہ مسئلہ پوچھنے نہیں آئی تھیں امامؑ کے پاس، اذنِ جہاد کیلئے آئی تھیں۔ جو گیا، وہ اجازت لے کر گیا۔ اب ان کے جہاد کا وقت تھا تو آئیں وہاں جہاں سید سجاد علیہ السلام غش میں ہیں۔ کہتی ہیں: بیٹا! آنکھ کھولو۔ اب تم امامِ وقت ہو، کیا مطلب؟ یعنی بابا دنیا سے رخصت ہوئے، شہید ہو گئے؟ اب تم بتاؤ میں کہتا ہوں نیزہ بھی مصیبت ہے، تلوار بھی مصیبت ہے، تیر بھی مصیبت ہے مگر یہ کس نوعیت کی مصیبت ہے کہ باپ کے بعد بحیثیت جانشین سب سے پہلا مسئلہ کیا پوچھا جاتا ہے؟ پہلا فریضہ امامت کیا ادا کیا جاتا ہے؟ پھوپھی سرہانے کھڑی ہیں، دیکھو! آگ کے شعلے بلند ہیں، اب تم بتاؤ کہ جل کے مر جائیں یا قدم باہر نکالیں؟ میرے نزدیک تو اُنؑ کا پہلا جہاد یہ ہے کہ اپنے منہ سے کہہ رہے ہیں کہ خیموں سے باہر نکل جائیے۔ اور وہ بیبیاں جن کی ماں کا جنازہ رات کو اُٹھا تھا، روزِ روشن میں شہر بہ شہر پھرائی گئیں۔

۞ ۞ ۞

# جنابِ اُمِ سلمہؓ اور جناب اُم البنینؑ کا مدینہ میں رک جانا فاطمہ صغریٰ کی تیمار داری کیلئے تھا ورنہ وہ حسینؑ، زینبؑ اورکلثومؑ کے بغیر کیسے رہ سکتی تھیں؟

زمانہ گزرتا رہا، رسولِ اکرم کی وفات ہوئی، پچیس برس حضرت علی علیہ السلام کی خانہ نشینی کا دور گزرا، پھراس کے بعد پانچ برس آپؑ کوفہ تشریف لے گئے، وہاں قیام رہااور پانچ برس آپؑ کے دورِحیات کے گزرے اوراس کے بعد دس برس امام حسن علیہ السلام کی زندگی کے گزرے اور دس برس امام حسین علیہ السلام کے دورِحیات کے گزرے۔ وہ خاک جو آنحضورؐ نے جنابِ اُمِ سلمہ کو دی تھی، وہ اُن کے پاس محفوظ رہی، یہاں تک کہ امام حسینؑ نے عراق کا سفر کیا۔ مدینے سے مکہ گئے، جب مدینہ سے روانہ ہونے لگے مکہ کی طرف، اس وقت کے مسافروں کوتو خبر تک نہ ملتی تھی۔

میں کہتا ہوں کہ امام حسین علیہ السلام تشریف لے گئے۔اب مدینہ میں کون کون ہے؟ ایک تو یہی چاہنے والی نانی جنابِ اُمِ سلمہؓ اور ایک وہ خاتون معظمہ ہیں جنہوں نے اپنے چار شیر امام حسین علیہ السلام کے ساتھ بھیج دیئے۔ ارے ایک کو بھی تو اپنے پاس نہیں رکھا۔ وہ جنابِ اُم البنین، مادرِ حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام ہیں۔ اور یہ اختلاف ہے علماء میں، بعض کتابوں میں ہے کہ ایک بیمار بیٹی کو مدینہ میں چھوڑا تھا۔ میرا دل کہتا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے کیونکہ اگر یہ بیٹی نہ چھوڑی ہوتی تو اُم البنینؑ یہ گوارہ نہ کرتیں کہ جنابِ زینب سلام اللہ علیہا کا ساتھ چھوڑتیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولاؑ نے اپنا کچھ کام اُن کے سپرد کردیا تھا تو جنابِ اُم البنین وہاں تھیں، ذریعہ تسلی وہ خاک تھی۔

جب دل گھبراتا تھا، جاکر خاک دیکھتی تھیں، اصلی حالت پر پاتی تھیں، خودبھی تسلی ہوجاتی تھی اور جاکر بڑے اعتماد سے فاطمہ صغریٰ کوتسلی دیتی تھیں، گھبراؤ نہیں، پریشان نہ ہو، میرے پاس تمہارے جد بزرگوار کی دی ہوئی خاک ہے اور وہ اصلی حالت پر ہے، اس لئے سب خیریت ہے۔ اُنہیں بھی تسلی ہوجاتی ہے۔ ایک اُڑتی ہوئی خبر آتی ہے کہ مکہ سے روانہ ہوگئے۔ اس کے بعد کیا ہورہا ہے؟ نہیں معلوم، مگر ہرایک جس کے مسافر ہوں، اُسے معلوم ہوگا کہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ وہاں مسافر کو کوئی پریشانی ہوتی تو یہاں گھر والے یہ کہتے ہیں کہ ہمارا تو اِن دنوں میں دل اُلجھ رہا تھا، ہم سمجھتے تھے کہ کچھ نہ کچھ بات تو ضرور ہے۔ یہ ایک قدرتی بات ہوتی ہے، کون کہہ سکتا ہے کہ جب سے چاند محرم کا نکلا، اس وقت سے مدینہ میں رہ جانے والوں کی کیا کیفیت ہوگی۔ جو واقعہ میں بیان کروں گا، اس سے گواہی تو ملتی ہے کہ کبھی کبھی شاید اس سے پہلے مہینے میں آکر اس خاک کو دیکھتی ہوں لیکن محرم کا چاند نکلا تو روز اس خاک کو دیکھتی ہیں جیسے پریشانی کچھ بڑھی ہوئی ہے۔ خاک اصلی حالت پر نظر آتی ہے تو فاطمہؑ صغریٰ کو تسلی دیتی ہیں۔

مگر اربابِ عزا! جب دسویں محرم آئی تو روایت سے درایتاً مجھے پتہ چلتا ہے کہ آج جیسے خاک کی خاصیت بدل گئی ہے۔ رنگت تو

نہیں بدلی، ابھی رنگ تو وہی ہے لیکن روزانہ اُسے دیکھ کر دل ٹھہر جاتا تھا اور آج خاک کو دو پہر تک دیکھا اصلی حالت میں مگر پھر بھی دل ٹھہرتا نہیں۔ اگر ٹھہر جائے تو پھر آ کر کیوں دیکھیں مگر آج دل ٹھہرتا نہیں۔

خاک عصر سے پہلے تک اصلی حالت میں ہے، پھر بھی دل پریشان ہے، سکون نہیں ہوتا خاک کو دیکھ کر۔ اب آپ تو واقعات سے واقف ہیں، میں کہتا ہوں خاک جنابِ رسولِؐ اکرم کی سچی خبر ہے۔ امام حسینؑ چونکہ زندہ ہیں، قاسمؑ زندہ ہیں، میں کہتا ہوں کہ وہ صغریٰ کا ننھا مسافر، وہ بھی کیا زندہ ہے؟ پھر مولاؑ ہیں بھی تو جسم مبارک پر کتنے زخم آ چکے ہیں۔

چونکہ صادق کی خبر ہے، اس لئے خاک اصلی حالت پر ہے۔ دن بھر جیسے اضطراب رہا، کبھی آنا، خاک کو دیکھنا، کیونکہ یہی ممکن ذریعہ ہے۔ کبھی خود جا کر فاطمہ صغریٰؑ کو تسلی دینا اور جب خود ہی دل ٹھہرا ہوا نہیں ہے تو اُن کو تسلی کیا دیں گے؟ ان کو سکون کیا بخش سکتی ہیں؟ دن گھر تگ و دو میں گزر رہا ہے۔ جو جزو عرض کروں گا، وہ صحیح ترمذی میں موجود ہے کہ دن بھر تگ و دو میں ایسی تھک گئیں کہ عصر سے پہلے آ کر اپنے حجرہ میں خاک پر لیٹ کر سو گئیں۔ اب سو رہی ہیں، اب صحیح ترمذی کی حدیث ہے۔ سو رہی تھیں کہ خواب میں عصر کا ہنگام آ گیا اور اب الفاظِ حدیث ہیں کہ جنابِ اُمِ سلمہؓ نے خواب میں دیکھا کہ جنابِ رسولِؐ خدا تشریف لائے ہیں، اس طرح تشریف لائے کہ سر برہنہ، اب غمِ حسینؑ میں سر برہنہ ہونا بھی بدعت نہیں۔ سر برہنہ، بال پریشان، سر و ریش مبارک پر خاکِ کربلا پڑی ہوئی۔ جنابِ اُم سلمہؓ خواب میں پوچھتی ہیں کہ یہ کیا کیفیت ہے؟ یہ کیا عالم ہے آپ کا؟

فرماتے ہیں: اُمِ سلمہؓ! تمہیں خبر نہیں کہ میرا فرزند حسینؑ شہید ہو گیا ہے۔ میں صبح سے اس وقت تک کربلا میں تھا، یہ میرے سر و ریش پر خاکِ کربلا ہے۔ یہ حسینؑ اور انصارِ حسینؑ کا خون ہے جو میں ان شیشوں میں جمع کرتا رہا ہوں۔ صبح سے اس وقت تک کربلا میں تھا یعنی قاسمؑ کی لاش پامال ہوئی، رسولؐ دیکھ رہے تھے۔ علی اکبرؑ کے سینے پر برچھی لگی، رسولؐ دیکھ رہے تھے۔ عباسؑ کے شانے قلم ہوئے، رسولؐ مشاہدہ کر رہے تھے۔ ارے علی اصغرؑ کے گلے پر تیر لگا اور رسولؐ دیکھ رہے تھے۔ وہ جسے کاندھے پر چڑھاتے تھے، جسے سینے پر سلاتے تھے، اُسے زیرِ خنجر بھی رسولؐ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ نہ جانے زینبؑ و اُمِ کلثومؑ کے سر سے چادر کو اُترتے ہوئے کیسے دیکھا ہوگا؟ مخدراتِ عصمت اور معصوم بچوں کے ہاتھ رسیوں اور زنجیروں میں جکڑے ہوئے کیسے دیکھا ہوگا؟

❁ ❁ ❁

# زینبؑ کی چادر ایسی نہ تھی کہ معمولی مقصد کی کاطر قربان کردی جاتی بلکہ یہ قربانیاں خود بتاتی ہیں کہ امامؑ عالی مقام کا مقصد کتنا عظیم تھا۔

یزید طلبگارِ بیعت ہے، بیعت نہ کرنے کے نتائج ہر صاحبِ عقل کے سامنے ہیں۔ ہر ایک سمجھ سکتا ہے کہ بیعت نہ کرنے کے نتائج کیا ہوسکتے ہیں؟ اب یہ مشکل منزل ہے یا نہیں؟ تو جو اضطراب کے تقاضے وہاں بتلا چکا، وہی یہاں بھی ہیں کہ پیغام ملا تو کوئی روایت نہیں بتاتی کہ انہوں نے ہمدردوں کو جمع کیا ہو۔ بنی ہاشم جن سے ہم کربلا میں متعارف ہیں، اس وقت تو ان کے علاوہ بھی بہت سے افراد موجود ہیں، جنابِ محمد حنفیہ ہیں، جنابِ عبداللہ ابن عباس ہیں جو انتہائی مدبر ہیں۔ بہت ہی صاحبِ ہوش وخرد اور ہوشیار مانے جاتے تھے۔ لوگ ان کو بلاتے تھے اور مشورہ لیتے تھے مگر کوئی روایت نہیں بتاتی کہ ان لوگوں کو بلا کر ان سے مشورہ لیا ہو کہ کیا کرنا چاہیے۔

ارے جبکہ سمجھے ہوئے ہیں کہ بیعتِ یزید میرے لئے ناروا ہے تو پھر مشورہ کیوں لیتے؟ لوگوں نے آ آ کر بنظر ہمدردی مشورے دیئے۔ کچھ نمائشی ہمدرد، کچھ حقیقی ہمدرد مگر مصلحتِ امامؑ سے بے خبر۔ جنابِ عبداللہ ابن عمر نے بھی مشورہ دیا اور عبداللہ ابن مطیع جو جنابِ مختار کے نکلنے کے وقت کوفے کے گورنر تھے، اِن سب نے مشورہ دیا۔ آج ان مشوروں کو پیش کیا جاتا ہے اور انہوں نے کسی کے مشورے پر عمل نہیں کیا۔ کچھ لوگ جو چاہتے ہیں کہ الزام ہم عائد نہ کریں، وہ تقدیر کے سپرد کرتے ہیں۔ بڑے بڑے ممتاز اہلِ قلم لکھتے ہیں کہ وہ تو مشیّت کا فیصلہ تھا یعنی صحیح تو یہی لوگ کہتے تھے مگر کیا کیا جائے کہ تقدیر میں یہی تھا۔ مشیّت اسی کی متقاضی تھی۔ کچھ لوگ کھلم کھلا کہتے ہیں کہ بڑی ضد تھی اور بڑی کد تھی، اتنے ہمدردوں کا مشورہ تھا اور اس کو نہ مانا مگر میں اب پوری ذمہ داری کے ساتھ ان لوگوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتا ہوں کہ جتنے مشورے آپ لوگ پیش کررہے ہیں، ان سب مشوروں کو لائیے اور میرے سامنے پڑھئے کہ کیا کیا مشورہ کس کس نے دیا تو جتنے مشورے تھے، وہ یہ کہ یہاں سے جارہے ہیں آپؑ تو عراق نہ جائیے، طائف چلے جائیں، یمن چلے جائیں، اور کسی دوسری جگہ چلے جائیے، جبلِ طے ____ طے کے پہاڑوں پر مشورہ دیا گیا کہ جائیے، بڑے مشہور قلعے ہیں، آپؑ کی حفاظت ہمارا قبیلہ کرے گا۔ یہ مشورے کہ آپؑ جاتے ہیں تو بچوں اور عورتوں کو کیوں لئے جاتے ہیں؟

یہ ہیں مشورے ان لوگوں کے، مگر کسی مشورہ دینے والے نے یہ نہیں کہا کہ یزید کی بیعت کرلیجئے۔ یہ پورے مطالعہ کی ذمہ داری کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ کسی کا یہ مشورہ نہیں ہے کہ وہ کہتا کہ آپؑ یزید کی بیعت کرلیجئے۔ اس لئے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یزید کی بیعت تو دھندلی نگاہ والوں کو بھی ان کیلئے ناروا معلوم ہورہی ہے۔ اب آجکل دنیا کہہ رہی ہے کہ بیعت کیوں نہ کی؟ یہ سب کچھ ہوگیا اور بیعت نہیں کریں گے۔ انکارِ بیعت میں اتنی شدت! یہ تو ضد ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر صحیح راستے پر قائم ہونا ضد ہے تو کونسا نبی ہے جو (نعوذ باللہ) ضد

کرتا ہو۔ خدا کی قسم! صدائے حق کا ہم اور آپ تک پہنچنا، یہ ان کی مقاومت اور ثابت قدمی کا صدقہ ہے۔

پھر ذرا انصاف کیجئے، آپ اس رُخ پر سوال کرتے ہیں کہ ان کو بیعت سے اتنا انکار کیوں ہے؟ میں کہتا ہوں کہ اسے کیوں نہیں سوچتے کہ یزید کو بیعت پر اتنا اصرار کیوں ہے؟ جبکہ تمام عالم اسلام نے بیعت کر لی تو اگر یہ بیعت نہ کریں تو یزید کا کیا بگڑتا؟ جبکہ اصولِ جمہوریت یہ ہے کہ کثرتِ رائے سے ہر بات طے ہو تو اقلیت کی رائے نا قابلِ اعتبار ہے۔ اس سے اصل مقصد کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ کچھ لوگ نہیں مانتے نہ مانیں۔ یہ پوری طاقت کیوں صرف کی گئی کہ اُن سے بیعت لی جائے۔ یہ آخر یزید کو اتنا اصرار کیوں ہے؟

میں سمجھتا ہوں کہ جس کیلئے یزید کو اتنا اصرار ہے، اسی لئے حسینؑ کو اتنا انکار ہے۔ یزید جانتا ہے کہ حسینؑ ایک فرد نہیں ہیں، فرد اہمیت حاصل کرتی ہے کسی نظام کا نمائندہ ہو کر۔ ایک فردِ عرب ہوتی تو کتنے گوشہ وکنار میں آدمی ہوں گے جنہوں نے بیعت نہ کی ہوگی۔ ارے خود ان کے بھائی تھے، کسی اور نے بیعت کی؟ جنابِ محمد حنفیہ بھی تو علی علیہ السلام کے بیٹے تھے، اُن سے کیوں بیعت طلب نہیں کی؟ حسینؑ سے بیعت بحیثیت ایک فردِ عرب کے نہیں تھی، بحیثیت ایک نمائندۂ خاندانِ بنی ہاشم کے نہ تھی بلکہ حسینؑ سے بیعت اس شریعت کا نمائندہ ہونے کے لحاظ سے تھی۔ یزید جانتا تھا کہ جب تک حسین علیہ السلام نے بیعت نہ کی، اُس وقت تک شہنشاہیت کے سامنے شریعت کا محاذ قائم ہے اور جس دن یہ بیعت کرلیں گے، اُس دن شریعت کا محاذ ہمیشہ کیلئے سیاست کے راستے سے ہٹ جائے گا۔ اس لئے حسینؑ سے بیعت کیلئے پورا اصرار تھا۔

تو ایک جملہ آپ کیلئے کافی ہے، میں کہتا ہوں کہ یزید امام حسین علیہ السلام کو پہچانتا تھا کہ یہ کون ہیں؟ کیا حسینؑ خود نہ پہچانتے ہوں گے کہ میں کون ہوں؟ امام علیہ السلام جانتے تھے کہ اس وقت میرے بھائی حسن مجتبیٰ علیہ السلام ہوتے تو مجھ سے نہ کہا جاتا جو کچھ کہنا تھا، اُن سے کہا جاتا، اور اگر ہمارے پدر بزرگوار ہوتے تو جو کچھ مقابلہ کرنا تھا، ان سے کیا جاتا، ہم سے براہِ راست کوئی مطلب نہ ہوتا اور آگے بڑھئے کہ ہمارے نانا رسولؐ اللہ ہوتے تو جو کچھ سند جوازِ حکومت کی مانگنا ہوتی، وہ اُنؐ سے مانگی جاتی، ہم سے نہ مانگی جاتی۔ مگر چونکہ میرے نانا نہیں ہیں اور میں ہوں، اس لئے مجھ سے بیعت طلب کی جارہی ہے تو میرے بیعت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ میرے بڑے بھائی ہوتے تو بیعت کر لیتے، میرے والد ہوتے اور وہ ہتھیار ڈال دیتے، میرے ناناؐ ہوتے اور وہ مہر تصدیق ثبت کر دیتے؟ میں کہتا ہوں کہ اب فقط ان کی بات نہیں رہی، اب اُنؑ کا بیعت کرنا اُن سب کا بیعت کرنا تھا اور ان کا انکارِ بیعت ان سب کا انکارِ بیعت ہے، شریعتِ الٰہی کا سر جھکا دینا ہے۔ یہ تھا عظیم مقصد جس کیلئے قربانیاں دی گئیں۔ علی اکبرؑ کی جوانی ایسی نہ تھی کہ کسی معمولی مقصد کی خاطر دے دی جاتی، عباسؑ کی باوفا اُخوت ایسی نہ تھی کہ جو کسی معمولی مقصد کیلئے قربان کر دی جاتی، قاسمؑ ایسا بھتیجا اور کیسا بھتیجا؟ قاسمؑ جب میدان میں گئے تو دشمن کی فوج کا ایک سپاہی یہ کہتا ہے کہ ایک بچہ ایسا نکلا جیسے چاند کا ٹکڑا ہو۔ اب جو دشمن کی نگاہ میں چاند کا ٹکڑا ہو، وہ چاہنے والے چچا کی نگاہ میں کیا تھا؟ بیوہ ماں کی نگاہ میں کیا تھا؟ اور پھوپھی کی نگاہ میں کیا تھا؟ یہ قربانیاں دی جارہی ہیں۔

اور بس اہلِ عزا! یہ سب قربانیاں بتاتی ہیں کہ یہ مقصد کتنا عظیم تھا اور میں کہتا ہوں کہ زینبؑ کی چادر ایسی نہ تھی کہ وہ معمولی مقصد کی

خاطر قربان کر دی جاتی۔ یہ قربانیاں خود بتاتی ہیں کہ مقصد کتنا عظیم تھا! کربلا میں کوئی جنگِ مغلوبہ ہوتی اور سب ایک ساتھ شہید ہو جاتے تو ہمارے لئے رونے کے واسطے تو وہ بھی کافی تھا۔

مگر یہ جو ہر اختیار نمودار نہ ہوتا جو کربلا کی تدریجی رفتارِ مصائب نے نمایاں کیا۔ اصحاب سب چلے گئے مگر عزیز سب موجود ہیں۔ اب بھی حسینؑ اقرارِ بیعت کر کے علی اکبرؑ کی جوانی کو بچا سکتے ہیں۔ اب بھی عباسؑ کی زندگی کو بچا سکتے ہیں مگر انہوں نے ثابت کر دیا کہ جس راہ میں حبیب کی پیری گئی، اُسی راہ میں علی اکبرؑ کی جوانی بھی جائے گی۔

امام حسین علیہ السلام کا کارنامہ یہی ہے کہ تمام قربانیاں اپنے سامنے پیش کیں۔ بڑا آسان تھا ان کیلئے کہ سب سے پہلے میدان میں جاتے اور جہاد کر کے راہِ خدا میں شہید ہو جاتے مگر پھر اُن کی قربانی یحییٰ کی قربانی سے آگے نہ بڑھتی۔ اُن کا سر بھی قلم ہوا۔ کارنامہ اُن کا اصل یہ ہے کہ جب تک ایک بھی ناصر رہا، تب تک جان نہیں دی۔ میں کہتا ہوں کہ کربلا میں مرنا اتنا مشکل نہیں تھا، جتنا مشکل جینا تھا۔ اس مہم کو امام حسین علیہ السلام نے طے کیا۔ بس ایک آخری قربانی ہے جسے امام عالی مقام نے اپنے ہاتھ سے نہیں دیا اور وہ سید سجاد علیہ السلام کے حصہ میں آئی جسے میں زینبؑ کی چادر کہہ رہا تھا۔ حالانکہ ہوائے انقلاب جو چلی ہے، اس میں اِن مصائب کی اہمیت بھی دنیا کی نظر میں گھٹ رہی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ انہوں نے اہلِ حرم کے پردے کیلئے اپنی جان کی بازی بھی لگا دی۔ اتنی اہمیت ہے امتحانِ کربلا کی۔ نوعیت یہ ہے کہ ہر غیر اہم، اہم پر قربان ہو رہا ہے۔ جب تک اصحاب گئے، عزیز کوئی نہیں گیا۔ انہوں نے اپنی جانیں دیں۔ جب عزیز رہ گئے تو جتنے تھے، وہ پہلے گئے، امامؑ کی زندگی پر کوئی آنچ نہ آنے دی۔ اب اگر کسی چیز کیلئے امامؑ اپنی زندگی کو خطرہ میں ڈال دیں تو معلوم ہوگا کہ وہ کتنی اہم ہے۔

اب کوئی چیز ایسی جس کیلئے امام حسین علیہ السلام خود سپر بنا دیں، اس کی اہمیت حسینؑ والے محسوس نہ کریں۔ منزل وہ ہے کہ راکب دوشِ رسولؐ پشتِ فرس پر نہیں ہے، اب گرم زمین پر آ چکا ہے کہ روح جسم سے مفارقت کر چکی ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ ابھی زندہ ہیں تو شمر نے یہ تدبیر بتائی کہ گھوڑوں کے رُخ خیامِ اہلِ حرم کی طرف کر دیئے جائیں۔ اگر زندہ ہیں تو برداشت نہیں کر سکیں گے۔ ہاں اربابِ عزا! اب زینبؑ کی چادر کی قیمت سمجھتے کہ اسی غشی کے عالم میں یا تو کمزوری سے، ضعف سے آنکھیں بند تھیں یا اب گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز خیموں کی طرف سے جو آئی تو ایک دفعہ آنکھیں کھول دیں۔ کہنیوں پر زور دے کر بلند ہوئے اور کہا: میں ابھی زندہ ہوں، ابھی میرے اہلِ حرم سے تمہیں کیا مطلب ہے؟ دیکھئے! امام حسین علیہ السلام اپنی جان نثار کر رہے ہیں، زینبؑ کے پردے پر۔

**مدینہ سے مسافر چلے تھے، مکہ سے مسافر چلے تھے، آج گیارہ محرم کو کربلا سے شام چلے نہیں، لے جائے جا رہے تھے زینبؑ مجبور ہیں، سجادؑ بھی مجبور ہیں اور وہ سب اتنے مجبور ہیں کہ اپنے شہیدوں کی لاشوں پر بھی نہ رو سکے۔**

مستند حدیثیں متفق علیہ ہیں کہ 61 ہجری کی خبر پیغمبرؐ خدا نے اس وقت دی جب شہزادےؑ کی ولادت ہوئی اور آپ کی گود میں لا کر دیا گیا۔ رسولؐ اکرم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ پوچھا کہ رونے کا سبب کیا ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم کو نہیں خبر کہ اس پر کیا مصائب گزریں گے؟ وہ سب مصائب پردۂ غیب میں ہیں۔ اس کے بعد بار بار اس کی یاد تازہ ہوگئی اور یہ تو مہمل خبر ہے کہ یہ مصائب گزریں گے لیکن مصائب کی تفصیلات خالق کی طرف سے بتائی گئی ہیں۔ اس کے لئے روایات موجود ہیں کہ ذرا پیرہن اس کے جسم سے ہٹا دو، کرتہ ہٹا دیا گیا۔ آپؐ نے حسینؑ کے جا بجا بوسے لئے۔ امیر المومنین علیہ السلام پوچھتے ہیں کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ فرماتے ہیں:

''اُقَبِّلُ مَوَاضِعَ السُّیُوْفِ وَاَبْکِیْ''۔

''جہاں جہاں تلواریں پڑیں گی، وہاں بوسے لے رہا ہوں''۔

کیسا مرقع کھینچ دیا ہے غیب کی خبر کا۔ اتنی تفصیلات خالق کی طرف سے بتا دی گئی ہیں اور بس یہ عام کتابوں میں نہیں ہے۔ ہمارے ہاں ہے کتبِ مقاتل میں کہ یہ اطلاع صرف رسولؐ اکرم کو نہیں دی گئی بلکہ پنجتنؑ پاک کو اطلاع دی گئی کیونکہ امتحانِ کربلا فقط حسین علیہ السلام کا امتحان نہ تھا، وہ سب کا امتحان تھا۔ لہٰذا جیسے خالق نے رسولؐ اکرم کو اطلاع دے دی، ویسے جنابِ رسولؐ اکرم نے تمام متعلق افراد کو اطلاع دی، صرف علی علیہ السلام کو بلا کر اطلاع ہی نہیں دی بلکہ رضا بھی حاصل کی۔ جیسے خالق کی طرف سے ابراہیمؑ نے صرف اسماعیلؑ کو اطلاع ہی نہیں دی بلکہ اُن کی رضا بھی حاصل کی۔ فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں۔ صرف اطلاع دیتے تو وہ خاموش رہتے، سن لیتے۔ خودمختارانہ طور پر ان سے رضا حاصل کی:

''اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اِنِّیْ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی''۔

''میں خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں، تمہاری رائے کیا ہے؟''۔

اب انہوں نے منظوری دی۔ ابراہیمؑ اگر صرف اطلاع دیتے تو قربانی فقط کارنامہ ابراہیمؑ ہوتی۔ جب اسماعیلؑ سے رضا لے لی تو

قربانی دونوں کا کارنامہ بن گئی، باپ کا بھی بیٹے کا بھی۔ یونہی 61 ہجری میں کربلا کا واقعہ ہونے والا تھا۔ اگر رسولِؐ خدا کو اطلاع نہ دی گئی ہوتی تو یہ واقعہ کربلا صرف امتحانِ حسینؑ ہوتا مگر خالق جانتا تھا کہ اتنا بڑا امتحان نہ اوّلین میں ہوا ہے نہ آخرین میں ہوگا۔ اس لئے یہ امتحان فقط حسین علیہ السلام کا نہ ہو۔ یہ میرے حبیبؐ کا بھی امتحان ہو، جتنے افراد ہیں، اُن سب کا امتحان ہو۔ اس لئے ضرورت تھی کہ رسولِؐ اکرم کو اطلاع ہی نہ دی جائے بلکہ رضا حاصل کی جائے۔

رسولِؐ خدا سے کہا گیا کہ آپؐ کا نواسہ یوں راہِ خدا میں قربان ہو، آپ کو منظور ہے؟ آنحضورؐ نے کہا کہ مجھے منظور ہے اور اب چونکہ سب افراد کا امتحان ہے 61 ہجری میں، لہٰذا رسولِؐ اکرم علی علیہ السلام کو بلاتے ہیں، فرماتے ہیں: تمہارا بیٹا یوں راہِ خدا میں قربان ہو، تمہیں منظور ہے؟ علیؑ نے کہا: ہاں منظور ہے۔ حسن علیہ السلام کو بلایا، اسی کم سنی میں پوچھا: تمہارا بھائی یوں راہِ خدا میں قربان ہو، تمہیں منظور ہے؟ جب آیۂ تطہیر کا جزو ہونے میں عمر کی قید نہ ہوتی تو فرائض کی ذمہ داری ہونے میں عمر کی قید کیوں ہو؟ حسن علیہ السلام سے پوچھتے ہیں کہ تمہیں منظور ہے کہ تمہارا بھائی قربان ہو؟ کہا: منظور ہے۔ اسی کمسنی میں حسین علیہ السلام سے پوچھا جاتا تھا کہ تمہیں یوں قربانیاں پیش کرنا ہوں گی، تمہیں منظور ہے؟ حسینؑ کہتے ہیں کہ مجھے منظور ہے۔

وہی ہے جو ہمارے ذاکرین اکثر کہتے ہیں کہ وعدۂ طفلی تھا جو پورا ہوا۔ پس اہلِ عزا! سب سے کہتے ہیں اور کسی انتظام کی ضرورت محسوس نہیں کرتے مگر اب منزل نازک ہے۔ فرماتے ہیں: یا علیؑ! فاطمہؑ کو بلا لاؤ۔ مگر علیؑ سے فرماتے ہیں کہ فاطمہؑ کو سنبھالنا تمہارا کام ہے۔ لیجئے! فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا حاضر ہوئیں، کہا کہ یہ بچہ جسے تم چکی پیس کر پال رہی ہو، یہ تمہارے بابا کے دین کی خاطر یوں قربان ہو، تمہیں منظور ہے؟ جب یہ کہا ہے تو علیؑ سے کہہ دیا تھا کہ سنبھالنا تمہارا کام ہے۔ تو علی ابن ابی طالب علیہما السلام پس پشت کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو گئے۔ میں کہتا ہوں کہ یا رسولؐ اللہ! یہ فاطمہؑ کو سنبھالنا کیا درِ خیبر کو سنبھالنے سے زیادہ مشکل ہے؟ مگر نہیں، عالمِ نفسیات بشر رسولؐ جانتے ہیں کہ یہ بڑی سخت منزل ہے تو علی ابن ابی طالبؑ گویا فاطمہؑ کو سنبھالنے کی خاطر کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہوتے ہیں اور اب ہر بات راوی نہیں بیان کیا کرتے ہیں۔ مگر جو حقیقت ہے، اس کو تو میں اپنے الفاظ میں کہہ سکتا ہوں کہ فاطمہؑ بعد میں گریں، پہلے کہا کہ منظور ہے، یہ بغیر علم غیب کے یہ خبریں دی جاتی تھیں اور ہر ایک نے انتظام کیا کہ کربلا میں کسی کو اپنا نائب چھوڑے۔ ہر ایک کو یہ بھی معلوم تھا کہ میں موجود نہیں ہوں گا۔ اس دور میں ہر ایک کو فکر تھی کہ اس کی عملی شرکت ہو۔

چنانچہ رسولؐ اللہ کے نائب تو خود حسینؑ تھے۔ علیؑ کو فکر ہوئی کہ ایک میرا بیٹا ہو، اس کیلئے اُم البنین سے عقد کیا جسے زہیر ابن قین نے یاد دلایا ابوالفضل العباسؑ کو۔ یہ بھی تو اثرِ خبر ہے کہ زہیر اصحابِ حسینؑ میں سے نہیں تھے۔ غیر جماعت کے آدمی ہیں جو راستے میں آ کر ملے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ روایت اتنی قوی تھی کہ غیر حلقوں میں پہنچی ہوئی تھی تو مسلم ابن عوسجہ نے ذکر نہیں کیا، حبیب ابن مظاہر نے ذکر نہیں کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ شانِ عباسؑ سے واقف تھے کہ اُن کو یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہے اور چونکہ ابھی اجنبی تھے، ماحول اور خصوصیات سے واقف نہ تھے، مگر روایت سے واقف تھے، انہوں نے کہا کہ مجھے ایک واقعہ معلوم ہے اور میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں۔ کہا کہ کہو کیا ہے؟ کہا کہ آپؑ کے والد بزرگوار نے عقد کرنا چاہا بعد وفاتِ فاطمہ زہراؑ تو آپ کے چچا جان جنابِ عقیلؑ کو بلایا تھا اور یہ ارشاد کیا تھا کہ تم انسابِ عرب سے

واقف ہو۔ میں ایک بہادر خاندان چاہتا ہوں جس میں شادی ہو تو انہوں نے آپ کی ننھیال کا پتہ دیا تھا۔

بس یہ یاد دلانا ہے کہ آج ہی کے دن کیلئے، حالانکہ بھائی اور بھی تھے، اُم البنین کے بطن مبارک سے تھے مگر زہیر اتنا سمجھ گئے تھے کہ جو عباسؑ ہیں، وہ کوئی اور نہیں ہے۔ تمنائے علیؑ کا ماحصل ہیں تو وہ عباس علیہ السلام ہیں۔ تو جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے عباسؑ کو چھوڑا تھا، حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے قاسمؑ کے بازو پر تعویذ باندھا، انہوں نے قاسمؑ کو ذخیرہ کیا اپنی طرف سے کربلا کیلئے۔ میں کہتا ہوں کہ فاطمہ زہراؑ نے اپنا جانشین حضرت زینبؑ کو بنایا۔ انہوں نے دکھایا کہ بہن کو بھائی کے ساتھ کیا کرنا چاہئے؟ یہ کردار سیرتِ فاطمہؑ میں سامنے نہیں آیا تھا جو زینبؑ کبریٰ کے ذریعے سے آیا۔ لیکن اس وقت ایک دوسرا رُخ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ انہوں نے زینبؑ کو چھوڑا۔ اب زینبؑ کو حسینؑ سے کیا ربط تھا اور زینبؑ کا دل کیسا تھا؟ دل شگافتہ کر کے دیکھنے کی چیز نہیں ہے، آثار سے اُس کی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔

دل کیسا تھا شہزادی کا؟ مکے سے چلتے وقت ابن عباس عزیز تھے، رشتہ کے چچا تھے، وہ مشورہ دینے کیلئے آئے۔ ظاہر ہے کہ غیر تو تھے نہیں، پردہ کر کے اندر بلا لیا گیا۔ زینبؑ پس پردہ تھیں، ابن عباس نے کہا: آپ جاتے ہیں تو عورتوں اور بچوں کو کیوں لئے جاتے ہیں؟ ایسے مواقع پر عورتوں اور بچیوں کا کیا کام؟ میں کہتا ہوں کہ ابن عباس کے کہنے سے زینبؑ گوش برآواز ہو گئیں کہ بھائی کیا جواب دیتے ہیں اور سنا کہ امامؑ نے یہ جواب دیا کہ ایک تو یہ کہ یہ رسولؐ خدا کی امانتیں ہیں، ان کو کس کے سپرد کر جاؤں؟ دوسری بات یہ کہ ان کو محبت بھی مجھ سے اتنی ہے کہ میرے بغیر رہ نہیں سکتیں۔ پس زینبؑ کبریٰ نے محسوس کیا کہ ہماری محبت کا بھائی سہارا لے رہے ہیں تو پس پردہ سے فرمایا: اے ابن عباس! مجھے آپ سے یہ اُمید نہ تھی کہ آپ ہمارے وارث کو یہ مشورہ دیں گے کہ وہ چلے جائیں اور ہمیں چھوڑ جائیں۔ ایک عجیب جملہ کہا ہے یہاں جنابِ زینبؑ نے کہ کیوں ابن عباس! کیا حسینؑ کے بغیر زینبؑ زندہ رہ سکے گی؟

میں شہزادیؑ کی خدمت میں عرض کروں گا کہ اے مخدومۂ عالم! اے شہزادیٔ کائنات! کہہ لیجئے کہ امامؑ کی مصلحت ہے کہ آپؑ کو ہمراہ لے جائیں۔ لیکن جب مصلحتِ امامؑ متقاضی ہوگی تو آپؑ کو زندہ رہنا پڑے گا اور امام حسین علیہ السلام چلے جائیں گے۔ دیکھا آپ نے، زینبؑ کا دل کیسا ہے کہ یہ مشورہ ابن عباس کا گوارا نہیں ہوتا اور دوسری منزل یاد دلاؤں؟ نو (۹) محرم کی سہ پہر کو جب حملہ ہوا اور گھوڑوں کی ٹاپوں کی صدا پہلے زینبؑ کے کان میں گئی اور یہ آئیں اور امامؑ اُس وقت ذرا آرام فرما رہے تھے۔ انہوں نے کہا: بھائی! بھائی! اُٹھئے، حملہ ہو گیا۔ امام علیہ السلام کی آنکھ کھلی اور زبان پر تھا:

"اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّااِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ"

انہوں نے کہا کہ کیوں؟ کیا آپؑ اپنے مرنے کی خبر سناتے ہیں؟ امام علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ اس وقت سمجھانے بہلانے اور تسلی دینے کا وقت نہیں ہے۔ اب تو مستقبل کیلئے تیار کرنے کا وقت ہے۔ لہٰذا بیان کر دیا کہ میں نے ابھی نانا کو خواب میں دیکھا ہے، وہ فرما رہے ہیں کہ حسینؑ! بس اب تم میرے پاس آیا چاہتے ہو۔ بس یہ سننا تھا کہ زینبؑ زمین پر گر پڑیں، یہاں تک کہ امام علیہ السلام کو بہن کا سر اُٹھا کر زانو پر لینا پڑا۔ میں نے کہا کہ خواب سنا اور زینبؑ غش کھا کر زمین پر گر گئیں۔ علامہ مجلسیؒ نے لکھا ہے کہ غش کھا گئیں اور ابن طاؤس نے بھی

لہوف میں لکھا ہے کہ غش کھا گئیں۔ امام علیہ السلام اُنؑ کو ہوش میں لائے تو یہ خواب سنا اور غش کھا گئیں۔ اور اب میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ یہ ہیں زینبؑ اور یہ ہے اُنؑ کا دل! مگر عصر کے بعد پھر غش نہیں آیا۔

میدانِ جہاد میں خود تھیں، میدانِ امتحان میں خود تھیں۔ اب غش آنا کیسا؟ اب تو یہ امامِ وقت کو سنبھال رہی تھیں۔ سکینہؑ کو سنبھالنا کیسا؟ امامِ وقت کو سنبھال رہی تھیں۔ وہ کونسا موقع، بڑا قیامت خیز موقع ____ وہ محرم کی گیارہ تاریخ ہے، کوئی کہے کیا عاشورہ سے زیادہ قیامت ہے؟

میں کہتا ہوں کہ بات عاشورے سے بڑھ کی ہے، گیارہ محرم ہے، کل تک سب کچھ ہوگیا تھا مگر شہزادیاں قید نہ تھیں اور گیارہ محرم کو شہزادیاں اسیر ہوگئی ہیں اور اتنا ہی نہیں ہے بلکہ کربلا سے روانگی بھی ہے۔ کوئی کہے گا کہ یہ کیا خاص بات ہے؟ پہلے مدینہ سے روانگی ہوئی تھی، پھر مکہ سے روانگی ہوئی، آج یہاں سے روانگی ہوئی، تو کیا خاص بات ہے؟ میں کہوں گا نہیں، آپ نے غور نہیں کیا، خاص بات ہے۔ مدینہ سے مسافر چلے تھے، مکہ سے مسافر چلے تھے، آج چلے نہیں ہیں بلکہ لے جائے جارہے ہیں۔ میرے سامنے ایک منزل ہے، جنگِ خیبر کے بعد رئیس یہود کی بہن کو اسیر کر کے رسولِ اکرم کی خدمت میں حاضر کیا۔

کسی غیر ذمہ دار شخص کے ساتھ نہیں آئی تھیں بلکہ بلال ساتھ تھے۔ بلال لے کر آئے اور آنحضورؐ نے ایک خاص تغیر محسوس کیا۔ ارشاد فرمایا: کیوں! تمہارے ساتھ کیا کوئی بدسلوکی ہوئی ہے جو تم پر اثر ہے؟ دیکھئے! قیدیوں سے یوں دلجوئی سے بات کی جاتی ہے؟ وہ کہتی ہیں: حضورؐ! جھوٹ نہیں بولنا ہے، میرے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں ہوئی ہے مگر مجھے ادھر سے لائے ہیں جدھر میرے بھائی کا لاشہ پڑا تھا۔ اُسے دیکھ کر میری یہ حالت ہوگئی ہے۔ مجسم خلق عظیم کی تیوریوں پر بل آگئے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: بلال! بڑے قسی القلب ہو، کوئی عورتوں کو اُدھر سے لاتا ہے جدھر عزیزوں کے لاشے پڑے ہوں؟ میں کہتا ہوں کہ کربلا میں کوئی اتنا ہی ہوتا جو کہتا کہ زینبؑ کو چاہے لے چلو مگر اُدھر سے نہ لے چلو جدھر حسینؑ کا لاشہ ہے۔ مگر ابھی تو مجھے کردارِ زینبؑ پیش کرنا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ کون مقرر ہے جو اس وارثِ قلب کی ترجمانی کر سکے؟ جب لیلٰیؑ کی نگاہ ہو اور علی اکبرؑ کا لاشہ ہو، جب اُم کلثومؑ کی نگاہ ہو اور عباسؑ کی لاش ہو، جب بیوۂ حسینؑ کی نگاہ ہو اور قاسمؑ کا لاشہ ہو، آپ اُمیدوار ہوں گے کہ میں آخر میں نام لوں گا مگر میں کہتا ہوں کہ بخدا! اس وقت زینبؑ کا کارنامہ ہے کہ ان کی نگاہ حسینؑ کے لاشے پر نہیں ہے، زین العابدین علیہ السلام کے چہرے پر ہے۔ فرماتی ہیں: بیٹا! یہ کیا عالم ہے، معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے جسم سے روح نکل گئی ہے؟

❁ ❁ ❁

## میرادل کھتا ھے کہ اُمِ لیلیٰؑ منتظر ھوں گی کہ علی اکبرؑ کچھ دیر اُنؑ کے پاس بیٹھیں گے مگر یہ ایک عجیب اتفاق ھے کہ اکبرؑ مدینہ سے کربلا تک حسینؑ سے ایک لمحہ کیلئے بھی جدا نھیں ھوئے۔

تاریخ کا متفق علیہ واقعہ ہے کہ نومحرم سے قبل برابر صلح کی گفتگو تھی اور اُمید ہوگئی تھی کہ اب معاملہ طے ہوگیا۔ ادھر کے سردار نے لکھ دیا تھا کہ اب بنائے جنگ کوئی نہیں رہی، امام حسینؑ یہاں تک تیار ہو گئے ہیں کہ میں ملک چھوڑ دوں گا۔ میں کسی اور ملک میں چلا جاؤں گا۔ اسی وجہ سے ذاکرین پڑھتے تھے کہ روایت میں ہے کہ مولاؑ نے فرمایا کہ میں ہندوستان چلا جاؤں گا، اس وقت کے ہندوستان میں پاکستان بھی شامل ہے۔

اورلوگوں نے بدل کر ہند سے سندھ کردیا۔ تو حقیقتیں سیاست سے نہیں بدلتی ہیں۔ اب نام تو یہی تھا اُس وقت، یہ ٹکڑے الگ کب تھے جو آپ اپنے کو بیگانہ سمجھتے مگر تاریخوں میں اصل میں نام ہے ہی نہیں۔ اس میں صرف یہ ہے کہ کسی دور ترین سرحد پر، دور دراز سرحد پر مجھے جانے دو۔

یہ آپؑ نے ارشاد فرمایا۔ اُس نے لکھا کہ اب کوئی بنائے جنگ نہیں ہے اور ابن زیاد کو یہ خط پہنچا تو پہلا تاثر اُس کا بھی یہی تھا کہ ہاں واقعی! اب اس کے بعد کوئی ضرورت نہیں ہے مگر اس وقت دربار میں شمر موجود تھا۔ طبری، جو اس وقت ہمارے ہاتھ میں قدیم ترین تاریخ ہے، اس میں درج ہے کہ شمر نے کہا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ جاکر حسینؑ سے مل گیا ہے اور آدھی آدھی رات تک گفتگوئیں ہوتی ہیں۔

یعنی اس کی وفاداری کو اس نے مشکوک بنادیا۔ یہ وہ ہے جیسے ایک رئیس دوسرے رئیس سے حسد رکھے۔ پس اُس نے اسی مفسدانہ تقریر کی کہ اس نے اس کو بدظن کردیا۔ اس وقت امام حسینؑ چلے گئے تو پھر گردِ قدم بھی نہ ملے گی اور اس وقت تو بالکل قابو میں ہیں۔ اس غیظ وغضب میں کہ وہ جا کر مل گیا ہے اور ہمیشہ دھوکا دیتا ہے، اُس نے غصہ میں یہ خط لکھا کہ ہم نے تمہیں صلح کی گفتگو کیلئے نہیں بھیجا ہے، نہ اس لئے کہ تم اُن کی سفارش ہمارے ہاں کرو۔ یہی الفاظ ہیں جو طبری میں درج ہیں۔ ہم نے تو صرف اس لئے بھیجا ہے کہ غیر مشروط اطاعت پر آمادہ کرو۔ اگر اطاعت کرلیں تو پھر انہیں بھیج دو، پھر جو مناسب سمجھیں گے، وہ ہم کریں گے اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر تم ان سے جنگ کرو۔ یہ خط لے کر شمر نومحرم کی سہ پہر کو آیا اور یہ چیزیں فلسفے ومنطق سے سمجھ میں نہیں آتیں، یہ راز ہیں دل لگاؤ کے کہ ایک دم سے اس نے حملہ کردیا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ شرط حسینؑ ہرگز پوری نہیں کریں گے۔ ممکن نہیں کہ ہتھیار ڈال دیں، ممکن نہیں کہ بیعت یزید کرلیں۔ لہٰذا یہ بھی دھڑ کا لگا ہوا تھا کہ یہ شمر ابن زیاد کو بدظن کر چکا ہے، مزید کوئی سازش نہ کرے۔ تو اب جلدی کی اور بغیر کسی اطلاع کے حملہ کردیا۔ اب اصحاب سب خیموں کے باہر

ہیں، عزیز سب خیموں کے باہر ہیں، گھوڑوں کی ٹاپوں کی صدا سب سے پہلے جنابِ زینب سلام اللہ علیہا کے کانوں تک پہنچی، فرماتی ہیں: فضہ! دیکھو، میرے بھائی حسینؑ کیا کر رہے ہیں؟

فضہ آئیں، جا کر بتایا کہ تنہا ہیں مگر نمازِ عصر کے بعد ایک عمودِ خیمہ سے تکیہ کر کے بیٹھ گئے ہیں اور ذرا نیند آ گئی ہے، آرام فرما رہے ہیں۔ بس زینبؑ آئیں، کہا: بھائی! حملہ ہو گیا ہے۔ امام علیہ السلام نے آنکھ کھولی تو زبان پر تھا:

''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ''.

جنابِ زینبؑ نے کہا: کیوں؟ کیا آپؑ اپنے مرنے کی خبر سناتے ہیں؟ امامؑ نے محسوس کیا کہ اب بہن کے بہلانے کا موقعہ نہیں ہے، اب تو مستقبل کے مقابلے کیلئے تیار کرنے کا وقت ہے۔ تو فرماتے ہیں کہ میں نے ابھی نانا جان کو خواب میں دیکھا ہے، فرما رہے تھے کہ حسینؑ! تم میرے پاس آیا چاہتے ہو۔ ایک مرتبہ زینبؑ نے گریبان پر ہاتھ ڈالا اور زمین پر پچھاڑ کھا کر گریں اور اب مولاؑ تسلی کیا دیں؟ بالکل ایسے جیسے پرسہ دیا جاتا ہے۔

یہی انداز ہوتا ہے پُرسہ دینے کا، کسی کا بھائی چلا گیا، آپؑ نے کہا: عباسؑ کو یاد کرو۔ کسی کا بیٹا داغِ جدائی دے گیا، آپؑ نے کہا: علی اکبرؑ کو یاد کرو۔ اب مولاؑ کہیں؟ مولاؑ بہن کو پُرسہ دے رہے ہیں، جانتے ہیں کہ عصر کے بعد کوئی پُرسہ دینے والا نہیں ہوگا۔ تو فرماتے ہیں: بہن! ہمارے نانا ہم سے بہتر تھے، وہ نہیں رہے، ہماری ماں ہم سے بہتر تھیں، ہمارے والد گرامی ہم سے بہتر تھے، وہ نہیں رہے، ہمارے بڑے بھائی ہم سے بہتر تھے، وہ نہیں رہے۔ جیسے ان سب پر صبر کر لیا، اسی طرح ہم پر بھی صبر کرنا۔

اب مولاؑ نے تو پُرسہ ادا کر دیا اور جنابِ زینبؑ نے مرثیہ پڑھ دیا اور انہوں نے کہا کہ بھائی! جب نانا کا سایہ اُٹھا ہے تو باپ تھے دل کو سنبھالنے والے۔ جب ماں گئی ہیں تو باپ تھے دل کو سنبھالنے والے! جب باپ کا سایہ اُٹھا تو دو بھائی تھے باز و سنبھالنے والے۔ جب بھائی حسنؑ گئے تو خدا حضور کو سلامت رکھے، میری تقویت آپ تھے۔

اب آپؑ نہ ہوں تو کون ہے؟ اور اب حضرت زینبؑ نے کہا:

''اَلْیَوْمَ مَاتَ جَدِّیْ''.

ارے آج تو میرے نزدیک میرے نانا دنیا سے اُٹھ گئے، آج میری ماں بھی جا رہی ہیں، آج میرے باپ بھی جا رہے ہیں، آج میرے بڑے بھائی بھی جا رہے ہیں۔ یعنی آپ زندہ تھے تو میرے نزدیک سب زندہ تھے، آپؑ نہیں تو میرے نزدیک کوئی نہیں۔ اب مولاؑ نے انداز بدلا اور آپؑ نے ارشاد فرمایا کہ اے بہن! تم جانشین فاطمہؑ ہو، میں تمہیں اپنے حق کی قسم دیتا ہوں کہ میرے بعد گریبان چاک نہ کرنا، منہ پر طمانچے نہ مارنا۔ میرے بعد واویلا کہہ کر نوحہ نہ کرنا۔ مجھے معلوم ہے کہ اِن جملوں سے غلط فائدہ اُٹھایا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہ عام احکامِ شرع ہوتے تو اپنے حق کا واسطہ دے کر قسم دینے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ تو نہیں کہا کہ نماز پڑھتی رہنا، یہ تو نہیں کہا کہ زکوٰۃ دیتی رہنا، یہ تو نہیں کہا کہ روزے رکھتی رہنا، معلوم ہوتا ہے کہ یہ عام احکامِ شرع نہ تھے بلکہ زینبؑ کے خصوصی موقف کی حیثیت سے یہ وصیتیں

تھیں۔ اگر زینبؑ میری ایسی ہی رہیں تو سکینہؑ کو کون سنبھالے گا؟ اگر زینبؑ کا یہی عالم رہا تو پھر سید سجاد علیہ السلام کو کون سہارا دے گا؟ یہی عالم رہا تو اس کشتی کو ساحل تک کون پہنچائے گا؟ اس قافلے کو منزل تک کون لے جائے گا؟ مگر جس لئے میں نے اس واقعہ کو شروع کیا تھا، ابھی وہ باقی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ باتیں ہورہی تھیں کہ اتنی دیر میں عباسؑ آئے اور کہا کہ مولاؑ! حملہ ہوگیا ہے۔ یاد رکھئے کہ صفحہ تاریخ پر الفاظ آتے ہیں، لب ولہجہ نہیں آتا۔ حملہ ہوگیا، اس کا کیا مطلب؟ کیا اطلاع دینا ہے کہ حملہ ہوگیا؟ اطلاع دے رہے ہیں تو اتنی دیر میں آئے ہیں؟ اور پھر یہاں باتیں وہی ہورہی ہیں، اطلاع دینے کا محل کیا ہے؟

میں کہتا ہوں کہ یہ اطلاع نہیں، دوسری محرم کو مولاؑ نے کہا تھا کہ میں ابتدائے جنگ نہیں کرنا چاہتا۔ تو یہ اطلاع نہیں دے رہے ہیں، کہتے ہیں کہ مولاؑ حملہ ہوگیا۔ بے شک اُصولاً مولاؑ کے پاس جواب نہیں تھا یعنی شرط پوری ہوگئی تھی مگر حکمتِ امامؑ یہ تھی کہ اس وقت جنگ نہ ہونے پائے کیونکہ اگر اس وقت جنگ ہوجاتی تو ہنگامی طور پر ہوتی، لہٰذا ظالموں میں سے کچھ کہہ سکتے تھے کہ وہ وہ ایک دم جنگ ہوگئی، اگر موقعہ ملتا تو ہم اس ظلم میں شریک نہ ہتے اور ساتھ والوں کے متعلق غلط فہمی رہ جاتی کہ وہ تو ایک دم حملہ ہوگیا اور سب پھنس گئے، ورنہ موقع ملتا تو نہ جانے کتنے ساتھ چھوڑ کر چلے جاتے۔ بھلا کوئی ٹھہر سکتا تھا ایسے موقع پر۔ مولاؑ نے ایک شب کا موقعہ دے دیا ظالم ومظلوم دونوں کو۔ اب ادھر والا کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ہم پھنس گئے تھے کیا کرتے، کیونکہ شریکِ ظلم نہ ہوتے اور اِدھر والوں کے متعلق کوئی شبہ نہیں ہوسکتا کہ موقعہ ملتا تو کتنے ہی چلے جاتے۔ ایک رات کا موقعہ اختیار کے صرف کرنے کا دونوں کو دے دیا۔

اِدھر والے ایسے باوفا تھے کہ ان میں سے کسی نے فائدہ نہیں اُٹھایا۔ ذمہ داری کے ساتھ کہتا ہوں کہ یہ کہنا کہ ان میں سے کچھ رات کو چلے گئے، غلط ہے۔ کوئی نہیں گیا ہے، جتنے تھے، سب برقرار رہے۔ یہ خالص مجمع تھا لیکن ادھر والوں میں سے امام علیہ السلام کی اس رات کی قیمت حُر کی شکل میں آگئی۔ اگر یہ رات نہ ہوتی تو حُر کہاں ہوتا؟ تو امام علیہ السلام نہیں چاہتے تھے کہ اس وقت جنگ ہو۔ مگر میں بارگاہِ امامؑ میں عرض کرتا ہوں کہ مولاؑ! ہاں ٹھیک ہے کہ آپؑ اُس وقت جنگ نہیں ہونے دینا چاہتے لیکن التوائے جنگ کی درخواست کیلئے کسی بوڑھے مجاہد کو بھیج دیجئے۔ حبیب ابن مظاہر کو بھیج دیجئے، ارے جو جنگ کیلئے بیتاب ہے، اُسے التوائے جنگ کے مذاکرات کیلئے بھیجنا چاہتے ہیں اور میں کہتا ہوں کہ یاد رکھئے! مولاؑ کو تو اپنے عباسؑ پر ناز ہے۔

یہ ہم سمجھتے ہیں کہ بس وہ مجسمہ غضب تھے لیکن دراصل تو حسینؑ جانتے تھے کہ عباسؑ کیا ہیں؟ تو آپؑ کو ناز ہے کہ میں جو چاہے کام لے لوں، مگر ہے کام بہت مشکل عباسؑ کی ایسی فطرت کیلئے اور جس جذبہ میں اس وقت آئے ہیں، اس کے لحاظ سے بڑ مشکل کام ہے۔ مگر مولاؑ نے کس حکیمانہ انداز میں گفتگو کی ہے۔ خدا کی قسم! تاریخ میں مجھے خود عباسؑ سے ان الفاظ میں گفتگو نہیں ملتی۔ عباسؑ کے علاوہ علی اکبرؑ تک سے ان الفاظ میں گفتگو نہیں ملتی۔ کیا الفاظ؟ طبری کے صفحات پر یہ الفاظ موجود ہیں کہ عباسؑ سے کہتے ہیں:

''بِنَفْسِیْ اَنْتَ یَااَخِیْ''۔

''میری جان تم پر قربان اے میرے بھائی عباسؑ!''

میں کہتا ہوں، مولاؑ! بس، عباسؑ سے اب چاہیے جو کام لیجئے، میری جان تم پر قربان اے میرے بھائی!

کہا: ان کے پاس جاؤ اور ایک رات کی مہلت لے لو کیونکہ خدا ہی جانتا ہے کہ میں اس کی نماز کو کتنا دوست رکھتا ہوں۔ ایک رات اور پوری رات خدا کی عبادت کر لیں۔ دیکھئے! عمر گزاری ہے عبادت میں مگر ایک رات جو مل رہی ہے، اُس کی بڑی قیمت سمجھتے ہیں کہ یہ رات عبادتِ خدا میں گزاری جائے۔ آج دل کی تمنائیں کیا ہوسکتی ہیں؟ سب کو معلوم ہے کہ زندگی کی آخری رات ہے۔ تو بہنوں کی تمنا ہوگی کہ بھائی زیادہ سے زیادہ وقت ہمارے پاس گزاریں۔ وہ جو کل بیوہ ہو جائیں گی، اُن کی تمنا ہوگی کہ وارث ہمارے پاس بیٹھ کر آئندہ کیلئے کچھ ہدایات کر جائیں۔ ماؤں کی تمنا ہوگی کہ ہمارے نونہال ہماری آنکھوں کے سامنے رہیں، ہم جی بھر کر انہیں دیکھ لیں۔

اہلِ عزا! وہ بیٹی جو باپ کے سینے پر سونے کی عادی ہو، اُس کی تو آرزو ہوگی کہ آج آخری بار اپنے بابا کے سینے پر سو جاؤں۔ روایت نہیں بیان کر رہا ہوں، جیسے چشم دل سے دیکھ رہا ہوں کہ سکینہ بیٹھی ہیں، بیبیاں کہتی ہیں: بیٹی! رات بہت ہوگئی ہے، آرام کرو۔ سکینہؑ کہتی ہیں: بابا آئے ہی نہیں۔ طبری کے الفاظ یہ ہیں کہ پوری جماعت نے یوں رات گزاری کہ کوئی رکوع میں ہے، کوئی سجدہ میں ہے، کوئی قیام میں ہے کیونکہ ہمارے ہاں نافلہ نماز میں جماعت نہیں ہوتی۔ اسی لئے کیفیات الگ الگ ہیں۔ ہر ایک عبادتِ خدا میں مصروف ہے۔ رات پوری اس طرح گزاری ہے کہ اس رات کے سناٹے میں ان کی تکبیر و تہلیل و مناجات کی آوازیں یوں گونج رہی تھیں۔

ایک روایت آپ سنا کرتے ہیں مگر میرے ضمیر نے اُسے کبھی قبول نہیں کیا ہے۔ حضورِ والا! پوری جماعت (کیلئے روایت) کہہ رہی ہے کہ رکوع و سجود میں گزاری تو جو شبیہِ پیغمبرؐ ہو، جس کے حُسنِ سیرت کی گواہی حسینؑ دیں، اس کیلئے کوئی اور تصور ہوسکتا ہے؟ میرا دل تو یہ کہتا ہے کہ لیلیٰ رات بھر منتظر رہیں کہ میرا علی اکبرؑ آئے اور ذرا غور سے اپنے نوجوان کی صورت دیکھوں مگر وہ تو باپ کے پہلو میں عبادتِ خدا میں مصروف تھا۔

# میدانِ مباہلہ میں حسینؑ سب سے چھوٹے تھے لیکن وہ چند سالوں کے تو تھے مگر میدانِ کربلا میں علی اصغرؑ تو صرف چھ مہینوں کے تھے۔

پس اب چشمِ دل سے دیکھئے کہ میدانِ مباہلہ میں سب سے آگے کون ہے اور اگر کہئے تو الفاظ بدل دوں کہ یہ نہ کہوں کہ سب سے آگے کون ہے؟ یہ کہوں کہ یہ دیکھئے کہ سب سے آگے کس کا چہرہ ہے؟ روایت بتاتی ہے کہ یہی چہرے تھے جن کو دیکھ کر ادھر کے سردار نے کہا: ہرگز مباہلہ نہ کرنا:

"اِنّیِ اَرٰی وُجُوْھًا".

میں وہ چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر خدا کی طرف رُخ کر کے کہہ دیں تو پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے۔ کوئی عیسائی روئے زمین پر باقی نہیں رہے گا اگر اُن سے مباہلہ کرو گے؟ اسی وجہ سے مباہلہ نہیں ہوا۔ میں نے کہا کہ آگے کونسا چہرہ ہے؟ بے شک پیغمبرؐ خدا، سیدہؑ عالم بے شک ہیں مگر یہی کیا کم ہے تعمیلِ حکمِ الٰہی کیلئے کہ وہ بیت الشرف سے باہر آئی ہیں۔ لیکن کوئی ضرورت نہیں کہ وہ برقعہ و چادر میں نہاں نہ ہوں، سر سے پیر تک برقعہ و چادر میں نہاں نہ ہوں۔

پھر آگے آگے حجابِ رسالت، پیچھے پیچھے حجابِ امامت، درمیان میں یہ عصمتِ کبریٰ اس شان سے آئی ہیں، ظاہر ہے کہ انؑ کا چہرہ کہاں سامنے ہے؟ میں تو کہتا ہوں کہ ضرورتِ پردۂ فاطمہؑ سب سے پیچھے امیر المؤمنین علیہ السلام ہیں۔ تو اب آگے کون چہرہ ہے؟ ہاں! رسولؐ اللہ آگے ہیں، ہاں! حسن مجتبیٰ علیہ السلام بھی ہیں ان کے ساتھ ساتھ مگر قد چھوٹا ہے، اُنگلی تھامے ہوئے نانا کے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ وہی دیکھے گا جو قریب آئے لیکن ایک بچہ ہے جسے جنابِ رسولؐ اکرم گود میں لئے ہوئے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ اس ستارۂ سحری کی طرح، جو آمدِ آفتاب کی خبر دیتا ہے، حسینؑ کا چہرہ ہے جو دشمن کی نگاہ کے سامنے آگے ہے اور یہ حسین علیہ السلام ہی کو سب سے آگے کیوں رکھا ہے؟ میرا دل تو یہ کہتا ہے کہ آج کی مثال کو دہرانے کا وقت انہی پر آئے گا۔ یہ جب جا رہے تھے تو لوگ کہہ رہے تھے کہ جب آپؑ جاتے ہیں تو عورتوں اور بچوں کو کیوں لئے جاتے ہیں؟ اس کیلئے جواب میں ان کے پاس بدر کی مثال نہ تھی، اُحد کی نہ تھی، خندق و خیبر کی نہ تھی۔ بس مباہلہ کی مثال تھی کہ نانا نے بھی اس جہاد میں کسی صنف کی نمائندگی نہیں چھوڑی تو میں بھی کسی صنف کی نمائندگی نہیں چھوڑوں گا۔ اگر نانا اپنے ساتھ میری بابا علی مرتضیٰ علیہ السلام کو نہ لائے ہوتے تو میں اپنے بھائی ابوالفضل العباسؑ کو نہ لاتا۔ اگر میرے ناناؐ مجھے اور میرے بھائی حسنؑ مجتبیٰ کو نہ لائے ہوتے تو میں اپنی بہنوں زینبؑ و اُم کلثومؑ کو نہ لاتا۔ نہ وہاں کی نمائندگی چھوڑی گئی، نہ یہاں کی نمائندگی چھوٹے گی۔ مثال دی تھی جسے دہرایا مگر میں کہتا ہوں کہ وقت کے بدلنے سے بڑا ارتقاء ہو گیا۔ مباہلہ پُر امن مقابلہ تھا،

ارے خطرہ نہیں ہوگا۔ جنہیں حقانیت میں شک ہو، آنے والے ان افراد میں سے کسی کو خطرہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

کفر ہے تصور اس کا کہ اُنہیں خطرہ ہو تو پُر امن مقابلہ مگر پھر بھی لانے کیلئے کوئی غیر نہ ملا اور کربلا جہاں یقینی تباہی، یقینی بربادی، وہاں کم سے کم بہتر (۷۲) ساتھ آ گئے۔ ان میں انساب کی حقیقت ہے جو غیر کہتا ہوں، ورنہ جہاں تک کربلا کا تعلق ہے، مجھے تو یگانہ و بیگانہ کا فرق نہیں معلوم ہوتا، بس ایک پہلو اور میدانِ مباہلہ میں، جو آئے تھے، کوئی روایت نہیں بتاتی کہ وہ سیر و سیراب نہ ہوں مگر کربلا کے میدان میں تین دن کے بھوکے اور پیاسے۔

بس اہلِ عزا! آخری فرق میدانِ مباہلہ میں، سب سے چھوٹے حسینؑ تھے مگر وہ بھی چند برس کے تو تھے اور کربلا میں جو سب سے چھوٹا ہے، اُس کی عمر کے حساب میں تو برس کا لفظ ہی نہیں آتا۔ اُس کے نام کا تو شش ماہہ جزو ہے۔ اس مجاہد کی ذرا اہمیت محسوس کیجئے کہ سفر امام حسینؑ کی مدت کتنی؟ رجب میں چلے، محرم میں شہید ہوئے تو چھ مہینے ہوتے ہیں اور علی اصغرؑ کے نام کا جزو ششماہہ، تو اب کچھ سمجھ میں آیا، میری تو یہی سمجھ میں آیا کہ جیسے بعثتِ رسولؐ منتظر رہی، اُن علیؑ کے ایک عمر تک پہنچنے کی، ویسے ہی حسینؑ کا اقدامِ عمل منتظر رہا اِن علیؑ کے دنیا میں آنے کا۔ بس اِدھر علی اصغرؑ دنیا میں آئے اور مولاؑ نے سفر اختیار کیا۔ بس ایک جملہ کہتا ہوں، یہ تو دنیا میں آئے تھے فقط جانے کیلئے۔ آخر میں مولاؑ کے ثباتِ عزم کے اظہار کیلئے ایک جملہ، کہ جب بچے کو ہاتھوں پر لئے ہوئے ہیں تو جو ہوا، وہ عرض نہیں کروں گا مگر یاد رکھئے کہ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ کانپتے ہاتھوں پر علی اصغر کو بلند کیا۔ میں کہتا ہوں کہ عمر کے تقاضے کے لحاظ سے، حالانکہ مولاؑ کی عمر اتنی زیادہ بھی نہ تھی اور شدتِ مصیبت کے اظہار کیلئے لفظ شاید موزوں ہو۔

مگر کیا واقعہ ہے کہ مولاؑ کے ہاتھ کانپ رہے تھے، میں کہتا ہوں کہ جتنا نشانہ مختصر ہو، اُتنا تیر کا خطا کرنا آسان ہے۔ اگر قدم پیچھے ہٹتا تو تیر خطا ہوتا، اگر ہاتھ میں جنبش ہوتی تو تیر خطا ہوتا مگر نہ قدم پیچھے ہٹا، نہ ہاتھ کو جنبش ہوئی۔ لہٰذا تیر ٹھیک نشانے پر پڑا:

''فَانْقَلَبَ الصَّبِّی عَلٰی یَدِالْاِمَامِ''.

❁ ❁ ❁

# اکبرؑ سے پیار کرنے والو! کبھی اکبرؑ کی آخری اذان کو بھی یاد کرلیا کرو۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے حالات میں ہے کہ جب آپؑ کا وقت وفات قریب پہنچا ہے اور ارد گرد اصحابِ خاص، اولاد اور عزیز تھے تو آخری لفظ جو مولاؑ کی زبان سے نکلا ہے، جس کے بعد قرآنِ ناطق خاموش ہوگیا ہے، وہ یہ تھا کہ تین مرتبہ الصلوٰۃ، الصلوٰۃ، الصلوٰۃ، دیکھو نماز کو نہ بھولنا۔ جس سے محبت کا دعویٰ ہے، وہ آخری وقت تک نماز کو یاد رکھتے ہیں۔ اس کے بعد ہم فراموش کر دیں؟ دیکھئے کربلا سے بڑھ کو کوئی مصائب اور پریشانیوں کا وقت کیا ہوگا مگر کربلا میں کیا اہتمام کیا گیا کہ ہر روز مؤذن حجاج ابن مسروق اور عاشور کی نمازِ صبح کے وقت مولاؑ فرماتے ہیں: بیٹا علی اکبرؑ! آج تم اذان دو۔ مولاؑ جانتے تھے کہ میرا علی اکبرؑ بھولنے کی چیز نہیں ہے۔ جب تک دنیا علی اکبرؑ کو یاد رکھے، تب تک اس کی نماز کو بھی یاد رکھے۔

میں کہتا ہوں کہ مولاؑ نے بھی صبح کی اذان دلوائی ہے کیونکہ جو نمازی بھی ہیں، اُن کیلئے سب سے زیادہ دشوار صبح کی نماز ہوتی ہے۔ اکثر پڑھتے بھی ہیں تو قضا کر کے پڑھتے ہیں۔ مولاؑ نے صبح کی نماز کی اذان اس لئے دلوائی کہ کوئی جوان و نوجوان علی اکبرؑ کا ماتم کرنے والا، علی اکبرؑ کا نوحہ پڑھنے والا اگر بستر پر یاد کرے کہ میرا شہزادہ ''حَيَّ عَلَى الصَّلوٰة'' کہہ رہا ہے تو شاید علی اکبرؑ کی آواز پر آجائے کہ یہ صبح کی نماز ہے۔

اور خدا کی قسم! کربلا میں نماز بھی جیسی ہوئی ہے، ویسی تاریخ عالم میں کبھی نہیں ہوئی۔ ظہر کی نماز میدانِ جنگ میں، تیر برس رہے ہیں اور گرمی ہے۔ آگ برس رہی ہے، خون کی بارش ہے۔ اس عالم میں ظہر کی نماز کا وقت آیا۔ اصحاب جو گرد و پیش ہیں، اُن کی کوشش یہ ہے کہ مولاؑ خود حکم نہ دینے پائیں کہ ہم اپنے ذوقِ عبادت کا نذرانہ پیش کریں۔ ابو ثمامہ ساعدی، اگر یہ واقعہ نہ ہوتا تو ہم ان کا نام بھی نہ جانتے، یہ ویسے ممتاز صحابہ میں نہیں ہیں۔ ان کا نام صرف اس نماز کی بدولت ہم نے سنا ہے۔ کہتے ہیں: مولاؑ! ہمارے دشمن قریب آگئے ہیں۔ تمنا ہے کہ یہ نماز آپؑ کے ساتھ باجماعت ہوجائے اور امامؑ دعائیں دینے لگتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

''ذَكَرْتَ الصَّلٰوةَ جَعَلَكَ اللّٰهُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ الذَّاكِرِيْنَ''.

''تم نے خود سے نماز کو یاد کیا، اللہ تعالیٰ تمہارا شمار نمازیوں میں کرے''۔

عزادارانِ حسینؑ سے کہتا ہوں کہ اگر مولاؑ کی دعائیں لینی ہیں تو نماز کو نہ بھولئے۔ کیا کہنا اس نماز کا کہ ادھر نماز ہو رہی ہے، اُدھر دو صحابی تیر کھا رہے ہیں۔ سعید ابن عبداللہ اور زہیر بن قین، اُنہیں کھڑا کیا ہے کہ جو تیر آئے، اپنے اوپر روکو۔ یوں تو کربلا کا پورا جہاد نماز کی خاطر ہے، عبادت کی خاطر ہے، شریعت کی خاطر ہے مگر یہ وہ قربانیاں ہیں جو بلا شائبہ مجاز نماز کی خاطر ہوئی ہیں۔ اب جس نماز پر مولاؑ اپنے دو

جانبازوں کو قربان کردیں، اس نماز کو ہم اپنے عمل سے پامال کردیں تو مولاؑ ہمیں اپنا دوست سمجھ سکتے ہیں؟ اپنا صحیح عزادار سمجھ سکتے ہیں؟

اور اربابِ عزا! اب عصر کی نماز کا وقت ہے، میری مجال نہیں ہے کہ میں اس نماز کی خصوصیات عرض کروں کہ کس عالم میں رکوع تھا، کس عالم میں سجود تھا، کس عالم میں قیام تھا؟ مگر سجدہ تو تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ کہنے والے نے بھی کہہ دیا کہ:

اسلام کے دامن میں بس اس کے سوا کیا ہے
اک ضربِ یداللّٰہی ، اک سجدۂ شبیریؑ

تو سجدۂ شبیری تو یادگار ہے مگر اربابِ عزا! بڑی تلخ حقیقت ہے، بڑی سخت بات ہے کہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہمیں خنجر یاد رہے اور سجدہ یاد نہ رہے۔ ارے خنجر تو شمر کا تھا، سجدہ ہمارے مولا حسینؑ کا تھا۔ اور بس ایک پہلو کہ یہ سجدہ طولانی کتنا ہوا؟ ارے اُن کی نظر میں تھا کہ میرے ناناؐ نے میری خاطر سجدہ کو طول دیا تھا تو میں اپنے عمل سے یہ ثابت کروں کہ میں آپؐ کے دین کی خاطر کب سجدہ کرتا ہوں؟

میں کہتا ہوں کہ دیکھئے! ہر عمل نماز کا کب تک طولانی ہوگا؟ رکوع اُس وقت تک طولانی ہوگا جب تک انسان کھڑا نہ ہو۔ اگر ایسا ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ رکوع باقی۔ یہ قیام کب ختم ہوگا؟ جب سجدہ ہو جائے۔ اگر سجدہ نہیں ہوا تو قیام ہی قیام ہے۔ سجدہ کا اس وقت اختتام ہوگا جب سجدے سے سر اُٹھایا جائے۔ اگر سر نہیں اُٹھایا تو سجدہ قائم ہے۔ رسولِ اکرمؐ نے اتنا طولانی سجدہ کیا کہ ستر مرتبہ ذکر سجود کی نوبت آئی۔ امام حسین علیہ السلام نے کہا کہ میں ایسا سجدہ کروں گا کہ سر اُٹھاؤں گا ہی نہیں۔ خدا کی قسم! حسینؑ نے سجدہ سے سر نہیں اُٹھایا، کوئی اور تھا جس نے سر جدا کر دیا۔

❁ ❁ ❁

# جب امام حسینؑ اپنے شہزادہ علی اکبرؑ کی لاش پر آئے تو مولا زمین پر بیٹھ گئے اورنجف کی طرف منہ کرکے کہا:بابا علیؑ! آئیے میری مدد کیجئے، مجھ سے جوان بیٹےؑ کی لاش نہیں اٹھائی جاتی۔

امام حسین علیہ السلام کا ایک جملہ وہ بھی آپ سنا کرتے ہیں، اس کی بلندی پر نظر نہیں جاتی۔ ہمارا سب کا ایمان بارہ اماموں پر ہے، چودہ معصومینؑ پر ہے۔ یہ تعداد ہمارا جزوِ ایمان ہے۔ بارہ امامؑ ہیں، چودہ معصومؑ ہیں۔ اس کے علاوہ اور ہستیوں کو ہم کہتے ہیں غیر معصوم، غیر معصوم، غیر معصوم مگر یاد رکھئے کہ جو میں سمجھا ہوں، بارہ امامؑ ہیں اور چودہ معصومؑ ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ چودہ وہ ہیں جن کا عقلی طور پر معصومؑ ہونا ضروری ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ انہیں خالق کی طرف سے وہ منصب عطا ہوا ہے کہ وہ منصب بغیر عصمت ہوتا نہیں۔ اس لئے ضرور ــــــ یہ معصومؑ ہیں مگر میں کسی دوسرے کو ہمت نہیں کرتا کبھی۔ بڑی شخصیات جو ہمارے سامنے آتی ہیں دینی حیثیت سے۔ مثال کے طور پر حضرتِ زینبؑ کبریٰ کو مجھے جرأت نہیں ہوتی غیر معصوم کہنے کی۔ حضرت عباس علیہ السلام اگر چہ معصوم نہ تھے، میں نفی کرنے کی ہمت نہیں رکھتا۔ اسی طرح شہزادہ علی اکبرؑ، میں کھل کر نہیں کہوں گا۔

بات آئے گی تو یہ کہوں گا کہ اگر چہ فہرستِ معصومینؑ میں یہ نہیں ہیں، اس طرح کہوں گا مگر یہ کہ کھل کر نفی کروں کہ غیر معصوم تھے، میری ہمت نہیں ہوتی۔ کیا معنی؟ کبھی خلاف عصمت کوئی فعل ان سے دیکھا جو میں کھل کر کہوں کہ غیر معصوم؟ دلیل عقلی: عہدہ نہیں ملا ہے، لہٰذا ہم عقلی طور پر اس کو ضروری نہیں سمجھتے۔ ہم ان کے بارے میں اس طرح کی بات سوچتے ہی نہیں۔ ہمارا اس بات کی طرف ذہن ہی نہیں جاتا کہ وہ غیر معصوم ہیں۔ جناب! میں اس جملے کی آپ سے قدر کرتا ہوں اور اس سے نتیجہ آپ نکالئے۔ کسی موقعہ پر، کسی کے جانے کے وقت کسی کو گواہ نہیں کیا امام حسینؑ نے مگر جب جوان بیٹا علی اکبرؑ جانے لگا تو ہاتھ اُٹھا دیئے بارگاہِ الٰہی میں:

"اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ عَلٰی ھٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ قَدْ بَرَزَ اِلَیْھِمْ غَلَامٌ اَشْبَہُ النَّاسِ بِنَبِیِّکَ خُلْقًا وَخَلْقًا وَمَنْطِقًا"

پروردگار! گواہ رہنا کہ اب وہ جا رہا ہے جو،

یہ نہیں کہتے کہ جو جوان میری پیری کا سہارا ہے۔ یہ نہیں کہتے کہ جو میری آنکھوں کا نور ہے۔ یہ نہیں کہتے کہ جو گھر بھر کی رونق ہے۔ یہ نہیں کہتے کہ میرا اکڑیل جوان ہے۔ کہہ رہے ہیں:

پروردگار! وہ جا رہا ہے "اَشْبَهُ النَّاسِ"، کیا معنی؟ شبیہ ترین خلق۔ کیا معنی؟ تمام دنیا میں کسی دوسرے خاص سے افضل نہیں۔ تمام لوگوں میں روئے زمین پر اس وقت سب سے زیادہ مشابہ۔ کس سے مشابہ؟ آخر میں آئے گا "بِنَبِیِّکَ" سب سے زیادہ مشابہ تیرے رسولؐ سے۔ اس کے بعد ابھی الفاظ ختم نہیں ہوئے: "اَشْبَهُ النَّاسِ خَلْقًا" جو سب سے زیادہ مشابہ ہے صورت میں۔ اسی سے ہم کہتے ہیں "شبیہ پیغمبرؐ"۔

یعنی صورت کی طرف ذہن جاتا ہے مگر بات یہاں ختم نہیں ہوتی ہے، "اَشْبَهُ النَّاسِ خَلْقًاوَ خُلُقًا" شبیہ ترین خلق رسولؐ کے ساتھ صورت میں اور سیرت میں، خلقت میں اور اخلاق میں۔ کہہ دیں کہ یہ حدیث معتبر نہیں، کہہ دیں کہ یہ الفاظ ثابت نہیں۔ وہ سب کچھ ہے۔ مگر یہ الفاظ اگر مان لئے جائیں کہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ مشابہ، فقط صورت میں نہیں بلکہ اخلاق میں، بس اب ایک عقلی سوال ہے کہ کیا غیر معصوم، معصوم سے اخلاق و سیرت میں مشابہ ترین ہوسکتا ہے؟ بس اب قدر کیجئے علی اکبرؑ کی کہ ایسا بیٹا حسین علیہ السلام کا جدا ہو رہا ہے اور پھر کیا کہا:

"اِذَااشْتَقْنَااِلٰی نَبِیِّکَ نَظَرْنَااِلٰی وَجْهِهٖ".

"پروردگار! جب ہم تیرے رسولؐ کی زیارت کے مشتاق ہوتے تھے تو اپنے اس جوان کو دیکھ لیتے تھے"۔

میں کہتا ہوں کہ یہ اصول بھی ہمیں مولاؑ نے سکھایا کہ کسی زیارت کے مشتاق ہو اور اس تک نہ پہنچ سکو تو شبیہ کو دیکھ کر تسلی کرلو۔ تو حسینؑ کو اللہ تعالیٰ نے جنابِ رسولؐ اکرم کی ایک جیتی جاگتی شبیہ عطا کی تھی۔ یہ منزل علی اکبرؑ کی ہے۔ اسی وجہ سے جسے رخصت کیا، اُسے رخصت کرہی دیا مگر علی اکبرؑ جب چلے تو مولاؑ اپنی جگہ کھڑے نہیں رہ سکے۔ دوڑ کر علی اکبرؑ کے گھوڑے کے پیچھے پیچھے چلے گئے اور پکار کر کہہ رہے تھے کہ اے بیٹا! جب تک سامنا رہے، ادھر دیکھتے رہو۔ مناجاتِ حسینؑ کی روشنی میں مَیں فیصلہ نہیں کرسکتا کہ یہ بیٹے کی محبت تھی یا شبیہِ رسولؐ خدا کی عزت تھی اور یہ کہ ادھر دیکھتے رہو۔ یہ زیارتِ رسولؐ کا اشتیاق تھا کہ اب کہاں یہ تصویر ملے گی؟ لہٰذا جتنا ممکن ہو، اتنا زیادہ اس کی صورت دیکھتا رہوں۔

ہاں اربابِ عزا! یہ بچہ گیا، یہ حسین علیہ السلام کا فرزند، یہ گھر بھر کی رونق، یہ شبیہِ رسولؐ میدان میں گیا۔ مولاؑ جس کے جانے کے بعد اپنی جگہ کھڑے نہیں رہ سکے، اب اُس کی صدا آئی۔ علی اکبرؑ کی ایک انفرادیت ہے کہ جس نے پکارا، اُس نے یہ کہا کہ مولاؑ! خبر لیجئے۔ مگر علی اکبرؑ نے یہ نہیں کہا کہ مولاؑ خبر لیجئے۔ ممکن ہے کہ یہ تصور ہو کہ جو پکارتا تھا، تو مولاؑ جاتے تھے تو کم از کم میں تو ساتھ ہوتا تھا۔

میں آواز دوں تو کون ہے جو بابا کے ساتھ آئے گا؟ لہٰذا یہ نہیں کہا۔ مجھے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاید یہ شجاعت کے خلاف محسوس ہوتا ہو کہ جوان بیٹا باپ کو مدد کیلئے پکارے۔ لہٰذا یہ نہیں کہا کہ مولاؑ خبر لیجئے۔ اُنہوں نے یہ کہا:

"یَااَبَتَاهُ وَعَلَیْکَ مِنِّی السَّلَامُ".

"اے بابا! میرا سلام قبول کر لیجئے"۔

اس میں یہ مضمر ہے کہ زحمت کرنے کی ضرورت نہیں، بس میں نے اپنی جان قربان کی، میرا اسلام لے لیجئے۔ مگر ارباب عزا! کہاں ممکن تھا کہ وہ مولاؑ جو جون، غلام ابوذر کی لاش پر گئے ہوں، جو واضح غلام ترکی کی لاش پر گئے ہوں، جو ہر شہید کی لاش پر گئے ہوں، وہ اس فرزند کی لاش پر نہ جائیں اور مناجاتِ حسینؑ کی روشنی میں عرض کروں، یعنی آخری مرتبہ رسولؐ خدا کی زیارت نہ کریں؟ یہ کیونکر ممکن تھا۔ مگر اہلِ عزا! جس کی لاش پر گئے، سیدھے چلے گئے اور علی اکبرؑ کی لاش پر گئے تو عالم کیا ہے؟ کبھی دائیں طرف، کبھی بائیں طرف گھوڑا ڈالتے تھے اور صدا یہ ہے کہ یا علیؑ، یا علیؑ! علماء نے آپس میں بحث کی ہے کہ کیا مطلب ہے؟ کوئی کہتا ہے کہ علی اکبرؑ کو پکار رہے ہیں کیونکہ اُنؑ کا نام علیؑ ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ بیٹا! اب نگاہ کام نہیں کرتی۔ پھر ایک دفعہ صدا دے لو تو تمہاری آواز کے سہارے پر چلے آئیں۔ اور کچھ کا خیال ہے کہ اپنے بابا کو پکار رہے ہیں کہ یا علیؑ! آپؑ مشکل کشا ہیں، یہ آپؑ کے بیٹے پر سخت وقت آن پڑا ہے، آپؑ ہی سہارا دیجئے۔

❁ ❁ ❁

# امام سجادؑ سے پوچھا گیا کہ فتح کس کو ہوئی؟ آپؑ نے فرمایا: اذان ہوگی تو سمجھ لینا کہ فتح کس کو ہوئی!

مجھے کربلا میں صفین کی تصویر مجسم طور پر نظر آتی ہے۔ وہاں بھی چھوٹے بڑے، بہت سے قرآن تھے جو نیزوں پر بلند کئے گئے تھے اور آگے آگے ایک قرآنِ اعظم تھا جو دمشق کی مسجد سے لایا گیا تھا اور یقیناً سیاسی آلہ کار بنانے کیلئے لایا گیا تھا اور نہ فطری طور پر اس کو وہاں سے ہٹنے کی ضرورت نہیں، ایک آدمی اس کو نہیں اُٹھا سکتا تھا۔ اس وقت بھی تصور یہ تھا کہ جتنا وزن و جسامت قرآن کا زیادہ ہو، اُتنی ہی اس میں زیادہ عظمت پیدا ہوگی۔ تو جنابِ والا! بہت سے آدمیوں نے اٹھا کر اُسے صفین میں بلند کیا تھا تو مجھے تو وہی مرقع کربلا میں یعنی کربلا سے چل کر کوفہ کے راستے میں اور کوفہ سے شام کے راستے میں نظر آتا ہے کہ نیزوں پر بہت سے چھوٹے بڑے قرآن ہیں اور آگے آگے ایک نیزۂ طویل پر قرآنِ اعظم ہے جس کو وہ بلند کئے ہوئے جارہے ہیں۔ بس اب جس راستہ سے گزرتا ہے، مکانوں کی چھتیں تماشائیوں سے بھری ہوئی، بازاروں میں چاروں طرف دیکھنے کیلئے لوگ موجود، غیر معمولی اجتماع مگر سرِ حسینؑ، میں تو یہ محسوس کرتا ہوں کہ نوکِ نیزہ سے اس پورے مجمع سے جو کربلا سے کوفے تک اور کوفے سے دمشق تک اور آباد سے آباد بازاروں میں پُر رونق سڑکوں پر تھا، تو سرِ حسینؑ اس مجمع کو مخاطب کر کے کہتا تھا کہ تماشہ دیکھو اور تم تماشہ دیکھنے کیلئے ہی بلائے گئے ہو مگر گواہ رہنا کہ میں نے بیعت نہیں کی ہے۔ اگر میں نے بیعت کی ہوتی تو یہ میرا سر نیزہ پر کیوں ہوتا؟ یہ میرے دل کے ٹکڑے نیزوں پر کیوں ہوتے؟ یہ میری بہنیں، یہ میرے اہلِ حرم اس طرح ان کی کیوں تشہیر ہوتی؟ یہ میرا بیمار بیٹا، یہ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں کیوں پہنتا؟ یہ پیروں میں بیڑیاں کیوں پہنتا؟ یہ اس کے گلے میں طوق کیوں ہوتا؟ اس کے معنی یہ ہیں کہ لاشعوری طور پر وہ اپنی شکست کا اعلان کررہے تھے۔

اربابِ عزا! پھر جو اُن کا اصل مقصد تھا یعنی احیائے شریعت، اسے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے ایک بڑے سخت موقعہ پر اُسے ظاہر فرمادیا۔ حضور! دمشق کا بازار اور دمشق کونسا؟ جب آپؑ سے پوچھا گیا کہ کہاں آپؑ پر سب سے زیادہ مصیبت پڑی؟ تو تین مرتبہ فرمایا: الشام، الشام، الشام۔ ایک تو گرانیِ آہن، طوق کی گرانی سے سر نہیں اُٹھتا اور اس کے بعد پھر ایک اور جملہ، میں کہتا ہوں کہ سر اُٹھا کر کیا دیکھتے، بس سر نہیں تھے، بس دمشق کا بازار تھا۔

یہ واقعہ مصنفینِ اہلِ سنت نے لکھا ہے۔ کمال الدین محمد ابن طلحہ شافعی نے ''مطالب السئول'' میں لکھا ہے اور ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں بھی۔ تو بازارِ دمشق میں جہاں خود بعد میں فرمایا کہ میں اس طرح کھینچا جارہا تھا جس طرح غلام کھینچا جاتا ہے۔ اسی دمشق کے بازار میں اور وہ جنگِ جمل والا طلحہ، اس کا لڑکا محمد ابن طلحہ، اُس نے ناقہ کی مہار پکڑ کر روکا اور یہ سوال کیا: یاابن الحسینؑ! اے حسینؑ کے بیٹے! فتح کس کی ہوئی؟ ارے کس کی تاب ہے کہ اس سوال کا جواب دے سکے؟ فوراً چیخ مار کر رونے لگتا ہے مگر مقصد اتنا بلند تھا اُن کا ___ اور اُسے

نمایاں کرنا ان کا فریضہ تھا کہ وہ سر جو نہیں اُٹھ رہا تھا، وہ اتنے قیامت خیز سوال پر اٹھا اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر فرمایا کہ مجھ سے کیا پوچھتے ہو؟ جب اذان کی آواز آئے تو سمجھ لینا کہ فتح کس کی ہوئی؟

۞ ۞ ۞

# امامِ سجادؑ نے فرمایا: اے منہال! جہاد کرنا اور شجاعت کے جوہر دکھانا تو ہماری خاندانی روایت ہے، بھلا مخدّراتِ عصمت کا کھلے سربازاروں میں لائے جانا بھی ہماری روایت ہے؟

دنیا میں کوئی فاتح ایسا نہیں جو پشیمان ہو، جو شکست کھاتا ہے، وہ پشیمان ہوتا ہے۔ اب دنیا دیکھ لے واقعات میں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام آنکھوں کے سامنے نہ رہے مگرلٹی ہوئی بیبیاں ہیں، بیمار فرزندؑ ہے اور کس عالم میں ہے؟ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں، پیروں میں بیڑیاں، گلے میں طوق گران میں سے کوئی بھی پشیمان ہوا ہے؟ اور وہ تصور ختم کر دیا سید سجاد علیہ السلام نے ابن زیاد کے دربار میں ___ ایک محل ایسا آیا کہ اُس نے حکم دے دیا کہ ان کو لے جا کر قتل کر دو۔ وہ سمجھا تھا کہ اتنی مثالیں دیکھنے کے بعد قتل کا نام سن کر چہرے کی رنگت اُڑ جائے گی۔ وہ کہہ رہا ہے کہ قتل کر دو لے جا کر ___ بس ہاں اربابِ عزا! زینبؑ تو تڑپ گئیں۔ ابھی تک کنیزوں کے جھرمٹ میں تھیں لیکن جونہی یہ آواز سنی، بھتیجے سے آ کر لپٹ گئیں۔ یہ نہیں کہا کہ اسے قتل نہ کرو، یہ کہا کہ پہلے مجھے قتل کر دو اور سید سجاد علیہ السلام، حالانکہ بڑا ادب کرتے تھے، مگر پھوپھی سے مخاطب ہوئے کہ پھوپھی! ہٹ جایئے اور مجھے جواب دینے دیجئے اور یہ حکمِ امامؑ تھا۔ بھتیجا سہی مگر امامِ وقت ہے کہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے محبت کے تقاضے پر فریضے کو غالب کیا۔ فوراً ہٹ گئیں اور سید سجادؑ نے ابن زیاد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا:

''اَلْقَتْلُ لَنَا عَادَةٌ وَشَهَادَتُنَا كَرَامَةٌ''

''ارے تجھے اب بھی یہ خبر نہ ہوئی کہ قتل ہونا ہماری عادت ہے اور شہید ہونا ہماری کرامت''۔

بس ایک جملہ آپ کے سامنے عرض کروں کہ خود کہا تھا کہ قتل ہونا ہماری عادت ہے مگر ایک منزل ایسی آئی جب دوسرے نے یہ جملہ کہہ دیا تو امام علیہ السلام تڑپ گئے۔ وہ کونسا وقت تھا؟ جب منہال سید سجاد علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا: مولاؑ! کب تک روئیے گا؟ کہا: منہال! یعقوبؑ کے بارہ بیٹے تھے، ایک نگاہ سے اوجھل ہو گیا تھا تو اتنا روئے کہ آنکھیں سفید ہو گئیں اور میرے سامنے تو اٹھارہ جوانانِ ہاشمی و علوی جن کا مثل و نظیر دنیا میں نہ تھا، وہ میرے سامنے شہید ہوئے، تو مجھ سے کہتے ہو کب تک روئیے گا؟ بس اب منہال خاموش ہو جاتے تو اچھا تھا۔ منہال نے ایک جملہ کہہ دیا، خود امام علیہ السلام جو کہہ چکے تھے، نہ دربار میں، منہال نے کہہ دیا کہ مولاؑ! قتل ہونا تو آپؑ کی عادت ہے، آپؑ کی روایت ہے۔ بس مولاؑ تڑپ گئے، فرمایا: منہال! تم نے انصاف نہیں کیا، ارے قتل ہونا ہماری عادت ہے، کیا یہ بھی دستور ہے کہ خاندان کی ماں بہنیں بغیر چادر و مقنع اور پردہ کے شہر بہ شہر پھرائی جائیں؟

# آلِ محمدؐ اپنے شہیدوں کو رونے بھی نہ پائے تھے کہ خیموں کو آگ لگ گئی۔

ہم سے کیا پوچھنا، اعتراض کرنے والوں کو آسمان سے پوچھنا چاہئے کہ وفاتِ رسولؐ پر کیوں خون کی بارش نہیں ہوئی اور شہادتِ حسین علیہ السلام پر کیوں خون کی بارش ہوئی؟ اب اُسے دیکھ لیجئے، علامہ ابن حجر مکی کی کتاب ''صواعق محرقہ'' میں جو ہماری رد میں نہایت سخت طریقہ سے لکھی گئی ہے، مطالب السؤل میں دیکھ لیجئے، علامہ کمال الدین محمد ابن طلحہ شافعی اس کے مصنف ہیں، تذکرۃ خواص الاقہ، علامہ سبط ابن جوزی کی تصنیف میں دیکھئے کہ شہادتِ حسین علیہ السلام پر چالیس دن تک، جو کپڑا زیرِ آسمان پھیلایا جاتا تھا، اس پر خون کے نشان نظر آتے تھے۔ ہمارے شعراء مبالغہ کے طور پر کہتے ہیں کہ خون کے آنسو۔ حقیقت میں کائنات نے چالیس دن تک خون کے آنسو بہائے۔ اس کے معنی ہیں عاشور کے دن ہی اس نے یوم غم نہیں منایا بلکہ اربعین کی تاریخ ابھی اُس نے مقرر کردی۔ بیس صفر کو چالیس دن پورے ہوتے ہیں جس میں کائنات سوگوار رہی ہے۔ کوئی کہے کہ راویوں نے بعد میں بیان کیا کہ خون کی بارش ہوئی۔

مگر جناب! سب سے قدیم تاریخ کربلا کی طبری ہے، طبری نے تفصیل کے ساتھ واقعہ کربلا بیان کیا ہے۔ یہ بعد کی بات نہیں ہے کہ بعد میں راویوں نے بیان کر دیا۔ بڑا دلدوز مرقع ہے جو یاد دلاؤں گا کہ وہ وقت جب کوفے کے بازار سے قافلہ گزر رہا تھا۔ گیارہ محرم کو قافلہ جب کربلا سے روانہ ہوا اور دوسرے تیسرے دن کوفہ پہنچ گیا یعنی بہت قریبی موقعہ، کوفہ کے بازار میں ایک جملہ سید سجاد علیہ السلام کا ہے، ایک جملہ مرثیہ کا ہے، منظر ایسا دردناک تھا کہ گزر رہا تھا قافلہ، چاروں طرف سے جو تماشائی آئے تھے، ان میں کہرام برپا تھا، مکانات کی چھتوں پر خواتین اور مردوں میں ایک گریہ کا عالم طاری تھا۔

اور میں کہتا ہوں کہ وہی دلیلِ انقلاب تھا۔ ایک جملہ فرمایا ہے ہمارے چوتھے امامؑ نے، ارے یہ سب رو رہے ہیں تو ہمارا قاتل کون ہے؟ اسی وقت حضرت زینب سلام اللہ علیہا، وہ جس نے کبھی کسی سے بات نہیں کی ہے، اس وقت انہوں نے مقصدِ حسینؑ کی تکمیل کیلئے اپنے خطبہ میں باپ کی یاد تازہ کردی، سننے والے نے کہہ دیا اسی وقت کہ علیؑ کی زبان ہے اور زینبؑ بول رہی ہیں۔ اس خطبہ کو پیش نہیں کرنا ہے مگر یہ جملہ جو میرے بیان کی دلیل ہے کہ اس خطبہ میں ان دشمنوں کے مجمع میں جس میں ہر ایک انکار کرسکتا تھا، فاطمہؑ کی بیٹی نے اور اس وقت علیؑ کی نائب نے اور حسین علیہ السلام کے قافلے کی سالار نے یہ جملہ کہا:

''اَ تعْجَبُوْنَ اَنْ تَبْكِيَ السَّمَاءُ دَمًا''.

''ارے تمہیں حیرت ہے کہ آسمان سے خون برس رہا ہے؟''

یہ طبری کے صفحات پر موجود ہے۔ یہ قطعی دستاویز ہے اس واقعہ کی صحت کی۔ کہا جاتا ہے کہ تم کیوں روتے ہو؟ (کئی صدیوں سے رو رہے ہو، آخر کب تک روؤ گے؟) ارے جنہیں بروقت رونے کا حق تھا، انہیں رو لینے دیا ہوتا تو ہم نہ روتے۔ حسینؑ کے رونے والوں کی کمی نہ تھی، زینبؑ واُم کلثومؑ جیسی بہنیں، فاطمہؑ وسکینہؑ جیسی بیٹیاں اور لیلیٰ وربابؑ جیسی ازواج، سیدِ سجادؑ جیسا فرزند مگر رونے کہاں پائے؟ اِدھر وارث کی خبر آئی اور اُدھر اشقیاء آگ لے کر خیموں تک آ پہنچے۔

❀ ❀ ❀

# حضرت عباسؑ علمدار کے جانے پر بی بی زینبؑ نے فرمایا: عباسؑ! مجھے یقین ہوگیا کہ اب ان بازوؤں میں رسن بندھ جائیں گے!

جب اسلام پر مصیبت پڑی اور اس کو سب سے بڑی قربانی کی ضرورت پڑی، تب بھی اسی کو منتخب کیا گیا، اس عظیم ترین قربانی کیلئے جسے کاندھے پر بٹھاتے تھے، جسے سینے پر سلاتے تھے۔ میں حالات کو دیکھتا ہوں تو یہ محسوس کرتا ہوں کہ جتنی اُن کی نازبرداریاں تھیں، وہ سب اسی لئے تھیں کہ یہ اس اسلام کے کام آئیں گے جس اسلام کی تبلیغ میرا فریضہ ہے۔ اس کا ثبوت ہے کہ اگر اپنی محبت ہو، اپنے نواسے کی محبت متقاضی ہو تو رخسار بھی نواسوں کے ہیں، پیشانی بھی نواسوں کی ہے، جب بوسے لیتے ہیں تو ایک کا گلا چومتے ہیں اور ایک کے منہ کے بوسے لیتے ہیں اور جب دریافت کیا جاتا ہے تو فرماتے ہیں کہ اس کے منہ کے بوسے اس لئے لیتا ہوں کہ جامِ زہر اس منہ سے متصل ہوگا اور اس کے گلے سے بوسے اس لئے لیتا ہوں کہ قاتل کا خنجر اس گلے سے متصل ہوگا۔

پس اربابِ عزا! اگر ایک بھائی کا دہن مبارک اس کا حقدار ہوا کہ جنابِ رسولِؐ اکرم اس کے بوسے لیں اور ایک بھائی کا گلا اس کا حقدار ہوا کہ جنابِ رسالتمآبؐ اس کے بوسے لیں، پھر ایک بہن کے بازو بھی اس لائق ہیں کہ آنحضورؐ اس کے بوسے لیں اور یہ واقعہ بڑے دلدوز موقعہ پر ہمارے سننے میں آیا، وہ وقت وہ ہے کہ جب ابوالفضل العباس علیہ السلام رخصت کیلئے خیمے میں آئے۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ یہ بھائی ایسا ہے کہ اس کے جانے سے مولاؑ کی کمر ٹوٹی اور زینبؑ کا دل ٹوٹا جب ابوالفضل العباسؑ میدان کی طرف جانے لگے تو حضرت زینبؑ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ اب ہم جا رہے ہیں۔ ابھی تو بظاہر پانی لینے جا رہے تھے تو یہ کہا کہ پانی لینے جاتا ہوں۔ وہ سمجھ گئیں کہ جو گیا، وہ واپس نہیں آیا تو عباسؑ بھی اب واپس نہیں آئیں گے۔ لہٰذا فرمایا کہ بھائی! جاتے ہو تو ایک حدیث سنتے جاؤ۔ لیجئے کہاں تو بیتابی کے ساتھ جا رہے تھے اور کہاں سر جھکا کر بہن کے قدموں کے پاس بیٹھ گئے۔ اس لئے کہ ثانیِ زہراؑ حدیث سنانا چاہتی ہیں، فرماتی ہیں: بھائی! سنو ایک دفعہ بابا کی گود میں بیٹھی تھی۔ اب میں نہیں کہہ سکتا کہ بابا سے کون مراد ہے؟ حضرت علیؑ یا پیغمبرؐ خدا، اس لئے کہ جب حسینؑ فرزندِ رسولؐ کہلاتے ہیں تو یہ رسولِؐ خدا کو اپنا بابا کیوں نہ کہتی ہوں گی اور کمسن ہیں تو ضرور جنابِ رسولِؐ اکرم کو بابا کہتی ہوں گی، تو بابا کی گود میں بیٹھی تھیں، اتنی کمسن ہیں کہ بزرگ کی گود میں بیٹھی ہیں۔

مگر خاندانِ رسالت کا اندازہ دیکھئے، عام طریقہ دیکھئے کہ کمسن لڑکی مگر اس کے بھی دوش پر ردا ہے اور وہ جزوِ واقعہ ہے کہ میں بابا کی گود میں بیٹھی تھی کہ ایک مرتبہ ردا میرے کاندھے سے ہٹ گئی تو بابا نے جھک کر میرے بازو کے بوسے لے لئے۔ فرماتی ہیں: میں کھڑی ہوگئی، کہا بابا! یہ آج آپ نے کیا کیا؟ فرمایا: زینبؑ! اس وقت مجھے تصور ہوگیا کہ ایک دن ان بازوؤں میں رسی بندھے گی۔ حضرت زینب

" فرماتی ہیں: عباسؑ! اس وقت تو میں کمسن تھی، جب بڑی ہوئی اور گھر بھائیوں سے بھر گیا تو نہ جانے کب میں نے سوچا کہ جس کے اٹھارہ بھائی ہوں، کس کی مجال ہے کہ اس کے بازوؤں میں رسی باندھ سکے؟ اے عباسؑ! اور بھائی تو جا چکے، اب تم بھی جا رہے ہو، یقین ہو گیا کہ ان بازوؤں میں رسی بندھ جائے گی۔

اس مجمع کو مخاطب کر کے جو کربلا سے کوفہ تک اور کوفہ سے شام تک آباد بازاروں میں اور پُر رونق سے پُر رونق سڑکوں پر تھا، سرِ حسین علیہ السلام گویا کہتا تھا: تماشہ دیکھو، تم تماشہ دیکھنے کو بلائے گئے ہو۔ گواہ رہنا کہ میں نے بیعت نہیں کی ہے۔ اگر میں نے بیعت کی ہوتی تو میرا سر نوکِ نیزہ پر کیوں ہوتا؟ یہ میرے دل کے ٹکڑوں کے سر نوکِ نیزہ پر کیوں ہوتے؟ میرے اہلِ حرم کی اس طرح کیوں تشہیر ہوتی؟ بیمار بیٹا کیوں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں پہنتا؟ اس کے گلے میں طوق کیوں ہوتا؟ اس کے معنی یہ ہیں کہ دشمن لاشعوری طور پر غلط زعمِ فتح میں در حقیقت اپنی شکست کا اعلان کر رہا تھا۔

اربابِ عزا! جو ان کا اصلی مقصد تھا یعنی احیائے شریعت، اس کو امام زین العابدینؑ نے ایک بڑے سخت موقعہ پر ظاہر فرمایا۔ دمشق کا بازار اور دمشق کونسا؟ جسے آپؑ سے پوچھا گیا کہ کہاں سب سے زیادہ مصیبتیں پڑیں تو فرمایا: الشام، الشام، الشام۔ تیر و خنجر بھی سخت مصائب ہیں لیکن ایک تو طوق کی گرانی سے سر نہیں اُٹھتا اور میں کہتا ہوں کہ سر اُٹھا کر دیکھتے تو کیا دیکھتے!

دمشق کا بازار تھا، یہ واقعہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں لکھا ہے، بازارِ دمشق میں جہاں بعد میں فرمایا کہ میں اس طرح کھینچا جا رہا تھا جس طرح غلام کھینچا جاتا ہے۔ اس بازار میں محمد بن طلحہ نے ناقہ کی مہار ہاتھ میں پکڑ کر روکا اور یہ سوال کیا: یا ابن الحسینؑ! فتح کس کی ہوئی ہے؟ کس کی تاب ہے کہ اس سوال کا جواب سے سکے؟ فوراً چیخ مار کر رونے لگتا، مگر مقصد اتنا بلند تھا اور اُسے نمایاں کرنا انؑ کا فرض تھا، وہ سر جو نہیں اُٹھ رہا تھا، اُسے اُٹھایا اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر فرمایا: ''مجھ سے اس وقت کیا پوچھتے ہو؟ جب اذان کی آواز آئے تو سمجھ لینا کہ کس کی فتح ہوئی؟''

❁ ❁ ❁

# حرمِ رسولؐ سے سفر اور حرمِ خدا میں پناہ
## (شہیدِ انسانیت سے اقتباس)

ولید سے گفتگو کے بعد وہ وقت آ گیا کہ جب امام علیہ السلام نے مدینہ کو ترک کرنا ہی اپنے لئے ضروری سمجھا۔ یہ خیال کرنا کہ آپؑ مدینہ میں قیام فرماتے تو مدینہ والے آپؑ کی حفاظت میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھتے، تاریخ کے مسلسل واقعات سے بے خبری یا اُن کے نتائج سے غفلت کا مظاہرہ ہوگا۔

وفاتِ رسولِ اکرمؐ کے بعد ہی مدینہ پر کچھ ایسے اثرات چھائے ہوئے نظر آتے ہیں جن کی بناء پر یہ توقعات غلط ثابت ہوتی ہیں۔ آخر یہ مدینہ ہی تو تھا جہاں وفاتِ رسولِ خدا کے بعد ہی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا پر مصائب کی یورش تھی۔ مگر اہلِ مدینہ کی طرف سے اُن کے ساتھ ہمدردی کا کوئی مظاہرہ کہیں تاریخ میں نظر نہیں آتا۔ پھر وہ مدینہ ہی تھا جہاں حضرت علیؑ نے گونا گوں دل شکن حالات کا پچیس برس تک مقابلہ کیا مگر اہلِ مدینہ نے ان کے ساتھ کسی بھی محبت اور غمخواری کا ثبوت نہیں دیا۔

اس کے بعد مدینہ میں وہ موقع آنکھوں کے سامنے آیا کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کے جنازہ کو روضہٴ رسولؐ پر لے جانے میں مزاحمت کی گئی مگر مدینہ کے لوگوں نے ذرّہ بھر بھی اس پر احتجاج نہیں کیا۔ کیا یہ واقعہ ایسا اہم نہ تھا کہ مدینہ کے جسم میں اگر روح ہوتی تو اس میں حرکت پیدا ہوتی اور کسی قسم کے احساس کا مظاہرہ کیا جاتا؟ یہ تو کربلا سے پہلے کچھ نمونے تھے اور خود 61 ہجری میں حیرت انگیز مگر نا قابلِ انکار صورت ہے۔ اہلِ مدینہ کی خاندانِ رسولؐ کے بارے میں بے حسی کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام جب شہید ہو گئے اور آپؑ کے دردناک مصائب و مظالم کا بتفصیل اہلِ مدینہ کو حال معلوم ہو گیا۔ تب بھی اہلِ مدینہ نے خونِ حسینؑ کے انتقام کیلئے کسی بے چینی کا مظاہرہ نہیں کیا اور باوجودیکہ عراق میں تلاطم ہو رہا تھا، حجاز اس بارے میں بالکل خاموش تھا۔

وہ تو امام حسین علیہ السلام کی قربانی کا طبعی اثر تھا کہ یزید کی بداعمالیوں پر نگاہیں متوجہ ہو گئیں اور پھر دوسرے سال یزید کے افعال و اعمال کے تفصیلی حالات معلوم ہونے کے بعد انہوں نے اعلانِ مخالفت کر دیا جس کے نتیجہ میں واقعہٴ حرہ ظہور پذیر ہوا جس کی اجمالی تفصیل اپنے محل پر بعد میں آئے گی۔ مگر خود قتلِ حسینؑ کا جرم ان کو اتنا اہم معلوم نہ ہوا کہ وہ اس کی بناء پر یزید کے مقابلہ کیلئے کھڑے ہو جاتے۔

پھر اس کے بعد واقعات کا ایک طویل سلسلہ ہے جس میں ساداتِ بنی فاطمہ پر بنی اُمیہ کے آخری دم تک اور پھر بنی عباس کے دورِ حکومت میں کیسے کیسے ہولناک مظالم ہوتے رہے۔ مگر اہلِ مدینہ نے کبھی ان کی کوئی امداد نہیں کی۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے لے کر امام علی نقی علیہ السلام تک تمام وہ مقدس ہستیاں جو اپنے وقت میں خاندانِ رسولِ خداؐ کی چشم و چراغ اور تعلیماتِ اسلام کی محافظ تھیں، اپنے اپنے ابتدائی دورِ حیات میں اسی مدینہ میں مقیم تھیں۔

پھر یہیں کسی کو زہر دیا گیا، کسی کو مقید کر کے جلاوطن کیا گیا، کسی کو زبردستی مدینہ سے بلایا گیا، مگر کیا کبھی مدینہ نے ان کی حفاظت کی کوشش تو درکنار، اس پر اُف بھی کی؟ کبھی نہیں! کیا ان ماقبل اور بعد کے واقعات کو پیش نظر رکھنے کے بعد پھر یہ تصور صحیح ہوگا کہ امام حسینؑ مدینہ میں قیام فرماتے تو مدینہ والے آپؑ کی حفاظت میں جان لڑا دیتے؟ ہرگز نہیں۔

عام طور پر اہلِ حجاز کے متعلق دانش مندانِ عرب کی رائے یہی تھی کہ وہ مشکلات میں ثابت قدم بہت کم رہ سکتے ہیں۔ چنانچہ جب امیر شام نے ابن الکواء سے متعلق عرب ممالک کے متعلق رائے دریافت کی اور اس میں اہلِ حجاز کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا: فتنہ انگیزی میں سب سے آگے مگر اس کے نتائج کے برداشت کرنے میں بہت کمزور اور مہمات کے سر کرنے میں ناکارہ۔ اس صورت میں حالات اور بعد کے واقعات بتاتے ہیں کہ اگر امام حسین علیہ السلام عاقبت اندیشی کر کے مدینہ رسولؐ کو خالی نہ کر دیتے تو مروان، جس نے ولید کو قتلِ حسینؑ کا مشورہ دیا تھا اور ولید کے اس مشورہ پر عمل نہ کرنے سے سخت برہم ہوا تھا، وہی ولید کے ملائم طرزِ عمل کی اطلاع یزید کو دیتا اور اس وقت یزید کا عتاب نامہ ولید کے پاس آتا تو یا تو خود ولید ہی کو پھر عمر سعد کی طرح باوجود اپنے ضمیر کی مخالفت کے مال وجاہِ دنیا کی طمع اور سطوتِ حکومت کے خوف سے امام حسینؑ کے خلاف اقدام کرنا پڑتا یا کوفہ کے نعمان بن بشیر کی طرح اس کو معزول کر کے مروان بن حکم یا اسی کے مثل کسی دوسرے سفاک اور سخت ترین دشمنِ اہلِ بیتؑ کو مدینہ کا حاکم مقرر کیا جاتا اور فرزند رسولؐ کے خون سے مدینہ رسولِؐ خدا کی زمین کو گلرنگ بنا دیا جاتا۔

یہ خطرہ بالکل یقینی تھا اور اس نے فعلی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ اس خط سے جو ولید نے یزید کے نام لکھا جس کا مضمون یہ تھا: اے حاکمِ وقت! امام حسین علیہ السلام تمہاری خلافت کو تسلیم نہیں کرتے اور نہ وہ تمہاری بیعت پر تیار ہیں۔ اب جو تمہاری رائے ہو۔ اس کے جواب میں یزید نے لکھا کہ اس میرے خط کی تعمیل جلد کرنا کہ تمام ان ممتاز افراد کی جنہوں نے میری بیعت کر لی ہے اور جنہوں نے بیعت نہیں کی، مکمل فہرست جلد بھیجو۔ لیکن اس کے جواب کے ساتھ حسینؑ ابن علیؑ کا سر موجود ہو۔ اس حکم کی گرمی کے مقابلہ میں ولید کہاں ٹھہر سکتا تھا؟ وہ تو اتفاق سے اس خط کے آنے سے پہلے ہی حضرت امام حسین علیہ السلام مدینہ سے روانہ ہو چکے تھے، اس لئے ولید تعمیلِ حکم سے مجبور رہا۔

مگر اس کے بعد بھی ولید معتوب ہونے سے نہیں بچا اور ماہِ رمضان میں اسے معزول کر کے عمرو بن سعید ہی کو، جو ابھی تک حاکمِ مکہ تھا، مدینہ کا بھی حاکم مقرر کر دیا گیا۔ پھر اگر حضرت امام حسین علیہ السلام مدینہ میں شہید ہوتے تو کیا آپؑ کی شہادت اسی نمایاں حیثیت کے ساتھ ہوتی جس طرح کربلا جا کر ہوئی؟

سیاستِ حکومت کا یہ تقاضا ہرگز نہ ہوتا بلکہ اسے طرح طرح کے لباس پہنائے جاتے۔ یا تو امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی طرح کوئی ''جعدہ بنت اشعث'' فراہم کی جاتی یا حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کی طرح کوئی ابن ملجم کی طرح کا خارجی جس کے بعد بھی حکومتِ دمشق کا دامن اس الزام سے بری ہی ثابت کیا جاتا۔ اس صورت میں امام حسین علیہ السلام واقعی قتل ہوتے یعنی وہ دنیا سے جاتے بھی اور سلطنتِ دمشق کے چہرہ پر اسلام و انسانیت کی نقاب پھر بھی پڑی رہتی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام اس کیلئے ہرگز تیار نہ تھے۔ تدبر کا اقتضاء تھا کہ مدینہ میں قیام اسی وقت کیا جاتا جب مدینہ میں قیام

ممکن ہو اور جب بیعت نہیں کرنا تھی تو اپنے اصول، اپنے مقصد اور اپنی قربانی کو اسی افق پر لے جا کر پیش کرنا چاہئے تھا جس پر آپؑ کربلا کے میدان میں انہیں لے جا سکے۔ بے شک یہ سفر کوئی معمولی سفر نہ تھا۔

وہ کربلا کی منزل کا پہلا مرحلہ یا آخرت کے سفر کا پہلا قدم تھا۔ اس لئے یہ رات حضرت امام حسینؑ علیہ السلام نے پوری جاگ کر بسر کی اور اسے اپنے نانا (حضرتِ رسولِؐ خدا)، والدہ (حضرت فاطمہ زہراؑ) اور بھائی (حسنؑ مجتبیٰ) کے مقدس مزارات سے رخصت ہونے میں صرف کیا۔

رات ختم نہ ہوئی تھی کہ آپؑ مدینہ سے روانہ ہو گئے۔ مدینہ کی صبح آج بے رونق تھی، اس لئے کہ حقیقی آفتاب اس کا آنکھوں سے اوجھل ہو چکا تھا اور رسولِؐ خدا کی قبر بے چراغ تھی، اس لئے کہ رسولؐ کا نورِ دیدہ آج صحرائے غربت میں گامزن تھا۔

60ھ، ماہِ رجب کی اٹھائیس تاریخ، اتوار کی رات تھی جب امام حسین علیہ السلام مدینہ سے روانہ ہوئے۔ اُس وقت آپؑ کی زبان پر قرآن مجید کی یہ آیت تھی:

"فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ".

اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے، اس وقت کا جب وہ فرعون کے ظلم وتشدد سے بیزار ہو کر مصر سے باہر نکلے ہیں۔ روانگی کے بعد امام حسین علیہ السلام شاہراہِ عام سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے، حالانکہ ابن زبیر اس کے پہلے شاہراہ کو چھوڑ کر غیر معروف راستوں سے مکہ کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔ یہی مشورہ آپؑ کو بھی دیا گیا مگر آپؑ اپنی مدینہ سے روانگی کو فرار کی حیثیت دینے پر تیار نہیں تھے۔ آپؑ نے اس مشورہ پر عمل کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ نہیں! میں تو اسی راستے سے جاؤں گا، پھر خدا کو جو منظور ہو۔

آپؑ نے اپنے دادا ابو طالبؑ کی تمام اولاد کو اپنے ساتھ لیا جن میں آپؑ کی دو بہنیں حضرت زینبؑ اور اُمِ کلثومؑ بھی تھیں۔ اس کے علاوہ سب بھائی، بھتیجے اور متعلقین آپؑ کے ساتھ تھے، سوائے محمد بن حنفیہ کے جو کسی مجبوری یا مصلحت کی وجہ سے مدینہ میں چھوڑ دیئے گئے تھے اور اُمِ ہانی بنت ابو طالبؑ پیرانہ سالی کی وجہ سے نہ جا سکی تھیں۔ بس اس کے علاوہ اولادِ ابو طالبؑ میں سے کوئی بھی امام حسین علیہ السلام سے جدا نہیں ہوا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ بنی ہاشم میں سے سوائے اولادِ ابو طالب علیہ السلام کے کسی اور سلسلہ کا ایک شخص بھی میدانِ کربلا میں نظر نہیں آتا۔ اس طرزِ عمل سے بھی کہ آپؑ نے صرف اپنے گھر والوں کو ساتھ لیا، صاف نمایاں تھا کہ آپؑ جنگ کے ارادہ سے روانہ نہیں ہو رہے ہیں۔ مدینہ سے باہر نکلنے کے بعد امام حسینؑ نے مکہ معظمہ کی طرف رُخ کیا۔

اس لئے کہ مکہ میں عرب کے قدیم روایات اور نیز اسلام کے مخصوص تعلیمات کی بناء پر کسی جانور تک کا قتل بلکہ گھاس تک کا بھی اکھاڑنا جائز نہیں۔ امام حسین علیہ السلام نے یہاں پہنچ کر اپنے آپ کو ظاہری طور سے ایک محفوظ آغوش کی پناہ میں ڈال دیا اور یہاں رہ کر آپؑ خاموشی کی زندگی گزارنے لگے۔ نہ اُمورِ سلطنت سے غرض اور نہ مہماتِ ملکی سے کوئی تعلق! آپؑ نے مکہ پہنچ کر بھی نہ کہیں خطوط و رسائل روانہ

کئے! اور نہ مختلف اطراف و جوانب کے لوگوں کو اپنی نصرت کی طرف دعوت دی۔ یہ بھی آپؑ کے مقصد کے تعین کیلئے آپؑ کے کردار کا ایک اہم جزو ہے۔ آپؑ کا مکہ میں ورود شبِ جمعہ، تین شعبان 60ھ کو ہوا۔

اس وقت آپؑ کی زبان پر قرآن مجید کی یہ آیت تھی:

"وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّىٓ اَنْ يَّهْدِيَنِىْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ".

یہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے متعلق ہے جب انہوں نے مدین میں پناہ لی تھی۔ آپؑ نے مکہ میں پہنچ کر شعب علیؑ میں قیام کیا۔ عبداللہ ابن زبیر آپؑ سے دو ایک دن پہلے پہنچ چکے تھے۔ ان کے مکہ میں اچانک پہنچنے کے ساتھ لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے تھے اور انہیں ایک مرکزیت سی حاصل ہوگئی تھی۔ لیکن حضرت امام حسینؑ کے مکہ میں پہنچنے کے ساتھ لوگوں نے عبداللہ بن زبیر کو چھوڑ دیا اور اب وہ حضرت امام حسینؑ کے گرد و پیش رہنے لگے۔ اس بات سے عبداللہ ابن زبیر کو یک گونہ ناگواری پیدا ہوئی اور انہیں اندازہ ہو گیا کہ امام حسینؑ کی موجودگی میں اُن کا کوئی اثر قائم نہیں ہو سکتا۔ مصلحتِ وقت کی بناء پر وہ بھی صبح و شام دونوں وقت امام حسینؑ کے پاس آنے جانے لگے۔

جب امیر شام کی وفات ہوئی ہے تو مدینہ میں ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کی حکومت تھی اور مکہ میں یحییٰ بن حکیم بن صفوان بن اُمیہ اور کوفہ میں نعمان بن بشیر انصاری اور بصرہ میں عبیداللہ بن زیاد گورنر تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ حکومتِ دمشق کو یحییٰ بن حکیم پر اطمینان نہ تھا، چنانچہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے مکہ میں پہنچنے کے بعد یحییٰ بن حکیم کو معزول کیا گیا اور عمرو بن سعید بن عاص بن اُمیہ کو گورنر مقرر کیا گیا۔

پھر جب ولید کے طرزِ عمل کی اطلاع اور شاید مروان کی طرف رپورٹ یزید کو پہنچی تو ولید کی بجائے بھی اسی عمرو بن سعید کو مقرر کیا گیا۔ مگر یہ بعد کی بات ہے، بعد میں یہ بھی ظاہر ہوگا کہ کوفہ کے گورنر کی پالیسی بھی حکومتِ دمشق کو ناگوار ثابت ہوئی اور وہاں بھی تبدیلی کی ضرورت پیش آئی۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ امام حسین علیہ السلام کے معاملہ میں یزید کا طرزِ عمل بھی اتنا غیر منصفانہ اور جارحانہ تھا کہ اسے اپنے مقصد کی تکمیل کیلئے آدمی نہ ملتے تھے اور خود اس کے گورنر اس کے احکام کی تعمیل اس کی خواہش کے مطابق نہ کر سکتے تھے۔

صورتحال سے ظاہر ہے کہ عُمالِ حکومت میں سے جو بھی حسینؑ کے ساتھ ذرا مراعات برتنے کا رجحان ظاہر کرتا تھا، وہ فوراً ہٹا دیا جاتا تھا۔ تلاش تھی ایسے لوگوں کی جو اہلِ بیتِؑ رسولؐ کے ساتھ کسی مراعات کی جگہ اپنے دل میں نہ رکھتے ہوں۔

اس کے بعد بھی کیا کہا جا سکتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ جو کچھ بھی تشدد ہوا، اس کے ذمہ داری یزید پر نہیں بلکہ عُمالِ حکومت پر تھی؟ اس وقت امام حسین علیہ السلام کا مکہ معظمہ میں قیام ایک پناہ گزین کی حیثیت سے تھا اور یہی مجورہ تھا جو آپؑ کو مدینہ سے روانگی کے وقت آپؑ کے بھائی محمد حنفیہ نے دیا تھا جسے آپؑ نے پسند کیا تھا۔ مکہ میں حالات کے ناسازگار ہونے کی صورت میں کیا ہوگا؟ اس کے متعلق محمد بن حنفیہ کی رائے یہ تھی کہ اگر وہاں حالات آپؑ کے موافق نہ ہوں تو آپ نکل جایئے ریگستانی صحراؤں میں اور پہاڑوں کے دامنوں میں، اور ایک شہر سے دوسرے شہر میں ہوتے رہیئے گا، یہاں تک کہ لوگوں کے حالات کا آخری نتیجہ سامنے آئے اور اُس وقت کوئی قطعی رائے

قائم کیجئے گا۔

آپؑ کا مکہ میں ظاہری طور پر رہنا مستقل حیثیت رکھتا تھا اور کوئی خاص مقصد آپؑ کے پیش نظر نہیں تھا، سوائے ایک پُر امن زندگی کے جسے جیو اور جینے دو، ہی کے الفاظ میں ادا کیا جا سکتا ہے۔

یہاں آپؑ نے نہ تو اپنی موافقت میں کوئی عسکری طاقت فراہم کی اور نہ جمہور کو یزید کے خلاف مشتعل کیا۔ تقریر اور تحریر کسی حیثیت سے بھی ایسی کوئی کوشش ثابت نہیں کی جا سکتی۔

❁ ❁ ❁

# مکّہ سے کربلا تک

## (سفر امام حسینؑ، منازل سفر اور کربلا میں ورود)

کوفہ میں انقلاب، مسلم وہانی کی شہادت، یہ سب کچھ ہو گیا مگر ظاہر ہے کہ اس سب کی اطلاع بر وقت مکہ میں کیونکر پہنچ سکتی تھی؟ حضرت امام حسین علیہ السلام کو مسلمؑ کا خط پہنچ چکا تھا کہ یہاں تشریف لائیے۔ سب آپؑ کی اطاعت کے لئے تیار ہیں۔ یہ خط جناب مسلمؑ نے عابس ابن شبیب شاکری کے ہاتھ اپنی شہادت سے ستائیس دن پہلے 12 ذیقعد کو لکھا تھا۔ اس خط کے پہنچنے کے بعد آپؑ کیلئے کوفہ کا سفر اختیار کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ پھر بھی عام حالات میں اتنی جلدی کی ضرورت نہیں تھی کہ آپؑ حج کے دو ایک دن باقی رہنے کے باوجود حج کو ترک فرما دیں اور مکہ سے نکل کھڑے ہوں۔ یہ غیر متوقع صورت یقینی طور پر نہایت اہم ہنگامی اسباب کا پتہ دیتی ہے۔

آپؑ کی اُفتادِ طبیعت اور ذوقِ عبادت کا لازمی تقاضا بھی یہ تھا کہ آپؑ اس سال کے حج کو جو آپؑ کی زندگی میں آخری تھا، مکمل فرما کر روانگی کا ارادہ کرتے لیکن ایک دم ہوا یہ کہ حج کی تکمیل میں دو دن باقی تھے کہ آپؑ نے حج کو عمرہ سے بدل کر مکہ معظمہ سے روانگی اختیار فرمائی۔

اس کے اسباب عام طور پر لوگوں کے سامنے کچھ نہ تھے کیونکہ حرمِ الٰہی کے اندر کوئی فوج و لشکر نہ تھا جسے سب دیکھتے مگر حاجیوں کے لباس میں فوج کے سپاہی آئے ہوئے تھے اور انہیں یہ ہدایت تھی کہ امام حسین علیہ السلام جس حال میں بھی ہوں، انؑ کو گرفتار کر لو۔ یہ راز اُس وقت کھلا جب آپؑ مکہ سے باہر آ چکے تھے اور فرزدق شاعر نے آپؑ سے راستے میں ملاقات کی اور پوچھا کہ فرزندِ رسولؐ! اتنی جلدی کس لئے کہ حج بھی نہ ہو سکا؟ امام علیہ السلام نے جواب دیا کہ اگر میں اتنی جلدی نہ کرتا تو وہیں گرفتار کر لیا گیا ہوتا۔ بس یہ چیز وہ تھی جس نے امام حسین علیہ السلام کو عراق کی طرف اس قدر تعجیل کے ساتھ روانگی پر مجبور کر دیا۔

نتیجہ آخر امام علیہ السلام کے پیشِ نظر تھا یعنی شہادت! جس پر آپؑ کی وہ تقریر گواہ ہے جو آپؑ نے مکہ معظمہ سے روانگی کے وقت فرمائی تھی۔ آپؑ نے کہا تھا:

''موت فرزند آدمؑ کے گلے کا ہار ہے اور مجھے اپنے اسلاف کی ملاقات کی اشتیاق ہے، اُتنا ہی جتنا یعقوبؑ کو یوسفؑ سے ملنے کا اشتیاق تھا اور میرے لئے بہت اچھی ہے وہ جگہ جہاں میں کشتہ ہو کر گروں گا۔ گویا میری آنکھوں میں پھر رہا ہے وہ سماں کہ میرے جوڑ بند کو درندے جدا کر رہے ہیں، کوئی چارہ کار نہیں۔ اس دن سے جو خطِ تقدیر میں گزر چکا، خدا کی مرضی ہم اہلِ بیتؑ کی مرضی ہے۔ ہم اس کے امتحان پر صبر کرتے ہیں اور صابروں کے اجر کو حاصل کرتے ہیں۔ رسولؐ اسے اُن کے جسم کے ٹکڑے الگ نہیں ہو سکتے۔

جو شخص ہمارے ساتھ اپنی جان کی قربانی پر آمادہ اور خدا سے ملاقات پر تیار ہو، وہ ہمارے ساتھ سفر کرے۔ میں کل انشاء اللہ روانہ

ہو جاؤں گا''۔

یہ تھی وہ تقریر جو آپؑ نے گردوپیش کے لوگوں کے سامنے کی تھی، اس رات کو جس کی صبح ہوتے ہوتے آپؑ مکہ سے روانہ ہو گئے۔

اس کے علاوہ ایک واقعہ یہ ہے کہ اثنائے سفر میں آپؑ ہر منزل پر جناب یحییٰ علیہ السلام اور اُن کی شہادت کو یاد کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ دنیا کے بے قدری کیلئے اللہ کے نزدیک یہ کافی ہے کہ اس دنیا میں یحییٰ بن ذکریا کا سر قلم ہو کر بنی اسرائیل کے بدکار کے سامنے بطور تحفہ بھیجا گیا۔

یہ بھی حقیقت میں اپنے مستقبل کی طرف ایک اشارہ ہی تھا جو آپؑ بار بار فرما رہے تھے۔ پھر بھی آپؑ کیلئے اپنے عمل کو امکانی تحفظات کے حدود سے آگے بڑھنے دینا روا نہیں تھا۔ آپؑ کے لئے مکہ سے فوراً علیحدگی اختیار کرنا ان خطرات کی بناء پر جو اس وقت یہاں پیدا ہو گئے تھے، لازمی قرار پا چکا تھا۔ اس کے بعد آپؑ کہاں جاتے؟ عقلی طور پر اسی جگہ کہ جہاں لوگ انتہائی اصرار کے ساتھ آپؑ کو بلا رہے تھے۔ اس صورت میں کسی شخص کا یہ پہلو آپؑ کے سامنے لانا کہ اس میں جان کا خطرہ ہے، تحصیلِ حاصل اور فضول تھا۔ جان کا خطرہ تو تھا ہی مگر اس خطرہ کے ہوتے ہوئے کسی ایسی طرف جانا قرین مصلحت ہو سکتا تھا جہاں کا جان ''ناخواندہ مہمان'' کی حیثیت رکھتا ہو یا ایسی جگہ کے لوگ الحاح وزاری کے ساتھ دعوت دے رہے تھے، خطرہ کے معنی کیا ہو سکتے تھے؟

یہی کہ جان جائے گی مگر جانا تو ناگزیر تھا۔ پھر یہ جان ایک انسانی اور مذہبی فرض کی ادائیگی کے سلسلہ میں کیوں نہ جائے، جس کا نام ہے وعدہ وفائی۔ طالبانِ ہدایت پر اتمامِ حجت اور خلقِ خدا کی فریاد رسی۔ اسی لئے جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے ان لوگوں کے خیال کی کبھی رد نہیں کی جو اہلِ کوفہ کی بے اعتمادی کا اظہار کرتے تھے اور یہ نہیں کہا کہ مجھے اُن سے توقع ہے کہ وہ اس مرتبہ اپنی بات پر قائم رہیں گے مگر اسی کے ساتھ آپؑ نے ہمیشہ اپنی روانگی کو اُن کی طرف ضروری بتایا۔ جیسا کہ فرزدق سے گفتگو میں، جس کا تذکرہ ابھی آئے گا۔ آپؑ نے فرمایا کہ خانۂ کعبہ میں گرفتاری کا جو خطرہ تھا، اس کا ایک حد تک یقینی قرینہ سامنے آ گیا، اس وقت جب آپؑ کی مکہ سے روانگی کے موقع پر حاکمِ مکہ عمرابن سعید بن العاص کی طرف سے ایک فوجی دستہ نے یحییٰ ابن سعید کی قیادت میں بیرون شہر آ کر آپؑ سے مزاحمت کی اور آپؑ کو واپس لے جانا چاہا۔ حضرتؑ نے واپس جانے سے انکار کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ طرفین میں تھوڑی دیر آویزش بھی ہوئی مگر امام حسین علیہ السلام کے ساتھ والے پوری بہادری کے ساتھ مقابل جماعت کی مزاحمت کو روکنے پر تیار تھے، اس لئے ان لوگوں کو ہٹنے پر مجبور ہونا پڑا اور قافلہ روانہ ہو گیا۔

دینوری نے لکھا ہے کہ خود عمرو بن سعید نے اس اندیشہ سے کہ صورتحال کچھ نازک نہ ہو جائے، اپنے پولیس افسر کو واپس آنے کی ہدایت بھیج دی۔ یہ بروز منگل ذی الحجہ 60ھ کا واقعہ ہے اور اسی روز کوفہ میں ابن زیاد کی فوج سے جنابِ مسلم بن عقیلؑ کا مقابلہ ہو رہا تھا۔ دوسرے دن جبکہ وہ شہید ہوئے، حضرت امام حسین علیہ السلام مکہ سے نکل کر وادیٔ غربت میں راستہ طے فرما رہے تھے۔ آپؑ کے قیامِ مکہ کے دوران میں علاوہ آپؑ کے خاص خاص عزیزوں کے جو مدینہ سے ساتھ آئے تھے، کچھ مخصوص افراد اہلِ حجاز میں سے اور کچھ اہلِ بصرہ میں سے آپؑ کی خدمت میں پہنچ گئے تھے۔ اب یہ سب آپؑ کے ساتھ ساتھ روانہ ہوئے۔

مکہ سے کربلا کے سفر میں حضرت امام حسین علیہ السلام نے جن منزلوں میں قیام کیا، اُن کی تفصیل کے متعلق مؤرخین میں اختلاف ہے۔ جہاں تک تاریخی واقعات کی مدد سے ثابت ہوتا ہے، ان کی ترتیب حسب ذیل ہے (ان منازل کی تفصیل شہیدِ انسانیت میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے)۔

1۔صفاح 2۔تنعیم 3۔ذات عراق 4۔بطن الرمہ اور حاجر

5۔زرود 6۔ثعلبیہ 7۔زبالہ 8۔بطن عقیق

9۔سراۃ 10۔شرف 11۔ذوحسم 12۔عذیب الہجانات

13۔قصر بنی مقاتل 14۔نینوا

یہ تمام منازل طے کرتے ہوئے آخری منزل نینوا پر پہنچے۔

## کربلا

امام علیہ السلام ذرا بائیں طرف مڑ کر تھوڑا سا چلے کہ سپاہِ حُر سامنے آ کر سدِراہ ہوگئی اور کہا: بس! یہیں اُتر جایئے۔ فرات یہاں سے دور نہیں ہے۔ امامؑ نے نام پوچھا: معلوم ہوا، کربلا۔ فرمایا: اچھا! کرب و بلا کی یہی منزل ہے۔ یہ کہہ کر گھوڑے سے اُتر پڑے۔ یہ دوسری محرم 61ھ جمعرات کا دن تھا۔

اب جبکہ امام علیہ السلام کا سفر منزلِ آخر تک پہنچ گیا تو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس سفر کے مختلف پہلوؤں پر ایک سیر حاصل تبصرہ کیا جائے تاکہ اس کی اہمیت اور ضرورت کچھ اور واضح ہو جائے۔ یہ تو پہلے بیان ہو چکا ہے کہ امام علیہ السلام کا مقصد یزید سے اس طرح کی جنگ کرنا نہ تھا جیسی دنیا میں ہوا کرتی ہے۔ آپؑ کو نہ سلطنت کا حاصل کرنا مقصود تھا، نہ براہِ راست یزید کی سلطنت کا ختم کرنا بلکہ آپؑ کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کر دیں اور ان میں ایک ایسا انقلابِ ذہنی پیدا کر دیں کہ وہ یزیدی کردار کو اس کی اصلی شکل میں دیکھنے لگیں اور اس کے ظاہری دعوائے اسلام سے دھوکا نہ کھائیں۔ اس کیلئے آپؑ نے مدینہ سے روانگی اختیار کی۔

جہاں تک مدینہ سے نکلنے کا تعلق ہے، اس پر تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ اگر آپؑ مدینہ میں قیام کر کے اور وہاں رہ کر یزید کے مقابلہ میں جنگ کرتے یا قربانی پیش کرتے تو اس سے وہ نوعیت پیدا ہی نہ ہوتی جو آپؑ کے مدِنظر تھی یا زہر کام کرتا اور یا تلوار، جس کی ذمہ داری کسی صورت سے سلطنتِ شام پر عائد نہ ہوسکتی بلکہ کوئی خارجی نکلتا، ابن ملجم کا سا، جس نے حضرت علی علیہ السلام کو شہید کیا تھا یا کوئی تیر آتا، آدمی نہیں بلکہ جنوں کی طرف سے، جیسا کہ اسلامی تاریخ میں سعد بن عبادہ کا شام میں خاتمہ ہوا تھا۔ یہی ہوتی ہیں عام حکومتوں کی شعبدہ کاریاں جن کا نام دنیا نے ''سیاست'' رکھا ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام اس طرح کی سیاست کے گروں کو خوب سمجھتے تھے، چاہے خود اخلاقی و اسلامی پابندیوں کی وجہ سے اختیار نہ کریں۔

انہوں نے مدینہ اس لئے چھوڑا کہ ان کا واقعہ شہادت کوئی اچانک اور بے سامان گمان کا حادثہ نہ سمجھا جائے۔ جا کر قیام کیا، کہاں؟

مکہ معظمہ میں جو قلبِ جزیرۃ العرب تھا اور جہاں حج کیلئے بہرحال ہر طرف سے کھینچ کھینچ کر مسلمان جمع ہوتے تھے۔ علاوہ فریضہ حج کے جو اسلامی شریعت کی رو سے ہر مستطیع مسلمان پر واجب ہے، خود عرب کی قدیم روایات اور سابقہ عملدرآمد کی وجہ سے جو صدیوں سے قائم تھا، عرب کے اس خطہ کو تمام مختلف الخیال قبائلِ عرب کا محل اجتماع ہونا ضروری تھا۔ وہ مشہور کانفرنسیں جو شعر و سخن اور خرید و فروخت کیلئے قائم ہوتی تھیں، جن کو ''اسواق العرب'' کہا جاتا تھا، ذیقعد سے لے کر محرم تک مکہ و طائف اور مدینہ کے درمیان ہی قائم ہوتی تھیں۔ امام حسینؑ کی شخصیت دنیائے عرب میں کوئی اجنبیت نہ رکھتی تھی۔ اگرچہ مذہبی احساسات مردہ ہو گئے تھے اور حضرتؑ کو آپؑ کے پورے مراتب کے ساتھ لوگ نہ پہچانتے تھے لیکن رسولِ خداؐ کے نواسے، سلطانِ حجاز و عراق کے فرزند، ملکِ عرب کے سب سے بڑے سخی جس کے در سے کوئی سائل محروم نہیں پھرا، بنی ہاشم کے بزرگِ خاندان اور اسلام کے سب سے بڑے عالم، یہ عنوان وہ تھے جن سے کوئی بھی ناواقف نہیں تھا۔ امام حسین علیہ السلام نے یہی خاص زمانہ کہ جو تمام قبائلِ عرب کے اجتماع کا تھا، مکہ میں اپنے قیام کیلئے تجویز کیا۔

امام حسین علیہ السلام کا یہاں خاموشی کے ساتھ قیام بھی تمام اطرافِ ملک میں آپؑ کی بیعتِ یزید سے کنارہ کشی کے اعلان کیلئے کافی تھا اور یہی سب سے بڑی وہ وجہ تھی جس کی بناء پر آپؑ کی زندگی سیاستِ وقت کیلئے یہاں بھی ناقابلِ برداشت ثابت ہوئی۔ چنانچہ یزید کی طرف سے حاجیوں کے بھیس میں آدمی بھیجے گئے تاکہ وہ آپؑ کو گرفتار کر لیں یا قتل کر دیں۔

امام حسین علیہ السلام، جیسا کہ آپؑ نے مکہ سے روانگی کے وقت فرما دیا تھا، یہ نہ چاہتے تھے کہ آپؑ مکہ کے اندر شہید کئے جائیں جس کی بناء پر خانۂ کعبہ کی حرمت زائل ہو۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ خانۂ کعبہ کے گرد و پیش حج کے زمانہ میں ہر قسم کے لوگ ہر طرف سے آئے ہوئے ہوتے ہیں اور امام حسین علیہ السلام کیلئے یہ غیر ممکن تھا کہ آپؑ عرفات، منیٰ، مشعر، مقام، ہر جگہ اپنے ساتھ محافظ رکھتے۔ ایسی صورت میں بہت آسان تھا کہ حجر اسود کے استلام کے وقت، عرفات کے وقوف کی حالت میں، مشعر کی طرف واپسی کے دوران میں، منیٰ میں قربانی کے موقع پر، مقامِ ابراہیمؑ میں نماز پڑھنے کی حالت میں کسی وقت آپؑ پر قاتلانہ حملہ ہو جاتا اور قاتل موجودہ ہنگامہ و اژدہام کے اندر گم ہو جاتے۔ اس کے بعد کون کہہ سکتا تھا کہ امام حسینؑ کا قاتل حقیقتاً یزید یا اُس کا فرستادہ ہے۔

اس شدید خطرہ کی بناء پر امام حسینؑ نے مکہ کو چھوڑا۔ اس طرح کہ حج کو بھی مکمل نہ کیا۔ وہی ہنگامی صورتِ حال تھی جو پیدا ہو گئی تھی۔ مگر علامہ سید ہبۃ الدین شہرستانی نے ''نہضۃ الحسینؑ'' میں لکھا ہے کہ اس طرح دفعۃً ایسے موقعہ پر امام علیہ السلام کی روانگی نے تمام قبائلِ عرب کے نمائندوں میں ایک بجلی سی دوڑا دی اور اگر کوئی تاریخ اس موقعہ کی مکمل اسی وقت قلمبند کی گئی ہوتی تو اس میں ضرور نظر آتا کہ اس موقعہ پر کن خیالات کا اظہار کیا جاتا تھا۔ حسینؑ ابن علیؑ کہاں چلے گئے؟ حج بھی نہ کیا؟ آخر تمام اہل و عیال و اقرباء کے ساتھ اپنے نانا کی قبر کے جوار کو کیوں چھوڑ دیا؟ یزید کے خوف سے؟ کیوں؟ یزید کیا چاہتا ہے؟ حسینؑ سے بیعت کا طالب ہے؟ لاحول ولاقوۃ، بھلا ایسا کیونکہ ہو سکتا ہے؟

فرزندِ رسولؐ ساحق شناس کیا یزید ایسے فاسق و فاجر اور بدکار شخص کی بیعت کرے؟ اچھا پھر مکہ معظمہ میں کیوں قیام نہ کیا؟ کس لئے حج کو بھی مکمل نہ کیا؟ جان کا خطرہ تھا، شاید مکہ میں امام حسین علیہ السلام کو قتل کرنے کیلئے شام سے کچھ لوگ بھیجے گئے تھے، توبہ توبہ ____ اس سے بڑھ کر سفاکی اور ظلم کیا ہوگا؟ ارے فرزندِ رسولِ خداؐ کو حرم میں بھی چین نہ لینے دیا؟ کم و بیش اس قسم کے تذکرے ہوں گے جو مکہ معظمہ اور

اس کے اطراف و جوانب میں اکثر باخبر حلقوں میں بڑی قوت کے ساتھ ہو رہے ہوں گے۔ اس زمانہ میں مراسلت ومخابرت کے طریقے موجود تھے اور تار، ٹیلی فون، ریڈیو، ٹی وی وغیرہ خبر رسانی کے ذرائع نایاب، اس سے بہتر کوئی صورت واقعات کی اشاعت کیلئے نہیں ہوسکتی تھی۔ اس لئے کہ بعد اختتامِ حج جو شخص بھی اپنے شہر میں واپس آتا، اُس کو تازہ حالات کے ضمن میں امام حسین علیہ السلام کی نقل وحرکت اور اس کے اسباب وعلل کا بیان کرنا ضروری تھا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ امامؑ کی موافقت میں کسی لشکر کے جمع ہونے کا امکان پیدا ہو گیا تھا بلکہ یہ کہ پہلے سے ان حالات کی اشاعت ہو جانے کی وجہ سے آپؑ کی شہادت نامعلوم اسباب وعلل کا نتیجہ قرار نہیں دی جاسکتی اور حکومتِ شام کو اس کے متعلق اپنے سیاسی مفاد کے لحاظ سے مخصوص وجوہ تراشنے کا موقع نہیں مل سکا۔ امام حسین علیہ السلام کی مظلومیت وحقانیت پر پردہ نہ ڈالا جاسکا لیکن اگر ایسا نہ ہوتا تو سلطنتِ یزید کی طرف سے امام علیہ السلام کی شہادت پر طرح طرح کے لباس پہنائے جاتے اور آئین وشعائر اسلام کے تحفظ کا وہ بلند مقام جو امامؑ کے پیشِ نظر تھا، اتنے کامیاب طریقہ پر حاصل نہ تھا مگر یہ امامؑ کے انتہائی مدبرانہ طریقہ کار کا نتیجہ تھا کہ ادھر امامؑ شہید ہوئے اور اُدھر تمام دنیا نے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ آپؑ ناحق قتل کئے گئے۔ شام کا حاکم اور اس کے وزراء اور ہوا خواہ کسی تہمت کے تراشنے کا موقعہ نہ پاسکے۔

اس لئے کہ امام حسین علیہ السلام نے اپنی نقل وحرکت کے اسباب کو اپنی شہادت سے پہلے ہی عالم اسلام میں شائع کر کے دشمنوں کی زبانیں بند کر دیں اور اپنی حقانیت کے سامنے دنیا کا سرخم کروالیا۔

نتیجہ کے اعتبار سے کہا جاسکتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کا قافلہ جو مکہ سے نکل کر جارہا تھا، ایک خاموش مبلغ تھا، اس لئے کہ حج کی وجہ سے عراق، یمن، طائف وغیرہ سب طرف سے قبائل مکہ میں آرہے تھے اور ادھر امام حسین علیہ السلام اپنے اہل واقرباء، انصار واصحاب کی جماعت کے ساتھ، تمام اسباب ساتھ لئے ایک قافلہ کی صورت میں مکہ سے جارہے تھے۔ عالمِ مسافت میں زندگی گزارنے والے واقف ہیں کہ راستے میں چار پانچ آدمیوں کا بھی قافلہ نظر آئے تو کھوج پیدا ہو جاتی ہے کہ یہ کون لوگ ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں اور کیوں؟ پھر کہاں امام حسین علیہ السلام اور آپؑ کے اصحاب وانصار کا شاندار قافلہ، حج کو صرف دو دن باقی رہتے ہوئے مکہ معظّمہ کی طرف سے آرہا ہو جبکہ دنیا مکہ معظّمہ کی طرف حج کیلئے جارہی ہو، یہ وجوہ یقیناً جاذبِ نظر اور باعثِ توجہ تھیں۔ ایک اجنبی شخص کو یہ پوچھنا ناگزیر تھا کہ یہ کون جماعت ہے اور کہاں جارہی ہے؟ امام حسین علیہ السلام کا نام معلوم ہونے پر اسی قسم کا مکالمہ، جیسا اوپر درج ہو چکا ہے، ان کے درمیان لازمی طور پر شروع ہو جاتا ہوگا۔ چنانچہ تاریخیں شاہد ہیں کہ فرزدق کی ملاقات امامؑ سے یونہی ہوئی اور عبداللہ بن مطیع اور عمر بن عبدالرحمن مخزومی کی بھی کہ وہ مکہ کی طرف جارہے تھے اور امام علیہ السلام مکہ کی طرف سے آرہے تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حسینؑ ابن علیؑ اور ہاشمی جوانوں کا شاندار قافلہ جو خانۂ خدا کو مجبوری کی بناء پر چھوڑ کر دشتِ غربت میں راہ پیما تھا، دور دور کے لوگوں کو حالات کی تحقیق اور حقیقت کے سمجھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

مکہ سے نکلنے کے بعد آپؑ نے کوفہ کا رُخ کیا، اس لئے کہ اہلِ کوفہ کے انتہائی اصرار کو عدم اعتماد کی بناء پر مسترد کر دینا اخلاقی ومذہبی حیثیت سے کسی طرح آپؑ کے نزدیک مناسب نہ تھا، خصوصاً جبکہ آپؑ کے معتمد سفیر (مسلم بن عقیلؑ) نے وہاں کے حالات کو قول وقرار کے موافق پا کر آپؑ کو اس کی اطلاع بھی دے دی تھی جس کے بعد امام علیہ السلام کیلئے ان کے مطالبۂ ہدایت کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اتمام

حجت کرنا ایک فریضہ تھا مگر اس ضمن میں اس انقلاب کیلئے جو حضرتؑ کی شہادت سے پیدا ہونے والا تھا، کچھ مزید اسباب کا اضافہ ہوگیا۔

ظاہر ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام وطن سے بے بسی اور بیکسی کے ساتھ نکلے تھے تو مکہ میں بھی کوئی قابلِ اطمینان حالت نہ تھی مگر مکہ سے آپؑ کا سفر اختیار کرنا اہلِ کوفہ کے مہمان کی حیثیت سے تھا اور عرب کی غیرت وحمیت کا تقاضا مہمان کے بارے میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ عین موقعہ پر اہلِ کوفہ کثرت کے ساتھ امام حسینؑ کی نصرت کیلئے نہیں پہنچ سکے یا نہیں پہنچے مگر انسان اور عربی فطرت کے لازمی نتیجہ کے طور پر یہ یقینی تھا کہ بعد میں اہلِ کوفہ کے دل میں ایک عجیب بیقرار احساس پیدا ہوگا، اس کا کہ ہم نے بلایا تھا اور مدد نہ کی اور یہی احساس آگے بڑھ کر اور پرورش پا کر ایک عظیم سیلاب کی صورت میں اُمڈے گا جو اس سلطنت کے بیڑے کو ہمیشہ کیلئے ڈبو کر چھوڑے گا، جس کا نتیجہ ہوگا امام علیہ السلام کی فتح اور دشمن کی شکست۔ بنی اُمیہ کی عداوت اور اُن کے وسیع ذرائع حکومت کو دیکھتے ہوئے یہ ماننا پڑے گا کہ امام حسینؑ تو ملک عرب میں جہاں جاتے، آخر میں شہید ہوتے لیکن ظاہری حیثیت سے یہ نتیجہ مرتب نہ ہوتا جو کوفہ کی طرف آنے کی صورت میں ہوا۔ وہ لوگ جو مسلمؑ کی شہادت کے بعد آپؑ کو واپسی کا مشورہ دے رہے تھے، یقیناً نیک نیت اور اپنے نقطہ خیال کے لحاظ سے حق بجانب بھی ہوں گے۔

مگر اُنہیں حسینی اقدام کی نوعیت کا اندازہ نہ تھا۔ عراق کا سفر اختیار کرنا اگر کچھ خوشگوار توقعات پر مبنی ہوتا تو بے شک اب اس ارادہ کو بدل جانا چاہئے تھا، اس لئے کہ وہ توقعات اب مایوسی سے بدل گئی تھیں۔ لیکن جبکہ امام علیہ السلام کے سامنے کوئی اُمیدوں کا سبز باغ نہیں تھا بلکہ اس حد سے بڑھے ہوئے اصرار کی پذیرائی اور غیر معمولی طلب ودعوت کی قبولیت تھی جس سے اتمامِ حجت کا مقصد پورا ہوتا تھا تو اس ارادہ کو اتنے پر کہ آپؑ کو مسلمؑ کی شہادت کی خبر مل گئی، متزلزل نہ ہونا چاہئے تھا بلکہ استقلال وثباتِ قدم، کوہِ آسا عزم اور پختگی ارادہ، وعدہ کی پابندی اور اصول کے تحفظ کا تقاضا یہ تھا کہ آپؑ عملی طور پر اس کا ثبوت فراہم کر دیتے کہ آپؑ اپنے وعدے پر قائم رہے، یہاں تک کہ آگے بڑھنے میں خونریزی اور نقص امن عامہ کے باعث ہونے کا اندیشہ ہوگیا۔ اس کے علاوہ ابھی حضرت مسلمؑ کی شہادت کے تفصیلی حالات بھی تو عام طور پر لوگوں کو معلوم نہ تھے اور ظاہری اسباب کی بناء پر یہ ممکن تھا کہ وہ بڑی خونریز لڑائی کے بعد شہید ہوئے ہوں جس میں اہلِ کوفہ نے پورے طور پر دادِ شجاعت دی ہو۔ لیکن سرکاری فوج کے مقابلہ میں سر برنہ ہوئے ہوں اور ممکن ہے کہ ان کے دل میں یہ ارمان ہوتا یا بعد میں کہنے کا موقعہ ملتا کہ اگر امام حسینؑ آجاتے تو ہمیں تازہ قوت حاصل ہو جاتی اور حالات کا ورق بالکل پلٹ جاتا۔ اس صورت میں آپؑ کا یہیں سے واپس ہو جانا جبکہ کوفہ کے بہت سے لوگ، گویا آپؑ ہی کی خاطر سے ایک بڑی مصیبت اور کشمکش میں مبتلا ہو چکے، بڑی کمزوری اور کم ہمتی کا نمونہ سمجھا جا سکتا تھا۔

آپؑ نے ارادہ میں تبدیلی کی، بس اس وقت جب حُر کا لشکر آپؑ سے دوچار ہوا اور یہ معلوم ہوا کہ وہ آپؑ کو ابن زیاد کے پاس جانے پر مامور ہے۔ اب امام علیہ السلام نے اپنا ارادہ بدل دیا، اس لئے کہ اب آپؑ کا آگے بڑھنا دو ہی صورتوں میں ہوسکتا تھا: ایک تو یہ کہ آپؑ جنگ آزمایانہ صورت سے فوجوں کو درہم برہم اور راستے کو صاف کرتے ہوئے کوفہ پر حملہ آور ہوتے اور ابن زیاد کو کوفہ سے نکال کر وہاں اپنی عملداری قائم کرتے، دوسرے یہ کہ آپؑ صبر وخاموشی کے ساتھ جس طرح اب تک آرہے تھے، اسی طرح کوفہ کی طرف اپنی رفتار کو

جاری رکھتے۔

دوسری صورت موجودہ حالات میں غیر ممکن تھی کیونکہ اب تک آپؑ کا آگے بڑھنا خود مختارانہ حیثیت سے اور خود اپنے ارادہ سے تھا مگر حُر کی فوج کے اس قصد سے آنے کے بعد کہ وہ آپؑ کو کوفہ، ابن زیاد کے پاس لے جائے، آپؑ کا خاموشی کے ساتھ آگے بڑھنا اس فوج کے ہاتھ میں اسیر ہونے اور ابن زیاد کا قیدی بن جانے کا مترادف ہوتا کیونکہ ابھی یہ حُر کی سپاہ ہے اور آگے بڑھ کر حصین کا فوجی مرکز ہے اور وہاں سے پھر افواج کے محاصرہ میں ابن زیاد کے پاس لے جایا جانا ہے جس کے بعد آپؑ کا معاملہ ابن زیاد کے ہاتھ میں ہے۔

اسی لئے آپؑ نے حُر کے اس اظہار کا کہ ہم آپ کو ابن زیاد کے پاس لے جانے کیلئے آئے ہیں، انتہائی ترش جواب دیا کہ موت تمہارے لئے اس سے قریب تر ثابت ہوگی۔ بے شک پہلی صورت باقی تھی اور وہ یہ کہ آپؑ کوفہ پر حملہ آور ہوتے اور غنیم کی فوج کو پسپا کر کے وہاں اپنا قبضہ جماتے مگر ایک تو ظاہری اسباب کی بناء پر آپؑ کے ساتھ موجودہ فوجی طاقت ایسی نہیں تھی کہ وہ یزید کی منظم افواج کا مقابلہ کر سکتی اور بغیر ایسی طاقت کے موجود ہوئے ایک جگہ گھیر لئے جانے کے بعد دفاعی حیثیت سے بہتر (۷۲) نفوس کو ساتھ لے کر تیس ہزار کا مقابلہ کر لینا تو عین شجاعت و ہمت اور قابلِ ستائش طریقہ کار ہے۔ مگر اس قلیل تعداد کے ساتھ غنیم پر جارحانہ طرز پر حملہ آور ہونا سوائے تہور اور ناعاقبت اندیشی کے اور کچھ قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔ دوسرے یہ کہ آپؑ کے اس مسلک کے خلاف ہے جو آپؑ نے اختیار کر رکھا تھا کہ آپؑ کی اس مقاومت میں عوامی محاورہ کے لحاظ سے بغاوت اور شورش انگیزی کی صورت پیدا نہ ہونے پائے۔

اسی لئے آپ نے اپنی گفتگو میں، جو حُر کے ساتھ ہوئی تھی، اپنے اس نقطہ نظر کو واضح کر دیا تھا کہ میں بلایا ہوا ہوں، اگر میرا آنا ناپسند ہے تو میں واپس جاتا ہوں۔ چنانچہ فوجِ حُر کی اس مزاحمت کے بعد آپؑ نے کوفہ کا خیال ترک کر دیا اور حُر کی معقول تجویز کے مطابق ایک دوسرا راستہ اختیار فرمایا جس نے آگے بڑھ کر آپؑ کو میدانِ کربلا میں پہنچا دیا۔

اور یہی آپؑ کا اپنی طرف سے جنگ کی ابتداء نہ کرنے کا اصول اس کا بھی باعث ہوا کہ جب کربلا کی سرزمین پر پہنچ کر فوجِ حُر نے سختی کے ساتھ آگے بڑھنے سے روکا تو آپؑ نے وہیں پر خیمے نصب کروالئے کیونکہ اب بغیر جنگ کئے ہوئے آگے بڑھنا ممکن نہ تھا۔ پھر آگے بڑھنے کی صورت میں اگر کوئی اہم مرکز آپؑ کے پیش نظر ہوتا جہاں جا کر آپؑ اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کریں تو ان لوگوں سے اپنے مقصد میں سدِراہ ہونے کی بناء پر جنگ بھی کر لی جاتی۔ لیکن جب آپؑ کے پیش نظر ایسا کوئی خاص مرکز نہیں تھا تو صرف اس بات پر جنگ کرنا کہ ہم یہاں نہیں ٹھہریں گے، بلکہ کچھ آگے جا کر ٹھہریں گے، ایک لاحاصل سی بات ہوتی۔ چنانچہ فوجِ مخالف کے مطالبہ پر آپؑ نے کربلا کی سرزمین پر فرات کے کنارے سے ہٹ کر خیمے نصب کر لئے۔ جس زمین کو اب کربلا کہا جاتا ہے، یہ حقیقتاً مجموعہ ہے چند زمینوں کا اور قریوں کا جو اس زمانہ میں بالکل پاس پاس واقع تھے۔ اس کی مثال زمینداریوں اور جاگیروں اور مواضعات کی حیثیت سے ہر ملک میں موجود ہے اور خصوصیت سے عرب میں ایسا پایا جاتا تھا کہ چھوٹے چھوٹے قطعاتِ ارض کے مستقل نام ہوتے تھے جنہیں اگر ایک کی خصوصیت کے لحاظ سے دیکھا جاتا تو وہ کئی مقام متصور ہوتے تھے اور اگر ان کے باہمی قرب پر نظر کی جاتی تو وہ سب ایک قرار پاتے تھے اور اس طرح ایک جگہ کا واقعہ دوسری جگہ کی طرف منسوب کیا جا سکتا تھا۔

جیسا کہ علامہ سید ہبۃ الدین شہرستانی نے ''نہضۃ الحسینؑ'' میں لکھا ہے، واقعہ کربلا کے محلِ وقوع کے ماتحت جو بہت سے نام گوش زد ہوتے ہیں: کربلا، نینوا، غاضریہ، شط فرات، انہیں ایک ہی جگہ کے متعدد نام نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ وہ متعدد جگہیں تھیں جو باہمی قرب کی وجہ سے ایک ہی سمجھی جاسکتی تھیں اور اس لئے محلِ وقوع واقعہ کے اعتبار سے ہر ایک کا نام تعارف کے موقعہ پر ذکر کیا جانا صحیح قرار پاتا تھا۔

## نِینَوا (نون کے کسرہ کے ساتھ)

یہ ایک قریہ تھا جسے موجودہ زمانہ کے سدہ ہندیہ کے قریب سمجھنا چاہئے۔ اس کے پہلو میں ''غاضریہ'' تھا۔ یہ قبیلہ بنی اس کی ایک شاخ بنی غاضرہ کی طرف نسبت رکھتا تھا اور ان ہی کا محلِ سکونت تھا۔ یہ غالباً وہ زمین ہے جو اب حسینیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اسی جگہ ایک قریہ شفیہ تھا اور یہیں پر ایک قطعہ زمین ''کربلّہ'' (تشدید لام کے ساتھ) پایا جاتا تھا۔ وہ اب موجودہ شہر کربلا کے مشرقی حصہ میں جنوب کی طرف واقع ہے۔ اس کے متصل ''عقر بابل'' نام کا قریہ تھا جو غاضریات کے شمال مغرب میں واقع تھا۔ وہاں اب کھنڈر ہیں جن میں بہت اہم آثارِ قدیمہ کے انکشاف کی اُمید کی جاتی ہے اور یہ بالکل دریائے فرات کے کنارے پر تھا اور اپنے قدرتی محلِ وقوع یعنی ٹیلوں میں گھرے ہونے کی وجہ سے، ایک قلعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے مقابل غاضریات کے دوسری جانگ نوادیس کا مقام تھا جو مسلمانوں کی فتوحات کے قبل ایک عمومی قبرستان کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے وسط میں زمین ''حیر'' تھی جو ایک حائر کے نام سے معروف ہے اور جہاں حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر مبارک ہے۔ حیر ایک وسیع میدان کی حیثیت رکھتا تھا جو تین طرف سے متصل اور پہلو بہ پہلو ٹیلوں سے گھرا ہوا ہے۔ ان ٹیلوں کا سلسلہ شمال مشرق کی طرف سے جدھر حرمِ حسینی کا باب الصدر اور منارۂ عبد ہے، شروع ہو کر غرب کی جانگ ''بابِ زینبیہ'' کی حدود تک پہنچتا تھا اور وہاں سے پیچیدہ ہو کر جناب کی طرف درِ قبلہ کے مقام تک آ کر ختم ہوتا تھا۔ ان متصل ٹیلوں کے اجتماع سے ایک نصف دائرہ کی شکل بنتی تھی جو ''ن'' کی صورت سمجھی جاسکتی ہے۔

اس دارہَ میں داخل ہونے کا راستہ مشرقی جہت میں اس جانب سے تھا جدھر روضہ حضرت عباس علیہ السلام میں جانے کا راستہ ہے۔ تحقیقاتی انکشاف سے اب تک یہ بات پائی جاتی ہے کہ ان مکانات کے آثار جو قبر امام حسین علیہ السلام کے گرد ہیں، شمالی اور مغربی زمین کی قدیمی بلندی کے قرینے موجود ہیں اور مشرقی جانب سوائے نرم مٹی کے جو پستی کی طرف مائل ہے، کچھ نظر نہیں آتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام کی قدیمی صورت ایسی ہی تھی کہ مشرق کی جانب سے ہموار اور شمال اور مغرب کی جانب سے ہلالی شکل کے طور پر بلند تھی۔ یہی ہلالی دائرہ وہ تھا جس میں امام حسین علیہ السلام کو گھیر کر شہید کیا گیا تھا۔ فرات کی اصلی نہر جسے ہماری زبان کے اعتبار سے دریائے فرات کہا جاتا ہے، اس کا براہِ راست کوئی تعلق کربلا کی زمین سے نہ تھا۔ اس کا خطہ سیر حصہ، مسیّب وغیرہ کے مقامات سے ہوتا ہوا کوفہ کے بیرونی حصوں کی جانب تھا۔ کربلا اور اس کے درمیان بڑا فاصلہ تھا۔ لیکن اس نہر یا دریائے فرات کی ایک چھوٹی شاخ مقامِ رضوانیہ کے پاس سے نکل کر جدا ہوتی تھی جو کربلا کے شمال مشرق کی جانب کے ریگستانوں اور نشیبوں سے ہوتی ہوئی اس مقام سے ہو کر گزرتی تھی جہاں علمدارِ حسینؑ ابوالفضل العباسؑ کی قبر ہے۔

اس کے بعد موجودہ مقامِ ہندیہ کی طرف سے ہوتی ہوئی اس مقام کے شمال مغربی جانب جس کا نام ''قریہ ذی الکفل'' ہے، اصل دریائے فرات سے مل جاتی تھی۔ یہ چھوٹی نہر علقمہ کے نام سے موسوم تھی اور اسے اپنی اصل کے اعتبار سے فرات بھی کہہ دیا جاتا تھا۔ ''طف'' کے معنی ہیں نہر کا کنارہ، خصوصیت سے دریائے فرات کے اس کنارے کو جو جنوبی پہلو میں بصرہ سے ہبت تک تھا، طف کہا جاتا تھا اور اسی مناسبت سے فراتِ صغیر یعنی نہر علقمہ کے اس کنارہ کو جس میں کربلا واقع تھا، طف کہا جانے لگا اور اسی وجہ سے کربلا کے واقعہ کو ''واقعہ الطف'' کہا جاتا ہے اور کربلا کو شطِ فرات کے نام سے بھی اسی وجہ سے یاد کیا جاتا ہے۔

❁ ❁ ❁

# بندشِ آب اور غلبۂ تشنگی

حقیقت امر یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام اور آپؑ کے اصحاب واقرباء، یہاں تک کہ چھوٹے بچوں پر پانی بند کرنے کا انتظام دوسری محرم کو ہو گیا تھا، اس خط کے ذریعہ سے جو ابن زیاد نے حُر بن یزید ریاحی کے پاس بھیجا تھا اور جس میں صاف صاف لکھا تھا کہ حسینؑ کے ساتھ سختی سے پیش آؤ اور انہیں ایک ایسی جگہ قیام پر مجبور کرو جہاں پانی موجود نہ ہو۔ اس حکم کے نفاذ میں اتنا اہتمام تھا کہ قاصد کو یہ ہدایت کر دی گئی تھی کہ وہ حُر سے اس وقت تک جدا نہ ہو جب تک اس حکم کی تعمیل نہ ہو جائے۔ چنانچہ حُر نے امام علیہ السلام کے سامنے اپنی مجبوری کا اظہار کر کے حضرتؑ کو کربلا میں ایسے ہی بے آب مقام پر قیام کیلئے مجبور کیا۔ اس کے بعد اب صورتِ حال یہ تھی کہ امام حسین علیہ السلام، آپؑ کے اصحاب واعزہ، مخدراتِ عصمت اور اطفال، ان سب کے خیمے نہر سے دور جلتی ہوئی ریت پر تھے۔ صحرائے عرب کا سورج دن بھر اپنی پوری قوت سے ان خیام پر چمکتا تھا جس کے اندر رہنے والے یقیناً تمازتِ آفتاب شدت کے ساتھ محسوس کر سکتے تھے۔ نہر فرات فاصلہ پر رواں تھی اور وہاں دشمن فوج کا قیام تھا۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ابن زیاد کے خط کے جس جزو پر ہر دیکھنے والی نظر سب سے پہلے پڑتی ہے اور جسے حُر نے بھی خاص اہمیت دی، ''بے آب مقام''، اس کے مقصد کی طرف خود ابن زیاد کی فوج کے سپاہیوں کی نظر نہ گئی ہوگی جبکہ ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ حکومت کے اقتدارِ اعلیٰ والے افراد فریق مخالف کے ساتھ جس سخت گیری کا حکم نہیں بھی دیتے، چھوٹے درجہ کے عُمال اور سپاہی بر بنائے تعصب اور نیز اپنے بڑوں کو ان کے مخالف کے ساتھ سختی کر کے خوش کرنے کیلئے اس کیلئے بھی تیار ہو جاتے ہیں، چہ جائیکہ حاکم کی طرف سے شدت کے ساتھ سختی کرنے کا حکم اور پھر صاف صاف پانی سے دور رکھنے کا فرمان بھی ہو گیا ہو۔

اس کے بعد یہ کسی طرح سمجھا ہی نہیں جا سکتا کہ اب حسینؑ اور اصحابِ حسینؑ کیلئے پانی اطمینان وسکون اور بالکل آسانی کے ساتھ بغیر کسی رکاوٹ کے حاصل ہو جاتا ہوگا۔

ہاں! ممکن ہے کہ حُر اپنی ذات سے سختی نہ کرتا ہو چونکہ وہ پہلے ہی امامؑ کی حقانیت سے کچھ متاثر ضرور تھا مگر جب ابھی وہ ''بازمانہ ساز'' پر عامل تھا اور حکومتِ وقت کی مخالفت پر کھل کر آمادہ نہ تھا تو دوسرے سپاہیوں کو وہ صاف صاف سختی ودرشتی سے باز بھی نہ رکھ سکتا تھا۔ پھر یہ تو دو ایک دن کی بات تھی کہ حُر سالارِ فوج تھا۔

اس کے بعد عمر سعد آ گیا اور مزید فوجیں کربلا میں جمع ہو گئیں جس کے بعد حُر کی کوئی اہم حیثیت باقی نہیں رہی تھی اور نہ اُس کی آواز کوئی آواز سمجھی جا سکتی تھی۔ اس لئے یقیناً ان دنوں میں بھی اصحابِ امامؑ کیلئے پانی تک پہنچنا اور پانی بھر کر لانا ہر مرتبہ ایک خطرہ اور کشمکش کا مقابلہ کرنا تھا جسے اسی وقت اختیار کیا جاتا ہوگا جب بچوں کی پیاس بہت بڑھ جائے یا پوری جماعت پر پیاس کا شدید غلبہ ہو۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بعض وقت جنگ بھی ہوگئی ہے اور جنگ کر کے پانی حاصل کیا گیا ہے۔ ساتویں محرم وہ خاص تاریخ تھی جب ابن زیاد کا دوسرا خط عمر سعد

کے پاس پہنچا۔اس کا مضمون یہ تھا:

''حسینؑ اور اُنؑ کے اصحاب اور انؑ کے عزیزوں پر پانی بند کر دو، اس طرح کہ اُنہیں ایک قطرہ بھی پانی ملنے نہ پائے''۔

عمر سعد نے اس خط کو دیکھتے ہی عمرو بن حجاج زبیدی کو پانچ سو سواروں کی فوج کے ساتھ گھوٹ پر مقرر کر دیا اور یہ تاکید کر دی کہ ایک قطرہ خیامِ حسینی کی طرف نہ جانے پائے۔

تاریخ میں تصریح ہے کہ یہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے تین روز قبل کا واقعہ ہے۔ پانی کی بندش کے بعد جماعتِ حسینی کے تمام افراد اور بالخصوص صغیر اطفال پر پیاس کا شدید غلبہ ہو گیا۔ پھر دشمن کی یہ تنگ ظرفی تھی کہ اس ظلم و تشدد کے ساتھ زخم زبان بھی لگائے جارہے تھے، جیسے یہ فقرہ کہ ''حسینؑ! دیکھتے ہو یہ پانی نیلا نیلا آسمانی رنگت کا کس طرح بہہ رہا ہے؟ مگر آپؑ مرتے دم تک اس میں سے ایک قطرہ بھی نہیں پا سکتے''۔اور یہ کہ: ''اے حسینؑ! یہ پانی موجود ہے جس میں چرند پرند، درند تک اس میں سے پیتے ہیں مگر آپؑ اس میں سے ایک قطرہ چکھ بھی نہیں سکتے۔ بعید نہیں ہے کہ فوجِ یزیدی کا خیال یہ ہو کہ جماعتِ حسینی سے کسی جنگ کی ضرورت ہی نہ پڑے گی، پیاس کی شدت ہی ان کے ختم کرنے کیلئے کافی ہوگی۔ چنانچہ ایک موقعہ پر جب حضرت نے اتمامِ حجت کیلئے خطبہ پڑھا اور پیغمبرؐ اسلام کے ساتھ اپنے مخصوص تعلق کا اظہار کر کے ان نام نہاد مسلمانوں میں احساسِ فرض پیدا کرنے کی کوشش فرمائی تو اس کے جواب میں کہا گیا کہ ہم یہ سب جانتے ہیں مگر اس کے باوجود تم کو چھوڑیں گے نہیں، یہاں تک کہ پیاس کی شدت کی وجہ سے ہی تم دنیا سے رخصت ہو جاؤ گے۔

حالانکہ حسینی اصحاب نے اپنی شجاعت سے یہ ثبوت دے دیا کہ ہم اب بھی جب چاہیں، تمہیں گھاٹ سے ہٹا کر پانی حاصل کر لیں۔ یہ اقرباء و انصارِ حسینی کی یادگار وفاداری ہے کہ بغیر امامؑ کے ان میں سے ایک نے بھی باوجود نہر تک پہنچ جانے کے لب تر نہیں کئے اور صاف کہہ دیا کہ یہ ناممکن ہے کہ ہم پانی پئیں اور حضرت امام حسین علیہ السلام پیاسے رہیں۔ یہ امام علیہ السلام کی بلند نظری تھی کہ پانی کے حاصل کرنے پر اتنی طاقت صرف نہیں کی بلکہ تین دن تک صرف اتمامِ حجت کے طور پر ان کے ضمیر کے بیدار کرنے کی کوشش ''سوالِ آب'' کی صورت میں کرتے رہے اور اصحاب کو بھی اس کی اجازت عطا فرمائی۔

چنانچہ جب شدتِ عطش کا عالم دیکھتے ہوئے بریر ہمدانی نے اجازت چاہی کہ میں ابن سعد کے پاس جا کر پانی کے باب میں گفتگو کروں، ممکن ہے کہ اس پر کچھ اثر ہو تو حضرتؑ نے فرمایا: تمہیں اختیار ہے۔ بریر عمر سعد کے پاس گئے اور کہا: تم کیسے مسلمان ہو کہ آلِ رسولؐ کے قتل پر تیار ہو کر آئے ہو؟ پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ یہ آبِ فرات ہے جس میں سے عراق کے حیوانات تک پانی پیتے ہیں مگر یہ حسینؑ ہیں اور انؑ کے اہلِ حرم اور اعزہ و اقارب کہ پیاس سے مر رہے ہیں اور انہیں فرات کے پانی تک پہنچنے نہیں دیا جاتا؟ عمر سعد نے جواب میں گویا اقرارِ جرم کرتے ہوئے یہ عذر پیش کیا کہ کیا کروں؟ رَے کی حکومت مجھ سے جاتی رہے گی اگر ابن زیاد کے خلاف عمل کروں اور رَے کی حکومت کا ترک کرنا میرے لئے کسی طرح ممکن نہیں ہے۔

صبح عاشور جب حُر بن یزید لشکر شام سے جدا ہو کر جماعتِ حسینی کی طرف گئے تو انہیں سب سے زیادہ فوجِ یزیدی کے جس ظلم و

تعدی کا احساس ہوا، وہ پانی کا بند کرنا تھا اور ہونا بھی چاہئے تھا، اس لئے کہ امام حسینؑ نے اس سے پہلے حُر اور اُس کی جماعت کو انتہائی تشنگی کے عالم میں سیراب کیا تھا۔ پھر یہ کہ اس نے ابن زیاد کے حکم سے خیامِ حسینی کو نہر کے کنارے برپا نہ ہونے دیا۔ اس لئے ایک طرح بندشِ آب کا وہ اپنے آپ کو ذمہ دار سمجھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے امام حسینؑ سے عفوِ قصور کروانے کے بعد فوجِ مخالف کے سامنے جو تقریر کی، اس میں انتہائی پُر اثر انداز میں جماعتِ حسینی، بالخصوص خواتین و اطفال کی عطش کا بیان اور بندشِ آب پر اعتراض کیا ہے۔ جب اس تمام اتمامِ حجت اور موعظہ و نصیحت کا اس ستم گار اور قسی القلب فوج پر کوئی اثر نہ ہوا تو امام حسین علیہ السلام اور آپؑ کے ساتھ ہر بچہ نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ راہِ حق پر اُن کے قیام اور ثبات اور استقلال میں کسی تشدد اور ایذا رسانی سے ذرّہ بھر کمی نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے شدتِ تشنگی کی تکلیف کو برداشت کیا اور تین دن کی پیاس کے عالم میں فریضہ جہاد کو پورے طور سے ادا کرنے کے ساتھ شہادت کا خیر مقدم کیا۔

❁ ❁ ❁

# شبِ عاشور یعنی مُحَرّم کی دسویں رات

کوشش کے ساتھ اس رات کی مہلت اس لئے نہیں لی گئی تھی کہ جنگ کی کوئی خاص تیاری کر لی جائے، نہ یہ کہ کہیں سے امداد کے آنے کی کل تک اُمید ہو اور نہ یہ کہ امامؑ چاہتے تھے کہ اپنے اہلِ بیتؑ اور پسماندگان کو آئندہ کیلئے کچھ وصیتیں فرمادیں اور انہیں آئندہ کیلئے تیار کر دیں یا اپنے بعد ان کی حفاظت کا کوئی سامان کرنا منظور تھا۔ ان میں سے کوئی بات نہ تھی بلکہ ایک تو مقصد اس مہلت کا وہی تھا جو خود آپؑ نے جنابِ عباسؑ سے ظاہر فرمادیا تھا، اُس وقت جب انہیں مہلت لینے کیلئے بھیجا ہے۔ وہ یہ تھا کہ ہم آج کی رات اپنے پروردگار کی خوب عبادت کر لیں اور دعا و استغفار میں مصروف ہیں۔ چنانچہ آپؑ نے اور آپؑ کے اصحاب نے تمام شب اس عالم میں گزاری کہ وہ مسلسل نماز اور دعا اور استغفار اور بارگاہِ الٰہی میں تضرع وزاری میں مصروف تھے۔

دوسری بڑی مصلحت اس ایک شب کی مہلت میں یہ مضمر تھی کہ آپؑ خطرہ کے یقینی ہونے کے بعد اپنے ساتھیوں کو اپنی اپنی طبیعتوں کے تول لینے کا موقعہ دینا چاہتے تھے اور ایک بار اور یہ کہہ دینا چاہتے تھے کہ جو آپ کا ساتھ چھوڑ کر جانا چاہتا ہو، وہ چلا جائے تاکہ عین موقعہ پر کوئی ایک متنفس بھی ایسا باقی نہ رہنے پائے جو خطرہ کے ہنگامی ہونے کی وجہ سے بادلِ نخواستہ آپؑ کا ساتھ دینے پر مجبور ہوا ہو۔ چنانچہ آپؑ نے شام ہوتے ہوتے اپنے ساتھیوں کو مجتمع کر کے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

''تمام تعریفیں خدا کیلئے ہیں، راحت و تکلیف ہر حال میں اُس کا شکر ہے۔ بارِ الٰہا! تیرا شکر ہے کہ تو نے ہم کو نبوت کی عزت عطا فرمائی، قرآن کا علم دیا، دینی معلومات کا خزانہ مرحمت فرمایا اور ہمیں گوشِ شنوا، چشمِ بینا اور دلِ دانا کی نعمتوں سے مالا مال کیا''۔

اس کے بعد حضرتؑ نے فرمایا:

''معلوم ہونا چاہئے کہ میں دنیا میں کسی کے ساتھیوں کو اپنے ساتھیوں سے زیادہ باوفا اور اُن سے بہتر نہیں جانتا اور نہ اپنے اعزہ سے زیادہ نیکوکار اور ادائے حق کرنے والے اعزہ کسی کے مجھے معلوم ہیں۔ خدا تم سب کو میری طرف سے جزائے خیر دے۔ آگاہ رہو کہ دشمن کل ضرور جنگ کرے گا۔ میں بخوشی اجازت دیتا ہوں کہ جہاں تمہارا جی چاہے، چلے جاؤ۔ میں بیعت کی ذمہ داری تم سے ہٹاتا ہوں۔ رات کا پردہ پڑا چاہتا ہے، اس کو اپنا مرکب بنا کر روانہ ہو جاؤ۔ تم ہی کو میں جانے کیلئے نہیں کہتا بلکہ ہر ایک تم میں سے میرے عزیزوں میں سے بھی ایک ایک شخص کا ہاتھ پکڑ لے اور اپنے ساتھ لیتا جائے، اس لئے کہ یہ لوگ صرف میرے طالب ہیں۔ اگر مجھے قتل کر ڈالیں تو پھر کسی دوسرے کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے''۔

اس تقریر کو سن کر سب سے پہلے حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام کھڑے ہوئے اور کہا: کس لئے ہم ایسا کریں؟ کیا اس لئے کہ آپؑ کے بعد ہم زندہ رہیں؟ ہرگز نہیں! خدا ہم کو یہ روزِ بدنصیب نہ دکھائے۔ دوسرے اعزہ بھی حضرت عباسؑ کے

ساتھ ہم آواز ہوئے اور متفق اللہجہ ہو کر یہی الفاظ زبان پر جاری کئے جس کے بعد امام علیہ السلام نے خاص طور سے اولادِ عقیلؑ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تمہارے لئے تو مسلمؑ کا قتل ہو چکنا بہت کافی ہے، تم چلے جاؤ، میں تمہیں اجازت دیتا ہوں۔

ان سب نے متفق اللہجہ ہو کر کہا کہ ہم ایسا نہیں کریں گے۔ آپؑ کے بعد زندہ رہنے کا کوئی مزہ نہیں۔ اس کے بعد اصحاب میں سے مسلم بن عوسجہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ ہم آپؑ کو چھوڑ دیں؟ یہ نہیں ہو سکتا۔ خدا کی قسم! میں ان دشمنوں سے نیزہ کے ساتھ جنگ کروں گا، یہاں تک کہ میرا نیزہ ان کی سینوں میں ٹوٹ جائے اور تلوار چلاؤں گا، جب تک کہ اس کا قبضہ میرے ہاتھ میں ٹھہر سکے اور میں پتھر ماروں گا اور آپؑ کی حمایت کروں گا، یہاں تک کہ آپؑ کے قدموں پر اس جان کو نثار کر دوں۔

اس کے بعد سعید بن عبداللہ حنفی نے کہا: بخدا! ہم آپؑ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے، جب تک خدا کی بارگاہ میں ثابت نہ کرلیں کہ ہم نے رسالتمآبؐ کے غائبانہ حق کو آپ کے بارے میں ادا کر دیا۔ بخدا! اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ میں قتل ہو جاؤں گا، پھر زندہ کیا جاؤں گا، پھر جیتے جی جلا دیا جاؤں گا، پھر میری خاک کو ہوا میں منتشر کر دیا جائے گا اور ایسا ہی میرے ساتھ ستر مرتبہ ہوگا، تب بھی میں آپؑ کا ساتھ نہ چھوڑوں گا، جب تک کہ آخری مرتبہ بھی آپؑ کے قدموں پر موت نہ آ جائے، چہ جائیکہ یہ تو ایک مرتبہ کا قتل ہونا ہے اور اس کے بعد وہ دائمی عزت ہے جو کبھی ختم ہونے والی نہیں۔

زہیر بن قین نے کہا: بخدا! میری تو آرزو یہ ہے کہ میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ ہوں اور پھر قتل کیا جاؤں۔ ایسا ہی ہزار مرتبہ ہو مگر کسی طرح آپؑ سے اور آپؑ کے خاندان کے نوجوانوں سے یہ مصیبت دفع ہو جائے۔ دیگر اصحاب نے بھی ملتے جلتے الفاظ میں اسی قسم کے جذبات کا اظہار کیا اور سب کا متفق اللہجہ مطلب یہی تھا کہ یہ غیر ممکن ہے کہ ہم آپؑ سے جدا ہو جائیں بلکہ اپنی جانیں آپؑ پر فدا کر دیں گے۔ ہاں! جب مر جائیں تو پھر چاہے جو ہو، ہم تو اپنا فرض ادا کر چکے ہوں گے۔ امام علیہ السلام نے دعائے خیر دی اور اپنے خیمہ میں واپس تشریف لے گئے۔

یہ تھا مجاہدِ کربلا کی حقانیت کا ایک بے مثال مظاہرہ! آپؑ زورِ تقریر سے جوش و خروش پیدا کرنے والے بیانات اور خوش آئند و دلفریب توقعات سے اپنے ساتھ والوں کو ساتھ رکھنا نہیں چاہ رہے تھے بلکہ اُن کے سامنے حقیقتِ حال کو واضح کر کے غلط فہمیوں کو دور کر رہے تھے۔ یہ کوشش شبِ عاشور ہی تک نہیں رہی بلکہ اس کا آپؑ کی جانب سے مظاہرہ روزِ عاشور بھی ہوا۔ اس طرح کہ جب بشیر بن عمرو حضرمی کو جو انصارِ امامؑ میں سے ایک تھے، یہ خبر پہنچی کہ ان کا فرزند عمرو رَے کی سرحد پر قید ہو گیا۔ انہوں نے کہا کہ خدا پر چھوڑتا ہوں، اس کو بھی اور اپنے آپ کو بھی۔ بے شک اگر مجھے زندہ رہنا ہوتا تو یہ پسند نہ کرتا کہ وہ قید میں رہے۔ امام علیہ السلام کو اس کی خبر ہوئی تو آپؑ نے فرمایا کہ تم میری بیعت سے آزاد ہو جاؤ اور اپنے فرزند کی رہائی کی فکر کرو۔ وفادار مجاہد نے جواب دیا کہ مجھے جیتے جی درندے کھا جائیں اگر میں آپ سے جدا ہوں، یہ بھلا کیونکر ہو سکتا ہے؟ حضرتؑ نے فرمایا: اچھا! اپنے فرزند محمد کو بھیج دو اور یہ کپڑے اس کو دے دو کہ ان کی قیمت سے اپنے بھائی کی رہائی کا سامان کر سکے۔ آپؑ نے پانچ کپڑے مرحمت فرمائے جن کی قیمت ہزار اشرفی کے قریب تھی۔ اس کے بعد جتنے جاں نثار امامؑ کے ساتھ رہ گئے تھے، وہ وہی ہو سکتے تھے جو موت کو اپنے لئے یقینی سمجھتے ہوئے دل و جان سے مقصدِ حسینی کی حمایت کیلئے آمادہ تھے اور اُن کے کردار

میں کمزوری کے شائبہ کا امکان بھی نہ تھا۔

تیسری مصلحت اس ایک رات کی مہلت میں یہ ہوسکتی تھی کہ آپؑ دشمن کو ایک موقع اور اپنے کردار کے جائزہ لینے کا دینا چاہتے تھے تاکہ اگر کسی میں صلاحیت راہِ راست پر آنے کی ہو تو وہ آجائے۔

چنانچہ عمر سعد کی فوج کا ایک بڑا افسر حُر بن یزید ریاحی جو سب سے پہلے حسینؑ کو گھیر کر کربلا میں لانے کا ذمہ دار تھا، اپنے ضمیر کی ہدایت کی بناء پر فوجِ مخالف سے علیحدہ ہوکر اصحابِ حسینؑ میں داخل ہوگیا اور اس نے بھی آپؑ کی نصرت میں اپنی جان دی۔ اسی طرح اور بھی چند سپاہی نصرتِ باطل چھوڑ کر نصرتِ حق پر آمادہ ہوگئے۔ حقیقت میں ایک داعیِ حق کی بڑی کامیابی یہی قرار پاسکتی ہے کہ وہ کسی ایک متنفس کو ہی سہی، حقیقت معنی میں راہِ ہدایت دکھا سکے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی یہ ایک بڑی کامیابی اس رات کی مہلت کا نتیجہ تھی جو آپؑ نے دشمن سے مانگ کر حاصل کی تھی۔

گزشتہ خطبہ کے بعد تمام رات امامؑ اور اصحابِ امامؑ نے عبادتِ خالق میں بسر کی۔ آپؑ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ وہ خیموں کو بالکل ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیں اور ہر خیمہ کی طناب کو دوسرے خیمہ کے ساتھ باندھ دیں۔

اس کے علاوہ آپؑ نے پشت کی جانب ایک ایسے نشیب کو، جو ایک نالی کی طرح سے تھا، کھدوا کر خندق تیار کروادی اور اس میں لکڑیاں جمع کروادیں کہ جب اُن میں آگ لگائی جائے تو اس طرف سے دشمن کے حملہ کا اندیشہ نہ رہے۔ یہ تیاریاں شبِ عاشور مکمل ہوگئیں اور صبح کو اس خندق میں آگ روشن کردی گئی۔ اس طرح فوجِ دشمن کو بالکل گھیر کر چاروں طرف سے حملہ کرنے کا موقع باقی نہ رہا۔

❁ ❁ ❁

# دسویں مُحرّم ۶۱ھ۔ اِتمامِ حُجّت اور آغازِ حرب

عاشور کی رات اپنی تمام کیفیات سمیت ختم ہوئی۔ یقین کرنا چاہئے کہ اس شب کربلا کے میدان میں کسی کی آنکھ لگنے نہ پائی ہوگی۔ اس طرف عبادتِ خدا، اشتیاقِ شہادت، بیبیوں میں بیتابی، بچوں میں پریشانی اور سب سے بڑھ کر پیاس کا غلبہ اور اُس طرف جنگ کی تیاری، اسلحہ کی درستی، تدابیر جنگ کے متعلق مشورے اور اپنے ظالمانہ ارادوں کی تکمیل کیلئے صبح کا انتظار۔ بہرحال رات ختم ہوئی اور سپیدۂ سحری نمودار ہوا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب واقرباء کے ساتھ نمازِ باجماعت ادا کی۔ وہ نماز جس میں تعقیباتِ کربلا کا جہاد تھا۔

عام انسانی دل وجگر کے معیار کو پیش نظر رکھتے ہوئے ظاہر بین افراد خیال کر سکتے ہیں کہ اس وقت اصحابِ حسینؑ پر عجیب ہراس کا عالم طاری ہوگا۔ سامنے نظر جاتی ہوگی تو ان کو دشمن کی فوج کا سمندر موجیں لیتا ہوا نظر آتا ہوگا اور اپنی ہستی اس میں حباب کی سی نظر آ رہی ہوگی مگر نہیں، حقیقتاً ایسا نہیں تھا۔

اُن کے دل اطمینان سے معمور تھے، اُن کے سینوں میں خوشی اور مسرت کی لہریں تھیں اور ان کے چہروں پر فرحت وانبساط کی سرخی تھی۔ وہ جیسے کبھی خوش نہیں تھے، ویسے آج خوش نظر آ رہے تھے۔ جیسی پُر مذاق باتیں کبھی نہ کرتے تھے، ویسی آج کر رہے تھے۔ چنانچہ عبدالرحمن بن عبدا ربہ انصاری اور بریر بن خضیر ہمدانی کا واقعہ ہے کہ بُریر نے عبدالرحمن سے کچھ مزاح کیا، عبدالرحمن نے کہا: چھوڑو ان باتوں کو، یہ وقت ایسی باتوں کا نہیں ہے۔

بُریر نے جواب دیا: خدا کی قسم! میرے قوم وقبیلہ والے اچھی طرح واقف ہیں کہ مجھے جوانی سے لے کر اس عمر تک کبھی مذاق سے دلچسپی نہیں رہی مگر میرا دل اس وقت مستقبل کے تصور سے محظوظ ہو رہا ہے۔ خدا کی قسم! ہمارے اور سعادتِ ابدی کے درمیان بس اب اتنا فاصلہ ہے کہ یہ دشمنانِ دین تلواریں لے کر ہم پر ٹوٹ پڑیں اور مجھے تو تمنا ہے کہ کسی طرح وہ وقت جلد آئے کہ ان کی تلواریں ہم پر پڑنے لگیں۔ بے شک یہ حقانیت پر اعتماد اور اُخروی کامیابی کے کامل یقین ہی کا نتیجہ ہوسکتا ہے۔ یہی چیز کمزور دل میں طاقت پیدا کرتی اور مایوسیوں کی ظلمت میں اُمید کی شمع روشن کرتی ہے۔ اتنی دیر میں فوجِ مخالف میدانِ جنگ میں آگئی۔ پرے جمائے گئے اور لشکر کی ترتیب ہوئی۔ میمنہ پر عمرو بن حجاج زبیدی، میسرہ پر شمر بن ذی الجوشن سواروں کا سردار عزرہ بن قیس احمس اور پیادوں کا افسر شیث بن ربعی میر بوعی اور علَم عمر سعد نے اپنے غلام درید کے سپرد کیا۔

امام حسین علیہ السلام بھی میدانِ جہاد میں آ گئے، یقیناً تاریخ ایسے سپہ سالار کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے جس نے ایسی چھوٹی سی جماعت کو ہزاروں لاکھوں فوج کے مقابلہ میں جنگ کیلئے کھڑا کیا ہو۔

میدانِ جنگ میں آنے کے بعد پہلے امامؑ نے اپنے ہاتھ درگاہِ احدیت میں بلند کئے اور یہ مناجات زبان پر جاری کی، کیا نسبت

دی جاسکتی ہے؟ خدا کے نبی حضرت عیسیٰؑ کی آواز جو بائبل (عہد جدید) کی نقل کے مطابق صلیب پر بلند ہوئی تھی، اس انداز سے کہ:

**"ایلی ایلی لما سبقتنی"۔**

"اے خدا! تو نے مجھے چھوڑ دیا"۔

فرزند رسولؐ امام حسین علیہ السلام کی اس مناجات کے ساتھ جو اس سیلابِ مصیبت کے اندر آپؑ کے لبوں پر جاری ہو رہی تھی: خداوندا! تو میرا سہارا ہے ہر تکلیف میں اور میرا قبلۂ اُمید ہے ہر سختی میں اور تجھ پر مجھے ہر مہم میں جو درپیش ہو، بھروسہ ہے۔ کتنے ہی صدمے ایسے ہیں جن کے برداشت کرنے سے دل کمزور ثابت ہوتا ہے اور حیلہ وتدبیر کی راہیں بند نظر آتی ہیں۔ دوست اُن میں ساتھ چھوڑ دیتے اور دشمن ان میں طعنہ زنی کرنے لگتے ہیں۔ میں ان کو تیرے حضور میں پیش کرتا ہوں اور تیری بارگاہ میں عرض معروض کرتا ہوں، اس لئے کہ میں تجھے چھوڑ کر کسی اور سے لو لگانا ہی نہیں جانتا۔ تو اس تکلیف کو دور کرتا اور اس کا تدارک کرتا ہے۔ یقیناً تو ہی ہر نعمت کا مالک اور احسان کا مرکز اور ہر مطلب کیلئے آخری پناہ ہے۔ اس کے بعد آپؑ نے اپنے چھوٹے سے لشکر کو ترتیب دیا۔ میمنہ پر زہیر بن قین، میسرہ پر حبیب ابن مظاہر اور علمدار عباسؑ بن علیؑ قرار دیئے گئے۔ چونکہ امام حسینؑ کی جدوجہد کا مقصد یہ تھا کہ دین وآئین شریعت کی حقانیت کو ظاہر کرتے ہوئے اپنے دشمن کی سیرت وکردار کے متعلق دنیا کے سامنے اس حقیقت کو ثابت کردیں کہ اسے اسلام سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کیلئے ضرورت تھی کہ ایک تو آپؑ کے کردار میں کوئی ایسا شائبہ بھی نہ آنے پائے جو آپؑ کے خلاف تشدد کے جواز کی دلیل بن سکے۔

اسی لئے آپؑ نے مصالحت کی گفتگو میں کیں۔ ملک عرب کو چھوڑنے اور دربدری کی زندگی بسر کرنے پر آمادگی ظاہر کی اور اسبابِ اشتعال پیدا ہونے کے باوجود بھی اپنے ساتھیوں کو جنگ میں سبقت سے روکے رکھا اور لڑائی کی مکمل تیاری ہو چکنے کے بعد بھی اپنی طرف سے پہل نہ ہونے دی۔

چنانچہ صبح عاشورا بھی جب خیام امامؑ کے ساتھ خندق میں آگ بھڑک رہی تھی تو اُدھر کا ایک سوار سر سے پیر تک لوہے میں غرق اس طرف سے گزرا اور اس خندق کی آگ کو شعلہ زن دیکھ کر ایک انتہائی اشتعال انگیز جملہ کہا، معلوم ہوا کہ شمر بن ذی الجوشن ہے۔

مسلم بن عوسجہ نے امام علیہ السلام سے عرض کیا کہ اجازت ہو تو اس کو تیر کا نشانہ بنالوں کیونکہ یہ بڑا فاسق وفاجر شخص ہے اور اس وقت بالکل تیر کی زد پر ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا: نہیں، ایسا نہ کرو۔ میں جنگ میں پہل نہیں کرنا چاہتا۔ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ ایک تیر جو اس وقت کمان سے رہا ہو جاتا تو نوعیتِ جنگ کو تبدیل کردیتا۔ امام علیہ السلام نے اس کا سختی کے ساتھ لحاظ رکھا۔

دوسرے اس کی ضرورت تھی کہ آپؑ کے خلاف دشمنوں کے طرزِ عمل میں تاویل کی کوئی گنجائش باقی نہ رہ جائے۔ سب سے بڑی تاویل کسی ناروا عمل کے متعلق اس کا بے خبری اور ناواقفیت پر محمول کیا جانا ہے۔ بنی اُمیہ نے اپنے حدودِ مملکت میں یہ پروپیگنڈا کیا تھا کہ پیغمبرؐ اسلام نے اپنے بعد کوئی اولاد نہیں چھوڑی اور ہم ان کے وارثِ جائز ہیں۔ اس کیلئے ضرورت تھی کہ امام حسین علیہ السلام اپنے نام ونسب اور خاندانی خصوصیات نیز اپنے بارے میں اسلامی روایات کو فوجِ مخالف پر اس طرح واضح کردیں کہ ان میں سے کسی ایک فرد کیلئے بھی ناواقفیت کے عذر کی گنجائش باقی نہ رہ جائے اور آپؑ کے خلاف جو ظلم ہو رہا ہے، اس کے جرم کی اہمیت ہر ایک پر بالکل روشن ہو جائے تاکہ ان میں سے

ہر ایک نہ خود اپنے نفس کو دھوکا دے سکے اور نہ دوسروں کو ان کی نسبت کسی حسنِ ظن یا حمل بر صحت کا راستہ مل سکے۔

امام حسین علیہ السلام دیکھ چکے تھے کہ ان سے پہلے ان کے والد بزرگوار حضرت علیؑ کا مقابلہ کیا گیا اور اس مقابلہ کو ''خطائے اجتہادی'' کا پردہ ڈال کر قابلِ معافی سمجھ لیا گیا۔ امام حسین علیہ السلام کے خلاف تلوار اُٹھانے والوں کے عمل میں اگر کہیں سے اس طرح کی گنجائش ہوگی تو سادہ لوح افراد یا ہوا خواہانِ بنی اُمیہ اس سے فائدہ اُٹھانے سے نہ چوکتے اور اس سے مقصد اور مفادِ دینی کو سخت نقصان پہنچ جاتا۔ اس سے تحفظ کیلئے امام حسین علیہ السلام نے وہ سب کچھ کیا ہے، جسے اتمامِ حجت کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کے بعد دشمن کے اصرارِ گناہ یا باطل پر ضد کی حیثیت اتنی نمایاں ہوگئی کہ کسی تاویل یا حمایت کا موقعہ باقی نہ رہا۔

تاریخی بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ صبح عاشور دونوں طرف کی صف بندی ہو چکنے کے بعد کافی دیر تک آغازِ جنگ نہیں ہوا۔ اس کا سبب یہی معلوم ہوتا ہے کہ دشمن اس کا موقعہ ڈھونڈ رہا تھا کہ کسی صورت سے حسینی جماعت کی طرف سے کوئی ایسا اقدام ہو جو بنائے جنگ بن سکے اور امام حسینؑ کا منشا یہ تھا کہ میری طرف سے آغازِ جنگ نہ ہونے پائے بلکہ اس کے برخلاف آپؑ نے دشمن کو راہِ راست پر لانے کی پُر امن کوشش کر کے چاہا کہ اتمامِ حجت فرمائیں۔ اس لئے آپؑ نے ناقہ طلب فرمایا اور اُس پر سوار ہوئے، قرآن مجید اپنے سامنے رکھا، پھر صفوف دشمن کے قریب آکر بلند آواز سے ارشاد فرمایا: اے گروہِ مردم! میری بات سنو، جلدی سے کام نہ لو، یہاں تک کہ مجھ پر جو تمہارا حق ہے، اس کے ماتحت تم کو نصیحت و ہدایت کا فرض ادا کر دوں اور تمہارے سامنے یہ حقیقتِ حال بیان کر دوں کہ میں تمہاری جانب کیوں آیا؟

اگر تم نے میرے بیان کو صحیح سمجھتے ہوئے تسلیم کر لیا اور میرے ساتھ انصاف سے کام لیا تو تمہاری خوش قسمتی ہوگی اور تمہیں معلوم ہوگا کہ تمہیں میری مخالفت کی کوئی وجہ ہو ہی نہیں سکتی اور اگر تم نے میرے بیان کو قبول نہ کیا اور انصاف سے کام نہ لیا تو شوق سے مجتمع کر لو اپنی طاقتوں کو اور اکٹھا کر لو جس جس کو چاہو اپنے ہم خیالوں میں سے اور کوئی کوشش اٹھا نہ رکھو۔ پھر پوری طاقت سے بغیر ایک دم کی بھی مہلت دیئے ہوئے میرا خاتمہ کر دو۔ میرے لئے وہ پروردگار کافی ہے جس نے قرآن کو نازل کیا اور وہی اپنے نیک اعمال بندوں کا مددگار ہے۔ امام حسین علیہ السلام کی آواز خیمہ میں پہنچنا تھی کہ اہلِ حرم میں گریہ و بکا کا شور بلند ہوا۔ حضرت عباسؑ و علی اکبرؑ کو بھیجا کہ انہیں خاموش کرو۔ رونے کا وقت بعد کو آئے گا۔ جب آوازِ گریہ کی موقوف ہوگئی تو حضرتؑ نے حمدِ الٰہی ادا فرمائی اور خدا کے اوصاف ذکر فرمائے، پھر جنابِ رسالتمآبؐ پر درود بھیجا اور آنحضرتؐ کے اوصاف و فضائل دیر تک بیان فرماتے رہے۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے امام حسین علیہ السلام کے پہلے اور آپؑ کے بعد کوئی متکلم نہیں دیکھا جو فصاحت و بلاغت میں آپؑ سے بڑھا ہوا ہو۔ حمد و صلوٰۃ ادا کرنے کے بعد حضرتؑ نے فرمایا: ذرا میرے نام و نسب پر غور کرو اور دیکھو تو میں کون ہوں؟ پھر اپنے گریبانوں میں منہ ڈالو، غور کرو کہ تمہارے لئے میرے خون کا بہانا اور میری ہتک حرمت کرنا جائز ہے؟ کیا میں تمہارے نبی کا نواسہ اور اُنؐ کے وصی، ان کے چچازاد بھائی سیدؑ الشہداء، میرے باپ کے چچا اور جعفر طیارؑ خود میرے ہی چچا نہیں تھے؟ کیا یہ حدیث جو زبان زدِ خلائق ہے، تمہارے گوش زد نہیں ہوئی کہ حضرت رسولؐ خدا نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ دونوں جوانانِ اہلِ جنت کے سردار ہیں؟ اگر تم میری بات کو سچ سمجھتے ہو اور حقیقتاً وہ سچ ہی ہے، اس لئے کہ کبھی میں نے غلط بات نہیں کی۔ پھر تو کوئی بات نہیں اور اگر تم میری

بات کو غلط سمجھو تو اسلامی دنیا میں ابھی ہیں ایسے اشخاص جن سے اگر تم پوچھو تو وہ بتا دیں گے۔ پوچھ لو جابر بن عبداللہ انصاری سے، ابوسعید خدری سے، سہل بن ساعدی سے، زید بن ارقم سے، انس بن مالک سے۔

وہ تمہیں بتائیں گے کہ انہوں نے رسالتمآبؐ سے اپنے کانوں سے اس حدیث کو سنا ہے۔ پھر کیا یہ تمہیں میری خونریزی سے روکنے کیلئے کافی نہیں ہے؟ اس موقع پر شمر آپؑ کا کلام قطع کرتے ہوئے بول اُٹھا کہ میں اللہ کی عبادت ایک حرف پر کرتا ہوں، اگر میری سمجھ میں آتا ہو کہ آپؑ کیا کہہ رہے ہیں؟ قرآن مجید میں منافقین کی نسبت آیا ہے:

"وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدِ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ".

لہٰذا اس کا مقصود تھا کہ میں مسلمان نہیں، منافق ہوں، اگر کچھ سمجھتا ہوں کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟

اصحاب خاموش کھڑے ہوئے امام علیہ السلام کی تقریر سن رہے تھے۔ انہیں شمر کی یہ بدتمیزی اور حضرتؑ کے خطبہ میں مداخلت سخت ناگوار ہوئی۔ حبیب ابن مظاہر نے پکار کر جواب دیا: بخدا! میں جانتا ہوں کہ تو خدا کی عبادت ستر حرفوں پر کرتا ہے (یعنی انتہائی مکار اور عبادت کے معاملہ میں فریبی ہے) اور میں گواہی اس کی بھی دیتا ہوں کہ تو سچ کہتا ہے۔ تیری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ حضرتؑ کیا کہہ رہے ہیں۔ خدا نے تیرے دل پر مہر لگادی ہے۔ امام علیہ السلام نے پھر سلسلۂ تقریر جاری فرمایا:

اگر تمہیں اس حدیث کی صحت میں پھر بھی شک ہے تو کیا اس میں بھی شک ہے کہ میں تمہارے رسولؐ کا نواسہ ہوں۔ خدا کی قسم! مشرق و مغرب کے عالم میں کوئی بھی نبیؐ کا نواسہ میرے سوا موجود نہیں ہے۔ نہ تم میں اور تمہارے سوا دوسری اقوام میں اور میں تو خود تمہارے نبیؐ کا نواسہ ہوں۔ ذرا بتاؤ تو سہی کہ میرے قتل پر تم کس لئے آمادہ ہوئے ہو؟ کیا کسی مقتول کا قصاص لینا چاہتے ہو جسے میں نے قتل کر دیا ہو؟ یا کسی اپنے مال کا مطالبہ رکھتے ہو جسے میں نے تلف کیا ہو؟ یا کسی زخم کا بدلہ چاہتے ہو جو میری ہاتھ سے کسی کو لگا ہو؟

ایک خاموشی سی چھائی رہی اور ان میں سے کسی سے کچھ جواب نہ بن پڑا۔ دیکھئے تو کہ ایک انسان ایک طرف اور ہزاروں زبانیں دوسری طرف، بے شک حق میں ایسی طاقت ہونا چاہئے اور ایک انسان اپنی سچائی اور حسن عمل پر اتنا اعتماد رکھتا ہو۔ حسینؑ، اس وقت جبکہ اپنا کوئی گواہ نہ تھا اور مجمع دشمن تھا، مجمع سے اپنی بے جرمی کا اقرار لے رہے تھے۔ تمام لشکر کو دعوت دی جارہی تھی کہ کوئی شخص کسی جرم کا پتہ دے دے۔ ہوتا کوئی جرم کسی کی نگاہ میں تو اس تیس ہزار کے مجمع میں کوئی زبان کھولتا۔ کیا دنیا کی کوئی مادی طاقت زبانوں کو روکنے والی تھی؟ مگر معلوم ہوتا ہے کہ سچائی کی طاقت تھی جو ذہنوں پر قفل اور زبانوں پر گرہ لگائے ہوئے تھی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ایک یکہ و تنہا انسان ہزاروں آدمیوں کی مخاطب کر رہا تھا اور کسی کو اس کے خلاف زبان کشائی کی جرأت نہ تھی۔

فوجِ مخالف کے سکوت کو ملاحظہ فرمانے کے بعد آپؑ نے نام بنام ان لوگوں کو پکارا جن کے اس خط پر دستخط موجود تھے اور یہ لوگ معمولی درجہ کے سپاہی بھی نہ تھے بلکہ ان میں سے ہر ایک کم از کم ہزار پانچ سو آدمیوں کا سردار تھا۔ آپؑ نے فرمایا: اے شیث بن ربعی، اے حجار بن ابجر، اے قیس بن اشعث، اے یزید بن حارث! کیا تم نے مجھے نہیں لکھا تھا کہ کھیتیاں لہلہارہی ہیں، چشمے پانی سے چھلک رہے ہیں،

آ یئے! لشکر آپؑ کی مدد کیلئے تیار ہیں۔اب معاملہ اِن اشخاص کیلئے انتہائی نازک تھا۔چار آدمیوں کی بابت نام لے لے کر یہ انکشاف کیا جارہا تھا کہ انہوں نے بھی آپؑ کو خط بھیجا تھا۔گویا یزیدی افواج اوران کے سالار عمر سعد کے سامنے ان لوگوں کی سازشِ دورنگی اور حکومت سے ایک طرح کی بغاوت کا ثبوت مہیا کیا جارہا تھا، حالانکہ وہ کوفہ کے سر برآوردہ اشخاص تھے اورابن زیاد کی طرف سے بڑے بڑے معزز عہدوں پر فائز تھے۔انہوں نے تو وہ خط، جیسا پہلے بتایا جاچکا ہے، محض سازشی انداز میں ہوا کے رُخ کو دیکھ کر لکھا تھا۔اس خیال سے کہ حسینؑ کے نام اتنی کثرت سے خطوط آرہے ہیں اور بلایا جارہا ہے، اگر کہیں امام حسینؑ آ گئے اور فضا اُن کے موافق رہی تو ہمارے لئے بھی جگہ باقی رہنا چاہئے۔ اس لئے انہوں نے یہ خط لکھا مگر اس وقت اتنے گواہوں کے سامنے ان کی سازش منکشف ہورہی تھی اور اندیشہ تھا کہ واقعہ کربلا کے بعد ابن زیاد کے ہاتھ سے ان لوگوں کا فیصلہ ہوجائے اور سلطنت بنی اُمیہ کی جانب سے راندۂ درگاہ قرار پا جائیں۔اس لئے بر بنائے ضرورت ان کو اس موقعہ پر بے غیرتی کے ساتھ بولنا ناگزیر تھا۔

چنانچہ انہوں نے اپنی تحریروں سے انکار کیا اور کہا کہ ہم نے اس طرح کے خطوط نہیں لکھے تھے۔امام علیہ السلام نے فرمایا: اللہ اکبر، اتنا کھلا ہوا حقیقت سے انکار، تم نے خط لکھا تھا اور ضرور لکھا تھا۔اچھا! اگر بفرضِ محال نہیں بھی لکھا تھا اور تم لوگ میرا آنا حقیقتاً نہیں بھی چاہتے تھے تو مجھے واپس چلا جانے دو، کسی ایسی جگہ جہاں میں امن وامان کی زندگی گزار سکوں۔

قیس بن اشعث نے (جس کی بہن جعدی بنت اشعث نے حکومتِ شام کے ساتھ سازش میں شریک ہوکر امام حسین علیہ السلام کو زہر دیا تھا اور جس کا بھائی محمد بن اشعث حضرت مسلمؑ کے قتل کا ذمہ دار تھا) پکار کر کہا: آپؑ یزید کی بیعت کیوں نہیں کر لیتے؟ حضرتؑ نے فرمایا: تم ایسا کیوں نہ کہو گے؟ تم محمد بن اشعث ہی کے تو بھائی ہو، کیا تم اتنے کو کافی نہیں سمجھتے کہ مسلم بن عقیلؑ کے خون کی ذمہ داری تم پر ہے۔خدا کی قسم! میں ذلت کے ساتھ اپنا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں نہ دوں گا اور نہ غلاموں کی طرح خطرہ سے اپنی جان بچا کر بھاگوں گا۔

فوجِ مخالف کے متاثر ہونے کی پہلے ہی سے اُمید نہ تھی، اپنا فرض پورا کرنا تھا، وہ پورا ہوگیا۔حضرتؑ نے ناقہ کو بٹھا دیا، اُتر پڑے اور عقبہ بن سمعان کو حکم دیا کہ اسے باندھ دیں۔

چونکہ اصحابِ حسینؑ آپؑ کے مقصد سے واقفیت حاصل کر چکے تھے، اس لئے وہ بھی مسلکِ حسینؑ ہی کو پیش نظر رکھنے کی کوشش کرتے تھے اور افواجِ یزید کی اکثریت عوام اہلِ کوفہ کے ممتاز افراد کی تقریروں کا اُن پر کافی اثر ہوسکتا تھا۔پھر ان میں بھی حبیب ابن مظاہر وغیرہ، جو ہمیشہ سے علیؑ کے شیعہ ہونے کی حیثیت سے مشہور تھے اور حضرتؑ کو کوفہ کی جانب دعوت دینے والوں میں سے تھے، ہوا خواہانِ بنی اُمیہ کیلئے ان کی تقریر ایسی مؤثر نہ ہوسکتی تھی جیسی زہیر ابن قین کی جو کہ ابھی قریبی زمانہ تک ''عثمانی'' گروہ میں شمار ہوتے تھے اور اب مکہ اور کربلا کے راستے ہی امامؑ کے پاس آ کر شریک ہوئے تھے۔اس لئے فوجِ مخالف کے سامنے سب سے زیادہ تقریریں انہوں نے کی ہیں جن کا ظاہری حیثیت سے اس وقت کوئی نتیجہ مرتب ہوا ہو یا نہیں۔

لیکن یہی نتیجہ کیا کم ہے کہ افواجِ مخالف پر ہر ممکن ذریعہ سے اتمامِ حجت ہوگیا۔چنانچہ امام حسین علیہ السلام کے مذکورہ بالا خطبہ کے

بعد زہیر بن قین گھوڑے پر سوار، سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق، صف سے باہر نکلے، پکار کر کہا: کوفہ والو! خدا کے عذاب سے ڈرو۔ ایک مسلمان کی گردن پر اس کے اسلامی بھائی کا یہ حق ہے کہ وہ اُسے خیر خواہانہ نصیحت کرے اور ہم آپس میں بھائی بھائی اس وقت تک ہیں اور ایک ہی ملت کے تابع کی حیثیت رکھتے ہیں جب تک کہ ہمارے تمہارے درمیان تلوار چلنے نہیں لگی ہے۔ جب تک باقاعدہ جنگ شروع نہیں ہو جاتی، ہم میں اور تم میں رشتہ اخوت قائم ہے اور تم ابھی ہماری طرف سے نصیحت کے مستحق ہو۔ بے شک جب تلوار چلنے لگے گی تو یہ رشتہ خود بخود ٹوٹ جائے گا اور ہم علیحدہ علیحدہ ملتوں کے تابع قرار پا جائیں گے۔ یقیناً اللہ نے ہماری اور تمہاری آزمائش کی ہے۔ اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی اولاد کے ذریعہ سے، تاکہ وہ دیکھے کہ ہم اُن کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں اور تم کیا سلوک کرتے ہو؟ ہم تم سب کو دعوت دیتے ہیں کہ ان کی مدد کرو اور عبید اللہ بن زیاد کا ساتھ چھوڑ دو۔ یزید اور ابن زیاد سے تم کو ان کی حکومت کے تمام دور میں کبھی سوائے بُرائی کے کوئی اچھا سلوک نظر نہ آئے گا۔

وہ تمہاری آنکھوں میں سلائیاں پھرواتے، تمہارے ہاتھ پاؤں قطع کرواتے، تم کو سولیاں دلواتے اور تمہارے نیک اعمال حفاظِ قرآن مثلاً حجر بن عدی اور ان کے ہمراہیوں اور ہانی بن عروہ وغیرہ کے ایسے اشخاص کو قتل کرتے رہے ہیں۔

مضمون کے لحاظ سے حضرت امام حسین علیہ السلام کے خطبہ اور زہیر بن قین کی تقریر میں بہت نمایاں فرق ہے۔ اس کا انداز خاص طور پر انفرادی حیثیت سے حقیقتِ حال کو واضح کرنے اور اپنی شخصیت کے تعارف پر مبنی معلوم ہوتا ہے اور اس میں موجودہ حکومت کے متعلق ایک سیاسی تبصرہ ہے جس میں یزید سے زیادہ ابن زیاد کی حکومت کے کردار پر تبصرہ کیا گیا۔ اس مصلحت سے کہ مخاطب کوفہ کے باشندے تھے اور ان کو براہِ راست ابن زیاد کے مظالم سے سابقہ پڑ رہا تھا۔

غالباً یہی وجہ تھی کہ زہیر بن قین کو اپنی تقریر کے سلسلہ میں سخت مزاحمت سے دوچار ہونا پڑا، اس طرح کہ ابن زیاد کے ہوا خواہوں اور خوشامدیوں نے خود زہیر کی مذمت اور ابن زیاد کی مدح شروع کر دی اور کہا کہ ہم اس وقت تک دم نہ لیں گے جب تم تمہارے سردار اور اُن کے ساتھیوں کو قتل نہ کر لیں یا گرفتار کر کے ان کو ابن زیاد کے پاس نہ لے جائیں۔ زہیر اس کے بعد بھی خاموش نہ ہوئے اور ان کو ہدایت کرتے رہے، یہاں تک کہ شمر نے تیر لگایا اور کہا: ''بس خاموش''، خدا تیری زبان کو چپ کرے۔

مگر زہیر نے تیر کی بھی کوئی پروا نہیں کی اور وہ شمر سے مصروفِ کلام ہو گئے۔ شمر کے اس کہنے پر کہ دیکھو! تھوڑی دیر میں تم اور تمہارے سردار سب قتل ہوا چاہتے ہو۔ زہیر نے بڑی جگرداری اور قوتِ ایمانی کے ساتھ جواب دیا: تو مجھے موت سے خوف دلاتا ہے؟ خدا کی قسم! ان کے ساتھ مرنا مجھے تم لوگوں کے ساتھ زندگی جاوید حاصل کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔ اس کے بعد پھر وہ لشکر مخالف کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا: اے اللہ کے بندو! ایسے بندگانِ زر کے کہنے میں نہ آؤ۔ خدا کی قسم! پیغمبرؐ خدا کی شفاعت ان لوگوں کو کبھی نصیب نہیں ہو سکتی جنہوں نے پیغمبر اکرمؐ کی اولاد کا خون بہایا ہو اور ان کے مددگاروں کو قتل کیا ہو۔ امام حسین علیہ السلام نے یہ دیکھ کر کہ باتوں کا جواب تیر سے دیا جا رہا ہے اور اتمامِ حجت کا فرض ادا ہو چکا ہے، پکار کر کہا کہ زہیر! واپس چلے آؤ۔ اگر مؤمن آلِ فرعون نے اپنی قوم کو نصیحت کر کے اپنے فرض کو ادا کر دیا تھا، تو یقیناً تم بھی اپنا فرض پورا کر چکے اور نصیحت کا حق ادا کر دیا مگر نصیحت و تبلیغ کا کوئی فائدہ بھی تو ہو۔ اس آواز کو سن کر زہیر واپس چلے

آئے۔ ان مصلحانہ رجحانات، ان حقیقت ریز بیانات اور بصیرت افروز نصائح واظہارات کو کوئی اثر ہو رہا تھا یا نہیں، یہ امر بالکل تاریکی میں تھا جب تک کہ حُر کے باطن نے پردہ اُلٹ کر اپنے کو ظاہر نہیں کیا۔

ہماری کتاب کے قارئین کیلئے یہ نام کوئی اجنبی حیثیت نہیں رکھتا۔ یہی وہ حُر تھا جس نے ایک ہزار فوج کی جمعیت کے ساتھ آ کر کوفہ کے راستے میں امام حسینؑ کو روکا تھا۔ جو آپؑ کو گھیر کر بلا لایا تھا اور جس نے ابن زیاد کا خط آنے کے بعد اتنی سختی برتی تھی کہ خیامِ حسینی کو دریا کے کنارے برپا نہ ہونے دیا تھا۔ اس کے بعد محرم کی دوسری تاریخ سے دسویں تک اس کی کیا حالت رہی تھی، اس کا بعد کی صورتحال اور خود حُر کے اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ جس وقت وہ امام حسین علیہ السلام کو کربلا میں پہنچا کر ابن زیاد کو مطلع کر چکا، اس وقت سے برابر خاموشی کے عالم میں مگر بے چینی کے ساتھ حالات کا بغور مشاہدہ کر رہا تھا۔ اس سے قبل اس نے راستے ہی میں اس طرح کی سلسلہ جنبانی کرنا چاہی تھی کہ کسی طرح امام حسینؑ اور یزید یا ابن زیاد کے درمیان کچھ خط وکتابت ہو اور معاملات رو بہ اصلاح ہو جائیں۔ اس کے بعد میدانِ کربلا میں پہنچنے کے بعد بھی اسے یہ توقع تھی کہ بیچ میں کوئی ایسا مشترک نقطہ پیدا ہو جائے گا جہاں امام علیہ السلام اور ان کے مخالف مجتمع ہو جائیں اور جنگ کی صورت پیش نہ آئے۔ اسے کوفہ سے متواتر فوجیں آنے سے انتشار ضرور پیدا ہوتا ہوگا مگر عمر بن سعد کا طرزِ عمل اس کیلئے اُمید افزا تھا جو خود صلح کی گفتگوئیں کر رہا تھا اور یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح جنگ نہ ہو۔ ایسا بھی وقت آیا جب سلسلۂ گفتگو ایسے نقطہ پر پہنچا جہاں عمر سعد تک نے یہ طے کر لیا کہ اب معاملہ یکسو ہو گیا اور مقابلہ کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ پھر ایسی صورت میں حُر کو یہ سمجھنے کی کیا وجہ تھی کہ جنگ ضرور ہوگی۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ امام علیہ السلام کا طرزِ عمل روادارانہ ہے۔ آپؑ اپنی جانب سے معقول شرائط پیش کر رہے ہیں جن پر صلح نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

یہ توقعات تھیں جو اس کے دل ودماغ پر نویں محرم کی سہ پہر تک چھائی رہی ہوں گی۔ مگر نو (9) محرم کی شام کو یہ سب اُمیدیں منقطع ہو گئیں، ابن زیاد کے اس خط سے جو شمر بن ذی الجوشن کے ہاتھ عمر بن سعد کے پاس پہنچا جس کے بعد عمر سعد مجبور تھا کہ وہ اسی وقت حسینی جماعت کو صرف ایک شب کی مہلت عبادتِ خدا کیلئے دینا منظور کرے۔ یقیناً یہ وہ وقت تھا کہ جب حقیقتاً حُر کے سامنے امام حسین علیہ السلام سے کھل کر جنگ کرنے اور آپؑ کے قتلِ ناحق میں شرکت کرنے کا سوال صریحی طور پر پیدا ہو گیا اور اس کو یہ نظر آنے لگا کہ میں نے اس سے پہلے حسینؑ کے خلاف جتنے بھی اقدامات کیئے تھے، وہ اس مظلوم ومقدس ہستی کو فنا کی منزل سے قریب کرنے کے سامان تھے۔ اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے اور اس کے بعد پھر اب کیا مجھ کو اس سے بڑے اقدامات میں شرکت کرنا چاہئے؟ کیا میں امام حسینؑ کے خون میں اپنے ہاتھوں کو رنگین کر سکتا ہوں؟ اس کا ضمیر سختی سے انکار کرتا تھا کہ ہرگز نہیں۔ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔ اسے اب سب کچھ یاد آتا ہوگا کہ حسینؑ وہ تھے جنہوں نے اس سخت موقعہ پر مجھے اور میری تمام فوج کو پانی سے سیراب کیا تھا۔ اب ان پر اور ان کے ننھے ننھے بچوں تک پر پانی بند ہے اور یہ بری حد تک میری ہی وجہ سے ہے، اس لئے کہ میں نے ہی انہیں اس بے آب وگیاہ مقام پر اترنے کیلئے مجبور کیا۔ یہ سوچ کر اس کے قلب میں خود اپنی ہستی سے انتقام لینے کا جذبہ پیدا ہوتا ہوگا کہ اگر میں حسینؑ کے پاس جا کر اپنی اس خطا کو معاف کرنے کی درخواست کروں تو کیا اتنا بڑا جرم دنیا میں معافی کے قابل بھی ہے؟

پھر اگر امام حسین علیہ السلام نے میری خطا کو معاف نہ کیا تو میں کہاں کا رہا؟ نہ دنیا ملی نہ آخرت، پھر بھی اُس کا ضمیر کہتا ہوگا کہ چل کر معافی مانگنا تو چاہیئے، اپنا امکانی فرض تو بہر حال انجام دینا ضروری ہے۔ پھر میں جب اپنی جان اُنؑ کے قدموں پر ڈال دوں گا تو وہ کریم النفس ہیں، ضرور معاف کر دیں گے۔ قرائن کی بناء پر یقین کیا جاسکتا ہے کہ یہ خیالات تھے جو اس کے دماغ میں ایک تلاطم برپا کیئے ہوئے تھے اور وہ شبِ عاشور ہی تھی جس کی سیاہی کے بے پناہ سمندر میں اس کے خیالات کی کشتی تھپیڑے کھا رہی تھی۔

ہُو مارتا ہوا جنگل اور رات کا سناٹا صفحہ تاریخ بھی سنسان ہے، کوئی مؤرخ ہے جو اس معرکہ کے بارے میں لکھ سکے جو حُر کے دل و دماغ میں برپا تھا۔ بے شک سچا شاعر اکثر حقیقت کی ترجمانی کرتا ہے۔ میر انیسؒ اور اُن کے خاندان کے دوسرے باکمال مرثیہ گویوں نے جس طرح اس رات کو حُر کی حالت کی خیالی تصویر کشی کی ہے، وہ یقیناً ایک ایسا بیانِ حال ہے جس کی روایت خاموش فطرت کے واسطہ سے شاعر کے دل تک پہنچی ہے اور واقعات کے قرائن اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ بہر طور رات کسی طرح گزری اور صبح ہوئی۔ حُر کو پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ اب کیا ہوتا ہے، کیا واقعی جنگ ہی ہوگی یا کوئی اور صورت رونما ہوگی۔ اس نے انتہائی صبر وضبط کے ساتھ دیکھا کہ افواج کی ترتیب ہوئی اور اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ ایک حصہ فوج کا افسر قرار دیا گیا ہے۔ اس نے امام علیہ السلام کا بے نظیر مؤثر خطبہ سنا جس نے اس کے دل میں گھر کر لیا مگر پھر اس نے انتظار کیا کہ اس کا اثر فوجِ مخالف پر کیا پڑتا ہے؟ اسی اثناء میں زہیر بن قین نے بڑھ کر تقریر کی اور ناصحانہ انداز میں اہلِ کوفہ کو مخاطب کیا۔ ان تمام باتوں کے بعد بھی اسے محسوس ہوا کہ افواجِ یزید کے ارادوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے اور وہ جنگ پر آمادہ ہیں۔ بس اس کے بعد حُر کا صبر وضبط کا پیمانہ چھلک گیا اور وہ خیال جو اس کے دل میں پرورش پا رہا تھا، اب رازداری کی حدود سے آگے بڑھ گیا۔ وہ عمر سعد کے پاس آیا اور کہا: کیا تم ان سے واقعی جنگ کرو گے؟

اسی ایک سوال کے انداز میں وہ سب کیفیات مضمر تھیں جن میں حُر کئی روز سے دل ہی دل میں غلطاں و پیچاں تھا۔ اسے یہ یقین آنے کے قابل بات ہی نہیں معلوم ہوتی تھی کہ فرزندِ رسولؐ سے جنگ عملی شکل بھی اختیار کرے گی۔ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے، جنگ کے آثار و قرائن کو قطعی پا رہا ہے مگر پھر بھی اس کی آرزو رکھتا ہے کہ یہ سب نمائشی ہو اور اس کا واقعیت سے کوئی واسطہ نہ ہو۔ عمر بن سعد اس کے ضمیر کی اندرونی کیفیات سے بالکل بیگانہ تھا۔

اس نے حُر کے سوال کا فوجی انداز میں بڑے اطمینان کے ساتھ جواب دیا: ہاں! قسم بخدا! ایسی جنگ جس کا بہت ادنیٰ نتیجہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ سروں کی بارش ہو اور ہاتھ قلم ہو کر زمین پر گریں۔ حُر نے کہا: کیا اتنی صورتیں مصالحت کی جو حسینؑ نے پیش کیں، اُن میں سے کوئی تم لوگوں کے نزدیک منظوری کے قابل نہیں؟ اس سوال سے صاف ظاہر ہے کہ وہ صلح کی گفتگو کو پورے غور سے نتیجہ کی جستجو کے ساتھ سن رہا تھا اور یہ یقین رکھتا تھا کہ ان صورتوں میں سے کوئی ضرور مان لی جائے گی۔ عمر بن سعد نے کہا کہ خدا کی قسم! اگر معاملہ میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں منظور کر لیتا مگر کیا کروں؟ تمہارا حاکم نہیں مانتا۔ عمر سعد کا یہ جواب خود کمزوری کا پہلو لئے ہوئے تھا اور اس کا عنوان حُر کی رائے اور خیال کو مزید تقویت دینے والا تھا، اس لئے کہ وہ تسلیم کر رہا تھا کہ امام حسینؑ کا مسلک صلح جوئی کا حامل ہے اور ابن زیاد کا ہٹ دھرمی ہے کہ وہ قتلِ حسینؑ سے کم کسی بات پر رضامند نہیں۔ اس کے بعد حُر نے کچھ گفتگو کرنا بیکار سمجھا اور اب یہ وقت آ گیا تھا کہ وہ اپنے اس فیصلہ کو جو بہت مشکل تھا،

اُس کے دل و دماغ کے انتہائی کشمکش کے نتیجہ میں طے پا سکا تھا، عملی لباس پہنائے۔

حُر کو اندیشہ قطعی تھا کہ اگر فوج سے نکلنے سے پہلے یہ ظاہر ہو گیا کہ میری نیت کچھ اور ہے تو مجھے فوراً گرفتار کر لیا جائے گا اور میں اپنی مقصد میں کامیاب نہ ہو سکوں گا۔ اس لئے ظاہر ہے کہ وہ اس وقت بہت احتیاط سے کام لے رہا ہو گا۔ اس کے قبیلہ کا ایک شخص قرہ بن قیس اس وقت اس کے نزدیک تھا۔ غالبًا یہ وہی شخص ہے جو عمر بن سعد کا پیغام لے کر امامؑ کی خدمت میں گیا تھا اور حبیب ابن مظاہر کے نصیحت کرنے پر اُس نے کہا تھا کہ میں جو پیغام لایا ہوں، جا کر اس کا جواب دے دوں تو پھر غور کروں گا کہ خود مجھے کس کا ساتھ دینا چاہئے۔

حُر کو اس کا اپنے پاس رہنا ناگوار ہو رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ یہ کسی طرح میرے پاس سے ہٹ جائے مگر کچھ بنتا نہ تھا۔ آخر اُس نے پوچھا کہ قرہ! تم نے آج اپنے گھوڑے کو پانی نہیں پلایا؟ اُس نے کہا کہ نہیں، ابھی نہیں۔ کہا: پھر پلاؤ گے نہیں؟ انسان کا چہرہ اس کی بات چیت، اُس کے چہرے کا رنگ سب ہی اس کے خلاف جاسوسی کرتے ہیں۔ حُر لاکھ چھپائے مگر دل کا اضطراب چھپنے کی چیز نہیں۔ قرہ کچھ نہ سمجھا ہو، اتنا تو سمجھ لیا کہ یہ مجھے اپنے پاس سے ٹالنا چاہتے ہیں۔ بعد میں اس کا بیان تھا کہ اگر حُر مجھے بتا دیتے کہ میں امام حسین علیہ السلام کی طرف جا رہا ہوں تو میں بھی یقیناً ان کے ساتھ ہو لیتا اور نکل جاتا مگر یہ کہنے کی باتیں ہیں اور خوامخواہ کے عذر ہیں جو احساسِ گناہ پر وقت نکلنے کے بعد پیش کئے جاتے ہیں۔ اگر ایسی اخلاقی جرأت اس میں موجود ہوتی تو حُر کے کہے بغیر چلے جانے پر بھی قرہ کیلئے راستہ نہیں بند ہو گیا تھا۔ وہ جانا چاہتا تو چلا جاتا۔ بہرحال یہ محسوس ہوتے ہوئے کہ حُر کو میرا اپنے پاس رہنا ناگوار ہے، اُس نے اُس کے پاس سے ہٹ جانا ہی مناسب سمجھا۔ حُر نے اپنے خیال کے مطابق اس کو ہٹا کر ایک رکاوٹ کو اپنے راستے سے دور کر دیا اور آہستہ آہستہ گھوڑا اپنا جماعتِ حسینی کی طرف بڑھانا شروع کیا۔ نفسیاتی حیثیت سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس وقت اُس کا دل دھڑک رہا ہو گا، اس کے سینہ میں طوفان برپا ہو گا اور یقیناً وہ محسوس کر رہا ہو گا کہ اب میں کہیں اور ہوں۔ اس پر اُس وقت ایک خود فراموش اور مدہوشی کا عالم طاری ہو گا۔ اس وقت کسی کا ٹوک دینا (معاذاللہ)۔

مہاجرین اوس کے قبیلہ کا ایک شخص کہنے لگا: کیوں حُر! کیا ارادہ ہے؟ کیا حملہ کرنا چاہتے ہو؟ حُر اس کا کیا جواب دیتا؟ اس نے پھر بھی سکوت کر کے پردہ داری کی کوشش کی، کچھ جواب نہیں دیا۔ مگر جسم میں لرزہ سا پیدا ہو گیا۔ مہاجر نے کہا: حُر! تمہاری یہ کیا حالت ہے؟ میں نے تمہاری یہ کیفیت کبھی نہیں دیکھی۔ مجھ سے پوچھا جاتا کہ کوفہ میں سب سے زیادہ بہادر کون ہے تو میں تمہارے سوا کسی کا نام نہ لیتا مگر اس وقت میں تمہاری عجیب حالت دیکھ رہا ہوں۔ آخر اس کا سبب کیا ہے؟ یہ سن کر حُر نے مزید راز داری کی کوشش کو بے سود سمجھا اور کہا: میرے سامنے اس وقت بہشت و دوزخ کا سوال ہے۔ میں تو بہشت پر کسی چیز کو مقدم نہ سمجھوں گا، چاہے میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں اور مجھے آگ میں جلا دیا جائے۔ یہ کہتے کہتے اس نے گھوڑے کو چابک لگایا اور اصحابِ حسینی کی طرف پہنچ گیا۔

اس موقعہ پر شاید حُر کو اندیشہ ہوا کہ اس کے اس طرح بے تحاشا گھوڑا اُڑاتے ہوئے آنے سے کہیں انصارِ امامؑ کو پریشانی نہ پیدا [illegible] اور اس کی مزاحمت نہ کی جائے۔ اس لئے اُس نے اُن کے [illegible] پہنچتے ہی اپنی سپر کو پلٹ کر ہاتھ میں لے لیا۔ یہ طرزِ عمل عرب کے دستور کے مطابق تھا، اس لئے کہ جب کسی کو حملہ کرنا مقصود ہو تو اس کیلئے ایک ہاتھ میں کھینچی ہوئی تلوار اور دوسرے ہاتھ میں حفاظت کیلئے سپر ہوتی تھی۔

لیکن اگر کوئی تلوار نیام میں رکھے اور پلٹی ہوئی سپر کو ہاتھ میں لئے آتا دکھائی دے تو یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ امان کا طالب ہے یا کچھ پیغام لے کر آرہا ہے۔ حُر نے اس طرح اصحابِ حسینؑ پر واضح کر دیا کہ وہ جنگ کا ارادہ نہیں رکھتا ہے۔

چنانچہ بلا روک ٹوک وہ سیدھا امامؑ کے سامنے آیا اور کہنے لگا: فرزندِ رسولؐ! میری جان آپؑ پر فدا، میں وہی گنہگار ہوں جس نے آپؑ کو واپس جانے سے روکا۔ راستے میں آپؑ کے ساتھ ساتھ رہا اور آپؑ کو اس جگہ ٹھہرنے پر مجبور کیا۔ قسم ہے اُس خدا کی جس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں کہ مجھے یہ گمان ہرگز نہیں تھا کہ یہ لوگ آپؑ کی تمام شرائط کو، جو آپؑ پیش کریں گے، مسترد کر دیں گے اور نوبت یہاں تک پہنچے گی۔

میں نے اپنے دل میں خیال کیا تھا کہ کیا حرج ہے؟ میں کسی حد تک ان لوگوں کا ساتھ دوں اور معلوم نہ ہو کہ میں اُن کی اطاعت سے باہر ہوں۔ پھر یہ لوگ ان شرائط کو تو قبول کر ہی لیں گے جو امام علیہ السلام ان کو پیش کریں گے۔ بخدا! اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ یہ لوگ ان شرائط کو منظور نہیں کریں گے تو میں کبھی آپؑ کے ساتھ یہ طرزِ عمل اختیار نہ کرتا۔ اچھا! اب میں حاضر ہوا ہوں، انتہائی شرمساری کے ساتھ توبہ کرتا ہوں اپنے گناہ سے، خدا کی بارگاہ میں، اس غرض سے کہ جان و دل سے آپؑ کا شریکِ مصیبت ہوں، یہاں تک کہ آپؑ کے قدموں پر نثار ہو جاؤں۔ کیا اس طرح میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ حضرتؑ نے بلا توقف فرمایا: ہاں، ہاں، خدا تمہاری توبہ قبول کرے گا اور تمہیں بخش دے گا۔ مبارک ہو، واقعی تم حُر (آزاد منش) ہو۔ ویسے ہی جیسا تمہاری ماں نے نام رکھا ہے، تم آزاد ہو۔ انشاءاللہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ گھوڑے سے تو اُترو۔ حُر نے کہا: میرا آپؑ کی نصرت میں گھوڑے پر سوار رہنا نیچے اُترنے سے بہتر ہے۔ چاہتا ہوں کہ تھوڑی دیر اُن سے جنگ کر لوں۔ پھر تو (مر کر) گھوڑے سے نیچے اُترنا ہی ہے۔

امام علیہ السلام نے یہ دیکھ کر کہ حُر کو جہاد کا ولولہ ہے، فرمایا: اچھا جو تمہاری خوشی ہو، وہ کرو۔ خدا اپنی رحمت تمہارے شاملِ حال رکھے۔ وہ ضبط بہت کر چکا تھا۔ امام علیہ السلام سے خطا معاف کروا کے اس کا دل بڑھ چکا تھا۔ اب اسے حق محسوس ہوتا تھا کہ وہ افواجِ یزید کے سامنے جا کر ان کو بھی حق کے راستے پر آجانے کی دعوت دے۔

چنانچہ وہ فوراً میدان میں آ گیا۔ پہلے تو اُس نے ملائم الفاظ میں صفوفِ اہلِ کوفہ سے تخاطب کرتے ہوئے کہا: بھائیو! آخر حسینؑ کی ان باتوں میں سے، جن کو وہ پیش کرتے ہیں، کسی ایک بات کو تم کیوں نہیں منظور کر لیتے تا کہ تمہیں ان کے مقابلہ میں جنگ کرنے سے نجات ملے؟

لشکریوں نے کہا کہ امیر عمر سعد موجود ہے، جو کچھ تمہیں کہنا ہے، اُس سے کہو۔ حُر نے عمر سعد سے مخاطب ہو کر پھر یہی الفاظ کہے اور ویسا ہی جواب ملا جو اس سے قبل مل چکا تھا کہ اگر مجھ سے ممکن ہوتا تو میں ضرور ایسا کرتا۔ یہ سن کر حُر کو غصہ آ گیا۔ اتنے تلخ الفاظ میں جس کا اسے خود اسی فوج کے ایک نمایاں افسر ہونے کی بناء پر پورے طور سے حق حاصل تھا۔ اُس نے کہا: اے کوفہ والو! خدا تمہیں غارت کرے۔ تم نے اس بزرگوار کو بلایا اور جب وہ تشریف لائے تو تم نے انہیں دشمن کے سپرد کر دیا؟

تم نے خیال ظاہر کیا تھا کہ تم اُنؑ پر جان نثار کرو گے، پھر تم نے خود ان پر چڑھائی کر دی اور اُنؑ کے قتل پر آمادہ ہو گئے؟ تم نے ان کے نفس کی آمد و شد کو مسدود کر رکھا ہے اور گلا گھونٹنے پر آمادہ ہو اور چاروں طرف سے انہیں گھیر رکھا ہے؟ تم نے ان کو خدا کی چھوڑی چکلی زمین میں جدھر وہ امن کا راستہ پائیں، اُدھر جانے سے روک دیا ہے اور وہ تمہارے ہاتھ میں قیدی کے مثل ہو گئے ہیں اور بے بس کر دیئے گئے ہیں اور تم نے انؑ کو، ان کے اہلِ حرم اور بچوں کو اور اُنؑ کے اصحاب کو فرات کے اس بہتے ہوئے پانی سے روک دیا ہے جس کو یہودی، مجوسی اور نصرانی تک پیتے ہیں اور عراق کے درند، چرند اور پرند تک اس میں لوٹتے ہیں۔ مگر یہ لوگ ہیں کہ پیاس کی شدت نے ان کو جاں بلب کر رکھا ہے۔ حقیقتاً کیا بُرا وہ سلوک ہے جو تم نے حضرت محمد مصطفیؐ کے بعد ان کی اولاد کے ساتھ روا رکھا ہے۔

تم کو خدا اس شدت والی پیاس کے دن سیراب نہ کرے، اگر تم آج ابھی اسی دم توبہ نہ کر لو اور اپنے طرزِ عمل سے پشیمان ہو کر باز نہ آ جاؤ۔

حُر کی تقریر دشمن کے مفاد کی خلاف بہت خطرناک ثابت ہو سکتی تھی، اس لئے تیر اندازوں کو حکم دیا گیا اور انہوں نے کچھ تیر چلائے۔ یہ دیکھ کر حُر نے تقریر موقوف کر دی اور چونکہ باقاعدہ جنگ شروع نہ ہوئی تھی، وہ واپس آ کر امامؑ کے سامنے کھڑے ہو گئے۔

جیسا کہ شبِ عاشور کی مہلت پر بحث کے سلسلہ میں کہا جا چکا ہے، یہ امام حسینؑ کی ایک بہت بڑی فتح تھی جو عین موقع جنگ پر خود آپؑ کی آنکھوں کے سامنے اور آپؑ کے دشمنوں کی نگاہوں کے سامنے ظاہر ہوئی کیونکہ ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ جس قدر ہمت بڑھانے اور دلوں کو اپنی طرف جذب کرنے کے مادی اسباب ہو سکتے ہیں، سب فوج یزید کی طرف تھے۔ کثرتِ تعداد، طاقت و قوت، کامیابی کا یقین، آسائش و راحت، آب و غذا کا اطمینان، پھر جائزہ و انعام اور بارگاہِ حکومت میں تقرب کی توقعات، اس کے برخلاف جتنے ہمت شکن اور جی چھڑانے والے اسباب ہو سکتے ہیں، وہ سب اصحابِ حسین علیہ السلام میں مجتمع تھے۔ قلتِ تعداد، بیکسی اور بے بسی، بربادی کا یقین اور تین دن کی بھوک و پیاس اور حکومت کا عتاب جس کا نتیجہ اپنے ہی لئے نہیں بلکہ اپنے بعد پسماندگان اور اولاد کیلئے بھی ہمت شکنی اور طاقت ربا ہونے کیلئے کافی ہے۔

اس سب کے باوجود تاریخ یہ بتانے سے عاجز ہے کہ ان میں سے کوئی ایک معمولی سپاہی، بلکہ بچہ بھی الگ ہو کر فوجِ مخالف سے جا کر ملا ہو، نہ امام حسینؑ کی زندگی میں اور نہ اُنؑ کے بعد، اس کے برخلاف فوجِ مخالف کا کوئی معمولی شخص نہیں بلکہ ایک نمایاں افسر جنگ شروع ہونے سے قبل ہی اُدھر سے لوٹ کر اِدھر آ گیا۔ یہ وہ غیر معمولی فتح تھی جس نے فوجِ مخالف کو دنگ کر دیا۔ جب دھوپ کافی چڑھ چکی تھی اور دن کا اچھا خاصہ حصہ گزر گیا تھا، عمر سعد نے لشکر کو آگے بڑھایا اور اپنے غلام ورید کو، جو علمبردارِ لشکر تھا، آواز دی کہ جھنڈا اپنا میرے قریب لاؤ۔ ورید رایتِ جنگ لئے اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

عمر سعد نے تیر اپنا چلہ کمان میں جوڑ کر فوجِ حسینؑ کی طرف رہا کیا اور لشکر یزید کو مخاطب کرتے ہوئے پکار کر کہا: گواہ رہنا کہ سب سے پہلا تیر میں نے لگایا ہے۔ سپہ سالارِ لشکر ان الفاظ کو اپنی زبان پر جاری کرتے ہوئے تیر رہا کرے اور لشکریوں میں جوش و خروش پیدا نہ ہو، یہ ناممکن ہے۔ یقیناً ہزاروں کمانیں کڑکیں، ہزاروں چلّے کھنچے اور ہزاروں تیر روانہ ہو گئے۔

نہیں سمجھا جاسکتا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ والی قلیل جماعت اس اچانک حملہ کا مقابلہ کرنے کیلئے کس طریقہ پر تیار ہوسکتی تھی مگر انہیں تیاری کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ان کے تنے ہوئے سینے نیزوں کے استقبال کیلئے موجود اور ان کے دل وجگر، شوقِ شہادت میں ناوتوں کو ہاتھوں ہاتھ لینے پر آمادہ تھے۔

یزیدی لشکر والوں کو اندازہ تھا اور خوب اندازہ کہ اگر حسینی جماعت سے وہ کتنی ہی مختصر کیوں نہ سہی، دست بدست مقابلہ کیا گیا تو کربلا کی جنگ صرف عاشور کے دن ختم نہیں ہوسکے گی اور وہ اس کو بھی اچھی طرح سمجھتے تھے کہ جنگ کا طول کھینچنا اُن کیلئے انتہائی اندیشہ کا باعث ہے، اس لئے کہ امام علیہ السلام کی مکہ سے روانگی کی اطلاع بصرہ میں ہوچکی ہے اور وہاں سے مدد پہنچنے کی توقع ہے۔ کوفہ کے بہت سے افراد جو ابھی تک نہیں پہنچ سکے ہیں، یقیناً موقعہ کے منتظر اور نصرتِ حسین علیہ السلام کیلئے بے چین ہوں گے۔ نیز یہ بھی کہ ایران کچھ دور نہیں ہے اور وہاں کے بھی کچھ افراد کا امام حسین علیہ السلام کے ساتھ عقیدت رکھنا یقینی ہے، خصوصاً جبکہ ان کے ساتھ علیؑ ابن الحسینؑ بھی موجود ہیں جو ننھیالی رشتہ سے مملکتِ ایران کے شہزادے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا بہت امکان ہے کہ قومی تعصب ہی ایرانیوں کو امام حسین علیہ السلام کی حمایت پر آمادہ کردے۔ قبیلہ طے کافی اہمیت وطاقت کا مالک ہے اور طرماح بن عدی، امام حسین علیہ السلام سے یہ وعدہ بھی کر چکے ہیں کہ اگر آپؑ اپنے آپ کو وہاں پہنچادیں تو آپؑ کی مدد کیلئے ہزاروں جوان قبیلہ طے کے بالکل تیار پائے جائیں گے۔ پھر خود طرماح صحرائے کربلا کے قریب حضرتؑ سے یہ کہہ کر رخصت ہوئے ہیں کہ میرا کچھ غلہ ہے، اسے گھر پر رکھ کر آؤں تو آتا ہوں۔

ممکن ہے وہ آئیں تو اپنے ساتھ کچھ جوانانِ طے کو لیتے ہوئے آئیں۔ بہرحال اسباب، کچھ بھی ہوں مگر بظاہر فوجِ یزید کو بہت جلدی تھی اور وہ چاہتی تھی کہ یہ مہم جلدی سر ہوجائے مگر تیروں کی اس ابتدائی بارش سے جماعتِ حسینی کو کوئی خاص نقصان نہیں پہنچا۔ بے شک وہ عملی طور پر ایک جنگ کا اقدام تھا جس کی ابتداء فوجِ دشمن کی طرف سے ہوگئی تھی اور یہ ایک آخری محبت تھی جس کے تمام ہونے کے امامؑ منتظر تھے۔

چنانچہ بغیر کسی ہراس اور پریشانی کے امام علیہ السلام متوجہ ہوئے اپنے اصحاب کی طرف، فرمایا: کھڑے ہوجاؤ، موت کے استقبال کیلئے جو بہرحال ضروری ہے۔ خدا اپنی رحمت تمہارے شاملِ حال رکھے۔ یہ تیر نہیں بلکہ دشمن کے قاصد ہیں جو تمہاری طرف روانہ کئے گئے ہیں۔

اصحابِ حسینؑ جو حیرت انگیز ضبط وتنظیم کے ساتھ تیروں کی اس بارش کے بعد بھی اپنی اپنی جگہ برقرار تھے اور کسی قسم کا انتشار ان میں پیدا نہیں ہوا تھا، امام علیہ السلام کی جانب سے ان الفاظ میں اذنِ جہاد پاتے ہی فوراً مستعد ہوگئے اور انہوں نے تیروں کا جواب تیروں سے دیا جس کے معنی نہ صرف مقابلہ کیلئے اپنی آمادگی کا اظہار تھا، ورنہ ظاہر ہے کہ ہزاروں تیروں کے مقابلہ میں سودوسو تیروں کے ادھر سے بھی چلے جانے سے افواجِ مخالف کو کوئی خاص نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا۔ ان کی یہ تیروں کی سخت بارش ان مٹھی بھر انسانوں کو مرعوب نہیں کرسکی اور انہیں بہرحال ان سے جان توڑ کو مقابلہ کرنا پڑے گا جس میں ہتھیاروں سے زیادہ دل کی طاقت کی ضرورت ہے اور ضمیر کے تزلزل سے یہی پہلو فوجِ یزیدی کا انتہائی کمزور ثابت ہورہا تھا۔

# شہزادہ حضرت علی اکبر علیہ السلام

آپؑ امام حسین علیہ السلام کے فرزند تھے اور سلسلہ بنی ہاشم کے شہداء میں سب سے پہلے آپؑ ہی کی ذات تھی۔ اپنے پرائے آپؑ کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور آپؑ کی عظمت کا احساس رکھتے تھے، یہاں تک کہ دربارِ شام میں آپؑ کا تذکرہ ہوتا تھا۔ چونکہ ایک مرتبہ امیر شام نے حاضرین دربار سے پوچھا تھا کہ تمہارے نزدیک منصبِ خلافت کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ درباریوں نے خوشامد سے کہہ دیا تھا کہ آپ۔ مگر خود امیر شام نے کہا: نہیں! سب سے زیادہ مستحق خلافت حسینؑ کے فرزند علیؑ ہیں جن کے دادا رسول اللہ تھے۔

انؑ میں بنی ہاشم کی شجاعت و سخاوت اور قبیلہ ثقیف کی خودداری کی صفات یکجا حیثیت سے موجود ہیں۔ اس دور کے نامور شعراء آپؑ کی تعریف و توصیف میں اشعار بھی نظم کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ابو عبیدہ اور خلف احمد نے، جو دو بڑے ادیب بھی تھے، ان اشعار کو نقل کیا ہے جو علی اکبرؑ کی شان میں اس زمانہ میں کہے گئے تھے۔ ان کا مضمون یہ ہے:

کوئی بھی زمین پر انؑ کے مثل آنکھوں سے دکھائی نہیں دیا۔ ان کے ضیافت خانہ میں مہمانوں کیلئے برابر گوشت پکتا رہتا ہے اور جب پک جاتا ہے تو مہمانوں سے عزیز نہیں کیا جاتا۔ جب ان کے مہمان خانہ کی آگ روشن ہوتی ہے تو ان کی عزت اور بزرگی اس آگ میں حرارت پیدا کرتی ہے۔ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس آگ کو مصیبت زدہ اور غریب لوگ دیکھیں یا کسی ایسے شخص کی نظر پڑ جائے جو بیکس اور بے بس ہو اور اسے دیکھ کر مہمان خانہ میں چلا آئے۔

آپؑ کبھی دنیا کو دین پر ترجیح نہیں دیتے اور نہ حق کو باطل کے عوض فروخت کرتے ہیں۔ میرا روئے سخن جنابِ لیلیٰ کے فرزند کی طرف ہے جو صاحبِ عطا و جود ہیں۔ وہ جو بڑے حسب و نسب والی خاتون کے فرزند ہیں۔

ممکن ہے کہ اُموی سیاست کی بڑی اُمیدیں آپؑ کی ذات سے وابستہ ہوں۔ اس کے منصوبے ہوں کہ آپؑ کی ننھیالی خصوصیت پر زور دیتے ہوئے آپؑ کے اوصاف و کمالات کو سراہ کر فطری حیثیت سے آپؑ کے دل میں یہ احساس جاگزیں کیا جائے کہ آپ بنی ہاشم میں ایک علیحدہ شان اور حیثیت کے مالک ہیں اور اس طرح خاندانِ بنی ہاشم میں پھوٹ پڑنے کے امکانات پیدا ہو جائیں۔

اگر جنابِ علی اکبر علیہ السلام کی جگہ کوئی کمزور نفس کا انسان ہوتا تو بہت ممکن تھا کہ وہ سیاست کی ان چالوں کا شکار ہو جاتا مگر آپؑ کا بلند اور پاکیزہ نفس اس فریب میں آنے والا نہ تھا۔ آپؑ نے کبھی ان باتوں کی طرف اعتناء بھی نہ کی اور اُموی فریب کاریوں کی شکست پر آپؑ نے میدانِ کربلا میں فرزندِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی حمایت میں اپنا خون بہا کر کبھی نہ مٹنے والی مہر ثبت کر دی اور آپؑ کی والدۂ گرامی جناب اُمِ لیلیٰ نے محبتِ آلِ رسولؐ میں ان تمام روح فرسا مصائب و آلام کو، جو واقعہ کربلا کے دوران میں اور اس کے بعد اہلِ بیتِ نبوت کو متواتر پیش آتے رہے، انتہائی صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کر کے ان کے ساتھ اپنی روحانی یگانگی اور اتحاد کا اتنا مکمل ثبوت فراہم کر دیا کہ آج ان

کے متعلق اس حقیقت کا بیان کرنا کہ انہیںؑ خاندانِ بنی اُمیہ سے قریب کا تعلق طبیعت پر بار گزرتا ہے۔

علی اکبر علیہ السلام صورت و سیرت دونوں میں رسولؐ اللہ کا نمونہ تھے اور بہت نمایاں شباہت رکھتے تھے۔ اس لئے امام حسینؑ کو اپنے اس فرزند کے ساتھ بڑی محبت تھی۔ کربلا پہنچنے سے قبل قصر بنی مقاتل میں امام حسینؑ نے خواب میں ایک سوار کو دیکھا تھا جو کہہ رہا تھا کہ یہ لوگ جا رہے ہیں اور موت ان کی طرف بڑھ رہی ہے۔

چنانچہ اسے سن کر علی اکبر علیہ السلام نے آپؑ سے سوال کا تھا کہ بابا! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ امام علیہ السلام نے جواب دیا تھا کہ بے شک ہم حق پر ہیں۔ اس پر علی اکبرؑ نے خوش ہو کر کہا تھا کہ پھر ہمیں موت کی پروا نہیں ہے۔ اسی ایک واقعہ سے جنابِ علی اکبرؑ کے استقلال اور حق کی راہ میں فداکاری کا اچھی طرح اندازہ ہو سکتا ہے۔

شیخ مفیدؒ کی تصریح کے مطابق علی اکبر علیہ السلام کی عمر اٹھارہ برس کی تھی اور حسن و جمال میں اپنی مثال آپ تھے۔ وہ اکبرؑ اس لحاظ سے کہے گئے کہ واقعہ کربلا میں شہید ہونے والے علی اصغرؑ کے لحاظ سے بڑے تھے۔ مگر اپنے بابا کی اولاد میں وہ امام زین العابدینؑ کے سن میں چھوٹے تھے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے کربلا میں اپنا ایک گھوڑا جس کا نام لاحق تھا، علی اکبرؑ کی سواری کیلئے دیا تھا۔ آپؑ صبح عاشور ہی سے بے چین ہوں گے کہ میدانِ جہاد میں جا کر ہاشمی شجاعت کے جوہر دکھائیں۔ مگر حسینی تدبر نے جو نظامِ عمل قائم کر دیا تھا، اس میں دراندازی کا کسی کو حق نہ تھا۔ جب سب اصحاب شہید ہو چکے تو سب سے پہلے علی اکبرؑ نے اذنِ جہاد طلب کیا۔ امام علیہ السلام نے اپنے فرزند کو نرغۂ اعداء میں بھیجنے کے متعلق پس و پیش تو نہیں کیا مگر دل کی بے چینی نے جذبات میں تلاطم ضرور پیدا کر دیا۔ آپؑ نے آسمان کی طرف ہاتھ بلند کرتے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا: خداوندا! گواہ رہنا ان لوگوں کے ظلم پر کہ اب جا رہا ہے اُن کی طرف وہ نوجوان جو صورت و سیرت اور گفتار میں تیرے رسولؐ کے مشابہ کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ جب ہم تیرے پیغمبر کی زیارت کے مشتاق ہوتے تو اس کا چہرہ دیکھ لیتے تھے۔

کوئی شک نہیں کہ اس مختصر مناجات کے الفاظ اس بے پایاں اندوہ کی پوری تشریح کر رہے ہیں جو اس وقت امامؑ کے دل پر غالب تھا مگر اسی کے ساتھ وہ اس عزتِ نفس اور بلندئ نگاہ کے بھی حامل ہیں جو حسینؑ کی ذات سے مخصوص تھی۔ ان کو زیادہ قلق ہے تو اس بات کا کہ اس وقت میرے جد بزرگوار رسولؐ اللہ کی تصویر مجھ سے جدا ہو رہی ہے۔

یہی وہ امتیازی شان ہے جس سے حسینؑ حقیقتاً حسینؑ معلوم ہوتے ہیں "جا رہا ہے" کے الفاظ میں اذنِ جہاد لازمی طور پر مضمر ہے۔ چنانچہ اس مناجات کے عنوان ہی سے علیؑ اکبر سمجھ گئے کہ مجھے میدانِ جنگ میں جانے کی اجازت حاصل ہے۔ اب میدان میں آئے اور یہ رجز پڑھنے لگے: "میں ہوں علیؑ، حسینؑ کا بیٹا اور علیؑ کا پوتا۔ ربِ کعبہ کی قسم! سب سے زیادہ ہم کو رسولؐ اللہ کی وراثت کا حق پہنچتا ہے۔ خدا کی قسم! ہمارے بارے میں فیصلہ اولادِ ناجائز ہرگز نہیں کر سکتی۔ یہ رجز شہدائے کربلا میں سب سے الگ ایک خاص انداز کا حامل تھا۔ دوسرے شہداء کے رجز میں زیادہ تر شجاعانِ عرب کے معمول کے مطابق اپنی شجاعت کا اظہار مقصود تھا یا امام علیہ السلام سے اپنے عہد و وفا کی تجدید لیکن علی اکبر علیہ السلام کا رجز ایک تبلیغی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے مختصر الفاظ میں رسولؐ اللہ کے ساتھ اپنی قرابت داری اور استحقاقِ وراثت اور اپنے

مد مقابل کی پستی کو دکھاتے ہوئے اس کی اطاعت سے انکار پر زور دیا گیا تھا۔ گویا امام حسین علیہ السلام کے مقاصد جنگ کا اعلان کیا جا رہا تھا۔

جنابِ علی اکبر علیہ السلام نے کئی حملے کئے اور برابر یہی اشعار پڑھ رہے تھے۔ اس شدید جنگ میں آپؑ خود بھی بہت زخمی ہو گئے تھے مگر پھر بھی پے در پے حملے کئے جاتے تھے۔ فوجِ مخالف میں سے ایک سپاہی مرہ بن منقذ بن نعمان عبدی نے اپنے ساتھیوں سے کہا: اگر اس مرتبہ اس جوان نے پھر حملہ کیا اور میری طرف سے گزرا تو میں ضرور اس کے باپ کو اس کے غم میں مبتلا کر دوں گا۔ ایسا ہی ہوا، علی اکبر تلوار ہاتھ میں لئے دشمنوں پر حملہ آور ہو رہے تھے کہ مرہ نے پشت کی طرف سے نیزہ مارا جو سینہ کے پار ہو گیا۔ علی اکبر گھوڑے سے زمین پر گرے اور دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیر کر آپؑ کے جسم کو تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

فطری حیثیت سے علی اکبر علیہ السلام کی شہادت کا امام حسین علیہ السلام پر بڑا اثر ہوا۔ آپؑ نے فرمایا: خدا فنا کرے اس جماعت کو جس نے تجھے قتل کیا۔ اے میرے فرزند! کتنی جرأتیں بڑھ گئیں ان لوگوں کی، خدا اور رسولؐ کے مقابلے میں، تیرے بعد دنیا کی زندگی پر خاک ہے۔ آپؑ نوجوانانِ بنی ہاشم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اٹھاؤ اپنے بھائی کی لاش! سب نوجوان آگے بڑھے اور انہوں نے علی اکبرؑ کی لاش کو لا کر اس خیمہ کے آگے رکھ دیا جو مرکزِ سپاہ کی حیثیت رکھتا تھا۔

❁ ❁ ❁

# حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام
## (قمر بنی ھاشم)

26ھ میں آپؑ کی ولادت ہوئی۔ چودہ برس آپؑ نے اپنے والد بزرگوار کے سایہ عاطفت میں پرورش پائی۔ 40ھ میں حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد سے دس برس آپؑ اپنے بھائی امام حسن علیہ السلام کے زیر تربیت رہے اور 50ھ میں امام حسنؑ کے زہر دغا سے شہید ہونے کے بعد سے عاشور محرم 61ھ تک کا زمانہ آپؑ نے اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام کی رفاقت میں بسر کیا۔ واقعہ کربلا میں آپؑ کی عمر 34 برس کی تھی۔

آپؑ حسن و جمال اور قوت و شجاعت میں اپنے زمانہ میں بہت ممتاز درجہ رکھتے تھے اور عام طور پر ''قمر بنی ہاشم'' ہی لقب سے مشہور تھے۔ آپؑ ایسے قد آور تھے کہ اسپ دورکابہ پر سوار ہونے کے باوجود آپؑ کے پاؤں زمین پر خط دیتے تھے۔

یہ تو آپؑ کی ظاہری شان تھی اور باطنی اوصاف کے متعلق امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہمارے چچا حضرت عباسؑ بن علیؑ بڑے دیندار اور کامل الایمان تھے۔ آپؑ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کا ساتھ دیتے ہوئے معرکہ کربلا میں کارہائے نمایاں انجام دیئے اور آخر درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

نہر پر فوجِ مخالف کے قبضہ کے بعد جب اطفالِ حسینؑ پر پیاس کا غلبہ ہوا تو حضرت عباس علیہ السلام نہر سے پانی لانے پر مامور ہوئے۔ امام حسین علیہ السلام نے تیس سوار اور بیس مشکوں کے ساتھ آپؑ کے ہمراہ کر دیئے تھے۔ چنانچہ جب نہر کے قریب پہنچے تو عمرو بن الحجاج، جو نہر کا محافظ تھا، مع اپنی سپاہ کے سدِ راہ ہوا۔ جنابِ عباس علیہ السلام نے سواروں کی جماعت کے ساتھ مقابلہ کیا اور پیادوں سے فرمایا کہ تم تیزی سے اپنی مشکیں بھر لو۔ لیکن افسوس کہ یزیدی فوج نے تیروں کی بارش کر دی جس کی وجہ سے مشکوں سے پانی بہہ گیا۔ آپؑ کو سقاء کا لقب بھی حاصل ہوا۔

ابن زیاد کا تحریری امان نامہ ٹھکرا دینا آپؑ کی وفا شعاری کا ایک بڑا کارنامہ تھا۔ اس واقعہ میں اگرچہ تمام بھائی مشترک حیثیت رکھتے تھے مگر بہر حال آپؑ کے چھوٹے بھائی سب آپؑ کے مطیع تھے۔ اس لئے یہ سمجھنا بالکل درست ہے کہ دیگر بھائیوں کی وفاداری میں جنابِ عباسؑ کی انتہائی پختگی اور جاں نثاری بہت بڑی حد تک اثر انداز تھی۔

جب محرم کی نویں تاریخ سہ پہر کے وقت عمر سعد نے اپنی فوج کے ساتھ انصارِ حسینؑ پر دفعۃً حملہ کر دیا تھا تو عباس علیہ السلام کو امام علیہ السلام نے اس اچانک حملہ کا سبب دریافت کرنے پر مامور فرمایا۔ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ جنابِ عباس علیہ السلام کی سنجیدگی، معاملہ فہمی، وفاداری اور شجاعت پر امام حسین علیہ السلام کو کتنا اعتماد تھا۔ چنانچہ حضرت عباس علیہ السلام نے انتہائی صبر و سکون کے ساتھ اس نازک مرحلہ کو

سر کیا اور ایک شب کیلئے جنگ ملتوی کروالی۔

شبِ عاشور جب امام علیہ السلام نے اپنے تمام اصحاب کو جمع کر کے فرمایا تھا کہ میں اپنی بیعت سے تم سب کو آزاد کرتا ہوں۔ جس کا جدھر دل چاہے، چلا جائے بلکہ تم میں سے ہر ایک میرے ایک ایک عزیز کو بھی اپنے ساتھ لیتا جائے تو حضرت عباس علیہ السلام بیتاب ہو گئے تھے اور سب سے پہلے آپؑ نے اس طرح اظہارِ خیال فرمایا تھا کہ ہم کس لئے یہ کریں؟ کیا اس لئے کہ آپؑ کے بعد زندہ رہیں؟ ہرگز نہیں! خدا وہ روز ہم کو نہ دکھائے۔ آپؑ کے بعد دوسرے اعزہ نے بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ صبح عاشور جب امام حسین علیہ السلام نے اپنی مختصر سی جماعت کو بھی لشکر کے عنوان سے ترتیب دیا تو علمداری کا شرف ابوالفضل العباس علیہ السلام کو عطا ہوا اور آپؑ نے اس آن بان کے ساتھ حسینی پرچم کی عزت کو قائم رکھا جو دنیا کی تاریخ میں یادگار ہے۔

میدانِ جنگ میں عباسؑ و اکبرؑ سایہ کی طرح امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ چنانچہ اس وقت جب آپؑ نے اتمامِ حجت کی غرض سے ناقہ پر سوار ہو کر صفوفِ مخالف کو مخاطب کرتے ہوئے تقریر فرمائی اور آپؑ کی آواز خیامِ اہلِ حرم تک پہنچی اور ان میں سے شور رونے کا بلند ہوا تھا تو آپؑ نے عباسؑ علی اکبرؑ کو بھیجا کہ انہیں خاموش کرو۔ رونے کا وقت بعد میں آئے گا۔ عباسؑ بن علیؑ کی شجاعت کا ایک بے نظیر موقع وہ تھا جب عمر بن خالد صیداوی وغیرہ چار مجاہد ایک ساتھ صفوفِ مخالف پر حملہ آور ہوئے تھے اور لشکر میں گھس کر شمشیر زنی کرتے ہوئے چاروں طرف سے گھر کر انصارِ حسینؑ سے بالکل جدا ہو گئے تھے۔ یہ دیکھ کر امام حسینؑ نے حضرت عباسؑ کو ان کی مدد کیلئے بھیجا تھا۔ چنانچہ آپؑ نے تن تنہا حملہ کر کے ایسی تلوار چلائی کہ لشکر مخالف پراگندہ ہو گیا اور آپؑ ان زخمی مجاہدوں کو اپنے مستقر کی طرف واپس لے چلے تھے۔

حضرت ابوالفضل العباسؑ کی شہادت اصحاب و اعزہ میں سے سب سے آخر میں ہوئی ہے۔ دنیوری کا بیان ہے کہ جنابِ عباسؑ حضرت امام حسین علیہ السلام کے سامنے کھڑے ہو کر تن تنہا آپؑ کی حفاظت میں مصروف ہو گئے، اس طرح کہ جس طرف حضرت مڑتے تھے، عباسؑ بھی رُخ موڑ دیتے تھے، یہاں تک کہ آپؑ درجہ شہادت پر فائز ہوئے اور اس کے بعد امام بالکل اکیلے رہ گئے۔

دوسری روایت ہے کہ جب عباس علیہ السلام اپنے تینوں بھائیوں کو امامؑ پر نثار کر چکے اور سوائے جنابِ عباسؑ اور امام حسینؑ کے کوئی ایسا باقی نہیں رہ گیا جو نصرتِ حسینؑ میں جہاد کرے تو ابوالفضل العباس علیہ السلام نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے اذنِ جہاد طلب کیا۔

امام حسین علیہ السلام نے اپنے بھائی کو سراپا پُرحسرت و یاس سے نظر کی اور فرمایا کہ تم تو میرے علمدار ہو؟ آپؑ نے عرض کیا: اب مجھ کو بالکل تابِ ضبط باقی نہیں اور زندگی میرے لئے بارِ گراں ہو رہی ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: اچھا! جاتے ہو تو پانی کی فکر کرنا۔ حضرت عباسؑ نے مشکیزہ لے لیا اور نہر کی طرف روانہ ہوئے۔ فوجِ دشمن نے مزاحمت کی، آپؑ نے حملہ کیا، صرف اس لئے کہ نہر کا راستہ صاف ہو جائے۔

چنانچہ آپؑ اپنی کوشش میں کامیاب ہوئے، نہر پر پہنچ کر مشکیزہ پانی سے بھر لیا اور چونکہ خود بھی آپؑ بہت پیاسے تھے، لیکن آپؑ نے اپنے آقا و مولا امام حسینؑ اور ان کے بچوں کی پیاس کو یاد کر کے پانی پیا تو بجائے خود بلکہ اپنے ہونٹوں کو تر کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اسے کہتے ہیں ایثار! یہ ہے انتہائے قربانی! آپؑ بھرا ہوا مشکیزہ دوش پر سنبھال کر نہر سے نکلے اور خیمہ گاہِ حسینی کی جانب روانہ ہو گئے۔ افواجِ مخالف کو ایک فردِ

واحد کے مقابلہ سے گریز کرنے پر غیرت دلائی جا چکی تھی اور اُن کو اب یہ کد تھی کہ پانی کسی طرح امام حسین علیہ السلام تک پہنچنے نہ پائے۔

چنانچہ آپؑ چاروں طرف سے گھیر لئے گئے۔ اس وقت کی آپ مشکلات کا اندازہ کرنا آسان نہیں۔ دوش پر مشک واضح طور پر جنگ سے مانع تھی اور پھر ایک ہاتھ سے آپؑ کو حسینی نشان کا بلند رکھنا بھی مقصود تھا۔ مگر کیا کہنا آپؑ کی عدیم المثال جرأت وشجاعت کا کہ آپؑ نے اسی عالم میں بڑے جوش وخروش کے ساتھ حملے کرنا شروع کر دیئے اور اس وقت آپؑ کی زبان پر یہ شعر جاری تھے:

''موت کتنے ہی نعرے لگائے، میں موت سے کبھی خوفزدہ نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ تلواروں کے سائے میں زمین پر گرا دیا جاؤں۔ میرا نام عباسؑ ہے، مشک لے جاؤں گا اور ضرور لے جاؤں گا اور ہنگامِ جنگ موت کی کوئی پروا نہیں کروں گا''۔

اس امر کو دشمنوں کی بزدلی کا مکمل اعلان سمجھنا چاہئے کہ انہوں نے حضرت عباسؑ کے ہاتھوں کی موجودگی اپنے لئے انتہائی خطرناک محسوس کی اور حکیم بن طفیل نے آپؑ کے دائیں ہاتھ پر تلوار ماری۔

چونکہ حضرت عباسؑ کو اپنی جان سے زیادہ علَم کا خیال تھا، اس لئے آپؑ نے علَم کو گرنے نہیں دیا بلکہ بائیں شانے پر لے لیا اور فرمایا: حالانکہ تم نے میرا دایاں ہاتھ قطع کر دیا ہے مگر یہ نہ سمجھنا کہ میں اپنے دین کی حمایت نہ کر سکوں گا۔ خدا کی قسم! اس فرض کو تو میں ہمیشہ ہمیشہ انجام دیتا رہوں گا۔

اس کے بعد زید بن ورقا، جہنمی نے موقعہ پا کر آپؑ کے بائیں ہاتھ پر تلوار لگائی اور وہ بھی قطع ہو گیا۔ عباسؑ نے پشتِ فرس پر جھک کر علَم کو سینہ سے روکنا چاہا ہی تھا کہ قبیلہ تمیم کے ایک شخص نے سر پر گرز کا وار کیا جس سے آپؑ زمین پر گر گئے اور بلند آواز سے پکارے کہ بھائی! میری خبر لیجئے۔ امام حسین علیہ السلام پر اُس آواز کا جو اثر نہ ہوتا، کم تھا۔ آپؑ مثلِ شاہین جھپٹ کر بھائی کی لاش پر پہنچے تو دیکھا کہ عباسؑ دشمنوں سے چور دونوں ہاتھ قطع، پیشانی شکستہ، ایک آنکھ میں تیر پیوست، زمین پر دم توڑ رہے ہیں۔

امام علیہ السلام عالمِ رنج وملال میں سرہانے بیٹھ گئے، یہاں تک کہ عباسؑ کی روح نے جسد سے مفارقت کی۔ اب کوئی ایسا نہیں رہ گیا تھا جسے امامؑ اذنِ جہاد دیتے۔ آپؑ لاش سے اُٹھے اور آگے بڑھے، تلوار نیام سے لی اور دائیں اور بائیں دشمنوں پر حملہ کرنا شروع کر دیا۔ جب وہ آپؑ کے سامنے سے بھاگتے تھے تو آپؑ فرماتے تھے: بھاگتے کہاں ہو؟ تم نے میرے بھائی کو مار ڈالا، بھاگتے کہاں ہو؟ تم نے میرے بازو شکستہ کر دیئے ہیں۔

❁ ❁ ❁

# حضرت امام حسینؑ میدانِ جہاد میں

اس کے بعد آپؑ اپنے مستقر پر واپس پہنچ کر کھڑے ہوگئے۔ اب دشمنوں کی کثرت تھی اور اکیلے حسینؑ تھے۔ نصرتِ اسلام کا فریضہ تھا اور وہ مستحکم عزم تھا جو اتنے مصائب اور عزیزوں کے داغ اٹھانے کے بعد بھی پہلے ہی کی طرح کوہِ گراں کی صورت میں اپنی جگہ قائم و برقرار تھا۔

سطحی نظر سے مجاہدین کی یہ ترتیب خلاف قیاس سمجھی جاسکتی ہے، اس لئے کہ عملی رہنمائی کا تقاضا یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت امام حسین علیہ السلام خود میدانِ جہاد میں قدم رکھتے ہوئے عملی مثال پیش فرماتے، پھر آپؑ کے عزیز یکے بعد دیگرے جاتے اور آخر میں اصحاب کی نوبت آتی۔ حضرت علی علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں رسولؐ اللہ کے طریقہ جنگ کے متعلق فرمایا ہے کہ آپؐ خطرہ کے موقعوں پر اپنے اہلِ بیتؑ اور اعزہ کو آگے بڑھاتے تھے اور انہیں اپنے اصحاب کی سپر بناتے تھے۔ مگر میدانِ کربلا میں ترتیب اس کے خلاف رکھی گئی۔ یہاں اصحاب پہلے میدان میں بھیجے گئے اور پھر اعزا اور آخر میں خود امام حسینؑ تشریف لے گئے۔

مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ کربلا اور دوسرے معرکوں کی نوعیت میں بڑا فرق تھا۔ دوسرے ہر موقعہ پر یہ یقینی تھا کہ کچھ لوگ قتل ہوں اور کچھ صحیح وسلامت محفوظ رہیں۔ لہٰذا یہ کوشش کی جاتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ خطرہ وہی برداشت کریں جو رسولؐ اللہ کے ساتھ خاندانی تعلقات رکھتے ہوں اور وہ لوگ زیادہ سے زیادہ محفوظ رہیں جو غیروں کی حیثیت رکھتے ہوں۔

مگر معرکہ کربلا میں عاشور کے دن یہ بالکل یقینی تھا کہ زندہ بچنے والا کوئی نہیں۔ بہر حال جتنے بھی ہیں، ان سب کو شہید کرنا ہے۔ جہاں تک خطرہ سے بچانے کی کوشش کا تعلق تھا، وہ شب عاشور کی جاچکی تھی اور اس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام نے بااصرار تمام فرمایا تھا کہ ''مجھے تنہا اس خطرہ کو قبول کر لینے دو، تم سب اپنی جانوں کو خطرہ میں مبتلا نہ کرو مگر ہر ایک نے اعزہ و اصحاب میں سے انکار کرتے ہوئے اپنی جانیں امام حسینؑ پر قربان کرنے کے عزم بالجزم کا اعلان کر دیا تھا۔ اس کے بعد اب یہ سوال تو باقی ہی نہ رہا تھا کہ کون قتل ہو اور کون زندہ رہے۔ زندگی کی دلفریبی تو بہت پہلے ٹھکرادی جاچکی تھی۔ اب تو ہر ایک کے سامنے بس موت ہی تھی۔ اب اس صورتحال میں سوال تھا تو صرف قبل اور بعد کا۔ مگر واقعہ کربلا کی نوعیت یہ تھی کہ جتنا وقت گزرتا جاتا تھا، امتحان سخت تر ہوتا جاتا تھا۔ پانی بند تھا ہی اور یہ روزِ عاشور دن چڑھنے اور تمازتِ آفتاب میں اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ پیاس کی تکلیف لحظہ بہ لحظہ بہت بڑھتی جاتی تھی۔ پھر اس حالت میں کثیر التعداد دشمنوں سے پیہم نبرد آزمائی، ساتھیوں کی جدائی اور ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ جتنی بھی کسی مجاہد کی شہادت میں دیر واقع ہوتی تھی، اُس کا امتحان شدید تر ہوتا جاتا تھا۔

امام حسین علیہ السلام اپنے اصحاب اور اعزہ کی وفاداری پر کتنا ہی اعتماد کیوں نہ رکھتے ہوں مگر آپؑ ان پر اتنا بار نہیں ڈالنا چاہتے

تھے جو اُن کی قوتِ برداشت سے باہر ہوتا۔ آپؑ کیلئے لازم یہی تھا کہ آپؑ دوسروں کے صبر وتحمل اور اپنی قوتِ برداشت کے امتیاز پر نظر رکھتے ہوئے نظامِ جنگ مرتب فرماتے۔

حقیقتاً امام حسین علیہ السلام کیلئے نسبتاً بہت آسان ہوتا کہ سب سے پہلے آپؑ اپنی جان کا ہدیہ راہِ حق میں پیش کر دیتے۔ اس صورت میں آپؑ کی قربانی اپنی جان کی قربانی ہوتی اور اس کو کسی ایسے شہید کی قربانی سے بڑا درجہ نہ دیا جا سکتا جس نے کبھی بھی حمایتِ حق میں اپنے نفس کی قربانی پیش کی ہو۔

اس صورت میں آپؑ کی قربانی اس سے زیادہ وقیع نہیں سمجھی جا سکتی جتنی کہ نصاریٰ کے بقول کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قربانی کہ آپ دینِ حق کی تبلیغ کی وجہ سے سولی پر چڑھا دیئے گئے یا سقراط کی قربانی کہ ان کو اصول کی حمایت میں زہر کا جام پینا پڑا اور امام حسینؑ کیلئے اس منزل سے گزر جانا مشکل ہی کیا ہوتا جب کہ آپؑ اُس باپؑ کے بیٹے تھے جن کا قول یہ تھا کہ مجھے اس کی پروا نہیں کہ موت مجھ پر آپڑتی ہے یا موت پر میں جا پڑتا ہوں۔ نیز یہ کہ موت سے اس سے زیادہ مانوس ہوں جتنا بچہ اپنی ماں سے مانوس ہوتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ آپؑ اس گھرانے کے بزرگ تھے جس کے بچوں کا یہ قول تھا کہ ''موت شہد سے زیادہ شیریں ہے'' بلکہ اُس زمانہ میں ملک عرب کے ہر بہادر کا اصولِ زندگی یہ تھا کہ وہ موت کا تلواروں کے سایہ میں آنا اپنے لئے باعثِ مباہات سمجھتا تھا۔

مگر امام حسین علیہ السلام کی شہادت کو جو خاص امتیاز حاصل ہے، وہ اسی لئے کہ آپؑ کے ہر فرد کو جو آپؑ کی ذات سے دور یا قریب کا تعلق رکھتی تھی، اپنی موجودگی میں راہِ حق میں نثار کر دیا۔ انصاف سے دیکھا جائے تو تمام ساتھیوں کا ایک ایک کر کے جدا ہونا، بھتیجوں کا آنکھوں کے سامنے دم توڑنا، جوان بیٹے کا خاک پر ایڑیاں رگڑنا اور جاں نثار بھائیوں کا عالمِ جوانی میں موت کی نیند سو جانا، یہ وہ مصائب تھے جن میں سے ہر ایک انسانی نفس کیلئے موت سے زیادہ ناقابلِ برداشت قرار پا سکتا ہے۔ حسینؑ کا کمالِ عمل محض یہی نہیں تھا کہ وقت اور موقع آنے پر آپؑ نے اپنی جان راہِ خدا میں پیش کر دی بلکہ آپؑ کے نفس کا کمال یہ تھا کہ آپؑ نے جان سے عزیز تر ہستیاں رضائے حق کے راستے میں یکے بعد دیگرے قربان کر دیں اور جب تک صبر وتحمل کے ساتھ ان تمام دشوار گزار منازل کو طے نہ کر لیا، اُس وقت تک خود اپنی جان کا ہدیہ پیش نہ کیا۔

قوتِ برداشت کے اس خاص درجہ میں امام حسین علیہ السلام کے علاوہ کوئی دوسرا نظر نہیں آتا۔ عملی حیثیت سے اس بلندیٔ نفس کی توقع کیا امام حسینؑ کے سوا کسی اور سے کی جا سکتی تھی جو اُسے آپؑ اپنے بعد کیلئے چھوڑ دیتے؟

❁ ❁ ❁

# جہادِ آخر اور شہادت

یہ سب کچھ ہوا، اصحاب ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے، عزیز جدا ہو گئے، بھتیجے قتل ہوئے، بیٹا تلواروں سے ٹکڑے ہوا، بھائی تہہ تیغ ہوئے مگر امام حسین علیہ السلام نے کوئی ایسی جنگ نہیں کی جسے امام حسینؑ کی جنگ کہا جائے۔ ظاہری اسباب کی بناء پر ناواقف آدمی یہ سمجھ سکتا ہے کہ آپؑ کو بذاتِ خود جنگ کرنے کا حوصلہ نہیں، نبرد آزمائی کا ولولہ ہی نہیں، حالانکہ حقیقت میں آپؑ کی جنگ کا لطف تو جب ہی تھا کہ جب آپؑ تلوار لے کر حملہ آور ہوتے اور ایک طرف عباسؑ دادِ شجاعت دیتے ہوتے، ایک طرف علی اکبرؑ معرکہ جنگ میں جوہر دکھاتے ہوتے، ایک طرف اصحاب حفاظت کیلئے ساتھ ساتھ ہوتے۔

اس صورت میں جنگ کا منظر دوسرا ہی ہوتا مگر امام حسین علیہ السلام نے سب کو دنیا سے ایک ایک کر کے رخصت ہو جانے دیا اور ان کے ساتھ مل کر جنگ نہیں کی۔ پھر اب جبکہ دن بھر کی دھوپ سر پر پڑ چکی، ساتھیوں اور عزیزوں کے غم نے دل کو شکستہ کر دیا، عباسؑ کے مرنے سے کمر ٹوٹ چکی اور آنکھوں کی بصارت علی اکبرؑ کے ساتھ گویا جا چکی، یہ ستاون برس کی بڑھاپے کی عمر کا انسان اب اس عالم میں بھلا تلوار کھینچ سکتا ہے اور جنگ کر سکتا ہے؟

مگر امام حسین علیہ السلام کو تو کربلا میں صبر و برداشت کی منزلوں کو طے کرنے کے ساتھ ساتھ فرائض کی حد دکھانا تھیں۔ وہ شروع سے اسلامی آئین کے محافظ تھے اور ان ہی آئین و اصول کیلئے جنگ، خود اختیاری کیلئے دفاع آخری امان کے درجہ تک ہر انسان کا فرض ہے۔ امام حسینؑ نے اس فرض کو اس وقت انجام دیا جب کوئی دوسرا انسان اسے انجام نہیں دے سکتا تھا۔

اب علی اصغرؑ کو نذرِ راہِ خدا کرنے کے بعد امام حسین علیہ السلام کے پاس کوئی ایسی قربانی نہ تھی جسے وہ حق کی بارگاہ میں پیش کرتے۔ اب بس ایک آخری مرحلہ تھا جو آپؑ کیلئے پہلے بہت آسان تھا، آپؑ نے اسے خود اب تک اپنے لئے مشکل سے مشکل تر بنایا تھا۔ اب جبکہ تمام مشکلیں ختم ہو چکی ہیں، اب جبکہ منزلِ عمل کے درمیانی قلعوں کو تمام و کمال فتح کر چکے ہیں، ظاہری طور پر آپؑ سے بڑھ کر اس وقت دل شکستہ کوئی نہیں۔ مگر حقیقتاً آپؑ سے بڑھ کر اس وقت کامیابی کے احساس سے بالیدہ کوئی دوسرا نہیں۔ کسی کے قدم جن راستوں کے تصور سے ڈگمگاتے تھے، انہیں آپؑ عملی طور پر استقلال اور ثابت قدمی کے ساتھ طے کئے ہوئے کھڑے تھے۔ آپؑ سے بڑھ کر اس وقت فتح مندی کا احساس کسی دوسرے کو ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

اب آپؑ کیلئے اپنا سر شمشیر قاتل کے سپرد کر دینا تھا۔ یہ بالکل آسان تھا مگر پیغمبرؐ اسلام کے نواسے اور علی علیہ السلام کے بیٹے نہ ہوتے اگر اپنا سر جھکا کے خاموشی سے دشمنوں کو دعوت دیتے کہ آؤ، یہ سر قلم کر لو، آخر میں یہی ہونے والا ہے۔ مگر ذرا میدانِ جنگ کو بدر و اُحد، خندق و صفین کا نمونہ بن جانے دو۔ ذرا بھولی ہوئی دنیا کو علیؑ کی یاد آنے دو۔ ذرا دیکھی ہوئی آنکھوں کے سامنے حمزہ و جعفر کی تصویر کھنچ جانے

دو۔ آج ہی تو موقع یاد آیا کہ امام حسین علیہ السلام اپنے نانا کے اس قول کو سچ کر دکھائیں کہ امام حسینؑ کو میری جرأت وسخاوت میراث میں ملی ہے۔ سخاوت کے مظاہرے بہت ہوئے تھے مگر جرأت کے عملی اظہار کا وقت اب آیا ہے۔ سچ پوچھئے تو رسولؐ اللہ کو میدانِ جنگ میں عام طور پر تلوار لے کر خود جہاد کا موقعہ نہیں ملا، اس لئے کہ ساتھ والے موجود رہے۔ امام حسین علیہ السلام بھی، جب تک ایک لائقِ جنگ مجاہد بھی ساتھ رہا، اپنے نانا رسولؐ اللہ کی بالکل تصویر بنے رہے مگر اب جب کہ آپؑ کی حمایت میں تلوار کھینچنے والا کوئی باقی نہیں رہا تو امام حسینؑ نے یہ دکھلا دیا کہ اگر ضرورت ہوتی تو میرے نانا رسولؐ اللہ بھی عملی حیثیت سے کس پایہ کی شجاعت وجرأت کا مرقع کھینچتے۔

آپؑ رخصت کیلئے خیمہ میں آئے اور ایک یمنی چادر کو جابجا سے چاک کر کے باقی لباس کے نیچے پہنا، شاید اس لئے کہ بعد شہادت جب لباس کو لوٹا جائے تو یہ بوسیدہ کپڑا جسم پر رہ جائے۔ اس کے بعد میدانِ جنگ میں تشریف لے گئے۔

تاریخ شاہد ہے کہ امام حسینؑ غمزدہ، دل شکستہ، تشنہ وگرسنہ ہونے کے باوجود تن تنہا جب تلوار کھینچ کر فوجِ مخالف پر حملہ آور ہوئے تو تمام گزشتہ بہادروں کے کارنامے محو ہو گئے اور انسانی حافظہ میں قیامت تک اس شجاعت وجرأت کی تصویر محفوظ رہ گئی۔ مگر یہ غیر مساوی جنگ ظاہر اعتبار سے اب عنقریب ختم ہونے والی تھی، اس لئے کہ ایک کا ہزاروں سے مقابلہ کہاں تک جاری رہ سکتا تھا۔ یزیدی افواج کی اس سراسیمگی کو دیکھ کر شمر نے فوج کو للکارا اور نئے سرے سے ترتیب لشکر کو درست کر کے سواروں کو پیادوں کے پیچھے کھڑا کیا اور تیراندازوں کو حکم دیا کہ وہ تیرباراں کریں۔ اتنی شدت سے تیر برسائے گئے کہ جسمِ حسینؑ زخموں سے چھلنی ہو گیا۔ اس وقت دوبارہ شمر نے چلّا کر کہا: خدا تمہیں سمجھے، کھڑے کیا دیکھ رہے ہو، انہیں قتل کرو۔ خدا کرے تمہاری مائیں تمہیں روئیں۔

اس طرح غیرت دلائے جانے کے بعد وہ لشکر بیکراں امام حسین علیہ السلام پر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑا اور آپؑ پر تیروں، تلواروں اور نیزوں کا مینہ برسنے لگا جس سے یقین ہے کہ گھوڑا بھی کافی زخمی ہو گیا ہوگا اور اس سے مجبور ہو کر آپؑ پشتِ فرس سے زمین پر تشریف لائے۔ مگر پیادہ ہونے کے بعد بھی آپؑ نے مقابلہ جاری رکھا۔ اثنائے جہاد میں ایک موقعہ ایسا آیا کہ حضرتؑ تمام فوج کو بھگا کر نہر تک پہنچ گئے۔ دشمنوں کو اندیشہ ہوا کہ آپؑ کہیں پانی سے سیراب نہ ہو جائیں۔ اس وقت حصین بن تمیم نے تیر لگایا جو آپؑ کے دہن مبارک پر پڑا اور خون منہ سے اُبلنے لگا۔ آپؑ نے چلّو میں خون لیا، آسمان کی طرف اُچھال دیا اور پھر خدا کا شکر ادا کیا۔

اسی اثناء میں لشکر یزید کا ایک دستہ اپنی شکست کی خفت کو مٹانے کیلئے شمر کی قیادت میں خیامِ حسینی کی طرف، جس میں اہلِ حرم تھے، غارت گری کے ارادہ سے متوجہ ہوا اور آپؑ کے اور خیام کے بیچ میں حائل ہو گیا۔ یہ دیکھنا تھا کہ آپؑ نے پوری فوج کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر تمہیں مذہب کا پاس اور آخرت کا کوئی تصور نہیں ہے، تب بھی دنیا میں اپنی قومی شرافت کا ثبوت دو۔ ابھی میں زندہ ہوں، میرے خیام سے تعرض نہ کرو۔ شمر اپنی حرکت پر شرمندہ ہوا اور خیام کی طرف سے پلٹ آیا۔

اب شمر نے پیادوں کو اپنے ساتھ لے کر خود آپؑ کا محاصرہ کر لیا مگر عالم یہ تھا کہ جس طرف آپؑ رُخ کرتے تھے، اُدھر کی جماعت منتشر ہو جاتی تھی۔ غالباً اس موقعہ کا تذکرہ فوجِ دشمن کے ایک سپاہی نے ان الفاظ میں کیا ہے:

''میں نے کوئی ایسا انسان نہیں دیکھا جو زخمی ہو چکا ہو اور اس کی اولاد، عزیز اور ساتھی سب قتل ہو چکے ہوں اور پھر وہ حسینؑ جیسا مطمئن اور ثابت قدم نظر آئے اور اُنؑ کی سی جرأت و ہمت سے مقابلہ کرے۔ حالت یہ تھی کہ پیادے چاروں طرف سے انہیں گھیرتے تھے اور وہ تلوار لے کر ان پر حملہ کر دیتے تھے تو وہ سب دائیں بائیں سے یوں ہٹتے تھے جیسے گوسفندوں کا غول بھیڑیئے کے حملہ کے وقت منتشر ہو''۔

اس وقت آپؑ کی زبان پر یہ تاریخی الفاظ تھے جن سے ایک طرف فریضہ ہدایت پورا ہو رہا تھا اور دوسری طرف نتائج کی طرف صاف اشارہ تھا:

''یاد رکھو! اللہ میرے قتل سے انتہائی ناراض ہے۔ میں بہ قسم کہتا ہوں کہ تمہارے ذلت دینے سے اللہ مجھے عزت دے گا اور پھر میرا بدلہ تم سے اس طرح لیا جائے گا جس کا تمہیں اس کے قبل تصور بھی نہ ہوگا۔ یاد رکھو کہ مجھے قتل کرنے کے بعد خود تمہارے درمیان تفرقہ بڑھ جائے گا۔ خانہ جنگیاں ہوں گی اور بالآخر تمہارا خون بھی بہایا جائے گا۔ پھر اس کے بعد آخرت کی سزا، وہ اس سے بھی زیادہ ہے۔ اس کے بعد آپؑ پر ہر جانب سے شدت کے ساتھ حملے ہونے لگے اور آخر زخموں سے چور ہو کر آپؑ زمین پر گر گئے اور کھڑے ہونے کی قوت باقی ہی نہ رہی۔

❁ ❁ ❁

# شہزادہ عبداللہ بن حسنؑ

آپ حسنؑ بن علیؑ کے فرزند تھے۔ آپؑ کا سن اپنے بھائی قاسمؑ سے بھی کم تھا اور آپؑ کی والدہ اُم الرباب بنت امراء القیس، رباب مادرِ سکینہؑ و علی اصغرؑ کی بہن تھیں۔

جب امام حسین علیہ السلام زخموں سے چور ہو کر زمین پر تشریف لا چکے تھے، اس وقت آپؑ خیمہ سے برآمد ہوئے اور امامؑ کی طرفؑ چلے۔ جنابِ زینبؑ بنت علیؑ نے آپؑ کو روکنا چاہا مگر آپؑ کسی طرح نہ رُکے اور دوڑتے ہوئے امام علیہ السلام کے پاس پہنچ گئے (بی بیؑ نے شہزادہ عبداللہ کو جہاد سے نہیں روکا ورنہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ شہزادہ معظّمہ بی بیؑ کے حکم کو نہ مانتا)۔ اس وقت بحرین کعب بن عبیداللہ تمیمی حضرتؑ پر تلوار کا وار کرنا چاہتا تھا، آپؑ نے اس سے کہا: زنِ خبیثہ کے بیٹے! کیا تو میرے چچا جان کو قتل کرے گا؟

مگر اس پر بھی جب اُس نے تلوار کا وار کر ہی دیا تو آپؑ نے اُسے ہاتھ پر روکا۔ ہاتھ جلد کے آخری حصہ تک کٹ کر لٹکنے لگا اور آپؑ کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا: ''یَا اُمَّاہُ''۔ امام حسینؑ نے آپؑ کو اپنے سینہ سے لگالیا اور فرمایا کہ بیٹے! صبر کرو اس مصیبت پر اور اس کے اجر و ثواب کے منتظر رہو۔ تم بھی اپنے بزرگوں یعنی رسولؐ اللہ، علیؑ ابن ابی طالبؑ، حمزہؓ، جعفرؓ اور حسنؑ کی خدمت میں پہنچا چاہتے ہو۔ ابھی یہ فرما ہی رہے تھے کہ حرملہ نے چلّہ کمان میں جوڑ کر تیر مارا جس سے عبداللہ کی شہادت واقع ہوئی۔

❁ ❁ ❁

# امام علیہ السلام کی شہادت

دیر تک حضرت امام حسین علیہ السلام خستہ و مجروح برسرِ خاک باقی رہے، جبکہ آپؑ کو شہید کر دینے سے بظاہر کوئی امر مانع نہ تھا۔ مگر ہر شخص اس جرمِ عظیم کے ارتکاب سے بچنا چاہتا تھا۔ شمر للکارا کہ آخر اب کیا انتظار ہے؟ آخر مالک بن نسر آگے بڑھا، اُس نے آپؑ کے سر پر تلوار لگائی جس کا سۂ سر تک پہنچ گئی۔ بالآخر زرعہ بن شریک کی تلوار، سنان بن انس کا نیزہ اور پھر شمر بن ذی الجوشن کا خنجر وہ تھا جس نے حق کے اس مجسمہ کی شمعِ حیات گل کر دی۔ سچائی کی گردن قلم ہوئی اور شہیدِ حق، شہیدِ انسانیت، شہیدِ راہِ خدا کا سر نیزہ پر بلند کر دیا گیا۔ 10 محرم 61ھ کی وہ یادگار تاریخ، جمعہ کا دن ہے کہ انسانی تاریخ کا یہ سب سے اہم واقعہ رونما ہوا۔

۞ ۞ ۞

# شہادت کے بعد

حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپؑ کے اقرباء و انصار کے شہید کیے جانے پر مظالم کا خاتمہ نہیں ہوا بلکہ آپؑ جو لباس پہنے ہوئے تھے، وہ بھی اُتار لیا گیا۔ اسحاق بن حیٰوۃ حضرمی نے قمیص لی، بحر بن کعب نے زیر جامہ، اخنس بن مرشد نے عمامہ، بنی دارم کے ایک شخص نے تلوار اور قیس بن اشعث نے قطیفہ (چادرِ یمانی) جو خز کی تھی، لے لی۔ اسی لئے کوفہ میں وہ ''قیس قطیفہ'' کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔

اس کے بعد یزیدی فوج نے خیامِ اہلِ بیتؑ نبوی پر چھاپہ مارا اور ان کا تمام اسباب و سامان لوٹ لیا، حتیٰ کہ مخدراتِ عصمت کے سروں سے چادریں تک اُتار لیں۔ اس کے بعد خیموں میں آگ لگا دی گئی اور عمر سعد نے اپنی فوج میں آواز دی کہ کون کون ایسے ہیں جو لاشِ حسینؑ کو گھوڑوں سے پامال کرنے کیلئے تیار ہوں؟ اس پر دس آدمی آمادہ ہوئے جنہوں نے لاشِ مطہر کے ساتھ اس ظلم کو بھی انجام تک پہنچایا۔

سرِ امام حسین علیہ السلام، جو تن سے جدا کیا جا چکا تھا، خولی بن یزید اصبحی کے ہاتھ ابن زیاد کے پاس پہلے روانہ کیا گیا۔ پھر کچھ شہداء کے سر قطع کر کے، اس کے بعد شمر بن ذی الجوشن، قیس بن اشعث، عمرو بن الحجاج اور عزرہ بن قیس کے ساتھ روانہ کیے گئے۔ امام حسینؑ کے پسماندگان میں صرف ایک بیمار فرزند حضرت علی ابن الحسینؑ، پردہ نشین خواتین اور کچھ چھوٹے بچے رہ گئے تھے جو رات بھی خیموں کے جلنے کے بعد اس کھلے ہوئے صحرا میں مقیم رہے۔

11 محرم کو عمر بن سعد نے اپنی فوج کے کشتوں کو جمع کیا اور ان پر نمازِ جنازہ پڑھ کر دفن کیا مگر شہدائے راہِ خدا کی لاشیں اسی طرح بے دفن چھوڑ دیں اور شام ہوتے ہوتے اہلِ بیتِؑ رسولؐ کو بطور قیدی ساتھ لے کر ابن سعد کوفہ کی جانب روانہ ہو گیا اور بقیہ شہداء کے سروں کو جو تعداد میں بہتر (۷۲) تھے، نیزوں پر بلند کر کے ساتھ لے گئے۔

لاش ہائے بے سر کو لشکر یزید کے کربلا سے چلے جانے کے بعد قبیلہ بنی اسد نے جو کربلا سے تھوڑی دور پر غاضریہ میں رہتا تھا، آ کر دفن کیا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کو اسی مقام پر، جہاں کہ اس وقت ضریح موجود ہے، اور آپؑ کے پائین پا علی اکبرؑ کو، جنابِ عباسؑ غاضریہ کے راستے پر نہر فرات کے قریب، جہاں کہ آپؑ شہید ہوئے تھے اور دوسرے اعزہ اور اصحاب کو ایک گڑھا کھود کر یکجا دفن کر دیا جن کے قبور کا وثوق کے ساتھ معین کرنا موجودہ ماخذوں کے لحاظ سے غیر ممکن ہے۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ امام حسین علیہ السلام کے گرد و پیش ہی دفن ہیں اور حائر کا احاطہ ان سب کو گھیرے ہوئے ہے۔ شہداء کے سر جب کوفہ پہنچ گئے تو شمر نے ان سروں کو ابن زیاد کے سامنے پیش کیا۔

اس موقع پر ابن زیاد نے سرِ امام حسینؑ کے ساتھ بے ادبی کی جسارت کی اور وہ ایک چھڑی سے آپؑ کے لب و دندان پر ضرب لگانے لگا۔ یہ گستاخی دیکھ کر زید بن ارقم، صحابیِ رسولِؐ خدا کو تاب نہ رہی۔ انہوں نے کہا: ارے یہ لب وہ ہیں جن پر میں خود رسول اللہؐ کے لبوں کو

بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہ کہہ کر رونے لگے۔ ابن زیاد نے کہا: اگر تم بوڑھے نہ ہوتے اور عقل نہ جا چکی ہوتی تو میں ابھی تمہاری گردن مارنے کا حکم دے دیتا۔ زید بن ارقمؓ اُٹھ کر ابن زیاد کو بُرا کہتے اور مسلمانوں کو اس کی حکومت تسلیم کرنے پر لعنت ملامت کرتے ہوئے چلے گئے۔ ادھر اہلِ بیتؑ نبوت کا لٹا ہوا قافلہ قیدیوں کی شکل میں اسی شہر کوفہ میں، جہاں حضرت علی علیہ السلام کے دورِ حکومت میں زینبؑ و اُم کلثومؑ شہزادی کی حیثیت سے رہ چکی تھیں، لایا جا رہا تھا مگر قبل اس کے کہ حدودِ شہر میں داخل ہوں، حاکم کی طرف سے یہ منادی کر دی گئی تھی کہ اس موقعہ پر کوفہ میں کوئی شخص سلاحِ جنگ کے ساتھ گھر سے باہر نہ نکلے، نہ کوئی شخص ہتھیار لگائے ہوئے کوفہ کی سڑکوں پر دکھائی دے۔ اس کے علاوہ جگہ جگہ پر کسی خاص دہشت کے سبب سے سوار اور پیادوں کی بڑی تعداد میں پہرے بٹھا دیئے گئے۔ تماشائیوں میں سے بعض کو اصل واقعہ کی خبر تھی اور بعض بے خبر حکومت کے بیان ہر اعتبار کرتے ہوئے یہی سمجھتے تھے کہ اسلام کے مخالفین کی جماعت پسپا ہوئی ہے اور ان کے اہل و عیال گرفتار ہو کر آ رہے ہیں۔

سہل شہرزوری حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر عین اسی وقت کوفہ میں پہنچے، دیکھا کہ بازار سجا ہوا ہے، تماشائیوں میں سے اکثر چہروں پر مسرت کے آثار نمایاں ہیں مگر ان ہی میں سے بعض ایسے بھی ہیں جن کے چہرے اُداس ہیں۔ انہوں نے بڑھ کر ایک بوڑھے سے حال دریادت کیا، وہ ان کو ایک گوشہ میں لے گیا اور بچشم گریاں خاندانِ رسالت کی تباہی پر مندرجہ ذیل اشعار پر مشتمل مرثیہ پڑھ کر ان کو حقیقت حال سے مطلع کیا:

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حسینؑ کے قتل سے سورج کو گہن لگ گیا اور تمام آبادیاں مغموم ہو گئیں۔ ہائے افسوس! خاندانِ رسالت تو لوگوں کیلئے فریادرس تھا لیکن آج وہ خود مبتلائے مصیبت ہو گیا اور سچ تو یوں ہے کہ یہ مصائب بڑے عظیم اور سخت تھے۔ بہ تحقیق شہیدِ کربلا کی شہادت سے مسلمانوں کی گردنوں میں رسوائی اور ذلت کا طوق پڑ گیا اور دراصل وہ ذلیل ہو گئے''۔

ابھی یہ مرثیہ ختم بھی نہ ہوا تھا کہ شادیانوں کی آوازوں کے ساتھ ساتھ اہلِ بیتؑ رسول کا تباہ حال قافلہ شہر میں داخل ہو گیا۔ آگے آگے نیزوں پر شہداء کے سر تھے اور ان کے پیچھے اسرائے آلِ محمدؐ تھے۔ ایک عورت جو اس منظر کو اہلِ بیتؑ نبوت کیلئے سخت توہین و ذلت کا باعث سمجھ رہی ہوگی لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس وقت حسینؑ کی تبلیغ منتہائے شباب پر پہنچ گئی اور دعوتِ حق کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو گیا۔

اگر چشم حقیقت بین سے دیکھا جائے تو ایک طرف نیزہ پر حسین علیہ السلام کا سر جس کی پیشانی پر سجدۂ خالق کا نشان پڑا ہوا اور چہرے سے نور ساطع تھا اور دوسری طرف مخدراتِ عصمت، جو نامحرموں کے مجمع میں چادر و مقنع سے محروم کر دیئے جانے کے بعد بھی غیرت و حیاء کا مجسمہ، اخلاقِ محمدیہ کی تصویر بھی ہوئی جاہ و جلال کی چادروں میں پنہاں، طہارت و عفت کے لباس میں ملبوس تھیں۔ دونوں نے سچائی کے پیکر میں روح پھونک دی اور دنیا کی آنکھوں کے سامنے سے جہالت و ضلالت کے پردوں کو چاک کر کے پھینک دیا۔

اس موقعہ پر جبکہ آلِ رسول کا لٹا ہوا قافلہ کوفہ سے اس بیکسی کے عالم میں گزر رہا تھا کہ اس کو دیکھ کر پتھر کا دل بھی پگھل جاتا، زنانِ کوفہ نے فطری طور پر بے چین ہو کر رونا شروع کیا تو علیؑ ابن الحسینؑ (سیدِ سجادؑ) نے ضعف و ناتوانی کے باعث تھرائی ہوئی آواز میں کہا کہ تم نے تو ہمارا خون بہایا، اب تمہاری عورتیں ہمارے حال پر رو رہی ہیں؟ ہمارا اور تمہارا فیصلہ خدا کے سپرد ہے۔ پھر ذراغم والم کی تاثیر میں اضافہ

ہوا اور مرد و زن سب مل کر رونے لگے۔ آپؑ نے فرمایا کہ تم لوگ ہماری مصیبت پر نالہ وشیون کر رہے ہو؟ پھر آخر ہم کو تباہ و برباد کس نے کیا ہے؟ بشیر بن خزیم اسدی ناقل ہے کہ اس وقت زینبؑ بنتِ علیؑ نے مجمع کی طرف رُخ کیا اور موعظہ فرمانا شروع کیا۔ میں نے کبھی ایک پردہ نشین خاتون کو آپؑ کی طرح پرزور تقریر کرتے نہ سنا تھا۔ بس یہ معلوم ہوتا تھا کہ آپؑ کی زبان سے آپؑ کے پدرِ بزرگوار علیؑ ابن ابی طالبؑ بول رہے ہیں۔

آپؑ نے لوگوں کی طرف سکوت اختیار کرنے کا اشارہ کیا جس سے ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ آپؑ نے فرمایا:

''حمد کا سزاوار اللہ ہے اور صلوٰۃ و سلام میرے پدرِ بزرگوار محمد مصطفیؐ اور اُن کی عترت سے مخصوص ہے۔ اے اہلِ کوفہ! اے اہلِ مکر و دغا! تم روتے ہو؟ خدا کرے تمہارے آنسوؤں کا تھمنا نصیب نہ ہو اور تمہاری نوحہ و فریاد کی آوازوں میں سکون پیدا نہ ہونے پائے''۔

پھر آپؑ کی تقریر کا سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ آپؑ نے فرمایا:

''کیا تم لوگ سچ مچ آنسو بہا رہے ہو؟ اور چیخیں مار مار کر رو رہے ہو؟ حقیقتاً تمہارے لئے بھی یہی بہتر ہے کہ زیادہ روؤ اور کم ہنسو۔ تم نے سمجھنے کی کوشش بھی کی کہ کس طرح تم نے رسولِ خدا کے جگر کو چاک کیا؟ ان کے محترم اہلِ حرم کو بے پردہ کیا اور ان کی ہتکِ حرمت کی؟ کیا تم کو اس پر تعجب ہے کہ آسمان نے خون برسایا؟ یہ تو کچھ نہیں، آخرت کا عذاب بہت سخت ہوگا اور اس وقت تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ اس چند روزہ مہلت سے خوش نہ ہونا، خدا کو جلد بازی کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ اس کو موقع کے ساتھ سے جانے کا اندیشہ نہیں۔ بلاشبہ وہ تمہیں ایک وقت تک تمہارے حال پر چھوڑے گا''۔

راوی ناقل ہے کہ آپؑ کی اس دل ہلا دینے والی تقریر کے دوران میرے گرد و پیش تمام سامعین حالتِ اضطراب میں، دانتوں میں انگلیاں دبائے ہوئے رو رہے تھے اور ایک بوڑھے کو میں نے دیکھا کہ وہ کہہ رہا تھا کہ میرے ماں باپ تم پر نثار! تمہارے بوڑھے تمام دنیا کے بوڑھوں سے، تمہارے جوان تمام جوانوں سے، تمہاری عورتیں تمام عورتوں سے اور تمہاری نسل تمام نسلوں سے افضل و بہتر ہے۔ نہ وہ کبھی ذلیل کی جا سکتی ہے، نہ رسوا۔

آپؑ کے بعد حضرت اُم کلثومؑ بنت علیؑ اور حضرت زین العابدین علیہ السلام نے متعدد خطبے ارشاد فرمائے جن سے اہلِ کوفہ کی آنکھوں کے سامنے سے پردے ہٹ گئے اور حکومت نے بے خبری اور عوام فریبی کا جو طلسم قائم کیا تھا، وہ ٹوٹ گیا۔ حسینی شخصیت کا اثر اتنا زبردست تھا کہ خود امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں میں سے ایک جب سرِ حسینؑ لئے ہوئے دربارِ ابن زیاد میں پہنچا تو اس کی زبان پر حسینؑ ابن علیؑ اور آپؑ کی شخصی اور خاندانی خصوصیات کے تذکرہ میں مندرجہ ذیل اشعار جاری ہوئے:

''میرے پالانِ شتر کو طلا و نقرہ سے بھر دیجئے کیونکہ میں نے (آپ کی خاطر سے) ایک بڑے ذی عزت بادشاہ کو قتل کیا ہے، اُسے جو بچپنے میں دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھ چکا تھا اور حسب و نسب میں دنیا بھر سے بہتر تھا۔ میں نے اُسے قتل کیا ہے جس کے ماں باپ دنیا میں سب سے بہتر تھے۔

اُس کے ضمیر کی آواز اضطراری طور پر اس کے منہ سے باہر نکل رہی تھی۔ درآنحالیکہ اس نے محسوس نہ کیا کہ اس کے یہ الفاظ سیاستِ بنی اُمیہ کیلئے کس درجہ مضر ثابت ہو سکتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ابن زیاد نے غضبناک ہو کر اس سے کہا کہ اگر تو انہیں ایسا ہی سمجھتا تھا تو پھر انؑ کے قتل میں شریک کیوں ہوا؟ تجھے مجھ سے کسی اچھے سلوک کی توقع نہ رکھنا چاہئے بلکہ میں خود تجھے بھی ان ہی کے پاس بھیج دوں گا۔ چنانچہ وہ شخص اسی وقت قتل کر دیا گیا۔

ابن زیاد نے دربار میں پسماندگانِ حسین علیہ السلام کی حاضری کا حکم دیا۔ چنانچہ خاندانِ رسالت کو قیدیوں کی حیثیت سے لا کر ابن زیاد کے سامنے کھڑا کر دیا گیا۔ اس نے ان کا دل دُکھانے کیلئے امام حسینؑ کے دندانِ مبارک کو چھڑی سے ضرب لگانا شروع کیا۔ یہ بے ادبی دیکھ کر زید بن ارقم، صحابیِ رسولؐ نے کہا کہ یہ وہ لب و دندان ہیں جن کے جنابِ رسولِ اکرم بوسے لیا کرتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق انس بن مالک دربار میں موجود تھے، وہ روئے اور کہنے لگے کہ حسینؑ سب سے زیادہ آنحضورؐ سے مشابہ تھے۔

اس موقع کیلئے حضرت علی علیہ السلام کی بڑی بیٹی جنابِ زینب سلام اللہ علیہا نے پہلے ہی لباس میں تبدیلی کر لی تھی۔ خصوصیت کے ساتھ بہت پست اور معمولی درجہ کے کپڑے پہن لئے تھے اور اب اس وقت کنیزوں نے آپؑ کے گرد حلقہ باندھ لیا تھا مگر خلقی عظمت و جلال چھپانے سے نہیں چھپتے۔ چنانچہ ابن زیاد نے زینبؑ کبریٰ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا کہ وہ کون عورت ہے؟ تین دفعہ اُس نے یہی کہا مگر کچھ جواب نہ ملا۔ آخر ایک نیز نے کہہ دیا: ارے یہ زینبؑ بنتِ فاطمہؑ ہیں۔ یہ سن کر ابن زیاد جو فتح وظفر کے نشہ میں چور تھا، آپؑ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: خدا کا شکر ہے کہ اُس نے تم لوگوں کو رسوا کیا، تمہیں قتل کیا اور تمہارا جھوٹ ظاہر کر دیا۔

تم لوگوں کے خطاب کے ساتھ اس فقرہ میں کہ ''تمہارا جھوٹ ظاہر کر دیا'' بڑی وسعت تھی۔ اس میں قرآن، حدیث، رسالت اور وحی سب کا انکار مضمر تھا۔ اب اسلامی اصول پر حملہ ہو رہا تھا جس پر حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے خاموش رہنا اپنے لئے روا نہ جانا۔ فرمایا: حمد ہے اُس خدا کیلئے جس نے ہم کو عزت دی، محمد مصطفیٰؐ کے ساتھ اور ہمیں پاک و پاکیزہ قرار دیا۔ اس طرح جو حق ہے، پاکیزہ قرار دینے کا، نہ وہ کہ جو تو کہتا ہے، رسوا وہ ہوتا ہے جو فاسق و فاجر ہو اور جھوٹ اُس کا کھلتا ہے جس کے مدِنظر ہمیشہ سچائی نہ رہے اور وہ ہم نہیں، ہمارا غیر ہے۔

اگر غیرت ہوتی تو ابن زیاد کو منفعل ہونا چاہئے تھا مگر وہاں تو اقتدار کا نشہ ہے اور سلطنت کا غرور تھا۔ اسے خوامخواہ زینبؑ کا دل دُکھانے کا خیال پیدا ہوا اور کہنے لگا: دیکھا تم نے، اللہ نے تمہارے بھائی اور دیگر عزیزوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

یہ طنزیہ فقرہ ایک عورت کے دل پر جو اثر کر سکتا ہے، وہ ظاہر ہے مگر جنابِ زینبؑ نے متانت کے ساتھ جواب دیا: میں نے اچھا ہی اچھا دیکھا، وہ خاصانِ خدا وہ تھے جن کیلئے شہادت کا درجہ خطِ تقدیر میں لکھ دیا تھا اور وہ اپنے پیروں سے چل کر قربان گاہ کی طرف گئے اور وہ دن بھی دور نہیں کہ جب پیش خدا تیرا اور اُن کا مقابلہ ہوگا اور تجھ کو اپنے کرتوت پر جوابدہی کرنا ہوگی۔

اس پر ابن زیاد کو غصہ آ گیا اور اُس نے آپؑ کو تازیانہ سے ایذا رسانی کا ارادہ کیا مگر عمرو بن حریث وغیرہ کے سمجھانے سے باز رہا۔ پھر بھی اُس نے آپؑ کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ خدا نے میرے دل کی مراد پوری کر دی۔ تمہارے سرکش بھائی اور گھرانے کے دوسرے نافرمان اور باغی اشخاص کو قتل کر کے۔ اس کے طرزِ کلام سے جنابِ زینب سلام اللہ علیہا کے دل پر چوٹ لگی اور آپؑ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے مگر

آپؑ نے صبر وضبط سے کام لیتے ہوئے اس کے جواب میں کہا: ہاں! بے شک تو نے میرے عزیزوں کا قتل کیا ہے، میری شاخوں کو کاٹ ڈالا ہے اور میری جڑ کو اکھاڑ پھینکا ہے۔ اگر تیری مراد اس سے بر آ گئی ہے تو خوش ہو لے۔

اس نے کہا: یہ بڑی قافیہ باز عورت ہے اور اس کا باپؑ بھی تو شاعر اور قافیہ باز تھے۔ جنابِ زینبؑ نے پھر سکوت مناسب نہ سمجھتے ہوئے فرمایا: بھلا ایک عورت کو قافیہ بندی اور شاعری سے کیا تعلق؟ اور میں تو اس عالم میں ہوں کہ مجھے قافیہ بندی کا ہوش کہاں؟ لیکن دل کی آواز تھی جو کہہ دی ہے۔

اس کے بعد وہ امام حسین علیہ السلام کے بیمار فرزندؑ کی طرف مخاطب ہوا اور آپؑ کا نام دریافت کیا۔ آپؑ نے فرمایا: علیؑ بن الحسینؑ! وہ کہنے لگا: کیا اللہ نے علیؑ بن حسینؑ کو قتل نہیں کیا؟ آپؑ نے سکوت کیا۔ ابن زیاد نے کہا: کیوں کچھ بولتے کیوں نہیں؟ آپؑ نے فرمایا: میرے ایک اور بھائی کا نام بھی علیؑ تھا جن کو تیری سپاہ نے شہید کر دیا ہے۔ اس نے کہا: نہیں بلکہ اللہ نے قتل کیا ہے۔

آپؑ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

"اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا".

"اللہ ہی موت کے وقت روح قبض کرتا ہے"۔

یہ اور بات ہے، وہ بولا کہ یہ بچہ نہیں ہے، سمجھ دار ہے۔ لے جاؤ، اس کو بھی قتل کر دو۔ یہ سننا تھا کہ جنابِ زینبؑ کبریٰ دوڑ کر بھتیجے سے لپٹ گئیں اور کہا: مجھے بھی ان ہی کے ساتھ قتل کیا جائے۔ جنابِ زینبؑ کی اس بیتابی سے وہ ظالم بھی متاثر ہو گیا اور کہا: رہنے دو، ان عورتوں کو یہی لے کر جائے گا۔

لیکن موت پانے والے بیمار نے نہایت جرأت واستقلال کے ساتھ فرمایا: ابن زیاد! تو مجھے موت سے ڈراتا ہے؟ کیا تو نہیں جانتا کہ قتل ہونا ہماری عادت ہے اور شہادت ہماری فضیلت! وہ پُرشکوہ آواز تھی جو دربارِ ابن زیاد میں گونجی اور ہر شخص نے سہم کر اس کو سنا۔ ابن زیاد عرقِ انفعال میں ڈوب گیا۔ اُس نے دربار برخاست کر دیا لیکن قیدیوں کو اس وقت تک کیلئے قید خانے میں رکھے جانے کا حکم دیا جب تک کہ دمشق سے ابن زیاد کا قاصد اس کے تہنیت نامہ کا جواب لے کر واپس نہ آ جائے۔ اس کے بعد ابن زیاد نے تمام اہلِ کوفہ کو مسجد جامع میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو عبیداللہ بن زیاد نے منبر پر جا کر بطریق اعلانِ عام یہ ناروا کلمات اپنی زبان پر جاری کئے:

"شکر ہے خدا کا جس نے حاکم کو فتحیاب کیا ہے"۔

ان الفاظ میں اپنی فتح کا اعلان کرتے ہوئے جنابِ امیر علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کیلئے انتہائی نازیبا الفاظ استعمال کئے تھے جن کے سنتے ہی عبداللہ بن عفیف ازدی کھڑے ہو گئے۔ یہ شیعانِ علیؑ میں سے ایک تھے جن کی بائیں آنکھ جنگِ جمل میں جنابِ امیرؑ کی نصرت میں کام آئی تھی۔ پھر صفین میں سر پر ایک تلوار پڑی اور دوسری ضرب ابرو پر پڑی جس سے دائیں آنکھ بھی جاتی رہی۔

اب اُن کا دستور یہ ہو گیا کہ یہ صبح کو مسجد جامع میں آ جاتے تھے اور رات تک نمازوں میں مصروف رہتے تھے، پھر واپس جاتے

تھے۔انہوں نے ابن زیاد کے ان الفاظ کی رد کرتے ہوئے کہا: او پسر مرجانہ! تو جھوٹا اور تیرا باپ جھوٹا اور وہ جھوٹا جس نے تجھ کو حاکم بنایا اور اس کا باپ جھوٹا۔ او مرجانہ کے بیٹے! پیغمبر کی اولاد کو قتل کرنے کے بعد راست بازوں کی طرح کلام کرنا چاہتا ہے؟ ابن زیاد نے غضب ناک ہو کر سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ ان کو گرفتار کرلیں مگر عبداللہ نے اپنی قوم کو آواز دی جس کے سات سو جنگی جوان کوفہ میں موجود تھے۔

چنانچہ کچھ بہادر ازدی ان کی امداد کیلئے آگئے اور سپاہیوں کے ہاتھ سے اُن کو چھڑوا کر نکال لے گئے اور ان کے مکان پر پہنچا دیا۔ مگر رات کو مخفی طور پر ابن زیاد نے پھر ان کے گھر پر سے انہیں گرفتار کروایا اور بے رحمی کے ساتھ ان کو قتل کروادیا اور اُن کی لاشوں کو دوسروں کی عبرت کیلئے دار پر کھینچا۔

دوسرے دن ابن زیاد کے حکم سے سرِ امام حسین علیہ السلام کو کوفہ کے کوچہ و بازار اور تمام قبائل میں گردش دی گئی اور پھر دروازۂ قصر پر آویزاں کر دیا گیا۔ جس زمانہ میں اہلِ بیتؑ اطہار کوفہ میں اسیر تھے، عام خیال یہ تھا کہ یزید تمام قیدیوں کے قتل کر دیئے جانے کا حکم دے گا، اسی دوران میں کہ جب اسرائے آلِ محمد کوفہ میں قید تھے۔

ایک دن کسی نے قید خانہ میں ایک پتھر پھینکا جس میں اس مضمون کی ایک تحریر بندھی ہوئی تھی کہ آپ کے معاملات کیلئے ایک خط یزید کے پاس بھیجا گیا ہے۔ قاصد اس تاریخ کو جا رہا ہے اور اس تاریخ تک پلٹے گا۔ اگر نا وقت تکبیر کی آواز سنائی دے تو اپنے متعلق قتل کا یقین کر لیجئے گا اور اگر تکبیر نہ سنائی دے تو سمجھ لیجئے گا کہ انشاء اللہ امان ہے۔ لیکن قاصد کے آنے پر تکبیر کی آواز نہیں آئی کیونکہ یزید نے حکم دیا تھا کہ قیدیوں کو دمشق روانہ کردو۔

ابن زیاد نے حکم دیا کہ امام حسین علیہ السلام کے سر کو نوکِ نیزہ پر بلند کر کے تمام شہر میں گردش دی جائے۔ پھر تمام شہداء کے سروں کو زحر بن قیس وغیرہ چند آدمیوں کے سپرد کیا اور انہیں دمشق کی طرف روانہ کیا اور اُن کے عقب میں بیمار و ناتواں علیؑ ابن الحسینؑ کی گردن میں طوق ڈال کر اور اہلِ حرم کو اونٹوں پر سوار کر کے مخضر بن ثعلبہ عائذی اور شمر بن ذی الجوشن کی نگرانی میں روانہ کیا۔

خاندانِ رسولؐ کی تاراجی اور اپنی کامیابی کو نمایاں کرنے کیلئے عراق سے دمشق جانے کا وہ راستہ کیا گیا جس میں آبادیاں زیادہ پڑتی تھیں۔ راستے بھر امام زین العابدین علیہ السلام کا عالم یہ تھا کہ کسی سے کلام نہیں کرتے تھے، بالکل خاموش چلے جا رہے تھے۔ لیکن پسماندگانِ حسینؑ کے اس طرح تشہیر کئے جانے سے عام طور پر اُموی حکومت کے خلاف غم و غصہ کا اظہار کیا جانے لگا اور بہت سے مقامات پر بے چینی اور برہمی کے آثار نمودار ہوئے۔ بہر حال طرح طرح کے اندوہ و مصائب کو برداشت کرنے کے بعد یہ پسماندگان دمشق میں داخل ہوئے۔

اُس دن وہاں کے بازار خاص اہتمام سے سجائے گئے تھے اور مجمع کی یہ کثرت تھی کہ آفتاب نکلنے کے ساتھ ہی داخل ہونے کے باوجود کہیں زوال کے وقت دربارِ یزید میں پہنچ سکے تھے۔ جب خاندانِ رسالت کا یہ لٹا ہوا قافلہ بازار سے گزر رہا تھا تو ابراہیم بن طلحہ بن عبداللہ نے علیؑ ابن الحسینؑ سے طنزاً پوچھا کہ اے فرزندِ حسینؑ! فتح کس کی ہوئی؟ آپؑ نے جواب میں فرمایا: تم کو اگر معلوم کرنا ہے کہ فتح کس کی ہوئی تو نماز کے وقت جب اذان و اقامت کہنا، اس وقت معلوم کر لینا کہ کس کو فتح ہوئی اور کس کو شکست؟

جب اہلِ بیتؑ نبوت حالتِ اسیری میں دروازہ مسجد دمشق پر پہنچے تو ایک بوڑھا سامنے آیا اور اُس نے ان کو دیکھ کر کہا: حمد ہے اُس خدا کی جس نے تم کو قتل اور ہلاک کیا اور ملکوں اور شہروں کو تمہارے مُردوں سے خالی اور پُر امن بنایا۔ حاکم وقت یزید کو تم پر غلبہ عطا فرمایا۔ اس بوڑھے سے یہ کلمات سن کر بیمارِ کربلا حضرت علی ابن الحسین علیہما السلام نے فرمایا: اے شیخ! کیا تو نے قرآن میں یہ آیت پڑھی ہے؟

'قُلْ لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْراً اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی'

''کہہ دو (اے ہمارے حبیبؐ) کہ میں سوا اپنے ذوی القربیٰ (اہلِ بیتؑ) کی مودّت اور محبت کے تم سے اور کوئی اجر و معاوضہ اس تبلیغِ رسالت پر نہیں مانگتا''۔

بوڑھے نے کہا کہ ہاں! یہ آیت میں نے پڑھی ہے۔ آپؑ نے فرمایا: وہ رسولؐ خدا کے ذوی القربیٰ ہم ہی ہیں جن کی محبت تم پر فرض کی گئی ہے۔ پھر فرمایا: کیا یہ آیت پڑھی ہے؟

''وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی''.

''یاد رکھو کہ جو تم کچھ منفعت حاصل کرو اور جو مال بغیر مشقت پاؤ، اس میں سے پانچواں حصہ اللہ، رسولؐ اور اُن کے ذوی القربیٰ کا حق نکال دو''۔

اس نے عرض کیا کہ ہاں یہ آیت بھی پڑھی ہے۔ آپؑ نے فرمایا: وہ ذوی القربیٰ ہم ہی ہیں جن کا یہ حق خمس میں نکالنا واجب ہے۔ کیا یہ بھی پڑھا ہے:

''اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْراً''.

اس نے عرض کیا کہ بے شک پڑھا ہے۔ آپؑ نے فرمایا کہ وہ اہلِ بیتؑ نبوت ہم ہی ہیں جن کو خدا نے بُرائی سے پاک رکھا اور معصوم بنایا ہے۔ بوڑھا یہ سن کر حیران ہو گیا۔ اُس نے تصدیق کے طور پر دریافت کیا: ''خدا کی قسم! سچ سچ تم وہی ہو؟ آپؑ نے زور دے کر فرمایا: ہاں! قسم بخدا، ہم وہی آلِ رسولؐ، اہلِ بیتؑ نبوت، ذوالقربائے رسالت ہیں۔

بلا شک و شبہ اور اپنے جد رسولؐ اللہ ہی کی قسم کہ ہم وہی ہیں۔ یہ سننا تھا کہ بوڑھے نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔ عمامہ سر سے پھینک دیا، سر آسمان کی طرف بلند کیا اور کہا: خداوندا! گواہ رہنا کہ میں ہر دشمنِ آلِ محمدؐ سے، چاہے وہ جن ہو یا انس ہو، بیزار ہوں اور ان سے دوری چاہتا ہوں۔ پھر بیمارِ کربلا کی طرف مخاطب ہو کر پوچھنے لگا کہ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ آپؑ نے فرمایا: ہاں! اگر تم توبہ کرو تو قبول ہو گی اور تم ہمارے اصحاب میں شمار ہو گے۔ اُس نے عرض کی: میں توبہ کرتا ہوں اس گستاخی سے جو میں نے عدم معرفت کی بناء پر آپؑ کی شان میں کی تھی۔ اس واقعہ سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ بنی اُمیہ کے پچاس برس کے پروپیگنڈے کے نتیجہ میں عام مسلمان خصوصاً اہلِ شام کس حد تک آلِ محمدؐ سے نا آشنا ہو چکے تھے۔

ابن القفطی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ جس وقت اسرائے آلِ محمدؐ اور سرہائے شہداء دمشق میں داخل ہو رہے تھے۔ اس وقت

یزید اپنے محل کے بالا خانے پر جو مقام جیرون میں تھا، اس منظر کا مشاہدہ کرنے کیلئے موجود تھا اور جونہی سرہائے شہداء نیزوں پر دور سے نظر آئے، اس نے یہ اشعار پڑھے یعنی جب وہ سواریاں نظر آئیں اور ان سروں کا سایہ جیرون کے ٹیلوں پر پڑا تو کوا کائیں کائیں کرنے لگا (جو کہ نحوست کی نشانی سمجھی جاتی تھی) میں نے کہا: تو بول یا نہ بول، میں نے بہر حال پیغمبرؐ سے اپنے قرضے وصول کر لئے ہیں۔

ان دو شعروں سے ہی یزید کی غلط ذہنیت کا انکشاف صاف طور پر ہو جاتا ہے یعنی امام حسین علیہ السلام، آپؑ کے انصار اور اہلِ حرم کے خلاف جو جو مظالم کئے گئے تھے، ان کو وہ حضرت محمد مصطفیٰؐ سے قرضہ وصول ہونے کے برابر سمجھتا تھا۔

شہر دمشق میں داخل ہونے کے بعد یہ قافلہ اس دروازے کے پاس جو دربارِ شاہی سے قریب تھا، روک دیا گیا اور وہاں کافی دیر تک ٹھہرائے رکھے جانے کے بعد اس کو اذنِ حضوری ملا اور اس دربار میں جو خصوصیت کے ساتھ آراستہ کیا گیا تھا، خاندانِ رسالت مثلِ غلامانِ حبش و کنیزانِ ترک و دیلم اور طشتِ طلاء میں حسینؑ مظلوم کا سرِ مبارک یزید کے سامنے پیش کیا جا رہا تھا۔

زحر بن قیس نے غلط طور سے بڑھا چڑھا کر اپنی جماعت کی بہادری اور اصحابِ حسینؑ کی بے بسی کا نقشہ کھینچتے ہوئے روداد جنگ یزید کو سنائی جس کا مضمون یہ تھا کہ سرکارِ والا حسینؑ بن علیؑ عراق کی طرف آئے، اٹھارہ آدمیوں کو لئے ہوئے، اپنے اہلِ بیتؑ میں سے اور ساٹھ آدمیوں کے ساتھ اپنے شیعوں میں سے تو ہم ان کے مقابلے کیلئے گئے اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ غیر مشروط طریقہ پر اپنے آپ کو امیر عبید اللہ ابن زیاد کے سپرد کر دیں یا جدال و قتال پر آمادہ ہو جائیں۔ انہوں نے جنگ کو سپردگی کے مقابلہ میں ترجیح دی تو سورج نکلنے کے بعد ہی ہم نے ان کو چاروں طرف سے گھیر کر اس طرح حملہ کر دیا جس طرح کبوتروں پر شکرے حملہ کرتے ہیں۔ ان کو کسی طرف پناہ نہ ملتی تھی۔ چنانچہ زیادہ دیر گزرنے نہ پائی کہ اُن کا پورے طور پر خاتمہ کر دیا گیا اور ان کے جسم بے لباس خاک و خون میں آلودہ چھوڑ دیئے گئے۔ اس موقع پر یزید اپنے ندماء کے ساتھ بیٹھا ہوا شطرنج کھیل رہا تھا اور شراب کے نشہ میں یہ شعر گا رہا تھا:

یعنی ''کاش! میرے جنگِ بدر والے بزرگ زندہ ہوتے اور دیکھتے کہ دینِ محمدی کے انصار کس طرح نیزوں کے پڑنے سے گھر گئے ہیں تو وہ اس صورت میں خوش ہو کر مجھے دعائیں دینے لگتے۔ بنی ہاشم نے حصولِ سلطنت کا ایک کھیل کھیلا تھا، حقیقت میں نہ کوئی خبر آئی تھی اور نہ کوئی وحی نازل ہوئی تھی۔ یہ سننا تھا کہ جنابِ زینبؑ کبریٰ کھڑی ہو گئیں اور آپؑ نے معرکتہ الآراء تقریر شروع کی جس نے یزید کے جاہ و جلال کی تمام بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا۔ آپؑ نے فرمایا کہ کتنا سچا ہے میرے پروردگار کا ارشاد کہ آخر میں ان لوگوں کی جو بُرے اعمال کرتے ہیں، یہ نوبت پہنچی کہ وہ آیاتِ خداوندی کی تکذیب کرنے اور ان کی ہنسی اُڑانے لگے۔

تو نے اے یزید! یہ گمان کیا ہے کہ چونکہ تو نے ہم پر زمین و آسمان کے تمام راستوں کو بند کرتے ہوئے ہم کو اس حالت پر پہنچا دیا ہے کہ آج ہم تیرے سامنے قیدیوں کی طرح لائے جا رہے ہیں تو اس سے خدا کے نزدیک بھی ہم حقیر اور تو باعزت قرار پا گیا؟ یا یہ کہ تجھے یہ ظاہری کامیابی تیرے مقربِ بارگاہِ الٰہی ہونے کی جہت سے حاصل ہوئی ہے۔ اسی خیال کے ماتحت تو خوش ہو ہو کر اپنے شانوں پر نظر ڈال رہا ہے، اس لئے کہ اس وقت تجھ کو یہی دکھائی دے رہا ہے کہ دنیا تیرے حکم کی پابند اور اُمورِ مملکت منظم و مرتب ہیں اور سلطنت و حکومت تیرے لئے تمام خطرات سے پاک و صاف ہو گئی ہے۔ کیا تو بھول گیا خدا کے قول کو کہ نہ خیال کریں وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کر رکھا ہے کہ ہم جو

اُن کو مہلت دیتے ہیں، وہ ان کیلئے کسی بہتری کا باعث ہوگی۔

ہم ان کو صرف اس لئے مہلت دیتے ہیں کہ وہ خوب دل کھول کر گناہ کرلیں، بالآخر تو ان کیلئے حقارت آمیز سزا مقرر رہی ہے۔ کیا اسلامی غیرت وحمیت اس کی متقاضی ہے کہ تو اپنی عورتوں بلکہ کنیزوں تک کیلئے پردہ کا اہتمام کرے اور رسولؐ کی نواسیوں کو قید کرکے دربدر پھرائے اور پھر اس پر یہ کہنے کی جرأت کرے:

''لَاَهَلُّوا وَاسْتَهَلُّوا فَرَحًا''.

گویا تو اپنے مشرک بزرگوں سے داد کا طالب ہے؟ گھبرا نہیں، تھوڑے ہی دنوں میں تو بھی اسی گھاٹ اُتارا جائے گا اور اس وقت تو آرزو کرے گا کہ کاش! تیرے ہاتھ شل اور زبان گنگ ہوتی اور تو نے جو کچھ کہا اور کیا، وہ نہ کہا اور نہ کیا ہوتا۔ تیرے لئے اس سے بدتر کیا ہوسکتا ہے کہ روزِ حشر خدا فیصلہ کرنے والا، محمد مصطفیؐ تیرے مقابل میں اور جبرئیلؑ ان کی طرف سے دعویٰ کے گواہ ہوں گے۔ اس وقت ان لوگوں کو بھی جنہوں نے تیرے افعال کی تائید کی ہے اور تیرا ساتھ دے کر تجھے مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط کر رکھا ہے، معلوم ہوجائے گا کہ ظالموں کو کیسا بدلہ دیا جاتا ہے؟ اگرچہ انقلابِ زمانہ نے یہ نوبت پہنچا دی ہے کہ میں تجھ سے بات کر رہی ہوں، میری نظروں میں تیری کوئی وقعت نہیں، حتیٰ کہ تیری توبیخ وسرزنش کو بھی اپنے لئے ایک بڑی مصیبت خیال کرتی ہوں لیکن کروں کیا کہ دل بھرا ہوا ہے اور کلیجے میں آگ لگی ہے۔ خدا کی شان کہ خدا پرست افراد شیطانی لشکر کے ہاتھوں قتل ہوں۔

اچھا! (اے یزید تجھ کو قسم ہے) تو کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھ اور اپنی پوری کوشش صرف کرے گا اپنی تمام جدوجہد ختم کردے لیکن خدا کی قسم! تو ہمارے ذکر اور ہماری زندگی کو فنا نہیں کرسکتا اور نہ ہمارے اصلی مقصد کو تو پہنچ سکتا ہے۔ اس خونِ ناحق کا دھبہ تیرے دامن پر قیامت تک باقی رہے گا اور تو کبھی اس کو دھو نہیں سکتا۔ تیری رائے یقیناً غلط، تیری زندگی بہت محدود اور تیرے اردگرد کا مجمع بہت جلد تتر بتر ہونے والا ہے۔ وہ دن بہت نزدیک ہے جب منادی ندا دے گا کہ ظالموں پر خدا کی لعنت ہے۔ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمارے پیش رو بزرگوں کا انجام سعادت کے ساتھ اور ہمارے آخری بزرگ کا انجام شہادت ورحمت کے ساتھ مقرر کیا اور وہی ہمارے لئے کافی اور بہترین ناصر و معین ہے۔

اب یزید نے حضرت امام زین العابدینؑ کی دل آزاری کرنا چاہی اور آپؑ کو مخاطب کرتے ہوئے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی:

''وَمَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ''.

''جو مصیبت تم پر آئی، وہ تمہارے ہاتھوں آئی''۔

امام علیہ السلام نے دوسری قرآنی آیت پڑھتے ہوئے بتایا کہ ہم پہلی آیت کے مصداق نہیں ہیں بلکہ اس آیت کے مصداق ہیں:

''مَا اَصَابَ مِنْ مُصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِىْ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِىْ كِتَابٍ مُبِيْنٍ مِنْ قَبْلُ اَنْ نَبْرَاَهَا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ''.

مطلب یہ ہوا کہ ہماری مصیبت ایک عہدو پیمان کے مطابق ہے جو ازل سے قلمبند ہو چکا تھا اور جس کی تکمیل ضروری تھی۔

پیہم حق کے اعلانات نے حاضرین کی نگاہوں سے باطل کے پردے بھی ہٹائے اور جرأتِ اظہار بھی پیدا کی۔ چنانچہ جب یزید نے بھی لب و دندانِ حسینؑ کے ساتھ بے ادبی کا اعادہ کیا جو کوفہ میں ابن زیاد کر چکا تھا، غالباً اس خیال کے ماتحت کہ کوفہ شیعانِ علیؑ کا مرکز رہ چکا تھا، لہٰذا زید بن ارقم ___ ابن زیاد کو برسر دربار ٹوک دینے کی ہمت کر سکے، بھلا دمشق میں کس کی مجال ہوگی کہ مجھ پر معترض ہو سکے مگر ہوا یہاں بھی وہی۔

ابو برزہ اسلمی کھڑے ہو گئے اور کہا: ارے تو اپنی چھڑی اس لب و دندان پر لگاتا ہے جسے میں نے اکثر دیکھا کہ اس پر رسولؐ اللہ اپنا منہ رکھتے تھے؟ یاد رکھ کہ قیامت کے دن تیرا انجام بہت ہی بُرا ہوگا۔

حکومت ان کے پیش نظر نہ تھی کہ سلطنت کا مالک اللہ ہے، جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے سلب کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے۔ وہ ہر شے پر قادر ہے۔

اس تقریر سے ظاہر ہے کہ اوصافِ امتیازی کے مقابلہ میں یزید نے اپنی شکست کا اقرار کر لیا۔ مگر آخر میں دلیل وہی قہر و غلبہ کی پیش کر دی جس کی بناء پر ضرور فرعون و شداد تک بے جرم و خطا ثابت کئے جا سکتے ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ معیارِ حقانیت نہیں ہے، نہ قرآن کی آیت کا یہ مطلب ہے۔

خاندانِ بنی اُمیہ کا ایک شخص یحییٰ بن الحکم ان حالات سے اتنا متاثر ہوا کہ اعلانیہ اُس نے اپنے اشعار میں حسین علیہ السلام کی شہادت پر اظہارِ رنج و ملال اور ابن زیاد کو بُرا کہنا شروع کر دیا۔ اس پر یزید نے یحییٰ کے سینہ پر ہاتھ مارا اور کہا: خاموش نہیں رہتے ہو؟

اتنا ہی نہیں بلکہ یزید کی بیوی ہند بنت عبداللہ بن عامر بن کریز تو دربار میں نکل آئی کہ ارے رسولِ اکرم کی بیٹی کے لعل کا سر اور اس طرح؟ پھر بھی ایسا نہیں ہوا کہ اہلِ بیتؑ نبوت کو فوراً مدینہ روانہ کر دیا جاتا بلکہ وہ عرصہ تک زندان میں قید رہے۔ بے شک جب ملک میں بے چینی کے آثار نظر آئے اور سیاسی طور پر اپنی غلطی کا احساس ہا تو اب اس نے اہلِ بیتؑ رسولؐ کو رہا کر دیا اور انؑ کیلئے ایک مکان خالی کروا دیا جس میں دمشق کی خاص خاص گھرانوں کی عورتوں نے آ کر اہلِ بیتؑ حسینؑ کو حسین علیہ السلام کا پُرسہ دیا اور تین دن تک امامؑ مظلوم کا ماتم برپا رہا۔

نعمان بن بشیر انصاری کو، جو جنابِ مسلم بن عقیلؑ کے ساتھ تشدد نہ کرنے کے جرم میں کوفہ کی حکومت سے معزول کر دیئے گئے اور اس کے بعد سے وہ دمشق میں گویا نظر بند رکھے گئے تھے، آلِ محمدؐ کا سمجھ کر ہدایت کی گئی کہ وہ پسماندگانِ حسینؑ کو عزت و احترام کے ساتھ مدینہ پہنچانے کا انتظام کریں۔ اب یزید امام حسین علیہ السلام کے قتل سے اپنے کو بری ظاہر کرنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا، اس لئے اُس نے امام زین العابدین علیہ السلام کو تنہائی میں اپنے پاس بلایا اور کہا کہ خدا ابن مرجانہ پر لعنت کرے۔ اگر براہِ راست آپؑ کے والد کا اور میرا سامنا ہو جاتا تو جو کچھ وہ فرماتے، میں منظور کر لیتا اور کبھی انؑ کو قتل کرنا گوارا نہ کرتا۔ بہر طور خدا کو جو منظور تھا، وہ ہوا۔ اب آپؑ مدینہ تشریف لے جایئے اور وہاں سے مجھے خط لکھتے رہئے گا اور جو بھی ضرورت ہو، اُس سے مجھے مطلع کیجئے گا۔

اس کے بعد تیس آدمی نعمان بن بشیر کے ساتھ کئے گئے اور نعمان نے حسب ہدایت اہلِ بیتؑ رسالت کے ساتھ بھرپور احترام کا برتاؤ رکھا اور انؑ کو مدینہ تک پہنچایا۔ اس لٹے ہوئے قافلے کے پہنچنے سے مدینہ میں ایک کہرام برپا تھا۔ پردہ نشین خواتین تک بے تابانہ گھروں سے نکل آئیں۔ چنانچہ خاندانِ عبدالمطلب کی ایک خاتون کا یہ عالم تھا کہ وہ بال بکھرائے ہوئے دردانگیز نوحہ پڑھ رہی تھیں جس کا مضمون یہ تھا کہ روزِ قیامت رسولؐ خدا کو کیا جواب دوگے، جب وہ پوچھیں گے کہ تم نے میرے بعد میرے اہلِ بیتؑ سے کیا سلوک کیا؟ جن کا عالم یہ تھا کہ کچھ ان میں سے قیدی بنائے گئے ہیں اور کچھ خاک وخون میں آغشتہ ہوئے۔ کیا میری خدمات کا یہی صلہ تھا کہ تم میری اولاد کے ساتھ میرے بعد یہ سلوک کرو؟

❁ ❁ ❁

# حضرت امام زین العابدین علیہ السلام

حضرت علیؑ ابن الحسینؑ، زین العابدینؑ اور سید سجادؑ آپؑ کے مشہور القاب تھے۔ آپؑ امام حسین علیہ السلام کے سب سے بڑے فرزند تھے۔ آپؑ کے ذریعہ سے قدرت کو عرب اور عجم کے کمالات کو ایک مرکز پر جمع کرنا تھا، اس لئے کہ شہر بانو یعنی آپؑ کی والدۂ گرامی یزد جرد آخری بادشاہِ ایران کی بیٹی تھیں۔ 37ھ میں آپ کی ولادت ہوئی جبکہ حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کوفہ میں مسند خلافت پر متمکن تھے اور ابھی آپؑ کا سن پورے تین سال کا بھی نہ ہونے پایا تھا کہ ۲۱ رمضان ۴۰ھ کو علیؑ ابن ابی طالبؑ کی شہادت واقع ہوئی، پھر آپؑ پورے بارہ سال کے نہ ہوئے تھے کہ ۲۸ صفر ۵۰ کو آپؑ کے چچا حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام زہر دغا سے شہید کر دیئے گئے۔

۶۰ھ میں آپؑ کی عمر 22 سال سے کچھ زائد تھی جب 28 رجب کو اپنے والد بزرگوار امام حسین علیہ السلام کے ساتھ عراق کیلئے روانہ ہوئے۔ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ راستے میں یا کربلا پہنچنے کے بعد کہاں آپؑ بیمار ہو گئے۔

بہرصورت 10 محرم 61ھ کو امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے موقعہ پر آپؑ اس قدر بیمار تھے کہ نشست و برخاست مشکل تھی اور ظاہر ہے کہ ساتویں محرم کو پانی بند ہونے کے بعد پھر آپؑ کو بھی تشنگی کی مصیبت اُٹھانا پڑی جس سے ضعف و اضمحلال میں اضافہ ہو ہی جانا چاہئے تھا۔ اس کا نتیجہ تھا کہ آپؑ نصرتِ حسینؑ میں اس طرح شرکت نہ کر سکے جس طرح آپؑ کے دوسرے بھائیوں نے کی۔

مگر قدرت کو آپؑ کا امتحان دوسری طرح لینا منظور تھا۔ عاشور کے بعد آپؑ دشمنوں کے ہاتھوں بہنوں، پھوپھیوں اور دیگر عزیز خواتین کے ساتھ پابہ زنجیر ہو کر کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام لے جائے گئے۔ دربارِ ابن زیاد میں آپؑ کی گفتگو اور یزید کے روبرو آپؑ کے پُرزور احتجاج کا تذکرہ اس سے پہلے کیا جا چکا ہے۔ شام سے رہائی کے بعد آپؑ مدینہ میں رہے اور پوری زندگی عبادتِ خدا میں گزار دی۔ آپؑ کی عبادت کے متعلق وارد ہے کہ جب آپؑ نماز کیلئے وضو کرتے تھے تو آپؑ کا چہرہ زرد ہو جاتا تھا اور کوئی اس کا سبب دریافت کرتا تو آپؑ فرماتے تھے: تم کو نہیں معلوم کہ کس کی بارگاہ میں حاضری دینے جارہا ہوں۔

ترکِ دنیا اور سادگی میں آپؑ کی زندگی حضرت امیر علیہ السلام کی سیرت کا نمونہ تھی۔ اسی کے ساتھ مدت العمر میں آپؑ احکامِ شرع اور علومِ اہلِ بیتؑ نبوت کی خاموشی کے ساتھ تعلیم بھی دیتے رہے، پھر پوشیدہ طریقہ پر راتوں کو غریبوں اور مسکینوں کیلئے کھانا بھی پہنچایا کرتے تھے، اس طرح کہ خود انہیں بھی معلوم نہ ہوتا تھا کہ کون دے گیا ہے۔

جب آپؑ کی وفات ہوئی اور لوگوں کو آزوقہ پہنچنا بند ہوا تو اُس وقت پتہ چلا کہ وہ آپؑ تھے جو دے جاتے تھے۔ فرزدق کا قصیدہ آپؑ کی شان میں، جو مکہ معظمہ میں حج کے موقعہ پر انہوں نے نظم کیا تھا، ادب عربی کا ایک مخصوص شاہکار ہے۔ خود آپؑ کی دعاؤں کا مجموعہ ''صحیفہ کاملہ'' سے علومِ اسلامی میں مشہور و معروف ہے جس میں معارف کا دریا موجیں مارتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کو ''زبورِ آلِ محمدؐ'' کے نام

سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ افسوس ہے کہ آپؑ کی اس خاموش اور خالص روحانی زندگی کو بھی طاغوتی سلطنت نے برداشت نہ کیا اور آپؑ نے 94ھ یا 95ھ میں زہر سے وفات پائی اور جنت البقیع میں اپنے چچا حضرت امام حسن علیہ السلام کی قبر کے پاس دفن ہوئے۔

# حضرت زینبؑ بنتِ علیؑ

آپؑ حضرت علی ابن ابی طالب علیہما السلام اور جنابِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا بنت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بڑی بیٹی اور پیغمبرؐ اسلام کی بڑی نواسی تھیں۔ اس حیثیت سے آپؑ پسماندگانِ حسینؑ میں سب سے نمایاں شخصیت تھیں۔ جب آپؑ کے جد بزرگوار حضرت محمد مصطفےٰؐ اور والدۂ گرامی جنابِ فاطمہ زہراؑ کی وفات ہوئی تو آپؑ بہت کم سن تھیں۔ ان کے بعد آپؑ اپنے والد ماجد حضرت علیؑ کے سایۂ تربیت میں پروان چڑھیں اور حضرتؑ نے آپؑ کی شادی اپنے حقیقی بھتیجے عبداللہ ابن جعفر کے ساتھ کی۔

حضرت علیؑ محبت وشفقت کے لحاظ سے زینبؑ کے ساتھ حسنؑ وحسینؑ کے برابر برتاؤ کرتے تھے۔ چنانچہ اپنی شہادت سے قبل ماہِ رمضان میں آپؑ کے افطار کے دنوں کو، جو اپنی اولاد پر تقسیم فرمایا، وہ اس طرح کہ ایک رات امام حسنؑ کے یہاں افطار فرماتے تھے، ایک رات امام حسینؑ کے یہاں اور ایک رات عبداللہ ابن جعفر کے مکان پر یعنی اپنی صاحبزادی جنابِ زینبؑ کے یہاں!

واقعہ کربلا تک کم وبیش پچاس برس کی طولانی مدت میں غیر معمولی واقعات پیش آئے اور ان میں آپؑ نے غیر معمولی قوتِ برداشت کے مناظر کا کم از کم تین زندہ مثالوں میں برابر مشاہدہ فرمایا۔ یہی وہ بنیاد تھی جس پر آپؑ کے کردارِ بلند کی وہ مستحکم عمارت قائم ہوئی جسے کربلا کے مصائب بھی ذرّہ بھر متزلزل نہ کر سکے۔

مدینہ سے لے کر کربلا تک حضرت زینب سلام اللہ علیہا ہر منزل میں بالکل حضرت امام حسینؑ کے ساتھ تھیں اور اس لئے اب تک کے جتنے واقعات اس کتاب میں درج ہوئے، ان سب کو زینبؑ کبریٰ ہی کی روئیدادِ حیات کو سمجھنا چاہئے۔ ان میں سے بعض واقعات میں آپؑ کا ذکر صفحہ تاریخ پر نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ چنانچہ قیامِ کربلا کے بعد ایک موقعہ وہ ہے جب بہن نے بھائی کی زبانی وہ حسرت آمیز اشعار سنے جن کا مطلب یہ تھا کہ زمانہ کا اندازہ صبح وشام یہی ہے کہ کوئی نہ کوئی لقمہ اجل ہوتا ہے اور ہر ذی روح کو اسی راستے پر جانا ہے۔ ان اشعار سے زینبؑ کبریٰ نے محسوس کیا کہ بھائی خود اپنی کہانی سنا رہے ہیں۔ وہ بیتابانہ بھائی کے پاس آئیں اور کہا: ہائے کاش! میں دنیا سے گزر چکی ہوتی۔ ارے آج محسوس ہو رہا ہے کہ میری ماں کا سایہ سر سے اُٹھا۔ میرے ماں باپ اور میرے بھائی حسنؑ آج ہی مجھ سے جدا ہو رہے ہیں۔ آپؑ ہی تو اب ان سب کے جانشین ہیں۔ امام حسینؑ نے بہن کو صبر کی تلقین فرمائی۔ جنابِ زینبؑ نے کہا: کیوں بھائی! کیا آپؑ بالکل مرنے پر تیار ہو گئے ہیں؟

حضرتؑ نے ایک عربی کی مثل زبان پر جاری فرمائی:

"لَوْ تُرِکَ الْقَطَالَیْلاً لَنَامَ".

مطلب یہ تھا کہ اس کے سوا چارہ ہی کیا ہے؟ یہ سن کر حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی بے چینی اور بڑھی اور کہا: ہائے غضب! اس کا

مطلب یہ ہے کہ آپؑ کو زبردستی ہم سے چھین لیا جائے گا؟ یہ کہہ کر اپنے منہ پر طمانچے مارے، گریبان چاک کیا اور غش کھا کر گر پڑیں۔ امامؑ کسی طرح بہن کو ہوش میں لائے اور بصیرت افروز الفاظ میں بہن کو صبر کی ہدایت فرما کر قسم دی کہ میرے بعد گریبان نہ پھاڑنا، منہ نہ نوچنا اور واویلہ کہہ کر نوحہ نہ کرنا۔ پھر بہن کو لے جا کر اس جگہ بٹھا دیا جہاں امام زین العابدین علیہ السلام بیماری کے عالم میں لیٹے ہوئے تھے تا کہ پھوپھی بھتیجے کی تیمارداری میں مصروف ہو جائیں اور ان کی توجہ اسی طرف مرکوز رہے۔ زینبؑ کبریٰ نے اپنے بھائی کی اس وقت کی ہدایات کو سخت سے سخت مواقع پر بھی پیش نظر رکھا اور مصائب کی انتہائی شدت کے باوجود ایسی بیتابی کا مظاہرہ نہیں کیا کہ دشمنوں کو شماتت کا موقع ملے۔ پھر نویں محرم کی عصر کو جب فوجِ دشمن نے حملہ کیا ہے تو جنابِ زینبؑ ہی تھیں جنھوں نے جا کر امام حسینؑ کو اس صورتحال کی طرف متوجہ کیا۔

روزِ عاشور جب امام علیہ السلام رخصت کیلئے تشریف لائے تو آپؑ نے جنابِ زینبؑ ہی سے وہ پیرہن لے کر پہنا جسے جا بجا سے چاک کر لیا تا کہ دشمن لوٹنے کے وقت بوسیدہ ہونے کی وجہ سے شاید اس پیرہن کو نہ لیں اور آپؑ کی لاش بے لباس نہ ہو۔ اس کے بعد زینب کبریٰ کی آنکھوں کے سامنے وہ مناظر پیش کئے جن کا تصور بھی لرزہ براندام کرنے کیلئے کافی تھا۔ بھائی کی شہادت، خیموں کی لوٹ اور پھر آتشزدگی اور اس کے بعد اسیری ان تمام مراحل کو جنابِ زینبؑ نے ضبط و صبر کے ساتھ طے کیا۔

11 محرم کی صبح کو جب پسماندگانِ حسینؑ قیدی بنائے جا چکے اور لٹا ہوا قافلہ کوفہ کی طرف روانہ کیا گیا تو قتل گاہ سے ہو کر گزرا کہ جہاں افواجِ یزید کے مقتولین کو دفن کئے جانے کے بعد شہدائے راہِ خدا کی لاشیں بے غسل و کفن خاک و خون میں آلودہ چھوڑ دی گئی تھیں، اس جگر خراش منظر سے بیمار و ناتواں علیؑ ابن الحسینؑ کا وہ عالم ہوا جسے دیکھ کر جنابِ زینبؑ بیتاب ہو گئیں اور دریافت کیا کہ اے یادگارِ رفتگان! یہ تمہاری کیا حالت ہے کہ روح تمہارے جسم سے پرواز کیا چاہتی ہے؟

بھتیجے نے جواب دیا: اے پھوپھی! اس منظر کو دیکھ کر کس طرح برداشت کروں کہ میرے پدرِ بزرگوار اور چچا اور بھائی، غرضیکہ تمام عزیز و اقارب کو دیکھ رہا ہوں کہ سب کے سب اس میدان میں اپنے خون میں نہائے بے دفن و کفن پڑے ہیں اور کوئی ان کا نگران ہے نہ پُرسان۔ اس نازک موقع پر جنابِ زینبؑ ہی کا کام تھا کہ انہوں نے امام زین العابدینؑ کو تسلی اور دلاسہ دیا۔

اس کے بعد کوفہ کا بازار، حالانکہ اس سے پہلے آپؑ نے کسی مجمع میں کوئی تقریر نہ کی تھی مگر جب آپؑ نے ماحول کے انتہائی خلاف ہونے کے باوجود تقریر شروع کی (جس کا تذکرہ پہلے کیا جا چکا ہے) تو جتنا مجمع آپؑ کے حدِ نظر میں تھا، آپؑ کے ایک اشارے پر خاموش ہو گیا۔ اس تقریر میں آپؑ نے اپنی زندہ و ہناک حالت کا تذکرہ نہیں کیا اور نہ اس بناء پر ان سے کسی رحم و کرم کی التجا کی بلکہ ان کی بداعمالیوں پر سیر حاصل تبصرہ فرماتے ہوئے ان کو اپنے نفوس کا جائزہ لینے اور ان کے متعلق خود فیصلہ کر لینے کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ وہ آنکھیں جو قیدیوں کا تماشہ دیکھنے کیلئے ان کی طرف اُٹھی تھیں، زمین پر گڑ گئیں اور مجمع میں ہر متنفس خود کو مجرم محسوس کرنے لگا۔ پھر دربارِ عام میں جب خاص طور پر ابن زیاد نے گفتگو کی تو وہاں بھی آپؑ نے علوی فصاحت و بلاغت کے وہ جوہر دکھائے جن کا اپنے طریقہ پر ابن زیاد کو بھی اعتراف کرنا پڑا اور جن کا اس کے پاس سوائے ارادۂ تشدد کے کوئی جواب نہ تھا۔

اس کے بعد پھر دربارِ یزید میں آپؑ کی گفتگو جس کا ذکر بھی پہلے ہو چکا ہے، کوئی شک نہیں کہ ایسے سخت اور ناخوشگوار ماحول میں اپنے سکونِ دماغ کو قائم رکھنا اور اپنے محسوسات کے پورے اظہار پر قادر ہونا بس زینبؑ کبریٰ کا کام تھا۔ رہائی کے بعد ظالم کے دارالسلطنت میں مظلوم کا ماتم برپا کرنا بھی آپؑ ہی کا کارنامہ تھا اور یہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد پہلی مجلس عزا تھی جو اسی سوگوار بہنؑ نے برپا کی تھی۔

۞ ۞ ۞

## چوتھا باب

# روایات

منقول از

خطیبِ آلِ محمدؐ

علامہ سید اظہر حسن زیدیؒ

# شہادتِ حبیب ابن مظاہرؒ

دیکھو نا! سینکڑوں کی تعداد میں آدمی کربلا میں حسینؑ کے ساتھ آرہے تھے اور ہر منزل پر حسینؑ اُن سے کہہ رہے تھے: بھائیو! میں لڑنے نہیں جارہا ہوں، کوئی ملک فتح کرنے نہیں جارہا ہوں، کوئی مالِ غنیمت نہیں ملے گا۔ میں مرنے جارہا ہوں، میں تباہ و برباد ہوجاؤں گا، میرا گھر لٹ جائے گا، میرے بچے ذبح ہوجائیں گے، ہمیں قبر نہیں ملے گی، ہمیں کفن نہیں ملے گا۔ جو میرے ساتھ ہوں گے، اُن پر بھی یہی گزرے گی۔ تم واپس چلے جاؤ۔ چنانچہ بڑے اچھے اچھے لڑنے والے جوان واپس چلے گئے اور جاتے جاتے چھٹ کے صرف بہتر (۷۲) رہ گئے۔ اب چونکہ امامؑ نہیں چاہتے تھے، اُنؑ کی ضرورت نہیں تھی، اس لئے انہیں رخصت کردیا، اس لئے کہ انہیں محبت نہیں تھی۔ ساتھ تو ہو لئے تھے مگر محبت نہیں تھی۔ اس لئے اُن ساتھ آنے والوں کو رخصت کردیا اور جس سے محبت تھی، اُسے گھر بیٹھے کو خط بھیج کر بلا لیا۔ ورنہ بتایئے، اگر ضرورت تھی تو انہیں کیوں جانے دیا؟ اور اگر ضرورت نہیں تھی تو اس بوڑھے آدمی کو کیوں بلایا؟ مگر حسینؑ خط لکھ رہے ہیں اور خط کی صرف دو سطریں لکھیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت بہت ہی پریشانی کا عالم ہوگا۔ اس لئے طویل خط نہیں لکھ سکے، بڑی پریشانی کے عالم میں مختصر سا خط لکھا اور خط کی عبارت کیا تھی؟

''بھائی حبیب! یا اخی حبیب!''

حبیب کا دل تو ''بھائی'' کا لفظ پڑھ کر ایک دم اُلٹ پلٹ گیا۔ حسینؑ اور مجھے بھائی کہے؟ بھائی حبیب! میں تمہارے علاقے میں آگیا ہوں، بڑی سخت مصیبت میں پھنس گیا ہوں، اگر مناسب سمجھو تو میری مدد کو آؤ۔ اور آخری فقرہ جس نے حبیب کے کلیجے کے ٹکڑے کردیئے، وہ یہ تھا: حبیب! میں تمہیں کبھی تکلیف نہ دیتا مگر مجبوری یہ بن گئی ہے کہ میرے ساتھ میری بہنیں اور بیٹیاں ہیں، مخدراتِ عصمت میرے ساتھ ہیں۔ بہر نوع مولاؑ نے خط لکھا اور حبیب آگئے۔

پھر حسینؑ کی چھوٹی سی فوج کی روح بن گئے۔ حبیب روح تھے حسینؑ کی چھوٹی سی فوج کے۔ اور میں اپنے بیان کو یہاں آکر ختم کردیتا ہوں کہ بی بی زینبؑ کو اپنے بھائی کے اس بھائی (حبیب) پر اتنا اعتماد تھا کہ جب شامِ عاشور خیمے جلنے لگے اور زینبؑ پریشان ہوئی ہیں تو بی بیؑ نے پریشان ہوکر حسینؑ کو نہیں پکارا، عباسؑ کو نہیں پکارا، ایک دم گھبرا کے فرماتی ہیں: بھائی حبیب! آؤ، دیکھو، ہم پر کیا گزری ہے؟

اور بزرگانِ من! جب قافلہ آلِ محمدؐ کوفے میں داخل ہوا، آگے آگے مہار پکڑے ہوئے امام زین العابدین علیہ السلام چلتے چلتے ٹھہر گئے۔ وہ ٹھہرے تو ناقہ ٹھہرا اور جب ناقہ ٹھہرا تو اُس پر سوار بی بیؑ نے یہ سمجھا کہ شاید بھتیجے کو کوئی تکلیف ہوگئی ہے۔ گھبرا کے پوچھتی ہیں: بیٹا زین العابدینؑ! کیا بات ہے؟ امام علیہ السلام فرماتے ہیں: پھوپھی اماں! کچھ نہیں۔ اب بی بیؑ پوچھتی ہیں: بیٹا! یہ کون ہے تمہارے ساتھ؟ تو امامؑ نے فرمایا: اماں! یہ چچا حبیب کا بیٹا ہے۔ ہم حبیب کے محلے سے گزر رہے ہیں۔ وہیں سے بی بیؑ نے آواز دی: حبیب کے بچے، میرے بھتیجے،

برخوردار! اماں کہاں ہے؟ میں اُسے حبیب کا پُرسہ دوں گی۔ سامنے ایک مکان کی چھت سے آواز آئی، بی بی! صبح سے آپ کے استقبال کیلئے بیٹھی ہوں۔

حضور والا! یہ محبت کے کرشمے ہیں۔ آج کربلائے معلیٰ جا کے دیکھو، گنج شہیداں ایک طرف ہے اور حبیب کی ضریح ایک طرف ہے۔ روضہ حبیب حرم کے برآمدے میں ہے۔ بالکل یوں معلوم ہوتا ہے کہ حسینی سرکار کا پرائیویٹ سیکریٹری ہے، اس سے اجازت لو تو اندر جاؤ۔ اور حبیب خاندانِ بنی اسد سے تھے اور یہ بنی اسد وہ ہیں جنہوں نے سیدؑالشہداء کو دفن کیا تھا۔ اب بھی ہر سال تیسری محرم کو آتے ہیں اُسی طرح، جس طرح جب آئے تھے دفن کرنے اور جب وہ صحن میں آ کر مٹی ڈال کر مولاؑ کی مصنوعی قبر بناتے ہیں تو اُن کا شیخ آتا ہے حرم میں حبیب کی ضریح پر اور وہ حبیب کی ضریح پکڑ کے کہتا ہے: حبیب! ہم تیرے شکرگزار ہیں۔ حبیب! قیامت تک تو نے ہماری آبرو رکھ لی۔ حبیب! تیری وجہ سے تیرے خاندان کی عزت بن گئی۔

❁ ❁ ❁

# عاصی جو در پہ آیا اُسے حُر بنا دیا

کیوں صاحبانِ بصیرت! واقعہ کربلا کا سب سے بڑا ذمہ دار وہی شخص نہیں ہے جو راستے میں قافلہ اہلِ بیتؑ کو گھر کر لے آیا، جو ایک ہزار سواروں کے ساتھ جا کے ایک بے ضرر قافلہ کو لے آیا۔ وہ سب سے بڑا ذمہ دار ہے کہ نہیں؟ ظلم کی ابتداء اُسی وقت نہیں ہوگئی تھی جب ایک بے ضرر قافلہ راستے پر چلا جارہا تھا، کسی سے لڑ نہیں رہا تھا، کوئی فوج کی شکل نہیں تھی۔ معصوم بچے، معصوم عورتیں جارہے ہیں آرام سے۔ ایسے بے ضرر قافلے کو ہزاروں سواروں کے ساتھ آ کر گھیر لیا۔ ہوگئی ناں ظلم کی ابتداء اور گھیر کے یہ کہنا: ہم تمہیں گرفتار کرتے ہیں۔ قبلہ! کسی شریف سے کہہ کے دیکھو، بس اتنا ہی نہیں ہوا بلکہ حُر کا بڑھ کے گھوڑے کی باگ پکڑ لینا اور یہ کہنا: حسینؑ! میں نے آپؑ کو گرفتار کرلیا ہے۔

اب آپ میری مرضی کے خلاف نہیں جاسکتے۔ اس بات کا تو خود حُر راوی ہے کہ جب میں نے حسین علیہ السلام کے گھوڑے پر ہاتھ ڈالا تو ہر طرف سے رونے کی آواز آئی۔ ہوگئی ناں ظلم کی ابتداء، یہی نہیں بلکہ اس بے ضرر قافلے کو گھیر کے کربلا لے آیا اور نہر کے کنارے خیمے نہ لگنے دیئے۔ اسی حُر نے ابن زیاد کو چٹھی لکھی کہ میں حسینؑ کو کربلا لے آیا ہوں۔ حُر کی اطلاع پر ہی فوجیں آنا شروع ہوئیں۔ ساتویں سے پانی بند ہے، حُر اسی فوج میں ہے۔ آٹھویں گزری، اُسی فوج میں ہے۔ نویں گزری، اُسی فوج میں ہے۔ بچوں کے ''العطش'' کی آوازیں سن رہا ہے، وہیں بیٹھا ہوا۔ کتنا بڑا ذمہ دار ہے یہ شخص کربلا کے واقعہ کا۔

صاحبان! عاشور کی شب گزر گئی۔ اب امامؑ کی نگاہِ انتخاب میں اتنے بڑے ذمہ دار شخص کا انتخاب ہے۔ مولاؑ نے کہا: دیکھو بھئی! قیامت تک کیلئے فیصلہ ہو جائے کہ اگر بھوک اور پیاس سے تنگ آ کر میرا کوئی آدمی مجھے چھوڑ کر اُدھر چلا جائے تو میں جھوٹا اور اگر تمام راحت اور عزت چھوڑ کر کوئی اِدھر بھوک پیاس کیلئے آجائے تو اس کا دنیا فیصلہ کرے گی، کیا ہوگا؟

بہر نوع رات کو نگاہِ انتخاب پڑ گئی۔ حُر اپنے خیمہ میں کل لڑنے کی تیاریاں کررہا ہے۔ آخر ایک فوج کا سردار ہے۔ اُسی تیاری کے دوران کان میں ایک آواز آ گئی، کوئی بی بی کہہ رہی تھی: حُر! میں نے تیرا کیا بگاڑا ہے؟ حُر گھبرا گیا، اِدھر اُدھر دیکھنے لگا کہ یہ کس کی آواز ہے؟ کس نے کہا ہے؟ کون ہے؟ یہ حُر کے ضمیر کی آواز تھی۔ اُس نے کہا: میں سمجھ گیا، اس ساری بات کا میں ذمہ دار ہوں۔ صبح ہوئی، حُر کا رنگ ہی بدلا ہوا تھا، انداز ہی اور تھا۔ اپنے ہزار ''رسالہ'' کو لئے ہوئے امیرِ لشکر کے پاس آئے اور کہا: عمر ابن سعد! کیا لازماً لڑنا ہے حسینؑ سے؟ کیا صلح کی کوئی تدبیر نہیں ہوسکتی؟ کیا یہ جنگ ٹل نہیں سکتی؟ عمر سعد کہتا ہے: حُر! اب ایسا نہیں ہوسکتا۔ چونکہ حسینؑ کو تو لایا ہے، لہٰذا ہراول بھی تو بن، تیری طرف سے پہلا حملہ ہونا چاہیئے۔ حُر نے کہا: عمر سعد! ٹھہر، بات سن، مجھے یہ احتمال نہیں تھا کہ نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی۔

مجھے خود اپنی ذمہ داری کا احساس ہے، لہٰذا میں حسینؑ کو یہاں تک لانے کی معافی مانگنے جارہا ہوں۔ حسینؑ مجھے معاف کردیں گے۔ عمر سعد کہتا ہے: بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اتنا بڑا سنگین جرم اور معاف ہو جائے؟ حُر کہتا ہے: عمر سعد! میں جن کے پاس جارہا ہوں، اُنؑ کے

رحم و کرم سے میں واقف ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے معاف فرمادیں گے۔ یہ کہہ کر حُر روانہ ہو گیا۔ اِدھر سے وہ چلا، اُدھر سے امامؑ نے اپنے ساتھیوں کو فرمایا: دیکھتے ہو، اُدھر سے کوئی آرہا ہے۔ امامؑ کے ساتھیوں نے عرض کی: ہاں مولاؑ! ہم دیکھ رہے ہیں۔ کوئی تیزی سے گھوڑا دوڑائے آرہا ہے۔ اب امامؑ کے ساتھیوں نے تلواروں کے قبضوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ تیر کمان والوں نے کمانوں میں تیر چن لئے، سب امامؑ کے گرد اکھٹے ہو گئے۔ سمجھے دشمن کی فوج سے کوئی سپاہی آرہا ہے۔ حبیب و زہیر جو نقیب تھے امامؑ کی چھوٹی سی فوج کے، انہوں نے آواز دی: سپاہیو ہوشیار! اولادِ رسولؐ میں سے کسی کے کوئی زخم نہ آنے پائے۔ گویا تمام سپاہی تیار ہو کر کھڑے ہو گئے۔ امامؑ نے حکم دیا: دیکھو بھئی! میرے حکم کے بغیر کسی کا تیر نہ چل پڑے، کسی کا وار نہ چل جائے۔ اسے آنے دو جو آرہا ہے۔ جب وہ اور قریب آیا اور ایک رومال اپنی جیب سے نکال کر اُس سے اپنے دونوں ہاتھ باندھ لئے اور وہیں سے پکارا: رحمۃ للعالمین کے بیٹے! کیا دنیا کا سب سے بڑا گناہگار آپؑ کے دربار میں آسکتا ہے؟ حُر کا یہ کہنا تھا کہ امامؑ نے فرمایا: عباسؑ بھائی! تم میری فوج کو یہاں روکے رکھو، میں خود اسے لینے جاتا ہوں۔ امامؑ حُر کے قریب آگئے اور حُر نے کوئی تمہید نہیں باندھی، کوئی واسطہ نہیں دیا، کوئی لمبی چوڑی گفتگو نہیں کی۔ صرف اتنا کیا کہ آتے ہی امامؑ کے گھوڑے کی رکاب پکڑ لی اور رکاب پر سر رکھ کر کہتا ہے:

"اَخْطَاءتُ یَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ".

"اے رسولؐ کے بیٹے! مجھ سے قصور ہو گیا ہے"۔

بس اتنا فقرہ کہا ہے کہ "مجھ سے قصور ہو گیا ہے" اور امامؑ نے جھک کر اُس کی پیشانی ہاتھ میں رکھی، سر اُٹھا کے سینے سے لگایا اور فرماتے ہیں: بھائی حُر! ہم نے معاف کر دیا۔

امامؑ کا "بھائی" کہنا تھا کہ جتنے سوار تھے فوجِ حسینی کے، سب گھوڑوں سے نیچے اُتر آئے اور کہنے لگے: ہم سے بے ادبی ہو گئی۔ امامؑ کا بھائی پیدل کھڑا ہے۔ بہر نوع حُر کو مولاؑ نے بھائی کہہ کر معاف کر دیا اور اسی حُر سے سب سے پہلے حبیب بغل گیر ہوئے، حُر مبارک ہو۔

غرض ایک ایک سپاہی آ کے حُر سے بغل گیر ہوا اور قمر بنی ہاشم، سپہ سالارِ افواجِ قاہرہ حسینیہ جنابِ غازی عباسؑ نے سر پر عَلَم کا پھریرہ کھول دیا۔ شہزادہ علی اکبرؑ اور شہزادہ قاسمؑ نے بڑھ کے چچا کہہ کر سلام کیا اور جب مبارک و سلام کی آوازیں بیت الشرف میں پہنچیں تو جنابِ زینب سلام اللہ علیہا نے سن لیں۔ خیمہ کے دروازے تک آئیں، اشارے سے عونؑ و محمدؑ کو بلایا۔ شہزادےؑ آئے اور عرض کی: اماں! کیا بات ہے؟ شہزادیٔ عالم نے پوچھا: میرے بیٹو! باہر کیا خبر ہے کہ ایک دوسرے کو مبارکبادیاں دی جارہی ہیں تو شہزادوںؑ نے عرض کی: اماں! جس آدمی نے راستہ روکا تھا، وہ آیا ہے، اب وہ ہماری طرف آگیا ہے۔ مولاؑ نے اُسے بھائی کہہ کر معاف کر دیا ہے۔ بی بیؑ نے فرمایا: اچھا یہ بات ہے؟ تم دونوں جاؤ، ایک حُر کی دائیں طرف کھڑا ہو جائے، ایک بائیں طرف کھڑا ہو جائے اور دیکھنا، "ماموں" کہہ کر بات کرنا اور یہ کہنا کہ اماں دعائیں دے رہی ہیں۔

شہزادےؑ آئے، حُر کو ماموں کہہ کے بات کی، اماں کی دعائیں دیں۔ حُر یہ سن کر حیران ہو گیا، رنگ پیلا پڑ گیا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا

کہ ابھی دم نکل جائے گا۔ مولاؑ نے پوچھا: حُر! کیا بات ہے؟ حُر نے عرض کی: فاطمہؑ کے بیٹے! کیا عرض کروں؟ حضورؑ نے تو معاف کر دیا، حضورؑ سے یہی توقع تھی مگر جب میں نے راستے میں گستاخی کی تھی تو مجھے پتہ ہے کہ محملوں سے رونے کی آواز آئی تھی۔ میں جب مطمئن ہو کے مروں گا جب زینبؑ کی زبان سے معافی کا لفظ سن لوں، حضور میرے سفارشی بن جائیں۔ مولاؑ نے فرمایا: حُر! گھبراؤ نہیں، میں تمہیں لے چلتا ہوں۔

امام علیہ السلام حُر کو لے کر دروازے تک تشریف لائے، پردہ اُٹھا، امامؑ اندر ___ حُر باہر ___ بیچ میں پردہ ___ امامؑ نے فرمایا: زینبؑ بہن! حُر ہماری طرف آ گیا ہے۔ زینبؑ جواب میں فرماتی ہیں: حسینؑ مبارک ہو، آپؑ کو ایک ساتھی مل گیا۔ ادھر سے حُر نے دروازے سے آواز دی: مشکل کشا کی بیٹی! اپنی اماں کی چادر کے صدقے میں مجھ گناہگار کو معاف کر دو۔ میں نے بڑا قصور کیا ہے۔

بس صاحبان! جو کہنے کی بات تھی، وہ یہ ہے کہ اگر زینبؑ جواب میں فرما دیں کہ ہم نے معاف کر دیا، یہ بھی بڑا اخلاق ہے۔ جس طرح حسین علیہ السلام نے بھی معاف کر دیا تھا، ہم نے معاف کر دیا۔ مگر جو جواب دیا علیؑ کی بیٹی نے، اُس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ خاندان بس اللہ کا چنا ہوا خاندان ہے اور کسی کی طاقت نہیں یہ جواب دینے کی۔

حُر نے گڑگڑا کے معافی مانگی۔ مشکل کشا کی بیٹیؑ! مجھے معاف کر دو۔ میں مشکل میں پھنس گیا ہوں۔ زینبؑ جواب میں کیا فرماتی ہیں: بھائی حُر! مجھے شرمندہ نہ کرو، گناہگار معافی مانگ رہا ہے اور کریم شرمندہ ہو رہا ہے۔ بھائی حُر! مجھے شرمندہ نہ کرو، تم ایسے میں آئے ہو میرے دروازے پر کہ میں تمہاری کوئی خاطر نہیں کر سکتی۔ تمہیں بٹھا نہیں سکتی، کچھ کھلا پلا نہیں سکتی۔ حُر! ایک وعدہ تم سے کرتی ہوں کہ قیامت کے دن میرے باپ کی حکومت ہوگی، آج کے بدلے وہاں تمہاری دعوت کروں گی، اُس دن کی دعوت میرے ذمے اُدھار رہی اور سنو حُر!

دنیا میں اتنا وعدہ تم سے کرتی ہوں کہ اگر اس فوجِ بے حیا نے مہلت دی تو میرا وعدہ ہے کہ حسینؑ سے پہلے تمہاری لاش پر آؤں گی اور یہ سفید بال کھول کر تمہیں "بھائی" کہہ کے روؤں گی، یہ میرا تم سے وعدہ رہا۔

مؤمنین کرام! آج کربلا کے زائروں نے دیکھا ہوگا کہ حُر کا روضہ اقدس گنج شہیداں میں باقی شہیدوں کے ساتھ ہوتا تو کون سمجھتا، ایک معاف کئے ہوئے گناہگار کے ساتھ کیا کرم ہوا، علیحدہ روضہ بنا ہوا ہے۔ دنیا کا زائر سلام کو جاتا ہے، صبح سے شام تک ہو رہی ہے۔ میں نے حُر کی ضریح کو پکڑ کر کہا تھا: شہید! تو زندہ ہے۔ تو مجھے بول کے جواب دے۔ ایک شہنشاہ کی فوج کی افسری میں زیادہ لطف آیا یا ایک غریب الغرباء، بھوکے پیاسے کی مہمانی سے زیادہ لطف آیا؟

✿ ✿ ✿

# روزِ قیامت جنابِ سیدہؑ اور جنابِ زینبؑ کس حال میں تشریف لائیں گی؟ یہ مجالس آلِ محمدؐ کے زخموں کا مرہم ہوتی ہیں۔

قیامت میں ہر ایک کو حکم ہوگا: آنکھیں بند کرو۔ مگر مؤمن اپنی آنکھیں کھلی رہنے دے گا، اس لئے مومن کی آنکھوں سے سیدہؑ مانوس ہیں۔ وہ مومن کی آنکھوں کو دیکھتی رہی ہیں اور ایک موقعہ ایسا آئے گا جب خود بخود مومن کی آنکھیں بند ہو جائیں گی اور وہ موقعہ جب آئے گا جب قیامت میں اعلان ہوگا۔ قیامت والو! احترام سے کھڑے ہو جاؤ، محمدؐ کی بیٹیؑ کی سواری آرہی ہے۔ مگر زینبؑ کہیں گی: میں اُسی طرح آؤں گی جس طرح شام کے بازاروں میں گئی تھی تا کہ قیامت والی خواتین دیکھ لیں کہ زینبؑ کس شان سے شام کے بازاروں میں گئی تھی؟ انبیاء تھر تھر کانپتے ہوں گے، اولیاء لرزتے ہوں گے اور زین العابدین علیہ السلام کے ہاتھ میں مہار ہوگی۔ علیؑ سر جھکائے زین العابدینؑ کے ساتھ ہوں گے۔ حسینؑ ناقے کے دائیں بائیں ہوں گے اور زینبؑ چادر کے بغیر، ہاتھ گردن کے ساتھ بندھے ہوئے بالکل اُسی طرح آئیں گی جس طرح شام کے بازاروں میں آئی تھیں اور کہیں گی: خداوندا! میں آ گئی ہوں۔ اُس وقت حکم ہوگا خدا کی طرف سے۔

زینبؑ کے غلام کہاں ہیں؟ تو کروڑوں کی تعداد میں لوگ اکٹھے ہو جائیں گے۔ زینبؑ کے ناقے کے گرد ماتم شروع کر دیں گے۔ ہائے حسینؑ ــــــ قیامت میں ماتم کی آواز بلند ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: بس قیامت ہو گئی، اب قیامت نہیں کرنی۔ اُدھر زینبؑ اپنے چھوٹے بھائی کو حکم دیں گی: عباسؑ بھائی! اپنے علَم کا پھریرہ کھول دو، ان ماتم کرنے والوں کو اپنے علَم کے زیرِ سایہ میرے محل کے سامنے لے آؤ۔ میں ایک ایک کی احوال پُرسی کروں گی، ایک ایک سے زینبؑ پوچھے گی: برخوردار! تو نے میرے بھائی حسینؑ کا ماتم کیا تھا۔ عورتوں سے زینبؑ کہیں گی: آؤ بہنو! میرے گلے ملو، میرا حسینؑ کربلا میں ذبح ہو گیا۔ نوجوانو! تم سے علی اکبرؑ پوچھیں گے: میرے ہم سن نوجوانو! تم نے ہماری مظلومیت کو یاد کر کے ماتم کیا تھا، ادھر آؤ، تمہیں کوئی زخم تو نہیں ہے؟ اور جب ہم اپنے زخم دکھا چکیں گے تو ہم عرض کریں گے: شہزادۂ عالم! اگر مناسب ہو تو ذرا اپنا زخم بھی دکھا دو؟ علی اکبرؑ کہیں گے: میرے زخموں کا مرہم بن گیا ہے تمہارا ماتم ــــــ بہر نوع یہ مجالس، یہ اجتماع، آلِ محمدؐ کے زخموں کا مرہم ہیں۔

❁ ❁ ❁

# کیا علیؑ کا بیٹا،فاطمہؑ کا لعلؑ بھی کسی کی بیعت کر سکتاھے؟ھرگزنھیں!کربلا حسینؑ کی نگری،شام زینبؑ کی مملکت، شام کی مسافرہؑ کربلا والوں کو ھمیشہ یاد رکھے گی۔

گورنر مدینہ نے حسینؑ کو بلایا____ مولاؑ تشریف لے گئے۔ ولید نے پہلے تو امیر شام معاویہ کی موت کی خبر سنائی اور مولاؑ نے جواب دیا۔ اگر خاموش رہتے تو یہ اُنؑ کے خلق عظیم کے خلاف تھا۔ مولاؑ نے فرمایا: ولید! معاویہ کی موت تم لوگوں کیلئے ایک صدمہ ہے۔ واہ مولاؑ! اپنے سارے جذبات کی ترجمانی اپنے اس فقرے میں عیاں کردی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہم جیسے نہ تھے۔ بہرنوع ولید نے ہچکچاتے ہوئے مولاؑ سے یزید کی بیعت کا تقاضا کیا۔ حسینؑ! یزید نے لکھا ہے کہ تم میری بیعت کرو ورنہ لڑنے کیلئے تیار ہو جاؤ۔ مگر جو جواب دیا ہے حسینؑ نے: خدا کی قسم! وہی جواب تھا جو معصومؑ کی زبان سے سجتا تھا۔ کوئی اور ہوتا تو اللہ جانے کیا جواب دیتا؟ مگر حسینؑ کا جواب حسینؑ ہی کا جواب تھا۔ اے ولید! تو مجھ حسینؑ سے بیعت مانگتا ہے؟

"اَنَاابْنُ عَلِیُّ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ".

"تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ میں علیؑ ابن ابی طالبؑ کا بیٹا ہوں" اور علیؑ کا بیٹا بیعت نہیں کرسکتا۔ حسینؑ نے یہ نہیں کہا: میں محمدؐ کا بیٹا ہوں، میں فاطمہؑ کا بیٹا ہوں، بلکہ فرمایا: میں علیؑ کا بیٹا ہوں اور بیعت نہیں کروں گا۔ مگر یہ فرمایا ان لوگوں کے سامنے جو علی علیہ السلام کو دیکھے ہوئے تھے۔ جو علی علیہ السلام کے ساتھ رہے ہوئے تھے۔ جن کے سامنے علیؑ کی ساری زندگی تھی۔ اُن کے سامنے اپنے کو علیؑ کا بیٹا کہہ کر انکار کرنے کے معنی یہ ہیں کہ "نہ اُس نے یہ کام کیا تھا اور نہ میں کروں گا"۔ میں یہ کام نہیں کروں گا۔ اب "نہیں" کہہ کر حسینؑ گھر آ گئے۔ دنیا حیران ہوگئی کہ اتنی بڑی سلطنت کے سامنے حسین علیہ السلام "نہیں" کہہ رہے ہیں۔ اللہ جانے کیا ارادہ ہے؟ کیا کریں گے؟ حسینؑ گھر آئے تو بہن ملیں، حسینؑ! کیا بات ہوئی تھی؟ مولاؑ نے فرمایا: بہن! کیا بتاؤں؟ مجھ سے یزید کی بیعت مانگی گئی تھی۔ آپؑ نے کیا جواب دیا حسینؑ؟ زینبؑ نے پوچھا: حسینؑ! آپؑ امامِ وقت ہیں، معصومؑ ہیں، آپؑ کو مشورے کی کیا ضرورت ہے؟ بہن! بات یہ ہے کہ تم عمر میں تو مجھ سے چھوٹی ہو مگر تم ہی گواہ ہو اس بات کی کہ اماں کے بعد ہم نے تمہاری عزت اماں کی طرح کی ہے۔ باوجود بڑا بھائی ہونے کے ہر معاملہ میں تم سے مشورہ لیا ہے اور آج بیعتِ یزید کا سوال ہے زینبؑ! بولو کیا جواب دوں؟ تو بی بیؑ نے فرمایا: حسینؑ! میرا امتحان لے رہے ہو؟ سنو حسینؑ! جو خون تمہاری رگوں میں ہے، وہی میری رگوں میں ہے۔ جو دودھ تم نے پیا ہے، وہی میں نے پیا ہے۔ جو تمہارا نانا ہے، وہی میرا نانا ہے۔ جو تمہارا باپؑ ہے، وہی میرا باپؑ ہے۔ جو تمہاری ماں ہے، وہی میری ماں ہے۔ بس فرق اتنا ہے حسینؑ! آپؑ کے سر پر بابا کا عمامہ ہے، مگر دیکھو حسینؑ!

میرے سر پر اماں کی چادر ہے۔ میرا امتحان نہ لو حسینؑ ___ تو امامؑ نے فرمایا: زینبؑ! میں امتحان نہیں لے رہا، مشورہ چاہتا ہوں۔ حسینؑ! اگر آپؑ نے مجھے یہ عزت بخشی ہے مشورے کی تو پھر سنو میرا جواب ___ کیا جواب ہے زینبؑ تمہارا؟

اگر مجھ سے پوچھتے ہو حسینؑ تو کہہ دو ''نہیں''۔ اب جو زینبؑ نے کہا: ''نہیں''۔ تو حسینؑ نے اپنا سر فوراً سجدے میں رکھ دیا اور کہنے لگے: خداوندا تیرا شکر ہے، میری بہن کا انکار بھی میرے ساتھ شامل ہو گیا۔ اب دنیا کی کوئی طاقت ہماری ''نہیں'' کو ''ہاں'' میں نہیں بدل سکتی۔ مگر زینبؑ! ایک بات سنو، میں بھی ''نہیں'' کہہ کے آیا ہوں، تم بھی نہیں کہہ رہی ہو۔ ہم بہن بھائیوں کو اس ''نہیں'' کی قیمت دینا پڑے گی۔ مگر زینبؑ! میری قیمت اور ہے۔ اب بی بیؑ بولیں: حسینؑ! مجھے کوئی پروا نہیں، فکر نہ کرو، میں اپنی ''نہیں'' پر قائم رہوں گی۔ زینبؑ! دو میدان سر کرنا پڑیں گے، ایک کربلا کا میدان، ایک شام کا میدان۔ تو زینبؑ نے پوری شان سے کہا: میں بھی فاتح اعظم کی بیٹی ہوں۔ ایک میدان حسینؑ آپؑ اپنے حصے میں رکھ لیں، ایک میرے سپرد کر دیں۔ حسینؑ! کربلا آپؑ کے سپرد، شام میرے سپرد۔ کربلا آپؑ فتح کر لینا، شام میں فتح کر لوں گی۔ اگر دنیا کے سب سے بڑے ''آمر'' کے نام کو گالی نہ بنوا دوں تو زینب نہ کہنا اور سنو حسینؑ! شام تو میں تنہا فتح کروں گی، مگر کربلا میں آپؑ کے ساتھ شریک رہوں گی۔ یوں کام کریں گے حسینؑ کربلا جا کر کہ میں خاتون ہوں، میں گھر میں بیٹھوں گی، آپؑ مرد ہیں تو باہر رہنا۔ باہر کے سارے کام آپؑ کے سپرد، گھر کے اندر کے سارے کام میرے سپرد۔ گھر میں عورتیں ہیں، عورتوں کی سرداری میں کروں گی، مردوں کی سرداری آپؑ کرنا۔ اور سنو حسینؑ! شہیدوں کے سردار آپؑ بننا، اسیروں کی سردار میں بنوں گی اور کسی شہید کو گھر میں کپڑے پہنانا میرے ذمے۔

میدان سے لاش لانا آپؑ کے ذمے، اور دیکھنا حسینؑ! آپؑ بھی بھائی قربان کریں گے، میں بھی بھائی قربان کروں گی۔ آپؑ کا بھائی قربان ہوگا عباسؑ جیسا، میرے دو بھائی قربان ہوں گے: ایک حسینؑ جیسا، ایک عباسؑ جیسا۔ آپؑ کا ایک بھتیجا قربان ہوگا قاسمؑ جیسا، میرے دو بھتیجے قربان ہوں گے: ایک اکبرؑ جیسا، ایک قاسمؑ جیسا۔

رہ گیا بیٹوں کا معاملہ حسینؑ! دو بیٹے آپؑ قربان کریں گے: ایک اکبرؑ، ایک اصغرؑ۔ دو میں بھی قربان کروں گی، مگر میرے بچوں کا آپؑ کے بچوں سے کوئی مقابلہ نہیں حسینؑ! آپؑ کے بچے شہزادے ہیں، میرے بچے اُن کے غلام ہیں۔ مگر ایک وعدہ کرتی ہوں حسینؑ! دو بچے قربان کرنے کے بعد پھر بھی آپؑ کی نسل قیامت تک باقی رہے گی اور میں جب دو بیٹے قربان کر دوں گی تو میری نسل ختم ہو جائے گی۔ اب آپؑ ہی کا کوئی بیٹا مجھے اماں کہہ دے تو کہہ دے ورنہ میرا کوئی بیٹا نہیں رہے گا جو مجھے اماں کہہ کے پکارے گا۔

سنو حسینؑ! کربلا آپؑ کا علاقہ ہے، شام میرا علاقہ ___ کربلا فتح کرنے کے بعد آپؑ قیامت تک اپنے مفتوحہ علاقے میں رہنا اور میں قیامت تک اپنے مفتوحہ علاقے میں رہوں گی۔ کربلا میں آپؑ کے زائر آئیں گے حسینؑ، میری روح خوش ہوگی آپؑ کے زائرین کو دیکھ کر۔ مگر خدا کوئی ایسا شخص بھی پیدا کر دے گا جو میرا روضہ بنوا دے گا۔ میرے ہاں بھی کوئی آ جایا کرے گا اور آخری فیصلہ یہ ہے حسینؑ! جتنے بچے ہیں ہمارے ساتھ، اُن میں جتنے لڑکے ہیں، وہ آپؑ کے سپرد اور جتنی لڑکیاں ہیں، وہ میرے سپرد۔

سنو گے یہ فقرہ صاحبان! فیصلہ بہن بھائی کا:

حسینؑ! بچے آپؑ کے سپرد، بچیاں میرے سپرد۔

علی اصغرؑ بچہ ہے، وہ آپؑ کے سپرد۔

سکینہؑ بچی ہے، وہ میرے سپرد۔

حسینؑ! اصغر آپؑ کے حصے میں، سکینہؑ میرے حصے میں، اور سنو حسینؑ! اگر اصغرؑ کا گلا زخمی ہوگا تو آپؑ کی گود میں، وہ آپؑ کے حصے کا ہے اور سکینہؑ کے کان زخمی ہوں گے تو وہ میری گود میں، وہ میرا حصہ ہے۔ دونوں بہن بھائی مل کے اس میدان کو سر کریں گے۔ اور حسینؑ! میں آپؑ کو اکیلا نہیں چھوڑوں گی۔ ہر مقام پر، ہر مشکل میں آپؑ کے ساتھ رہوں گی۔

دنیا کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرنا ہے؟ کربلا جا کر پتہ چلا کہ کیا ہوگیا ہے؟ یاد رکھو مؤمنین! آج دنیا میں جتنی مجالس ہو رہی ہیں، یہ سب زینبؑ کا صدقہ ہے ورنہ ایک غیر آباد بن میں لٹ جانے والے قافلے کو کوئی جان بھی نہ سکتا۔ اگر زینبؑ اونٹ کے منبر پر بیٹھ کر بے مقنع و چادر، بازاروں میں جا کر مجلسیں نہ کرتیں۔ لوگو! میرا حسینؑ مارا گیا۔ یہ زینبؑ کی مجالس ہیں جو ساری دنیا میں ہو رہی ہیں۔ یہ زینبؑ کے صدقے میں ہو رہا ہے، جو کچھ ہو رہا ہے۔ اور اللہ کا کوئی نام نہ لیتا (اللہ تو ہے اور ہوگا) اللہ کا کوئی نام نہ لیتا اگر محمدؐ نہ ہوتے اور محمدؐ کا کوئی کلمہ نہ پڑھتا اگر حسینؑ نہ ہوتے اور حسینؑ کا کوئی نام نہ لیتا اگر زینبؑ نہ ہوتیں۔ آج زینبؑ کی بدولت سارے نام لئے جارہے ہیں۔

اور مؤمنین! ہر باپ کو بیٹی سے اور ہر بھائی کو بہن سے محبت ہوتی ہے۔ تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ جب ہم مصیبت میں پکارتے ہیں "یا علیؑ مدد" تو علیؑ زینبؑ سے کہتے ہیں:

"بیٹی زینبؑ! فلاں نے مجھے پکارا ہے، تیری اجازت ہو تو جاؤں؟"

یہ زینبؑ کا کارنامہ ہے۔

❁ ❁ ❁

# شہادتِ حضرت قاسمؑ

شب عاشور، رات کے دو بجے کا وقت اور حسینؑ بیٹھے ہیں مصلّٰی پر اور راز و نیاز ہو رہا ہے عبد و معبود کے درمیان ___ دنیا سے بے خبر ہیں حسینؑ ___ اللہ سے لَو لگائی ہوئی ہے اور اچانک انہیں محسوس ہوا کہ قریب کوئی آ کے بیٹھا ہے۔ آنکھ کھولی، دیکھا اور دیکھتے ہی امام علیہ السلام بڑے بے چین ہو گئے۔ بچے کو اٹھا کے گود میں بٹھایا، کلیجے سے لگایا اور فرماتے ہیں: بیٹا قاسمؑ! تم رات گئے کیوں آئے ہو؟ میں نے کہا تھا کہ اپنی اماں کے پاس رہا کرو مگر تم کیوں آ گئے؟

حسینؑ بچے کا سینہ سونگھتے ہیں اور روتے ہیں: بیٹا! تجھ سے بھائی حسنؑ کی خوشبو آ رہی ہے۔ ہائے آج بھائی حسنؑ موجود نہیں ہیں۔ مولاؑ نے قاسم کو کلیجے سے لگایا، بہت ہی پیار کیا اور پوچھا: بیٹا! رات کے وقت کیوں آئے ہو؟

قبلہ کیا بتاؤں؟ اماں سے میری کچھ باتیں ہو رہی تھیں اور باتوں کے دوران میری ماں یہ کہہ بیٹھیں کہ قاسمؑ بیٹا! میں سیدانی نہیں ہوں، میں غیر خاندان کی ہوں۔ تو نے میرا دودھ پیا ہے، اللہ جانے میرے دودھ میں تاثیر ہے بھی یا نہیں؟ اللہ جانے میری قربانی ہو گی یا نہیں؟ اور قبلہ! اماں نے کچھ ایسی باتیں کیں کہ میرے دل میں یہ اشتیاق پیدا ہو گیا کہ جا کے مولاؑ سے پوچھ آؤں۔ میرا خون بھی اسلام کی رگوں میں جائے گا؟ کل کے مرنے والوں میں میرا نام بھی ہے؟

اب جو بچے نے یہ پوچھا، بارہ سال کا بچہ اور یہ پوچھ رہا ہے کہ کل کے مرنے والوں میں میرا نام ہے یا نہیں؟ حسینؑ نے تو آنکھیں چوم لیں، پیشانی چوم لی، سینے سے لگایا اور بچہ ہے کہ بار بار پوچھتا ہے کہ چچا جان! بتایئے ناں، کل کے مرنے والوں میں میرا نام ہے یا نہیں؟ اب مولاؑ ''ہاں'' نہیں کہتے۔ پیار کرتے ہیں بار بار ___ پھر بچہ پوچھتا ہے: چچا جان! بتایئے ناں، کل مرنے والوں میں میرا نام ہے یا نہیں؟ اب جو بچے نے ضد کی تو مولاؑ نے فرمایا: قاسمؑ! تم تو بڑے ہو، تمہارے چھوٹے بھائی اصغرؑ کا نام بھی ہے۔ جب امام علیہ السلام نے کہا کہ اصغرؑ کا نام بھی ہے تو قاسمؑ یا تو گود میں بیٹھے تھے یا ایک دم گھبرا کے کھڑے ہو گئے اور انگڑائی لی تو قبا کے بند ٹوٹ گئے۔ پورے جوش میں بولے: مولاؑ! یہ آپؑ نے کیا کہا؟ اصغر شہید ہو گا؟ یہ نہیں ہو سکتا، کیا یہ بے حیا فوج ہمارے خیموں تک پہنچ جائے گی؟ کیا یہ اصغرؑ کے گہوارے تک پہنچ جائے گی؟ امامؑ کو تو بچے کی اس ادا پر پیار آ گیا، سینے سے لگایا اور فرمایا: قاسمؑ بیٹا! کس کی مجال ہے جو تمہاری زندگی میں خیموں کے نزدیک آئے، جاؤ بیٹا! اپنی اماں کے پاس جا کر آرام سے سو جاؤ۔

اب قاسمؑ بالکل خاموش ماں کے پاس آ کے بیٹھ گئے۔ ماں نے پوچھا: بیٹا! خیر ہے؟ اتنے خاموش کیوں ہو؟ قاسمؑ نے جواب دیا: اماں! آپؑ نے رات مجھے واقعات سناتے ہوئے یہ بتایا تھا کہ یہاں سے قریب ہی کہیں نجف نامی کوئی جگہ ہے جہاں میرے دادا دفن ہیں؟ ہاں بیٹا! ٹھیک ہے مگر تم کیا چاہتے ہو؟ اماں! تم میرے یہ کپڑے اُتار دو، مجھے عرب کے فقیروں جیسا لباس پہنا دو، میں عراق جا کے دادا کی قبر

پر بیٹھ جاتا ہوں۔

اب اماں نے گھبرا کر پوچھا: کیوں بیٹا؟ اماں! میں نے کئی بار مولاؑ سے پوچھا ہے کہ کل مرنے والوں میں میرا نام ہے یا نہیں؟ امام علیہ السلام نے کوئی جواب نہیں دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاید کل کے مرنے والوں میں میرا نام نہیں ہے، اس لئے میں یہاں نہیں رہنا چاہتا، میں اپنے دادا کے پاس جانا چاہتا ہوں۔

اب جو ماں نے یہ بات سنی تو اس کا دل بھر آیا، بچے کا ہاتھ پکڑا، سیدھی زینبؑ کے پاس آ گئیں، آ کے سلام کیا اور کہا: بی بی! آپؑ ملکہ عالم ہیں، آپؑ کی ماں بھی ملکہ عالم ہیں۔ میں آپؑ کی ادنیٰ سی کنیز ہوں، آپؑ کی نعلین اُٹھانا ہمارا فخر ہے اور بی بیؑ! میں آپؑ کی ادنیٰ سی کنیز ہوں۔ مگر یہ بچہ آخر آپؑ ہی کا بچہ ہے۔ مجھ بیوہ نے اسے بارہ سال پالا ہے، اور بی بیؑ! ایک بیوہ کا سہارا اُس کا بچہ ہوتا ہے اور ہر سال میں آپؑ سے کہا کرتی تھی کہ زیادہ دیر نہ لگانا، جب بارہ سال پورے ہو جائیں تو اس کی شادی کر دینا۔ مجھے بڑی تمنا ہے اس کی شادی کی۔ آپؑ نے وعدہ کیا تھا کہ ہو جائے گی۔ بی بیؑ! اب بارہ سال پورے ہو گئے اور آج میں قاسمؑ کی شادی کرنا چاہتی ہوں۔ مگر شادی کیسی ہو؟ آج میں اس کی شہادت سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔ بی بیؑ! آپؑ میرے ساتھ امام حسینؑ کے پاس چلیں اور میرے سامنے کہلوائیں کہ کل یہ بھی شہید ہوگا تاکہ مجھے بھی اطمینان ہو اور اس بچے کو بھی اطمینان ہو۔

اے حضور! قاسمؑ کی ماں کے یہ فقرے سن کر زینبؑ تو گھبرا گئیں۔ بھاوج کو ساتھ لیا، امامؑ کی خدمت میں پہنچیں اور کہا: بھابھی جان! آپ خود بات کرلیں۔ اور اتنی شرم و حیا والی تھیں قاسمؑ کی ماں ___ امام حسنؑ کی بیوہ ___ کہ آج پہلی دفعہ امام حسین علیہ السلام سے بات کر رہی تھیں۔ مولا امامِ زمانہؑ! امام علیہ السلام نے پوچھا: کون؟ تو قاسمؑ کی ماں بولیں: مولاؑ! میں آپؑ کی بیوہ بھاوج ہوں۔ آپؑ سے بھیک مانگنے آئی ہوں۔ حسینؑ اگر آج حسنؑ زندہ ہوتے تو میں نہ آتی۔ میں چونکہ بیوہ ہوں، اس لئے مجھے خود آنا پڑ گیا۔ میں آج سوالی بن کر مولا حسینؑ کے دروازے پر آئی ہوں۔

اپنی ماں کی چادر کے صدقے میں میری جھولی میں خیرات ڈال دیں۔ اب مولاؑ نے فرمایا: بھابھی جان! فرمائیے، کیا حکم ہے؟ مولاؑ! میں آپؑ کی ادنیٰ سی کنیز ہوں، اپنے بھتیجے کا دل نہ توڑنا، اسے بتا دیجئے کہ کل شہیدوں میں اُس کا نام بھی ہے؟ امام علیہ السلام نے بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا، پیار کیا، کلیجے سے لگایا اور فرمایا: قاسمؑ کی ماں! مطمئن رہو، کل تیری قربانی سب سے زیادہ قبول ہوگی۔ اور ماں بیٹے دونوں اطمینان سے خیمے میں آ گئے اور ماں نے آتے ہی دو رکعت نمازِ شکر پڑھی۔

یا اللہ! تیرا شکر ہے، میرے نیک کمائی نیک راہ میں کام آئے گی۔

اور مؤمنین کرام! یومِ عاشور میدانِ شہادت گرم ہو گیا اور قاسمؑ کی ماں اُسی طرح مصلے پر بیٹھی ہیں اور جب دو پہر کا وقت ہوا تو قاسمؑ خیمے میں آئے اور عرض کیا: اماں سلام۔ ماں جواب میں کہتی ہیں: بیٹا! ابھی زندہ ہو؟ میں تمہاری میت دیکھنا چاہتی ہوں میرے لعل! میں تمہارا لاشہ دیکھنا چاہتی ہوں میرے چاند!

اماں میں جارہا ہوں، میں تو آپؑ کو سلام کرنے آیا ہوں۔ قاسمؑ نے ماں کو بڑھ کے بڑے ادب سے سلام کیا اور ماں نے پیار کر کے رخصت کیا اور جب قاسمؑ جانے لگے تو قاسمؑ کی ماں نے آواز دی: قاسمؑ بیٹا! ذرا ٹھہرنا۔ قاسمؑ واپس آئے اور بی بی زینبؑ کے پاس لے گئیں، بی بیؑ! میرا بچہ جارہا ہے، میری کمائی کام آرہی ہے۔ میرا بچہ پروان چڑھ رہا ہے۔ بی بیؑ! اپنے ہاتھ سے اسے دولہا بنادو۔

زینبؑ نے عمامہ پہنایا اور کہا: ذرا باہر سے حسینؑ کو بلاؤ۔ امام حسین علیہ السلام بیت الشرف میں تشریف لائے تو قاسمؑ کی ماں نے عرض کی: مولاؑ! میں نے اس کے باپ امام حسنؑ کا عمامہ بڑی حفاظت سے رکھا ہے، آج میرے بچے کے سر پر باندھ دیجئے۔ اور امام علیہ السلام نے عمامہ باندھ دیا اور قاسمؑ خیمے سے باہر آئے اور حسینؑ نے گود میں لے کر گھوڑے پر سوار کیا۔ قاسمؑ چلے گئے اور امام حسین علیہ السلام ایک ریت کے ٹیلے پر کھڑے ہو گئے۔ زینبؑ دروازے میں کھڑی ہوگئیں، قاسمؑ کی ماں مصلے پر بیٹھ گئیں۔ قاسمؑ کی نظر فوجوں پر، حسینؑ کی نظر قاسمؑ پر، زینبؑ کی نظر حسینؑ پر، قاسمؑ کی ماں کی نظر زینبؑ کے چہرہ پر۔ یہاں سے وہاں تک نظر کا تار بن گیا اور دس منٹ گزرے ہوں گے جو قاسمؑ گھوڑے سے گرے، حسینؑ ٹیلے سے گرے، زینبؑ دروازے میں گریں اور قاسمؑ کی ماں سجدے میں گریں۔ یا اللہ! تیرا شکر ہے، تو نے میری قربانی قبول فرمائی۔ مجھ بیوہ کی قربانی منظور فرمائی۔ اور خیمے میں ماتم شروع ہوگیا، سیدانیوں نے سر کے بال کھول دیئے۔

مؤمنین کرام! اتنا کمسن بچہ تھا کہ جب اور شہید گھوڑے سے گرے تو انہوں نے مولاؑ کو پکارا مگر قاسمؑ اتنا کمسن بچہ تھا کہ جب یہ گھوڑے سے گرا ہے تو امام حسینؑ کو نہیں پکارا، پکارا تو کس کو پکارا؟ اماں! میں گر گیا۔

اور فوج میں نقارے بجنے لگے، فوج میں طبل بجنے لگے تو یہ طبل بجنا اس بات کی علامت تھی کہ بچہ شہید ہوگیا ہے۔ اُدھر طبل بجے، اِدھر سیدانیوں نے سر کے بال کھول کے کہنا شروع کر دیا: ہائے قاسمؑ! ہائے شہزادےؑ! تو قاسمؑ کی ماں کہتی ہیں: بیبیو! روؤ نہیں، یہ جو طبل بج رہے ہیں، یہ میرے بیٹے کی موت کے نہیں ہیں۔

یہاں جنابِ میر انیسؒ کا ایک شعر ہے کہ جب طبلِ جنگ بجنے لگے دشمن کی فوج کی طرف سے تو قاسمؑ کی ماں کہتی ہیں: بیبیو! روؤ نہیں:

باجے والوں کی صدا زیرِ قنات آتی ہے
کیسا لاشہ میرے بچے کی لاش آتی ہے

دیکھتی نہیں ـــ یہ باجے کی آواز آرہی ہے ـــ میرا بچہ دولہا بن گیا ہے، یہ میرے بیٹے کی بارات آرہی ہے اور قاسمؑ کی ماں نے اتنا فرمایا مولاؑ سے: مولا حسینؑ! میں آپؑ کی بیوہ بھاوج ہوں، میرا کوئی زور نہیں ہے، آج امام حسنؑ زندہ ہوتے تو بات کچھ اور تھی۔ مولاؑ! میرے آقا! اگر ہو سکے تو قاسمؑ کی لاش کو لے آئیں، میں ایک دفعہ لاش کو گود میں لے کر رونا چاہتی ہوں۔ امامؑ میدان میں تشریف لے گئے لاش لانے کیلئے۔

مؤمنین کرام! جب امام علیہ السلام پہنچے میدان میں تو اتنے میں دائیں طرف کے گھوڑے بائیں طرف دوڑ گئے اور بائیں طرف

کے گھوڑے دائیں طرف دوڑ گئے اور شہزادےؑ کا جسم پامال ہو گیا، ان گھوڑوں کے سموں سے کہ امام زمانہؑ زیارتِ ناحیہ میں فرماتے ہیں:

''میرا سلام ہو اُس شہید پر جس کی دائیں طرف کی پسلیاں ٹوٹ کے بائیں طرف آ گئی تھیں اور بائیں طرف کی پسلیاں ٹوٹ کر دائیں طرف آ گئی تھیں''۔

اور جب امام علیہ السلام پہنچے تو لاش کا یہ عالم تھا کہ امامؑ فرماتے ہیں: قاسمؑ بیٹا! مجھے معاف کر دو، میں ذرا دیر سے پہنچا ہوں۔ بیٹا! تیری ماں سے وعدہ کر آیا ہوں تیری لاش لانے کا۔ اب لاش اُٹھانے کے قابل نہیں رہی۔ بیٹا! میں کیا اُٹھاؤں؟ یہ کہہ کر مولاؑ نے اپنی عبا بچھائی اور لاش کے ٹکڑے اُٹھا اُٹھا کے عبا میں رکھے اور عبا کے چاروں کونے پکڑے اور گٹھڑی کی طرح لے کر خیمے میں آ گئے اور فرمایا:

زینبؑ! یہاں آؤ، میں قاسمؑ کی لاش لایا ہوں مگر اس کی ماں کو نہ دکھانا، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مر جائے۔ ماں نے سن لیا اور باہر آ ئیں اپنے خیمہ سے: مولاؑ! میں کیوں مر جاؤں گی؟ دکھاؤ مجھے، کیا بات ہے؟ اب جو حسینؑ نے قاسمؑ کی لاش کے ٹکڑوں کی گٹھڑی سامنے رکھی تو بی بی نے پہلے تو دو رکعت نماز پڑھی، پھر فرمایا: زینبؑ، کلثومؑ، رقیہؑ، بیبیو! آؤ، مجھے مبارکباد دو، میری قربانی سب سے زیادہ قبول ہوئی ہے۔ دیکھو! میرا ہدیہ سب سے زیادہ قبول ہوا ہے۔

امام علیہ السلام نے لاش لے جا کر گنج شہیداں میں رکھ دی۔ اور یہ میرے بیان کا آخری فقرہ ہے قبلہ کہ قاسمؑ کی لاش کو اکبرؑ کی لاش کے پاس رکھ کر حسینؑ دونوں لاشوں کے درمیان بیٹھ گئے۔ ایک ہاتھ اکبرؑ کی لاش پر، ایک ہاتھ قاسمؑ کی لاش پر رکھ کر امام حسین علیہ السلام نے آسمان کی طرف منہ کر کے بلند آواز سے کہا:

''وَاغُرْبَتَاهُ''.

''یا اللہ! میں غریب ہو گیا، نہ میرا اکبرؑ رہا، نہ میرا قاسمؑ رہا''۔

❁ ❁ ❁

# شہادتِ حضرت عباس علیہ السلام

بہرنوع بھائی کا بڑا عجیب رشتہ ہوتا ہے۔ بازو کی قوت بھائی ہوتا ہے، دل کا سہارا بھائی ہوتا ہے، دنیا کی زینت بھائی ہوتا ہے، آنگن کی رونق بھائی ہوتا ہے اور بھائی کے مرنے سے کمر ٹوٹتی ہے۔ یہ عجیب رشتہ ہے بھائی کا ___ رسولؐ خدا کہتے ہیں: یا علیؑ! تم میرے بھائی ہو، تم دنیا میں بھی میرے بھائی ہو، تم آخرت میں بھی میرے بھائی ہو۔ اور ایسا عجیب بھائی کہ دنیا نے ایسا بھائی دیکھا ہی نہیں۔ اولاد تمہاری ہوگی، نسل میری کہلائے گی۔ بیٹے تمہارے ہوں گے، اولاد میری کہلائیں گے۔

اللہ نے اِن بھائیوں کا ایسا رشتہ بنایا کہ حسنؑ و حسینؑ جیسے عظیم بیٹے عطا کئے علیؑ کو ___ حسنؑ ابن علیؑ ہیں ___ حسینؑ ابن علیؑ ہیں ___ حسینؑ بیٹے علیؑ کے ہیں مگر قیامت تک دنیا سلام کیا کرتی رہے گی:

"اَلسَّلَامُ عَلَيْکَ يَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰه".

اتنا قریبی رشتہ ہے ___ حسنؑ و حسینؑ جیسے بیٹے اللہ نے دیئے، یہ دونوں بھائی آپس میں مثال بنے ہیں، ایسے بھائی آج تک نہ پیدا ہوئے اور نہ ہی پیدا ہوں گے۔ علیؑ کا سینہ فخر سے تن جاتا ہے جب کوئی کہتا تھا:

"حسنینؑ کے بابا ___ اور جنابِ سیدہؑ شکر کے سجدے کرتی تھیں جب کوئی کہتا تھا: حسنینؑ کی اماں ___ خدا نے ایسے عظیم فرزند عطا فرما دیئے جنابِ علیؑ و سیدہؑ کو ___ اور ایسے بھائی دنیا میں پیدا ہوئے ہی نہیں جیسے یہ بھائی تھے۔ حسنؑ و حسینؑ کے بعد اللہ نے علیؑ کو ایک بیٹا عطا فرما دیا، وہ تھے جنابِ حنفیہؒ ___ امیر المؤمنین علیہ السلام کے تیسرے بیٹے تھے، فرق صرف یہ تھا کہ حسینؑ کی والدہ جنابِ سیدہؑ تھیں، اور حنفیہ کی والدہ اور خاتون تھیں۔ ویسے جنابِ حنفیہ علیؑ کی شجاعت کے مالک تھے، علی علیہ السلام کی بہادری کے مالک تھے، عرب کا مانا ہوا سردار، دنیا لوہا مانتی تھی اُن کی بہادری و طاقت کا ___

مؤمنین کرام! جب معرکہ جمل ہوا ہے، اُس جنگ میں علی علیہ السلام کی فوج کا عَلَم ان ہی (محمد حنفیہ) کے ہاتھ میں تھا، یہی علمبردار تھے، اور وہ علیؑ کی وصیتیں ہیں جنگ کے موقعہ پر (جو نہج البلاغہ میں محفوظ ہیں اور دوسری کتابوں میں بھی) وہ ان ہی (محمد حنفیہ) کو وصیتیں کی تھیں کہ:

"لو محمد، یہ عَلَم سنبھالو اور میدانِ جنگ میں جاؤ۔ دیکھو! سب سے پچھلی صف پر تمہاری نظر رہے۔ پہاڑ ٹل جائیں مگر تمہارے قدم اپنی جگہ سے نہ ہلنے پائیں۔ اپنے دانتوں کو مضبوط جما لینا، اپنا سر خدا کے سپرد کر دینا اور حملہ کرنا۔ جاؤ بیٹا! شاباش۔ خدا تمہارا محافظ ہو"۔

یہ فرما کر علی علیہ السلام نے محمد حنفیہ کو میدانِ جنگ میں بھیجا۔ انہوں نے واقعاً شجاعت کے جوہر دکھائے اور جب جوہر شجاعت دکھا کے واپس آئے تو علی علیہ السلام نے شہد کا شربت پلایا، سائے میں بٹھایا، عبا کے دامن سے ہوا کی، جب تازہ دم ہو گئے تو دوبارہ بھیج دیا۔

پھر جب تازہ دم ہو گئے، تیسری دفعہ بھیج دیا۔ جب تیسری دفعہ بھیج رہے تھے تازہ دم کر کے تو محمد حنفیہ کے منہ سے نکل گیا: بابا جان! جو میرے بڑے بھائی ہیں حسنؑ و حسینؑ! اس دفعہ انہیں بھیج دیں۔ علیؑ کا یہ سننا تھا کہ فرمایا: محمد حنفیہ! میں سمجھ گیا، تو جانے سے ہچکچا رہا ہے، اس لئے کہ تیری ماں کے دودھ کا اثر یہی ہے۔

اب جو مولاؑ نے یہ فقرہ کہا کہ تیری ماں کے دودھ کا اثر ہے تو بچے کو غیرت آ گئی۔ زرہ جو پکڑی ہوئی تھی، ہاتھ سے اُسے توڑ دیا اور اب کے جو حملہ کیا تو جنگِ جمل کا فیصلہ ہی کر دیا۔ بہر نوع ایسا بہادر بیٹا خدا نے علی علیہ السلام کو عطا فرمایا۔ اُدھر حسنؑ و حسینؑ جیسے بیٹے، اِدھر محمد حنفیہ جیسا بہادر بیٹا علی علیہ السلام کے پاس موجود، جس کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی دنیا میں، ان بیٹوں کے ہوتے ہوئے ____

ایک دن امیر المومنینؑ نے اپنے بڑے بھائی حضرت عقیلؑ کو بلایا، عقیلؑ آئے، علی علیہ السلام تعظیم کو اُٹھے اور عقیلؑ کہتے ہیں: یا علیؑ! تم امامِ زمانہ ہو، تم میری تعظیم نہ کرو۔ مولاؑ نے فرمایا: عقیلؑ بھائی! میں نے بحیثیت امامؑ نہیں بلایا بلکہ بھائی کی حیثیت سے آپؑ کو بلایا ہے۔ آپؑ بڑے بھائی ہیں اور بڑا بھائی باپ کے برابر ہوتا ہے۔ میں آج آپؑ سے خاص بات کہنا چاہتا ہوں۔ عقیلؑ نے پوچھا: یا علیؑ! کونسی بات؟

مولاؑ نے فرمایا: عقیلؑ بھائی! میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپؑ عرب کے تمام خاندانوں سے واقف ہیں، کسی ایسے خاندان میں میرا عقد کروا دیں جو عرب بھر میں بہادری میں مانا ہوا خاندان ہو۔ میں ایک بہادر خاندان کی بہادر خاتون سے عقد کرنا چاہتا ہوں تا کہ اُس خاتون سے جو بیٹا پیدا ہو، وہ میری شجاعت کا وارث ہو۔ عقیلؑ نے کہا: ٹھیک ہے۔ میں رات بھر غور کروں گا، کل صبح بتاؤں گا۔ اگلے دن صبح عقیلؑ تشریف لائے اور کہنے لگے:

یا علیؑ! میں نے وہ خاندان ڈھونڈ لیا ہے جہاں تمہارا عقد کروانا ہے۔ مولاؑ نے فرمایا: کونسا خاندان؟ تو جنابِ عقیلؑ نے فرمایا: بنی کلاب۔ عرب کا مانا ہوا بہادر خاندان۔ لوگ اُس خاندان کے آدمیوں کے نام اپنی تلواروں پر کندہ کروا لیتے ہیں۔ یا علیؑ! اس خاندان میں آپؑ کا عقد ہوگا۔

خاندانِ بنی کلاب خیموں میں رہتا تھا۔ اتفاق سے (بنی کلاب) مدینے سے دس بارہ میل کے فاصلے پر خیمے ڈالے ہوئے تھے۔

آپؑ نے فرمایا: علیؑ! وہ آئے ہوئے ہیں، میں ابھی وہاں آپؑ کی خواستگاری کیلئے جاتا ہوں۔ چنانچہ عقیلؑ خود چل کے قبیلہ بنی کلاب کے پاس پہنچے اور قبیلہ کے سردار سے ملے جس کا نام تھا ''خرام''۔ قبیلہ کے سردار نے پوچھا: آپؑ کون ہیں؟ جنابِ عقیلؑ نے جواب دیا: میں عقیلؑ ہوں۔ کون عقیلؑ؟ جنابِ ابی طالبؑ کا بڑا بیٹا ____ اب جو سردار نے یہ سنا کہ ابو طالبؑ کا بڑا بیٹا میرے سامنے کھڑا ہے تو اُس نے عقیلؑ کے پیروں پر اپنا سر رکھ دیا اور کہنے لگا: ارے بیضۃ البلد کا بیٹا، سیدؑ العرب کا بیٹا، امیر القوم کا بیٹا، ابی طالبؑ کا بڑا فرزند ____ آپؑ یہاں کہاں ٹھہر گئے؟ ہم خادموں کے گھر جو موجود ہیں؟

چنانچہ تمام قبیلہ استقبال کر کے عقیلؑ کو اپنے قبیلے میں لے گیا۔ ایک بہترین خیمہ میں ٹھہرایا۔ تین دن تک جب فرائضِ مہمانی ختم ہو گئے تو سردارِ قبیلہ عرض کرتا ہے:

''اے امیر العرب کے بیٹے! آپؑ نے کیوں زحمت فرمائی؟ آپؑ حکم فرمائیں۔ ہمارے لئے کیا حکم ہے؟ جنابِ عقیلؑ کہتے ہیں: شیخ! تو ہمارے خاندان کو جانتا ہے؟ سبحان اللہ! وہ کون ہوگا جو آپؑ کے خاندان کو نہیں جانتا؟ وہ تو کوئی نابینا ہی ہوگا جس نے آپؑ کے خاندان کی عظمت نہ دیکھی ہو۔ بنی ہاشم کا خاندان آفتاب و ماہتاب کی طرح روشن ہے اور ابوطالبؑ کی اولاد ساری دنیا سے زیادہ معزز و محترم ہے۔ حضور! حکم فرمائیں''۔

سردار! میں چاہتا ہوں کہ میرے خاندان کا ''رشتہ'' تمہارے خاندان میں ہو جائے۔ شیخ پوچھتا ہے: حضور! اس سے بڑھ کر ہماری عزت اور کیا ہوگی؟ آپؑ حکم فرمائیں کس کا رشتہ چاہتے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: میں اپنے چھوٹے بھائی علیؑ کا رشتہ تمہارے خاندان میں چاہتا ہوں۔ بس اُدھر عقیلؑ نے ''علی علیہ السلام'' کا نام لیا، اِدھر قبیلے کا شیخ جھوم اُٹھا: قبلہ کس کا رشتہ؟ علیؑ کا۔ پھر اُس نے پوچھا: حضور! ایک دفعہ پھر کہیں، کس کا رشتہ؟ علیؑ کا۔ بار بار پوچھتا ہے وہ، ہاتھ اُٹھاتا ہے، خدایا! کس کا نام آیا، علیؑ کا رشتہ اور ہمارے گھر۔ ہمارے خاندان میں؟ حضور! میری بچی موجود ہے، جب حکم دیں۔ جنابِ عقیل نے کہا: سردار! مجھے یہی توقع تھی کہ تم یہی جواب دو گے۔ جاؤ، ذرا اپنی صاحبزادی سے دریافت کرو۔ قبلہ! بچی سے کیا پوچھنا ہے؟ میں جو بچی کا باپ کہہ رہا ہوں؟ تو جنابِ عقیلؑ نے کہا: سردار! یہ اسلامی قانون ہے، لڑکی سے پوچھنا چاہئے، پھر رشتہ طے ہو جائیگا۔

بہرنوع، خرام، سردارِ بنی کلاب، گھر آیا۔ آ کے بیوی سے کہا: سنتی ہو، قسمت یاور ہو گئی، نصیب جاگ اُٹھا، بیٹی کا رشتہ آیا ہے۔ چونکہ خرام کی ایک اکلوتی بیٹی تھی، جس کا نام فاطمہ تھا۔ بیوی نے سمجھا کہ کسی بادشاہ کا رشتہ آیا ہوگا۔

آخر بیوی نے پوچھا: بتاؤ تو سہی، کس کا رشتہ آیا ہے؟ خرام نے جواب دیا: پہلے شکریہ کی دو رکعت نماز پڑھ لو، پھر بتاؤں گا۔ جب اُس مؤمنہ کو پوری طرح متوجہ کر لیا تو کہنے لگا: ہمارے گھر، ہماری بیٹی کیلئے، علی علیہ السلام کا رشتہ آیا ہے۔ وہ خاتون کہتی ہیں: کیوں تم ایسی باتیں کرتے ہو؟ علیؑ کا رشتہ اور ہمارے گھر! محمدؐ کا داماد اور ہمارا داماد بنے؟ ہمیں خیال بھی نہیں آ سکتا کہ ہماری اتنی عزت ہو۔

خرام بولا: واقعاً علیؑ کا رشتہ آیا ہے۔ تو خاتون نے جواب دیا: سبحان اللہ! پھر دیر کیا ہے؟ ذرا بچی سے پوچھنا ہے؟ کیوں؟ اُس سے کیا پوچھنا ہے؟ کیوں؟ اُس سے پوچھنا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اُس سے پوچھ لو۔

چنانچہ سہیلیاں بلوائی گئیں، سہیلیوں کے ذریعے پچھوایا گیا تو انہوں نے کہا: میرے رشتے کا اختیار ماں باپ کو ہے۔ مگر رات میں نے ایک خواب دیکھا ہے، وہ میری اماں کو جا کے بتا دیں۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی محترم خاتون ہیں جنہوں ے مجھے دلہن بنایا ہے۔ دلہن بنا کے مجھے پیار کیا ہے اور پیار کر کے فرمایا: تجھے مبارک ہو، تو میرے بیٹے کی ماں بنی ہے۔ بہرنوع سہیلیوں نے آ کے کہہ دیا، رشتہ طے ہو گیا اور چند دن بعد خاندانِ بنی ہاشم برات لے کر گیا۔ علیؑ کا عقد ہوا، فاطمہ کلابیہ جو بعد میں اُم البنین کہلائیں، رخصت ہو کر علیؑ کے گھر آئیں، دروازے پر محمل بٹھائی گئی، تمام بنی ہاشم ننگی تلواریں لئے ہوئے محلے کا پہرہ دے رہے تھے۔

لوگو! خبردار، کوئی سواری پر سوار ہو کے نہ گزرے۔ کوئی مکان کی چھت پر نہ چڑھنے پائے۔ علیؑ کا ''ناموس'' آیا ہے، علیؑ کا حرم آیا

ہے۔ چنانچہ بی بی محمل سے اُتریں، دروازے پر آئیں، چوکھٹ کو چوما، شکر کا سجدہ کیا، دروازے کے اندر قدم رکھا اور وہیں زمین پر بیٹھ گئیں۔

جنابِ زینب سلام اللہ علیہا نے آ کے کہا: اماں! اندر آؤ۔ بی بی کہنے لگی: فاطمہؑ کی بیٹیو! مجھے اماں نہ کہو، میں تمہاری خدمت کیلئے آئی ہوں۔ میں تمہاری خادمہ ہوں۔ حسنینؑ آئے، اماں! چلو اندر۔ شہزادو! میں تمہاری خدمت کیلئے آئی ہوں، تمہارے گھر کے کام کاج کیلئے، تمہارے نعلین صاف کرنے کیلئے، یہ گھر سیدہؑ کا گھر ہے۔ تم سیدہؑ کی اولاد ہو، میں تمہاری کنیز بن کے رہوں گی۔

محترم مؤمنین! پورا ایک سال گزرا اس شادی کو تو خداوند عالم نے وہ بیٹا عطا فرمایا جس کی علی علیہ السلام کو تمنا تھی۔ علی علیہ السلام مسجد میں بیٹھے تھے، اطلاع دی گئی: یا علیؑ! مبارک ہو، خدا نے بیٹا عطا فرمایا ہے۔ علیؑ گھر میں آئے، ماں کی گود میں بچہ کو دیکھا، دیکھ کے کہتے ہیں: ماشاء اللہ! وہی ہے جس کی مجھے تمنا تھی۔ علیؑ، اُم البنین سے کہتے ہیں: اُم البنین! مبارک ہو، تو اس بچے کی ماں بنی۔ اُم البنین عرض کرتی ہیں: یا علیؑ! اس نے آنکھ نہیں کھولی؟ علیؑ جواب میں فرماتے ہیں: ہاں، مجھے پتہ ہے، یہ آنکھ نہیں کھولے گا۔ آخر میرا بیٹا ہے نا___ پھر مولاؑ فرماتے ہیں: حسینؑ کو بلواؤ، حسینؑ آ گئے۔ حسینؑ! ذرا بھائی کو گود میں لینا۔

اب جو حسینؑ نے ہاتھ پھیلائے تو بچے نے آنکھ بعد میں کھولی، دونوں ہاتھ پہلے پھیلا دیئے۔ غالباً ہاتھ پھیلانے کا مطلب یہ تھا کہ حسینؑ! آنکھ تو کھلتی رہے گی، پہلے میرے دونوں ہاتھوں کا نذرانہ قبول فرمائیں۔ آقا! میں دونوں ہاتھ ابھی سے آپؑ کی نذر کرتا ہوں۔

چنانچہ حسینؑ نے گود میں لے لیا، بھائی کا منہ چوما، بچے نے آنکھیں کھولیں اور سب سے پہلے حسینؑ کا چہرہ دیکھا۔ پھر علی علیہ السلام نے گود میں لے کر ایک کان میں اذان کہی، ایک کان میں اقامت کہی اور فرمایا: مجھے رسولؐ نے وصیت کی تھی کہ اس بچے کا نام "عباسؑ" رکھنا۔ چنانچہ "عباسؑ" نام رکھا گیا۔ اب جنابِ زینبؑ فرماتی ہیں: اسے میری گود میں دو۔ بہن نے گود میں لے لیا اور کان پر منہ رکھ کے کچھ بات کہی تو امیر المؤمنینؑ پوچھتے ہیں:

زینبؑ! کیا بات کہی ہے؟ بابا جان! اماں کی ایک وصیت تھی، وہ سنائی ہے۔ مولاؑ نے پوچھا: زینبؑ! کونسی وصیت؟ بی بیؑ نے فرمایا: اماں نے رحلت کے وقت فرمایا تھا کہ ایک بچہ پیدا ہوگا، عباسؑ اُس کا نام ہوگا۔ جب وہ پیدا ہو تو گود میں لے کر اُس کے کان میں یہ کہہ دینا: اماں سلام کہتی تھی!

مؤمنین کرام! بات مختصر کرتا ہوں۔ حسینؑ کربلا گئے تو حسینی قافلے کے انچارج عباسؑ، حسینی فوج کے سپہ سالار عباسؑ، حسینؑ اگر کہیں خط لکھتے تو لکھنے والے عباسؑ، کوئی مشورہ کرتے تو وزیر عباسؑ، حسینؑ کے خیموں کے محافظ عباسؑ، حسینؑ کے بچوں کو بہلانے والے عباسؑ۔ غرض کوئی ایسا نہیں تھا جو اس ایک انسان کے سپرد نہیں تھا۔ دنیا کا ہر کام اس انسان کے سپرد تھا۔

میرے سامعین! میں اپنا بیان مختصر کرتا ہوں کہ کربلا میں نویں محرم الحرام کی رات کو زینبؑ نے عباسؑ کو اپنے خیمے میں بلایا۔ آپؑ تشریف لے گئے، عباسؑ نے عرض کی: بی بیؑ! کیا حکم ہے؟ عباسؑ بھائی! کل کیا ہوگا؟ عباسؑ عرض کرتے ہیں: آپؑ فکر نہ کریں، آپؑ ملکہ عالم ہیں، آپؑ گھبرائیں نہیں، جب تک میں زندہ ہوں، کسی کی طاقت نہیں جو آپؑ کی چادر کا نام لے لے۔ اب زینبؑ کا اطمینان ہوگیا، حوصلہ ہوگیا اور تمام خیموں میں جتنی عورتیں تھیں، سب کو بلایا: بیبیو! میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ تمہاری چادر کی ضامن ہوں۔

اے حضورِ والا! صبح ہوگئی، صبح کے بعد دو پہر ہوگئی، جب تمام سپاہی شہید ہو گئے تو قمر بنی ہاشم سامنے آئے اور آ کے امام حسینؑ سے عرض کرتے ہیں: مولاؑ! میں مرنا چاہتا ہوں۔ مجھے مرنے کی اجازت دے دیں مولاؑ۔ اور حسینؑ نے دیکھ کے فرمایا: عباسؑ! تم تو میرے علمدار ہو۔ مولاؑ! علمدار ضرور ہوں مگر وہ فوج ہے کہاں جس کا میں علمدار ہوں؟ مولاؑ! مجھے اجازت مرحمت فرما دیجئے۔ کوثر پر میرے سپاہی میرا انتظار کر رہے ہیں اور مولاؑ نے اجازت کے ساتھ ساتھ یہ فرما دیا: بھائی! خیمے میں جاؤ، بچی کی مشک بھی لے جاؤ اور اسے پانی سے بھر لو۔ چنانچہ عباسؑ خیمے میں آئے، بچی کو بلایا: شہزادیؑ! مجھے اپنی مشک دو۔

بچی نے اپنے ہاتھ سے چچا کے کاندھے پر مشک رکھ دی اور سکینہؑ نے تمام خیموں میں بچوں کو خوشخبری سنائی، بچو! مبارک ہو، میرے چچا سقا بن کے جا رہے ہیں۔

بہر نوع عباسؑ نے بہنوں کو سلام کیا، زینبؑ کو سلام کیا اور اپنے خیمے میں گئے۔ زوجہ سے کہا: خدا حافظ، میں جا رہا ہوں، ان بچوں کا خیال رکھنا۔

مؤمنین! اس موقعہ پر میر انیس مرحوم کا ایک شعر سنا دوں کہ جب بچوں کی بات کہی تو زوجہ کہتی ہیں: آپؑ بچوں کی فکر نہ کریں:

کچھ غم نہ کریں آپ یہ پروان چڑھیں گے
میں قبر کو جھاڑوں گی یہ قرآن پڑھیں گے

بہر نوع! زوجہ عباسؑ یہ کہہ رہی تھیں، عباسؑ میدان میں چلے گئے۔ تمام بیبیاں خیمے کے صحن میں کھڑی ہیں اور اپنے ہاتھوں میں خالی کوزے لئے ہوئے دروازے سے باہر بچے کھڑے ہیں، سب کی نظریں علَم پر ہیں، علَم گیا میدان میں، نہر پر پہنچے۔

مؤمنین کرام! یہاں میں ایک شعر اور سنا دوں کہ جب عباس علیہ السلام نے پانی سے مشک کو بھرا اور دشمن کی فوج کی طرف پانی اُچھالنے کا مطلب یہ تھا:

خواہش پہ ٹوٹ کے گرنا نہیں آتا
پیاسا ہوں مگر ساحلِ دریا پہ کھڑا ہوں

خواہش کا تقاضا تو یہ تھا کہ عباسؑ جب پانی بھر رہے ہیں مشک میں، خود پی لیتے مگر انہوں نے پیا نہیں بلکہ ہاتھوں سے پانی اُچھال کر دشمن کو دکھا رہے ہیں کہ:

پیا سا ہوں مگر ساحلِ دریا پہ کھڑا ہوں

المختصر! عباسؑ جب واپس لوٹے اور بچوں نے علَم کو واپس آتے دیکھا تو سکینہؑ نے خوش ہو کر کہا: بچو! وہ میرا سقا آ رہا ہے۔ سب کی نظریں علَم پر لگی ہوئی ہیں اور تھوڑی سی دیر میں کیا دیکھا کہ علَم کبھی دائیں طرف جھکتا ہے، کبھی بائیں طرف جھکتا ہے۔ اب جو علَم کو ڈگمگاتے ہوئے دیکھا تو جنابِ زینب سلام اللہ علیہا نے آواز دی: حسینؑ! یہ کیا ہو گیا ہے؟ اور امام حسینؑ فرماتے ہیں:

زینبؑ! دیکھ تو میں بھی رہا ہوں مگر میری کمر ٹوٹ گئی۔ مجھ سے چلا نہیں جاتا۔ میری کمر ٹوٹ گئی۔

مؤمنین! تھوڑی دیر میں علَم سرنگوں ہوا اور حسینؑ لاشے پر پہنچے۔ گود میں سر لیا، عباسؑ بھائی! ہم آ گئے۔ مولاؑ! آپؑ نے بڑا کرم فرمایا، میں نے آواز نہیں دی تھی۔ حضورؑ نے بڑی تکلیف فرمائی۔ اب اگر حضورؑ مناسب سمجھیں تو ہونے والے امام زین العابدین علیہ السلام تک میرے دو پیغام پہنچا دیجئے۔ مولاؑ نے فرمایا: عباسؑ بھائی کہو، کیا بات ہے؟

مولاؑ! ایک تو یہ ہے کہ جب میری قبر بنائیں تو قبر پر میرا نام نہ لکھیں بلکہ نام کی بجائے یہ لکھیں: ''پیاسوں کا سقا جو پیاسا مارا گیا'' اور جب وطن واپس جائیں تو میری اماں کو میرا اسلام کہہ دیں، بس اتنا کہنا میری اماں سے کہ ''میں نے تیرے دودھ کی عزت رکھ لی ہے''۔

اس کے بعد عباسؑ خاموش ہو گئے، روح پرواز کر گئی۔ امامؑ نے علَم اُٹھایا، علَم میں مشک باندھی، علَم لے کر خیمے میں آئے، سیدانیوں نے علَم کی تعظیم کی اور حسین علیہ السلام نے علَم زینبؑ کے سپرد کر دیا۔ زینبؑ! یہ علَم آ گیا، اب اس کا پنجہ اُتار دو، اس کا پٹکا کھول دو، اب مجھے کسی علَم کی ضرورت نہیں رہی، مجھے جی بھر کے دیکھ لو بہن! میں جا رہا ہوں۔

اور زینبؑ علَم لے کر خیمے کے صحن میں کھڑی ہو گئیں۔ بلند آواز میں فرمایا: بیبیو! آؤ، میری بات سنو، رات میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ میں تمہارے پردے کی ضامن ہوں۔ اب میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں، میں نے جس بھروسے پر کہا تھا: وہ ختم ہو گیا، میرا بھائی عباسؑ مارا گیا۔

❁ ❁ ❁

# شہادتِ حضرت علی اکبر علیہ السلام

سید الشہداءعلیہ السلام کی پہلی جو حرمِ محترم تھیں، وہ تھیں جنابِ شہر بانو، اُن کا انتقال ہو چکا تھا اور اُن کے بطن طیب سے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام پیدا ہوئے اور حضرت اُمِ لیلیٰ کے بطن طیب سے خداوند عالم نے پہلے تو ایک بیٹی عطا فرمائی اور اُس کے بعد اللہ نے ایک فرزند عطا فرمایا جن کا نام شہزادہ علی اکبرؑ تھا۔

مؤمنین کرام! جنابِ امام زین العابدین علیہ السلام جب پیدا ہوئے تو اس وقت امیر المؤمنین علیہ السلام موجود تھے، دادا کی موجودگی میں امام زین العابدینؑ پیدا ہوئے تھے۔ ان کی والدہ شہر بانو شاہِ ایران کی بیٹی تھیں اور جب امام زین العابدینؑ پیدا ہوئے تو امام حسین علیہ السلام نے انہیں ایک سفید کپڑے میں لپیٹا اور مسجد میں لے گئے۔ محرابِ مسجد میں لٹا کر دو رکعت نماز پڑھی اور نماز پڑھ کر کہا: خداوندا! تو نے یہ نعمت مجھے عطا فرمائی ہے، میں تیری ہی نذر کرتا ہوں اور یہ کہہ کے بچے کو وہیں مسجد میں لیٹا چھوڑ کے گھر واپس آ گئے۔ حسینؑ تو مسجد میں لٹا کے آ گئے امام زین العابدین علیہ السلام کو، اب امیر المؤمنین علیہ السلام مسجد میں گئے، دو رکعت نماز پڑھی اور ہاتھ اُٹھا کے دعا کی:

خداوندا! حسینؑ یہ نعمت تیرے سپرد کر گیا، میں تجھ سے مانگنے آیا ہوں اور علیؑ گود میں لے کر امام زین العابدینؑ کو گھر میں آ گئے اور آواز دی: زینبؑ بیٹا! میں اسے مانگ کے لایا ہوں خدا سے اور تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ اسے تم نے خصوصیت کے ساتھ پرورش کرنا ہے۔ اور زینبؑ! اس کے بدن میں شہنشاہی خون ہے، خیال رکھنا، باقی بچوں کی طرح اسے نہ پالنا۔ اس کے گہوارے میں نرم گدا بچھایا جائے، چونکہ اس میں شہنشاہی خون ہے۔

اس طرح زینب سلام اللہ علیہا نے پالنا شروع کیا اور جب پیدل چلنے لگے تو امیر المؤمنین علیہ السلام انگلی پکڑ کے چلتے کہ کہیں ٹھوکر نہ لگ جائے، کہیں گر نہ جائے۔ جب ذرا بڑے ہوئے تو امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام اور امام حسینؑ نے یہ اہتمام کیا امام زین العابدینؑ کیلئے، چونکہ اس کے مزاج میں شہنشاہی خون ہے، لہٰذا حکم یہ تھا کہ اس کے سامنے کوئی اونچی آواز سے نہ بولے۔ شاہی مزاج ہے، برداشت نہیں کرے گا اور گھر میں عورتوں کو یہ حکم تھا کہ جب زین العابدینؑ گھر بیٹھے ہوں تو گھر کے اندر بھی کسی کے سر سے چادر نہ اُترے، شاہی غیرت ہے، برداشت نہیں کرے گی۔ گو امام زین العابدین علیہ السلام کی ایسی شان سے پرورش ہو رہی تھی۔ اس کے بعد جب لیلیٰ کے بطن سے دوسرا فرزند ہمشکلِ رسولؐ، اللہ نے عطا فرمایا تو امیر المؤمنینؑ موجود نہیں تھے۔ آخر امام حسین علیہ السلام نے اس بچے کو گود میں اُٹھایا اور لے جا کر اُسی طرح مسجد میں لٹا دیا، دو رکعت نماز پڑھی اور اللہ سے دعا کی:

خداوندا! یہ نعمت تو نے مجھے عطا فرمائی ہے، میں یہ تیری ہی نذر کرتا ہوں۔ تو ہی مالک ہے اس کا۔ حسینؑ بچے کو لٹا کے چلے آئے۔ اب علیؑ تو تھے نہیں، آخر زینبؑ نے برقعہ پہنا اور مسجد میں تشریف لائیں:

خداوندا! حسینؑ تو یہ نعمت تیرے سپرد کر گئے ہیں، میں مانگنے آئی ہوں اور اس بیٹے کو جو لیلیٰ کے بطن سے پیدا ہوا تھا، جن کا نام علی اکبرؑ مشہور ہے، اسے زینبؑ لے آئیں۔

زینبؑ نے پالنا شروع کیا، علی اکبرؑ سوتے زینبؑ کے پاس، گود میں کھیلتے تو زینبؑ کے پاس! بھول گئے کہ ماں کون ہے، یہاں تک کہ سارے مدینہ میں علی اکبر، علیؑ ابن زینبؑ مشہور ہو گئے۔ کہیں بچے کو نظر نہ لگ جائے، اس شان سے پرورش ہو رہی تھی علی اکبرؑ کی۔ زینبؑ کبھی گود میں لے کر حسینؑ کے سامنے آتیں تو حسینؑ مسکرا کے کہتے:

زینبؑ! ماشاءاللہ، تمہارا بیٹا تو بڑا حسین ہے، بڑا سمجھدار ہے۔ ہماری تمنا ہے، ہمارا دل چاہتا ہے، ہماری خواہش ہے کہ تمہارا بیٹا ہم سے کوئی شے مانگے۔ اور زینب جواب میں کہتیں: میرا بیٹا غیرت دار ہے، میرے ہوتے ہوئے کیوں مانگے کسی سے؟ یہ بہن بھائی کی باتیں ہوئیں۔ علی اکبرؑ کو کسی شے کی ضرورت ہوتی تو زینبؑ سے مانگتے۔ کوئی شے چاہتے تو زینبؑ سے مانگتے۔ لباس زینبؑ تیار کرتیں، کھانا زینبؑ تیار کرتیں۔ اس شان سے علی اکبرؑ پلتے رہے اور زینبؑ نے یہ تیاریاں بھی شروع کر دیں کہ چونکہ یہ میرا بیٹا ہے، اس کی شادی اس شان سے کروں گی کہ دنیا یاد رکھے گی کہ بنی ہاشم کے شہزادے کی شادی کس شان سے ہوئی تھی۔ بس اٹھارہ سال پورے ہو جائیں، انشاءاللہ انیسویں سال شادی کروں گی____ اور

سترہ سال پورے ہوئے، اٹھارہواں سال شروع ہوا جو سفر شروع ہو گیا۔ زینبؑ بھی سفر میں، علی اکبرؑ بھی سفر میں، اور سفر بھر یہ عالم رہا کہ زینبؑ کے محمل کے ایک طرف حسینؑ کا گھوڑا، ایک طرف علی اکبرؑ کا گھوڑا، پھر بھی زینبؑ بار بار کہتیں: علی اکبرؑ بیٹا! سر پر کوئی کپڑا ڈال لو، دھوپ نہ لگ جائے۔ بیٹا! سائے میں بیٹھنا، گرمی شدید ہے۔ بیٹا! کھانا میرے سامنے بیٹھ کے کھانا، میں خود دیکھوں گی۔ علی اکبرؑ اس ناز و نیاز ہی سے پلتے ہوئے کربلا میں آ گئے۔

امام علیہ السلام نے کربلا میں زمین خریدی تو زینبؑ نے دبی زبان میں امام علیہ السلام سے فرمایا: حسینؑ! یہ زمین اگر میرے بیٹے کے نام ہو جائے تو امامؑ نے فرمایا: اسے بھی حصہ ملے گا۔ اس لاڈ سے، پیار سے زینبؑ، علی اکبرؑ کی پرورش کر رہی تھیں۔ اُدھر ماں لیلیٰ بھی خوش تھیں کہ اللہ نے مجھے علی اکبرؑ جیسا فرزند عطا فرمایا ہے۔

بزرگانِ من! میں اپنے بیان کو یہاں آ کر ختم کرتا ہوں کہ ساتویں محرم الحرام کو کربلا میں پانی بند ہو گیا مگر زینبؑ کے منہ سے ایک دفعہ نہ نکلا کہ میرے عونؑ و محمدؑ پیاسے ہیں۔ جب گھبرا کر کہا: یہی کہا کہ میرا اکبرؑ پیاسا ہے۔ حسینؑ! دیکھتے نہیں، میرے اکبرؑ کا چہرہ اُتر گیا ہے۔ میرے اکبرؑ کے ہونٹ خشک ہیں___ آخر نو تاریخ بھی گزر گئی، دسویں کی شب آ گئی اور جب دسویں کی شب آئی تو امامؑ اپنے مصلے سے اُٹھے، بیت الشرف میں تشریف لائے تا کہ دیکھیں کہ مستورات کیا کر رہی ہیں۔ سب سے پہلا خیمہ جنابِ زینبؑ کا آیا، امامؑ نے دیکھا کہ چراغ روشن ہے، عونؑ و محمدؑ سامنے بیٹھے ہیں اور سمجھا رہی ہیں کل کیلئے____

اُس سے دوسرا خیمہ تھا جنابِ لیلیٰ کا___ امامؑ جب وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ لیلیٰ بیٹھی ہیں اور علی اکبرؑ کا سر زانو پر رکھا ہوا

ہے، ایک ہاتھ میں شمع روشن کی ہوئی ہے، ایک ہاتھ سے اکبرؑ کے بالوں میں کنگھی کر رہیؑ ہیں، شمع سے اکبرؑ کا چہرہ دیکھ رہی ہیں اور کہہ رہی ہیں:

علی اکبرؑ بیٹا! تیری ماں کا معاملہ بڑا نازک ہے۔ تجھے پتہ ہے کہ میرا رشتہ ان ظالموں سے ہے، اگر کل تو کسی وجہ سے بھی پیچھے رہ گیا تو دنیا یہ کہہ دے گی کہ ماں نے روک لیا ہوگا۔ میری عزت کا سوال ہے بیٹا! کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ حسینؑ کا بیٹا ہوتا تو کبھی نہ رُکتا۔ یہ اُس کی اماں کے دودھ کی تاثیر ہے۔ میرے دودھ کی لاج رکھنا میرے لعل۔

بہرنوع یہ باتیں ہو رہی تھیں ماں بیٹے کے درمیان۔ حضورِ والا! صبح عاشور میدانِ شہادت گرم ہو گیا اور صبح سے لے کر دن ڈھلتے تک حسین علیہ السلام کے کانوں میں آوازیں آتی رہیں: مولاؑ! میں گر گیا، میرے آقا! میں گر گیا۔ جس کسی بھی لاش کو اٹھا کے لائے ہیں، تو لیلیٰ گھبرا کے پوچھتیں: میرا اکبرؑ زندہ ہے ابھی؟ اس لئے نہیں کہ وہ اکبرؑ کی زندگی چاہتی تھیں بلکہ یہ سننا چاہتی تھیں کہ اکبرؑ شہید ہو گیا تاکہ میں سرخرو ہو جاؤں سیدہؑ کے سامنے۔ اور جب تمام اصحابِ حسینؑ ختم ہو گئے اور صرف عزیز باقی رہ گئے تو امامؑ نے آواز دی: اکبرؑ بیٹا! جی قبلہ۔ اِدھر آؤ، سامنے آؤ، میں حکم دیتا ہوں کہ سب سے پہلے تم میدان میں جاؤ۔ بس مولاؑ کا حکم ملنا تھا کہ علی اکبرؑ نے سلام کیا (گھوڑے پر سوار تو تھے ہی) روانہ ہو گئے۔ ابھی دس بارہ قدم گئے ہوں گے کہ مولاؑ نے آواز دی: اکبرؑ بیٹا! ٹھہرو، واپس آؤ۔ علی اکبرؑ واپس آئے، گھوڑے سے اُترو۔ علی اکبر گھوڑے سے اُترے، اب امام علیہ السلام نے فرمایا: بیٹا! پہلے گھر میں جاؤ، ماں کو سلام کرو، بہنوں سے ملو، گھر والوں سے رخصت لو۔ گھر میں ہو کے پھر جانا۔

علی اکبرؑ گھر میں آئے، ساتھ ساتھ امام علیہ السلام بھی تشریف لائے۔ دیکھا کہ سامنے ہی صحن میں جنابِ زینب سلام اللہ علیہا بیٹھی ہیں تو امام علیہ السلام آ کر کہتے ہیں: زینبؑ، بہن! آج اکبرؑ آ رہے ہیں۔ آج میں سننا چاہتا ہوں کہ پھوپھی بھتیجے میں کیا بات ہوتی ہے؟ آج میں خود سنوں گا کہ آج کیا گفتگو ہوتی ہے؟ اکبرؑ خیمے میں آئے، پہلے آ کر لیلیٰ کو سلام کیا، اماں سلام! مگر ماں جواب میں کہتی ہیں: تم ابھی زندہ ہو بیٹا؟ میں تو صبح سے منت مانے بیٹھی ہوں تیری میّت آئے۔

اماں! میں جا رہا ہوں۔ ہاں بیٹا جاؤ، خدا حافظ۔ اور علی اکبر علیہ السلام ماں کو سلام کر کے پھوپھی زینبؑ کے سلام کو پہنچے اور امامؑ دیکھ رہے ہیں کہ پھوپھی بھتیجے میں کیا بات ہوگی۔ جاتے ہی اکبرؑ زینبؑ کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئے۔ زینبؑ نے پیار کیا اور پوچھا: میرے لعل! کیا بات ہے؟ اماں! کوئی بات نہیں۔ میں آپؑ سے ایک مسئلہ پوچھنے آیا ہوں۔ بیٹا! اس وقت کیا مسئلہ تمہیں یاد آ گیا؟ اماں! آپؑ کو پتہ ہے، جب سے میں نے بولنا شروع کیا، جو بات پوچھنی ہے، آپؑ ہی سے پوچھی ہے، جو مانگا ہے، آپؑ ہی سے مانگا ہے۔ آپؑ ہی کو ماں سمجھتا ہوں۔ اماں! آج ایک مسئلہ ہے، وہ بھی آپؑ بتا دیں۔ ہاں بیٹا! پوچھو، کیا مسئلہ ہے؟

اماں! میری دادی فاطمہؑ مرتبے میں زیادہ ہیں یا آپؑ؟ آپؑ دونوں میں کس کا مرتبہ زیادہ ہے؟ دادی فاطمہؑ کا یا آپؑ کا؟ جنابِ زینب سلام اللہ علیہا کہتی ہیں: بیٹا! کیا پوچھ رہے ہو تم؟ تم جیسا سمجھدار نوجوان یہ کیا سوال کر رہا ہے؟ کجا فاطمہؑ؟ کجا میں؟ میں تو فاطمہؑ کی کنیز ہوں۔ بس زینبؑ کے منہ سے نکلنا تھا کہ میں کنیزِ زہراؑ ہوں کہ علی اکبرؑ اُٹھ کے بیٹھ گئے اور بیٹھ کے کہتے ہیں: اگر واقعاً فاطمہؑ کا مرتبہ آپؑ سے زیادہ ہے، آپؑ اُن کی کنیز ہیں جیسا کہ آپؑ کہتی ہیں تو آج ایک کام تو کرو۔ بیٹا! کیا؟ کہ آج فاطمہؑ کے بیٹے پر اپنے بیٹے کو قربان تو کر دو۔

اور اُدھر سے امامؑ نے آواز دی:

زینبؑ! میں نہ کہتا تھا کہ آج میں سنوں گا کہ کیا بات ہوتی ہے؟ اب زینبؑ نے اکبرؑ کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور فرمایا: ہاں بیٹا! خدا حافظ، جاؤ۔ دونوں بہن بھائیوں نے مل کر لباس پہنایا، سر پر عمامہ باندھا، عمامہ کا ایک حصہ گردن کے ساتھ ''**تحت الحنک**'' کی طرح باندھ دیا، علی اکبرؑ کو تیار کیا اور فرمایا: جاؤ بیٹا، خدا حافظ۔

اب جو روانہ ہونے لگے اکبرؑ تو ایک بہن نے آ کر عبا کا دامن پکڑ لیا: اکبرؑ بھائی! جا رہے ہو، مجھ سے مل کر جاؤ۔ اسی طرح دوسری بہن سے ملے، اُس سے رخصت ہو کر جانے لگے تو سب سے چھوٹی بہن سکینہؑ آ کر کھڑی ہوئی اور کہنے لگی: اکبرؑ! آپؑ وہاں جا رہے ہیں جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔ آپؑ کے بعد میرے بابا کا کیا بنے گا؟ میرے بابا پر کیا گزرے گی؟! اکبرؑ نے گود میں لے کر اپنی چھوٹی بہن کو پیار کیا۔ اُس سے رخصت ہو کر جانے لگے۔ خود فوجِ یزید اس بات کی ناقل ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے خیمے کا پردہ اُٹھتا تھا اور گرتا تھا۔ ہو یہ رہا تھا کہ سب سے رخصت ہو کر علی اکبر علیہ السلام باہر آنا چاہتے تھے تو کوئی پھوپھی، ماں، بہنیں پھر آ کر اکبرؑ کا دامن پکڑ لیتیں، اکبرؑ پھر ٹھہر جاتے۔

اور مؤمنین کرام! جب کافی دیر ہوگئی، امام علیہ السلام نے فرمایا: بیبیو! مسافر کا راستہ نہ روکو، بس اب صبر کرو، اکبرؑ کو جانے دو۔ سب خواتین خاموش ہوگئیں۔ اب جو اکبرؑ روانہ ہوئے تو ایسا منظر بن گیا کہ حسین علیہ السلام جیسا صابر بھی وہ منظر نہ دیکھ سکا اور آنکھوں پر رومال رکھ کر گھر سے باہر آ گئے۔ منظر کیا بن گیا؟ کہ سب مستورات سے رخصت ہو کر جب اکبرؑ روانہ ہوئے تو ایک آواز آئی کان میں ____

اکبرؑ! ہم سے بھی مل کر جاؤ نا ____ زین العابدین علیہ السلام بستر بیماری سے اُٹھ کر جھکی ہوئی کمر کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر کہہ رہے تھے۔ دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈال دیئے، اللہ جانے کیا راز و نیاز کی بھائیوں میں باتیں ہوئی ہوں گی؟ اللہ جانے کیا گفتگو ہوئی ہوگی؟ بہر نوع بھائی سے رخصت ہو کر اکبرؑ باہر آئے اور امام زین العابدینؑ اپنے بستر بیماری پر جا کے بیٹھ گئے اور حکم دیا کہ پردہ اُٹھا دو، میں اپنے بھائی کا جہاد خود دیکھنا چاہتا ہوں۔ اکبرؑ باہر آئے اور امام حسین علیہ السلام نے خود رکاب پکڑ کر علی اکبرؑ کو سوار کیا۔ علی اکبرؑ سوار ہو گئے تو امام علیہ السلام نے فرمایا: جاؤ بیٹا، خدا حافظ۔ اب جو اکبرؑ میدان کی طرف جانے لگے تو امامؑ گھوڑے کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ اکبرؑ نے گھوڑا روکا اور عرض کی: قبلہ! آپؑ تکلیف فرما رہے ہیں۔ اگر آپؑ حکم دیں تو میں واپس ہو جاؤں۔ آپؑ کیوں زحمت فرما رہے ہیں؟ مگر آپؑ نے جواب کیا دیا؟ علی اکبرؑ! بات یہ ہے کہ تمہیں ہمارے دل کا احساس نہیں، اس لئے کہ تمہارے کوئی جوان بیٹا نہیں۔ جاؤ میرے لعل! میں یہیں بیٹھا ہوں۔ یہ کہہ کر حسینؑ وہیں زمین پر بیٹھ گئے اور ہاتھ اُٹھا کے دعا کی:

خداوندا! گواہ رہنا، اُس بیٹے کو بھیج رہا ہوں جس صورت و سیرت میں تیرے حبیبؐ سے مشابہ ہے۔ جب میں رسولؐ خدا کی زیارت کا مشتاق ہوتا تھا، اسے دیکھ لیا کرتا تھا۔

حسینؑ بیٹھ گئے ____ اکبرؑ میدان میں چلے گئے۔ جہاد شروع ہوگیا، شیر خدا کے پوتے کا جہاد، حیدرؑ کرار کے پوتے کا جہاد مگر ____ مؤمنین! دورانِ جہاد نوبت یہاں تک پہنچی کہ گھوڑے کے گلے میں اکبرؑ نے دونوں ہاتھ ڈال دیئے اور گھوڑا سوار کو لے کر فوجوں میں گھوم رہا ہے۔ آخر گرنے لگے اور جب گرنے لگے تو آواز دی:

"یَااَبَتَاہُ اَدْرِکْنِیْ".

بابا! میں گھوڑے سے گر رہا ہوں۔ حسینؑ نے آواز سنی، بیٹھے ہیں خاموش۔ لیلیٰ دروازے پر آئیں۔ حسینؑ! میں سیدانی نہیں ہوں، میرے اندر ہاشمی خون نہیں ہے۔ میں غیر خاندان کی ہوں، اس جوان کی ماں ہوں۔ میری ایک التجا ہے جسے آج پہلی دفعہ کہہ رہی ہوں کہ اگر ہو سکے تو اکبرؑ کی لاش لے آئیں، ایک دفعہ زندگی میں مجھے میرے بیٹے سے ملا دو۔

حسینؑ اُٹھے، میدان میں آئے۔ جب اکبرؑ کی لاش نو (۹) قدم کے فاصلہ پر رہ گئی، آ کے آواز دی:

"اُدْعُوْنِیْ یَابُنَیَّ".

اکبرؑ بیٹا! ہمیں پکارو، اکبرؑ بیٹا! ہمیں آواز دو۔ بیٹا! ہمیں آنکھوں سے نظر نہیں آ رہا، ہمیں راستہ نظر نہیں آتا، تم آواز دو، ہم تمہاری آواز کے سہارے آئیں گے۔ بیٹے نے وہاں سے آواز دی: بابا! میں یہاں ہوں۔ اور آواز کے سہارے امام حسین علیہ السلام لاش کے سرہانے پہنچے اور منظر کیا دیکھا؟ بیٹا ایک پاؤں پھیلاتا ہے، ایک پاؤں سمیٹتا ہے۔ حسینؑ دیکھتے رہے اس منظر کو۔ پھر بیٹے کو گود میں لے لیا اور فرمایا: علی اکبرؑ! بیٹا، ہم آ گئے، ہم آ گئے میرے لعل۔ اور علی اکبرؑ نے آنکھیں کھول دیں اور امام علیہ السلام کو دیکھا اور فرمایا: بابا جان! آپؑ نے بڑی تکلیف فرمائی۔ میرا آخری وقت ہے بابا جان۔ ہاں بیٹا! ہم آ گئے۔ کچھ چاہیئے؟ کچھ فرمائش؟ کوئی وصیت؟ اکبرؑ وہ بیٹا ہے جس کے باپؑ کو تمنا تھی کہ اکبرؑ مجھ سے کچھ مانگے اور کبھی نہ مانگا۔ آج حسینؑ کہتے ہیں: بیٹا! کچھ مانگو نا۔ اور اکبرؑ کہتے ہیں:

بابا! آج مانگتا ہوں۔ ہاں بیٹا! مانگو کیا مانگتے ہو؟ تو علی اکبرؑ نے مانگا کیا؟ بابا جان! اگر ہو سکے تو ایک گھونٹ پانی چاہیئے؟ اب حسین کا دل بھر آیا، بھرائی ہوئی آواز میں فرماتے ہیں: بیٹا! یہ تو ممکن نہیں، فکر نہ کر، ابھی تیرے جد تجھے سیراب کریں گے۔ تمہاری دادی تمہیں سیراب کریں گی۔ گھبراؤ نہیں میرے لعل، کچھ اور مانگو۔ بابا جان! ایک چیز اور مانگتا ہوں، وہ یہ کہ اگر آپؑ کو زحمت نہ ہو تو مجھے گھر لے چلیں، میں زندگی میں اپنی ماں سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ یہ کہہ کر کیا کیا حسینؑ نے؟ ایک ہاتھ رکھا اکبرؑ کے پیروں کے نیچے اور ایک ہاتھ رکھا گردن کے نیچے اور بیٹے کو اُٹھایا۔ جوان بیٹا اور بوڑھا باپ، ہاتھ تھرتھرائے، اُٹھایا، پھر دم لے کر دوبارہ اٹھایا، اب کے سینے تک اٹھا لیا، پھر ہاتھ لرزے، پھر لٹا دیا اور لٹا کے فرمایا: اکبرؑ بیٹا! میں مجبور ہو گیا ہوں، تم ذرا سی تکلیف کرو، تم دونوں ہاتھ میرے گلے میں ڈال دو، کچھ سہارا تم کرو، کچھ میں سہارا کروں، اس طرح تمہیں لے چلوں۔

علی اکبرؑ نے ایک ہاتھ ڈال دیا باپ کے گلے میں تو حسینؑ نے کہا: بیٹا! دونوں ہاتھ ڈال دو۔ اب جو حسینؑ نے کہا تو اکبرؑ نے جواب دیا: بابا جان! دوسرا ہاتھ سینے سے ہٹانا نہیں چاہتا، میں آپ کو اپنا سینہ دکھانا نہیں چاہتا۔ بیٹا! کوئی بات نہیں، ہم دیکھیں گے کہ کیا بات ہے؟ اب جو حکم دیا امام علیہ السلام نے تو اکبرؑ نے ہاتھ ہٹا دیا اور حسینؑ نے دیکھا، بس یہ بات تھی بیٹا! دیکھا کیا کہ برچھی کا پھل ٹوٹ کر وہیں رہ گیا ہے۔ ایک انچ بھر باہر نکلا ہوا ہے۔ اکبرؑ کا دل برچھی کے ساتھ چھد چکا ہے مگر حسینی طاقت کو دیکھو____ اکبرؑ کی لاش لٹائی، خود دوزانو بیٹھے، ایک ہاتھ بیٹے کے سینے پر رکھا، ایک ہاتھ سے برچھی پکڑی اور برچھی پکڑ کر منہ آسمان کی طرف کر کے بلند آواز میں آواز دی:

نانا رسولؐ اللہ! دادا ابراہیمؑ کو ساتھ لے کر کربلا میں آیئے، میرے دونوں بزرگو، آ کے دیکھو، میں گھبرا نہیں رہا، میری آنکھوں پر پٹیاں نہیں ہیں، میرا ہاتھ لرز نہیں رہا، میرا بدن کانپ نہیں رہا، میں نے اپنے اسماعیلؑ کے ہاتھ نہیں باندھے ہوئے۔ اور یہ کہہ کر حسینؑ نے برچھی کو ہلایا، برچھی ہلی تو اُس میں اکبرؑ کا پھنسا ہوا دل ہلا، دل کا ہلنا تھا کہ پورا بدن لرز گیا۔ اکبرؑ کا بدن لرزا تو کربلا کی زمین میں زلزلہ آ گیا۔ کربلا کی زمین میں زلزلہ آیا تو حسینؑ کے خیمے لرز گئے اور خیموں کا لرزنا تھا کہ خیمے کے دروازے کا پردہ گرا اور آواز آئی: حسینؑ بھائی! مجھے بھی آنے دے، حسینؑ اکیلا نہ یہ لاش اُٹھا، زینبؑ بھی آ رہی ہے۔ بہن بھائی مل کے یہ کام کریں گے۔ حسینؑ نے وہیں سے آواز دی: زینبؑ! میں اکبرؑ کو قربان کرتا ہوں تیرے پردے پر، زینبؑ تم باہر نہ آنا، میں خود اسے لے کر آ رہا ہوں اور حسینؑ لاشے کو لے آئے اور پورے احترام سے گھر میں پہنچا دیا۔ اکبرؑ نے صرف اتنی بات کہی ہے گھر میں آ کر: اماں! اب تو آپ خوش ہیں ناں، اب تو مطمئن ہیں ناں اور جنابِ لیلیٰ نے سجدے میں سر رکھا ہے تو جب تک خیام جل نہیں گئے، لیلیٰ کے منہ سے یہی نکلتا رہا:

"سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی".

"خداوندا! تیرا شکر ہے"۔

میری نیک کمائی نیک راہ میں کام آئی اور حسینؑ نے لاشے کو لے جا کر گنج شہیداں میں رکھا اور جب اصغرؑ کی قبر بنائی ہے حسینؑ نے، وہ اکبرؑ کی میّت کے بالکل قریب بنائی تھی اور اکبرؑ کا ہاتھ پکڑ کر اصغرؑ کی قبر پر رکھ دیا اور اُٹھ کے فرمایا: اکبرؑ بیٹا! چھوٹے بھائی کا خیال رکھنا۔ میں اصغرؑ تمہارے سپرد کرتا ہوں میرے لعل۔ یہ کہہ کر حسینؑ کھڑے ہو گئے اور اتنا کہا:

اے بیٹا! تیرے بعد یہ دنیا خاک ہے اور اُس دن کے بعد آج کے دن تک حسینؑ کے ٹوٹے ہوئے دل کا ماتم کرتے ہیں ہم ــــــ

نوجوانو! تم نے اکبرؑ کا ماتم کرنا ہے۔ سفید ریش بزرگو! تم نے حسین علیہ السلام کے غم کو زندہ رکھنا ہے، پردہ میں بیٹھنے والی بیبیو! تم نے لیلیٰ و زینبؑ کو پرسا دینا ہے۔

❁ ❁ ❁

# شہادتِ علی اصغر علیہ السلام

آج کی شب میں آپ لوگوں کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، میں اس نیت سے بالکل نہیں آیا کہ آپ کو تقریر سناؤں یا کوئی گفتگو آپؐ سے کی جائے، اس لئے کہ آج مجلس پڑھنے اور سننے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ آج تو ہمیں بغیر کچھ پڑھے اور سنے، محض ہمارا یہ تصور کافی ہے کہ آج کربلا کے میدان میں ایک طرف ظالم و جابر بادشاہ کی ٹڈی دل فوج ہے جس کے ایک ایک سپاہی کے ساتھ ایک ایک سقا موجود ہے جو اُن کے گھوڑوں کے سموں پر پانی چھڑک رہا ہے اور اُن کے پاس حکومت کی مہیا کردہ ہر قسم کی رسد موجود ہے اور تلواریں تیز کی جا رہی ہیں، نیزے درست کئے جا رہے ہیں، کمانیں اور تیر تیار کئے جا رہے ہیں اور دوسری طرف ایک چھوٹی سے فوج ہے مگر آپ بتائیں ایمان سے، کبھی تاریخ عالم میں بہتر (۷۲) آدمی بھی فوج کہلائے؟

بہتر (۷۲) آدمیوں کی جماعت کو آج تک کسی نے فوج کہا ہے؟ پھر فوج میں ہم نے دیکھا ہے کہ جب فوج میں بھرتی ہوتی ہے تو جوان کا قد دیکھا جاتا ہے، اُس کا سینہ ناپا جاتا ہے، اُس کی صحت دیکھی جاتی ہے، ڈاکٹر معائنے ہوتے ہیں، تب جا کے کہیں فوج میں بھرتی ہوتی ہے۔ مگر یہ بہتر (۷۲) کی عجب فوج ہے، اس میں نہ قد دیکھا گیا، نہ عمر دیکھی گئی، نہ کسی کا سینہ ناپا گیا۔ اس میں ڈیڑھ سو برس کا بوڑھا بھی بھرتی ہے، سوا سو سال کا بوڑھا ہے، اسّی نوے سال کے بوڑھے بھی بھرتی ہیں، اس میں بتیس سال کا جوان بھی ہے، اٹھارہ سال کے نوجوان بھی ہیں، نو دس برس کے بچے بھی ہیں اور حد یہ ہے اس فوج کی کہ اس میں چھ مہینے کا سپاہی بھی ہے۔

بتایئے! ایسی فوج کہیں دنیا میں دیکھی ہے آج تک؟ کسی نے ایسا رسالہ، پلٹن دیکھی آج تک جس میں یہ صورت ہو؟ پھر یہ فوجوں کیلئے رسد کے انتظام ہوتے ہیں۔ اچھے سے اچھا کھانا سپاہیوں کو دیا جاتا ہے، اچھے سے اچھا سامان انہیں فراہم کیا جاتا ہے اور اگر کسی فوج کو یہ اندیشہ ہو کہ ہماری رسد بند ہو جائے گی تو وہ فوجیں میدان چھوڑ دیتی ہیں۔ مگر ہماری عجیب فوج ہے کہ تین دن سے رسد بند ہے مگر بیٹھے ہیں۔ کیا مجال ہو جو کسی کی پیشانی پر بل آیا ہو؟ کیا مجال جو کسی کی پیشانی پر شکن آیا ہو، کسی کو ذرا گھبراہٹ ہوئی ہو اور آج کی رات کربلا میں بیٹھنے والوں نے دنیا کے سارے اصول بدل دیئے۔ دنیا کی ساری قدریں بدل دیں۔ دنیا کے سارے ضابطے بدل دیئے، دنیا کے سارے طریقے بدل دیئے۔ جب سے دنیا بنی ہے اور آج تک کوئی انسان ایسا پیدا نہیں ہوا جو موت سے نہ ڈرتا ہو، ہر شخص موت سے ڈرا، یہاں تک کہ انبیاء ڈرے، اولیاء ڈرے، بڑے بڑے خدا رسیدہ ڈرے، بڑے بڑے جرنیل موت سے ڈرے اور جب موت حسینؑ کے لشکر میں آئی تو وہ یہ سمجھ کے آئی تھی کہ جس طرح ساری دنیا مجھ سے ڈرتی ہے، یہ بہتر (۷۲) بھی ڈر جائیں گے۔

مگر موت نے آ کر دیکھا کہ وہ بوڑھوں کے پاس گئی تو انہوں نے اُسے خضاب بنالیا، جوانوں کے پاس گئی تو انہوں نے دوست بنا لیا، بچوں کے پاس گئی تو انہوں نے کھیلنا شروع کر دیا، اتنی شرمندہ ہوئی موت، حسینؑ اور حسینؑ کی فوج سے کہ موت نے عہد کرلیا کہ جہاں حسینؑ

ہوگا اور اُس کا نام ہوگا، وہاں نہیں جانا ورنہ کبھی کا مر جاتا حسینؑ کا نام۔ اب موت نے عہد کر لیا کہ جہاں حسینؑ اور حسینؑ کا نام ہوگا، وہاں نہیں جانا۔

بہرنوع آج رات حسینؑ نے سب سے پہلے مردوں کا امتحان لیا۔ تم جو میرے ساتھ آئے ہو، تمہارے دل میں یہ خیال تو نہیں کہ فاتح خیبر کا بیٹا آیا ہوا ہے، میدان فتح ہوگا، مالِ غنیمت ملے گا۔ ایسا نہیں ہے، میں یہاں مرنے آیا ہوں۔ جو مرنا چاہتا ہو، وہ میرے ساتھ رہے اور دیکھو! مرنے کے بعد کفن نہیں ملے گا، مرنے کے بعد قبر نہیں ملے گی، مرنے کے بعد تمہاری عورتیں اور بچے قید ہو جائیں گے، تمہارے گھر جلا دیئے جائیں گے، تمہارے خاندان تباہ ہو جائیں گے۔ ان تمام تباہیوں اور بربادیوں کو اگر منظور کرتے ہو تو میرے ساتھ ٹھہرو، ورنہ جا سکتے ہو۔ مگر دنیا نے دیکھا کہ اتنی تباہی کے ہوتے ہوئے اُن جوانوں نے جواب کیا دیا؟ حسینؑ! اب تو ہم آ بیٹھے ہیں، اب تو یہ قدم یہاں سے نہیں ہٹ سکتے۔ دنیا سمجھ رہی تھی کہ کہہ رہے ہیں، شاید کر کے نہ دکھائیں۔ مگر اگلے دن جو صبح ہوئی تو انہوں نے ایک ایک بات سچ کر کے دکھائی، ایک ایک بات انہوں نے حق کر کے دکھائی۔ جو ایک دوسرے کو روک رہے تھے، تو ٹھہر، میں پہلے جاؤں گا۔ یہ تو مردوں کی شان تھی، حسینؑ نے چاہا کہ چلیں، جا کر دیکھیں کہ گھر میں مستورات کیا کر رہی ہیں؟ حسینؑ بیت الشرف میں آئے، آپؑ نے وہاں عجیب ماجرا دیکھا کہ تمام چاروں طرف خیمے ہیں، اُن میں چراغ جلے ہوئے ہیں، خیمے آباد ہیں، عورتیں بیٹھی ہیں، مائیں بیٹوں کے پاس ہیں، بہنیں بھائیوں کے پاس ہیں، شوہر بیویوں کے پاس ہیں، عزیز عزیزوں کے پاس بیٹھے ہیں۔ گھر آباد ہیں اور حسینؑ کی نظر جو آباد گھروں پر پڑی تو سر جھکا کے کہا: خداوندا! یہ سادات کا گھر ہے جو آج آباد ہے۔

آج اس میں چراغ روشن ہیں، آج یہ گھر بستا ہوا ہے اور اس گھر کی آبادی کی آج آخری رات ہے۔ آج حسینؑ کا گھر آباد ہے اور کل یہ گھر اس طرح آباد نہیں ہوگا۔ کل غریبوں کی رات آئے گی۔ حسینؑ نے وہ آباد گھر دیکھے، سب سے پہلے بہن کے خیمے میں دیکھا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے؟

مولاؑ نے دیکھا کہ زینبؑ بیٹھی ہوئی ہیں، سامنے عونؑ و محمدؑ کو بٹھایا ہوا ہے، لباس پہنا دیا ہے، تلواریں سامنے رکھی ہوئی ہیں اور زینبؑ انہیں خیبر و خندق کے واقعات سنا رہی ہیں اور کہہ رہی ہیں کہ تمہارے نانا حیدرؑ کرار یوں لڑتے تھے، تمہارے دادا جعفر طیار کی بہادری کی یہ شان تھی میرے پیارے بچو!

تم نے میرا دودھ پیا ہے، کل میدانِ جنگ سے تمہاری آواز نہ آئے کہ ہم علیؑ کے نواسے ہیں، ہم جعفر طیار کے پوتے ہیں، زینبؑ دودھ جب بخشے گی جب یہ فوجیں چلا اُٹھیں کہ یہ علیؑ کے نواسے ہیں، یہ جعفر طیار کے پوتے ہیں اور بچوں نے ایک انگڑائی لے کر ماں کے قدموں کی قسم کھا کر کہا:

اماں! کل اجازت دلا دیجئے، اگر ان فوجوں کو کوفے تک نہ بھگا دیں تو دودھ نہ بخشنا۔ امامؑ نے یہ عزم دیکھا، یہ حوصلے دیکھے، دل بھر آیا حسینؑ کا، آنسو پونچھے، آگے بڑھے، اگلے خیمے میں جا کر دیکھا کہ جنابِ لیلیٰ خیمے میں بیٹھی ہیں۔ بیٹے کا سر زانو پر رکھا ہے، ایک ہاتھ میں شمع روشن ہے، ایک ہاتھ سے بیٹے کے بالوں میں کنگھی کر رہی ہیں۔ شمع سے علی اکبرؑ کا چہرہ دیکھ رہی ہیں اور فرماتی ہیں: میرے لعل! آج دل بھر کے

مجھے اپنی زیارت کر لینے دے، کل یہ چاند سا چہرہ خاک اور خون میں بھر جائے گا۔

امام علیہ السلام یہ منظر دیکھ کر آگے بڑھے اور دیکھا کہ جنابِ امام حسن علیہ السلام کی بیوہ نے قاسمؑ کو سامنے بٹھا یا رکھا ہے اور کہہ رہی ہیں: قاسمؑ بیٹا! آج تیرے بابا موجود نہیں ہیں، تو مجھ بیوہ کا لعل ہے، میں غیر خاندان کی ہوں، سیدانی نہیں ہوں، میرے دودھ کی عزت رکھنا بیٹا، ایسا نہ ہو کہ کل میرا دودھ بے تاثیر ہو جائے۔

امامؑ نے یہ منظر بھی دیکھا اور اس کے بعد امام علیہ السلام نے دیکھا کہ دروازے پر بڑھیا دائی فضہ کھڑی ہیں۔اماں فضہ! سلام۔ فضہ تو رونے لگیں۔اماں فضہ! روتی کیوں ہو؟ حسینؑ! خیمے میں جس جس کا بیٹا ہے، وہ اپنے بیٹے کو تیار کر رہا ہے۔اگر آج میرا بھی کوئی بیٹا ہوتا تو میں بھی تیار کرتی۔ یہ سننا تھا کہ حسینؑ بے چین ہو گئے، فرماتے ہیں: اماں فضہ! یہ آپ نے کیا کہہ دیا؟ کل جب میدان میں زینبؑ عونؑ ومحمدؑ کو بھیجے، لیلیٰ علی اکبرؑ کو بھیجے، قاسمؑ کی ماں قاسمؑ کو بھیجے، علی اصغرؑ کی والدہ علی اصغر کو بھیجے تو آپ مجھے اپنا بیٹا کہہ کر بھیج دینا۔ حسینؑ کی قربانی آپ کی طرف سے ہوگی۔

امام علیہ السلام نے یہ منظر بھی دیکھا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد امام علیہ السلام کو ایک کونے سے رونے کی آواز آئی، امام حسینؑ نے کہا: یہ کون رو رہا ہے؟ جا کے دیکھتے کیا ہیں کہ چھ مہینے والے کے گھوارے پر سر رکھے ہوئے اُس کی ماں ربابؑ رو رہی ہے۔امامؑ جا کے کھڑے ہوئے: ربابؑ! کیا بات ہے؟ کیا بچہ ختم ہو گیا؟ نہیں مولاؑ! ابھی زندہ ہے۔ پھر رو کیوں رہی ہو ربابؑ؟ قبلہ! اپنی قسمت کو رو رہی ہوں۔ حضور دیکھ رہے ہیں کہ زینبؑ عونؑ ومحمد کو تیار کر رہی ہیں، قاسمؑ کی ماں قاسمؑ کو تیار کر رہی ہیں، کل سب یہ قربانیاں پیش کریں گی اور آپؐ کی ماں فاطمہ کے دربار میں سرخرو ہو کر جائیں گی، میں بدنصیب ہوں، میرا بچہ اتنا چھوٹا ہے کہ میں اسے میدان میں نہیں بھیج سکتی۔

یہ سب قربانیوں والی سرخرو ہوں گی، میں شرمندہ ہوں۔ دوسری بات مجھے یہ رُلا رہی ہے کہ آپؑ ہی نے فرمایا تھا کہ آپؑ کہ شہادت کے بعد ہمارے ہاتھ بندھ جائیں گے تو بچے کو سنبھالے گا کون؟ میں گھبرا رہی ہوں کہ یونہی تو تڑپ کر مر ہی جائے گا۔کاش! یہ دو سال کا ہوتا تو اسے گھٹنوں چلا کر میدان میں لے جاتی، میں بڑی مجبور ہوں۔

امام علیہ السلام نے ربابؑ کی جو یہ گفتگو سنی تو فرمایا: ربابؑ! خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو، میں حسینؑ تجھ سے وعدہ کرتا ہوں کہ کل تیرے اصغر کو اکبرؑ سے نہ بڑھادوں تو حسینؑ نہ کہنا۔ ذرا کل ہونے دے، دیکھنا تو سہی کل بنتا کیا ہے؟ اسے ایسا سیراب کروں گا کہ قیامت تک اس کی پیاس کی یاد میں کروڑوں سبیلیں لگ جائیں گی۔ یہ فرات کیا شے ہے؟ اتنی سبیلیں لگ جائیں گی کہ اگر ساری سبیلوں کے پانی اکٹھے ہو جائیں تو ہزار فرات بن جائیں گے اس کی یاد میں ____

بہر نوع یومِ عاشور امام حسینؑ ربابؑ کے پاس آئے اور فرمانے لگے: ربابؑ! میں اصغرؑ کو لے جاؤں؟ ربابؑ خوش ہو گئیں۔ مولاؑ! بے شک لے جائیں، میں تو اسی انتظار میں تھی۔ ربابؑ نے بچہ امام حسین علیہ السلام کی گود میں دے دیا۔ امام علیہ السلام لے کر چلے، ابھی دس قدم چلے ہوں گے کہ ربابؑ سامنے آ گئیں۔ مولاؑ! ذرا بچے کو میری گود میں دے دو۔ کیوں ربابؑ! دل نہیں چاہتا بھیجنے کو؟ ربابؑ گھبرا گئیں، نہیں قبلہ۔ تھوڑی دیر کیلئے چاہتی ہوں۔ ربابؑ نے بچے کو گود میں لیا، لے کر اپنے خیمے میں گئی اور امامؑ انتظار میں صحن میں کھڑے ہیں۔ بہن

بھی ساتھ کھڑی ہیں۔ ربابؑ پانچ منٹ کے بعد خیمے سے باہر آئیں تو بچے کی شکل کیا تھی کہ نیا کرتہ پہنا دیا تھا، بال درست کر دیئے تھے، آنکھوں میں سرمہ لگا دیا تھا۔ کرتے کی آستینیں اُلٹ دی تھیں اور بچے کی کمر ایک رومال سے باندھ دی تھی۔ ربابؑ اس شان سے لائیں اصغر کو ____ مولاؑ! اب لے جائیں میدان میں ____ بچہ ہے تو کیا ہوا، ہے تو شیر خدا کا پوتا ____ میں اسے سپاہی بنا کے لائی ہوں۔ بیٹا علی اصغرؑ! جاؤ سپاہی بن کے۔ اب جو امام علیہ السلام نے یہ منظر دیکھا تو امام حسینؑ جیسی ہستی کا دل بھر آیا، لے لیا گود میں اور میدان کی طرف چلنے لگے، ربابؑ پھر آ گئیں۔ کیوں ربابؑ! کچھ کہنا ہے؟

جی ہاں قبلہ! میں اپنے بچے سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ آواز دی: اصغرؑ بیٹا! بچے نے آنکھ کھولی، ماں کی طرف دیکھا اور ماں کہتی ہیں: اصغرؑ بیٹا! تم میدان میں جا رہے ہو، تم باپ کی گود میں ہو، مجھے پتہ ہے کہ تم چند لمحوں میں اپنی دادی کی گود میں پہنچ جاؤ گے۔ جا کے اماں کو سلام کہنا اور اگر دادی یہ کہیں کہ ماں نے منہ دھلا کر نہیں بھیجا تو ماں کی شکایت نہ کرنا، بیٹا! کہہ دینا کہ اماں کو پانی نصیب نہ ہوا اور دوسری بات یہ سن میرے لعل، تمہارے دادا ساقیِ کوثر ہیں، تم ساقیِ کوثر کے پوتے ہو، تمہارے دادا تمہیں گود میں لے کر کوثر پر جائیں گے اور ماں کی یہ بات یاد رکھنا کہ کوثر پر پہنچ کر بھی میرے آقا حسینؑ سے پہلے پانی نہ پینا اور ایک تیسری وصیت اور ہے اصغرؑ بیٹا! وہ بھی یاد رکھنا کہ مجھے پتہ ہے میدانِ جنگ میں تمہیں تیر لگے گا، تم تیر سے شہید ہو گے، میں یہیں دروازے پر کھڑی دیکھ رہی ہوں گی، جب تیر لگے تو رونا نہیں ہے۔ تمہاری چھ مہینے کی جان ہے، شاید رونا آ جائے۔ اصغرؑ بیٹا! رونا مت، دشمن کی فوجیں سامنے کھڑی ہیں، اگر تم تیر کھا کے روؤ گے تو دشمن یہ کہہ کر ہنسیں گے کہ حسینؑ کا بیٹا تو کبھی نہ روتا! یہ ربابؑ کے دودھ کی تاثیر ایسی ہے تیرے رونے سے تیری ماں کا دودھ بے اثر ہو گا۔ میرے لعل! میں تو جب جانوں جب تیرے گلے پر تیر لگے، اصغر ہنس دینا، جاؤ خدا حافظ ____ اور امام حسین علیہ السلام اصغر کو لے کر میدان میں آ گئے۔ امام حسینؑ نے اصغر کو ہاتھوں پر اُٹھایا ____ مسلمانو! اس بچے کو ایک گھونٹ پانی دے دو۔ اصغرؑ بیٹا! میرے کہنے پر یہ پانی نہیں دیتے، تم خود ان سے پانی مانگ لو اور بچے نے ہونٹوں پر زبان پھیرنا شروع کیا۔ ادھر بچے کی زبان ہونٹوں پر آئی، اُدھر پوری فوج منہ پھیر کر رونے لگی۔

اب جو عمر سعد نے فوج کا یہ نقشہ دیکھا تو اُس نے حرملہ کو بلایا، حرملہ! تو بڑا تیر انداز ہے، سارا معاملہ الٹ پلٹ ہو جائے گا، جلدی سے حسینؑ کے کلام کو قطع کر دے، اِس بچے کو ختم کر دے۔

حرملہ نے بچے کی طرف دیکھا، اپنے بازوؤں کی طاقت کو دیکھا، عرب کا مانا ہوا تیر انداز، لوہے کا تیر جس کا وزن بچے کے وزن سے زیادہ تھا، کمان میں تیر جوڑا، ایک گھٹنا زمین پر رکھا، کمان کو پوری طرح کھینچا، تیر چلانے کا ارادہ کیا، اُدھر اصغر کی طرف اشارہ کر کے تیر چلانے کا ارادہ کیا، اُدھر ہاتھ تھرتھرائے اور تیر کمان سے گر گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد تیر لگایا، پھر کھینچا، چاہا کہ تیر پھینکے، ہاتھ تھرتھرائے، تیر کمان سے گر گیا ہاتھ سے ____ جب دو دفعہ یہی ہوا تو سنان ابن انس نامی ایک شخص پاس کھڑا تھا، وہ کہتا ہے: حرملہ! تو بڑا بہادر تیر انداز تھا، کیا اس بچے سے ڈر گیا؟ تیر کیوں نہیں چلتا؟ تو حرملہ جواب میں کہتا ہے: بچے سے نہیں ڈر گیا، جب میں چھوڑتا ہوں تو حسینؑ کے خیمے کا پردہ ہلنے لگتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس بچے کی ماں کھڑی ہے دروازے پر ____

میرا دل دہل جاتا ہے، میرے ہاتھ سے تیر کمان چھوٹ جاتا ہے۔ اب کے جو تیسری مرتبہ اُس نے تیر جوڑا تو سنان نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا حرملہ کے، اُس نے تیر چلایا، اِدھر تیر چلا، اُدھر سے ربابؑ نے ذرا پردہ ہٹا کے دیکھا، ربابؑ کو چونکہ اُس کے باپ نے بچپن میں مشق کروائی تھی تیر چلانے کی، وہ واقف تھی تیر کے انداز سے، تیر کو آتا دیکھ کر کہا: علی اصغرؑ بیٹا! ہوشیار اصغرؑ بیٹا! خبردار، تیر کا رُخ یہ ہے کہ اگر تم آرام سے لیٹے رہو گے باپ کی گود میں تو تیر تمہارے اوپر سے ہو کر امام حسینؑ کو لگے گا۔ دیکھنا! اپنے بابا کو تیر نہ لگنے دینا میرے لعل! پس ماں کا یہ کہنا تھا کہ ____

بچہ یا لیٹا تھا ہاتھ پر یا اُٹھ کے بیٹھ گیا۔ اُس کا اٹھنا تھا کہ تیر گلے میں لگا۔ اُدھر گلے میں تیر لگا، ادھر بچے نے خیمے کی طرف ہنس کے دیکھا۔ مطلب یہ تھا کہ اماں! دیکھ لے، میں ہنس رہا ہوں اماں! میں تیری بات کو پورا کر رہا ہوں اور پھر حسینؑ کی طرف بچے نے دیکھا، حسینؑ کی طرف دیکھنے کا مطلب یہ تھا کہ بابا! بس یا کوئی اور حکم ہے میرے لئے؟

امام علیہ السلام نے اصغر کو کلیجے سے لگایا، چاہا گلے سے تیر کھینچیں، بچہ تڑپ گیا۔ پھر تیر کھینچنا چاہا، پھر بچہ تڑپ گیا۔ حسینؑ نے زمین پر لٹا دیا اصغر کو اور بچے سے کہتے ہیں: تم شیر خدا کے پوتے ہو، عباسؑ جری کے بھتیجے ہو، اکبرؑ جیسے بہادر کے بھائی ہو، حسینؑ جیسے صابر کے بیٹے ہو، بیٹا! میں تیر کھینچنا چاہتا ہوں، تو جب جانوں کہ تم تڑپو نہیں۔ یہ جو کہا امامؑ نے تو بچہ بالکل خاموش ہو گیا۔ مگر ادھر گلے سے تیر نکالا، اُدھر دم نکل گیا۔ امامؑ نے لاشہ کلیجے سے لگا لیا، اب گھر میں کیسے لے جائیں؟ ربابؑ کو کیا جا کر دکھائیں؟

مؤمنین کرام! تلوار سے قبر کھودی، بچے کو دفن کیا۔ امام حسین علیہ السلام اپنے دامن کو جھاڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور سکینہؑ جو بچی کھڑی تھی، دروازے پر آ کر کہتی ہیں: اماں! علی اصغرؑ دم توڑ چکے ہیں۔ ماں کہتی ہیں: تم کیسے سمجھیں؟ کہ بابا جب گئے تھے تو ہاتھ سینے سے لگائے ہوئے تھے اور آئے ہیں تو ہاتھ کھلے ہیں۔

اور عزادارو! یہ میرے آخری فقرے ہیں کہ مولاؑ نے علی اصغرؑ کی قبر اس طرح بنائی تھی کہ ایک طرف علی اکبرؑ کی لاش، ایک طرف قاسم کی لاش اور بیچ میں اصغرؑ کی قبر۔ اور جب گیارہ محرم کو اسیرانِ آلِ محمدؐ روانہ ہوئے ہیں کربلا سے قید ہو کر اور مستورات اپنے وارثوں کی لاشوں سے گزری ہیں تو ربابؑ وہاں آ کے اُتریں، ربابؑ نے اصغرؑ کی قبر دیکھی اور کچھ نہ کہا، سوائے اس کے کہ ایک ہاتھ اکبرؑ کا اصغر کی قبر پر رکھ دیا، ایک ہاتھ قاسمؑ کا اصغر کی قبر پر رکھ دیا اور اتنا کہا: دیکھو! تم دونوں بڑے بھائی ہو، چھوٹے بھائی کا خیال رکھنا ____ ڈراؤنا جنگل ہے، کہیں ڈر نہ جائے۔ اصغرؑ بیٹا! گھبرانہ جانا، باپ کی لاش بھی قریب ہے، بھائی بھی قریب ہے۔

بڑھی تو قیر و عظمت اور بھی زہراؑ کے دلبر کی
سپردِ خاک فرما کر علی اصغرؑ کو جب اُٹھے

(وزیر شیرازی)

❁ ❁ ❁

# تین دن کی پیاس میں ، گرمی کے موسم میں دریاپر جاکر پیاسا نکل آنا وہ عمل ہے جسے آج تک چشمِ فلک نے کھیں نھیں دیکھا۔

مؤمنین کرام! میں آپ سے نہیں پوچھتا، مولاؑ علیؑ سے پوچھتا ہوں۔ یا علیؑ! میرا ایمان ہے کہ آپ سے زیادہ بہادر انسان دنیا میں آج تک پیدا نہیں ہوا۔ آپؑ سے زیادہ شجاع انسان چشم افلاک نے آج تک نہیں دیکھا۔ یا علیؑ! کہنے کو میں اسمِ اعظم سمجھتا ہوں مگر میرے مولاؑ! میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ خیبر کا فتح کرنا ایک طرف، خندق کا فتح کرنا ایک طرف، نبیؐ کے بستر پر بے خطر سو جانا ایک طرف، ان سب شجاعتوں کو ایک پلے میں رکھو اور دوسرے پلے میں تین دن کی پیاس میں، گرمی کے موسم میں دریا میں جا کر پیاسا نکل آنا، اس کی مثال پوری کائنات میں، پوری تاریخ میں نہیں مل سکتی۔

مگر ایک بہادر دنیا میں ایسا بھی گزرا ہے جس نے تین دن کی بھوک و پیاس کے باوجود دریا میں جا کر پانی نہ پیا۔ اتنا قابل جرنیل جس نے بہتر (۷۲) کو لاکھوں سے لڑا دیا، اتنا قابل سپہ سالار جس اکیلے کے اوپر پورے کنبے کی ڈھارس تھی۔

نویں محرم کا دن، عصر کا وقت اور امام علیہ السلام نماز سے فارغ ہو کر مصلّے پر سر جھکائے بیٹھے ہیں۔ عالمِ محویت ہے کہ اچانک بے حیا فوج نے حملہ کر دیا، یہاں تک کہ گھوڑوں کے ٹاپوں کی گرد سیدانیوں کے خیموں میں آنے لگی۔

سیدانیاں بچوں کو لے کر دم بخود کھڑی ہیں۔ جب وہ کافی قریب آ گئے تو حسینی سرکار کے کمانڈر انچیف نے عرض کی: مولاؑ! مولاؑ نے نظر اُٹھائی، بھائی عباسؑ! کیا بات ہے؟ آقا! فوج سیدانیوں کے خیموں کی طرف بڑھی چلی آ رہی ہے، میرے سپاہی تیار کھڑے ہیں، ہمارے لئے کیا حکم ہے؟ عباسؑ اسی انتظار میں ہیں کہ مولاؑ فرمائیں گے، روک دو۔ مگر مولاؑ نے حکم دیا: عباسؑ بھائی! میں حکم دیتا ہوں کہ تم خود اس فوج کے سامنے جاؤ اور اُن سے کہہ دو کہ میرا امامؑ ایک رات کی مہلت چاہتا ہے۔ اب جو حسینؑ نے فرمایا تو عباسؑ نے گھبرا کر پوچھا: مولاؑ! میں اب اِن سے مہلت مانگوں؟ ہاں! میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم خود جا کر ان سے مہلت مانگو۔ عباسؑ نے سر جھکا دیا، نیام سے تلوار نکال کے رکھ دی، گھوڑے پر سوار ہوئے، سر جھکا ہوا، مہلت مانگنے جا رہے ہیں۔ ابھی چند قدم چلے ہی ہوں گے کہ امامؑ نے فرمایا: حبیب، زہیر کو ساتھ لے کر احتیاطاً تم بھی چلے جاؤ، ہو سکتا ہے کہ کسی بات پر میرے بھائی کو غصہ آ جائے۔

چنانچہ دونوں بزرگ صحابی بھی ساتھ ہو لئے۔ دائیں طرف حبیب، بائیں طرف زہیر بن قین اور درمیان میں اپنے وقت کا حیدرِ کرار۔ فوج کے سامنے پہنچ کر روک کر فرمایا: چچا حبیب! مہلت والی بات تم ہی کہہ دو، مجھ سے کہا نہیں جاتا۔ شہزادےؑ! مولاؑ نے آپؑ کو حکم دیا ہے۔ عباسؑ آگے بڑھے، سر جھکا ہوا، بدن پسینہ میں تر، دل دھڑک رہا ہے، بدن کانپ رہا ہے، ہونٹ لرز رہے ہیں، بھرائی آواز میں فرمایا: عمر

سعد! میرے امامؑ نے ایک رات کی مہلت ___ بس اتنا ہی فقرہ کہا، مانگنے کا لفظ نہیں بولا۔

بہر نوع ___ اُس فوج نے مشورہ کیا اور مہلت ہوگئی۔ واپس لوٹے، بیچ میں قمر بنی ہاشم اور دائیں بائیں حبیب اور زہیر۔ تھوڑی دور چلے تھے کہ دونوں بوڑھے آپس میں باتیں کرنے لگے۔ حبیب نے زہیر سے کہا: زہیر! تمہیں یاد ہے نا جب اس نوجوان کی ماں سے علیؑ نے عقد کیا تھا؟ زہیر نے جواب دیا: ہاں۔ حبیب نے کہا: زہیر! عقد کے بعد علیؑ نے کہا تھا کہ اس خاتون کے بطن سے جو بیٹا پیدا ہوگا، وہ میری بہادری کا وارث ہوگا۔

زہیر نے کہا: ہاں، مجھے یاد ہے۔ دونوں بوڑھوں نے جو یہ بات کہی تو وقت کے حیدرِ کرار نے ایک انگڑائی جو لی تو گھوڑے کی رکابیں ٹوٹنے لگیں اور گھوڑا روک کر فرماتے ہیں: حبیب، زہیر! یہ قصہ سنا کے مجھے بہادری کا جوش نہ دلاؤ، میں ٹھہرا ہوں، تم دونوں مولاؑ کے پاس جاؤ اور مجھے لڑنے کی اجازت دلا دو۔ اگر صبح سے پہلے کوفے کے دارالامارہ پر امام حسینؑ کا جھنڈا نہ لہرا دوں تو علیؑ کا بیٹا نہ کہنا۔ عباسؑ نے یہ فقرہ جو پورے جوش میں کہا تو امام علیہ السلام نے سن لیا۔ وہیں سے آواز دی: کس نے میرے شیر کو غصہ دلا دیا؟ عباسؑ بھائی! آؤ میں انتظار کر رہا ہوں۔ امام علیہ السلام نے بھائی کے گلے میں اپنی بانہیں ڈال دیں، سینے سے لگایا، پیشانی چومی۔ میرے پیارے بھائی! میرے بہادر شیر! کیا بات ہوئی؟ مولاؑ! کوئی بات نہیں، میں آپؑ کا تابع فرمان ہوں، جو آپؑ حکم دیں، تعمیل ہوگی۔

مؤمنین کرام! میں اپنے بیان کو ان لفظوں پر آ کر ختم کر دیتا ہوں کہ جب دونوں بھائی بیت الشرف میں تشریف لائے تو زینبؑ نے پوچھ لیا: عباسؑ بھائی! کیا فیصلہ ہوا؟ عباسؑ تو چپ رہے، امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: کل تک کی مہلت ___

جنابِ زینب سلام اللہ علیہا نے رات کو گھر کی تمام عورتوں کو اکٹھا کیا، جب تمام بیبیاں آ چکیں تو بی بیؑ نے ان سے کہا: بیبیو! مجھے جانتی ہو؟ میں علیؑ کی بیٹی ہوں۔ میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ تمہاری چادر کی میں ضامن ہوں۔ بیبیوں نے کہا: آقازادی! آپؑ کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی چیز کی فکر نہیں۔ بات ختم ہوئی، رات ڈھل گئی، صبح عاشور ہوئی، دوپہر ڈھلی، امام حسینؑ جب علَم لے کر خالی آئے تو وہی زینبؑ دوسری بیبیوں سے کہہ رہی تھیں کہ میں نے رات جو تم سے وعدہ کیا تھا، اب میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں۔ جس بھروسے پر کہا تھا، وہ ختم ہوگیا۔ میرا عباسؑ مارا گیا۔

مؤمنین! فلسفہ اخلاق کی اصطلاح میں عقل کی اس نقل و حرکت کو شجاعت کہتے ہیں۔ تین دن کی بھوک و پیاس کے باوجود دریا میں جا کے پیاسا نکل آنا وہ عمل ہے جسے آج تک چشمِ فلک نے کہیں نہیں دیکھا۔

❁ ❁ ❁

# یہ مجالس عزا درس ہیں ان بے کفن لاشوں کا جو کربلا میں اللہ کے مالک الملک ہونے کی گواہی دینے آئے ہیں۔

مؤمنین کرام! عشرۂ محرم الحرام کی یہ مجالس یادگار ہیں، آلِ محمد کی مودّت ہیں، جوانہوں نے اللہ کے حاکم الملک ہونے کی گواہی دی اور اللہ کے حاکم الملک ہونے کی گواہی دینے کیلئے حسین علیہ السلام اپنے عزیزوں، جاں نثاروں کے ساتھ کربلا میں تشریف لائے۔ ساتویں تک مقدمہ کی سماعت ہوتی رہی۔ دسویں محرم کو گواہیاں پیش کرنا شروع کیں اور جب تمام گواہیاں ختم ہوگئیں تو خود بنفس نفیس آگے بڑھے اور شہادتِ عظمیٰ کا انعام لینے کیلئے سرِ مبارک جھکا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا چاہتے ہو؟ نبوت تو پہلے ختم کر چکا، امامت پہلے دے چکا، رحمت تمہاری والدہ کا حصہ تھی، وہ مل چکی۔ رضا تمہارے باپ کو حاصل ہوئی، اب ایک شے میرے پاس باقی ہے اور وہ ہے شہادتِ کبریٰ، وہ تم لے لو۔ چنانچہ انعام دیا گیا اور فرمایا گیا:

حسینؑ! آج سے جتنے میرے گھر ہیں، اُتنے ہی تیرے گھر ہوں گے۔ جہاں جہاں میرا تذکرہ ہوگا، وہاں وہاں تیرا تذکرہ ہوگا۔

چنانچہ یزید کے خلاف ڈگری ہوئی، وہ ذلیل وخوار ہوا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کا عالم میں نام روشن ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مودّتِ محمدؐ وآلِ محمدؐ ____ اور میں آپ سے اتنا عرض کرتا ہوں کہ عشرۂ محرم الحرام کا آغاز ہو چکا ہے اور دس دن حضور سیدؑ الشہداء کی سواری آپ لوگوں کی مہمان ٹھہرتی ہے۔ آپؐ ان کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔ پورے ادب واحترام سے مجالس سماعت فرمائیں۔ یہ درس ہے ان بے کفن شہیدوں کا جو حسینؑ کے کربلا میں اللہ کے مالک الملک ہونے کی گواہی دینے آئے ہیں۔

❁ ❁ ❁

# آگ نامِ حسینؑ سے شرماتی ہے کیونکہ اس نے حسینؑ کے خیمے جلائے تھے۔

مؤمنین کرام! بتایئے جذبات میں انسان کے اندر سب سے قوی جذبہ جو ہے، وہ جذبۂ غم ہے۔ غم سے بڑا کوئی جذبہ ہے ہی نہیں۔ غم ایسی چیز ہے جو انسان کی صحت پر اثر کرتا ہے، زندگی پر اثر کرتا ہے۔ سب سے قوی چیز جذبۂ غم ہے۔ مگر دنیا کا دستور یہ ہے کہ وہ جذبۂ غم کو مٹا دیتی ہے۔ وہی باپ جو بیٹے کی میّت پر آج مرنے کو تیار تھا، مگر مہینے بھر کے بعد جا کر دیکھو تو وہ بھول ہی چکا ہوگا۔ سال کے بعد جا کر دیکھو تو یاد ہی نہیں رہا۔ گویا دنیا کا دستور ہے کہ وہ جذبۂ غم کو بہت جلد مٹا دیتی ہے۔ ایک طرف تو دنیا کا قانون یہ ہے کہ غم کو مٹائے ___ پھر اگر دنیا کے اس قانون کے ساتھ کچھ دنیاوی حکومتیں بھی شامل ہو جائیں اور غم کو مٹانا چاہیں تو ایسا غم تو مٹ جانا چاہیئے۔

مگر اتنی مٹانے کی طاقتوں کے ہوتے ہوئے اگر کوئی غم نہ مٹے، تو ناممکن کا ممکن ہونا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں نصرتِ الٰہی شامل ہے۔ اگر تائیدِ الٰہی نہ ہوتی تو یہ مٹ جاتا۔ اتنی طاقتوں کے باوجود کسی غم کا زندہ رہنا واقعاً معجزہ ہے۔ کربلا کا سارا واقعہ تو ہے ہی معجزہ۔ اگر معجزہ نہ ہوتا تو یہ ناممکن باتیں ممکن نہ ہوتیں۔ اس میں تائیدِ الٰہی شامل ہے، ورنہ کسی انسان میں یہ طاقت ہے، کسی انسان میں یہ قوت ہے کہ ایک بوڑھا باپ اپنے جوان بیٹے کی میّت اُٹھائے اور شکر خداوندی بجا لائے۔ یہ ماؤں کا کام ہے کہ بیٹوں کو کفن پہنا دیں مرنے کیلئے اور رات بھر منتیں مانتی رہیں کہ صبح میرے بیٹے کی میّت آئے۔

مؤمنین کرام! ایک ایسا شخص جس میں علیؑ کی طاقت ہے، علیؑ کی قوت ہے اور اپنے زمانے کا حیدرؑ کرار ہے، اپنے زمانے کا علیؑ ہے اور حسینؑ حکم دیتے ہیں اپنے زمانے کے علیؑ کو: بھائی عباسؑ! میں تمہیں حکم دیتا ہوں ___ عباسؑ حسینی فوج کے سپہ سالار ہیں، سپاہی ہیں اور سپاہی کا مزاج کچھ اور ہوتا ہے۔ سپاہی کے تیور ہی کچھ اور ہوتے ہیں اور ادھر دشمن کی فوج ہے کہ بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ نویں محرم کی شام ہے اور امام حسین علیہ السلام حکم دیتے ہیں کہ اس بڑھتی ہوئی فوج کو روکو نہیں بلکہ جا کر کہو کہ حسینؑ تم سے ایک رات کی مہلت چاہتے ہیں۔ دنیا تو سمجھتی ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ عباسؑ جیسا آدمی اور غصہ کو روک لے۔ مگر ناممکن کا ممکن ہونا ہی تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ادھر حسینؑ نے عباس علیہ السلام کو حکم دیا کہ انہیں جا کر کہو کہ ہمیں ایک رات کی مہلت دو۔ عباسؑ نے اتنا جواب دیا: مولاؑ! میں ان سے مہلت مانگوں؟ اور مولاؑ نے جواب میں کہا: ہاں! میں تمہیں حکم دیتا ہوں۔ بہت اچھا! تلوار کھول کر دہیں رکھ دی، گھوڑے پر سوار ہوئے، امام علیہ السلام نے احتیاطاً حبیب ابن مظاہر اور زہیر بن قین کو حکم دیا کہ تم دونوں بھی ساتھ جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ عباسؑ کو کسی بات پر غصہ آ جائے، کسی پر جلال آ جائے۔ اب دائیں بائیں حبیب اور زہیر اور درمیان میں گھوڑے پر اپنے وقت کا حیدرؑ کرار فوج کے سامنے پہنچا۔ گھوڑا روکا، فوجیں بھی رک گئیں اور سر جھکا کے چپکے سے کہتے ہیں: چچا حبیب! وہ مہلت والی بات آپ کہہ دیں، مجھ سے نہیں کہا جاتا۔

اور جب حبیب نے کہا کہ عباسؑ! آپؑ کیلئے حکم ہے مولاؑ کا۔ تو سر جھکا کے زبان میں لکنت اور خاموشی سے کہتے ہیں: میرے مولاؑ کا حکم ہے، ایک رات کی مہلت ــــــ یہ کہتے ہی عباسؑ پسینے میں تر ہو گئے، بدن میں لرزہ آ گیا۔ پورا بدن کانپ رہا تھا اور فوج نے کہہ دیا: مہلت ہے۔ اب جو واپس لوٹے تو حبیب و زہیر دونوں بوڑھے آپس میں باتیں کرنے لگے۔ حبیب نے زہیر سے پوچھا: زہیر! تمہیں یاد ہے نا، جب اس جوان کی والدہ سے مولا علی علیہ السلام کا عقد ہوا تھا تو ہم دونوں نکاح میں شامل تھے۔ اس وقت زہیر نے کہا: ہاں، مجھے یاد ہے۔ اب حبیب بولے: زہیر! نکاح کے وقت بھلا علی علیہ السلام نے کیا کہا تھا؟ یہی کہا تھا نا کہ اس خاتون کے بطن سے جو میرا بیٹا ہوگا، وہ میری شجاعت کا وارث ہوگا۔ اب زہیر نے کہا: ہاں، بالکل یہی بات تھی۔ حبیب و زہیر نے تو آپس میں یہ بات کی اور قمر بنی ہاشم جناب عباس علمدار علیہ السلام نے سن کے گھوڑے کی باگ روک لی اور ایک انگڑائی جو لی تو گھوڑے کی رکابیں ٹوٹ گئیں اور بھرائی ہوئی آواز میں فرماتے ہیں: چچا حبیب! ایسی باتیں کر کے مجھے شجاعت کا جوش دلا رہے ہو؟ لو میں یہیں ٹھہرا ہوا ہوں، آپ دونوں جائیں اور مولاؑ سے اجازت دِلوا دیں۔ اگر کل سورج نکلنے سے پہلے کوفہ کے دارالامارہ پر حسینؑ کا عَلَم نہ لہرا دوں تو علیؑ کا بیٹا نہ کہنا۔

عباسؑ نے یہ فقرہ جو پورے جوش میں کہا تو امام علیہ السلام یہاں سے اُٹھے، تیزی سے پہنچے تو امام علیہ السلام کو آتا دیکھ کر تینوں مجاہد گھوڑوں سے اُتر پڑے اور امام حسین علیہ السلام نے آ کر بھائی کے گلے میں ہاتھ ڈال دیئے اور فرمایا: میرے پیارے بھائی! کیا بات ہے؟ تمہیں غصہ کیوں آ گیا؟ قبلہ! میری کیا مجال ہے کہ آپؑ کے حکم کے بعد غصہ کروں۔ یہ کچھ کہہ رہے تھے، میں نے بات کر دی۔ اور حسین علیہ السلام بھائی کے گلے میں بانہیں ڈالے ہوئے خیمے میں لے آئے۔

دنیا نے دیکھا کہ اللہ نے اپنی گواہی دے کر کس طرح ہر ناممکن کو ممکن بنا دیا۔ یہ مجالس، یہ عزاداری ختم ہو جاتی اگر اس میں اللہ تعالیٰ کا کرم شامل نہ ہوتا۔ انہوں نے اللہ کے مالک الملک ہونے کی شہادت دی اور اللہ نے ان کی شہادت کی گواہی دے دی۔

میں اپنے بیان کو یہاں آ کر ختم کرتا ہوں کہ حضرت ابراہیمؑ کیلئے اللہ نے آگ گلزار کر دی، اس میں اللہ کا کرم شامل ہے۔ تو میں عرض کرتا ہوں، پرانی بات کی کیا بات ہے، تم آج ہی جا کے دیکھ لو۔ آج بھی مجلس کے بعد آگ پر ماتم ہوگا، وہاں بھی گلزار ہوتی تھی، یہاں بھی دیکھ لینا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ جانے کیا کہا ہوگا جس سے آگ گلزار ہو گئی تھی۔ ہمیں جو فقرہ یاد ہے، وہ ہم سے کہہ دیں گے اور وہ یہ کہ ایک دفعہ کہا: ہائے حسینؑ، آگ بجھ گئی۔

مؤمنین! ہائے حسینؑ کہنے سے یہ آگ بجھ کیوں جاتی ہے؟ حسینؑ کا نام سن کے آگ شرما جاتی ہے۔ جہاں حسینؑ کا نام لیا، آگ کو شرم آ گئی۔ بات کیا ہے؟ آگ جانتی ہے کہ میں وہی آگ ہوں نا جس نے حسینؑ کے خیمے جلائے تھے، اس لئے یہ آگ شرما جاتی ہے۔

وہاں صرف مردوں نے جا کر آگ پر ماتم دیکھنا ہے، اس لئے مستورات کیلئے وہاں پردے کا کوئی انتظام نہیں ہے اور وہ اس لئے بھی کہ پردہ نشین عورتیں آگ کو دیکھ چکی ہیں۔ کربلا میں اُن پر گزر چکی ہے اور مردوں نے چونکہ آگ میں جلتے دیکھے نہیں، جب خیموں میں آگ لگی تھی، مرد نہیں تھے، عورتیں دیکھ چکی ہیں، لہٰذا صرف مرد ہی جائیں گے، ماتم دیکھنے کیلئے۔

# جنابِ سعید کی وفاداری اور شہادت

آج ہمارے رسولؐ کا کربلا میں بیٹھا ہوا ہے، اللہ کے مالک الملک ہونے کی گواہی دینے کیلئے۔ حسینؑ ابن علیؑ اپنے عزیزوں و جاں نثاروں کے ساتھ کربلا میں تشریف لائے ہوئے ہیں۔ ساتویں تک مقدمہ کی سماعت ہوتی رہی، دسویں محرم کو گواہیاں پیش کرنا شروع کر دیں اور خاندانِ رسولؐ گواہی دے رہا ہے کہ:

لوگو! جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، جو کچھ کتاب اللہ نے کہا ہے، جو کچھ ہماری جد نے کہا ہے، وہ بالکل حق ہے، اس میں کوئی غلطی نہیں اور اگر اس میں کوئی غلطی ہوتی تو ہم اتنی بڑی قربانی نہ دیتے۔ ہم اس کی گواہی دینے کیلئے آئے ہیں۔ ہم اس کی شہادت دینے آئے ہیں اور لطف یہ ہے کہ میرے پیارے بھائی سینکڑوں آدمی ساتھ ہیں حسینؑ کے اور مولاؑ انہیں فرماتے کیا ہیں؟ ''بھائیو! میں مر جاؤں گا۔ جو میرے ساتھ ہوں گے، وہ بھی مریں گے، کفن نہیں ملے گا، قبر نہیں ملے گی۔ کنبہ قید ہو جائے گا، بچے قید ہو جائیں گے۔ عورتوں کے سر پر چادر نہیں رہے گی۔ اگر یہ مصیبت منظور ہو تو میرے ساتھ ٹھہرو، ورنہ جاؤ۔ سینکڑوں آدمی چلے گئے۔ سینکڑوں آدمی واپس بھیج دیئے۔ اچھے خاصے جوان، بہادر جن کو ساتھ رکھنے کی ضرورت تھی، ان سب کو مولاؑ نے واپس بھیج دیا۔ آخر چھٹ کے بہتر (۷۲) رہ گئے۔

اب پوچھے کوئی: مولاؑ! وہ واپس کیوں بھیج رہے ہو؟ مولاؑ فرمائیں گے: مجھے اُن کی ضرورت نہیں۔ اب جو کئی منزلوں سے امام حسین علیہ السلام کے ساتھ تھے، انہیں تو مولاؑ واپس بھیج رہے ہیں اور اپنے گھر بیٹھے ہیں حبیب، اُنہیں خط لکھ رہے ہیں کہ آ جاؤ۔ آپ نے غور فرمایا، اگر ضرورت تھی اپنے مددگاروں کی تو انہیں کیوں بھیج دیا اور ضرورت نہیں تھی تو اُنہیں کیوں بلا رہے ہیں؟ تو امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں: سنو! میں لڑنے نہیں جا رہا ہوں جو انہیں ساتھ رکھوں۔ میں شہادت کیلئے جا رہا ہوں، مجھے وہ آدمی چاہیئے جو گواہ بن سکتا ہو اور یہ جو میرے ساتھ تھے، یہ گواہ نہیں بن سکتے تھے۔ مجھے ان کی ضرورت نہیں تھی۔ مجھے حبیب کی ضرورت ہے جو گواہ بن سکتا ہے، جو شہادت دے سکتا ہے۔

پس بھائیو! میری گفتگو یہاں آ کر ختم ہوتی ہے کہ کس شان سے حبیب و سعید نے شہادت دی۔ یہ حبیب اور سعید دو بزرگ تھے کربلا میں امام حسینؑ کے ساتھ۔ اور عام طور پر یہ مشہور ہو گیا ہے کہ حبیب بہت بوڑھے تھے، حالانکہ حبیب تو امام حسینؑ کے ہم سن تھے۔ وہ تو مولاؑ کے بچپن کے دوست تھے اور حضرت سعید بہت بوڑھے تھے۔ اُن کی عمر کربلا میں کوئی نوے سال کے قریب تھی اور جب دن کے ایک بجے تک کربلا میں شہادت کا بازار گرم رہا اور چند آدمی باقی رہ گئے، اس وقت یہ حبیب اور سعید سامنے آئے مولاؑ کے اور عرض کی: مولاؑ! ظہر کا وقت ہے، ہم یہ چاہتے ہیں کہ یہ آخری نماز امام علیہ السلام کی جماعت کے ساتھ پڑھیں۔ آپؑ نے فرمایا:

''خدا تمہیں جزائے خیر دے، تم نے اس وقت نماز کو یاد کیا ہے۔ تم اس فوج کو کہہ دو کہ ذرا دیر کیلئے ٹھہر جائے تاکہ ہم آرام سے نماز پڑھ لیں۔ حبیب نے یہ بات کہی جا کے، اس فوج نے کوئی گستاخانہ جواب دیا اور حبیب تو وہیں شہید ہو گئے۔ سعید نے آ کر کہا: مولاؑ! حبیب تو

شہید ہو گئے ہیں، میں موجود ہوں، آپؑ نماز شروع کریں۔ میں آپؑ کے سامنے کھڑا ہوں، آپؑ نماز شروع کریں اور جب تک نماز ختم ہوگی، میں آپؑ تک کوئی تیر نہیں آنے دوں گا۔

مؤمنین! نوے برس کا بوڑھا آدمی، سعید کھڑا ہو گیا حضورؑ کے سامنے اور نماز شروع ہوگئی۔ جو تیر اُدھر سے آتا، سعید اُسے اپنی بوڑھی پسلیوں پر روک دیتا۔ پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ تیر گھس گئے سینے میں اور ادھر امام علیہ السلام نے سلام پھیرا، اِدھر یہ گود میں جا گرا۔ اور گر کے گود میں پوچھتا کیا ہے:

"هَلْ وَفَيْتُ يَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ".

''اے رسولؐ کے بیٹے! آپؑ میری اس خدمت سے خوش ہیں؟''

تو امام علیہ السلام نے جواب میں یہ فرمایا:

"يَاسَعِيْدُ اَنْتَ اَمَامِيْ فِي الْجَنَّةِ".

''سعید! انشاءاللہ جنت میں تم میرے آگے آگے چلو گے''۔

قیامت کے دن جب میں جنت میں جاؤں گا تو تم میرے آگے آگے ہو گے اور جب میں ناناؐ کے، بابا کے سلام کو جاؤں گا، تب بھی تم میرے آگے آگے ہو گے۔ تو سعید کیا التجا کرتے ہیں: مولاؑ! اگر یہ بات ہے تو میری ایک گزارش ہے کہ میرے بدن سے تیر نہ نکالنا، میں آپؑ کے ناناؐ اور بابا کے سامنے اسی طرح جانا چاہتا ہوں اور یہ کہہ کر موت کا پسینہ آ گیا۔ آخر بوڑھا آدمی تھا، اُسی موت کے پسینے میں کہتا ہے: مولاؑ! کسی نے میرا سر لے لیا ہے گود میں، مجھے بڑا آرام مل رہا ہے؟ تو امامؑ فرماتے ہیں: سعید! میرا سلام کہو، یہ میرے ناناؐ رسولؐ اللہ ہیں۔ مولاؑ! کوئی میرے بازو دبا رہا ہے؟ مجھے بڑا آرام مل رہا ہے؟ مولاؑ نے فرمایا: سعید! یہ میرے بابا حیدرؑ کرار ہیں۔ اور سنو گے بھئی آخری فقرہ؟

سعید نے کہا: مولاؑ! مجھے ایک خاتون کے رونے کی آواز آ رہی ہے جو مجھے دعائیں دے رہی ہیں؟ امامؑ نے فرمایا: سعید! یہ میری ماں حضرت فاطمہ زہراؑ ___ اسے کہتے ہیں قبلہ! معرفتِ امامؑ ___ اسے کہتے ہیں امامؑ کا پہچاننا۔ اللہ آپ کو، مجھے، سب کو وہ نظر عطا فرمائے جس سے ہم اپنے امامؑ کو، اپنے آقا و رہبر کو، اپنے مولاؑ و سردارؑ کو پہچان سکیں۔

✿ ✿ ✿

# امام حسینؑ نے تین دن کی بھوک و پیاس میں شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ خیبر کی یاد تازہ ہوگئی۔

مؤمنین کرام! آؤ ہم سب مل کر ان بہادروں کو ڈھونڈیں جنہوں نے اس عہد کو پورا کر دکھایا ہو جن کی ہر شے اللہ کی ہے۔اب جو ہم ڈھونڈنے چلے تو دنیا کے کسی خطے میں ہمیں ایسے آدمی نہ ملے۔آخر ڈھونڈتے ڈھونڈتے ہم کربلا کے تپتے ہوئے صحرا میں پہنچے۔دھوپ سے ذرّہ ذرّہ بے کل تھا۔عرب کا صحرا تپ رہا تھا۔آفتاب نصف النہار پر ٹھہرا ہوا تھا کہ ایک بے ضرر قافلہ دو محرم کو کربلا کے صحرا میں چاروں طرف لق و دق جنگل، بیچ میں چھوٹی سے نہر، اس نہر کے کنارے قافلہ اُترا، خیمے لگے، خیموں میں عورتیں جا کر بیٹھیں۔بچے ماؤں کی گود میں بیٹھے، مرد خیموں سے باہر بیٹھے۔

گن کر دیکھا تو تھوڑی سی تعداد ان میں بوڑھوں کی بھی ہے، جوان بھی ہیں، بچے بھی ہیں اور عورتیں بھی ہیں۔خداوندا! یہ تھوڑے سے آدمی یہاں کیوں آئے ہیں؟ اللہ نے جواب دیا: مجھ سے کئے ہوئے عہد کا امتحان دینے آئے ہیں۔خداوندا! ساری دنیا میں یہ تھوڑے سے آدمی ہی پاس ہو سکتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم انہیں نہیں سمجھو گے، یہ گنتی میں تو تھوڑے ہیں مگر ساری دنیا سمٹ کے یہاں آ گئی ہے۔

اب جو ہم نے دیکھا تو پتہ چلا کہ تمام دنیائے انسانیت کی نمائندگی اس جماعت میں ہے۔ان میں افریقی بھی ہیں، یورپی بھی ہیں، ایشیائی بھی ہیں (اُن دنوں میں تین براعظم تھے)۔ان میں گورے بھی ہیں، کالے بھی ہیں۔ان میں عرب بھی ہیں، ان میں غلام بھی ہیں، آزاد بھی ہیں۔ان میں امیر بھی ہیں، غریب بھی ہیں۔ان میں عالم بھی ہیں، جاہل بھی ہیں۔ان میں بوڑھے بھی ہیں، جوان بھی ہیں۔ان میں بچے بھی ہیں، عورتیں بھی ہیں۔

غرض ہر انسانی طبقہ کی نمائندگی یہاں موجود ہے۔گویا پوری عالمِ انسانیت اس جماعت میں سمٹ کر آ گئی ہے اور ان کا قائد ___ سبحان اللہ! سنا ہے کہ اگر پاس سے لوہا ٹکرا دیا جائے تو اُسے سونا بنا دیتا ہے۔مگر ان بہتر (۷۲) کا قائد ایسا پارس ہے کہ اُس نے سونا نہیں بنایا بلکہ جو بھی اُس کے ساتھ وابستہ ہو گیا، اُسے بھی پارس بنا تا گیا۔گویا حسینؑ نے کربلا میں بہتر (۷۲) حسینؑ بنا دیئے، جو امتحان دینے کیلئے تیار ہو گئے۔لہٰذا آج کا دن جس میں آپ نے ماتم کیا، جلوس نکالا، عشرہ منایا، آج ایک قوم اپنے عہد کا امتحان دے رہی ہے۔بوڑھے بھی ہیں، جوان بھی ہیں، بچے بھی ہیں، اپنے بھی ہیں، پرائے بھی ہیں۔غرض سب آج امتحان دینے کیلئے تیار کھڑے ہیں۔

بوڑھوں میں سب سے پہلے ایک حبشی بوڑھے کو پیش کرتا ہوں جن کا نام تھا جَون ___ پچانوے سال کا بوڑھا، امام حسین علیہ السلام کا غلام آج اپنے عہد کا امتحان دے رہا ہے۔جَون جھکی ہوئی گردن کے ساتھ امام حسینؑ کے سامنے کھڑا ہوا ___ مولاؑ! میں بھی چاہتا ہوں آج آپؑ پر قربان ہو جاؤں۔امام علیہ السلام نے سر سے پیر تک بوڑھے غلام کو دیکھا اور بڑی شفقت سے فرمایا: جَون! تم میرے بزرگوں کی یادگار

ہو، تم بہت بوڑھے ہو چکے ہو، کسی طرف نکل جاؤ۔ جب امامؑ نے یہ فرمایا تو بوڑھے حبشی کے منہ سے بے ساختہ نکلا: مولاؑ! ٹھیک ہے، میں نے اپنی حد سے بڑھ کر بات کہی ہے، مولاؑ کہاں، میں کہاں اور آپؑ پر قربان ہونا؟ آقا! آپؑ پر قربان ہونے والا عباسؑ جیسا ہاشمی چاہئے، اکبرؑ جیسا نونہال چاہئے، حبیب جیسا بنی اسد چاہئے مگر چونکہ میں ایک حبشی غلام ہوں، میرا رنگ کالا، میرے خون میں بدبو، میرا نسب نامعلوم، لہٰذا مجھے یہ ہمت نہیں کرنا چاہئے، مجھ سے گستاخی ہوگئی۔ مولا حسینؑ! میں کسی طرف نکل جاؤں گا، مجھے درندے کھالیں گے۔

اب جوؔن نے یہ فقرہ کہا تو امام علیہ السلام نے بڑھ کر جوؔن کا سر اپنے سینے سے لگالیا۔ چچا جوؔن! تم نے بُرا منایا، تم مجھے عباسؑ کی طرح پیارے ہو۔ فکر نہ کرو، تم بھی امتحان دو گے۔ جاؤ! اپنے امتحان کی تیاری کرو۔ امامؑ کے فرمان کے بعد جون کا چہرہ شگفتہ ہو گیا۔ نہ کوئی اسلحہ پاس تھا، نہ کوئی گھوڑا پاس تھا، سیدھا میدان میں جا کر کھڑا ہو گیا:

اے بے حیا قوم! میں جنابِ محمد مصطفیٰؐ کے بیٹے کی حمایت کیلئے آیا ہوں۔ ادھر سے جون نے یہ فقرہ کہا، اُدھر سے تیر برسے۔ بوڑھی پسلیاں ٹوٹ گئیں، گرے، آواز دی: مولاؑ میں گر گیا۔

امام علیہ السلام پہنچے، سر گود میں لیا اور رخسار پر رخسار رکھا۔ اب جو امامؑ نے رخسار پر رخسار رکھا تو جون نے مسکرا کر کہا: حبیب! ادھر آؤ، حبیب آئے تو بوڑھا حبشی مسکرا کے کہتا ہے: حبیب! میں کس قدر خوش نصیب ہوں، دیکھتے نہیں ہو کہ محمد مصطفیٰؐ کے بیٹے کا رخسار میرے رخسار پر ہے؟ جون نے جان دے دی اور کربلا مشک و عنبر سے مہکتا رہا۔

یہ اُس بوڑھے کی بات تھی۔ اب آپ کو ایک جوان کی بات سنا دوں۔ عبداللہ ابن وہب کلبی، نیا دولہا، نوجوانی کا عالم، کربلا کا پہلا شہید میدان میں جا رہا ہے۔ بیوی سے رخصت ہونے لگا، کچھ دیر ہوگئی تو ماں نے کہا: بیٹا! بیوی کی باتوں میں تو نہیں آ گیا؟

عبداللہ خیمے سے باہر نکلا تو ماں نے دیکھا کہ بیوی شوہر کا دامن پکڑے ہوئے یہ کہہ رہی ہے: عبداللہ! خدا حافظ، جاؤ مرنے کیلئے، شہادت مبارک ہو۔ مگر ایک وعدہ کرو کہ قیامت میں جب تم رسولؐ خدا کے سلام کو جاؤ تو مجھے نہ بھولنا۔ بہرنوع نوجوان میدان میں گیا، دورانِ جہاد ہاتھ کی انگلیاں کٹ گئیں، تلوار گر گئی تو اس کی بیوی دوڑی اور تلوار اٹھا کے شوہر کو دی۔ چنانچہ عبداللہ نے دوسرے ہاتھ میں تلوار پکڑ لی اور دانتوں سے بیوی کا دامن پکڑ کر خیمے میں واپس لایا اور مولاؑ سے عرض کی: مولاؑ! اسے جنابِ زینبؑ کی خدمت میں پہنچا دیجئے۔

عبداللہ ابن وہب کلبی کے بعد ایک اور بوڑھا موت سے ہم کلام ہوا، وہ تھے حضرت جنادہ، صحابیِ رسولؐ۔ جب وہ شہید ہو گئے تو امام علیہ السلام لاشے پر پہنچے، لاشہ اُٹھایا، گنج شہیداں میں رکھا۔ جب واپس آ رہے تھے تو امام علیہ السلام نے دیکھا کہ خیمے کا پردہ اُٹھا اور ایک بچہ خیمے سے دوڑتا ہوا نکلا جیسے ابر میں سے چاند نکلتا ہو۔ امام علیہ السلام نے آواز دی کہ اس بچے کو روکو۔ بچہ قریب آیا، امامؑ نے بڑھ کر گود میں اٹھالیا، پوچھا: بیٹے! کہاں جا رہے ہو؟ مولاؑ! میں مرنے جا رہا ہوں۔ تم کس کے بیٹے ہو؟ مولاؑ! میں جنادہ کا بیٹا ہوں جو ابھی شہید ہوا ہے۔ امام علیہ السلام نے پوچھا: تمہاری ماں کہاں ہے؟ خیمے میں۔ بیٹے! تیری ماں تو بیوہ ہوگئی، جاؤ اپنی ماں کے پاس جا کر بیٹھو۔ اب جو مولاؑ نے یہ کہا تو بچے نے ایڑیوں پر کھڑے ہو کر عرض کی: مولاؑ! یہ کرتہ اماں نے ابھی پہنایا ہے، یہ کمر میری ماں نے باندھی ہے، یہ تلوار مجھے اماں نے دی ہے۔ میری ماں نے مجھے مرنے کیلئے بھیجا ہے۔ ابھی بچہ یہ باتیں کہہ ہی رہا تھا کہ خیمے کے دروازے سے آواز آئی: مولا حسینؑ! جنادہ کی ماں

خوش نصیب تھی مگر مجھ بیوہ کے ہدیہ کورد نہ کرو۔ مولاؑ! اسے مرنے دو تا کہ میں بھی اس امتحان میں کامیاب ہو جاؤں۔

بہر نوع اصحابِ حسینؑ اپنے کئے ہوئے عہد کو پورا کر رہے ہیں اور جب تمام اصحاب اپنا اپنا امتحان دے چکے تو اب امام حسین علیہ السلام کا اپنا امتحان ہے۔ یا اللہ! تیرے حضور میں امتحانِ عشق دینے کیلئے میں خود آ رہا ہوں۔ اپنا کیا ہوا عہد پورا کرنے کیلئے آ رہا ہوں۔ امامؑ میدان میں آئے، خیموں میں بیبیاں دم بخود ہیں، دروازے پر زینبؑ خاموش کھڑی ہیں۔ دورانِ جہاد لشکر یزید نے از راہِ تمسخر کہا: حسینؑ! اب آپؑ کا آخری وقت ہے، کیوں ہمیں بھی پریشان کرتے ہو؟ اتر آؤ گھوڑے سے تا کہ یہ جنگ جلدی ختم ہو جائے۔

جب بے حیا فوج کا طنزیہ فقرہ زینبؑ نے سنا تو علیؑ کی بیٹی کو جوش آ گیا۔ دروازے سے آواز آئی: حسینؑ! یہ آپؑ کو مجبور سمجھتے ہیں، تھوڑی دیر کیلئے میری اماں کے دودھ کی طاقت دکھا دے تا کہ یہ نہ سمجھیں کہ حسینؑ مجبور ہے۔

اچھا بہن! اگر تمہاری یہ مرضی ہے تو ایسا ہی ہوگا۔ امام حسینؑ نے جب بسم اللہ پڑھ کر تلوار نکالی اور فوج پر حملہ کر دیا، تاریخ عالم گواہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام فوج کو نخیلہ تک بھگاتے ہوئے پہنچے تو فوج کا پچھلا دستہ کوفے کے بازاروں سے ٹکرا گیا اور جب امام علیہ السلام دوڑتے ہوئے نخیلہ سے واپس کربلا آئے تو بلند ٹیلے پر چڑھ کے بلند آواز سے کہا:

"اَنَا ابْنُ رَسُوْلِ اللّٰه".

"لوگو! میں رسولؐ خدا کا بیٹا ہوں"۔

زینبؑ فوراً جواب میں کہتی ہیں:

"مَرْحَبَا یَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰه".

"شاباش! اے رسولؐ کے بیٹے"۔

بہر نوع امام حسین علیہ السلام نے جب اس شان سے تین حملے کئے تو دورانِ جہاد اللہ کی طرف سے غیبی آواز آئی: اے نفس مطمئنہ! دنیا نے تیری شجاعت دیکھ لی، اب آ جاؤ ___ ہمارے پاس۔

❁ ❁ ❁

## بیبیو! تم سب مل کر کہو کہ بی بی زینبؑ! آپؑ کے بچوں کی کنیزیں رورہی ہیں۔ ہماری بچیاں اور بچے آپؑ کی مظلومیت پر رو رہے ہیں اور ہم سب قیامت تک روتے رہیں گے۔

مؤمنین کرام! ہماری مائیں تو بچوں کو یہ کہہ کر سلاتی ہیں: میرا بچہ بڑا ہو کر افسر بنے گا، حاکم بنے گا۔ مگر جنابِ سیدہؑ یہ کہہ کر سلایا کرتی تھیں: میرا بچہ اللہ کی راہ میں قربانی دے گا، میرا بچہ خدا کی راہ میں سر دے گا۔ گویا سیدہؑ نے بچوں کو اس شان سے پالا تھا۔ سیدہؑ کا احسان تمام دنیا پر ہے کہ انہوں نے باپ کی خدمت بھی سکھادی، شوہر کی اطاعت بھی سکھادی اور بچوں کی تربیت بھی سکھادی۔ مگر ایک شے ایسی رہ گئی جو ہمیں سیدہؑ نہ سکھا سکیں۔ باپ کی خدمت سکھادی، شوہر کی اطاعت سکھادی اور بچوں کی تربیت سکھادی مگر ایک ایسی شے ہے جو سیدہؑ ہمیں نہ سکھا سکیں اور وہ ہے ''بھائی سے محبت'' اور وہ اس لئے کہ سیدہؑ کا کوئی بھائی نہیں تھا۔ چنانچہ سیدہؑ نے عرض کی: خداوندا! میں دنیا کو کیسے بتاؤں کہ بھائی سے محبت کس طرح کرو؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فاطمہؑ! فکر نہ کرو، میں تمہیں بیٹی عطا کرتا ہوں، وہ دنیا کو بتادے گی کہ بھائی سے محبت کس طرح کی جاتی ہے؟

چنانچہ سیدہؑ کے گھر بیٹی پیدا ہوئی اور حسبِ دستورِ زمانہ ماں کو بیٹے سے زیادہ پیار ہوتا ہے اور باپ کو بیٹی سے زیادہ پیار ہوتا ہے۔ چنانچہ بیٹی پیدا ہوئی تو علیؑ اپنی گود میں اٹھائے جنابِ رسولِؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کی: قبلہ! خدا نے یہ رحمت مجھے عطا فرمائی ہے۔ جنابِ رسولِؐ خدا نے بیٹی کا چہرہ دیکھا، پھر علیؑ کا چہرہ دیکھا اور دونوں چہرے ملا کر کہا: یاعلیؑ! یہ بچی ''زین اب'' ہے، اپنے باپؑ کی زینت ہے۔ گویا زینبؑ اپنے باپ کی اتنی مشابہ تھیں۔

جنابِ رسولِؐ خدا کی بات سن کر علیؑ نے سر اٹھایا، دیکھا کہ رسولِؐ خدا کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو تھے۔ علیؑ نے پوچھا: قبلہ! آپؐ رو کیوں رہے ہیں؟ جنابِ رسولِؐ خدا نے فرمایا: یاعلیؑ! کوئی بات نہیں، ذرا یہ بچی میری گود میں دو۔ رسولِؐ خدا نے بچی گود میں لے لی اور علیؑ کھڑے دیکھ رہے ہیں کہ جنابِ رسولِؐ خدا نوزائیدہ بچی کے کبھی بال چومتے ہیں، کبھی کلائیاں چومتے ہیں، کبھی بازو چومتے ہیں، کبھی سینے سے لگاتے ہیں۔

بہر نوع اس شان سے شہزادی کی پرورش ہو رہی تھی۔ علی علیہ السلام سینے پر سلاتے تھے۔ جب علیؑ گھر میں آتے تو زینبؑ دوڑ کر باپؑ کے گلے سے لپٹ جاتیں اور کہتیں: ابا جان ___ علیؑ کو اتنا فخر محسوس ہوتا تھا، وہ ابوالحسنؑ کہلانے میں اتنا فخر نہیں کرتے تھے جتنا ابوزینب کہلانے میں خوش ہوتے تھے۔ اوّل وقت فجر کے بعد زینبؑ کو اٹھاتے اور فرماتے: بیٹی! اٹھ کے بیٹھو۔

بچی پوچھتی: ابا حضور! کیا حکم ہے؟ مولاؑ فرماتے: بیٹا! گھر کے صحن میں ذرا ٹہلو تا کہ تمہیں چلنے کی عادت پڑ جائے۔ میرے لعل! بچپن میں چلنے کی عادت ڈالو، شاید کبھی کہیں چلنا پڑ جائے۔ گویا اس شان سے جنابِ زینبؑ کی تربیت ہو رہی تھی۔ لڑکپن گزرا، جوانی آئی تو مولاؑ نے عبداللہ ابن جعفر طیار سے شادی کر دی۔ عقد میں یہ شرط لگائی کہ عبداللہ! تم میرے اپنے بیٹے ہو، سگا بھتیجا بیٹا ہوتا ہے، تم میرے اپنے بیٹے ہو، میں زینبؑ جیسی محترم بیٹی تمہارے عقد میں دے رہا ہوں۔

**مگر شرط یہ** ہے کہ اگر زینبؑ کسی سفر میں جانا چاہے تو روکنا نہیں۔ عبداللہ نے عرض کی: مولاؑ! میری کیا مجال جو میں زینبؑ کو روکوں؟ بہرنوع خدا نے پہلی اولاد ایک بیٹی عطا فرمائی جن کا نام کلثومؑ تھا۔ پھر خدا نے دو بیٹے عطا فرمائے۔ وقت آہستہ آہستہ گزرتا گیا اور وہ وقت بھی آ گیا جو شرط علی علیہ السلام نے لگائی تھی کہ زینبؑ سفر میں جائے تو روکنا نہیں۔ چنانچہ زینبؑ کے سفر کرنے کا وقت آ گیا۔

مؤمنین کرام! امام حسینؑ کے ساتھ جنابِ زینبؑ روانہ ہوئیں۔ مکہ میں قیام فرمایا، بعد میں عبداللہ بھی بچوں کو لے کر مکہ میں تشریف لائے۔ حج سے ایک دن پہلے امام حسین علیہ السلام مکہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ رات کو یہی جنابِ عبداللہ اور محمد حنفیہ امام علیہ السلام کے پاس بیٹھے کہہ رہے ہیں: مولاؑ! ہمارا جی کہہ رہا ہے کہ آپؑ نہ جائیں۔ امام علیہ السلام فرماتے ہیں: بھائیو! رات میں نے اپنے نانا کو خواب میں دیکھا ہے، وہ میرے انتظار میں ہیں۔ میں نے جانا ہے۔ سب سمجھ گئے کہ امام علیہ السلام ضرور جائیں گے۔ چنانچہ خاموش ہو گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب مولاؑ نے فرمایا کہ بھائیو! مجھے جانے دو تو جنابِ عبداللہ نے کہا: مولاؑ! اگر گستاخی نہ ہوتی تو میں آپؑ کے دامن کو پکڑ کر بیٹھ جاتا اور ہلنے نہ دیتا مگر کیا کروں، میں مجبور ہوں، میں امامت کے اُن رازوں کو نہیں سمجھتا جنہیں آپؑ سمجھتے ہیں۔ اچھا مولاؑ! خدا حافظ ___ آپؑ اب جا سکتے ہیں۔

دوسرے دن صبح کے وقت امام حسین علیہ السلام ایک ایک سے گلے مل کر روانہ ہوئے۔ جب مکہ سے تین میل باہر یہ قافلہ پہنچا تو امام حسینؑ کے کانوں میں ایک آواز آئی: مولاؑ! ذرا ٹھہر جائیں۔ آپؑ نے گھوڑے کی باگ روک لی، حکم دیا: عباسؑ بھائی! دیکھو، یہ کون ہے؟ قمر بنی ہاشم نے مڑ کے دیکھا، عرض کی: مولاؑ! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ آ رہے ہیں۔

چنانچہ سب گھوڑوں سے اتر آئے، اتنے میں عبداللہ آ گئے، سخت بخار، ایک ہاتھ محمدؑ کے کندھے پر، ایک ہاتھ عونؑ کے کندھے پر ___ عبداللہ فرماتے ہیں: عونؑ و محمدؑ! مجھے امام حسینؑ کے پاس لے چلو۔ چنانچہ عبداللہ امام حسین علیہ السلام کے پاس آئے اور حسینؑ گھوڑے سے اُترے اور فرمایا: عبداللہ! آپؑ نے بڑی تکلیف فرمائی۔ میں تو آپؑ سے مل کر آیا تھا؟ پھر آپؑ نے کیوں زحمت فرمائی؟

مولاؑ! جی چاہا کہ ایک بار آپؑ کو جی بھر کر دیکھ لوں۔ مولاؑ! آپؑ جا رہے ہیں، اب آپؑ کو کہاں تلاش کروں گا؟ عبداللہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ گلے ملے، بڑی دیر تک ایک دوسرے سے لپٹ کر روتے رہے، اس کے بعد عبداللہ نے اپنے بیٹوں سے کہا: عونؑ و محمدؑ! مجھے اُس ناقہ کے قریب لے چلو جس ناقے پر تمہاری اماں سوار ہیں۔ عبداللہ پہنچے، چوبِ محمل سے آواز دی:

"یَابْنَ الْعَمْ".

اے میرے چچا کے بیٹے! آپؑ میرے شوہر ہیں، میں آپؑ کی محکومہ ہوں، اگر حکم دیں تو اتر آؤں مگر یہ سن لو کہ ادھر آپ نے اترنے کا حکم دیا، ادھر میری روح نکل جائے گی، میں زندہ نہ رہوں گی۔

عبداللہ نے جواب دیا: نہیں زینبؑ! میں آپؑ کو روکنے نہیں آیا، ضرور جاؤ بلکہ میں تو یہ کہنے آیا ہوں ___ زینبؑ! حسینؑ جیسی قیمتی شخصیت تمہارے ساتھ ہے اور پردیس کا معاملہ ہے، ممکن ہے کہ راستے میں کوئی مصیبت پڑ جائے اور امام حسینؑ کی جان بچانے کیلئے صدقہ دینا پڑے، چونکہ تم خالی ہاتھ جا رہی ہو، لہٰذا تمہارے لئے صدقے کا انتظام کر کے لایا ہوں۔ یہ کہہ کر عبداللہ نے عونؑ و محمدؑ کا ہاتھ زینبؑ کے ہاتھ میں دے دیا اور فرمایا: زینبؑ! انہیں میری طرف سے امام حسینؑ کا صدقہ کر دینا۔ زینبؑ نے دونوں بچوں کو سر سے پیر تک دیکھا، ساتھ بٹھا لیا۔ اگر زینبؑ سفر میں ہے تو یہ بچے بھی ساتھ ہیں۔

زینبؑ نے کربلا تک اپنے بچوں کو عونؑ و محمدؑ کہہ کر نہیں پکارا بلکہ جب پکارا، یہی کہہ کر پکارا: میرے حسینؑ کے صدقے کو بلاؤ۔

مؤمنین کرام! شب عاشور سیدّ الشہداءؑ عبادتِ خداوندی میں مشغول ہیں۔ فضہ آتی ہیں، عرض کی: مولاؑ! بہن نے بلایا ہے۔ امامؑ اسی طرح اُٹھ کے بیت الشرف میں تشریف لائے، صحن میں زینبؑ نے استقبال کیا اور حسینؑ نے دیکھا کہ زینبؑ نے عونؑ و محمدؑ کو جنگی لباس پہنا رکھا ہے۔ کمر میں تلواریں باندھ رکھی ہیں، سر پر عمامے باندھ رکھے ہیں اور زینبؑ نے جنگی لباس کے اوپر بچوں کو کفن پہنا رکھا ہے۔

امام حسینؑ نے فرمایا: بہن! فرمائیے، میں آ گیا ہوں، کیا حکم ہے؟ حسینؑ! بہن بھائی کی باتیں تو ہوتی رہیں گی مگر آج میں نے آپؑ کو بحیثیت بہن کے نہیں بلایا، آج جعفر طیار کی بہو نے حیدرؑ کرار کے بیٹے کو بلایا ہے۔ امام علیہ السلام فرماتے ہیں: کہو زینبؑ! کیا بات ہے؟ بی بیؑ فرماتی ہیں: حسینؑ! جعفر طیار کی بہو حیدرؑ کرار کے بیٹے سے جعفرؑ کے پوتوں کی شہادت کی بھیک مانگ رہی ہے۔

لہٰذا زینبؑ کی خواہش یہ ہے کہ کل سب سے پہلے ان کی لاشیں آئیں۔ چونکہ بچے ہیں، اس لئے مجھے خدشہ ہے کہ کہیں یہ ڈر نہ جائیں۔ امام علیہ السلام نے دونوں شہزادوں کے سر پر ہاتھ پھیرا، گویا منظور کر لیا۔ یومِ عاشور جب ہر شہید کی لاش آتی رہی تو زینبؑ پوچھتیں: عونؑ و محمدؑ ابھی زندہ ہیں؟ تھوڑی دیر کے بعد شہزادے گھر میں آئے، ماں کو سلام کیا، اماں! سلام۔ بی بیؑ نے پوچھا: بیٹا! تم ابھی زندہ ہو؟ بچوں نے کہا: اماں! ہم مرنے کی اجازت لینے آئے ہیں۔

زینبؑ نے فرمایا: شاباش جاؤ میرے بچو ___ خدا حافظ۔ زینبؑ نے دروازے تک شہزادوں کو رخصت کیا اور ایک فقرہ کہا جس نے امام حسینؑ جیسے صابر امامؑ کو رُلا دیا۔ بچو! ایسا جہاد کرنا کہ دشمن کی فوج یہ کہہ اُٹھے کہ یہ جعفر طیار کے پوتے ہیں، جاؤ، تمہیں جنت مبارک ہو۔

بہر نوع شہزادے میدانِ جنگ میں آئے، جعفر طیار کے پوتوں نے جہاد شروع کیا، چند لمحوں بعد یزیدی فوج میں باجے بجنے لگے، لاشیں آنے لگیں۔ بیبیوں نے خیمے میں رونا شروع کر دیا۔ ادھر جنابِ زینبؑ دروازے پر کھڑی ہیں اور فرماتی ہیں: بیبیو! روؤ نہیں، دیکھو تو سہی میرے بچوں کی بارات آ رہی ہے!

بہر نوع تھوڑی دیر بعد امام علیہ السلام لاشے لے آئے۔ خیمے کے صحن میں لٹا دیئے۔ بڑے بچے کا دم نکل چکا تھا، چھوٹے کا دم باقی

تھا۔امام علیہ السلام نے فرمایا: زینبؑ! ایک دفعہ انہیں سینے سے لگالو۔

مؤمنین! ماں کی مامتا بھی تھی اور امامؑ کا فرمان بھی تھا۔زینبؑ نے چھوٹے شہزادے کو جو سینے سے لگایا تو بچے کے لب ہلے، گویا ماں سے یہ کہہ رہا تھا، اماں! اب تو خوش ہیں ناں!

عزادارو! گیارہ محرم کو اہلِ بیتؑ رسولؐ قید ہو کر کربلا سے شام کیلئے روانہ ہوئے ہیں اور راستے میں شہیدوں پر الوداعی ماتم کیا۔جنابِ زینب سلام اللہ علیہا سیدؑ الشہداء کے لاشہ پر پہنچیں، اصغر کی ماں اصغر کی قبر تلاش کر رہی ہیں، اکبرؑ کی ماں اکبرؑ کی لاش پر بیٹھی ہیں، قاسمؑ کی ماں قاسمؑ کی لاش پر نوحہ کناں ہیں، غرض ہر خاتون اپنے اپنے شہیدوں کے لاشے پر الوداعی ماتم کر رہی ہیں۔

اُس وقت یزید کی فوج کے سپاہیوں نے دیکھا کہ دو لاشیں ایک طرف پڑی ہیں جن پر کوئی خاتون نہیں رو رہی تو ان سپاہیوں نے امام زین العابدین علیہ السلام سے کہا کہ ہم ہیں تو دشمن مگر آخر انسان ہیں، ہمارا دل بھر آیا، کیا ان دونوں بچوں کا کوئی وارث نہیں ہے؟ کیا انہیں رونے والا کوئی نہیں ہے؟ امامؑ اٹھے، دونوں بچوں کو گود میں اٹھا لیا۔اب جو امام زین العابدین علیہ السلام نے عونؑ و محمدؑ کے لاشوں کو گود میں اٹھایا تو جنابِ زینبؑ نے وہیں سے آواز دی: بیٹا سجادؑ! یہ تم کیا کر رہے ہو؟ بیٹا! یہ میں نے تمہارے باپؑ پر صدقہ کر دیئے ہیں، لہٰذا ان کو یہیں رہنے دو۔

بس بھائیو! آج ہم سب بوڑھے، جوان، بچے مل کر ان بچوں کو رو رہے ہیں جن کی ماں نہ روئیں۔اور خواتین! تم بھی ایک دفعہ کہہ دو، ہائے زینبؑ! بی بی زینبؑ! آپؑ کے بچوں کو آپؑ کی کنیزیں رو رہی ہیں، ہماری بچیاں روئیں گی، ہمارے بچے روئیں گے اور ہم قیامت تک روتی رہیں گی۔

❁ ❁ ❁

# شامِ غریباں میں جب سیدانیوں کے خیمے جلنے لگے اور چادریں اُترنے لگیں تو جنابِ زینبؑ نے کہا: حبیبؓ بھائی! آؤ دیکھو! ہم اُجڑ گئے ہیں۔

آج رسولؐ کا کنبہ صحرا میں اُداس و پریشان بیٹھا ہے اور دشمن کی فوجیں چلی آ رہی ہیں۔ اُن کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سیدانیوں کے خیموں میں آ رہی ہے۔ بہن بھائی کو بلا کر کہتی ہیں: حسینؑ! یہ فوجیں کس طرف آ رہی ہیں؟ حسینؑ جواب میں کہتے ہیں: دشمن کی طرف۔ زینبؑ نے آسمان کو دیکھا، زمین کو دیکھا اور چپ ہوگئیں۔ آخر بی بیؑ پوچھتی ہیں: حسینؑ! ہمارا کوئی نہیں آئے گا، کوئی ایسا نہیں ہے جسے آپؑ بلائیں؟ مولاؑ نے جواب دیا: زینبؑ بہن! کون مصیبت میں آئیگا؟

بی بیؑ نے فرمایا: حسینؑ بھائی! حبیب ابن مظاہر جو کہ آپؑ کے بچپن کے دوست ہیں اور آپؑ کو بھائی بھی کہتے ہیں، اُنہیں بلا لو۔ چنانچہ امام علیہ السلام نے خط لکھا، قاصد کو دیا اور فرمایا: کوفہ جاؤ اور یہ خط حبیب کو دے دو۔ قاصد پہنچا، حبیب کے محلے میں گیا، ایک دوکان پر جا کر ٹھہرا، اتفاق سے حبیب اُسی دوکان میں کھڑے خضاب (مہندی) خرید رہے تھے۔ قاصد حبیب سے پوچھتا ہے: شیخ! کیا اس محلے میں کوئی حبیب نامی آدمی رہتا ہے؟ حبیب نے پوچھا: کیوں، کیا کام ہے؟ مجھے آپ حبیب کے گھر پہنچا دیں۔ حبیب نے کہا کہ بتاؤ کیا کام ہے؟ وہ حبیب میں ہی ہوں۔ قاصد علیحدہ ہو کر کہنے لگا: حبیب! میں آپؑ کے نام امام حسین علیہ السلام کا خط لایا ہوں۔

بس یہ سننا تھا کہ حبیب نے قاصد کو گلے سے لگا لیا اور اُس کی پیشانی چومی کہ تو میرے پیارے امام حسینؑ کا قاصد ہے۔ آ میرے ساتھ، میرے گھر چل۔ دونوں چل پڑے، دروازے پر پہنچے تو حبیب نے کہا: ذرا ٹھہر، میں ابھی آتا ہوں۔ یہ کہہ کر حبیب اپنی زوجہ کے پاس گئے اور کہا: سنتی بھی ہو، آج قسمت یاور ہوگئی، ہمارے نصیب جاگ اُٹھے۔ بیوی کہتی ہے: بتاؤ تو سہی، بات کیا ہے؟ حبیب نے کہا: تم جلدی سے وضو کرو، دو رکعت نماز پڑھو، پھر بتاؤں گا کہ کیا ہوا۔ جب مؤمنہ نماز پڑھ چکی تو حبیب نے کہا: آج ہمارے گھر میں امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے لختِ جگر حسینؑ کا قاصد آیا ہے۔ مؤمنہ جواب دیتی ہے: حبیب! شکر ادا کرو۔ مولاؑ کے قاصد کو اندر لے آؤ۔ چنانچہ حبیب نے قاصد کو سفید چادر پر بٹھایا اور جب وہ بیٹھ گیا تو کہنے لگے: میرے مولاؑ کے قاصد! اب وہ خط مجھے دے دو۔ قاصد نے وہ خط حبیب کے حوالے کر دیا۔ حبیب نے خط کی تحریر کو چوما اور کھول کر پڑھنے لگے۔ مؤمنہ نے اندر سے آواز دی: حبیب! بلند آواز سے پڑھو تاکہ میں بھی سنوں کہ مولاؑ نے کیا فرمایا ہے؟ حبیب نے خط پڑھنا شروع کیا، خط کی عبارت یوں تھی:

''یا اخی حبیب! بھائی حبیب! میں تمہارے وطن میں آ گیا ہوں اور سخت ترین مصیبت میں پھنس گیا ہوں، میری مدد کو آؤ۔ (اگلا فقرہ جس نے حبیب کے کلیجے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا)، حبیب! میں تمہیں کبھی تکلیف نہ دیتا مگر مجبوری یہ ہے کہ میرے ساتھ زینبؑ بھی ہے۔

بس زینبؑ کا نام پڑھتے ہی حبیب گھٹنوں کے بل کھڑا ہو کر کہنے لگے: ہائے میری آقا زادی زینبؑ بھی ساتھ ہیں۔

بہرنوع حبیب کربلا میں پہنچے، امام حسینؑ نے بڑھ کر استقبال کیا، ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر دروازے تک آئے۔ حبیب خیمے سے باہر کھڑے ہو گئے، مولاؑ اندر تشریف لے گئے۔ زینبؑ بہن! حبیب آ گئے ہیں۔ زینبؑ دروازے پر پہنچیں، بیچ میں پردہ ___ بی بیؑ فرماتی ہیں: حبیب بھائی! فاطمہ زہراؑ کی بیٹی کا سلام قبول کیجئے۔ بھائی حبیب! میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ اس مشکل وقت میں آپ نے ہمارا ساتھ دیا۔ یہ سن کر حبیب بے ہوش ہو کر گر پڑے اور کانپتے ہونٹوں سے عرض کیا: شہزادی! یہ کہہ کر آپؑ مجھے شرمندہ کرتی ہیں، میں تو حسینؑ کا ادنیٰ سا غلام ہوں۔

بس بھائیو! بیان ختم کرتا ہوں، زینبؑ نے حبیب کو ہمیشہ بھائی کہا، اب آپ خود اندازہ کریں کہ زینبؑ کو حبیب پر کتنا اعتماد تھا کہ عاشور کی شام کو جب سیدانیوں کے خیمے جلنے لگے اور چادریں اُترنے لگیں تو زینبؑ نے حسینؑ کو نہیں پکارا، عباسؑ کو نہیں پکارا بلکہ گھبرا کے بلند آواز میں کہا: بھائی حبیب! آؤ، دیکھو ___ ہم اُجڑ گئے ہیں۔

❁ ❁ ❁

# اے شیخ مھدی!جب سے تو نے شہزادہ قاسمؑ کی شہادت پڑھی ھے، بھنؑ بھائیؑ اُسی وقت سے جنت میں رو رھے ھیں اور چُپ نھیں ھوتے۔

عزادارو! کربلا میں ایک سے بڑھ کر ایک زخمی ہے، میں کس کے زخموں کا ذکر کروں؟ ماشاء اللہ آپ سب لوگ صاحبِ اولاد ہیں۔خدا جانے آپ میری بات سن بھی سکیں گے یا نہیں؟ دیکھونا! جب آلِ محمد آمریت کی تلواروں سے نہ کٹ سکے تو اُن کے پروردہ مؤرخین نے اپنے زہر آلود قلم سے آلِ محمد کا قتل شروع کر دیا اور تاریخ میں لکھ دیا گیا کہ اٹھارہ بنی ہاشم کربلا میں شہید کر دیئے گئے۔

بنی ہاشم کا لفظ مسلمانوں نے ہمارے خیال کو ادھر اُدھر کرنے کیلئے لکھ دیا ہے، حالانکہ بنی ہاشم کی اولاد تو وہ بے شک تھے، بنی ہاشم تو بہت وسیع اولاد تھی۔

مگر کربلا میں جو اٹھارہ شہید ہوئے، وہ صرف اٹھارہ آلِ ابی طالبؑ تھے، گویا بنی ہاشم کہہ کر ہمارے خیال کو ابی طالبؑ سے ہٹایا جاتا ہے۔آج ابوطالبؑ کے اس فرمان کی تعمیل ہو رہی تھی کہ ایک دن بھتیجے محمد کو پریشان دیکھا تو گلے سے لگا کر فرمانے لگے: محمد بیٹا! فکر نہ کر، گھبرا نہیں، پریشان نہ ہو، جب تجھ پر یا تیرے دین پر کوئی حرف آئے گا تو تیرے دین کے گرد میری اولاد کی لاشیں پڑی ہوں گی۔

مسلمانو! انصاف چاہتا ہوں، بتاؤ اللہ تعالیٰ نے ابوطالبؑ سے کتنا بڑا کام لیا ہے۔یہ عجیب حادثہ ہے کہ دین اللہ کا پھیل گیا، کلمہ محمدؐ کا پڑھا گیا اور کنبہ غریب ابی طالبؑ کا کٹ گیا۔بزرگو! اگر کنبہ کٹ جانے پر بات ختم ہو جاتی تو شاید بات ہی ختم ہو جاتی، دیکھنا تو یہ ہے کہ دین بچ گیا اللہ کا، کلمہ پڑھا گیا محمدؐ کا اور بہو بیٹیاں قید ہو گئیں غریب ابی طالبؑ کی۔کتنا بڑا کام لیا اللہ نے ابی طالبؑ سے، تمام شہیدوں میں سب سے زیادہ نازک مزاج شہزادہ ''قاسم''، چونکہ بچپن میں ہی یتیم ہو گئے تھے، لہٰذا یتیم بھتیجے کو حسینؑ نے اتنے لاڈ پیار سے پالا تھا کہ دیکھنے میں تیرہواں سال تھا، مگر جب کھانا کھانے بیٹھتا تو ماں نوالے کھلایا کرتی تھیں۔تیرہ سال کے بچے کو گود میں اٹھاتے تھے، کبھی دھوپ میں نہ نکلنے دیا، اکبرؑ و اصغرؑ کی اور بات تھی اور اس یتیم بھتیجے کی اور بات تھی۔اتنا نازک مزاج شہزادہ میدان کی طرف جا رہا ہے۔حسینؑ نے گود میں لے کر گھوڑے پر بٹھایا اور فرمایا: بیٹا قاسمؑ! جاؤ، خدا حافظ ____ قاسمؑ میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہوئے، ساتھ ساتھ قمر بنی ہاشم جنابِ عباس علمدار علیہ السلام میدان کے قریب تک چلتے رہے۔قاسمؑ کا جہاد شروع ہو گیا۔عباسؑ ریت کے ٹیلے پر کھڑے ہو کر شہزادے کو ہدایات دیتے رہے ____ بیٹا باگ سنبھال کر رکھنا ____ شہزادے تلوار مضبوطی سے پکڑے رکھنا۔

بہر نوع شہزادہ لڑتا ہوا فوجوں کے درمیان چلا گیا اور اچانک گھوڑے سے گرا، قاسمؑ کے گرنے کا انداز ہی کچھ اور تھا۔ہر گرنے والے نے امامؑ کو پکارا: مولاؑ! میں گر گیا۔مگر قاسمؑ کے بچپن کی ادا یہ تھی کہ جب یہ گرا ہے تو مولاؑ کو نہیں پکارا بلکہ گرتے ہی کہا: اماں! میں گر

گیا۔ حسینؑ لاشہ پر پہنچے، بیٹا قاسمؑ! مجھے معاف کرنا، میں ذرا دیر سے پہنچا۔ بیٹا! تیری میّت کو اٹھانے کے قابل نہیں، امامِ زمانہ علیہ السلام نے زیارتِ ناحیہ میں فرمایا:

میرا اسلام ہو اُس شہید پر جس کی دائیں طرف کی پسلیاں ٹوٹ کر بائیں طرف آ گئیں اور بائیں طرف کی پسلیاں ٹوٹ کر دائیں طرف آ گئیں۔

گویا اتنا نازک شہزادہ زندگی ہی میں گھوڑوں کے سموں سے پامال ہوگیا۔ امامؑ نے لاشے کے ٹکڑے عبا میں رکھے اور لا کر گنج شہیداں میں علی اکبرؑ کی لاش کے ساتھ گٹھڑی رکھ دی اور دونوں لاشوں کے درمیان میں بیٹھے، ایک ہاتھ قاسمؑ کی لاش پر اور ایک ہاتھ علی اکبرؑ کی لاش پر رکھ کر آسمان کی طرف رُخ کر کے امام حسین علیہ السلام نے بلند آواز سے کہا:

"وَاغُرُبَتَاهُ".

"یااللہ! میں غریب ہوگیا، نہ میرا اکبرؑ رہا، نہ میرا قاسمؑ رہا"۔

مؤمنین! کربلا معلّٰی میں مہدی نامی ایک ذاکر تھے، وہ روزانہ حرم میں آتے اور صبح کی نماز کے بعد مولاؑ کی ضریح کے پاس کھڑے ہو کر تھوڑی دیر کیلئے مجلس پڑھا کرتے۔ لوگ روتے رہتے، یہی گویا نماز کے بعد وہاں کا وظیفہ تھا۔ ایک دن مجلس میں انہوں نے یہ مضمون پڑھا کہ جب قاسمؑ کی لاش کے ٹکڑے اٹھا کر حسینؑ گنج شہیداں میں لائے، ایک ہاتھ اکبرؑ کی لاش پر اور ایک ہاتھ قاسمؑ کی لاش کے ٹکڑوں پر رکھ کر حسین علیہ السلام نے بلند آواز سے کہا:

"وَاغُرُبَتَاهُ".

"ہائے میری غربت"۔

کربلا کا حرم، مہدی کا پڑھنا، صبح کا وقت، بڑا گریہ ہوا۔ اس کے بعد لوگ گھر چلے گئے اور مہدی بھی اپنے گھر چلا گیا۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد سو گیا، خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک برقعہ پوش بی بیؑ گھر میں آئیں اور مہدی سے فرماتی ہیں: شیخ مہدی! تو نے آج جو روایت حرم میں پڑھی ہے نا، پھر دوبارہ کبھی نہ پڑھنا۔ مہدی پوچھتا ہے: بی بیؑ! کیا یہ روات غلط ہے۔ بی بیؑ نے فرمایا: نہیں، صحیح ہے مگر جب سے تم نے یہ روایت پڑھی ہے، اُس وقت سے میرا حسینؑ رو رہا ہے۔

✿ ✿ ✿

# روزِ قیامت ماتم داروں کی شفاعت جنابِ زینبؑ کریں گی۔

روایت میں ہے کہ جنابِ سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ امیر المومنینؑ ہر مرنے والے کے سرہانے اس لئے آتے ہیں کہ بحیثیت ولی اللہ ان کا یہ ولایت میں شامل ہے، لہٰذا وہ اپنے عہدے کے اعتبار سے تشریف لاتے ہیں۔ مگر یاد رکھو! جب میرے بیٹے کا عزادار مرتا ہے تو اس کے سرہانے میں بھی آتی ہوں۔ میری کرسی بچھا دی جاتی ہے۔ میں آ کے بیٹھ جاتی ہوں اور مرنے والے سے کہتی ہوں: مرنے والے! تجھے کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟ تجھے کچھ تکلیف تو نہیں ہے؟ تو میرا محسن ہے، تو نے میرے بیٹے کی صف ماتم بچھائی ہے اور جب ملک الموت آتا ہے تو وہ چالیس قدم کے فاصلے پر ٹھہر کر امیر المومنین علیہ السلام سے عرض کرتا ہے:

مولاؑ! میں آگے نہیں آ سکتا، یہاں تو حضور سیدہؑ عالم تشریف فرما ہیں۔ میری کیا مجال جو میں قریب آ جاؤں۔ چنانچہ جنابِ سیدہ فرماتی ہیں: ملک الموت! تم آ سکتے ہو۔ ملک الموت آتا ہے اور کہتا ہے: بی بیؑ! میں اس کی روح ختم کرنے آیا ہوں۔ بی بیؑ فرماتی ہیں: ہاں! ہمیں پتہ ہے کہ تم اس کی روح قبض کرنے آئے ہو۔

بی بیؑ پھر میرے لئے کیا حکم ہے؟ اس کے منہ سے روح قبض کرلوں؟ آپؑ فرماتی ہیں: نہیں، اس سے تو ہزاروں مرتبہ نکلا ہے "ہائے حسینؑ"۔ پھر ملک الموت پوچھتا ہے: بی بیؑ! اس کے سینہ سے اس کی روح قبض کرلوں؟ بی بیؑ فرماتی ہیں: ملک الموت! پھر تو نے سینے کا نام لیا، دیکھتا نہیں کہ اس پر ماتم کا نشان ہے؟ اب ملک الموت کہتا ہے: بی بیؑ! اس کی آنکھوں سے؟ بس آنکھوں کا نام لینا تھا کہ بی بیؑ کو جلال آ گیا اور فرماتی ہیں: اس کی آنکھیں تو ہزاروں مرتبہ میں اپنے رومال سے صاف کی ہیں۔

آخر ملک الموت حیران ہو کر پوچھتا ہے: بی بیؑ! پھر میرے لئے کیا حکم ہے؟ سیدہؑ طاہرہ فرماتی ہیں: ملک الموت! تم جنت میں جاؤ اور فلاں درخت کا پھول لے آؤ۔ چنانچہ ملک الموت پھول لاتا ہے۔ اب بی بیؑ فرماتی ہیں: اسے مرنے والے کو سنگھا دو۔ گویا اس کی روح خوشبو بن کر پھول میں سما جاتی ہے۔ اب سیدہؑ فرماتی ہیں: ملک الموت! لے جاؤ اس پھول کو اور قیامت کے دن اسے میرے سامنے پیش کرنا کیونکہ میرے بیٹے کا عزادار تھا۔

بہر نوع ہر مشکل میں محمدؐ و آلِ محمد تشریف لاتے ہیں اور ہماری نصرت فرماتے ہیں۔

قیامت کے روز ساری دنیا اکٹھی ہوگی۔ جہاں تک روایتوں میں موجود ہے کہ حکم ہوگا: قیامت والو! سر جھکا کے آنکھیں بند کرلو۔ چنانچہ آنکھیں بند کرلیں گے، سر جھکا لیں گے، سانس تک رُک جائے گا۔ لوگ ایک دوسرے سے پوچھیں گے: کیا بات ہے؟

فرشتے جواب دیں گے: خاموش رہو، خاتونِ قیامت تشریف لا رہی ہیں۔ چنانچہ سیدہؑ طاہرہ کی سواری گزرے گی۔ انبیاء و اولیاء سب سر جھکائے خاموشی سے کھڑے رہیں گے۔ بی بیؑ عرشِ الٰہی پر پہنچ کر فرمائیں گی:

خداوندا! آج تیری عدالت کا دن ہے، میں زندگی میں دوسری دفعہ عدالت میں آئی ہوں، ایک دفعہ دنیا کی عدالت میں گئی تھی، آج تیری عدالت میں آئی ہوں۔ میرے اللہ! آج تجھ سے فریاد کرنے آئی ہوں کہ میرے گھر میں ایک دن بہتر (۷۲) قتل ہو گئے۔ میں نے کسی کو کچھ نہیں کہا۔ آج پہلی مرتبہ میرا استغاثہ ہے، میری فریاد ہے۔ ادھر سیدہؑ طاہرہ نے فریاد کی، اُدھر زلزلۂ قیامت آ گیا۔ روایت میں ہے کہ ابراہیمؑ جیسا جلیل القدر پیغمبر قیامت کے خوف سے گھٹنوں کے بل کھڑا ہو جائے گا۔ اتنی ہولناکی ہوگی، آخر تمام انبیاء لرزتے ہوئے خاتم الانبیاء کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔

یا محمدؐ! خدا کیلئے ہماری خبر لیجئے۔ سیدہؑ نے شکایت کر دی ہے، اللہ کو جلال آ گیا۔ چنانچہ رحمۃ للعالمینؐ اپنی ذریت کے ساتھ تشریف لائیں گے اور سیدہؑ کے سر پر ہاتھ پھیریں گے۔ سیدہؑ عرض کریں گی: ابا حضورؐ! آج مجھے خداوند عالم سے فریاد کرنے دیں۔

مؤمنین کرام! یہاں تک تو آپ کی روایتیں ہیں مگر جو میں اپنے تصور کی بات کہہ رہا تھا، وہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ عدالتِ الٰہی سے یہ حکم ہو جائے کہ سیدہؑ تمہارا مقدمہ بجا ہے جس کا فیصلہ ہم آج سنائیں گے مگر مثل کو مکمل کرنے کیلئے ہم چاہتے ہیں کہ کسی چشم دید گواہ کا بیان قلمبند کیا جائے۔ ہے کوئی تمہارے اس مقدمے کا چشم دید گواہ؟

بی بیؑ عرض کریں گے: بارِ الٰہا! اگر میرے بہتر (۷۲) شہیدوں کا آئینی گواہ چاہتا ہے تو چشم دید گواہ ہے میری بیٹی زینبؑ۔ چنانچہ عدالتِ الٰہی سے تمام حورانِ جنت کو حکم ہوگا کہ شام میں زینبؑ کے پاس جاؤ اور کہو کہ اماں نے عدالت میں مقدمہ کیا ہے اور تمہیں گواہ کر کے بلایا ہے۔ چنانچہ حوریں جائیں گی اور زینبؑ اس طرح عدالتِ الٰہی میں آئیں گی جس طرح کوفہ و شام کے بازار میں آئی تھیں۔ سر کھلا ہوا، ہاتھ بندھے ہوئے اور زین العابدین علیہ السلام مہار پکڑے ہوئے۔ قیامت میں منادی ہوگی۔

لوگو! ہٹ جاؤ، زینبؑ آ رہی ہیں۔ ادھر ہم سب دور کھڑے ہو کر آواز دیں گے: ہائے حسینؑ! زینبؑ اپنی سواری روک لیں گی اور بھائی عباسؑ کو حکم دیں گی: عباسؑ بھائی! یہ میرے حسینؑ کے ماتم دار ہیں، ان سب کو میرے سامنے لاؤ۔ میں ان کی زیارت کرنا چاہتی ہوں۔ چنانچہ ہم بی بیؑ کے قریب ایک حلقہ میں کھڑے ہو جائیں گے۔ جنابِ عباسؑ علمدار اپنے علَم کا پھریرہ کھول دیں گے۔ ہائے حسینؑ، ہائے حسینؑ کی آوازیں بلند ہو جائیں گی، ماتم شبیرؑ شروع ہو جائے گا، پھر اچانک ایک غیبی آواز آئے گی: بس قیامت ہو گئی، دوسرے لوگوں کو ایک طرف کر دو اور ماتم داروں کو ایک طرف کر دو۔

❁ ❁ ❁

# جنابِ ربابؑ نے اپنا سب کچھ جنابِ زینبؑ اور امام حسینؑ کے سپرد کردیا۔

مؤمنین کرام! جنابِ رسالتمآبؐ کی رحلت کے بعد حسینؑ بھی یتیم، اسلام بھی یتیم۔ رسولؐ کے گھر والے اسلام کو پال رہے تھے اور حسینؑ کو پال رہے تھے۔ کچھ عرصہ بعد اتفاق ایسا ہوا کہ اسلام مدینہ سے چل کر شام میں پہنچا اور شام کے راجہ نے اسلام کو جھوٹے فتوے، جھوٹی حدیثیں اور ملوکیت کی زہر پلا دی۔ اسلام کا سارا بدن زخمی ہو گیا اور جب بالکل زخمی ہو کر مرنے لگا تو اسلام نے آواز دی: مددگار! میں مر رہا ہوں، کوئی ہے جو مجھے بچالے؟

اسلام کی یہ آواز مدینہ میں پہنچی اور حسین علیہ السلام نے سن لی۔ فرمایا: یہ کون ہمیں مدد کیلئے پکار رہا ہے؟ اسلام نے عرض کی: حسینؑ! مجھے بچالیں، میں مر رہا ہوں۔ حسینؑ نے فرمایا: پروانہ کر، میں تیرا علاج کروں گا۔ حسینؑ اٹھے، سیدھے گھر میں گئے، بہن کو دیکھا اور فرمایا: زینبؑ! سنتی بھی ہو، آج اسلام نے ہمیں مدد کیلئے پکارا ہے، ہم اُس کا علاج کرنا چاہتے ہیں۔ زینبؑ تم میرے ساتھ چلو، ہم دونوں بہن بھائی مل کر علاج کریں گے اور بہن دیکھو! اگر اسلام کو خون کی ضرورت پڑی تو میں مہیا کروں گا اور اگر پٹی باندھنے کی ضرورت پڑی تو تمہاری چادر کام آئے گی۔ چلو! دونوں بہن بھائی مل کر اسلام کا علاج کریں۔

حضورِ والا! دونوں بہن بھائی چل پڑے۔ جتنی مناسب دوائیں تھیں، حسینؑ نے سب ساتھ لے لیں اور کربلا کے جنگل میں جا پہنچے۔ دیکھا کہ اسلام کو ہزاروں کیڑے چمٹے ہوئے ہیں۔ بس طبیبِ اعظم نے وہیں ڈیرے لگا دیئے۔ دو محرم سے لے کر ساتویں تک اپنی دواؤں کو ٹھیک کرتے رہے۔ ساتویں سے اتنے مشغول ہوئے کہ نہ کھانے کی فرصت رہی نہ پینے کا موقعہ ملا۔ آخر میں دسویں کی رات کو اندھیرا کر کے اپنے سامنے جو ناقص دوائیں تھیں، وہ نکال دیں اور جو قابل تھیں، وہ رہنے دیں۔ صبح کو اسلام کا علاج شروع ہو گیا۔ امام حسین علیہ السلام نے کہا: بہن! یوں کرو کہ تم خیمے میں بیٹھو، میں باہر بیٹھتا ہوں۔ میں باہر سے آواز دوں گا اور تم مجھے دوا بھیجتی رہنا۔ چنانچہ بہن خیمے کے اندر بیٹھ گئیں اور بھائی خیمے سے باہر۔ تھوڑی دیر بعد حسینؑ نے آواز دی: زینبؑ! مجھے اکبرؑ چاہیئے! زینبؑ نے سجا کر باہر بھیج دیا۔ تھوڑی دیر بعد پھر آواز آئی: بہن! مجھے قاسمؑ چاہیئے۔ زینبؑ نے سجا کر بھیج دیا۔ گویا یہ دوا کی شیشیاں تھیں جو امام حسین علیہ السلام استعمال کر رہے تھے۔ دوا اسلام کو پلا دیتے تھے اور خالی شیشی جا کر اُٹھا لاتے تھے۔ امام حسینؑ نے جب ستر دوائیں اسلام کو پلا دیں تو اسلام بالکل تندرست ہو گیا۔ اسلام تروتازہ ہو گیا۔ امام علیہ السلام خیمے میں آئے، بہن مبارک! حسینؑ خیر مبارک۔ بہن! میری ساری دوائیں کام آ گئیں۔

اسلام بالکل ٹھیک ہو گیا مگر مجھے یہ ڈر ہے کہ اسلام کو کل کوئی اور نہ مار دے۔ لہٰذا میں اب اسلام کو تھوڑا سا آبِ حیات نہ پلا دوں تاکہ وہ کبھی مرنے نہ پائے؟ زینبؑ نے کہا: حسینؑ! میرے پاس تو دو ہی زمرد تھے جو ختم ہو گئے۔

قاسمؑ کی ماں! تمہارے پاس؟ مولاؑ میرے پاس تو ایک ہی لعل تھا، ختم ہوگیا۔

اکبرؑ کی ماں! تمہارے پاس؟ میرے آقا! میرے پاس تو ایک ہی چراغ تھا، ختم ہوگیا۔

چنانچہ جب کہیں سے آبِ حیات کی آواز نہ آئی تو کونے میں سے ایک آواز آئی: حسینؑ! آبِ حیات کی ایک چھوٹی سی شیشی میرے پاس ہے۔ مولا حسینؑ! آپؑ کے اسلام کے کام آسکے تو لے جائیں۔ چنانچہ امام حسین علیہ السلام آبِ حیات کی شیشی کے قریب پہنچے، گود میں لیا، دو قدم چلے، سامنے ربابؑ آگئیں۔ امام حسینؑ! یہ بچہ مجھے واپس کریں۔ ربابؑ اپنے بچہ کو خیمے میں لے کر آگئیں۔ تھوڑی دیر بعد اصغر کو گود میں اٹھائے سکینہؑ کی انگلی پکڑے ربابؑ خیمے سے باہر نکلیں اور عرض کی: حسینؑ! کرسی پر بیٹھئے۔ زینبؑ! تم بھی سامنے کرسی پر بیٹھو۔ جب دونوں بہن بھائی کرسیوں پر بیٹھ گئے تو ربابؑ سامنے آکھڑی ہوئیں اور عرض کی: فاطمہؑ کے بیٹے اور فاطمہؑ کی بیٹی! میں غیر خاندان کی ہوں، تمہارے خاندان نے مجھے یہ شرف بخشا اور خدا نے مجھے یہ تحفے دیئے، ایک سکینہؑ اور ایک اصغرؑ۔ مجھے پتہ ہے کہ تھوڑی دیر میں بیوہ ہو جاؤں گی، اس لئے میں آپؑ کی امانت آپؑ ہی کے سپرد کرتی ہوں۔ ربابؑ نے یہ کہہ کر سکینہؑ جنابِ زینبؑ کی گود میں بٹھا دی اور اصغرؑ امام حسینؑ کی گود میں ____ اور اتنا فرمایا: بیٹی سکینہؑ! تو جانے اور زینبؑ جانے۔ بیٹا اصغرؑ! تو جانے اور مولاؑ حسینؑ جانے۔

بس بھائیو! زینبؑ نے سکینہؑ کو سینے سے لگالیا اور حسینؑ نے اصغر کو ہاتھوں پر اٹھالیا۔ مولاؑ ابھی دروازے تک پہنچے ہی تھے کہ ربابؑ نے آواز دی: آقا! ذرا ٹھہرنا ____ امام علیہ السلام ٹھہرے۔ ربابؑ پہنچیں، اصغر کو ہاتھوں پر اٹھایا اور اتنا فرمایا: علی اصغرؑ بیٹا! تو حجتِ خدا کا پوتا ہے، تو فاطمہؑ زہرا کا پوتا ہے، میں غیر خاندان کی ہوں، میرے لعل! میدان میں جا کر میرے دودھ کی لاج رکھنا، میرے لعل! میں دروازے میں کھڑی تمہارا جہاد دیکھوں گی۔ ادھر ربابؑ علی اصغرؑ سے یہ کہہ رہی تھیں، اُدھر بچہ بول تو سکتا نہیں تھا، آنکھوں آنکھوں میں کہہ رہا تھا:

اماں! فکر نہ کر، ذرا مجھے میدان میں جانے دو، اگر دشمن سے نہ کہلوا دوں کہ میں حیدرؑ کرار کا پوتا ہوں تو مجھے دودھ نہ بخشنا۔ امام حسین علیہ السلام اصغر کو ہاتھوں پر اٹھائے ایک ٹیلے پر کھڑے ہوگئے۔ ادھر سے تیر چلا، ادھر سے ربابؑ نے خیمے کے دروازے پر دیکھا اور سمجھ گئیں کہ اصغر آرام سے لیٹا رہے گا تو تیر اصغرؑ کے اوپر سے گزر کر حسین علیہ السلام کو لگ جائے گا۔ چنانچہ فوراً ہی آواز دی: اصغرؑ بیٹا! ہوشیار، حسینؑ کو تیر نہ لگنے پائے:

"فَتَقَلَّبَ الصَّبِيُّ عَلٰى يَدَيْهِ".

بچے نے کروٹ لی اور تیر اُس کے گلے پر لگا، اصغرؑ تیر کھاتے ہی ماں کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔ گویا کہہ رہے تھے: اماں! اب تو خوش ہے نا؟ امام حسین علیہ السلام نے آبِ حیات چلّو میں لیا، کچھ اسلام کے کام آیا، کچھ چہرے پر مل لیا اور خالی شیشی کو دفن کر دیا اور قیامت تک کیلئے اسلام کو زندہ کر دیا۔

ننھی سی قبر کھود کے اصغرؑ کو گاڑ کے<br>
شبیرؑ اُٹھ کھڑے ہوئے دامن کو جھاڑ کے

# جنابِ زینبؑ نے کہا: حسینؑ! میں وعدہ کرتی ہوں کہ ہر شہید کی قبر پر سفید بال کھول کر اُن کا ماتم کروں گی۔

دنیا نے یہ منظر دیکھا کہ شبِ عاشور رات کے بارہ بجے کا وقت ____ چاند دھندلایا ہوا اور امام حسین علیہ السلام اکہتر (۷۱) جاں نثاروں کے ساتھ ایک خیمے میں تشریف فرما ہیں اور ابوتراب کا بیٹا زمین پر مسند لگائے بیٹھ گیا۔ گویا آج دنیا کا بے مثل فیلڈ مارشل اپنی فوج کو ایک انوکھی بات کہہ رہا ہے جو آج تک کسی نے کہی نہ سنی۔

امام علیہ السلام فرماتے ہیں: عباسؑ بھائی! دیکھو سب آ گئے، کوئی رہ تو نہیں گیا۔ قمر بنی ہاشم اٹھے، گن کر بتایا: مولاؑ! پورے اکہتر آدمی ہیں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: نہیں، بہتر (۷۲) ہونے چاہئیں۔ عباسؑ نے پھر گنا، عرض کی: قبلہ! اکہتر ہیں۔ امامؑ نے فرمایا: بہتر (۷۲) پورے ہونے چاہئیں۔ اب جو امامؑ نے یہ فرمایا تو خیمے کی پشت کا پردہ اُٹھا اور اماں فضہ برآمد ہوئیں، سفید رومال میں لپٹی ہوئی ایک شے سامنے رکھی، مولاؑ نے پوچھا: اماں فضہ! کیا لائی ہو؟ فضہ نے عرض کی: مولاؑ! یہ آپؑ کا بہترواں سپاہی ہے اب گن کر دیکھو کہ بہتر (۷۲) ہوئے ہیں یا نہیں؟ امامؑ نے فرمایا: ہاں، اب بہتر (۷۲) ہو گئے۔

اب امام حسین علیہ السلام اپنے سپاہیوں سے فرماتے ہیں: میرے دوستو، میرے عزیزو، میری جان سے پیارے رفیقو، میرے بیٹو، میرے بھتیجو، میرے بھائیو! پھر امام علیہ السلام نے لیلیٰ کا نام پکارا، بھائی حبیب، بھائی زہیر اور جو بزرگ تھے، جیسے مسلم ابن عوسجہ وغیرہ، انہیں امام علیہ السلام نے چچا کہہ کر خطاب کیا۔ میرے باباؑ اور ناناؐ کے صحابیو! دیکھ لو، زمانے کا کیا حال ہے؟ یہ فوج جو مجھے گھیرے ہوئے ہے، اسے میری ذات سے واسطہ ہے۔ تم سے کوئی عداوت نہیں، اس وقت رات کا وقت ہے، میں تمہیں خوشی سے کہہ رہا ہوں کہ تم میں سے جو جانا چاہے، جا سکتا ہے۔

جب تین چار دفعہ مولاؑ نے یہ فرمایا کہ جو جانا چاہے، جا سکتا ہے تو بہتر (۷۲) سپاہی سکتہ کے عالم میں بیٹھے ہیں، آخر مولاؑ نے فرمایا: دیکھو! شاید تمہیں جاتے ہوئے یہ خیال آتا ہے کہ جو ثواب تمہیں یہاں شہید ہونے میں ملے گا، اُس ثواب سے محروم ہو جاؤ گے، لہٰذا میں حجتِ خدا، امامِ زمانہ علیہ السلام، ولیِ مطلق، میں حسینؑ تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر اس وقت تم چلے جاؤ تو جو شہادت کا ثواب ہے، وہ تمہیں ضرور دلاؤں گا۔ چنانچہ اب ثواب کا لالچ بھی ختم ہو گیا۔ اب مولاؑ نے فرمایا: تمہیں غیرت محسوس ہوتی ہے کہ لوگ تمہیں طعنے دیں گے کہ اپنے سردار کو چھوڑ کر آ گئے، لہٰذا اس غیرت کا علاج یہ ہے کہ میرے ساتھ تمہارے نبی کی بیٹیاں آئی ہوئی ہیں، تم انہیں ناناؐ کی قبر پر بٹھا دینا، پھر جہاں جس کا جی چاہے، چلے جانا۔ اگر کوئی طعنہ دے تو کہہ دینا کہ زینبؑ کا پردہ بچانے چلے آئے تھے۔ نبی کی بیٹیوں کو نرغے سے نکال کر لے آئے تھے۔ لوگ خاموش ہو جائیں گے۔ لوگ پھر بھی خاموش رہے، اس کے بعد آپؑ نے فرمایا:

دیکھو! میں تمہارے سامنے بیٹھا ہوں، آنکھ میں شرم ہے، اس شرم کی وجہ سے تم نہیں جاتے؟ اکبرؑ بیٹا! ذرا چراغ گل کردو۔ چنانچہ چراغ گل کردیا گیا، پھر امامؑ نے فرمایا: اب اندھیرا ہے، میں تمہیں نہیں دیکھ سکتا، تم جاسکتے ہو۔

مؤمنین! اندھیرے میں آوازیں تو آرہی ہیں مگر پتہ نہیں چل رہا کہ کیا ہورہا ہے۔ جب کچھ لمحات گزرے تو آپؑ نے حکم دیا: چراغ دوبارہ روشن کیا جائے۔ اب جو چراغ دوبارہ روشن ہوا تو امامؑ نے دیکھا کہ اتنے میں یہ فرق آگیا تھا کہ جوانوں نے اپنی تلواروں کے نیام گھٹنے لگا کر توڑ دیئے اور بوڑھوں نے اپنی پگڑیاں اُتار کر اپنی کمر پر باندھ لیں کہ جھکی ہوئی کمر ذرا سیدھی ہوجائے اور جو بچے ہیں، وہ ایڑھی اٹھا کے کھڑے ہوگئے کہ جوان نظر آنے لگیں اور چھ مہینے کا سپاہی بول تو سکتا نہیں تھا، آنکھوں آنکھوں میں کہہ رہا تھا: مولاؑ! فکر نہ کیجئے، میں بھی شیر خدا کا پوتا ہوں، کل وہ جہاد کروں گا کہ دنیا یاد رکھے گی۔ اب جو امام علیہ السلام نے یہ منظر دیکھا تو سینہ فخر سے تن گیا اور بے ساختہ منہ سے نکل گیا: خداوندا! تو گواہ ہے کہ اتنے اچھے جاں نثار تو میرے نانا جان کو نہ ملے، اتنے اچھے ساتھی تو میرے والد گرامی حضرت علی علیہ السلام کو نہ ملے، اتنے اچھے رفیق تو آدمؑ سے لے کر آج تک کسی کو نصیب نہیں ہوئے۔

اب جو مولاؑ نے فرمایا تو جاں نثاروں کا پیمانۂ صبر بھی لبریز ہوگیا۔ سب سے پہلے مسلم ابن عوسجہ اٹھے، بوڑھا آدمی ــــ جنابِ رسولِ خدا کو دیکھ چکے تھے، جنابِ علی علیہ السلام کے ساتھ رہ چکے تھے، تلوار ٹیک کر کھڑے ہوئے، بدن میں تھوڑا سا لرزہ بھی تھا، کہنے لگے: مولاؑ! میں نے آپؑ کے نانا جان کو دیکھا ہے، میں آپؑ کے والد بزرگوار علی علیہ السلام کے ساتھ رہا ہوں، آپؑ کے منہ سے یہی سجتا ہے جو آپؑ کہہ رہے ہیں۔ آپؑ کی یہی شان ہے جو آپؑ کہہ رہے ہیں۔ مولاؑ! یہ سچ ہے کہ آپؑ کو ہماری ضرورت بالکل نہیں مگر ہمیں آپؑ کی ضرورت ہے۔ آپؑ ہمارے محتاج نہیں ہیں۔ حسینؑ! ہم آپؑ کے محتاج ہیں۔ مولاؑ! اگر آپؑ ٹھوکریں مار مار کر بھی اس میدان سے نکال دیں، پھر یہیں پلٹ کر آئیں گے کیونکہ ہم آپؑ کے بغیر نہیں رہ سکتے۔

بوڑھا آدمی، جوش میں فقرے کہے، بدن میں لرزہ پیدا ہوا، وہیں گر گئے۔ گرتے ہی جنابِ بریر ہمدانی کھڑے ہوگئے، یہ بڑے فصیح البیان انسان تھے، انہوں نے کھڑے ہوکر کہا:

مولاؑ! ہمیں جانے کو کہتے ہیں؟ ہم چلے جاتے ہیں مگر ہمیں اپنے گھر سے اچھا گھر بتا دیں جہاں ہم چلے جائیں؟ اپنے دربار سے اچھا دربار بتائیں جہاں ہم جا کر بیٹھ جائیں۔ یہ فقرے کہہ کے وہ بھی بیہوش ہوکر گر پڑے۔ اس کے بعد امام حسین علیہ السلام کے بچپن کے دوست حبیب اٹھے۔ حبیب نے اسی طرح بات کی ہے جس طرح بچپن کا دوست بات کرتا ہے۔

مولاؑ! میں آپؑ کے ساتھ بچپن میں کھیلا ہوں، میں آپؑ کو چھوڑ کر چلا جاؤں مگر ایک بات بتا دیجئے کہ قیامت کے دن اگر آپؑ کی والدۂ گرامی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے پوچھ لیا کہ حبیب! میرے حسینؑ کو کہاں چھوڑ آیا تو میں کیا جواب دوں گا؟ یہ کہہ کر حبیب بھی بیٹھ گئے۔ اسی طرح جب تمام اصحاب باتیں کر کر کے بیٹھ گئے تو اب عزیزوں کی باری آئی۔ عزیزوں کی نمائندگی حضرتِ عباس علمدار (قمر بنی ہاشم) علیہ السلام نے فرمائی۔

مؤمنین کرام! ذرا توجہ سے سننا عباسؑ کی تقریر!

پورا بدن لرز رہا ہے، تلوار کا قبضہ ہاتھ میں ہے، ایک مرتبہ فرمایا: مولاؑ! خاموش ہو گئے، دوسری مرتبہ اور بلند آواز سے کہا: یا بن رسولؐ اللہ! پھر خاموش ہو گئے۔ پھر تیسری مرتبہ کہا: میرے سردار! پھر خاموش ہو گئے اور خاموش ہو کر ایک دم نجف اشرف کی طرف مڑ گئے اور بجائے امام حسینؑ سے کچھ کہنے کے ____ کہا: اے بابا علیؑ! میرے آقا حسینؑ جانے کو کہہ رہے ہیں، میں کیا جواب دوں؟

امام علیہ السلام کو عباسؑ کی اس ادا پر پیار آ گیا۔ اُٹھ کر ایک ایک کے گلے ملے، ایک ایک کی پیشانی چومی: میں تمہارا احسان مند ہوں، میں تمہارا بڑا شکر گزار ہوں۔ جاؤ! کل کے مرنے کی تیاری کرو اور امام علیہ السلام نے اپنے جاں نثاروں کو سلام کیا، وہی سلام جو آج تک گنج شہداء میں پڑھا جاتا ہے:

''اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَاأَوْلِيَاءَ اللّٰهِ''.

''اے اولیائے خدا! میرا تم سب پر سلام ہو''۔

گویا چند لمحوں کے اندر امام حسین علیہ السلام نے بہتر (۷۲) کو اولیاء اللہ بنا دیا۔

مؤمنین کرام! یوم عاشور بہتر (۷۲) کے علاوہ شہید ہونے والوں میں حُر بھی ہے۔ اگر یہ رات والے اولیاء اللہ بن گئے تو حُر تو ولی بننے سے رہ گیا ہو گا۔ لہٰذا امام حسین علیہ السلام نے اسے ولی بنانے کیلئے الگ دفن کروا دیا کہ سب کے ساتھ دفن ہوتا تو اولیاء اللہ پر زیارت پڑھی جائے گی تو لوگوں کو یہ شبہ ہو گیا کہ وہ تھے اولیاء اللہ جو رات کو تھے، صبح والا نہیں تھا۔ لہٰذا حُر کو الگ دفن کروا کے ہمیں حکم ہوا کہ وہاں اولیاء اللہ مجموعاً کہا کرو اور یہاں حُر کی قبر پر کھڑے ہو کر کہا کرو:

''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاوَلِيَّ اللّٰه''.

اے حُر! تو بھی ولی اللہ ہے۔ یوں ولایت اس گھر سے تقسیم ہوتی ہے۔

میرے بھائیو! مصیبت و پریشانی کے عالم میں جب یہ یقین ہو جائے کہ کل جنگ ضرور ہو گی، اپنی فوج کے سربراہ کا یہ کہنا کہ تم چلے جاؤ، یہ وہ بات ہے جس پر عقل حیران ہوتی ہے، حالانکہ ایسے عالم میں تو سربراہِ فوج اپنی فوج کو قابو میں رکھتا ہے۔ مگر امام حسین علیہ السلام ہیں کہ اپنے ساتھیوں سے کہہ رہے ہیں کہ تم میں سے جو جانا چاہے، جا سکتا ہے۔ گویا امام علیہ السلام نے دنیا کو یہ دکھا دیا کہ یہ ولایت کی شان ہے کہ اگر بھوک و پیاس سے تنگ آ کر کوئی سپاہی مجھے چھوڑ کر چلا جائے، یہ حق ہے، یا کوئی دنیاوی عیش و آرام چھوڑ کو بھوک و پیاس کی طرف آ جائے، یہ حق ہے، یہ ہے شانِ ولایت۔

بہر نوع تھوڑی دیر بعد امام حسین علیہ السلام نے دربار برخاست کر دیا اور بیت الشرف میں تشریف لائے۔ پردہ اُٹھا کر خیمے میں قدم رکھا ہی ہے کہ دیکھا کہ سامنے بہن کھڑی ہیں۔ زینبؑ بہن! تم یہاں کیسے؟ زینبؑ نے عرض کی: بھائی جان! میں قنات کے پیچھے سے آپؑ کے ساتھیوں کی گفتگو سنتی رہی، میں وعدہ کرتی ہوں حسینؑ! ہر شہید کی قبر پر کھڑی ہو کر، سفید بال کھول کر اُنؑ کا ماتم کروں گی مگر اتنا بتاؤ کہ ان

میں سے کوئی چلا تو نہیں جائے گا؟

بس بھائیو! زینبؑ کا یہ پوچھنا تھا کہ پردے کے بالکل پیچھے پہرہ دار کے طور پر حضرت بریر ہمدانی کھڑے تھے، انہوں نے سن لیا۔ رات کا وقت، ایک دم گھبرا کے پکارا ___ حبیب، زہیر! جلدی آؤ ___ اب جو انہوں نے آواز دی تو سب دوڑتے ہوئے آگئے۔ زہیر نے پوچھا: بریر! خیریت تو ہے؟ بریر نے کہا: زہیر! خیریت بالکل نہیں، ابھی ہماری آقازادی جنابِ زینبؑ کو ہماری وفا کا یقین نہیں آیا۔ خیمے میں بعد میں جانا، پہلے بی بی کو یقین دلا کے جاؤ۔ چنانچہ سب تلواریں نیاموں سے نکلیں اور خیمے کے صحن میں آکر گریں اور گڑگڑا کر جاں نثاروں نے عرض کی: علیؑ کی بیٹی! اپنے ہاتھ سے ان سروں کو کاٹ دیجئے، ہم آپؑ کی چوکھٹ سے ہلنے والے نہیں۔ اور اتنا اعتماد تھا جنابِ زینبؑ اصحاب کی وفا پر کہ عاشور کی شام کو جب خیمے جلنے لگے تو جنابِ زینبؑ نے امام حسین علیہ السلام کو نہیں پکارا، عباسؑ کو نہیں پکارا، بلکہ وہاں بھی کھڑے ہو کر زینبؑ نے یہی آواز دی: بھائی حبیب! دیکھو تو سہی، ہم پر کیا گزر رہی ہے؟

بزرگانِ من! حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ہر زمین شق ہو جائے گی اور ہر قبر سے مردہ اٹھ کر آئے گا۔ مگر ___ کربلا کی زمین یونہی رہے گی اور یہاں کی قبروں میں سونے والوں کو آدمؑ سے اٹھالیا جائے گا۔ اس کے علمی دلائل علمائے کرام کے پاس موجود ہیں مگر مجھ دیوانے نے یہی سمجھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پتہ ہے کہ یہ بڑے زخمی ہیں، لہٰذا ان زخمیوں کو تکلیف نہ دی جائے۔ انہیں اسی طرح اٹھالیا جائے گا جس طرح زخمی کو سٹریچر پر لایا جاتا ہے اور یہی اولیاء کے مجمع کی برکت ہے، یہی بات ہے کہ دنیا کی کتابیں پڑھ ڈالو جن میں زیارات لکھی ہوئی ہیں کہ پندرہ شعبان کو کربلائے معلیٰ میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام اور آئمہ طاہرینؑ بمعہ ملائکہ کے تشریف لاتے ہیں۔

نجف میں، مدینہ میں، کاظمین میں، سامرہ میں، مشہد میں، کہیں یہ نہیں لکھا ہوا کہ کسی جگہ حسینؑ تشریف لائیں گے بلکہ سارے بزرگ حسین علیہ السلام کے پاس تشریف لاتے ہیں۔ غالباً سب نے مل کر یہ فیصلہ کیا ہوگا کہ حسینؑ کے یہاں چلے چلو کیونکہ یہ بڑا زخمی ہے۔ لہٰذا اسے تکلیف نہ دو۔ چنانچہ سب کربلائے معلیٰ میں تشریف لاتے ہیں اور حسین علیہ السلام کا دربار کائنات کے شہنشاہوں کی آمد سے سج جاتا ہے اور انداز یہ ہوتا ہے کہ ___ بنظامِ قدرت سجایا گیا ہے۔ جنت کے بنے ہوئے مرمریں پتھر فرش کی جگہ بچھائے گئے، علم آدمؑ کے زمردیں تخت بچھائے گئے، علم نوحؑ کی آبشاریں چلا دی گئیں، ابراہیمؑ کی خلت کے پردے لٹکا دیئے گئے، ہیبتِ موسیٰ علیہ السلام کو چوبدار بنا دیا گیا، زُہد عیسیٰؑ کے نقش و نگار کر دیئے گئے، حسنِ یوسفؑ کی گلکاری ہوگی اور پورے حرم کو سجا دیا گیا اور تختِ شاہی پر جو سٹیج بنی، اس پر شہنشاہِ کربلا اپنے بہتر (۷۲) ساتھیوں کے ساتھ آکر رونق افروز ہو گئے۔ شہنشاہؑ کے پیچھے کرسیوں پر اٹھارہ بنی ہاشم اور ان کے پیچھے ہلالی شکل میں کرسیوں پر شہدائے کربلا اور باقاعدہ قرینے سے دو طرفہ کرسیاں رکھی ہوئی ہیں۔

ہر کرسی پر بیٹھنے والے نبی کا لکھا ہوا ہے اور جنابِ قمر بنی ہاشم، فیلڈ مارشل کی وردی پہنے ہوئے دروازے پر کھڑے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد کسی نے فیلڈ مارشل سے آکر کہا کہ آدم علیہ السلام سلام کیلئے حاضر ہوئے ہیں، اجازت ہے؟ فیلڈ مارشل نے وہیں سے آواز دی: سرکارِ حسینی میں آدمؑ کا سلام قبول ہو ___ سرکارؑ کی طرف سے حکم ہوا، آنے دو۔ چنانچہ آدم علیہ السلام آئے اور اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد نوحؑ آئے، اسی طرح جب سارے انبیاء آکر قرینے سے اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے تو قمر بنی ہاشم نے سر جھکا کر عرض کی: سرکارِ حسینی میں حضورؐ سرورِ

کائنات تشریف لا رہے ہیں! آنحضورؐ کا نام سنتے ہی سیدؑ الشہداء اپنے تخت سے اُترے، آگے بڑھ کر اپنے ناناؐ کا استقبال کیا، اپنے برابر کی کرسی پر بٹھا دیا اور اُس کرسی کے پیچھے شہزادہ علی اکبرؑ کو کھڑا کر دیا تاکہ ہم شکل پیغمبرؐ ___ پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ ہی بیٹھ جائے۔

اس کے بعد آئمہ طاہرین علیہم السلام تشریف لائے اور اپنی اپنی کرسی پر قرینے سے بیٹھ گئے۔ اس کے بعد حکم ہوا: او اہلِ دربار! اپنی آنکھیں بند کر لو، میری ماں زہراؑ آ رہی ہیں۔ بی بیؑ پاک آ کر بیٹھ گئیں۔ چنانچہ سب اپنے اپنے قرینے سے بیٹھ گئے اور دربار شروع ہوا تو اچانک ایک آواز آئی: بھیا! کیا میں بھی آ سکتی ہوں؟ بس اس آواز کا سننا تھا کہ قمر بنی ہاشم نے سر سے عمامہ اُتار کے پھینک دیا، شہزادہ علی اکبرؑ ننگے سر، ننگے پاؤں دوڑے اور امام حسین علیہ السلام نے کرسی چھوڑ دی، جنابِ سرورِ کائنات تعظیم کو کھڑے ہو گئے، سیدہؑ نے چادر پھیلا دی، آئمہ طاہرینؑ جھک کے سلام کرنے لگے، انبیاء ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو گئے اور زینبؑ کہیں گی: بھائی حسینؑ! آج تیرے دربار میں زینبؑ آ رہی ہے، حسینؑ اجازت ہے، آ جاؤں؟

محترم بزرگو! حضرت امام زین العابدین علیہ السلام آگے بڑھیں گے اور پھوپھی کو سلام کر کے پھوپھی جان کا بازو پکڑ کر فرمائیں گے: پھوپھی اماں! آؤ میرے ساتھ، چلیں۔ اور حسینؑ کے دربار میں پھوپھی بھتیجے آ کر بیٹھ جائیں گے۔ گویا اس شان سے زینبؑ کی آمد ہوگی۔ زینبؑ کہیں گی: حسینؑ بھائی! ایک بات کہہ کر مجھے واپس جانا ہے۔ اللہ آپؑ کے دربار کو آباد رکھے۔ حسینؑ! میں نے بڑی محنت سے آپؑ کے مشن کو آباد کیا ہے۔ بھائی حسینؑ! اطرافِ عالم میں دنیا کے لوگ آپؑ کے ماتم دار ہیں، میں ہر ایک کے گھر جاتی ہوں۔ حسینؑ! آج میں آپؑ کے دربار میں اُنؑ کی سفارش لے کر آئی ہوں۔

امام علیہ السلام فرمائیں گے: زینبؑ بہن! فکر نہ کریں، جو آپؑ فرمائیں گی، وہی ہوگا۔ بھائی حسینؑ! میں چاہتی ہوں کہ کربلا کے شہر میں میری سواری کا جلوس گزار دو۔ میں آپؑ کے سارے شہر کو دیکھنا چاہتی ہوں۔ حسینؑ بھائی! یہ وہی جنگل ہے نا ___ جہاں میرے سر سے چادر اُتری تھی۔ بھائی! یہ وہی جگہ ہے نا جہاں میں کھڑی ہوئی دیکھ رہی تھی اور آپؑ ذبح ہو رہے تھے؟

❁ ❁ ❁

# جب علی اکبرؑ گھوڑے سے گرے تو امام حسینؑ ٹیلے سے گرے،زینبؑ دروازے پر گریں اور لیلیٰؑ سجدے میں اور کہا:یا اللہ! تیرا شکر ہے کہ میری نیک کمائی نیک راہ میں کام آئی۔

حضورِ والا! کربلا کا بھیانک بن ہے اور لاکھوں خونخواروں کے درمیان بہتر (۷۲) کا قافلہ ہے۔ درمیان میں بہتر (۷۲) کا سردار کھڑا ہے اور صبح سے کام میں آواز آ رہی ہے: مولاؑ! میں گر گیا، میرے آقا! میں گر گیا، میرے بادشاہ! مجھے اُٹھالو۔ جب مولا اور آقا کی آوازیں آنا بند ہوگئیں اور باقی صرف اولادِ ابی طالبؑ رہ گئے تو حسینؑ نے کسی کا انتظار کئے بغیر حکم دیا: علی اکبرؑ بیٹا! میں حکم دیتا ہوں کہ تم میدانِ شہادت میں جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ بہن کے بچے ذبح ہو جائیں، بھائی کا بیٹا قتل ہو جائے اور دنیا یہ کہے کہ اپنے بیٹے کو روک لیا تھا۔ بہرنوع ادھر امامؑ کا حکم ہوا، اُدھر علی اکبرؑ میدان کی طرف چل پڑے۔ ابھی چند قدم ہی چلے تھے کہ حسینؑ نے آواز دی: علی اکبرؑ بیٹا! ذرا ٹھہرو۔ اکبرؑ ٹھہر گئے۔ پھر فرمایا: بیٹا! گھوڑے سے اُترو۔ چنانچہ علی اکبرؑ گھوڑے سے نیچے اُتر آئے اور عرض کی: بابا جان! کیا حکم ہے؟

امامؑ نے فرمایا: بیٹا! بیت الشرف میں جاؤ اور ماں کو سلام کرو، پھوپھی کو سلام کرو، بہنوں سے رخصت ہو۔ چنانچہ علی اکبرؑ گھر میں تشریف لائے اور حسینؑ بھی ساتھ ساتھ چلتے آئے۔ خیمہ میں آکر حسینؑ نے زینب سلام اللہ علیہا سے کہا: زینبؑ! اکبرؑ آ رہا ہے۔ آج میں سننا چاہتا ہوں کہ پھوپھی بھتیجے میں کیا بات ہوتی ہے۔ چنانچہ علی اکبرؑ خیمے میں تشریف لائے اور لیلیٰ کو سلام کیا، اماں! سلام۔ ماں جواب میں کہتی ہیں: اکبرؑ بیٹا! تم ابھی تک زندہ ہو؟ میرے لعل! میں صبح سے مصلیٰ بچھائے بیٹھی ہوں تا کہ تیری میّت آئے تو شکر کی نماز پڑھوں؟ علی اکبرؑ نے کہا: اماں! میں جا رہا ہوں۔ بیٹا! خدا حافظ۔ علی اکبرؑ ماں سے رخصت ہو کر پھوپھی کے پاس آئے اور آتے ہی زینبؑ کی گود میں اپنا سر رکھ دیا اور لیٹ گئے اور عرض کی: پھوپھی اماں! دیکھیں، میں آپؑ کا اکبرؑ ہوں، مجھے پیار کریں۔

ادھر امام حسین علیہ السلام کھڑے ہوئے دیکھ رہے ہیں کہ آج پھوپھی بھتیجے میں کیا باتیں ہوں گی؟ تھوڑی دیر بعد اکبرؑ نے عرض کی: اماں! آپؑ ہی اس بات کی گواہ ہیں کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے، جو بات بھی پوچھی ہے، آپؑ ہی سے پوچھی ہے اور جو کچھ بھی مانگا ہے، آپؑ ہی سے مانگا ہے۔ گویا سوائے آپؑ سے میں نے کسی نے واسطہ ہی نہیں رکھا۔ اماں! آج بھی آپؑ سے ایک مسئلہ پوچھتا ہوں۔ زینبؑ نے کہا: بیٹا! آج کوئی مسئلہ پوچھنے کا موقعہ ہے؟ علی اکبرؑ نے عرض کی: اماں! آج ایک مسئلہ بتا دو۔ اچھا میرے لعل! پوچھو، کیا پوچھتے ہو؟ علی اکبرؑ نے عرض کی: اماں! میری دادی فاطمہؑ کا مرتبہ زیادہ ہے یا آپ کا؟ زینبؑ ایک دم گھبرا کر فرماتی ہیں: بیٹا! یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ کہاں فاطمہ زہراؑ کی شان، کہاں میں؟ میں تو اُنؑ کی ادنیٰ سی کنیز ہوں۔

اب جو زینبؑ نے کہا کہ میں تو فاطمہؑ کی ادنیٰ کنیز ہوں تو علی اکبرؑ یا تو لیٹے تھے یا اُٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: اماں! اگر آپؑ واقعی فاطمہؑ کی کنیز ہیں تو پھر ایک کام کریں، آج فاطمہؑ کے بیٹے پر اپنے بیٹے کو قربان تو کر دیں؟

بس بھائیو! علی اکبرؑ کا یہ کہنا تھا کہ اُدھر سے حسینؑ نے آواز دی: زینبؑ! میں نہ کہتا تھا کہ آج میں سننا چاہتا ہوں کہ پھوپھی بھتیجے میں کیا بات ہوتی ہے؟ بہرنوع دونوں بہن بھائی نے مل کر اکبرؑ کو آخری لباس پہنایا۔ زینبؑ نے عبا پہنائی اور حسینؑ نے عمامہ باندھا مگر اس طرح باندھا گویا کفن باندھ دیا۔ اکبرؑ روانہ ہوئے، کبھی کسی بہن نے آکر عبا کا دامن پکڑ لیا، کبھی کسی بچی نے روک لیا، کبھی پھوپھی نے ٹھہرا لیا۔ جب بڑی دیر ہوگئی تو امام علیہ السلام نے فرمایا: بیبیو! مسافر کا راستہ نہ روکو!

چنانچہ امام علیہ السلام کے کہنے پر سب خاموش ہو گئے۔ علی اکبرؑ جب سب سے رخصت ہو کر خیمے سے باہر نکلے اور ابھی دروازہ کے قریب ہی تھے کہ ایک درد بھری آواز آئی جس کو حسینؑ جیسا صابر انسان سن کر آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا۔ اکبرؑ ابھی دروازے کے قریب ہی تھے کہ پیچھے سے آواز آئی: اکبرؑ! ہم سے بھی ملتے جاؤ۔

علی اکبرؑ پلٹ کر دیکھتے کیا ہیں کہ بیمار بھائی چلا آرہا ہے۔ دونوں بھائیوں نے گلے میں ہاتھ ڈال دیئے اور حسینؑ جیسا صابر آنسو پونچھتا ہوا باہر نکل آیا۔ اللہ جانے بھائیوں میں کیا راز و نیاز کی گفتگو ہوئی؟ بہرنوع اکبرؑ خیمے سے باہر آئے اور حسینؑ نے رکاب پکڑ کر سوار کر دیا اور فرمایا: بیٹا! جاؤ، خدا حافظ۔ اکبرؑ میدان کو چلے، حسینؑ بھی پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ تھوڑی دور جا کر اکبرؑ نے باگ روک لی اور عرض کی: بابا جان! میں اُتر آؤں؟ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: نہیں بیٹا جاؤ ــــ بابا جان! پھر آپ تکلیف کیوں کر رہے ہیں؟ امام حسینؑ نے فرمایا: بیٹا اکبرؑ! تمہارا کوئی جوان بیٹا نہیں، تمہیں اندازہ ہی نہیں کہ ہمارے دل پر کیا گزر رہی ہے؟ اچھا بیٹا! ہم بیٹھ گئے، تم جاؤ۔

عزادارو! یہ کہہ کر امام حسین علیہ السلام ایک ٹیلے پر بیٹھ گئے اور علی اکبرؑ میدان میں آگئے اور جہاد شروع ہوگیا۔ علی اکبرؑ کی نظر فوجوں پر ــــ امام حسینؑ کی نظر علی اکبرؑ پر ــــ دروازہ پر کھڑی ہوئی زینبؑ کی نظر امام حسینؑ پر اور مصلیٰ پر بیٹھی ہوئی لیلیٰ کی نظر زینبؑ پر جمی ہوئی ہے۔ گویا یہاں سے وہاں تک نظر کا تار مل گیا۔

بس بھائیو! کوئی چند لمحے ہی گزرے ہوں گے کہ اکبرؑ گھوڑے سے گرے، امام حسینؑ ٹیلے سے گرے، زینبؑ دروازے میں گریں اور لیلیٰ سجدے میں گریں: یا اللہ! تیرا شکر ہے کہ میری نیک کمائی نیک راہ میں کام آئی۔

علی اکبرؑ نے گھوڑے سے گرتے ہی آواز دی:

**”یَااَبَتَاهُ اَدْرِكْنِیْ“.**

”بابا جان! میں گر گیا، میری مدد کیجئے“۔

امام حسینؑ چلے اور جب اکبرؑ کی لاش نو دس قدم پر رہ گئی تو فرمایا: اکبرؑ بیٹا! ایک دفعہ پھر پکارو، بیٹا! ہمیں راستہ نظر نہیں آتا، ہماری بینائی کام نہیں کر رہی۔ لہٰذا تم ہمیں آواز دو تا کہ ہم تمہاری آواز کے سہارے آئیں۔ چنانچہ علی اکبرؑ نے پھر آواز دی:

"یَااَبَتِ اِلَیَّ اِلَیَّ".

"بابا جان! میں یہاں ہوں"۔

امام حسین علیہ السلام آواز کے سہارے اکبرؑ کے پاس پہنچے۔ دیکھا کہ اکبرؑ ایک پاؤں سمیٹتا ہے اور ایک پاؤں پھیلاتا ہے۔ امام حسینؑ نے اپنی گود میں اکبرؑ کا سر لے لیا اور فرمایا: بیٹا علی اکبرؑ! ہم آ گئے۔ اکبرؑ نے عرض کی: بابا جان! آپؑ نے بڑی تکلیف فرمائی ہے۔ امام حسینؑ نے فرمایا: بیٹا! کہو، کچھ کہنا چاہتے ہو؟ اکبرؑ نے عرض کی: بابا جان! آج اکبرؑ آپ دو چیزیں مانگتا ہے، پہلی چیز تو یہ ہے کہ اگر ہو سکے تو دو گھونٹ پانی دے دو۔ گویا جوان بیٹے کا زندگی میں باپ سے پہلا سوال ہی یہی تھا کہ دو گھونٹ پانی دے دو۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اکبرؑ بیٹا! گھبراؤ نہیں، تمہارے دادا ابھی تمہیں سیراب کریں گے۔ اکبرؑ نے فرمایا: بابا جان! دوسری فرمائش کرتا ہوں کہ ابھی میں زندہ ہوں، لہٰذا مجھے گھر لے چلو تاکہ میں پھوپھی اور اماں سے آخری بار مل سکوں۔ حسینؑ نے کہا: ہاں بیٹا! تمہاری یہ فرمائش ہم ضرور پوری کریں گے۔

یہ کہہ کر امام حسین علیہ السلام نے ایک ہاتھ علی اکبرؑ کی گردن کے نیچے رکھا اور ایک ہاتھ پیروں کے نیچے رکھا اور بیٹے کی لاش کو اٹھانا چاہا۔ جوان بیٹا، بوڑھا باپ، ہاتھ تھرتھرائے، زمین پر رکھ دی۔ تھوڑی دیر بعد پھر ارادہ کیا، سینے تک اٹھایا مگر ہاتھ پھر بھی تھرتھرائے۔ میّت زمین پر لٹا دی اور امام حسینؑ نے فرمایا: اکبرؑ بیٹا! ایک کام کرو کہ ادھر سے ہم اٹھاتے ہیں، ادھر سے تم دونوں ہاتھ ہمارے گلے میں ڈال دو، کچھ تم سہارا کرو، کچھ ہم سہارا کریں گے۔

چنانچہ اکبرؑ نے ایک ہاتھ باپ کے گلے میں ڈال دیا۔ حسینؑ نے کہا: بیٹا! دوسرا ہاتھ بھی ڈال دو۔ اکبرؑ نے عرض کی: بابا جان! دوسرا ہاتھ میں سینے سے اٹھانا نہیں چاہتا۔ کیوں بیٹا، کیا بات ہے؟ بابا جان! میں اپنا سینہ آپؑ کو دکھانا نہیں چاہتا۔ حسینؑ نے فرمایا: بیٹا! کوئی بات نہیں، ہمیں بھی دکھاؤ، ہم دیکھیں گے۔ اب جو اکبرؑ نے سینے سے ہاتھ اُٹھایا تو حسینؑ نے دیکھا کہ برچھی کا پھل ٹوٹ کر اکبرؑ کے سینے میں رہ گیا ہے اور اکبرؑ کا دل اس میں پھنسا ہوا ہے۔ امام حسینؑ نے دیکھ کر فرمایا: بیٹا یہ بات تھی؟ گھبراؤ نہیں۔

یہ کہہ کر امام حسینؑ نے بیٹے کی میّت کو زمین پر لٹایا، خود دو زانو بیٹھے۔ ایک ہاتھ بیٹے کے سینے پر رکھا، ایک ہاتھ میں برچھی پکڑی اور کھینچنے کا ارادہ کیا اور بلند آواز سے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا:

نانا جان! دادا ابراہیمؑ کو لے کر کربلا میں آیئے، دیکھئے! میری آنکھوں پر رومال نہیں ہے، میری آنکھوں پر پٹی نہیں ہے، میرا ہاتھ نہیں لرز رہا، میرا بدن نہیں کانپ رہا۔ خداوندا! دیکھ، آج میں دادا ابراہیمؑ کا قرض اُتار چکا ہوں۔

بزرگانِ من! امام حسین علیہ السلام نے برچھی کو ہلایا۔ برچھی ہلی تو اکبرؑ کا بندھا ہوا دل ہلا، دل ہلا تو سارا بند تھرتھرایا۔ بدن کا تھرتھرانا تھا کہ کربلا میں زلزلہ آیا۔ کربلا میں زلزلہ آیا تو حسینؑ کے خیموں میں زلزلہ آیا اور خیموں میں زلزلہ آنا تھا کہ پردہ اُٹھا اور زینبؑ نے آواز دی: بھائی حسینؑ! مجھے آنے دو، اکیلے یہ کام نہ کرنا، دونوں بہن بھائی مل کر یہ کام کریں گے۔ زینبؑ کا یہ کہنا تھا کہ حسینؑ نے وہیں سے آواز دی:

زینبؑ بہن! باہر نہ آنا، تیرے پردے پر اکبرؑ کو قربان کرتا ہوں۔

عزادارو! آج سے چند سال قبل کربلا معلیٰ میں حرمِ سیدؑ الشہداء میں ضریح اقدس کے پاس کھڑے ہو کر نمازِ صبح کے بعد شیخ مہدی نامی ایک شخص تھوڑی دیر مصائبِ سیدؑ الشہداء پڑھا کرتے تھے۔ یہی گویا صبح کا ایک وظیفہ تھا۔ ایک روز انہوں نے علی اکبرؑ کی شہادت پڑھ دی، بڑا گریہ ہوا، واپس گھر گئے، دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد جب سو گئے تو خواب میں دیکھا کہ سیاہ برقعہ والی ایک بی بیؑ آئی ہیں اور فرماتی ہیں:

شیخ مہدی! شیخ کہتے ہیں کہ میں خواب میں اُٹھ کر بیٹھ گیا اور عرض کی: بی بیؑ! کیا بات ہے؟ آپؑ نے فرمایا: شیخ! میں تیرے مولا حسینؑ کی ماں ہوں۔ شیخ کہتا ہے کہ میں تھر تھر کانپنے لگا اور عرض کی: حضورؑ! کیا حکم ہے؟ بی بیؑ نے فرمایا: شیخ! تم نے آج حرم میں علی اکبرؑ کی شہادت پڑھی ہے؟ شیخ نے عرض کی: کیوں بی بیؑ، کوئی غلط روایت پڑھی ہے؟ بی بیؑ نے فرمایا: نہیں، بالکل درست کہا تھا مگر جب سے تو نے یہ واقعہ پڑھا ہے کہ اکبرؑ و قاسمؑ کے لاشہ پر ہاتھ رکھ کر حسینؑ نے کہا:

"وَاغُرْبَتَاهُ".

"یااللہ! میں غریب ہو گیا"

شیخ! اُس وقت سے لے کر بہن بھائی گلے میں بانہیں ڈال کر رو رہے ہیں اور میں انہیں تسلیاں دے رہی ہوں۔

◉ ◉ ◉

## امام حسینؑ نے قاسمؑ کی لاش کو اُٹھایا اور اکبرؑ کی لاش کے ساتھ رکھ دیا،ایک ہاتھ اکبرؑ کی لاش پر اور دوسرا ہاتھ قاسمؑ کی لاش پر رکھ کر آسمان کی طرف رُخ کیا اور کہا کہ آج میں کتنا غریب ہوگیا ہوں۔

حضورِ والا! 50ھ میں حسنؑ کی شہادت ہوئی۔ بوقتِ شہادت حسنؑ کی بیوہ اپنے شوہر کے سامنے کھڑی ہیں، گود میں دو سال کا بچہ ہے اور اپنے شوہر سے کہہ رہی ہیں: میرے سرتاج! میرے لئے کیا حکم ہے؟ حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمادیا کہ قاسمؑ کی ماں! تو اپنی ساری زندگی اس بچے کے ساتھ گزار دے۔ یہ بچہ قیامت تک تیرے نام کو قائم و باقی رکھے گا۔ بہر کیف! امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی رحلت ہوگئی اور قاسمؑ کی ماں قاسمؑ کو گود میں اُٹھا کر زینبؑ کے پاس روزانہ آتی اور کہتی تھیں: بی بیؑ! میں تو غیر خاندان کی ہوں، اُمتی ہوں، آپؑ سادات ہیں اور یہ بچہ آپؑ کا ہے۔ اب اتنے سال کا ہوگیا، میں نے اس کے لئے یہ لباس تیار کیا ہے۔ بی بیؑ! دیر نہ کرنا، جب چودہ سال کا ہوجائے تو اس کی شادی کر دینا۔ بی بیؑ! مجھے اپنی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، میں ایک دفعہ قاسمؑ کے چہرے پر سہرا دیکھنا چاہتی ہوں۔

بس بھائیو! قاسمؑ کو تیرہواں سال ہوا تو امام حسینؑ کے ساتھ کربلا میں آگئے اور قاسمؑ کی ماں نے قاسمؑ کی شادی کے سارے کپڑے اپنے ساتھ اُٹھا لئے تا کہ ہوسکتا ہے کہ راستے میں ضرورت پڑ جائے۔

کربلا میں دن گزرتے گئے، حتیٰ کہ عاشورہ کی شب آگئی اور امامؑ خیمے سے واپس ہو کر جب مصلیٰ پر جا کر بیٹھے تو قاسمؑ ماں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اماں! ہر بی بی نے مولاؑ سے اپنے بیٹے کیلئے کل کی اجازت مانگی ہے، میں بھی اپنے لئے اجازت مانگوں؟

قاسمؑ کی ماں نے کہا: ہاں بیٹا، جاؤ حسینؑ سے تم بھی اجازت مانگو۔ بہر کیف قاسمؑ وہاں تشریف لائے جہاں امام مصلیٰ پر بیٹھے معبودِ حقیقی کے ساتھ راز و نیاز کی باتیں کر رہے تھے۔ قاسمؑ نے آتے ہی سلام کیا: چچا جان! سلام۔ امامؑ نے سر اُٹھاتے ہی دیکھا اور فرمایا: قاسمؑ بیٹا! تم رات کو کیوں گھر سے باہر آئے۔ جاؤ میرے لعل، اپنی اماں کے پاس جا کر آرام کرو۔ امامؑ نے جو یہ کہا تو دل بھر آیا۔ چنانچہ قاسمؑ کو گود میں بٹھا کر بھائی حسنؑ کو یاد کیا۔ قاسمؑ بیٹا! تجھ سے بھائی حسنؑ کی خوشبو آرہی ہے ___ آج حسینؑ اکیلا رہ گیا ___ تھوڑی دیر بعد امام حسینؑ نے آنسو پونچھتے ہوئے فرمایا: قاسمؑ بیٹا! جاؤ، خیمہ میں جا کر آرام کرو۔ قاسمؑ نے عرض کی: مولاؑ! کل کے شہید ہونے والوں میں میرا نام ہے؟ امام علیہ السلام نے سمجھا کہ بارہ سال کا بچہ ہے، اللہ جانے سن کے دل پر کیا اثر لے؟ چنانچہ بہلاتے ہوئے فرمایا: قاسمؑ بیٹا! تم تو بڑے ہو، تمہارے چھوٹے بھائی اصغرؑ کا نام بھی ہے۔

بس بھائیو! اب جو مولاؑ نے اصغرؑ کا نام لیا تو قاسمؑ اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا اور انگڑائی جو لی تو عبا کے بند ٹوٹ گئے اور بھرائی ہوئی آواز

میں عرض کی: مولاؑ! ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ کیا یہ بے حیا فوج اصغرؑ کے گھوارے تک پہنچ جائے گی؟ قاسمؑ کی اس ادا پر امامؑ کو پیار آ گیا۔ گود میں اُٹھایا، پیار کیا: قاسمؑ بیٹا! کس کی مجال ہے کہ تمہاری زندگی میں کوئی خیموں تک آ جائے؟

بہرنوع قاسمؑ اُٹھے، ماں کے پاس آئے اور کہا: اماں! میرا یہ لباس اُتار دو اور فقیروں کا لباس مجھے پہنا دو۔ میں ابھی رات کے اندھیرے میں اپنے دادا کی قبر پر جانا چاہتا ہوں۔ وہاں بیٹھ کر کہوں گا: دادا جان! مجھے چچا جان نے مرنے کی اجازت نہیں دی۔ قاسمؑ کی بیوہ ماں نے جو یہ سنا تو کہا: بیٹا! گھبراؤ نہیں، میں تمہیں اجازت دلواتی ہوں۔ چنانچہ ایک ہاتھ میں عصا لیا اور ایک ہاتھ میں قاسمؑ کا بازو پکڑا اور امام حسین علیہ السلام کی طرف آ کر کھڑی ہو گئیں اور عرض کی: مولا حسینؑ! اگر آج حسنؑ زندہ ہوتے تو میں نہ آتی۔ تیری بیوہ بھاوج آج تجھ سے قاسمؑ کی موت کی بھیک مانگنے آئی ہے۔ امام علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: بھابی جان! آپؑ نے کیوں تکلیف فرمائی ہے؟ میں خود ہی حاضر ہو جاتا۔ فرمایئے، آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟ قاسمؑ کی ماں نے عرض کی: مولاؑ! میں آپؑ کے یتیم بھتیجے قاسمؑ کو لائی ہوں۔ اسے بتا دیں کہ کل کے شہید ہونے والوں میں اس کا نام بھی ہے؟ دیکھیں، میں سیدانی نہیں ہوں، غیر خاندان کی ہوں، کل کے مرنے والوں میں اگر قاسمؑ نہ ہوا تو میں سمجھوں گی کہ میرے دودھ میں تاثیر نہیں ہے۔ لہٰذا مجھے بتا دیں کہ یہ بھی شہید ہو گا؟ چنانچہ امام علیہ السلام نے قاسمؑ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ گویا اجازت مل گئی۔ ادھر قاسمؑ کی ماں خوشی خوشی خیمے میں واپس آئیں اور جنابِ زینب سلام اللہ علیہا سے کہا: بی بی زینبؑ! مجھے مبارک دو، کل کے مرنے والوں میں قاسمؑ کا نام بھی ہے۔

عزادارو! رات کا پچھلا پہر تھا اور حسنؑ کی بیوہ نے اپنے ساتھ آئے ہوئے صندوق کھولے، قاسمؑ کی شادی کے جتنے جوڑے بنائے تھے، ایک ایک کر کے پہنائے اور اسی عالم میں صبح ہو گئی اور صبح کو جب میدانِ شہادت گرم ہو گیا اور جب قاسمؑ کی باری آئی تو حسینؑ اپنے چھوٹے بھائی سے پوچھتے ہیں: عباسؑ بھائی! ابھی چھوٹے یتیم بھتیجے کی باری نہیں آئی؟

عباسؑ نے عرض کی: مولاؑ! قاسمؑ کے بدن پر کوئی زرہ پوری نہیں آتی۔ عباسؑ کا یہ کہنا تھا کہ خیمے سے قاسمؑ کی ماں نے آواز دی: عباسؑ بھائی! زرہ وہ پہنتے ہیں جو لڑنے جائیں، چونکہ میں اسے مرنے کیلئے بھیج رہی ہوں، اس لئے اسے زرہ کے بغیر ہی بھیج دو۔ اس کے بعد قاسمؑ کی ماں نے قاسمؑ کو بلا کر سبز کرتہ پہنایا اور امام حسین علیہ السلام نے بھائی حسنؑ والا عمامہ باندھا اور امامؑ نے گود میں لے کر گھوڑے پر بٹھایا اور قاسمؑ میدان میں آ گئے۔

عزادارو! میں اپنی گفتگو کو یہاں پر آ کر ختم کرتا ہوں کہ تھوڑی دیر بعد میدان میں آواز آئی، اب تک جتنے شہید گرے تھے، چاہے اپنے تھے یا غیر ____ سب نے گرتے وقت حسینؑ کو پکارا تھا مگر قاسمؑ اتنا کمسن تھا کہ اس نے گرتے وقت امام حسینؑ کو نہیں پکارا بلکہ ایک دم گھبرا کر آواز دی: اماں! میں گر گیا۔ گویا قاسمؑ کی معصومیت کی بات تھی کہ اس نے گرتے وقت ماں کو پکارا۔ بہرنوع قاسمؑ کی آواز پر امام حسین علیہ السلام چلے، میدان میں پہنچے، قاسمؑ کی لاش کو دیکھا اور فرمایا: قاسمؑ بیٹا! مجھے معاف کرنا، میں ذرا دیر سے پہنچا ہوں۔ یہ کہہ کر حسینؑ نے اپنی عبائے مبارک کندھے سے اُتاری اور زمین پر بچھا دی اور لاش کا ایک ایک ٹکڑا اٹھا کر عبا میں رکھا، گویا بنی ہاشم کا نازک ترین شہزادہ اپنی زندگی ہی میں پامال ہو گیا۔ امام حسین علیہ السلام قاسمؑ کی لاش کے ٹکڑوں کی گٹھڑی اٹھا کر خیمے میں لے آئے۔ ادھر ماں یہ سمجھی کہ شاید حسینؑ لاش نہیں

لائے، فرمایا: مولاؑ! قاسمؑ کی لاش نہیں لائے، میں بیوہ ہوں، کسے بھیجوں؟

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: بھابی! آپؑ کیا کہہ رہی ہیں، میں قاسمؑ کی لاش لایا ہوں، مگر شاید آپ دیکھ نہ سکیں گی۔ قاسمؑ کی ماں نے کہا: مولاؑ! مجھے قاسمؑ کی لاش دکھا دیں، آخر کیا بات ہے؟ یہ سن کر امامؑ نے گٹھڑی قاسمؑ کی ماں کے سامنے رکھ دی۔ اب جو قاسمؑ کی ماں نے بیٹے کی لاش کے ٹکڑے دیکھے تو بلند آواز سے فرمایا: زینبؑ، کلثومؑ، بیبیو! ادھر آؤ، مجھے مبارک دو کہ میری قربانی سب سے زیادہ قبول ہوئی ہے۔ آج میرے بچے کی شادی ہوئی ہے۔

ادھر امام حسین علیہ السلام نے اس خیال سے کہ کہیں ماں نہ مر جائے، قاسمؑ کی لاش کو اٹھایا اور میدان میں لے گئے اور اکبرؑ کی لاش کے ساتھ رکھ دیا اور دونوں لاشوں کے درمیان بیٹھ کر ایک ہاتھ قاسمؑ کی لاش پر اور ایک ہاتھ اکبرؑ کی لاش پر رکھ کر آسمان کی طرف رُخ کر کے بلند آواز سے فرمایا:

"وَاغُرْبَتَاهُ".

"ہائے میری غربت! آج حسینؑ غریب ہو گیا"۔

◉ ◉ ◉

# میں نے مدینہ کی طرف منہ کرکے کہا: مدینہ! تو ہی وہ مدینہ ہے جہاں میرا حسینؑ رہتا تھا؟اے مدینہ کی گلیو تم گواہ رہناکہ تم میں حسینؑ کھیلاکرتاتھااے مدینہ کے درودیوار! تمہیں یاد ہے کہ یہاں سے حسینؑ اپنے ناناکے کندھوں پر بیٹھ کر چلاکرتا تھا؟

مؤمنین کرام! ایک دن بہن بھائی باتیں کرر ہے تھے اور زینبؑ نے کہہ دیا: حسینؑ! جس باپ کے آپؑ بیٹے ہیں، میں اُسی باپ کی بیٹی ہوں، جس ماں کا دودھ آپؑ نے پیا ہے، اُسی ماں کا دودھ میں نے پیا ہے، جو آپؑ کے ناناؐ ہیں، وہی میرے ناناؐ ہیں اور جو آپؑ کے دادا ہیں، وہی میرے دادا ہیں۔ بھائی حسینؑ! آپؑ کے سر پر والد گرامی حضرت علی علیہ السلام کا عمامہ ہے، مگر دیکھو حسینؑ میرے سر پر اماں زہراؑ کی چادر ہے۔ لہٰذا اب بتائیے کہ آپ کونسا کارنامہ سرانجام دینا چاہتے ہیں؟ امامؑ عالی مقام نے فرمایا: زینبؑ بہن! آج میں اسلام کو بچانا چاہتا ہوں۔ آج میں مر کر ناناؐ کے دین کو بچانا چاہتا ہوں۔ جنابِ زینبؑ نے کہا: حسینؑ بھائی! آپؑ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں، بے شک کریں لیکن یاد رکھیں کہ میں زینبؑ آپؑ سے وعدہ کرتی ہوں کہ میں بھی آپؑ کے نام کو قیامت تک مرنے نہیں دوں گی۔ اگر بستی بستی، محلّہ محلّہ، گاؤں گاؤں جا کر حسینؑ حسینؑ نہ کہلوا دیا تو فاطمہؑ کی بیٹی نہ کہنا۔

بس بھائیو! زینبؑ کا احسان ہے کہ آپؑ نے حسینؑ جیسی عظیم ہستی سے ہمیں متعارف کروادیا۔ حسینؑ نے بھی کربلا میں بیٹے شہید کروائے اور آپؑ نے بھی اپنے شہید کروا دیئے۔ بی بیؑ! ہمیں معلوم ہے کہ دو بیٹے قربان کروا کر بھی حسینؑ کی نسل قیامت تک باقی رہے گی مگر واہ رے زینبؑ! آپؑ نے حسینؑ کی حفاظت میں اپنی پوری نسل ختم کروادی۔ بی بیؑ! ہم آپؑ کے ہر احسان کو سرآنکھوں پر رکھتے ہیں اور آپؑ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آپؑ نے حسینؑ جیسی جلیل القدر ہستی سے ہماری پہچان کروائی۔

میرے بھائیو! جنابِ زینبؑ نے پہلی مجلس گیارہ محرم 61ھ کو حسینؑ کے لاشے پر پڑھی۔ پھر کوفہ کے بازاروں میں پڑھی، درباروں میں پڑھی۔ جب کوفہ کے ایک ایک محلّہ میں پڑھ لی تو راستے کے شہروں اور قصبوں میں پڑھتی رہیں۔ پھر شام کے ملک میں حسینؑ کی مجالس پڑھیں۔ دربارِ یزید میں پڑھیں اور جب یزید نے کہا: زینبؑ! آپؑ اب مدینہ جاسکتی ہیں تو بی بیؑ نے ایک مکان خالی کروا کر تین دن حسینؑ کی مجلس پڑھی۔ جب مدینہ کی طرف روانہ ہوئیں تو راستے میں مجلس پڑھتی رہیں اور جب کربلا پہنچیں، تب بھی مجلس بھی پڑھی اور ماتم بھی کیا اور جب مدینہ پہنچیں تو پہلا کام یہ کیا کہ حسینؑ کی مجلس پڑھی۔

مؤمنین کرام! گزشتہ سال میں بھی مدینہ کی زیارت سے فیضیاب ہوا ہوں۔ جب مکہ سے مدینہ کیلئے چلا تو خدا جانے میرے ذہن

میں کیا کیا تصورات منڈلا رہے تھے اور جب ہماری گاڑی مدینہ کے قریب پہنچی تو ڈرائیور نے کہا کہ مدینہ آ گیا ہے۔ میں نے دیکھا کہ دنیا خوشی منا رہی تھی اور لوگ ایک دوسرے سے بغل گیر ہو رہے تھے مگر میں گاڑی سے نیچے اُترا اور مدینہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا اور کہا: مدینہ! تو ہی وہ مدینہ ہے نا جہاں میرا حسینؑ رہتا تھا؟ اے مدینہ کی گلیو! تم گواہ رہنا کہ تم میں حسینؑ کھیلا کرتا تھا۔ اے مدینہ کے درو دیوار! تمہیں یاد ہے نا کہ یہاں سے حسینؑ اپنے ناناؐ کے کندھے پر بیٹھ کر چلا کرتا تھا۔

بہر نوع زینبؑ نے مدینہ میں حسینؑ کی پہلی مجلس پڑھی اور جب اہلِ مدینہ کو پتہ چلا کہ مدینہ سے باہر حسینؑ کی بہن آئی ہے تو شہر کے سارے زن و مرد زینبؑ کے استقبال کیلئے آ گئے اور ان لوگوں کی قیادت حضرت اُم البنین فرما رہی تھیں۔

عزادارو! علامہ کفایت حسین مرحوم و مغفور اپنی مجلس میں ایک فقرہ کہا کرتے تھے کہ جب اُم البنین اہلِ بیتؑ کے قافلے کے قریب آئی ہیں تو پہلا شخص جو قافلہ زینبؑ میں سے اُم البنین سے ملا، وہ تھے جنابِ امام زین العابدین علیہ السلام ــــــ بائیس سال کا سن تھا، ایک سال کی قید بھگت آئے تھے۔ اُم البنین نے امامؑ کو جو آتے دیکھا تو پہچانا نہیں۔ چنانچہ امام زین العابدینؑ نے آگے بڑھ کر سلام کیا: دادی اماں! سلام۔ اُم البنین نے سلام کا جواب دے کر کہا: بیٹا! تو کون ہے؟ امام علیہ السلام نے جواب دیا: اماں! مجھے پہچانو، میں زین العابدینؑ ہوں۔ حافظ صاحب کہا کرتے تھے کہ امامؑ کی یہ بات سن کر اُم البنین کے منہ سے بے ساختہ نکلا: بیٹا سجادؑ! جوانی کی اس عمر میں تو اتنا بوڑھا ہو گیا؟ بیٹا! تمہاری داڑھی سفید کیوں ہو گئی؟ بیٹا! زینبؑ کہاں ہے؟

زینبؑ نے قریب سے آواز دی: اماں! میں یہاں کھڑی ہوں۔ اُم البنین آگے بڑھیں، زینبؑ کو گلے سے لگا لیا اور کہا: زینبؑ بیٹا! کوئی ناراضگی ہے؟ زینبؑ نے جواب دیا: اماں! مجھے آپ سے ملتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے کیونکہ میں آپ کے بچوں کو کربلا میں چھوڑ کر آ گئی ہوں۔

مؤمنین کرام! ایک چھوٹے بچے نے اُم البنین کے پاؤں پکڑ لئے۔ اُم البنین پوچھتی ہیں: بیٹا! تم کون ہو؟ بچہ جواب میں کہتا ہے: دادی اماں! میں آپ کے عباسؑ کا یتیم بیٹا ہوں۔ جب ساری گفتگو ختم ہو چکی تو اُم البنین پوچھتی ہیں: زینب! سناؤ، کربلا میں کیا گزری؟

چنانچہ جنابِ زینبؑ فرماتی ہیں: اماں! کیا سنتی ہو؟ میں دیکھتی رہی اور میرے بھائی، بھتیجے، بیٹے اور میرے بھائی کے اصحاب ذبح ہوتے رہے اور جب سناتے سناتے پہنچیں کہ حسینؑ گھوڑے سے گر گئے تو اُم البنین گھبرا کر کہتی ہیں: ہائیں ــــــ یہ کیا ہوا؟

زینبؑ نے جواب دیا: اماں! پھر مجھے حسینؑ کی کوئی اطلاع نہ مل سکی۔ میں دروازہ پر بے چین کھڑی رہی مگر کوئی بتانے والا نہیں تھا کہ میرا بھائی کہاں ہے؟ اُم البنین نے پوچھا: زینبؑ! پھر کس نے اطلاع دی؟ فرمایا: اماں! کوئی آدمی تو زندہ نہیں رہا تھا۔ اماں! مجھ پر احسان ہے حسینؑ کے گھوڑے کا جس نے مجھے آ کر بتایا کہ زینبؑ! تو یہاں کھڑی ہے اور حسینؑ گر گئے۔

مؤمنین کرام! بتاؤ حسینؑ کا گھوڑا ہمارا محسن ہے کہ نہیں؟ آج ہم اُس محسن کی شبیہ کے قدموں پر سر رکھنا باعث سمجھتے ہیں، اس کو سلام کرنا باعثِ عزت سمجھتے ہیں کیونکہ یہ ہمارے محسن اعظم کے گھوڑے کی شبیہ ہے۔

# جنابِ لیلیٰؑ نے اکبرؑ کے خون سے اپنے بال تر کرلئے کہ کل جنابِ سیدہؑ کو دکھاؤں گی کہ میرا ناچیز سا تحفہ قبول فرمائیے۔

ماں نے اپنے بیٹوں کا بازو پکڑا ہوا ہے، دروازے پر کھڑی ہیں اور سامنے دشمن کی فوجوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا لشکر ہے اور ماں اپنے بچوں سے کہہ رہی ہے: بچو! میدانِ جہاد میں جاؤ، شہادت مبارک ہو۔ مگر یاد رکھو! دشمن کی فوجوں کا جھرمٹ دیکھ کر ڈگمگا نہ جانا بلکہ ثابت قدم رہنا۔ تم اپنی زبان سے کچھ نہ کہنا۔ میں تو جب دودھ بخشوں گی جب فوجیں چلاّ اُٹھیں کہ تم علیؑ کے نواسے ہو، جعفر طیار کے پوتے ہو۔
یہ سن کر بچوں نے ماں کے قدم چوم کر قسم کھائی: اماں! ہم وعدہ کرتے ہیں کہ انشاء اللہ ہم ثابت کر دیں گے کہ ہم نے زینبؑ کا دودھ پیا ہے۔

تاریخ عالم نے یہ منظر دیکھا کہ تھوڑی دیر بعد پچاس ہزار فوج ان دو معصوم بچوں کو گرا کر خوشیاں منا رہی ہے۔ گویا انسانی بے حیائی یہ ہے کہ تین دن کے بھوکے پیاسے بچوں کو گھوڑے سے گرا کر پچاس ہزار فوج خوشیوں کے باجے بجا رہی ہے۔ باجوں کی آواز سن کر خیموں میں کھڑی مستورات سمجھ گئیں کہ زینبؑ کے بچے گر گئے۔ بے ساختہ مستورات کے منہ سے نکلا: ہائے زینبؑ کے بچے گر گئے!
زینبؑ فرماتی ہیں: بیبیو! ہائے نہ کہو، خدارا کسی کی آنکھ سے آنسو نہ نکلنے پائے، دیکھتی نہیں ہو کہ باجوں کے ساتھ میرے بچوں کی بارات آ رہی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد بچوں کے لاشے بیت الشرف میں لائے گئے۔ زینبؑ دروازے میں کھڑی لاشوں کو تکتی رہیں۔ آخر امامؑ نے فرمایا: زینبؑ! دیکھو، تمہارے بیٹوں کے لاشے ہیں۔ ذرا ان کے پاس جاؤ، یہ تم سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ زینبؑ آگے بڑھیں، بچوں کے قریب آئیں۔ آخر ماں تھیں، دل بھر آیا۔ بڑا بچہ تو ختم ہو چکا تھا۔ چھوٹے میں ذرا دم تھا، ماں نے بیٹے کے منہ کے قریب کان لگا دیئے، کانپتے ہونٹوں سے ایڑیاں رگڑتے ہوئے بچہ یہ کہہ رہا تھا: اماں! اب تو مطمئن ہونا، ہم نے آپ کے دودھ کی آبرو رکھ لی____ زینبؑ جواب میں فرماتی ہیں: بیٹو! مجھے گمان نہیں تھا کہ تم اتنے باعزت ہو۔

عزادارو! یہ تو زینبؑ کی قربانی ہے جو علیؑ کی بیٹی ہے، جس نے فاطمہؑ کا دودھ پیا ہے مگر غیر خاندان کو دیکھو جو سیدانی نہیں ہے بلکہ اُمتی ہے، جس کا جوان بیٹا ہے۔ اب ذرا اٹھارہ سالہ بیٹے کی ماں کے دل سے پوچھئے کہ اس کے جذبات کیا ہوتے ہیں؟ جوان بیٹے کی لاش خیمے میں آئی ہوئی ہے، اکبرؑ نے پوچھا: بابا جان! میرا آخری وقت ہے، میں اپنی ماں سے ملنا چاہتا ہوں۔ اکبرؑ کی یہ بات سن کر زینبؑ خیمے میں آئیں، دیکھا کہ لیلیٰؑ کبھی دائیں قنات کے ساتھ سہارا لیتی ہیں اور کبھی بائیں قنات کے ساتھ____ اسی عالم میں گھبراہٹ میں خیمے میں پھر رہی ہیں۔ بھاوج کی یہ کیفیت دیکھ کر زینبؑ فرماتی ہیں: لیلیٰ! ادھر آؤ، اکبرؑ یاد کر رہا ہے۔

لیلیٰ جواب میں کہتی ہیں: فاطمہؑ کی بیٹی! مجھے نظر کچھ نہیں آرہا۔ زینبؑ نے لیلیٰ کا ہاتھ پکڑا، اکبرؑ کے لاشہ پر لائیں۔ لیلیٰ نے اکبرؑ کے سینے پر ہاتھ رکھا، خون میں تر ہوگیا اور لیلیٰ نے وہی خون آلود ہاتھ اپنے سر کے سفید بالوں پر مل لیا اور فرمایا: اکبرؑ بیٹا! یہ خون آلود بال تیری دادی کے سامنے لے جاؤں گی۔ میرے [illegible] یہ میرا تحفہ ہے جو میں جنابِ فاطمہ زہراؑ کی خدمت میں پیش کروں گی۔

◉ ◉ ◉

**جب عباسؑ پیدا ہوئے تو جناب زینبؑ نے بچے کو اُٹھا کر پیار کیا، اپنی آنکھوں سے لگا کر کہا: عباسؑ! تجھے اماںؑ سلام کہتی تھیں۔عباسؑ بھائی! تو ہی میری چادر کا نگہبان ہوگا۔**

اللہ تعالیٰ نے اُم البنین کے بطن سے علی علیہ السلام کو ایک بیٹا عطا فرمایا۔ جنابِ امیر علیہ السلام مسجد میں تھے کہ ایک خاتون نے عرض کی: یا علیؑ! مبارک ہو، خدا نے آپؑ کو بیٹا عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ علیؑ گھر میں پہنچے، اُم البنین کی گود میں بیٹا دیکھ کر فرمایا: ماشاءاللہ! وہی ہے جس کی مجھے تمنا تھی۔ اُم البنین نے عرض کی:

یا علیؑ! بچہ تو بڑا خوبصورت ہے مگر اس نے ابھی تک آنکھ نہیں کھولی۔ علیؑ نے فرمایا: آنکھ کس طرح کھولتا، آخر میرا بیٹا جو ہوا۔ یہ کہہ کر علی علیہ السلام نے فضہ سے فرمایا: فضہ! ذرا میرے حسینؑ کو تو بلاؤ۔ حسینؑ تشریف لائے، علی علیہ السلام نے فرمایا: حسینؑ! بھائی مبارک ہو۔ حسینؑ نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھ پھیلا دیئے اور فرمایا: اماں! میرے بھائی کو میری گود میں دو۔

اُم البنین نے بچے کو آگے پھیلا دیا۔ اِدھر بچے نے آنکھیں کھولنے سے پہلے اپنی دونوں ہاتھ حسینؑ کی طرف پھیلا دیئے۔ گویا یہ بچہ یہ کہہ رہا تھا: مولاؑ! آنکھیں تو بعد میں کھلتی رہیں گی، پہلے میرے دونوں ہاتھوں کا نذرانہ قبول فرمایئے گا۔ حسین علیہ السلام نے بچے کو گود میں لیا اور بچے نے آنکھیں کھول دیں۔ اِدھر علیؑ دیکھتے رہے اور آنسو پونچھتے رہے اور بچہ حسینؑ سے چمٹ گیا جیسے پہلے ہی سے واقفیت ہو۔ بہرکیف! حسین علیہ السلام کی گود سے علیؑ نے اُٹھایا، ایک کان میں اذان کہی اور ایک کان میں اقامت کہی۔ جب اذان و اقامت کہہ چکے تو بی بی زینبؑ نے عرض کی: بابا جان! یہ بچہ مجھے دو۔ چنانچہ بھائی کو زینبؑ نے گود میں لے لیا اور بچے کے کان میں بڑی دیر تک بات کرتی رہیں۔

علی علیہ السلام نے پوچھا: زینبؑ! تم نے کیا بات کی؟ بابا جان! میں نے اماں زہراؑ کی وصیت پوری کی ہے کہ وہ مرتے وقت کہہ گئی تھیں کہ اُم البنین کے بطن سے ایک بیٹا ہوگا جس کا نام عباسؑ ہوگا۔ جب وہ پیدا ہو تو اسے میرا سلام کہنا۔ لہٰذا میں نے کہا ہے: عباسؑ بھائی! اماں سلام کہتی تھیں۔ عباسؑ بھائی! تو ہی میری چادر کا نگہبان ہوگا۔ بہرکیف! بچہ پلتا رہا۔ جب تین چار سال کا ہوا تو اُم البنین نے بچے کو سمجھایا کہ بیٹا! جب تم زینبؑ وکلثومؑ کے سلام کو جایا کرو تو نظریں ان کے پاؤں پر رکھا کرو۔ دیکھو! وہ شہزادیاں ہیں اور تو کنیز زادہ ہے۔ بیٹا! حسینؑ کے برابر میں کبھی نہ بیٹھنا اور چلنا تو اُنؑ کے پیچھے چلنا۔

عزادارو! مظہر العجائب باپؑ کا مظہر العجائب بیٹا، حسینؑ سرکار کا اس طرح سے محافظ تھا جس طرح رسولِؐ خدا کے دربار کا علیؑ محافظ تھا۔ اگر حسینؑ کہیں خط لکھتے تو لکھنے والے عباسؑ ہوتے، اگر حسینؑ کہیں جہاد میں جاتے تو سپہ سالار عباسؑ ہوتے، اگر حسین علیہ السلام گھر میں

بیٹھتے تو گھر کا منتظم عباسؑ، حسینؑ کے بچوں کا بہلانے والا عباسؑ، حسینؑ کی مستورات کو تسلی دینے والا عباسؑ۔ غرض حسینی سرکار کے تمام کام اس نوجوان کے سپرد تھے، گویا مظہر العجائب کا مظہر العجائب بیٹا تھا۔ آج ہم بھی اسے مظہر العجائب مانتے ہیں۔

خدا شاہد ہے کہ جو لطف ''یا علیؑ'' کہنے میں آتا ہے، وہی لطف ''یا عباسؑ'' کہنے میں آتا ہے۔ گویا عباسؑ اسی طرح ''مشکل کشا'' ہیں جس طرح علیؑ مشکل کشا ہیں۔

بزرگانِ من! جو صاحبان کربلا کی زیارت کر چکے ہیں، وہ ذرا اپنے تصور میں کربلا کے شہر کو لائیں تو پتہ چلے گا کہ حضرت عباس علیہ السلام کربلا میں کس شان سے ہیں۔ گویا کربلا کا شہر دیکھنے سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جس طرح مشرقی بادشاہوں کے شہر ہوں۔ سارا شہر چاروں طرف ہے اور درمیان میں شہنشاہ کا محل ہے جسے بڑا ''حرم'' کہتے ہیں۔ اگر شہنشاہ کے محل میں داخل ہوں تو سامنے شہنشاہ کے پرائیویٹ سیکریٹری حبیب کا روضہ ہے، اندر جائیں تو شہنشاہ کی آرام گاہ ہے اور ساتھ ہی باڈی گارڈ کا رسالہ ہے جسے گنج شہیداں کہتے ہیں۔ تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلہ پر حسینی سرکار کی خیمہ گاہ ہے۔ شہر سے باہر کھلے میدان میں حسینی سرکار کا مہمان خانہ ہے جس میں حُر مہمان ٹھہرا ہوا ہے اور نہر کے کنارے حسینی سرکار کے کمانڈر انچیف کا بنگلہ ہے جس پر آج بھی حسینی سرکار کا پرچم لہرا رہا ہے۔ بہر نوع وہ بڑے حضور کی درگاہ ہے اور یہ چھوٹے حضور کا حرم ہے۔

مؤمنین کرام! میں ایک دن سید الشہداء علیہ السلام کے حرم میں گیا، ضریح پکڑ کر عرض کی: مولاؑ! آپؑ نے کتنا شاندار شہر بسایا ہے۔ دنیا بھر کے زائرین آپؑ کے سلام کو آتے ہیں۔ سامنے چھوٹے بھائی کا روضہ ہے، خیمہ گاہ بھی ہے۔ گویا ہر شے اپنی جگہ پر مناسب ہے مگر مولاؑ! ایک کسر رہ گئی، اگر وہ بھی پوری ہو جاتی تو آپؑ کے شہر جیسا کوئی شہر نہیں تھا اور وہ یہ کہ اگر دونوں بھائیوں کی قبروں کے درمیان حضرت زینبؑ کا روضہ بھی ہوتا تو کیا شان تھی! مولاؑ! کمال ہو جاتا کہ زینبؑ کے روضہ پر بیٹھ کر آپؑ کو بھی رو لیتے اور عباسؑ کو بھی رو لیتے۔

حضورِ والا! میں ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ فوراً خیال آیا کہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ دونوں بھائیوں نے کربلا فتح کیا تھا، لہٰذا یہ دونوں اپنے مفتوحہ علاقے میں ہیں اور زینبؑ نے چونکہ شام فتح کیا تھا، اسی لئے وہ اپنے مفتوحہ علاقے میں ہیں۔ گویا سید الشہداء علیہ السلام اور عباس علمدارؑ اپنی بہن زینبؑ کی زیارت کو کربلا سے جاتے ہیں اور بی بیؑ کربلا میں تشریف لاتی ہیں۔

اور یاد رکھو! حضرت عباس علیہ السلام حسینی فوج کے کمانڈر انچیف ہیں، اس لئے ہم نے لحاظ رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کیا ہے کہ سیدؑ الشہداء اور دوسرے آئمہ طاہرین علیہم السلام کی نذر میں دی ہوئی چیز کو ہم ''نیاز'' کہتے ہیں اور جنابِ عباسؑ کی نذر میں دی ہوئی چیز کو ہم ''حاضری'' کہتے ہیں۔ لفظ ''حاضری'' اصطلاحی لفظ ہے کیونکہ بادشاہ کی خدمت میں جائیں تو اسے نیاز کہتے ہیں اور اگر سپہ سالار کی خدمت میں جانا ہو تو اسے حاضری کہتے ہیں۔

عزادارو! بی بی زینب سلام اللہ علیہا کو جنابِ غازی عباس علیہ السلام پر اتنا اعتماد تھا کہ شب عاشور زینبؑ نے تمام بیبیوں کو اپنے خیمے میں بلا کر کہا: بیبیو! گھبراؤ نہیں، تمہارے پردے کی میں ذمہ دار ہوں کیونکہ عباسؑ جیسا میرا بھائی موجود ہے۔

زینبؑ کی یہ بات سن کر تمام خواتین خاموش ہوگئیں۔ وقت گزرتا گیا، صبح عاشور آ گئی اور میدانِ شہادت گرم ہوگیا۔ جب تمام عزیز و اقارب جامِ شہادت پی چکے تو عباسؑ علمدار حسینی سرکار کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے: مولاؑ! میری تمام فوج ختم ہوگئی، لہٰذا اب میں زندہ نہیں رہنا چاہتا۔ مولاؑ! مجھے اجازت دیجئے کیونکہ کوثر پر میرے سپاہی میرا انتظار کر رہے ہیں۔ امام حسینؑ نے جواب دیا: عباسؑ! تم میرے علمبردار ہو؟ عباسؑ نے عرض کی: مولاؑ! وہ فوج اب کہاں ہے جس کا میں علمبردار ہوں؟ عباسؑ کا یہ فقرہ سن کر امام علیہ السلام نے سوچا کہ اگر عباسؑ کو روک لیا تو وہ غم سے ختم ہو جائیں گے۔ چنانچہ حکم دیا کہ تم جا سکتے ہو۔ مگر لڑائی سے روکنے کیلئے یہ بھی کہہ دیا کہ عباسؑ بھائی! اگر ہو سکے تو بچوں کی مشک پانی سے بھر لو۔

مؤمنین کرام! میں نے آج تک مقتل کی کسی کتاب میں یہ نہیں پڑھا کہ مولاؑ نے عباسؑ سے کہا ہو کہ مشک میں پانی لا دو بلکہ یہی فرمایا کہ مشک میں پانی بھر لو کیونکہ اگر پانی لے آؤ کا حکم ہوتا تو پانی لازماً آتا مگر یہاں صرف مشک بھرنے کا حکم تھا۔ چنانچہ عباسؑ خیمے میں آئے اور سکینہؑ کا مشکیزہ اُٹھا کر نہر کی طرف چل پڑے۔ ادھر سکینہؑ نے تمام بچوں سے کہہ دیا: بچو! گھبراؤ نہیں، میرے چچا سقا بن کر جا رہے ہیں۔ پانی ضرور ملے گا۔ چنانچہ سب بچے خالی کوزے لے کر سکینہؑ کے گرد کھڑے ہو گئے اور عباسؑ نے روانگی پر بی بی زینبؑ کو سلام کیا، حسینؑ کو سلام کیا اور جب اپنی زوجہ کے خیمہ میں پہنچے تو دیکھا کہ فضل پاس بیٹھا ہے اور زوجہ یہ کہہ رہی ہیں: سرتاج! آپؑ نے بڑی دیر کر دی؟ عباسؑ نے کہا: فضل کی ماں! میرے بعد تو بیوہ ہو جائے گی۔

حضورِ والا! ایک شاعر عالمِ ارواح میں اس منظر کو دیکھ رہا تھا کہ جب عباسؑ نے کہا کہ فضل کی ماں! تو بیوہ ہو جائے گی تو بی بی جواب میں کہتی ہیں:

کچھ غم نہ کریں آپؑ یہ پروان چڑھیں گے
میں قبر کو جھاڑوں گی یہ قرآن پڑھیں گے

بہرنوع عباسؑ گھوڑے پر سوار ہوئے، میدان میں پہنچے اور عَلَم کا پنجہ برابر خیمے کے صحن میں نظر آ رہا ہے۔ زینبؑ کی نظر عَلَم کے پنجے پر جمی ہوئی ہے، یتیم بچے اپنے ہاتھوں میں خالی کوزے لئے خیموں سے باہر نکل کر عباسؑ کے عَلَم پر نظریں جمائے کھڑے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد علمدارِ حسینی نہر کے اندر پہنچ گیا۔

عزادارو! بتاؤ، ایک آدمی تین دن کا پیاسہ ہو، گرمی کا موسم ہو اور بیس ہزار فوجیوں سے لڑ کر جب نہر میں پہنچا ہو تو اس کی پیاس اپنے پورے عروج پر ہوگی یا نہیں؟ یقیناً پانی کو دیکھ کر پیاس کی شدت بڑھ چکی ہوگی مگر دنیا نے یہ منظر دیکھا کہ عباسؑ نے جھک کر مشک بھری، تسمہ باندھا اور اپنے ہاتھوں کو دیکھا تو بھیگ چکے۔ لہٰذا ہاتھوں کو لوہے کی زِرہ سے صاف کیا اور دونوں ہاتھ اُٹھا کر دعا کی: خداوندا! میری انگلیاں حسینؑ کے بغیر بھیگ گئی ہیں جو ''وفا'' کے خلاف ہے، لہٰذا اب جو میرا اور حسینؑ کا سامنا ہو تو یہ ہاتھ میرے ساتھ نہ ہوں۔

بزرگانِ من! عباسؑ کی یہ ادا دیکھ کر کائنات جھوم اُٹھی اور چشم فلک نے ستاروں کی عینک لگا کر اس منظر کو دیکھا۔ چاروں طرف

''سبحان اللہ، سبحان اللہ'' کی صدائیں بلند ہونے لگیں کیونکہ ساری دنیا کی تاریخ ایک طرف اور یہ واقعہ ایک طرف ہے۔ لہٰذا آج میں جنابِ امیر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کرتا ہوں: یا علیؑ! خیبر کا اُکھاڑنا ایک طرف ہے، مرحب کا پچھاڑنا ایک طرف ہے، بستر رسولؐ پر سونا ایک طرف ہے مگر اپنی پیاس میں دریا سے پیاسا نکل آنا اور بات ہے۔

بھائیو! یہ مثال کہیں اور ملتی ہو تو بتاؤ۔ بہر نوع عباسؑ پیاسے نہر سے نکل آئے اور خیموں کی طرف بڑھنے لگے۔ ادھر سکینہؑ نے چچا کو آتے جو دیکھا تو بلند آواز میں کہا: بچو! وہ دیکھو، میرے چچا پانی لے کر آ رہے ہیں۔ چنانچہ بچے ایڑیاں اُبھار اُبھار کر علَم دیکھنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد زینبؑ نے دیکھا کہ علَم کبھی دائیں جھکتا ہے اور کبھی بائیں جھکتا ہے۔ اب جو علَم کو اس طرح ڈگمگاتے دیکھا تو زینبؑ نے آواز دی: بھائی حسینؑ! علَم کو کیا ہوگیا؟ حسینؑ نے وہیں سے آواز دی: زینبؑ! دیکھ تو میں بھی رہا ہوں مگر میری کمر ٹوٹ گئی، مجھ میں اب اتنی طاقت نہیں ہے کہ میں وہاں جاسکوں!

عزادارو! تھوڑی دیر بعد امام علیہ السلام لاشے پر پہنچے اور خالی علَم لے کر واپس خیمے میں آ گئے۔ ادھر بچوں نے جو خالی علَم دیکھا تو ان کے ہاتھوں سے خالی کوزے گر پڑے۔ سکینہؑ نے کہا: بچو! مجھے معاف کرنا، میں نے جس چچا پر بھروسہ کیا تھا، وہ شہید ہو گیا ہے۔

# اکبرؑ کی لاش پر جنابِ زینبؑ کے بال سفید ہو گئے لیکن یہ بی بیؑ اپنے دو صاحبزادوں کی لاش پر نہیں روئیں کہ ان کوتو میں نے حسینؑ کے سر کا صدقہ دے دیا ہے۔ صدقہ دے کر رویا تو نہیں جاتا!

حضورِ والا! جنابِ رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ قیامت کے میدان میں ساری روئے زمین کا انسان موجود ہوگا۔ ان میں انبیاء اولیاء اصفیاء، غرض ہر قسم کا انسان موجود ہوگا اور ہر شخص اپنے اعمال کے اچھا یا بُرا ہونے میں مبتلا ہوگا۔ اس وقت ایک غیبی آواز آئے گی: قیامت والو! جہاں جہاں کھڑے ہو، آنکھیں بند کرلو، سر جھکالو۔ لہٰذا تمام انبیاء، اولیاء سمیت سب لوگ اپنی آنکھیں بند کرلیں گے، سر جھکالیں گے اور چپکے چپکے ایک دوسرے سے پوچھیں گے:

بات کیا ہے؟ سر کیوں جھکایا گیا؟ چنانچہ تمام انبیاء کے سردار (آدمؑ) انہیں بتائیں گے کہ آنکھیں اس لئے بند کروائی گئی ہیں اور سر اس لئے جھکائے گئے ہیں کہ محمدؐ کی بیٹی کی سواری گزر رہی ہے۔ اس شان سے سیدہؑ کی سواری آئے گی۔ قیامت میں درود وسلام کے نعرے بلند ہو جائیں گے۔ سب سر جھکائے کھڑے ہو جائیں گے اور جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کی سواری اس شان سے میدانِ قیامت سے گزرے گی اور جب عرشِ الٰہی تک پہنچے گی تو وہاں سیدہؑ فرمائیں گی:

خداوندا! میں نے آج تک صبر کیا، آج قیامت کا دن ہے، آج میں تیری عدالت میں اپنا دعویٰ پیش کرنے آئی ہوں۔ خداوندا! اگر کسی کے گھر قتل ہو جائے تو اس قتل کی مدعی حکومت بن جاتی ہے۔ آج میں تیری حکومت سے فریاد کرنے آئی ہوں کہ میرے گھر میں ایک دن میں بہتر (۷۲) افراد قتل ہو گئے جن کی فریاد کرنے آئی ہوں۔

مؤمنین! جب سیدہؑ اپنا مقدمہ پیش کر دیں گی کہ میرے گھر میں ایک دن میں بہتر (۷۲) قتل ہو گئے تو عدالتِ الٰہی سے پُر جوش خطاب ہوگا۔ سیدہؑ! ہمیں پتہ ہے، ہم آئینی گواہ ہیں مگر مثل کو مکمل کرنے کیلئے تمہارے پاس کوئی آئینی گواہ موجود ہے تاکہ اسے عدالت میں بلا لیا جائے؟ سیدہؑ طاہرہ بارگاہِ الٰہی میں عرض کریں گی: خداوندا! اگر چشم دید گواہ چاہئے تو میری بیٹی زینبؑ موجود ہے۔

پس بھائیو! قدرت کی طرف سے حورانِ جنت کو حکم ہوگا کہ زینبؑ کو بڑے احترام کے ساتھ عدالتِ الٰہی میں لایا جائے تاکہ وہ اپنی ماں کے مقدمہ میں گواہی دے سکیں۔ چنانچہ حورانِ جنت جائیں گی اور جنابِ زینب سلام اللہ علیہا کو لے آئیں گی۔ جنابِ زینبؑ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: بارِ الٰہا! میں اس طرح قیامت میں آنا چاہتی ہوں جس طرح کوفہ و شام کے بازار میں گئی تھی۔ بہرنوع زینبؑ کی قیامت میں آمد ہوگی، زین العابدین علیہ السلام مہار پکڑے ہوئے، جنابِ زینبؑ اس طرح تشریف لائیں گی جس طرح کوفہ و شام میں گئی تھیں۔ قدرت

کی طرف سے ارشاد ہوگا: زینبؑ! بتاؤ کربلا میں کیا گزری کیونکہ تم چشم دید گواہ ہو؟

زینبؑ ماں سے کہیں گی: اماں! آپؑ نے مرتے دم مجھ سے وصیت کی تھی کہ بھائیوں کا خیال رکھنا۔ اماں! میں نے آپؑ کی اولاد پر اس وقت تک حرف نہیں آنے دیا جب تک اپنی نسل ختم نہیں کرادی۔ اماں! آپؑ کا حسینؑ کربلا میں تھا، میں بھی کربلا میں تھی، لہٰذا میں نے سارے کام حسینؑ کے ساتھ بانٹ رکھے تھے۔ آدھا کام حسینؑ کرتے تھے اور آدھا کام میں کرتی تھی۔

مگر فرق یہ تھا کہ وہ مرد تھے، میں خاتون تھی۔ مردوں کے کام حسینؑ کے سپرد تھے اور خواتین کے کام میرے سپرد تھے۔ اماں! میں نے حسینؑ سے تقسیم کررکھی تھی کہ حسینؑ گھر کے باہر کے کام آپؑ کے سپرد اور گھر کے اندر کے کام میرے سپرد۔ باہر سے لاشہ لانا آپؑ کے سپرد اور اُس لاش پر بیٹھ کر رونا میرے حصہ میں۔ شہیدوں کی سرداری حسینؑ آپؑ کرنا اور اسیروں کی گریہ زاری میں کروں گی۔

حسینؑ! کفن نہ ملنا آپؑ کا حصہ اور چادر نہ ملنا میرا حصہ۔ حسینؑ! قبر نہ ملنا آپؑ کا حصہ اور در بدر پھرنا میرا حصہ۔

حسینؑ! آپ مرد ہیں، میں خاتون ہوں، جتنے کربلا میں بچے ہیں، وہ آپؑ کے سپرد اور جتنی بچیاں ہیں، وہ میرے سپرد۔ حسینؑ! علی اصغرؑ بچہ ہے، وہ آپؑ کے سپرد اور سکینہؑ بچی ہے، وہ میرے سپرد۔ حسینؑ! اصغرؑ کے گلے سے خون بہے گا تو آپؑ کی گود میں اور سکینہؑ کے کان زخمی ہوں گے تو میری گود میں۔ حسینؑ! آپؑ ایک بھائی قربان کریں گے عباسؑ جیسا، مگر میں دو بھائی قربان کروں گی، ایک حسینؑ جیسا اور ایک عباسؑ جیسا۔

حسینؑ! آپؑ ایک بھتیجا قربان کریں گے قاسمؑ جیسا اور میں تین بھتیجے قربان کروں گی، ایک اکبرؑ جیسا، ایک اصغرؑ جیسا اور ایک قاسم جیسا۔ حسینؑ! آپؑ دو بیٹے قربان کریں گے، ایک اکبرؑ جیسا اور ایک اصغرؑ جیسا اور میں بھی دو بیٹے قربان کروں گی۔ مگر آپؑ کے دو بیٹے قربان ہونے کے بعد بھی آپؑ کی نسل قیامت تک باقی رہے گی اور میں اپنے دو بیٹے عونؑ و محمدؑ قربان کر کے اپنی نسل قربان کردوں گی۔

مؤمنین کرام! یہ کہہ کر زینبؑ ماں سے لپٹ گئیں اور درد بھری آواز میں کہنے لگیں: اماں! میں نے آپؑ کی اولاد پر اپنی اولاد قربان کردی۔ اماں! خدا گواہ ہے کہ اکبرؑ کی لاش پر میرے بال سفید ہو گئے مگر میں عونؑ و محمدؑ کے لاشوں پر نہیں روئی۔ اماں! حسینؑ سے پوچھ لیں کہ میں نے عونؑ و محمدؑ آپؑ کے بیٹے پر قربان کردیئے۔

# اسیرِ بغداد

عزادارو! حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام عرصہ چودہ سال سے بنی عباسیہ کے مہیب تاجدار ''ہارون رشید'' کے دورِ ملوکیت میں تنگ و تاریک قید خانہ میں بند ہیں اگر مولاؑ کھڑے ہوتے تو قید خانہ کی چھت نیچی ہے اور اگر لیٹتے ہیں تو پاؤں نہیں پھیلتے۔ گویا اسی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں فرزندرسولؐ قید ہیں۔ ادھر ہارون رشید چاہتا یہ ہے کہ امامؑ شہید کردیئے جائیں اور میرے ذمہ خون بھی ظاہر نہ ہو۔ لہٰذا اُس نے بہت سی تدابیر اختیار کیں، یہاں تک کہ افریقہ کے جنگلوں سے کچھ جنگلی آدمی، جو یہ جانتے ہی نہ تھے کہ انسانیت کیا شے ہے، جانوروں کی طرح انہیں وہاں سے گرفتار کروا کر بغداد منگوایا گیا، انہیں شراب پلائی گئی اور جب وہ بالکل وحشی بن جاتے تو انہیں ایک ایک تلوار دے دی جاتی اور کہا جاتا کہ سامنے والی چارپائی پر پڑی ہوئی چادر کے نیچے والی لکڑی پر زور زور سے تلواریں مارو۔ گو وہ اس طرح مشق کرتے رہے۔

جب چالیس دن گزر گئے تو اُن کا محرک جو مشق کروار ہا تھا انہیں لے کر قید خانے میں پہنچ گیا، ادھر امام علیہ السلام چادر اوڑھے ہوئے لیٹے ہوئے تھے۔ ان وحشیوں کو شراب پلا کر تلواریں دی گئی تھیں کیونکہ لکڑی پر تلوار مارنے کی انہیں عادت تو پہلے ہی سے تھی، لہٰذا امامؑ کی طرف اشارہ کر کے کہا گیا کہ ان کے جسم پر تلواریں مارو۔ چنانچہ انہوں نے اپنی عادت کے مطابق تلواریں کھینچیں اور ادھر امامؑ نے اپنے منہ سے کپڑا اٹھایا۔ اب جو وحشیوں نے چہرۂ امامؑ دیکھا تو تلواریں پھینک کر امامؑ کے قدموں پر گر گئے۔ اب جو رِنگ ماسٹر نے منظر دیکھا تو فوراً ہارون کے پاس پہنچا اور کہنے لگا:

''ہارون! غضب ہو گیا۔ وہ وحشی بجائے قتل کرنے کے امامؑ کے قدموں پر گر گئے ہیں''۔ چنانچہ ہارون نے انہیں بلوایا اور جب پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے اُسے پہچان لیا ہے۔ ہارون پوچھتا ہے: وہ کون ہے؟ انہوں نے کہا: جب ہمارے جنگلوں میں بارش نہیں ہوتی تھی تو یہ انسان وہاں پہنچ کر بارش برساتا تھا۔

مؤمنین کرام! یہ ہے شانِ امامت۔ اگر دنیا اس کو گھٹانا چاہے تو اللہ کی دی ہوئی نعمت ہے جو کسی کے گھٹانے سے نہیں گھٹائی جاتی۔ یہ اور بات ہے کہ دنیا والے آلِ محمدؐ کو قید خانوں میں مقید کر سکتے ہیں مگر آلِ محمدؐ وہی کریں گے جو اللہ چاہتا ہو۔ خدا کی مرضی و مشیت کے بغیر ان کا کوئی قول و فعل ان سے سرزد نہیں ہو سکتا۔ بہر نوع امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اس قید خانہ میں قید ہیں اور اس قید خانے کا داروغہ ابن شاروک لعین جو شمر ملعون سے بھی بدتر تھا، اس کے ذریعہ مولاؑ کو 23 رجب کو زہر دیا گیا۔ جب مولاؑ کی حالت بہت خراب ہو گئی تو ہارون نے اس ڈر سے کہ کہیں لوگوں کو زہر کا پتہ نہ چل جائے، ایک عیسائی طبیب کو بلوا بھیجا کہ مولاؑ کا معائنہ کرے اور یہ کہے کہ موت طبعی ہو گی۔ بہر کیف! وہ طبیب آیا، اب ابن شاروک مولاؑ سے کہتا ہے: دیکھو! طبیب آرہا ہے، خبردار جو آپؑ نے اس سے کہا کہ مجھے زہر دیا گیا ہے۔

یہ کہہ کر وہ لعین وہیں بیٹھ گیا۔ طبیب پہنچا، مولاؑ کا معائنہ کیا، مولاؑ نے زبان سے کچھ نہ کہا، البتہ اپنی ہتھیلیاں طبیب کے سامنے

کر دیں۔ اب جو طبیب نے دیکھا تو چیخ ماری: ہائے! اس قیدی کو تو زہر دیا گیا ہے۔ ادھر محافظ نے یہ سمجھا کہ امامؑ نے خود بتادیا ہے۔ چنانچہ قیدی امامؑ سے ایسا سلوک کیا کہ یہ پہلا قیدی ہتھکڑی میں بندھے ہوئے ہاتھوں اور پاؤں میں پڑی ہوئی بیڑیوں کے ساتھ قیدِ حیات سے آزاد ہو گیا۔

جب امام علیہ السلام کی شہادت کی خبر ہارون کو پہنچی تو وہ ظالم کہتا ہے کہ چار مزدور لے جاؤ اور امامؑ کی لاش کو دفن نہ کرو بلکہ دجلہ کے پل پر رکھ دو تاکہ رات کے وقت گھوڑوں کے گزرنے سے لاش پامال ہو جائے تاکہ صبح ہم کہہ سکیں کہ قید سے فرار ہو گیا تھا اور راستے میں مارا گیا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ تقریباً آدھی رات گزرنے کے بعد تاجروں کا ایک قافلہ گزرا تو اُن کے جتنے بھی جانور تھے، جب پل کے قریب پہنچے تو رُک گئے۔ لوگ بڑے حیران تھے کہ یہ جانور آگے کیوں نہیں چلتے؟ آخر انہوں نے دیکھا کہ پل پر ایک قیدی کی لاش پڑی ہوئی ہے۔

حضورِ والا! بغداد میں ایک لوہار رہتا تھا، رات کو وہ سویا تو کسی نے اس کے دروازے کی کنڈی کھٹکھٹائی۔ لوہار اپنے بستر سے اُٹھا، دروازہ کھولا اور دیکھا کہ ایک برقعہ پوش خاتون سامنے کھڑی ہیں جو اُس سے کہہ رہی ہیں: تو نے گزشتہ سال ایک منّت مانی تھی کہ اگر خدا نے بیٹا عطا فرمایا تو میں فاطمہ زہراؑ کے کسی بیٹے کی خدمت کروں گا؟ لوہار نے عرض کی: ہاں بی بیؑ، مجھ یاد ہے مگر آپؑ کو کیسے پتہ چلا؟ برقعہ پوش خاتون نے فرمایا: میں ہی وہ بد نصیب ہوں۔ بہرنوع لوہار سر جھکائے خاتونِ علیا کے ساتھ ساتھ چل پڑا اور جب پل پر پہنچا تو بی بیؑ نے فرمایا: یہ ہے میرا بیٹا، اس کی ہتھکڑی اور بیڑی اُتار دو۔ لوہار نے بسم اللہ پڑھ کر امامِ مظلوم کی ہتھکڑی اور بیڑی اُتار دی اور بعد میں ایک قافلے نے غریبوں کے قبرستان میں امامِ مظلوم کو دفن کر دیا۔

بزرگانِ من! دنیا کی ستم ظریفی دیکھو کہ اگر یہاں کوئی پردیسی مر جائے تو چندہ کر کے لوگ اس کا کفن خریدیں گے اور نہایت شان سے اسے دفن کریں گے۔ مگر آلِ محمد کی بدنصیبی دیکھو کہ آج بغیر کفن کے غریبوں اور لاوارثوں کے قبرستان میں فرزندِ رسولؐ دفن کر دیا گیا۔

یاد رکھو! اسے کہتے ہیں تصرفِ امامتؑ! ہارون و مامون کی قبر تک کے نشانات کہیں نہیں ملتے اور نہ ہی کوئی نشان بتانے والا ہے کہ کہاں دفن کئے گئے ہیں، اس لئے کہ زمین ہے ابوتراب کی ملکیت، خدا جانے کہاں ہیں؟ مگر ذرا وہاں جا کر دیکھو جہاں دنیا کے بڑے بڑے شہنشاہ اپنے تاج ہاتھوں میں لئے، سر جھکائے کھڑے ہیں۔ جہاں طوبیٰ کا سایہ ہے، جہاں حوریں دست بستہ کھڑی ہیں، جہاں کوثر کا کنارہ ہے، جہاں جنت کی بہاریں ہیں، جہاں ایمان ملتا ہے اور جہاں اسلام کا تعارف ہوتا ہے۔ آج ہم اس مظلوم امامؑ کی شہادت کا دن منا رہے ہیں اور دنیا رو رہی ہے۔ بی بیؑ تو لوہار کو بلانے گئی تھیں، اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ تمہیں اس بیٹے کا بڑا درد تھا، لہٰذا آج ہم نے آپؑ کی سنت کو پورا کرنے کیلئے تیرے غلاموں کو بلایا ہے جو بغداد کے غریب کا ماتم کریں گے اور اُسے روئیں گے۔

عزادارو! میرا ایمان ہے کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا اپنے اس مظلوم بیٹے کی صفِ ماتم بچھا لیتی ہیں تو جناب زینب سلام اللہ علیہا تشریف لاتی ہیں اور کہتی ہیں: اماں! آپؑ آرام کریں، میں آگئی ہوں، میں اپنے چاند کی صفِ ماتم بچھاتی ہوں۔

# وفاتِ جنابِ سیدہؑ

بزرگانِ محترم! 28 رصفر کو رسالتمآبؐ کی رحلت ہوئی اور 3 رجمادی الثانی کو تقریباً بچانوے دن بعد جنابِ سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی رحلت ہوئی، گویا تین مہینے سیدہؑ نے اس دنیا میں اس طرح گزارے کہ باپؐ کے زمانہ کی زندگی بھی اُنؐ کے سامنے تھی اور باپ کی رحلت کے بعد کی زندگی بھی سامنے تھی۔ باپؐ کے سامنے کی زندگی کا یہ عالم تھا کہ مولانا روم نے اپنی مثنوی میں لکھا ہے کہ جب آیۂ جہنم نازل ہوئی تو اپنی اُمت کے درد سے رسالتمآبؐ نے رونا شروع کیا، اتنا روئے کہ کسی طرح حضورؐ کا رونا رُکتا نہیں تھا۔ جب اصحاب نے یہ منظر دیکھا تو عرض کی: یارسولؐ اللہ! ہم اپنے سارے نیک اعمال اگر اُمت کو دے دیں تو کیا گناہگار بچ جائیں گے؟ حضورؐ نے فرمایا: نہیں۔

بہرنوع جب کسی طرح رونا بند نہ ہوا تو سلمان فارسیؓ جنابِ سیدہؑ کے درِاقدس پر پہنچے، دروازے پر دستک دی، بی بیؑ نے پوچھا: کون؟ سلمانؓ نے عرض کی: آقازادیؑ! میں سلمانؓ ہوں۔ سلمانؓ! خیریت ہے؟ عرض کی: بی بیؑ! آج خیریت نہیں ہے، صبح سے آپؑ کے والد گرامی رورہے ہیں۔ حضورؐ کا رونا کسی طرح رُکتا نہیں۔ سیدہؑ نے فوراً برقعہ پہنا، پیروں میں موزے پہنے اور مسجد میں تشریف لائیں۔ سیدہؑ کو آتے دیکھ کر جنابِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے آنسو پونچھتے ہوئے تعظیم کو کھڑے ہوگئے۔ چند قدم بڑھ کر استقبال کیا اور پوچھا: بیٹی! تو نے کیوں زحمت کی؟

سیدہؑ نے عرض کی: بابا جان! میں نے سنا ہے کہ آپ صبح سے رورہے ہیں؟ ہاں بیٹا! آج ایسی بات تھی۔ آنحضورؐ نے سیدہؑ کو اپنی جگہ پر بٹھایا اور خود سیدہؑ کے سامنے بیٹھ گئے اور پوچھا: ہاں بیٹا! اب بتاؤ؟ بابا جان! آپؐ روکیوں رہے ہیں؟ جنابِ رسولؐ اکرم نے جواب دیا: بیٹی! بات یہ ہے کہ آج آیۂ جہنم نازل ہوئی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ میری اُمت کے گناہگار انسان جہنم میں جائیں گے۔ بیٹا! اس وجہ سے رونے لگا ہوں۔ سیدہؑ نے کہا: بابا جان! آپؐ پریشان نہ ہوں، میں وعدہ کرتی ہوں، آپ کی سچی اُمت کے جو گناہگار ہوں گے، انہیں بخشواؤں گی۔ بیٹا! وہ کیسے؟ آنحضورؐ نے جب یہ پوچھا تو سیدہؑ عالم قبلہ رُخ ہوگئیں اور دعا کیلئے ہاتھ اُٹھا دیئے: خداوندا! میرے بابا بڑے پریشان ہیں، ان کی اُمت کو بخش دے۔

یہاں مولانا رومؒ لکھتے ہیں:

پس نگاہِ آمد زحاجت رسولؐ
من دعائے فاطمہؑ کردم قبول

اللہ تعالیٰ نے اُسی وقت وحی کی: محمدؐ! فاطمہؑ کی دعا ہم نے قبول کرلی ہے۔ اور باپ کی رحلت کے بعد حالت کچھ اس طرح تھے کہ باپؐ کے انتقال کو تین دن گزر رہے ہیں، سیدہؑ کو رونے سے ہوش بھی نہیں آیا ہے، ابھی پُرسہ دینے والی عورتیں چاروں طرف بیٹھی ہیں، محمد کی

یتیم بچی ابھی زمین پر ہی بیٹھی ہے کہ آپؑ کو معلوم ہوا کہ میرے بابا نے ہمارے گزارے کیلئے جو زمین دی تھی، وہ حکومت نے ضبط کر لی ہے۔

یہ سن کر سیدہؑ نے یہ سوچا کہ شاید حکومت کو کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے، لہٰذا میں خود جا کر حاکمِ وقت سے کہتی ہوں تا کہ حکومتِ وقت کی غلط فہمی دور ہو جائے۔

چنانچہ سیدہؑ مسجدِ نبوی کے دروازے پر تشریف لائیں، سامنے چادر پکڑے عورتیں کھڑی ہو گئیں اور چادر کے پیچھے سے سیدہؑ بڑے آرام سے فرماتی ہیں: میرے بابا کی مسجد میں بیٹھنے والو! تمہیں میرے بابا کی عزت وعظمت یاد ہو گی۔ میں فاطمہؑ! تم سے اپنے باباؐ کے لہجے میں کہہ رہی ہوں کہ میرا حق مجھے واپس کر دو۔

مؤمنین! جب سیدہ سلام اللہ علیہا نے یہ فرمایا کہ میرا حق مجھے واپس کر دو تو حاکم وقت نے ایسا جواب دیا کہ فاطمہؑ اپنے دونوں ہاتھوں سے دل پکڑ کر گھر واپس آ گئیں۔ زینبؑ نے پوچھا! اماں! کیا جواب ملا؟ سیدہؑ نے فرمایا: بیٹی زینبؑ! اُمت کے آج میں نے طور طریقے ایسے دیکھے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری چادر کی خیریت نہیں۔

اس کے بعد بی بیؑ کو اتنا صدمہ ہوا کہ آپؑ دوبارہ اُٹھ نہ سکیں۔ ہر وقت رونے میں گزرتا۔ امیر المؤمنین علیہ السلام تسلی دیتے، گھر میں خواتین تسلی دیتیں۔

عزادارو! آہستہ آہستہ وقت گزرتا گیا، جب 2 / جمادی الثانی آئی تو جنابِ سیدہؑ کی طبیعت اتنی خراب ہو گئی کہ جنابِ امیر المؤمنینؑ کو یقین ہو گیا کہ بیماری حد تک پہنچ گئی ہے۔

بہر نوع رات گزری، 3 / جمادی الثانی کا دن چڑھا، امیر المؤمنینؑ نے دیکھا کہ سیدہؑ اُٹھیں، غسل فرمایا، لباس بدلا، بچوں کے کپڑے دھوئے، پھر بیٹیوں کے سر دھوئے، حسنینؑ کو نہلایا، بچوں کے کپڑے بدلے، گھر میں صفائی کی۔ دو تین دن کا کھانا پکا کر رکھا۔ امیر المؤمنینؑ نے سیدہؑ کو جب اس طرح گھر کا کام کرتے دیکھا تو مسکرا کر فرمایا: ماشاء اللہ! رسولِ خدا کی بیٹی! آج طبیعت ٹھیک معلوم ہوتی ہے؟ بی بیؑ نے فرمایا: یا علیؑ! فکر نہ کرو، آج عصر تک طبیعت بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔

حضرت علی علیہ السلام نے پوچھا: کیا بات ہے؟ سیدہؑ نے فرمایا: میں نے رات اپنے بابا کو خواب میں دیکھا ہے، وہ مجھے فرماتے تھے: فاطمہؑ! میں تیرے استقبال کو آیا ہوں، لہٰذا آج میں اپنے بابا کے پاس جا رہی ہوں۔ میں نے اس لئے بچوں کو نہلایا تا کہ میرے صدمے میں پریشان ہو کر کہیں بچے رُل نہ جائیں اور اُن کے چہرے پر یہ نہ بن پائے کہ یہ بغیر ماں کے ہو گئے ہیں۔ میں نے زینبؑ وکلثومؑ کے بال اس لئے دھلا دیئے ہیں کہ معصوم بچیاں ہیں، اپنے بال نہ دھو سکیں گی۔ میں نے حسنینؑ کو لباس اس لئے پہنا دیئے ہیں تا کہ میں انہیں بھی شکستہ نہ دیکھوں اور میں نے دو دن کا کھانا بھی پکا کر رکھ دیا ہے کہ میں اپنے بچے فاقہ سے نہ دیکھ سکوں۔ سیدہؑ کے یہ الفاظ سن کر علی علیہ السلام کا دل ٹوٹ گیا، مسجد میں تشریف لائے، دعائیں پڑھنا شروع کیں۔

مؤمنین کرام! جب آج کا دن ڈھلا تو سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا نے فضہ کو بلایا اور فرمایا کہ تم میرے بچوں کو ذرا باہر لاؤ، میں اپنے

حجرے میں جارہی ہوں۔ تم بچوں کو اندر نہ آنے دو۔ چنانچہ فضہ شہزادوں کو باہر لے کر بیٹھ گئیں، سیدہؑ حجرے میں چلی گئیں، تھوڑی دیر بعد چھوٹے شہزادے نے کہا: اماں فضہ! میں اپنی ماں کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ اب فضہ کی کیا مجال کہ شہزادے کو روکیں۔ اُدھر سیدہؑ کہہ رہی ہیں کہ بچوں کو آنے نہ دینا۔ ادھر حسینؑ کا یہ اصرار کہ میں جانا چاہتا ہوں۔ بہر نوع حسینؑ حجرے کا دروازہ کھول کر اندر تشریف لائے، دیکھا کہ سیدہؑ کا سر سجدے میں ہے اور بڑی نحیف آواز میں کہہ رہی ہیں:

"سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی".

ایک لمحہ تو حسینؑ نے دیکھا، پھر آگے بڑھ کر ماں کا سر گود میں لے لیا اور کہا: اماں! میں حسینؑ ہوں، مجھ سے بات کرو۔

ماں نے آنکھیں کھول کر بیٹے کو دیکھا اور فرمایا: حسینؑ بیٹا! صبر کرو، بس یہ آخری فقرہ تھا جو ماں بیٹے سے کہہ چکیں۔ حسینؑ نے ماں کا سر سجدے میں رکھ دیا۔

عزادارو! پچاس سال بعد تاریخ نے اپنے آپ کو دہرایا، آج حسینؑ نے فاطمہؑ کا سر سجدے سے اُٹھا کر اپنی گود میں لیا اور فاطمہؑ نے کہا: حسینؑ بیٹا! صبر کرو اور پچاس سال بعد کربلا میں حسینؑ کا سر سجدے سے اُٹھا کر فاطمہؑ نے گود میں لے لیا اور حسینؑ نے کہا: اماں! صبر کرو۔

بہر نوع حسینؑ باہر تشریف لائے، تھوڑی دیر بعد فضہ اندر گئیں اور سیدہؑ کو دیکھ کر باہر نکلیں اور سیدھی مسجد میں گئیں: یا علیؑ!

"اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ".

یا علیؑ! ہماری کائنات لٹ گئی، یا علیؑ! ہماری دنیا ہمارے لئے تاریک ہوگئی، یا علیؑ! آج ایمان یتیم ہوگیا، یا علیؑ! آج قرآن بے قاری ہوگیا، یا علیؑ! آج محمدؐ کا دین ویران ہوگیا، یا علیؑ! آج سیدہؑ اپنے باباؐ کے پاس چلی گئیں۔

علیؑ بغیر نعلین کے، بغیر عمامہ کے مسجد سے اُٹھے اور گھر میں آئے اور دیکھا کہ سیدہؑ کی رحلت ہو چکی ہے۔ اس وقت علی علیہ السلام نے ایک مرثیہ پڑھا جس کا مطلب یہ تھا:

"اے رسولؐ کی بیٹی! اس بھری دنیا میں تم مجھے تنہا چھوڑ گئیں۔ اب میں بالکل تنہا رہ گیا۔ اب آپؐ کے بچوں کی نگہبانی کون کرے گا اور مجھے تسلی کون دے گا؟"

اس کے بعد امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: اماں فضہ! غسل و کفن کا انتظام کرو۔

مؤمنین کرام! اتنے میں رات ہوگئی۔ جب کفن پہنا چکے اور جنازہ تیار ہوگیا تو امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: فاطمہؑ کے بچوں کو بلاؤ۔ چنانچہ بچے تشریف لائے۔ علیؑ نے سب سے پہلے حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے فرمایا: بیٹا حسنؑ! تمہاری ماں کی وصیت تھی کہ جنازہ رات کو اُٹھایا جائے، لہٰذا آج رات تھوڑی دیر بعد جنازہ اُٹھالیا جائے، تم اپنی ماں کا آخری دیدار کرلو۔

چنانچہ حسنؑ آگے بڑھے، ماں کا منہ دیکھا، بدن میں لرزہ پیدا ہوا اور بیہوش ہو کر گر پڑے۔ اس کے بعد امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: حسینؑ بیٹا! آؤ، تم بھی ماں کا منہ دیکھ لو۔ حسینؑ جواب میں فرماتے ہیں: بابا جان! کیا میری ماں کی عزت مریمؑ سے کم ہے؟ علیؑ نے فرمایا:

نہیں بیٹا، زیادہ ہے۔ بابا جان! اگر مریمؑ نے جنازے میں عیسیٰ سے بات کی تھی تو کیا میری ماں مجھ سے بات نہیں کرسکتیں؟ میں اس شرط سے ماں کے پاس جاؤں گا کہ وہ خود مجھے پکاریں۔ حسینؑ نے یہ کہہ کر سیدہؑ سے خطاب کیا: اماں! مجھے آواز دو۔ بی بیؑ نے کوئی آواز نہ دی، پھر حسینؑ بولے: اماں! مجھے پکارو۔ پھر بھی جواب نہ ملا۔ آخر حسینؑ نے پورے جوش سے کہا: اماں! آپؑ کو میری ہی قسم! مجھے آواز دو۔ اب جو حسینؑ نے یہ کہا تو سیدہؑ کا جنازہ تڑپ اُٹھا اور سیدہؑ نے ہائے کہہ کر دونوں ہاتھ پھیلا دیئے اور حسینؑ ماں کی میت کے سینے پر جا کر لیٹ گئے اور سیدہؑ نے دونوں ہاتھ حسینؑ کی کمر پر رکھ دیئے۔ تمام شہر مدینہ میں زلزلہ آنے لگا۔ علیؑ نے بڑھ کر حسینؑ کو گود میں اُٹھالیا۔ حسینؑ بیٹا! اگر تم تھوڑی دیر اور ماں سے لپٹے رہے تو قیامت آجائے گی۔

امیر المؤمنینؑ پوچھتے ہیں: بیٹا! ماں سے کیا باتیں ہو رہی تھیں؟ حسینؑ جواب میں فرماتے ہیں: بابا جان! میں اماں سے وعدہ لے رہا تھا کہ اماں! اس وقت تو آپ جا رہی ہیں مگر جب میرا آخری وقت ہوگا تو آپؑ آئیں گی ناں؟ بہرنوع جب جنابِ امیر المؤمنین علیہ السلام نے حکم دیا کہ سیدہؑ کا جنازہ اُٹھاؤ تو فضہ نے عرض کی: مولاؑ! اگر آپؑ اجازت دیں تو میں بنی ہاشم کی عورتوں کو بلالوں؟ آپؑ نے فرمایا: کسی کو نہ بلاؤ، ہمارے جنازے اس طرح نہیں اُٹھیں گے۔

مؤمنین! رسولؐ کا جنازہ تنہا علیؑ نے دفن کیا، علیؑ کا جنازہ حسینؑ نے دفن کیا، حسنؑ کے جنازے پر تیر برس گئے اور حسینؑ کے جنازے پر جو گزری، وہ دنیا کو معلوم ہے اور آج سیدہؑ کا جنازہ اس طرح اُٹھا کہ ایک طرف تو خود اٹھا ہوا تھا اور دوسری طرف سے علیؑ نے اُٹھایا ہوا تھا اور دو بچے جنازے کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ حسینؑ نے پوچھا: بابا جان! آپؑ نے آنکھیں کیوں بند کی ہوئی ہیں؟ امیر المؤمنینؑ نے جواب دیا: شہزادو! تمہارے ناناؐ نے جنازہ اٹھایا ہوا ہے اور میری شرم سے آنکھیں بند ہیں کہ کہیں آنحضورؐ مجھ سے یہ نہ پوچھ بیٹھیں: علیؑ! میرے بعد تو نے میری بیٹی کی کیا حفاظت کی؟ تو میں کیا جواب دوں گا؟ اس لئے میں نے آنکھیں بند کی ہوئی ہیں۔ اب جو علیؑ نے یہ کہا تو حسنینؑ کہتے ہیں: بابا جان! کیا ہم اتنے غریب ہوگئے ہیں کہ ہمارا جنازہ بھی چار آدمی نہیں اُٹھا سکتے؟

علیؑ نے فرمایا: حسنینؑ بیٹا! فکر نہ کرو، آج تم پر غربت ہے کہ تمہاری ماں کے جنازے میں کوئی شریک بھی نہیں ہوا مگر تمہاری نسل قیامت تک تمہاری ماں کا جنازہ اُٹھاتی رہے گی اور اتنا ماتم ہوگا کہ دنیا کے کسی جنازہ پر نہیں ہوا ہوگا۔

مؤمنین! علیؑ کے اس فرمان کے مطابق آج فاطمہ سلام اللہ علیہا کے بیٹے سید زادے اور سیدانیاں تو جنابِ فاطمہ زہراؑ کا جنازہ اُٹھائے کہہ رہے ہیں: مولاؑ! اگر اس وقت ہم موجود ہوتے تو جنابِ فاطمہ زہراؑ کا جنازہ ہم اسی شان، عظمت اور وقار سے اُٹھاتے جس طرح ہم آج اُٹھا رہے ہیں۔ جنازے کے ساتھ سید بھی ہیں، سیدانیاں بھی ہیں اور میں سیدانیوں سے التجا کرتا ہوں کہ جب جنازہ پردہ داروں میں جائے تو سروں سے چادر اُتار لیجئے اور ننگے سر اس جنازہ کو اُٹھائیں اور زینبؑ کو سیدہؑ کا پرسہ دیں۔ بی بی زینبؑ! آپؑ کی اماں کا جنازہ آپؑ کی کنیزوں نے اُٹھایا ہوا ہے۔

سیدہؑ کی بیٹیو! یہ اُس غریب کا جنازہ ہے جس کا جنازہ اُٹھانے والا کوئی نہیں ہے۔ آج ہمارے لئے قیامت کی رات ہے۔ آج

رسولِؐ خدا قبر سے باہر تشریف لائے ہیں، آج علیؑ کے سر پر عمامہ نہیں ہے، آج زینبؑ وکلثومؑ کے سر پر چادر نہیں ہے، آج حسنینؑ یتیم ہو چکے ہیں، آج زینبؑ کے بال کھلے ہوئے ہیں۔ حوریں ماتم کر رہی ہیں اور علی علیہ السلام آواز دے رہے ہیں: کہاں ہو میرے پیارے سید زادو، آؤ! اپنی دادی کے جنازے کو کندھا دو۔

# شبِ شہیداں

ماتم دارانِ حسینؑ! آج حسینؑ اور انؑ کے معزز ساتھیوں کی زندگی کی آخری رات ہے۔محرم کی پہلی تاریخ کو امام حسین علیہ السلام کی سواری آپ لوگوں کے پاس آجاتی ہے اور مولاؑ دس دن آپ کے مہمان رہتے ہیں۔آپ انؑ کی مہمان نوازی کرتے ہیں، اُنؑ کی عزاداری کرتے ہیں اور آج مولاؑ کی سواری کے رخصت ہونے کا دن ہے۔آئندہ ایک سال جو زندہ رہے گا، اُسے پھر یہ رات نصیب ہوگی اور میری گفتگو ختم ہونے سے پہلے جنابِ قمر بنی ہاشم ابوالفضل العباسؑ کا علَم برآمد ہوگا اور جب علمدارِ حسینی کا علَم برآمد ہو جائے گا تو اس کے بعد شبیہ ضریح سیدؑ الشہداء برآمد ہوگی۔اسی طرح ہر امام بارگاہ اور عزاخانے میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ علَم آگے ہوتا ہے، ضریح بعد میں آتی ہے۔علَم جنابِ عباس علیہ السلام کا ہے، ضریح سید الشہداء علیہ السلام کی ہے۔گویا حضرت غازی عباسؑ آج بھی حسینؑ سے آگے سینہ سپر ہو کر چل رہے ہیں۔میں آپ کی خدمت میں آج یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آج شہیدانِ کربلا کی زندگی کی آخری رات ہے۔

آج تمام شہداء کربلا میں موجود ہیں۔بہن کے پاس بھائی موجود ہے، بیٹی کے پاس باپ موجود ہے۔آج تیاری ہے آلِ محمدؐ کی ایک عظیم قربانی کیلئے۔آج کی شام، شامِ شہیداں کہلاتی ہے۔یہ شہیدوں کی رات ہے۔کل جو رات آئے گی، وہ شامِ غریباں کہلائے گی، وہ غریبوں کی رات ہے۔

مؤمنین کرام! اللہ کا فرمان ہے:

"اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ".

"دنیا کا ہر انسان نقصان اُٹھاتا ہے"۔

زمانہ کی گردشیں اس بات کی شاہد ہیں کہ انسان بڑا نقصان اُٹھاتا ہے۔ذرا سی غلطی انسان کو اتنے بڑے نقصان میں پہنچا دیتی ہے کہ پھر اس نقصان کا کوئی اندازہ کر سکتا ہی نہیں۔مگر نقصان سے وہ لوگ بچ جائیں گے اللہ کے فرمان کے مطابق:

"اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا". "جن لوگوں میں ایمان ہوگا"۔

وہ صاحبِ ایمان ہیں ___ وہ نقصان نہیں اُٹھائیں گے۔وہ ہمیشہ نفع میں رہتے ہیں۔اس ظاہری دنیاوی نفع و نقصان کو تو صاحبِ ایمان نقصان ہی نہیں سمجھتے، آئندہ زندگی کے نفع پر ان کی نظر ہوتی ہے اور وہ دنیا کے نقصان سے محفوظ رہتے ہیں، جو صاحبانِ ایمان ہیں ___ یہ اللہ کا فرمان ہے، اسی فرمان کے ساتھ قرآن مجید کی یہ آیت بھی شامل کریں۔

لوگ دل میں یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ وہ کہہ دیں زبان سے کہ وہ مؤمن ہیں، بس وہ مؤمن ہو گئے۔ایسا نہیں ہو سکتا۔صرف مؤمن کہنے سے وہ مؤمن نہیں بن سکتے بلکہ اُن کے ایمان کا امتحان لیا جائے گا۔امتحان میں اُن کو دیکھا جائے گا کہ وہ مؤمن ہیں یا نہیں ___ تو آج کی

شبِ اہلِ ایمان کے امتحان کی شب ہے۔ آج اہلِ ایمان کا امتحان ہو رہا ہے۔ آج اُن کے امتحان کی رات ہے۔ کل تو وہ آجائیں گے میدان میں۔ امتحان اُن کا آج کی رات ہے کہ آج وہ اپنے لئے کیا فیصلہ کرتے ہیں! وہ اپنے لئے کیا سوچتے ہیں، آج کی رات اُن کے امتحان کی رات ہے۔

بزرگانِ من! یقیناً تاریخ عالم کا یہ پہلا واقعہ ہے کہ کسی سردار نے، کسی بادشاہ نے عین لڑائی کے وقت، عین میدانِ جنگ میں جب کہ لڑائی سر پر ہو، میدانِ جنگ میں اپنے سپاہیوں سے یہ کہا ہو کہ ''تم جا سکتے ہو'' ـــــ یہ بے مثل مثال صرف کربلا کے ہی بے مثل واقعہ میں ملے گی کہ آج جب یقین ہو گیا کہ کل جنگ لازماً ہو گی اور جنگ کا حال معلوم ہے کہ بہتر (۷۲) بھوکے پیاسے یقیناً قتل ہو جائیں گے، قتل ہونے کے بعد وہ ویرانی و بربادی جو اُن کے قتل ہونے کے بعد ہے، وہ سب نظر آ رہی تھی اور جو اصحاب قتل ہوں گے، اُن کی عورتیں بھی ہیں، اُن کے بچے بھی ہیں۔

اُنہیں محسوس ہو رہا ہے کہ ہمارے قتل کے بعد ہماری خواتین کے ہاتھ بندھ جائیں گے، ہمارے یتیم بچوں کے گلے بندھ جائیں گے ـــــ اُنہیں یہ بھی معلوم ہے کہ جس قوم سے ہمارا واسطہ ہے، وہ ہماری لاشوں کو دفن نہیں کریں گے۔ یہ تمام چیزیں آج اُن کے سامنے ہیں۔ اِن تمام حالات کے ساتھ آج اُن کا سردار اُن سے انوکھی بات کہہ رہا ہے۔ یہ ان کے ایمان کا امتحان ہو رہا ہے۔ شام کا وقت ہے،، بہن نے بھائی سے پوچھ لیا: حسینؑ بھائی! گھوڑوں کے ٹاپوں کی برابر آوازیں آ رہی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے سینکڑوں سوار چلے آ رہے ہیں، کیا یہ ہماری طرف آ رہے ہیں؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: نہیں بہن! یہ دشمن کی فوج ہے۔ زینبؑ نے آسمان کو دیکھا، زمین کو دیکھا: یا اللہ! اس بھری دنیا میں کوئی ہے جو محمدؐ کے نواسے کی مدد کو آئے؟ امام علیہ السلام جنابِ زینبؑ کو تسلی دیتے ہیں: بہن! فکر نہ کرو، میرے ساتھی بھی ہیں۔ رات ہوئی، عشاء کی نماز سے فارغ ہوئے، آپؑ نے اپنے چھوٹے بھائی حضرت عباس علمدار علیہ السلام کو بلایا: عباسؑ! تم میری چھوٹی سی فوج کے سپہ سالار ہو، تم مجھے گن کر بتاؤں کہ اس وقت کتنے سپاہی میری فوج میں موجود ہیں؟

جنابِ عباسؑ نے گن کر بتایا: ایک دو تین ـــــ حضورؑ! میں نے گن لئے، اکہتر سپاہی ہیں۔ آپؑ نے فرمایا: بھائی ایک دفعہ پھر گن لو ـــــ دوبارہ گنا۔ قبلہ! میں نے گن لیا، اکہتر ہیں بمعہ میرے۔ آپؑ نے فرمایا: بھائی! ایک دفعہ پھر گن لو۔ اب قمر بنی ہاشم سمجھ گئے کہ ضرور گنتی میں کوئی مصلحت ہے جبکہ امامؑ بار بار فرما رہے ہیں۔ اب بڑی احتیاط سے گنتے گنتے ستر کے قریب پہنچے تو خیمے کا پردہ اُٹھا، اماں فضہ برآمد ہوئیں اور سفید رومال میں لپٹی ہوئی ایک چھوٹی سی شے لا کر سامنے رکھی اور کہا: عباسؑ! یہ تو گنتی میں رہ گیا تھا، اب آپؑ کی فوج مکمل ہو گئی۔

عباسؑ نے بچے کو اُٹھا کر کلیجے سے لگایا، چھ مہینے کا ہے تو کیا ہے، ہے تو حیدرؑ کرار کا پوتا۔ اصغرؑ سپاہی بنے گا اور بچے نے آنکھیں کھول کر چچا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال لیں۔ بول تو سکتا نہیں، آنکھوں سے کہہ رہا تھا: چچا جان! کل وہ جہاد کروں گا کہ دنیا یاد رکھے گی قیامت تک کہ پوتا کس طرح جہاد کرتا ہے!

بہرنوع بچے کو اندر بھیج دیا، ماں نے اُسے گہوارے میں لٹا دیا۔ باقی بچے عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر خیموں میں گئے۔ ماں نے

اپنے بچوں کو کل کیلئے لباس پہنائے اور زینبؑ نے عونؑ ومحمدؑ کو سامنے بٹھا کر کہا:

بیٹو! تمہیں معلوم ہے کہ تم جعفر طیارؑ کے پوتے ہو، حیدرؑ کرار کے نواسے ہو اور دیکھو نا! کل میدانِ جنگ میں تم نے پہلی دفعہ جانا ہے، تمہارے بچپن سے، ناتجربہ کاری سے مجھے خدشہ محسوس ہو رہا ہے، میں جب جانوں کہ تم اپنی زبان سے نہ کہو کہ ہم علیؑ کے نواسے ہیں، جعفر طیارؑ کے پوتے ہیں ____ زینبؑ یہ کہہ رہی تھیں اور قاسمؑ کی ماں قاسمؑ سے کہہ رہی تھیں: بیٹا! آج تیرے والد گرامی امام حسنؑ زندہ نہیں ہیں، اگر وہ ہوتے تو مجھے کچھ نہ کہنا پڑتا۔ میں تیری بیوہ ماں ہوں، میرا کوئی زور نہیں، میرا کوئی سہارا نہیں، میں بیوہ ماں تجھ سے کہتی ہوں کہ کل میرا نام روشن کرنا بیٹے! دنیا یہ نہ کہہ دے کہ ماں کے دودھ میں تاثیر نہیں ہے۔ اپنی ماں کے دودھ کی عزت رکھنا میرے لعل! لیلیٰ علی اکبر علیہ السلام سے بات کر رہی ہیں ____ ایک خاتون اپنے عزیز سے گفتگو کر رہی ہے۔ امام علیہ السلام نے دیکھا یہ منظر ____ آکر مصلے پر بیٹھے، حکم دیا: عباسؑ بھائی! میرے تمام سپاہیوں کو میرے گرد اکٹھا کرو۔ میں اُن سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔

حکم کی دیر تھی کہ امامؑ کے گرد بہتر (۷۲) سپاہی آکر بیٹھ گئے۔ ان میں ایک سو بیس برس کا بوڑھا بھی، نو دس سال کے بچے بھی، حسینؑ کی جنگی کونسل میں آکر امامؑ کے گرد بیٹھ گئے۔

اور ابوترابؑ کے بیٹے نے زمین کے اوپر مسند لگا دی اور امامؑ نے فرمایا: میرے دوستو، میرے عزیزو، میری جان سے زیادہ پیارے رفیقو، میرے بیٹو، بھتیجو، بھائیو! پھر امام علیہ السلام نے نام لے لے کر فرمایا: بھائی حبیب، بھائی زہیر، اور جو بزرگ تھے جیسے حضرت مسلم بن عوسجہ وغیرہ، اُنہیں امامؑ نے چچا کہہ کر خطاب فرمایا: میرے بابا اور نانا کے صحابیو! دیکھ لو، زمانے کا کیا حال ہے؟ یہ فوج جو مجھے گھیرے ہوئے ہے، اسے صرف میری ذات سے واسطہ ہے، تم سے کوئی عداوت نہیں۔ اس وقت رات کا وقت ہے، میں تمہیں خوشی سے کہہ رہا ہوں کہ تم میں سے جو جانا چاہے، جا سکتا ہے۔

یہ حکم نہیں دیا کہ ضرور چلے جاؤ۔ انہیں ان کی مرضی پر چھوڑ دیا؛ ''تم میں سے جو جانا چاہے، وہ جا سکتا ہے''۔ اُن کے ایمان کا امتحان ____ جب تین چار دفعہ مولاؑ نے یہ فرمایا کہ جو جانا چاہتا، جا سکتا ہے، اور وہ سب خاموش بیٹھے رہے، کچھ نہیں بولے تو مولاؑ نے فرمایا: شاید یہ بات ہے کہ تمہیں جاتے ہوئے یہ خیال ہے کہ وہ ثواب جو تمہیں یہاں سے شہید ہونے میں ملے گا، اُس ثواب سے محروم رہ جاؤ گے۔ میں حسینؑ تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر اس وقت تم چلے جاؤ تو جو شہادت کا ثواب ہے، وہ تمہیں ضرور دلواؤں گا۔

اُنہیں امام حسین علیہ السلام پر یقین تھا، اب وہ ثواب کا لالچ بھی ختم ہو گیا۔ اب مولاؑ نے فرمایا: تمہیں غیرت محسوس ہوتی ہے کہ لوگ تمہیں طعنے دیں گے کہ اپنے سردار کو چھوڑ کر آگئے؟ اس غیرت کا علاج یہ ہے کہ میرے ساتھ تمہارے نبی کی بیٹیاں آئی ہوئی ہیں، انہیں ساتھ لے جاؤ، انہیں نانا کی قبر پر بٹھا دینا۔ پھر جہاں جس کا جی چاہے، چلے جانا۔ اگر کوئی طعنہ دے تو کہہ دینا کہ زینبؑ کا پردہ بچانے چلے آئے تھے، نبی کی بیٹیوں کو نرغے سے نکال کر آئے تھے۔ لوگ خاموش ہو جائیں گے۔ وہ لوگ پھر بھی خاموش رہے۔ اس کے بعد آپؑ نے فرمایا: میں تمہارے سامنے بیٹھا ہوں، آنکھ میں شرم ہے، اس شرم کی وجہ سے تم نہیں جاتے۔ اکبرؑ بیٹا! ذرا چراغ گل کر دو۔ چراغ گل ہو گیا۔

پھر امامؑ نے فرمایا: اب اندھیرا ہے، میں تمہیں نہیں دیکھ سکتا، تم جا سکتے ہو، جس نے جانا ہو، میری طرف سے اجازت ہے۔ اب

اندھیرے میں آوازیں تو آ رہی ہیں، پتہ نہیں چل رہا کہ کیا ہو رہا ہے؟ جب کچھ دیر بعد آپؑ نے حکم دیا کہ چراغ دوبارہ روشن کیا جائے، اب جو چراغ دوبارہ روشن ہوا تو امامؑ نے دیکھا کہ اتنے میں فرق یہ آ گیا تھا کہ جتنے جوان تھے، انہوں نے تلواروں کے نیام توڑ دیئے تھے، جو بوڑھے تھے، انہوں نے پگڑیاں اُتار کر کمر سے باندھ لی تھیں کہ کمر سیدھی ہو جائے۔ جو چھوٹے بچے تھے، وہ ایڑیاں اُٹھا کر کھڑے ہو گئے کہ جوان نظر آنے لگیں ___ یہ فرق ہو گیا تھا ___ میرے جیسے عزیز، میرے جیسے رفیق تو آدم علیہ السلام سے آج تک کسی کو نہیں ملے۔ تمہارا نہیں ارادہ جانے کا؟

اب جو مولاؑ نے فرمایا تو اُن کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا۔ سب سے پہلے مسلم بن عوسجہ اُٹھے، بوڑھے آدمی تھے، علیؑ کے ساتھ رہ چکے تھے۔ جنابِ رسولؐ خدا کو دیکھ چکے تھے، کھڑے ہوئے تلوار ٹیک کر ___ مولاؑ! میں نے آپؑ کے نانا جان کو دیکھا ہے، میں آپؑ کے والد گرامی کے ساتھ رہا ہوں، آپؑ کے منہ سے یہی سجتا ہے جو آپؑ کہہ رہے ہیں۔ آپؑ کی شان یہی ہے جو آپؑ کہہ رہے ہیں۔

آقا! یہ سچ ہے کہ آپؑ کو ہماری ضرورت بالکل نہیں مگر ہمیں تو آپؑ کی ضرورت ہے۔ آپؑ ہمارے محتاج نہیں ہیں، ہم آپؑ کے محتاج ہیں۔ اگر آپؑ ہمیں ٹھوکریں مار مار کر بھی اس میدان سے نکال دیں، پھر یہیں پلٹ کر آئیں گے کیونکہ ہم آپؑ کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ہمیں آپؑ کی ضرورت ہے ___ مولاؑ ___

بوڑھا آدمی تھا، جوش میں فقرے کہے، وہیں گر گیا۔ اس کے گرتے ہی جنابِ بریر ہمدانی کھڑے ہو گئے۔ یہ بڑے فصیح البیان انسان تھے۔ انہوں نے کھڑے ہو کر کہا: مولاؑ! آپؑ ہمیں جانے کو کہتے ہیں، ہم چلے جائیں؟ ہم چلے جاتے ہیں مگر اپنے گھر سے اچھا گھر بتا دیں جہاں ہم چلے جائیں، ہم چلے جاتے ہیں۔ اپنے در سے اچھا در بتا دیں جہاں ہم جا بیٹھیں۔ اپنے سے اچھا دربار بتا دیں جہاں جا کر ہم حاضری دیں، یہ فقرے کہہ کر وہ بھی بیہوش ہو گئے اور گر گئے۔

اس کے بعد بچپن کے دوست جنابِ حبیب اُٹھے۔ انہوں نے بھی اسی طرح کی باتیں کی جس طرح بچپن کا دوست کرتا ہے۔ میرے آقا! میں آپؑ کے ساتھ بچپن میں کھیلا ہوں، میں آپؑ کو چھوڑ کر چلا جاؤں؟ ایک بات بتا دیں، اس کے بعد جانے کو کہنا کہ قیامت کے دن اگر آپؑ کی والدۂ گرامی جنابِ سیدہؑ نے پوچھ لیا: حبیب! میرے حسینؑ کو کہاں چھوڑ آیا؟ تو کیا جواب دوں گا؟ جواب مجھے بتا دیجئے کہ آپؑ کی والدۂ گرامی کو کیا کہوں گا؟ پھر چلا جاؤں گا۔ یہ کہہ کر حبیب بھی بیٹھ گئے۔ اسی طرح جب تمام اصحاب باتیں کر کر کے بیٹھ گئے تو اب عزیزوں کی باری آئی۔ عزیزوں کی نمائندگی جنابِ قمر بنی ہاشم نے کی۔ جنابِ عباسؑ وہ شخصیت تھے جو تقریر نہیں کرتے تھے، خاموش رہتے تھے، کھڑے ہوئے تقریر کرنے ___ اور مومنین کرام ذرا توجہ سے سننا عباسؑ کی تقریر، کھڑے ہو گئے ___ مولاؑ خاموش ہو گئے۔

دوسری مرتبہ اور بلند آواز سے کہا: یا ابن رسولؐ اللہ! پھر خاموش ہو گئے۔ پھر تیسری مرتبہ کہا: میرے سردار! پھر خاموش ہو گئے اور خاموش ہو کر ایک دم مڑ گئے نجف اشرف کی طرف اور بجائے امام علیہ السلام سے کچھ کہنے کے ___ کہنے لگے:

"یَاعَلِیُّ اَدْرِکْنِیْ"۔ "باباعلیؑ! میری مدد کریں"۔

امام علیہ السلام کو عباسؑ پر پیار آ گیا، اُٹھ کر ایک ایک کے گلے ملے، ایک ایک کی پیشانی چومی ___ میں تم سے بڑا خوش ہوں، میں تمہارا بڑا احسان مند ہوں، میں تمہارا شکر گزار ہوں، جاؤ اپنے اپنے خیمے میں بیٹھ کر کل کے مرنے کی تیاری کرو۔

مگر ایک کام کرنا، اپنے خیمے اکھاڑ لو جہاں جہاں نصب ہوں اور سیدانیوں کے خیموں کے چاروں طرف لگا دو تا کہ اگر رات کی تاریکی میں اس بے حیا فوج نے اچانک حملہ کر دیا تو سادات کی حفاظت ہو سکے۔ سب نے ایک دم اپنے خیمے سادات کے چاروں طرف لگا دیئے۔ طنابوں سے طنابیں باندھ لیں اور اس کے بعد امام علیہ السلام بیت الشرف میں تشریف لائے۔ امام علیہ السلام جو گھر میں آئے تو بہن کھڑی تھیں۔ زینبؑ پوچھتی ہیں: حسینؑ بھائی! میں ساری تقریر قنات کے پیچھے کھڑی سن رہی تھی۔ میں نے آپؑ کے دوستوں کی ساری باتیں سنی ہیں، میں نے بال کھول کر اُنؑ کیلئے دعا کی ہے۔

حسینؑ! یہ بتائیں کہ ان میں سے کوئی اب چھوڑ کر چلا تو نہیں جائے گا؟ اب ان پر ہے ناں پورا اعتماد! اب زینبؑ نے جو پوچھا کہ اعتماد ہے؟ کوئی جائے گا تو نہیں؟ یہ سوال بی بیؑ نے کیا تو پردے کے بالکل پیچھے پہرہ دار کے طور پر جناب بریر ہمدانی کھڑے تھے، انہوں نے سن لیا کہ زینبؑ نے یہ پوچھا ہے ___ رات کا وقت ___ انہوں نے ایک دم گھبرا کر کہا: حبیب، زہیر! جلدی آؤ، فوراً دوڑو۔ اب جو انہوں نے آواز دی گھبرا کر تو سب کے سب دوڑتے ہوئے آ گئے۔ زہیر نے پوچھا: بریر! خیریت تو ہے؟ خیریت بالکل نہیں، ابھی زینبؑ کو ہماری وفا کا یقین نہیں آیا، خیمے میں بعد میں جانا، پہلے زینبؑ کو یقین دلا کر جاؤ۔

سب تلواریں نیام سے نکل آئیں اور خیمے کے صحن میں آئے: بی بیؑ! اپنے ہاتھ سے ہمارے سر کاٹ دو، اب یہ واپس نہیں جائیں گے۔ اور اتنا اعتماد تھا زینبؑ کو اصحاب کی وفا کا کہ عاشور کی شام کو جب خیمے جلنے لگے تو زینبؑ نے حسینؑ کو نہیں پکارا، عباسؑ کو نہیں پکارا، وہاں بھی کھڑے ہو کر زینبؑ نے آواز دی تھی: بھائی حبیب! دیکھیں تو سہی کہ ہم پر کیا گزر رہی ہے؟

بہر نوع تمام اصحابِ حسینؑ جا کر اپنے اپنے خیموں میں بیٹھ گئے۔ انہوں نے وہاں قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔ کوئی قرآن پڑھ رہا ہے، کوئی مناجات پڑھنے لگا، کوئی دعائیں پڑھنے لگا، کل کے مرنے کی تیاری ہونے لگی۔

امام زین العابدین علیہ السلام بیماری کے بستر پر لیٹے ہوئے تھے، غشی کا عالم تھا، ایک دم غش سے افاقہ ہوا، آنکھ کھلی، پوچھا کہ یہ کیسی آوازیں آ رہی ہیں؟ بتایا گیا کہ اصحاب کے خیمے سیدانیوں کے خیموں کے چاروں طرف لگ گئے ہیں، وہ عبادت کر رہے ہیں۔ اُن کی عبادت کی آوازیں آ رہی ہیں۔ میرے بابا کہاں ہیں؟ بتایا گیا کہ وہ باہر جائے نماز پر بیٹھے ہیں۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: ذرا میرے بابا کو سلام کہو اور کہو کہ بیمار بیٹا کچھ کہنا چاہتا ہے۔

امام تشریف لائے، امام زین العابدین علیہ السلام تعظیم کو اُٹھے، امام حسینؑ نے بٹھا دیا۔ نبض دیکھی، بیٹا! بخار کا کیا حال ہے؟ طبیعت کیسی ہے؟ بیٹا! جلدی تندرست ہو جاؤ، تمہارے ذمہ بڑا کام ہے۔ امام زین العابدینؑ عرض کرتے ہیں: بابا جان! میں نے اس لئے آپؑ کو تکلیف دی ہے کہ یہ جو ہمارے اصحاب ہیں، یہ جو آپؑ کے دوست ہیں، یہ ہمارے محسن ہیں، میں ان کا احسان مند ہوں اور بابا! ان کی آخری خدمت میں کروں گا، میرے ذمے ہے اور بابا! میں آپؑ سے وعدہ کرتا ہوں کہ ان میں سے ایک ایک کی قبر پر کھڑے ہو کر کہوں گا:

میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں، اتنی عزت ہے اُن کی میرے دل میں ___

مگر اس عزت کے باوجود یہ ہیں تو غیر ___ ان کی آواز ہمارے خیموں میں آرہی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ہمارے پردہ داروں کی آوازیں وہاں جارہی ہوں؟ کیا اُن کے خیمے ذرا فاصلے پر نہیں ہو سکتے تا کہ ہماری خواتین کی آوازیں وہاں تک نہ جائیں؟ امام زین العابدین کا یہ کہنا تھا کہ امام حسین علیہ السلام کھڑے ہو گئے، پھر بیٹھ گئے، پھر کھڑے ہو گئے، پھر بیٹھے۔ کہنے لگے: بیٹا! یہ خیمے اتنے فاصلے پر ہیں کہ ان کی آوازیں نہ ہم تک پہنچ سکتی ہیں اور نہ ہماری آوازیں اُن تک پہنچ سکتی ہیں۔ لہٰذا تم فکر نہ کرو۔ بیٹا! آج تک تو پردے کا اہتمام میں نے کردیا تھا، کل کی رات جو آئے گی، تم جانو اور پردہ جانے ___

# فاطمہؑ کا چاند

کربلا میں قیامت خیز منظر، آسمان سے آگ برستی ہوئی، زمین کے ذرّے تپتے ہوئے، تمام صحرائے کربلا بے گناہوں کی لاشوں سے بھرا ہوا، جو محض دین الٰہی کی حفاظت کیلئے اپنی جان اور اپنی زندگیاں قربان کر کے گرم ریت پر لیٹے ہوئے، آفتاب نصف النہار پر ٹھہرا ہوا، فاطمہؑ کا چاند چہرے پر کربلا کی گرد، دل میں عزیزوں کے درد، سینے سے بے شیر کا لاشہ لگائے ہوئے، سر جھکائے ہوئے خیمے کے دروازے پر کھڑا اور دردناک آواز میں کہہ رہا ہے: زینبؑ، کلثومؑ، رقیہؑ، سکینہؑ، اماں فضہ! خواتین دروازے کے قریب آئیں، امامؑ کے گرد حلقہ کر لیا۔ سکینہؑ نے عبا کا دامن پکڑ لیا، زینبؑ سامنے بیٹھ گئیں۔ لیلٰی ایک طرف خاموش کھڑی ہوگئیں۔ ربابؑ دم بخود ہیں۔ خیمے پر اُداسی چھائی ہوئی ہے۔ عباسؑ کے یتیم بچے، حسینؑ کی عبا کا دامن پکڑے ہوئے پوچھ رہے ہیں: ہمارے بابا گھر کب آئیں گے؟ اصحاب کے یتیم بچے، ان کی بیوہ خواتین، امام علیہ السلام کے چاروں طرف بیٹھی نوحہ کناں ہیں۔

مولاؑ ساری قربانیاں منظور ہیں اور امام حسین علیہ السلام کہہ رہے ہیں: زینبؑ بہن! اگر قیامت تک بھی زندہ رہو، ایک روز جدائی ضروری ہے، آج تمہارا بھائی حسینؑ تم سے جدا ہو کر رخصت ہو رہا ہے۔ زینبؑ بہن! مجھے گلے مل کر رخصت کرو، دعا کرو کہ خدا مجھے اتنی طاقت دے کہ میں اس قربانی کو، اس مقصد کو جس مقصد کیلئے مجھے میری ماں نے سینے پر سلایا تھا، آج اس مقصد کے پورا کرنے کیلئے خدا مجھے توفیق دے۔ زینبؑ! دعا کرو کہ قاتل کے خنجر کے نیچے میں ثابت قدم رہوں۔

حلق پر تیغ رہے ، سینے پر جلاّد رہے
لب پہ ہو نام تیرا ، دل میں تیری یاد رہے

اللہ کی طرف تعلق رہے، خدا سے میرا واسطہ رہے، خدا حافظ بہن! میں جا رہا ہوں۔ سکینہؑ نے دامن پکڑ لیا، بابا! آپؑ اس طرف جا رہے ہیں جہاں صبح سے جو گیا، وہ واپس نہیں آیا۔ آج رات کو اگر آپؑ واپس نہ آئے تو بابا! سکینہؑ کس کے پاس سوئے گی؟ بیٹا! آج رات اپنی اماں کے پاس سونا۔ بابا! اماں کے پاس تو چھوٹے بھائی علی اصغرؑ سوتے ہیں؟ میں کیسے سوؤں گی؟ نہیں میرے لعل! آج سے اصغرؑ میرے پاس سویا کرے گا۔ تم اماں کے پاس سو جایا کرنا اور دیکھنا بیٹا! کوئی مطالبہ نہ کرنا، بیمار بھائی کے ہاتھ بندھے ہوں گے، پھوپھیاں مجبور ہوں گی، زمین پر آرام سے سو جانا۔

خدا حافظ بہن! اب میں جا رہا ہوں۔ اللہ تمہارا نگہبان ہوگا۔ خدا تمہارا محافظ ہوگا۔ دیکھنا بہن! ہر مصیبت کو حوصلے سے برداشت کرنا۔ اُمت کے حق میں ہر وقت دعا کرنا۔ خداوند عالم ہماری اس قربانی سے دین کی خدمت لے رہا ہے، اسلام زندہ رہے، اللہ کا نام زندہ رہے، ہمارے نانا کا دین زندہ رہے۔

زینبؑ! تمہاری چادر کے زیر سایہ یہ اگر دین کی زندگی ہے تو چادر کی قربانی کر دینے میں دریغ نہ کرنا۔ بہن! خدا حافظ، فی امان اللہ، اب میں جا رہا ہوں۔ اب انشاء اللہ زینبؑ بہن! قیامت میں ملوں گا، ویسے نیزے پر سوار ہو کر ہر وقت تمہارے ساتھ رہوں گا زینبؑ!

بقول شاعر:

شبیرؑ برآمد ہوئے یوں خیمے کے در سے
جس طرح نکلتا ہے جنازہ کسی گھر سے

آج حسینؑ نے دنیا سے اپنے تعلق کو منقطع کر دیا ہے۔ آج حسینؑ اور خدا کے درمیان کوئی شے حائل نہیں ہے۔ خالق کو اپنے اس بندے پر ناز ہے۔ اللہ اپنی صنعت کے اس شاہکار کو دیکھ کر فخر یہ فرشتوں سے کہتا ہے: میں جانتا ہوں انسان کے وہ جوہر جو تم نہیں جانتے۔ تم نے دیکھا، میرے اس بندے نے، میرے عشق کو کس کمال تک پہنچا دیا؟ میری عبودیت کو کس معراج کو پہنچا دیا؟ آج وہ سجدے کے بل میری خدمت میں آ رہا ہے، میں نے اپنی خدائی کا نظام اُس کے سپرد کر دیا، میں نے بقائے دوام کا تاج اس کے سر پر رکھ دیا۔ آج میں خود اس کے ماں باپ اور نانا کو اس عظیم فرزند کی عظیم قربانی پر مبارکباد دوں گا۔

خداوندا! آج میں بالکل تیرے سامنے ہوں، تیری خوشی کے سامنے میرا سر جھکا ہے:

اگر تجھ کو نہ ہو نسلِ امامت منظور
ذبح عابد کو کروں ہاتھ سے میں تیرے حضور

# شامِ غریباں

مؤمنین کرام! آج سارا مجمع بیک زبان ایک دفعہ کہے:

''اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّااِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ''۔

اصل حادثہ اب شروع ہوا ہے، آج کے عصر تک کے زمانہ کی ذمہ داری حسینؑ کے پاس تھی اور عصر کے بعد یہ ذمہ داری حسینؑ سے زینبؑ کی طرف منتقل ہوگئی ہے۔ آج حضرات نے محرم کا چاند دیکھ کر آج کے عصر تک جتنی مجالس کی ہیں، جتنا غم کیا ہے، وہ شہیدوں کا ماتم تھا اور عصر کے بعد اب اسیروں کا ماتم ہے۔

بزرگو، عزیزو اور نوجوانو! اصل ماتم اب شروع ہوا ہے۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا فرمان ہے:

''عصر کے بعد ہمارے خاندان پر جو گزر گئی، نہ کوئی بیان کرنے والا اُسے بیان کرسکتا ہے، نہ کسی سوچنے والے کے ذہن میں آسکتا ہے۔ اُسے وہی جانتے ہیں جن پر گزر گئی۔ دنیا کا شریف ترین خاندان، دنیا کا معزز ترین خاندان، آج اس عالم میں پہنچ گیا کہ رات اُن کی شامِ شہیداں تھی اور آج اُن کی رات شامِ غریباں ہے اور جن کا خدا نے، قرآن نے اہلِ بیتؑ نام رکھا ہے، وہ آج دنیا میں بے بیت ہیں۔ اُن کا آج کہیں گھر نہیں، وہ آج بے گھر ہیں۔

کوئی سوچ نہیں سکتا کہ اُن پر کیا گزری ____ اور جب آخری رخصت کے بعد امام حسین علیہ السلام میدان میں تشریف لائے، چلتے وقت جب بالکل اپنے گھوڑے کے قریب آئے اور سوار ہونے لگے تو اُنؑ کی بچی نے آکر دامن پکڑ لیا۔ سکینہؑ دامن پکڑے کھڑی ہوگئیں: بابا جان! جارہے ہو؟ بابا! آپؑ جارہے ہیں؟ ہاں بیٹا، میں جارہا ہوں۔ بابا جان! اگرچہ میں بچی ہوں مگر اتنا میں سمجھ رہی ہوں کہ صبح سے جو گیا ہے، وہ واپس نہیں آیا، مجھے یقین ہے کہ آپؑ بھی واپس نہیں آئیں گے۔ پیارے ابا جان! مجھے یہ بتادیں کہ رات قریب آرہی ہے، آپؑ جارہے ہیں، جنگل ہے، بیابان ہے، اگر رات کو میں ڈر گئی تو کس کے پاس سوؤں گی؟ اب میں کس کے سینے پر سوؤں گی؟ تو امامؑ نے بچی سے فرمایا: بیٹا! آج رات اگر تم ڈر جاؤ تو اپنی اماں کے پاس سونا، اپنی ماں کی گود میں سو جانا۔ تو بچی جواب میں کہتی ہے: بابا جان! اماں کی گود میں تو بھائی علی اصغرؑ سویا کرتے ہیں، میں کیسے سوؤں گی؟ امام علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: سکینہؑ بیٹا! آج رات سے اصغرؑ میرے ساتھ سوئے گا۔ اور امامؑ رخصت ہوکر میدان میں آگئے۔ دنیا نے یہ عجیب منظر دیکھا کہ ہزاروں کے مقابلے میں ایک شکستہ دل انسان ہے، اس بے حیا فوج نے یہ طعنہ زنی کی: حسینؑ! نہ اپنے آپؑ کو تکلیف دو، نہ ہمیں تکلیف دو، آؤ گھوڑے سے اُترو تا کہ یہ جنگ جلدی ختم ہوجائے۔

ان کے اس طعنے کی آواز خیمے میں زینبؑ نے سن لی، زینبؑ نے دروازے پر آکر کہا: حسینؑ! مجھے پتہ ہے کہ آپؑ نے شہید ہونا ہے مگر یہ قوم یہ نہ سمجھے کہ آپؑ مجبور ہوگئے ہیں، ذرا چند لمحوں کیلئے میری ماں کے دودھ کی طاقت بھی دکھادیجئے۔ حسین علیہ السلام نے تلوار کھینچی،

جہاد شروع کیا، فوج کا پہلا حصہ بھاگ کر نخیلہ پہنچا تھا اور حسینؑ فوج کو بھگا کر گھوڑے کو تیزی سے دوڑا کر ایک بلند ٹیلے پر آتے اور بلند آواز سے کہتے:

"اَنَاابْنُ رَسُوْلِ اللّٰہ".

"لوگو! میں رسولؐ خدا کا بیٹا ہوں"۔

اور فوراً جواب میں خیمے سے بہن کہتیں:

"مَرْحَبَایَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہ".

"شاباش! رسولؐ خدا کے بیٹے"۔

قربان جاؤں آپؑ کی جرأت و بہادری پر آپؑ نے بابا علیؑ کے حملوں کی یاد تازہ کر دی۔

اور جنگ ختم ہوئی ___ اور حسینؑ فوجوں کے بیچ میں گھر گئے تو زینبؑ یہاں سے آواز دیتی ہیں:

"یَاعَلِیُّ اَدْرِکْنِیْ".

"بابا علیؑ! ہماری مدد کیجئے"۔

امام حسین علیہ السلام کے پاؤں رکابوں سے نکل چکے تھے اور مسلمانوں کی تاریخ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ حسینؑ کو گھوڑے سے زمین تک آنے میں نو دقیقے لگے۔ اب دقیقے کا ترجمہ آپ چاہے سیکنڈ کر لیں، چاہے منٹ کر لیں۔ اتنی دیر کیوں لگ گئی گرنے میں مولاؑ کو؟ اس کا بیان یہ بتایا گیا ہے کہ فوجیں قریب آ گئیں۔ امام حسین علیہ السلام کی پسلیوں میں برچھیاں لگا دیں۔ امامؑ دائیں طرف گرتے تو برچھیوں والے بائیں طرف کر دیتے اور بائیں طرف گرتے تو برچھیوں والے دائیں طرف کر دیتے۔ نو منٹ اسی کشمکش میں گزرے۔ اس وقت کا واقعہ بھی آپ نے سنا ہوگا کہ جب اسی عالم میں گھوڑے سے گر رہے تھے اور گرتے وقت جو بے ساختہ منہ سے نکلا، وہ یہ تھا: یا عباسؑ! میں گر گیا، عباسؑ بھائی! آؤ دیکھو ناں میں گر رہا ہوں۔ اور پھر زمین پر آئے، کس طرح؟ زیارتِ ناحیہ میں امامِ زمانہ علیہ السلام فرماتے ہیں:

"میرا سلام ہو اُس شہید پر جو نہ زین پر تھا، نہ زمین پر تھا"۔

پھر کہاں تھے؟ بدن تیروں پر معلق ہو گیا اور جب بہن نے دیکھا کہ حسینؑ گھوڑے پر نہیں ہیں، خالی گھوڑا آ چکا ہے تو اب زینبؑ حسینؑ بن گئیں اور کہنے لگیں: سیدانیو! فکر نہ کرو، اب میں تمہاری محافظ ہوں، اب میں تمہاری ذمہ دار ہوں۔ دیکھو! ایسا کرو کہ کوئی بچہ کہیں گم نہ ہو جائے، بچے کے کرتے سے کرتہ باندھ دو۔ سیدانیو! تم اپنے برقعے سے برقعہ باندھ دو، میں تمہاری محافظ ہوں۔

سہمے ہوئے بچے، سہمی ہوئی مستورات، زینبؑ کھڑی ہیں سامنے ___ اور اگلا فقرہ میرے منہ سے نکلتا نہیں صاحبان! لوگ مجھے بھی سید کہتے ہیں، یہ تو اللہ بہتر جانتا ہے کہ حقیقت کیا ہے؟ اس لئے جتنے اس محفل میں سادات ہوں، میں اُن سے معافی مانگتے ہوئے اور جو مؤمنین ہیں، اُن سے معذرت کرتے ہوئے یہ عرض کرتا ہوں کہ پھر دنیا نے یہ دیکھا کہ زینبؑ دروازے پر کھڑی تھیں اور بے حیا فوج شور مچاتی

ہوئی کہ اب خاندانِ رسالتؐ کے گھروں کو لوٹ لو___ چلی آرہی ہے___ گھر کا محاصرہ ہوگیا اور خیموں میں آگ لگنے لگی۔

جب ایک خیمہ جل جاتا، سیدانیاں دوسرے خیمے میں آجاتیں، وہ جل جاتا، تیسرے خیمے میں آجاتیں۔ اب میں آپ کو یہ واقعہ بھی سنادوں کی رات میں نے آپ کو یہ بات کہی تھی کہ امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اصحاب کے خیمے ذرا فاصلے پر ہوجائیں تاکہ اُن تک ہماری مستورات کی آواز نہ جائے۔ آج وہی زین العابدین علیہ السلام اپنے بستر پر لیٹے ہوئے ہیں، زینبؑ پہنچیں___ بیٹے کا سر گود میں لیا، گھبراہٹ کا عالم___ پریشانی کا وقت___ اور کہتی ہیں: بیٹا! ذرا، اُٹھو بیٹا، ذرا آنکھ کھولو۔ تین چار دفعہ بیٹا کہہ کر پکارا، آنکھ نہ کھولی۔ آخر زینبؑ گھبرا کر کہتی ہیں: امامِ زمانہؑ! ذرا اُٹھ کر بیٹھو۔ اب جو امامؑ کہہ کر پکارا تو اُٹھ کر بیٹھ گئے: اماں! کیا ہوا؟ بیٹا! ہوا یہ کہ تو اب امامؑ ہے اور میں تیری امامت میں تجھ سے پہلا مسئلہ پوچھنے آئی ہوں۔ یوں تو تو میرا بیٹا ہے مگر بحیثیت امامؑ کے میرا بادشاہ ہے۔ مجھے پہلا مسئلہ یہ بتا کہ خیمے سارے جل گئے، اب بتا کہ ہم اِن جلتے ہوئے خیموں کے ساتھ جل کر مرجائیں یا نامحرموں میں باہر نکلیں۔ امامؑ نے پہلا مسئلہ یہ بتایا:

اماں! بیبیوں، بچوں کو لے کر اس جنگل میں نکل جاؤ۔ اب پردہ ساکت ہوگیا۔ اب حرمِ حسینؑ جنگل میں ہیں۔ چادریں اُتر گئی ہیں، بچے ماؤں سے چمٹے ہوئے ہیں، سہمے ہوئے ہیں، کربلا کی ریت کے اونچے اونچے ٹیلوں پر جاکر سیدانیاں بیٹھ گئی ہیں بچوں کو لے کر___ رات ہوگئی ہے___ ایک طرف بے سر کے لاشے ہیں___ ایک طرف غاصب فوج ہے___ ایک طرف بیکس سیدانیاں ہیں___ بچوں نے رات تک شور مچایا، ہمیں پانی چاہئے___ مگر آج کوئی بچہ کچھ نہیں کہہ رہا___ سب ماؤں کی گود میں خاموش بیٹھے ہیں___ یا تو دن کے واقعہ سے سہم گئے ہیں یا یہ سوچتے ہیں کہ اب کس سے مانگیں؟ اب پانی لانے والا کون ہے؟ خواتین خاموش بیٹھی ہیں___ امامِ زمانہ (امامِ سجاد) علیہ السلام اُن کے بیچ میں بیٹھے ہیں اور زینبؑ فرماتی ہیں: بیبیو! فکر نہ کرو، آج رات میں تمہارا پہرہ دوں گی، میں تمہاری حفاظت کروں گی۔

اس کے بعد روایات بڑی مختلف ہیں___ میں کونسی بیان کروں اور کونسی نہ کروں؟ ایک یہ بھی روایت ہے کہ جنابِ زینبؑ پہرہ دے رہی ہیں، بیچ میں ساری خواتین بیٹھی ہیں۔ اس پہرے کے عالم میں زینبؑ نے دیکھا کہ سامنے سے ایک سوار چلا آرہا ہے اور زینبؑ نے یہیں سے آواز دی: آنے والے! ٹھہر، آج میرا پہرہ ہے۔ خبردار! آگے نہ آنا۔ مگر وہ سوار بڑھتا چلا آیا، زینبؑ آگے بڑھیں: میں تجھے کہتی ہوں کہ آگے نہ آ۔ اور یہ کہہ کر اس کے گھوڑے کی باگ پکڑلی___ بس باگ کا پکڑنا تھا کہ سوار نے نقاب اُلٹ دی اور بی بیؑ نے اپنے بابا کا پہچان لیا___ کہا: بیٹا زینبؑ! میں آیا ہوں۔ اور زینبؑ نے رکاب پکڑلی: بابا! اب آئے ہو؟ بابا! اب پہنچے ہو؟

اور یہ بھی ایک روایت ہے کہ آج کی رات کے پہلے حصے میں پانی کی مشک آگئی۔ اب میں اس تحقیق میں کہاں پڑوں کہ پانی کی مشک آنے کی روایات کتنی ہیں؟ مختلف روایات کے باوجود نتیجہ یہ ہے کہ پانی کی مشک آگئی، کچھ کھانا آگیا۔ وہ زوجہ حُر لے کر آئیں یا کوئی اور لے کر آیا، بہرنوع پانی آگیا۔

میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کربلا کے سب واقعات میں ان سیدانیوں کیلئے سب سے سخت ترین وقت یہی تھا کہ نہیں کہ جب اُن

کے سامنے پانی کی مشک رکھی گئی، اُن کے دلوں سے پوچھو، اُن پر کیا گزری تھی؟ ایک نظر پانی کی مشک پر تھی اور ایک ایک بی بی آواز دے رہی تھی: علی اکبرؑ! تم نے مرتے دم ایک گھونٹ پانی مانگا تھا، کوئی کہہ رہی تھی: عباسؑ! واپس آجاؤ، پانی کی مشک آگئی۔ کوئی کہہ رہی تھی: اصغرؑ بیٹا! پانی آ گیا، اب کیسے پیو گے؟

سب سے سخت وقت برداشت کیلئے یہی تھا کہ پانی کی مشک اُن کے سامنے رکھی تھی۔ امام زین العابدین علیہ السلام آئے، مشک کا دہانہ کھولا، پانی لیا، پھوپھی اماں! پانی پئیں۔ زینبؑ کہتی ہیں: بیٹا زین العابدینؑ! میں یہ پانی___ میں پیوں پہلے؟ پانی لے کر سب بیبیوں نے یک زبان ہو کر کہا: اے حسینؑ! اے شہدائے کربلا! پانی پر اب سب کی نذر پیش کر رہے ہیں، وہ زینبؑ کو پیش ہوا۔ زینبؑ نے سکینہؑ کو اُٹھایا: بیٹا سکینہؑ! یہ پانی پیو۔ سکینہؑ نے بھی انکار کر دیا۔ زینبؑ نے بھی انکار کر دیا۔

امام زین العابدینؑ نے اعجاز کی طاقت سے پھوپھی کو یہ منظر دکھایا کہ زینبؑ نے دیکھا کہ کوثر کا کنارہ ہے، رسالتمآبؐ بیٹھے ہیں، حیدرؑ کرار بیٹھے ہیں، اور حسنؑ مجتبیٰ بیٹھے ہیں اور کربلا کے سارے شہید سامنے کھڑے ہیں، حسینؑ بھی کھڑے ہیں اور علی مرتضیٰ علیہ السلام ہاتھ میں کوثر کا جام لے کر حسینؑ کو پیش کرتے ہیں اور امام حسین علیہ السلام جواب میں کہتے ہیں: بابا! ابھی نہیں، ابھی تمام مخدراتِ عصمت پیاسی ہیں، ابھی میرا سجادؑ پیاسا ہے۔ جنابِ زینب سلام اللہ علیہا نے یہ منظر دیکھا، زینبؑ نے پانی لے کر کہا: سکینہؑ بیٹا! پہلے تم پیو۔ سکینہؑ نے کہا: اماں! پہلے آپؑ۔

نہیں بیٹا، پہلے بچوں کو پلاتے ہیں۔ بس بھائیو! بچوں کا نام سننا تھا کہ شہزادیؑ پانی کا وہ ظرف لے کر گنج شہیداں کی طرف دوڑیں اور بلند آواز سے کہا: اصغرؑ بھائی! تم میرے چھوٹے بھائی ہو، پہلے تم پانی پیو، سکینہؑ بعد میں پئے گی۔ میرے لعل! تیری بہن کو پانی اب ملا ہے، جونہی پانی ملا ہے، آپؑ کے پاس لے آئی ہوں، اُٹھو میرے لعل! پانی پی لو۔

◉ ◉ ◉

## زینبؑ نے اپنی فوج کو دو صفوں میں کھڑا کردیا،ایک صف میں بیوہ عورتیں ایک صف میں یتیم بچے اور کہا:اے حسینؑ!میری فوج دیکھو جس سے میں دنیا کی بڑی سلطنت کو فتح کرنے جارہی ہوں۔

مؤمنین کرام! آج گیارہ محرم کو زینبؑ کے پاس انقلاب کا چارج ہے اور آج زینبؑ حسینی فوج کی سربراہ بنی ہوئی ہیں کربلا میں ___ اور قیدی کا لفظ تو کہتے ہوئے میری زبان ڈرتی ہے ___ بہرنوع نرغۂ اعداء میں گھرے ہوئے بے بس و مجبور قیدی کربلا سے روانہ ہوئے ___ اور ان ظالموں کی سنگدلی سمجھیں ___ بے حیائی سمجھیں کہ اُن بے بس و مجبور قیدیوں کو اُدھر لائے ہیں جہاں اُن کے وارثوں کی لاشیں پڑی ہیں اور یہ تاریخ کا فقرہ ہے، کسی مقتل کی بات نہیں ہے ___ کہ جس وقت اونٹوں پر سوار قیدی اُن لاشوں کے سامنے پہنچے ہیں تو امام زین العابدین علیہ السلام کی نظر اپنے والد بزرگوار کے جسد مبارک پر پڑی اور باپ کے جسم کو جو بیٹے نے دیکھا تو فقرہ یہی ہے تاریخ کا کہ زین العابدینؑ کے چہرے کا رنگ دودھ کی طرح سفید ہوگیا۔ اب وارثِ خاندانِ رسالت جنابِ زینب سلام اللہ علیہا نے یہ دیکھا کہ زین العابدینؑ کے چہرے کا رنگ پیلا پڑ گیا ہے تو وہ سمجھ گئیں کہ یہی عالم ان پر ایک لمحہ اور طاری رہا تو ہوسکتا ہے کہ زندگی ختم ہوجائے۔

برداشت نہ کرسکے اس صدمے کو ___ تو فوری طور پر امام حسینؑ کی لاش سے زین العابدینؑ کی توجہ ہٹانے کیلئے زینبؑ نے فوری عمل کیا، کھڑے اونٹ سے اپنے آپؑ کو گرادیا۔ اب یہ لفظ میں نے کہہ دیا اور آپ نے سن لیا کہ زینبؑ نے اپنے آپؑ کو کھڑے اونٹ سے گرادیا۔ کسی سوار سے پوچھیں جو گھوڑے سے گرتا ہو، کسی اور آدمی سے پوچھیں جو کسی اونچی جگہ سے گرا ہو، گرنے والے کی فطرت یہ ہے کہ جب وہ گرنے لگتا ہے تو اپنے آپ کو سنبھالنے کیلئے پہلے ہاتھوں کو زمین پر رکھتا ہے۔

اب زینبؑ نے جو اپنے آپ کو گرایا اونٹ سے تو ہاتھوں سے کس طرح سہارا لیا؟ ہاتھوں سے اپنے آپ کو کس طرح سنبھالا؟ ہاتھوں کے متعلق تو آپ جانتے ہی ہیں کہ آج سے ایک مدت پہلے میرا اپنا یہ خیال تھا کہ شاید ہاتھ باندھنے والی روایات جو ہیں، ممکن ہے رونے کیلئے ہم نے بنالی ہوں ___ مگر جب میں نے امامِ زمانہ علیہ السلام کی زیارتِ ناحیہ پڑھی تو اس میں ہاتھ بندھنے کا ذکر تھا، میں نے کہا: ٹھیک ہے، ضرور بندھے ہوں گے۔ پھر یہ تشویش ہوئی کہ کس طرح بندھے تھے، بازو بندھے تھے، کلائیاں بندھی تھیں، کس طرح بندھے تھے؟ تو اس کے متعلق امامِ زمانہ علیہ السلام ہی نے فرمایا:

''میرا سلام ہو میری دادی زینبؑ پر جن کے دونوں ہاتھ اُنؑ کی گردن کے ساتھ بندھے ہوئے تھے''۔

اب اس عالم میں زینبؑ نے اپنے آپؑ کو کھڑے اونٹ سے گرایا ___ تو امام زین العابدین علیہ السلام یا تو اپنے باپ کے لاشے کو

دیکھ رہے تھے یا ایک دم مڑ گئے پھوپھی کی طرف۔ پھوپھی! یہ کیا ہوا؟ تو زینبؑ بلا وقفہ اُٹھ کر کھڑی ہو گئیں اور کہتی کیا ہیں: بیٹا زین العابدینؑ! میں کیا دیکھ رہی ہوں کہ تمہارے چہرے کا رنگ کیسا ہو گیا؟ لاوارثوں کے وارث! کیا تم مرنا چاہتے ہو؟ پھر ہمارا وارث کون ہو گا؟

تو امامؑ جواب میں فرماتے ہیں: اماں! کیوں نہ مر جائے وہ جوان بیٹا جو اپنے باپ کی میت کو اس عالم میں چھوڑ جائے۔ وہاں جناب زینبؑ نے تقریر فرمائی: بیٹا! دل شکستہ نہ ہو، گھبراؤ نہیں، تمہارے باپ کی قبر بنے گی، یہاں حسینؑ کا روضہ بنے گا۔ یہاں حسینؑ کا شہر آباد ہو گا، روئے زمین کے انسان تمہارے باپ کی زیارت کو آئیں گے۔ یہاں حسینؑ کا دربار لگے گا ___ زینبؑ نے یہ تقریر فرمائی اور اس کے بعد تمام اونٹ بیٹھ گئے۔ قیدی اُتر آئے۔ ایک ایک خاتون اپنے وارث پر، اپنے بیٹے پر، اپنے عزیز پر جا کر الوداعی رونا رو رہی تھی، رخصت ہو رہی تھی اور زینبؑ حسینؑ کے پاس کھڑی ہوئیں، لیلیٰ علی اکبرؑ کی لاش پر آ کھڑی ہوئیں، قاسمؑ کی ماں قاسمؑ کی لاش کے ٹکڑوں کے پاس آ گئیں۔ ہر خاتون جس سے جس کا لگاؤ تھا، رو رہی تھی، تو زینبؑ یہ کہہ رہی ہوں گی: (یہ میرے اپنے تصور کی بات ہے) حسینؑ! میں لاشے پر رونے نہیں آئی، میں یہ کہنے آئی ہوں: شاباش حسینؑ! آپؑ نے میری ماں کے دودھ کی لاج رکھ لی۔ آپؑ نے میرے نانا کی لاج رکھ لی۔ حسینؑ! آپؑ نے میرے بابا کی آبرو رکھ لی۔ حسینؑ! آپؑ نے اپنے بڑے بھائی کی عزت رکھ لی، حسینؑ! آپؑ اپنا کام کر چکے، اب میری باری ہے۔ آپؑ کربلا فتح کر چکے، آپؑ کو کربلا کی فتح مبارک ہو۔ حسینؑ! اب میں شام فتح کرنے جا رہی ہوں۔ حسینؑ! جب آپؑ کربلا میں جہاد کر رہے تھے تو میں خیمے میں بیٹھ کر اپنے سفید بال کھول کر آپؑ کی فوج کیلئے دعا کرتی رہی۔

اب میں جا رہی ہوں فوج لے کر شام فتح کرنے، اب بتائیں حسینؑ! میں کیا کروں؟ اگر ہو سکے حسین تو میری فوج کا معائنہ تو کر کے دیکھیں ___ اس فوج کو لے کر جا رہی ہوں، اتنی بڑی سلطنت کو مٹانے کیلئے اس فوج کو لے کر جا رہی ہوں۔

افواجِ قاہرہ زینبیہ کا معائنہ کرنے کیلئے حسینؑ نیزے پر سوار ہو گئے اور زینبؑ نے اپنی فوج کو دو صفوں میں کھڑا کر دیا ___ ایک صف میں بیوہ عورتیں ___ ایک صف میں یتیم بچے ___ حسینؑ! دیکھو، یہ فوج ہے جس سے دنیا کی بڑی سلطنت کو فتح کرنے جا رہی ہوں ___ چونسٹھ عورتیں اور اڑہتالیس یتیم بچے قیدی ہوئے کھڑے ہیں۔ حسینؑ! ذرا ان کو دیکھ تو لیجئے، سر کھلے ہوئے ہیں، ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ حسینؑ! اس فوج کے ساتھ جا رہی ہوں یزیدی حکومت کو فتح کرنے کیلئے ___

مؤمنین کرام! جب قافلہ آلِ رسولؐ کربلا سے روانہ ہوا تو اُس وقت چونسٹھ عورتیں اور اڑہتالیس یتیم بچے ___ ایک بار پھر دہراتا ہوں، چونسٹھ عورتیں اور اڑہتالیس یتیم بچے جب کربلا سے چلے تھے ___ قبلہ! میں اللہ ہی سے فریاد کر سکتا ہوں کہ ہمارے قیدیوں کی تعداد تھی چونسٹھ عورتیں اور اڑہتالیس یتیم بچے۔ جب یہ کربلا سے روانہ ہوئے اور جب شام میں یزید کے سامنے پہنچے تو کُل بارہ تھے، باقی کہاں گئے؟ اب میں کہاں تلاش کروں کہ ہمارے باقی قیدی بچے کہاں گئے؟

بہرنوع ___ ان قیدیوں کو لے کر زینبؑ روانہ ہوئیں اور کوفے کے دروازے پر پہنچیں۔ کوفے کا دروازہ زینبؑ کا پہچانا ہوا دروازہ تھا ___ اسی دروازے سے اُس دن بھی داخل ہوئی تھیں جب باپ یہاں بادشاہ تھے۔ اُس وقت وہ شہزادی کی حیثیت سے آئی تھیں۔ وہی دروازہ پھر سامنے آ گیا۔ زینبؑ نے پہچان لیا، بولیں: یہ وہ دروازہ ہے ___ اور اتنا کہہ دیا ___ کہ اس دروازے سے ہم نہیں جائیں گے مگر فوج

کا اصرار کہ زینبؑ آپ کو چلنا پڑے گا اور ادھر زینبؑ کا فرمان کہ ہم نہیں جائیں گے ___ تو شمر آ کھڑا ہوا سامنے ___ کہنے لگا ___ کہ آپ کو چلنا پڑے گا۔ آپ بھولتی ہیں، آج آپؑ کوفہ کی شہزادی نہیں ہیں بلکہ ہماری قیدی ہیں۔ اس لئے ہر حال میں آپؑ کو چلنا پڑے گا۔ اب جو ہونے لگی ردوقدح ___ تو زینبؑ کی گود میں بچی بیٹھی تھی تین سال کی، وہ کہتی ہے: اماں! تو جنابِ زینب سلام اللہ علیہا نے جواب دیا: بول بیٹا! کیا کہنا چاہتی ہے؟ سکینہؑ بولیں: میں نے سنا ہے کہ پچھلے زمانہ میں کوئی صالح نامی پیغمبر تھے؟ ہاں بیٹا۔ اُن کا کوئی ناقہ تھا؟ ہاں بیٹا۔ اُس اونٹنی کو قوم نے قتل کر دیا تھا تو پھر اُس اونٹنی کے بچے نے پہاڑ پر چڑھ کر فریاد کی تھی اور اُس قوم پر عذاب آ گیا تھا؟ ہاں بیٹا، ٹھیک ہے مگر تم کیا چاہتی ہو؟ اماں! کیا میں اُس ناقۂ صالح کے بچے سے کم ہوں؟ آپ مجھے اجازت دیں، میں خدا سے فریاد کرتی ہوں، یہ قوم ہمیں تباہ کر رہی ہے۔

بس بچی کا یہ کہنا تھا کہ وہ نیزہ جس پر امامؑ کا سر سوار تھا: ایک دم جھک گیا اور سر بہن کے سامنے آ گیا۔ زینبؑ بہن! میری خاطر آؤ نا ___ اسی دروازے سے ___ کوئی بات نہیں بہن، اللہ یہ مشکل بھی آسان کر دے گا۔ آؤ، اسی دروازے سے چلی آؤ زینبؑ!

زینبؑ نے سر جھکا دیا، حسینؑ! اگر آپؑ کی یہی مرضی ہے تو مجھے کیا اعتراض؟

مؤمنین کرام! قافلہ اسیرانِ کربلا جب بالکل دروازے کے قریب پہنچا تو ایک دم کان میں ایک مانوس آواز آئی جیسے اپنوں میں سے کسی کی آواز ہوتی ہو:

"اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہ".

زینبؑ گھبرائیں، دشمنوں کے اس مجمع میں اس عقیدت سے کس نے میرے بھائی کو سلام کیا؟ چہرے سے بال ہٹائے، ادھر دیکھا، اُدھر دیکھا، کون سلام کر رہا ہے؟ تو دوبارہ آواز آئی:

"اَلسَّلَامُ عَلَیْکِ یَابِنْتَ رَسُوْلِ اللّٰہ".

"اے رسولؐ کی بیٹی! میرا سلام ہو"۔

زینبؑ نے اب جو نظر اُٹھا کر دیکھا، دیکھتی کیا ہیں، دروازے پر بے سر کی لاش لٹکی ہوئی ہے اور اُس شہید کی لاش سے سلام کی آواز آ رہی ہے۔ زینبؑ نے فوراً پہچان لیا۔ کون؟ ___ بھائی مسلمؑ ___ ہاں زینبؑ بہن ___ تمہارا سفیر ___ دروازے پر تمہارے استقبال کو حاضر ہے۔

اور عزادارو! کوفے کی گلیوں اور بازاروں سے گزرتا ہوا ان بے بس و مجبور قیدیوں کا قافلہ ___ دربارِ ابن زیاد میں پہنچ گیا۔ جب دربارِ ابن زیاد میں یہ قافلہ پہنچا تو ابن زیاد نے کافی دیر کے بعد کہا کہ جو قیدی ہم نے قید کر لئے تھے تا کہ وہ حسینؑ کی مدد کو نہ پہنچ سکیں۔ اُن میں ایک مختار نامی قیدی ہے، اُسے دربار میں حاضر کرو۔ چنانچہ مختار دربار میں آ گیا، پیروں میں بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں، زنجیروں میں جکڑا ہوا اور ابن زیاد بڑے غرور و تکبر سے بولا: مختار! ہم نے تمہیں اس لئے قید کیا تھا کہ تم کہیں حسینؑ کی حمایت کو نہ چلے جاؤ۔ حسینؑ آ گئے کوفے میں ___ اب کیا ارادہ ہے؟ مختار نے کہا: خدا نے اگر اس قید سے رہا کر دیا تو میں جاؤں گا حسینؑ کی مدد کو۔

ابن زیاد نے کہا: ادھر آؤ، دیکھو، یہ حسینؑ ہیں۔ اب جو مختار نے امام حسین علیہ السلام کا سر دیکھا تو اُسی قید کے عالم میں ساتھ کھڑے ہوئے سپاہی کی تلوار کے قبضے پر ہاتھ ڈال دیا۔ بس مختار نے قبضہ میں ہاتھ ڈالا، اُدھر امام زین العابدین علیہ السلام نے ہاتھ سے اشارہ کیا:

مختار! لڑائی نہ کرنا، میرے ساتھ پھوپھیاں اور بہنیں آئی ہوئی ہیں، میرے ساتھ پردہ دار آئی ہوئی ہیں ___ اور ___ مختار کو دوبارہ قید خانے میں بھیج دیا اور جب کافی دیر ہوگئی قیدیوں کو کھڑے کھڑے ابن زیاد کے دربار میں اور دنیا نے انقلابِ عظیم دیکھا کہ تخت پر ابن زیاد اور سامنے زمین پر قیدی امام زین العابدینؑ ___ اب ابن زیاد نے کافی دیر کے بعد بڑے تکبر و غرور کے ساتھ سر اُٹھایا اور سر اُٹھا کر کہتا ہے شمر سے: یہ قیدی ہیں؟ ہاں! یہ قیدی ہیں۔ ان قیدیوں میں یہ بچی کون ہے؟ تو شمر کہتا ہے بڑھ کر: یہی تو ہے حسینؑ کی بچی جس سے حسینؑ بہت پیار کرتے تھے۔ سکینہؑ بنت الحسینؑ یہی ہے۔ اچھا! یہ بچی ہے، اسے میرے سامنے لاؤ۔ شمر نے قیدیوں سے بڑھا کر بچی کو سامنے کر دیا۔

اب ابن زیاد پوچھتا ہے: بچی! تیرا نام کیا ہے؟ وہ جواب نہیں دیتیں۔ آخر اُس نے بیمار بھائی کی طرف دیکھا: کیا حکم ہے؟ تو بھائی نے اشارہ کیا: بات کرو بیٹا! اب بچی نے بات کی: میرا نام سکینہؑ ہے۔ مگر بات اس طرح کی کہ زبان میں لکنت آ گئی۔ اب ابن زیاد پوچھتا ہے: بچی! تمہاری زبان میں لکنت کیوں ہے؟ میرا گلا اتنا مضبوط بندھا ہوا ہے کہ میں بول نہیں سکتی۔ ابن زیاد کہتا ہے کہ اس بچی کا گلا کھول دو۔ گلا کھول دیا گیا۔ گلے کو سہلایا گیا۔ جب ذرا ٹھیک ہوا تو وہ پوچھتا ہے: ہاں بچی! تیرا نام کیا ہے؟ مجھے سکینہؑ بنت الحسینؑ کہتے ہیں۔ تم نے یہ دونوں ہاتھ اپنے منہ پر کیوں رکھے ہوئے ہیں؟

میری پھوپھیوں، ماں اور دیگر بیبیوں کے بال ہیں، اُن سے انہوں نے چہرہ چھپا لیا ہے، میرے بال چھوٹے تھے، میں نے ہاتھوں سے چھپا لیا ہے۔ ہم خاندانِ رسالتؐ کی بچیاں ہیں، ہمارے سے دنیا نے پردہ سیکھا ہے۔ اب اُس ظالم نے پوچھا: بچی! تیرے ہونٹ خشک کیوں ہیں؟ کافی دنوں سے میں نے سیر ہو کر پانی نہیں پیا۔ کیوں نہیں پیا؟ کربلا میں پانی ملا نہیں اور میرا سقا پانی لینے گیا تھا، وہ واپس نہیں آیا۔ کہاں گیا تمہارا سقا؟ وہ تو مجھ سے فرات کہہ کر گیا تھا، اماں کہتی ہیں کہ وہ کوثر پر چلا گیا۔

اس کے بعد ابن زیاد نے پوچھا: بچی! اگر تیرے باپ حسینؑ زندہ ہوتے تو یہ بتا وہ تیری کیا خاطر کرتے؟ تو بچی نے پورے بچپن کے لہجے میں کہا: صبح کے وقت میرے بابا مجھے گود میں بٹھا کر اپنے ہاتھ سے تازہ خرمے کھلایا کرتے تھے۔ اب ابن زیاد کے ظلم کی یہ آخری منزل ہے۔ وہ بد بخت کہتا کیا ہے؟

بچی! میں نے تیرے لئے تازہ خرمے منگوائے ہیں، تو کھائے گی؟ بچی نے پھر بھائی کو دیکھا، بھائی نے پھر اشارہ کیا۔ بچی نے کہا: ہاں۔ اور سکینہ آگے بڑھیں تو ابن زیاد نے کہا: لو، اس طشت میں تازہ خرمے ہیں۔ اب بچی نے جو بیٹھ کر رومال اُٹھایا تو رومال اُٹھاتے ہی گر پڑی، بابا! آپؑ یہاں ہیں؟ میں آپؑ کو تین دن سے تلاش کر رہی ہوں۔

یہ کہہ کر سکینہؑ طشت کے اوپر گر پڑیں ___ ادھر بچی گری اور اُدھر ابن زیاد کی سنگ دلی اور بڑھی اور وہ کہتا ہے: بچی! یوں نہیں، تم

خاندانِ رسالتؐ نے دنیا میں یہ مشہور کر رکھا ہے کہ ہم محمدؐ کا خاندان ہیں، ہم صاحب اعجاز ہیں، ہم معجزہ دکھاتے ہیں۔ میں تو جب جانوں جب حسینؑ کا سر خود اُٹھ کر تمہارے پاس آجائے۔ اب جو ابن زیاد نے طعنہ دیا تو بچی جوش میں آکر چند قدم پیچھے ہٹ گئی اور پیچھے ہٹ کر اُس نے پھٹا ہوا کرتہ پھیلا دیا: باباجان! خاندان کی عزت کا سوال ہے، تیری سکینہؑ کی محبت کا سوال ہے، آجاؤ میری گود میں ___ اور حسینؑ کا سر بیٹی کو پکارتا ہوا گود میں آگیا اور کوفہ شہر میں زلزلہ آگیا۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے بڑھ کر بہن سے سر لیا، سکینہؑ! بس کرو ورنہ قیامت آجائے گی۔ ابھی تو کروڑہا انسان پیدا ہوں گے جو تیری قید کو روئیں گے۔ سکینہؑ! ایسی کروڑہا تیری ہم سن بچیاں ہوں گی جو رات دن تیری یتیمی کا ماتم کریں گی۔

* * *

# امامِ سجادؑ نے اپنے بھائی علی اکبرؑ کے قاتل حصین بن نمیر سے فرمایا کہ ڈرو مت، گھبراؤ مت، کربلا میں ہم تمہارے مہمان تھے، آج تم ہمارے مہمان ہو۔

آج زین العابدین علیہ السلام قیدی بن کر جا رہے ہیں، پاؤں میں بیڑیاں بھی ہیں، ہاتھوں میں ہتھکڑی بھی ہے۔ گلے میں طوق بھی ہے، ننگے سر ماں بہنوں کے اونٹوں کی مہار بھی ہاتھ میں ہے۔ مگر اوّل وقت پر نماز بھی ہے، اُدھر نماز کا وقت ہے، ادھر وہی قیدی ہتھکڑی بیڑی کے ساتھ اونٹوں کی قطار پکڑے ہوئے اذان دے رہا ہے۔ قدرت نے جب نماز دیکھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو سید الساجدینؑ ہے۔ جب رات بھر اس قیدی کی عبادت کو دیکھا تو فرمایا: تو زین العابدینؑ ہے۔ ادھر زین العابدینؑ کہتے ہیں:

خداوندا! میرا عشق دیکھا، میرا بھائی، میرا قوتِ بازو، میرا جوان بھائی علی اکبرؑ میدان میں گیا، باپؑ نے ابراہیمؑ والا صبر دکھایا۔ خداوندا! ذرا میرا صبر بھی دیکھ لے۔

مؤمنین! یومِ عاشور جب علی اکبر علیہ السلام میدان میں تشریف لائے تو امام زین العابدین علیہ السلام نے حکم دیا: میرے خیمے کا پردہ اُٹھا دو، میں اپنے بھائی کا جہاد دیکھنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ خیمے کا پردہ اُٹھایا گیا، آپؑ تکیہ لگا کر بیٹھ گئے۔ اکبرؑ میدان میں جہاد کر رہے تھے اور جب اکبرؑ کے کلیجے پر برچھی لگی تو امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنی آنکھوں سے برچھی لگتی دیکھی۔ اکبرؑ نے بعد میں پکارا ہے، زین العابدینؑ نے پہلے آواز دی: بابا! اکبرؑ زخمی ہو گیا۔ اسی دوران حصین بن نمیر نے وہ برچھی پکڑ کر کھینچی جوان ہڈیوں میں پھنسی ہوئی تھی، اُس نے جھٹکا دے کر جو کھینچی تو برچھی کا پھل وہیں ٹوٹ کر رہ گیا اور اس کی چوب خون سے تر ہو کر اس کے ہاتھ میں آ گئی تو اُس نے خون آلود چوب بلند کر کے آواز دی:

حسینؑ، زین العابدینؑ! دیکھو، یہ علی اکبرؑ کا خون ہے، گویا علی اکبرؑ کو قتل کرنے سے بھی یہ زیادہ شقاوت تھی جو باپ اور بھائی کو اس طرح خون دکھایا۔ اس موقعہ پر زین العابدینؑ نے حکم دیا: خیمے کا پردہ گرا دو۔

بس بھائیو! اب ایک واقعہ اور سن لو۔ جب زین العابدینؑ قید سے رہا ہو کر مدینہ پہنچے تو یزید نے ایک لشکر بھیجا جس نے مدینے کو لوٹا، پھر وہی لشکر مکہ لوٹنے آیا۔ جب انہوں نے مکہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا تو یزید کے مرنے کی اطلاع آ گئی اور یزید کی موت کی خبر سن کر وہ فوج اپنے سردار کو چھوڑ کر بھاگ گئی۔ اس وقت اس فوج کا سردار حصین بن نمیر قاتلِ شہزادہ علی اکبرؑ ___ اب وہ اکیلا رہ گیا۔ مدینے کو لوٹا تھا، مکہ پر ظلم کیا تھا، وہ یہ سمجھا کہ اگر ان لوگوں کے ہاتھ آ گیا تو اللہ جانے کیا سزا دیں گے۔ چنانچہ جنگلوں میں مارا مارا پھرتا رہا تاکہ یہاں سے کسی طرح نکل کر شام پہنچ جائے مگر کوئی سبیل نظر نہ آئی۔ آخر بھوک پیاس سے مرنے لگا، پانی کی تلاش میں جنگل میں مارا مارا پھر رہا تھا، دیکھا کہ سامنے

خیمے لگے ہوئے ہیں، قریب گیا، پوچھا کہ یہ کس کے خیمے ہیں؟ کسی نے کہا: امام زین العابدینؑ کے ___ اب جو اُس نے امام زین العابدین علیہ السلام کا نام سنا تو کربلا کا واقعہ یاد آ گیا۔ سوچنے لگا کہ انہیں تو میں نے بہت ستایا ہے، اگر ان کے ہاتھ آ گیا تو اللہ جانے مجھے کیا سزا دیں گے۔ وہیں سے واپس لوٹنے لگا، ابھی چند قدم ہی چلا تھا کہ اُس کے کان میں بڑی شیریں اور پیاری آواز آئی:

بھائی عرب! واپس آؤ، کیوں جا رہے ہو؟ وہ واپس آیا، دیکھا تو امام زین العابدینؑ سامنے کھڑے ہیں۔ دل میں خوش ہوا کہ امامؑ نے مجھے پہچانا نہیں۔ آخر کچھ دیر بعد وہ ظالم بولا: قبلہ! مجھے بھوک لگی ہے۔ امامؑ نے فرمایا: ہاں بیٹھو۔ جب وہ بیٹھ گیا تو امام علیہ السلام نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ اس مہمان کیلئے گرم روٹی لاؤ، ٹھنڈا پانی لاؤ۔ پہلے اُسے کھانا کھلایا، پھر اپنے ہاتھ سے جام بھر کر پانی پلایا۔ جب وہ خوب سیر ہو کر کھا چکا تو اُسے نیند آ گئی، سو گیا۔ اب جو تین چار گھنٹے بعد اُس کی آنکھ کھلی تو اُس نے سوچا کہ اب تک تو کسی نے مجھے پہچانا نہیں، اگر پہچان لیا تو قتل کر دیں گے۔ بہتر ہے کہ فوراً چلا جاؤں۔ چنانچہ ایک دم آنکھ کھلتے ہی چل پڑا۔ ابھی تھوڑی دور چلا ہی تھا کہ امامؑ نے آواز دی: ٹھہرو، کہاں جا رہے ہو؟ جناب! مجھے جلدی ہے۔ امامؑ نے پوچھا: اچھا یوں کرو کہ میری سواری کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ لے لو، تین چار دن کا کھانا ساتھ باندھ لو، پانی کی مشک بھی رکھ لو، تمہیں راستے میں کوئی تکلیف نہ ہو۔ اب جو امامؑ نے یہ فرمایا: حصین بن نمیر کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا: حضورؑ! شاید آپؑ نے مجھے پہچانا نہیں؟ امامؑ نے فرمایا: میں نے پہچان لیا ہے، تو حصین بن نمیر ہے ناں؟ بس اب جو اُس نے اپنا نام سنا تو تھر تھر کانپنے لگا: قبلہ! وہی ہوں۔

امامؑ نے فرمایا: ڈرو مت، گھبراؤ مت، کربلا میں ہم تمہارے مہمان تھے، آج تم ہمارے مہمان ہو!

◐ ◐ ◐

# شام سے جاتے وقت جنابِ زینبؑ سکینہؑ سے وعدہ کرکے آئی تھیں کہ ایک دفعہ مجھے کربلا و مدینہ جانے دو، پھر تمھارے پاس واپس آجاؤں گی اور قیامت تک تمھارے ساتھ رہوں گی۔

16 رجب 60ھ کو ربابؑ کے بطن طاہرہ سے خدا نے ایک فرزند عطا فرمایا سیدؑ الشہداء کو جس کا نام علی اصغر مشہور ہوا۔ سکینہؑ کا سگا بھائی تھا۔ ایک دفعہ پھر کہتا ہوں، علی اصغرؑ کا یومِ ولادت 16 رجب 60ھ ہے اور 28 رجب 60ھ کو جب حسینؑ نے مدینہ سے سفر کیا ہے، اس وقت علی اصغرؑ کی عمر صرف بارہ دن تھی۔ علی اصغرؑ کی ساری عمر سفر میں گزری۔ علی اصغرؑ اور سکینہؑ دونوں بہن بھائی کربلا سیدؑ الشہداء کے ساتھ گئے۔ ساڑھے چار سال کا سکینہؑ کا سن تھا اور صرف بارہ دن کا اصغرؑ کا تھا۔ جب گھر سے مولاؑ چلے تھے، کربلا میں اصغر تقریباً چھ ماہ کا ہو گیا تھا، جس طرح ہر بہن کو بھائی سے محبت ہوتی ہے، اُسی طرح سکینہؑ کو بھی اپنے بھائی علی اصغرؑ سے محبت تھی۔

گھر والے سکینہؑ کو اپنی گود میں اٹھائے رکھتے، سکینہؑ بھی اپنے بھائی کو ہر وقت بہلاتی رہتی تھیں۔ جب دیکھو اس کا جھولا جلا رہی ہیں، جب دیکھو اُسے کرتہ پہنا رہی ہیں، جب دیکھو اُسے سرمہ لگا رہی ہیں۔ امامؑ دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا کرتے تھے: سکینہؑ! اتنا پیار نہ کیا کر، ہے تو تیرا بھائی، پھر بھی اتنا پیار نہ کر، اس کی جدائی کا صدمہ شاید تجھے برداشت نہ ہو۔ یہ دونوں بہن بھائی کربلا میں تھے، سکینہؑ بھی اور علی اصغرؑ بھی۔

مؤمنین کرام! میں اپنے بیان کو مختصر کرتا ہوں کہ جب دسویں محرم کا دن چڑھا، سکینہؑ بھی پیاسی اور اصغر بھی پیاسا۔ جب سیدؑ الشہداء اپنی آخری قربانی علی اصغر کو لے جانے لگے تو اصغرؑ کی ماں ربابؑ نے عرض کی: مولاؑ! میں بڑے کریم باپ کی بیٹی ہوں، مگر چاہے میرا باپ کتنا ہی کریم سہی، میں سیدانی نہیں ہوں۔ میری آپؑ کے گھرانے سے کوئی نسبت نہیں۔ جو صبر زینبؑ وکلثومؑ کا حصہ ہے، وہ مجھے کہاں ملے گا؟ میں اُمتی ہوں قبلہ، میں ذرا اپنے بچے کو سمجھانا چاہتی ہوں۔ چنانچہ علی اصغرؑ اور سکینہؑ کے لے کر ربابؑ اپنے خیمے میں چلی گئیں۔ اچھا لباس پہنایا، کان میں دو موتی پہنائے جو چچا نے تحفہ کے طور پر دیئے تھے۔ علی اصغر کو بھی نیا کرتہ پہنایا، بال ٹھیک کئے، آستینیں چڑھا دیں، آنکھوں میں سرمہ ڈالا، ایک رومال سے کمر باندھی۔ جب ربابؑ خیمے سے باہر آئیں تو ایک ہاتھ سے سکینہؑ کی انگلی پکڑے ہوئے اور دوسرے ہاتھ سے اصغر کو گود میں لئے ہوئے اور عرض کی: مولاؑ! میری ایک گزارش ہے کہ اپنی بہن کو بلا لیجئے۔ زینبؑ بھی آ گئیں۔ دونوں بہن بھائی سامنے کرسی پر بیٹھ جایئے، پھر میں کہوں گی۔ زینبؑ اور حسینؑ سامنے کرسی پر بیٹھ گئے۔ ربابؑ کہتی ہیں: فاطمہؑ کی بیٹی اور فاطمہؑ کے بیٹے! میں غیر خاندان کی تمہارے خاندان میں آئی ہوں۔ تم نے میری عزت بڑھائی، تم نے میری شان بڑھائی، فاطمہؑ کی بہو کہلائی، تمہاری طرف سے دو تحفے مجھے

ملے ہیں، ایک لڑکی اور ایک لڑکا۔ یہ بچے تمہارے ہیں ان سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔ مجھے پتہ ہے کہ آج شام سے پہلے میں بیوہ ہو جاؤں گی۔ میرا دنیا میں کوئی سہارا نہیں رہے گا، نہ میرا کوئی میکا ہے، نہ میرا کوئی عزیز ہے، میں تمہاری اس امانت کی، سکینہؑ اور اصغرؑ کی حفاظت نہیں کر سکوں گی۔ میں آپؑ کی امانت کو سجا کر لائی ہوں، آپؑ ہی کے سپرد کرتی ہوں۔

یہ کہہ کر ربابؑ نے کیا کیا کہ سکینہؑ اُٹھا کر زینبؑ کی گود میں اور اصغر کو حسینؑ کی گود میں دے دیا۔ حسینؑ نے کچھ دیر بعد اصغر کو دفن کر دیا اور سکینہؑ کو زینبؑ نے سینے سے لگا لیا۔ زینبؑ کی مجبوری سمجھو کہ کلیجے سے تو لگائے رکھا مگر کانوں سے نہ بچا سکیں، اس کی کلائیوں کو نہ کھول سکیں، اس کے گلے کو نہ کھول سکیں۔ اسی طرح زینبؑ سکینہؑ کو بندھے ہوئے ہاتھ اور بندھے ہوئے گلے کے ساتھ لے کر شام آ گئیں۔

عزادارو! قید خانے میں زینبؑ زمین پر سوتیں تو اپنے ساتھ سکینہ کو سلاتیں۔ بچی سونے سے پہلے پوچھتی: بابا کب آئیں گے؟ بتاؤ زینبؑ کیا جواب دیتیں؟ بچی کو کیا کہہ کر بہلاتیں؟ بچی کہتی: میرے چچا کب آئیں گے؟ کبھی کہتی کہ زمین پر مجھ سے سویا نہیں جاتا۔ بتاؤ! اسے کس طرح زینبؑ سمجھائیں؟ اسے کس طرح تسلی دیں؟ اور یہ روایت اکثر آپ نے ذاکروں سے سنی ہوگی، مولوی صاحبان بھی بیان فرماتے ہیں کہ سکینہؑ نے شام کو پرندوں کو اڑتے ہوئے دیکھ لیا، پوچھا: بھائی زین العابدینؑ! یہ پرندے کہاں جا رہے ہیں؟ فرمایا: بہن! دن بھر پیٹ بھر کر اپنے گھروں کو جا رہے ہیں۔ بچی پوچھ بیٹھی: بھائی! کبھی ہم بھی اپنے گھر واپس جائیں گے؟ ہمارا بھی کوئی دنیا میں گھر ہے؟

ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک رات جو سوئی تو باپ کو خواب میں دیکھ لیا، جیسے باپ گود میں لئے بیٹھے ہیں، آنکھ جو کھلی تو "ہائے بابا"، باپ کو یاد کر کے رونے لگی۔ روئی تو محلے کے لوگ اکٹھے ہو گئے، کیا بات ہوئی؟ بچی کیوں رو رہی ہے؟ بتایا گیا کہ باپ کو یاد کر کے رو رہی ہے۔ انہوں نے یزید لعین کا محل گھیر لیا، ایک معصوم بچی رو رہی ہے۔

ظالم! اس کا تو کچھ خیال کر، باپ کو یاد کرتی ہے ___ یزید نے اور تو کچھ نہ کیا، باپ کا سر دے دیا۔ جب سر قید خانے میں آیا، بچی ایک دم گھبرا کر کہنے لگی: اماں! ابا کی خوشبو آ رہی ہے۔ میرے ابا آ گئے ہیں۔ سر گود میں لے کر بیٹھ گئی۔ ابا! آپؑ آ گئے؟ سکینہؑ نے ایک ایک بات سنائی ہے باپؑ کو۔ ابا! میرے کان دیکھ لیں، ابا! مجھے تنہا چھوڑ گئے؟ ابا! میری اماں کی چادر چھن گئی۔ یہ کہہ کر سکینہؑ نے باپ کے منہ پر منہ رکھ دیا تو اب نہیں اُٹھایا۔ کافی دیر ہو گئی، زینبؑ نے کہا: بیٹا زین العابدینؑ! دیکھنا کیا بات ہے؟ زین العابدینؑ نے دیکھا، اماں پڑھو سب مل کر:

"اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ".

مؤمنین! مسلمانوں کی بستی میں فاطمہؑ کی پوتی اُسی کرتے میں دفن ہو گئی جو پہنا ہوا تھا۔ جب قافلہ آلِ محمدؐ مدینے روانہ ہوا ہے تو ان کے دل پر جو سب سے بڑا صدمہ تھا، وہ یہ تھا کہ سکینہؑ ہمیں چھوڑ گئی ہے۔ زینبؑ نے وعدہ کیا تھا: بیٹی! فکر نہ کر، میں بھی یہاں آؤں گی تیرے پاس، اسی شام میں اور وہیں قبر بنی ___ زینبؑ کی بھی ___ شام میں ___

# شامِ شہیداں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم
"اِنَّالِلّٰہِ وَ اِنَّااِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ"

سیدزادو! آج تم اپنے گریبان چاک کر کے زمین پر بیٹھ جاؤ۔ آج سیدانیاں سرکھول کر اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ جائیں۔ آج کی رات ہمارے گھروں میں روشنی نہیں جلنی چاہئے۔ آج حسینؑ کی زندگی کی آخری رات ہے، کل اس وقت دنیا میں حسین نہیں ہوں گے۔

مولاؑ آپؑ کی غربت کی حد ہوگئی۔ آج رات بھی آپؑ نے مانگ لی ہے۔ مولاؑ! ہم نے آپؑ کی یاد میں جلوس نکالا، بازاروں میں ماتم کیا۔ مولاؑ! اللہ کو گواہ کر کے کہتے ہیں کہ ہمیں اپنا وطن عید کو یاد نہیں آتا مگر جب محرم کا چاند دیکھتے ہیں تو اپنا وطن یاد آ جاتا ہے۔ مولاؑ! آج جب ہم آپؑ کا جلوس لے کر آ رہے تھے تو سوچا کہ جلوس کہاں لے جائیں؟ آخر عقل نے کہا: آج کہیں نہیں جانا، آج خیمہ سادات کے سامنے بیٹھ جانا ہے۔ بھائیو! آج نویں محرم کو سادات کا خیمہ آباد ہے۔ بیٹی کے پاس باپ موجود ہے، بہن کے پاس بھائی موجود ہے، بیوی کے پاس شوہر موجود ہے اور عزیزوں کے پاس عزیز موجود ہیں۔ گویا آج شہیدوں کی رات ہے اور کل رات جو آئے گی، وہ غریبوں کی رات ہوگی۔ لہٰذا میں آج آپ کے سامنے مجلس پڑھنے نہیں آیا ہوں بلکہ پوچھنے آیا ہوں کہ آپ لوگ اس طرح زمین پر کیوں بیٹھے ہیں؟ تمہارے سر کیوں ننگے ہیں۔ تمہارے گریبان کیوں چاک ہیں؟ تم ماتم کیوں کر رہے ہو؟ تم پر کیا گزری؟

بھائیو! میں تو یہ کہنے آیا ہوں کہ نہ ہمارا کوئی جوان رہا، نہ بچہ، نہ ہمارے بوڑھے رہے، نہ ہمارا گھر رہا۔ لوگوں نے ہمارے کپڑے کے گھر بھی جلا دیئے۔ آج ہمارا بھرا ہوا گھر تباہ ہوگیا، آج ہم زمین پر بیٹھے ہوئے گریہ کر رہے ہیں۔

مؤمنین! تم سب مل کر ایک دفعہ آواز تو دو___ حسینؑ___ کربلا والے حسینؑ، شہنشاہ حسینؑ___ آپؑ کے دروازے کے بھکاری حاضر ہوئے ہیں حسینؑ! نو دن تک آپؑ کا ماتم کیا ہے حسینؑ! آج آپؑ کے ماتم کو الوداع کہنے آئے ہیں حسینؑ! مولاؑ! آپؑ کی مہمانی نہ کر سکے دل بھر کر، آپؑ کی عزاداری نہ کر سکے۔ مولاؑ! اگر زندہ رہ گئے تو اگلے سال پھر یہ غم منائیں گے، اگر مر گئے تو مولاؑ یہ ہمارا آخری سلام قبول فرمائیے۔

مولاؑ کو ہم نے پکار لیا ہے، اب ایک آواز اور دو___ بی بی زینبؑ___ آج شامِ شہیداں ہے، آپؑ کی پریشانی پر ہماری جان قربان___ بی بیؑ! آج شام ہی سے آپؑ نے چادر نہیں اوڑھی، بی بیؑ! ہماری عورتیں، ہمارے بچے آپؑ کی پریشانی پر قربان ہیں۔ ہم سب آپؑ کو پُرسا دینے آئے ہیں، خصوصاً چھوٹے بچے مل کر پکاریں۔

بی بی سکینہؑ! تمہارے غلام حاضر ہیں۔ کل صبح تم یتیم ہو جاؤ گی۔ سکینہؑ! آج دل بھر کر باپ سے مل لو۔ ہمارے ماں باپ تمہاری یتیمی

پر قربان ہیں۔

بس بھائیو! میں اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں کہ یوم عاشور جب تمام عزیز و اقارب جامِ شہادت کی چکے تو امام حسین علیہ السلام بیت الشرف میں تشریف لائے۔ زہراؑ کا چاند، چہرے پر کربلا کی گرد، دل میں عزیزوں کے درد لئے بھرائی آواز میں کہہ رہا ہے: زینبؑ! آج تمہارا بھائی تم سے جدا ہو کر رخصت ہو رہا ہے۔ بہن! مجھے گلے مل کر رخصت کرو اور دعا کرو کہ خدا مجھے اتنی طاقت دے کہ میں اس مقصد کو، جس کیلئے مجھے میری ماں نے چکی پیس کا پالا تھا، ناناؐ نے کندھے پر سوار کیا تھا، باپؑ نے سینے پر سلایا تھا، آج اس مقصد کو پورا کرنے کیلئے خدا مجھے توفیق دے۔ خدا حافظ بہن! میں جا رہا ہوں۔ سکینہؑ نے عبا کا دامن پکڑ لیا: بابا! آپؑ وہاں جا رہے ہیں جہاں صبح سے جو گیا ہے، واپس نہیں آیا۔ اگر آپؑ آج رات کو واپس نہ آئے تو بابا جان! سکینہؑ کس کے پاس سوئے گی؟ بیٹا! تم آج رات سے اپنی ماں کے پاس سونا__ بابا! اماں کے پاس تو میرا چھوٹا بھائی علی اصغرؑ سوتا ہے؟ میں کیسے سوؤں گی؟__ نہیں میرے لعل! آج سے علی اصغرؑ میرے پاس سویا کرے گا۔ تم اپنی ماں کے پاس سویا کرنا۔ اور دیکھنا بیٹا! خیال کرنا، کسی چیز کی فرمائش نہ کرنا کیونکہ تمہارے بیمار بھائی کے ہاتھ بندھے ہوں گے، پھوپھیاں مجبور ہوں گی مگر تم آرام سے زمین پر سو جایا کرنا۔

اچھا زینبؑ! خدا حافظ، میں جا رہا ہوں۔

شبیرؑ برآمد ہوئے یوں خیمے کے در سے
جس طرح نکلتا ہے جنازہ کسی گھر سے

◉ ◉ ◉

# حضرت سیدالساجدین علیہ السلام

دمشق کا راجہ ظلم واستبداد اور ملوکیت کے تخت پر شراب کے نشے میں چور بیٹھا ہوا ہے۔ ہزاروں لاکھوں ذمہ دارانِ مذہب اُسے جی حضور، جی سرکار کہہ رہے ہیں۔ ہزاروں مقدسین دین اپنی ریش سے وہاں جاروب کشی کررہے ہیں۔ لاکھوں محدثین ومقربین حکومت کی چوکھٹ کے پائے پکڑے ہوئے ہیں اور علیؑ ابن الحسینؑ ہاتھوں میں ہتھکڑی، پاؤں میں بیڑی اور گلے میں خاردار طوق پہنے سامنے کھڑے ہیں۔ بچے دم بخود ہیں۔ محمدؐ کی بیٹیاں اور علیؑ کی بہوئیں عالمِ سکتہ میں ہیں کہ اچانک تختِ یزیدیت پر بیٹھنے والا ایک سفیر (امام حسینؑ کی چھوٹی بچی کی طرف اشارہ کرکے) یزید سے کہتا ہے:

یزید! جنگ میں قید ہوکر جو یہ لڑکیاں آئی ہیں، ان میں سے اس بچی کو مجھے کنیزی میں دیدے۔ اُدھر شامی کی یہ بات سن کر بچی نے "ہائے" کہہ کر بھائی کی طرف دیکھا اور کہا: بھائی جان! یہ کیا ہونے لگا ہے؟ امامؑ ابھی خاموش ہی تھے کہ علیؑ کی بیٹی آگے بڑھیں اور فرمایا: یزید خبردار! ایسی بیہودہ بات نہ کر، ہم کنیز نہیں ہوسکتے۔ یزید نے کہا: قیدی! مجھے اختیار ہے، میں بادشاہ ہوں، میں اگر اس بچی کو دے دوں تو تم کیا کروگے؟ بس یزید کا یہ کہنا تھا کہ امامؑ آگے بڑھے اور فرمایا: یزید! ہمیں جلال نہ دلوا، میری پھوپھی کے سامنے سخت بات نہ کرنا۔ اب جو یہ ردوقدح ہونے لگی، شامی آگے بڑھا اور کہتا ہے: قیدیو! تمہیں معمولی سی بات پر غصہ آ گیا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: شامی! یہ معمولی بات نہیں ہے، یہ ایک مصیبتِ عظمیٰ ہے۔ تجھے پتہ نہیں کہ ہم کون ہیں اور جس بچی کو تو کنیزی میں مانگ رہا ہے، یہ کون ہے؟ شامی پوچھتا ہے: قیدی! تم ہی بتاؤ کہ تم کون ہو؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: شامی! جس بچی کو تو مانگ رہا ہے، یہ فاطمہؑ کی پوتی ہے۔ جس وقت امام علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ فاطمہ کی پوتی ہے تو شامی گھبرا کر یزید سے پوچھنے لگا: کیوں یزید! کیا یہ واقعی فاطمہ زہراؑ کی پوتی ہے؟ یزید خاموش رہا۔ شامی دو قدم پیچھے ہٹا، اپنی کمر سے خنجر نکال کر اپنا ہاتھ کاٹا، جس ہاتھ سے اشارہ کیا تھا۔ پھر کٹا ہوا ہاتھ اپنے دوسرے ہاتھ میں لیا اور کہا: سیدہؑ کی پوتی! میں نے اس ہاتھ سے تیری طرف اشارہ کیا تھا، لہٰذا میں نے اس ہاتھ کو کاٹ دیا۔ بی بی! آپؑ کو اپنے جد کی قسم، مجھے معاف کردیجئے، مجھے پتہ نہ تھا کہ تم کون ہو؟

امامِ سجاد علیہ السلام قبلہ کی طرف منہ کرکے سجدہ میں گر گئے۔ یا اللہ! تیرا شکر ہے کہ محمدؐ کے گھرانے کی عزت بچ گئی۔ شہر دمشق میں زلزلہ آیا اور شامی خود راوی ہے کہ ہم نے ایک آواز سنی کہ کوئی کہہ رہا تھا:

"اِرْفَعْ رَأْسَکَ اَنْتَ سَیِّدُ السَّاجِدِیْنَ".

"پس اپنا سر اُٹھا لے، اس عالم میں سجدہ کرنے والے!" تو سارے سجدوں سے بڑھ گیا۔

# پروردہ آغوشِ رسالت

خداوند عالم کی حمد وثناء کے بعد حضرات محمدؐ وآلِ محمدؐ پر درود وسلام۔

مؤمنین کرام! خداوند عالم نے اپنے خاص فضل وکرم سے دنیائے انسانیت کوانسان کے اپنے قائم کردہ اصول وضوابط سے نجات دلا کر ایک ایسا ہمہ گیر اور عالمگیر نظامِ حیات عطا فرمایا کہ جس عمل کے کرنے سے ایک انسان دوسرے انسان کی غلامی سے ہمیشہ کیلئے آزاد ہوجائے اور کوئی انسان اپنی مادّی طاقت کے بل بوتے پر کسی دوسرے انسان پر حکومت نہ کرسکے۔ گویا اس عدل اور مساوات انسانی پر قائم نظام کا نام اسلام ہے۔

اسلام ہی وہ دین ہے، اسلام ہی وہ طریقہ حیات ہے جس نے تمام انسانوں کو اخوت وبرادری کے مضبوط رشتے میں منسلک کردیا اور بتادیا ہے کہ انسان دوسرے انسانوں پر فوقیت صرف اس صورت میں رکھتا ہے کہ وہ جتنا زیادہ متقی ہوگا، اچھے اخلاق سے آراستہ ہوگا، اپنے خدا سے قریب ہوگا، اُتنا ہی زیادہ باعزت ہوگا۔

حضورِ والا! یہی وہ نظام تھا جس کو قبول کرنے کیلئے وہ طبیعتیں آسانی سے تیار نہ تھیں جن کی نسلیں محض مادی برتری کی بناء پر لوگوں پر حکومت کرتے گزریں یا جنہوں نے دوسروں کی کمائی پر عیش کی اور جو صرف مادی طاقت کے بھروسے پر دوسرے لوگوں پر بلاوجہ مسلط رہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بانیٔ اسلام کی رحلت کے کچھ ہی دن بعد وہ نظامِ جاہلیت، وہی انسان پر انسان کی حکومت، وہی توقف وبرتری کا جذبہ، وہی انسانی غلامی، گویا یہ سب چیزیں یزیدیت وملوکیت کی شکل میں دنیا کے سامنے آگئیں۔ اس کا سب سے بڑا افسوسناک پہلو یہ تھا کہ ایک طرف یزیدیت وملوکیت کی بہترین شکل کی نمائندگی کرتے ہوئے اپنے آپ کو خلیفۃ المسلمین، رسول کا نمائندہ اور اللہ کا نائب بھی قرار دیتا تھا اور دوسری طرف مسائلِ شریعہ اور فرمانِ خدا اور رسولؐ خدا کا مذاق اُڑایا جارہا تھا۔ گویا یزید کی اس ظالمانہ اور جابرانہ حکومت کو تسلیم کرنے کے معنی یہ تھے کہ یہ مان لیا گیا کہ خدائی نظام یہی ہے اور اسلام کی تعلیم یہی ہے۔

مؤمنین کرام! یزید ملعون کی اس ظالمانہ روش کو چاہے ساری دنیا تسلیم کرے یا نہ کرے، مگر پروردۂ آغوشِ رسالت جنابِ فاطمہ کے دودھ سے پلا ہوا انسان، جس کے رگ وریشہ میں صحیح اسلامی روح سرایت کئے ہوئے تھی، جو اسلام کی جیتی جاگتی ایک تصویر تھا، جس نے بانیٔ اسلام کے سینے اور کاندھوں پر کھیل کر پرورش پائی تھی، جس نے پیدا ہوتے ہی زبانِ رسالتؐ چوس کر پہلی غذا حاصل کی تھی، جس کو جنابِ رسولؐ خدا نے جوانانِ جنت کا سردار کہا تھا۔ باغیرت باپؑ کا باغیرت بیٹا اور دنیا کے سب سے عظیم انسان کا عظیم نواسہ، کبھی یہ برداشت نہیں کرسکتا تھا کہ ایک جابر وظالم حکمران اپنی حکمرانی کے غرور میں اسلامی اصول کو پامال کرکے دنیا کے سامنے یہ ثابت کرے کہ انسان کی ذہنی غلامی ہی اسلام کی تعلیم تھی، لہٰذا وہ محسن اعظم اس اصول کو ختم کرنے کیلئے اور اس اصول کی اطاعت نہ کرنے کیلئے اور ہر قسم کی مصیبتوں اور

آفتوں کا مقابلہ کرنے کیلئے میدانِ عمل میں اُتر آیا۔

یادرکھو! امام حسین علیہ السلام ہی ان تمام خوبیوں کا مظہر ہیں جن کے نام کے اندر تمام اخلاقِ حسنہ مضمر ہے۔ آج دنیائے انسانیت کا عظیم ترین ہیرو اور مسلمانوں کا مایہ ناز انسان اور دنیائے اسلام پر حکومت کرنے والا شہید یعنی حسینؑ ابن علیؑ محض اس لئے اپنے معصوم بچوں اور اہل وعیال، دل کے ٹکڑوں اور اپنے جگر گوشوں کو لے کر میدان میں اُتر آیا کہ میرے ناناؐ نے اور ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء نے جس عادلانہ نظام کی بنیاد رکھی تھی، وہ ایک شخص کے ہاتھوں مٹ رہا ہے، جس میں مٹتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ لہٰذا میں اس کے خلاف جہاد کروں گا۔ گویا حسینؑ کی یہ جنگ نہ تھی بلکہ اصول کی خاطر ایک جہاد تھا۔

عزادارو! خدا نے اس عظیم جہاد کیلئے یومِ عاشور 61ھ کی تاریخ مقرر فرمائی تھی۔ کربلا کا چٹیل میدان، ریگزار او بیابان جنگل میں انسان گزرتے ہوئے ڈرتے تھے، مگر قدرت اپنی حکمت سے اس جنگل کو، اس خیر وشر کے معرکہ کے بعد عرشِ معلیٰ کا ہمسر بنانا چاہتی تھی۔ لہٰذا آج حسینؑ اپنی عزیز ترین متاع لئے ہوئے اس بیابان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک طرف دشمن کی مادی طاقت کی پوری یلغار، حکومت کی منظم فوجوں کی یورش، خزانوں کے منہ کھلے ہوئے، بے شمار تلواروں کی جھنکار، بے انتہا نیزوں کی جھلک اور ہزاروں کمانوں کا کھینچنا اور دوسری طرف بہتر (۷۲) بھوکے پیاسے، جن میں بوڑھے، بچے اور کمزور عورتیں ہیں، کو لئے ہوئے دنیا کا سب سے بڑا اخلاقی طاقت کا مظہر انسان، انسانی مساوات کا سب سے بڑا علمبردار اور جنابِ رسولِ اکرمؐ کی کندھوں پر کھیل کر جوان ہونے والا انسان اپنی بظاہر کمزور فوج کو لے کر دنیا کی سب سے بڑی طاقت سے نبرد آزما ہونے کیلئے کربلا میں موجود ہے۔

بزرگانِ من! چشمِ فلک نے ستاروں کی عینک لگا کر دیکھا کہ شامِ عاشور فوجِ یزید اپنی ظاہری فتح کا جشن منا رہی تھی۔ ہائے ہو اور شور وشر سے کربلا کا میدان گونج رہا تھا اور ایک طرف خیموں کی جلی ہوئی راکھ اور گرم ریت پر شریف ترین انسانوں کے بے گور وکفن لاشے ہیں اور کچھ بیکس وبے سہارا عورتیں عالمِ قید میں ریت کے ٹیلوں کی اوٹ میں خاموش بیٹھی ہیں۔ دنیا تو یہ سمجھی تھی کہ حق کو شکست ہوگئی ہے اور باطل نے اپنی فتح کے شادیانے بجا دیئے۔ مگر آج کا بے داغ مؤرخ اس وقت بھی لکھ رہا تھا اور آج بھی لکھ رہا ہے کہ حق شکست کیلئے پیدا نہیں ہوا، حق کبھی نہیں ہارتا۔ آج دنیا نے دیکھ لیا کہ حسین علیہ السلام کو فتح ہوئی ہے اور یزید کو بُری طرح شکست ہوئی ہے۔ گویا دنیا کے سب سے بڑے آمر (Dictator) کا نام آج گالی بن گیا ہے۔

لہٰذا کوئی شخص یزید یا اولادِ یزید بننا اپنے لئے گوارا نہیں کرتا مگر کروڑہا انسان حسینؑ کی غلامی پر آج بھی فخر محسوس کرتے ہیں۔ گویا حسینؑ قیودِ مذہب وملت اور جغرافیائی حدود سے آزاد ہو کر دنیائے عالم کے تمام انسانوں کے دلوں پر حکومت کر رہا ہے اور آج کرۂ ارض پر کروڑہا انسان حسینؑ کی اس عظیم قربانی کی یاد منا رہے ہیں اور تمام زمین وفضا آج ہائے حسینؑ اور واہ حسینؑ کے نعروں سے گونج رہی ہے۔ آج حسینیت زندہ باد کی ابدی صدا ہر انسان کے کان میں آرہی ہے۔ گویا یہ وہ فتح ہے عظیم ہے جو حسینؑ کی شہادتِ عظمیٰ نے حاصل کی۔

نوجوانو! خوب یاد رکھو کہ حسینؑ نے ہمیں بتا دیا ہے کہ انسانی غلامی ایک عار ہے، ایک ذلت ہے اور اس ذلت کی زندگی سے مرجانا

ہی بہتر ہے اور اللہ کے، وحدہٗ لاشریک کے دروازے پر سر جھکانے والا انسان کبھی کسی طاغوتی طاقت کے سامنے سر نہیں جھکا سکتا۔ اس کا سر تو کٹ سکتا ہے، مگر جھک نہیں سکتا۔ اس کا سر نوکِ نیزہ پر بلند تو ہوسکتا ہے مگر یزیدیت کی اطاعت قبول نہیں کرسکتا۔ اس کی بہنیں اور بیٹیاں قید تو ہوسکتی ہیں مگر ظالم و سرکش کے دربار میں اعلانِ حق کی طاقت سے ملوکیت کے درباروں کی چولیں ہلا سکتی ہیں۔

مؤمنین! حسینؑ نے اپنے جوانوں، بیٹوں اور بچوں کا خون دے کر اسلام کو اتنا قوی بنا دیا کہ قیامت تک اسلام کی جڑوں کو کوئی طاقت کھوکھلا نہیں بنا سکتی۔ بے شک ظلم و استبداد کہیں کہیں آج بھی زندہ ہے مگر:

یاد رکھو! اس ظلم کے خلاف آج بھی حسینؑ کی آواز بلند ہو رہی ہے اور قیامت تک ہوتی رہے گی۔ لہٰذا آج ہم حسینؑ کا شکریہ ادا کرتے ہیں:

حسینؑ! آپ نے دنیا میں ایک ایسا باغ لگا دیا ہے جس کے پھل انسانیت کو ہمیشہ ملتے رہیں گے اور جس کے درختوں کے زیرِ سایہ ستائی ہوئی انسانیت ہمیشہ پناہ لیتی رہے گی۔

حسینؑ! آپ کا نام انسان کو پناہ دینے کا ضامن ہے۔

حسینؑ! آپ کا ذکر انسانیت کی سربلندی کا ذریعہ ہے۔

حسینؑ! آپ کے ماتم کی صدا دنیائے انسانیت کو سکون بخشتی ہے۔

حسینؑ! آپ کی یاد انسان کو کھویا ہوا مقام دلا سکتی ہے۔

حسینؑ! آپ کی محبت ہم گناہگاروں کا ذریعہ شفاعت ہے۔

## پانچواں باب

# روایات

منقول از

ادیب اعظم

علامہ سید ظفر حسن امروہوی رح

# وفاتِ حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا

جنابِ فاطمہؑ کیلئے اس دنیا میں سب سے بڑا صدمہ آنحضرتؐ کی وفات کا تھا جب آپؐ مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور بخار شدید ہوگیا تو جنابِ سیدہؑ خبر پاتے ہی حاضر خدمت ہوئیں اور آپ کی دلجوئی اور راحت رسانی کی خدمت انجام دینے لگیں۔ جب تک مرض میں کوئی خاص شدت پیدا نہ ہوئی، آپؑ کا یہ معمول رہا کہ ہر روز آنحضرتؐ کی ضرورتِ خدمات سے فارغ ہو کر تھوڑی دیر کیلئے گھر تشریف لے جاتیں اور اپنے گھر کے کام انجام دے کر آتیں۔ مگر جب مرض میں شدت ہوئی اور حالت دگرگوں ہونے لگی تو آپؑ نے گھر جانا ہی چھوڑ دیا اُس وقت سے لے کر دمِ آخریں تک حضورؐ کی خدمت ہی میں حاضر رہیں۔ ان سے یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ ایسے شفیق اور مہربان باپ کو ایسی نازک حالت میں چھوڑ کر اپنی کسی ضرورت کو اُن کی خدمت پر ترجیح دیتیں۔ اس وقت جو سیدہؑ کے دل پر گزر رہی تھی، اس کا اندازہ کرنا ممکن نہیں۔ اُنؑ کا غمگین دل یہ محسوس کر رہا تھا کہ آپؐ ایسے شفیق باپ کا سایہ ہمیشہ کیلئے میرے سر سے اُٹھ گیا ہے جو میرے شرف و مفاخرت، عزت وعظمت، آرام وآسائش کا باعث ہے۔ ایسے قیامت خیز وقت میں اپنا اور بچوں کا خیال جنابِ سیدہؑ کے دل میں کیسے پیدا ہوسکتا تھا!

آپؑ کو سوائے اپنے پدرِ بزرگوار کے اور کسی کا خیال ہی نہ تھا۔ حسرت بھری نظروں سے ہر وقت چہرۂ مبارک کو تکتی رہتی تھیں۔ اگر آثار اچھے پائے جاتے تو بے کل دل کو تھوڑی سی تسکین ہو جاتی ورنہ اضطراب و انتشار اور زیادہ ہو جاتا۔ غرض اس اُمید وبیم کی حالت میں حضور نبی اکرمؐ کا مرض کا تمام زمانہ کٹا۔ جب شدتِ مرض میں کچھ افاقہ ہوتا تو حضرتؐ بیٹی کی طرف حسرت سے دیکھ کر رہ جاتے تھے۔ کبھی اپنی پارۂ دل کو اپنی چھاتی سے لگا لیتے تھے اور تسکیل و دل جوئی کی باتیں کرتے تھے۔ پیارے نواسے بھی بیماری کی ایسی شدید حالت میں رات دن گلے کا تعویذ بنے ہوئے تھے۔ اگر جنابِ سیدہؑ بے چینی کے خیال سے بچوں کو دور رکھنا چاہتی تھیں تو حضورؐ کو یہ بے رُخی ناگوار ہوتی تھی اور فوراً پاس بلا کر سینے سے لگا لیتے تھے۔

حضورؐ کو یقین ہوگیا تھا کہ اب زندگانی دنیا میں چند سانس باقی ہیں تو آپؐ نے عزیزوں کو پاس بلا کر اُن سے رخصت ہونا شروع کیا۔ اسی سلسلہ میں جنابِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو بلا کر اپنے سینے سے لگایا اور دیر تک آنکھیں بند کئے رہے۔ بعض لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ روح حضرتؐ کے جسم سے مفارقت کر گئی ہے۔ حضرت فاطمہؑ نے سر اُٹھا کر کہا: بابا! لیکن حضرتؐ نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر کہا: بابا___ میری جان آپؐ پر فدا___ آنکھ تو کھولئے، کچھ بات تو کیجئے۔ حضرتؐ نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا: بیٹی! مت روؤ___ تمہارے رونے سے آسمان پر ملائکہ غمگین ہیں۔ یہ فرما کر آپؐ نے سیدہؑ کے چہرے سے آنسو پونچھے اور فرمایا: خداوندا! میری جدائی میں سیدہؑ کو صبر عطا فرما۔ پھر فرمایا: پیاری بیٹی! جب فرشتے میری روح قبض کرلیں تو کہنا:

"اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّااِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ".

جنابِ سیدہؑ نے عرض کی: بابا! آپ کا عوض دنیا میں میرے لئے کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔ یہ سن کر حضرتؐ نے آنکھیں بند کرلیں۔
جنابِ سیدہؑ نے پوچھا: بابا! کیا آج پھر تکلیف زیادہ ہے؟ فرمایا: بیٹی! آج کے بعد تمہارے بابا پر کوئی تکلیف نہ رہے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت کی وفات نے جنابِ سیدہؑ کو زندہ درگور کردیا تھا۔ آپؑ کو سوائے رونے کے کوئی کام ہی نہ تھا۔ کم بیٹیاں اپنے باپ کو اتنا روئی ہوں گی جتنا جنابِ سیدہؑ اپنے بابا کو روئیں۔ حضرت کی وفات کے بعد آپؑ پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور مسلمانوں نے آپؑ کو وہ دکھ پہنچائے کہ ان کے ذکر کی تاب نہیں۔ خود سیدہؑ فرماتی ہیں:

''صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبٌ لَوْ اَنَّهَا. صُبَّتْ عَلَى الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا''.

''ایسے مصائب میرے اوپر پڑے کہ اگر دنوں پر پڑتے تو راتیں بن جاتے''۔

حضرت کی وفات کے بعد کل 75 روز تو زندہ ہی رہیں لیکن اس مدتِ قلیل میں ایک دن میں بھی چین نہ پایا۔ ایک غم ہو تو کہا جائے، ایک صدمہ ہو تو سہا جائے، یہاں تو مصائب و آلام کا وہ تانتا بندھا تھا کہ ٹوٹنے ہی میں نہ آیا۔ حق تلف کیا گیا تو انؑ کا، ملکیت ضبط ہوئی تو انؑ کی، گواہی جھٹلائی گئی تو انؑ کی۔ توقع یہ تھی کہ حضور نبیؐ اکرم کی وفات کے بعد لوگ ہمدردی کریں گے۔ رسولِؐ خدا کو یاد رکھیں گے۔ دل سے نہ سہی تو ظاہر داری ہی سہی لیکن افسوس! ان سب اُمیدوں پر پانی پھر گیا۔ عام لوگوں کی اولاد کے ساتھ بھی وہ برتاؤ نہیں کیا جاتا جو خود دخترِ رسولؐ کے ساتھ کیا گیا۔ حضورؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی دنیا پرستوں کی نگاہیں پھر گئیں، دل پلٹ گئے، حالتیں بدل گئیں۔ گویا فاطمہؑ وہ فاطمہؑ ہی نہ تھیں اور جن کی قدر و منزلت کرتے ہزار بار آنحضرتؐ کو دیکھ چکے تھے۔ عرض یہ ہے کہ حضرت رسولِؐ خدا کی وفات کے بعد جنابِ سیدہؑ کی زندگی کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ زندہ رہنے کو تین ماہ کے قریب زندہ رہیں لیکن زندہ درگور اور حسرت و یاس کی تصویر بن کر۔ ہر وقت شفیق باپ کی صورت انؑ کی نگاہوں میں تھی۔ جب کوئی حضرتؐ کا نام لیتا تو ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگتے تھے۔ کئی بار ایسا ہوا کہ اِدھر حضرت بلال نے مسجد میں اذان شروع کی، اُدھر سیدہؑ پر رقت طاری ہوئی اور ایک آہ کا نعرہ مارتیں اور بیہوش ہوجاتیں۔ لوگ بلال سے کہتے: جلد اذان تمام کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ دخترِ رسولؐ رحلت کرجائیں۔

آپؑ کا معمول تھا کہ جب حضرت کی یاد دل کو زیادہ بے چین کرتی تو قبر مبارک پر چلی جاتیں اور یہ شعر پڑھ کر خاک کو آنسوؤں سے بھگوتی رہتیں:

جس نے محمدؐ کی قبر کی خاک کو سونگھ لیا، وہ پھر دنیا کی کسی خوشبو کو سونگھنے کا مشتاق نہ ہوا۔ میرے اوپر مصیبتیں اس طرح منڈلا رہی ہیں کہ اگر ان کا سایہ آفتاب پر پڑ جاتا تو تمام دنیا میں تاریکی پھیل جاتی۔

جس قدر زمانہ گزرتا جاتا تھا، سیدہؑ کا ضعف بڑھتا جاتا تھا اور چہرہ پر مردنی چھاتی جاتی تھی۔

امیر المؤمنین علیہ السلام ہر چند ٹوٹے دل کو تسلی دیتے تھے لیکن تڑپ میں کمی کہاں اور اضطراب میں سکون کیسا! جس صدمہ کا تصور بندھ جاتا ہے، گھنٹوں رُلانے کو کافی ہوتا ہے۔ باپ کی موت کا صدمہ ہی مرنے کو کیا کم تھا جو اور سینکڑوں مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ جنابِ سیدہؑ کی وفات کا وقت قریب آیا تو ایک روز حسنینؑ کو اپنے ساتھ لے کر روضہ رسولؐ پر گئیں اور قبر و منبر کے درمیان دو رکعت نماز پڑھی اور قبر انور کو سینے سے لگائے روتی رہیں اور کہتی رہیں: بابا! اب سیدہؑ کو دنیا میں رہنا سخت ناگوار ہے۔ آپ کی جدائی کے صدمہ نے مجھے ہلکان کر دیا ہے۔ وہاں سے واپس آئیں تو آپؑ نے حسنینؑ شریفین کو نہلایا، لباس تبدیل کروائے، بالوں میں کنگھی کی۔ پھر آٹا گوندھ کر روٹیاں تیار کیں۔ امیر المؤمنینؑ جو گھر میں تشریف لائے تو دیکھا کہ سیدہؑ بیک وقت بہت سے کاموں میں مشغول ہیں۔ فرمانے لگے: اے بنتِ رسولؐ! آج کیا بات ہے کہ آپؑ نے بہت سے کام انجام دیئے ہیں؟ یہ سننا تھا کہ جنابِ سیدہؑ رونے لگیں اور فرمایا: اے علیؑ! تھوڑی دیر کیلئے میرے پاس بیٹھئے اور میری چند وصیتیں سن لیجئے۔ یا علیؑ! اب دنیا میں زیادہ رہنے والی نہیں۔ آج رات کو میں آپؑ سے ہمیشہ کیلئے جدا ہو جاؤں گی۔

میں بابا جان کی قبر پر رو رہی تھی کہ میری آنکھ لگ گئی۔ خواب میں دیکھا کہ حضورؐ مجھے چھاتی سے لگائے ہوئے ہیں اور فرما رہے ہیں: اے جانِ پدر! تو نے بڑے غم اٹھائے ہیں۔ آج تیرے مصائب و آلام کا خاتمہ ہو جائے گا۔ آج رات تو میرے پاس ہوگی۔ بس مجھے یقین ہے کہ آج رات کو رحلت کر جاؤں گی۔ میں نے اپنے بچوں کو اسی لئے نہلا دھلا کر کپڑے بدلوا دیئے ہیں اور کھانا تیار کر دیا ہے کہ میری موت کے بعد آپؑ کو میرے ماتم میں اتنا موقعہ کہاں ملے گا کہ میرے بچوں کی خبر لے سکیں یہ سن کر امیر المؤمنین علیہ السلام زار زار رونے لگے۔

جنابِ سیدہؑ نے فرمایا: علیؑ! میری خاص وصیت یہ ہے کہ میرے بعد آپؑ عقد ثانی ضرور کیجئے گا کیونکہ بیوی کے بغیر گھر کا انتظام نہیں ہو سکتا۔ دوسرے میرے بچے بھی تنہائی کے عالم میں پریشان ہوں گے۔ یا علیؑ! میرے بچوں کو میرے بعد کسی طرح کی تکلیف نہ ہو ورنہ مجھے قبر میں بھی چین نہ ملے گا۔

امیر المؤمنین علیہ السلام نے رو کر فرمایا: سیدہؑ! آپؑ اس کی بالکل فکر نہ کریں۔ میں اپنے بچوں سے کبھی غافل نہیں ہو سکتا۔ پھر جنابِ سیدہؑ نے فرمایا: ایک خاص وصیت میری یہ ہے کہ میرے دشمنوں کو میرے جنازے پر نہ آنے دینا اور یہ کہ میرا جنازہ رات کے وقت اٹھانا تاکہ کسی نامحرم کی نظر میرے جنازے پر نہ پڑے۔

یہ وصیتیں سن کر امیر المؤمنین علیہ السلام تو نماز کیلئے مسجد میں تشریف لے گئے اور جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا نے فضہ سے کہا کہ میں ذرا دیر کیلئے سونا چاہتی ہوں، مجھے بیدار نہ کرنا۔ تم یہیں موجود رہنا، جب ایک گھڑی گزر جائے اور میں باہر نہ نکلوں تو مجھے تین آوازیں دینا، اگر جواب دوں تو اندر چلی آنا اور اگر جواب نہ ملے تو سمجھ لینا کہ میں اپنے بابا کی خدمت میں پہنچ گئی ہوں۔ اس کے بعد جنابِ سیدہؑ اپنے حجرے میں تشریف لے گئیں اور چادرِ رسولؐ اوڑھ کر لیٹ گئیں۔ جب ایک ساعت گزر گئی تو فضہ نے آواز دی، کوئی جواب نہ ملا تو حجرے کے اندر داخل ہوئیں، چادر کو چہرۂ انور سے ہٹا کر دیکھا تو سیدہؑ عالم دنیا سے رخصت ہو چکی تھیں۔

فرطِ غم سے فضہ کا عجیب حال ہو گیا۔ گریبان چاک کر لیا اور روتی ہوئی حجرہ سے باہر نکلیں۔ اتنے میں دونوں صاحبزادے بھی آ گئے۔ پوچھا کہ آپ کیوں پریشان ہیں؟ ہماری والدۂ گرامی کہاں ہیں؟ فضہ خاموش رہیں۔ دونوں صاحبزادے بیتابی سے حجرے میں داخل ہوئے۔ امام حسین علیہ السلام نے شانہ پکڑ کر ہلایا اور زور زور سے ہلایا مگر وہاں کیا تھا۔ سمجھ گئے کہ شفیق ماں کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ دونوں

بھائی "وَا اُمَّاہُ، وَا اُمَّاہُ" زار زار روتے ہوئے مسجد میں پہنچے۔ امیر المؤمنین علیہ السلام کو اطلاع دی۔ یہ خبرِ وحشت اثر سنتے ہی آپؑ پر غشی طاری ہوئی کہ ہوش میں لانے کیلئے جنابِ علی مرتضیٰ علیہ السلام کے چہرۂ مبارک پر پانی چھڑکا گیا۔

جب ہوش آیا تو انتہائی غمگین اور اُداس حالت میں گھر میں تشریف لائے اور حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے حجرہ میں داخل ہوئے۔ اُس وقت فضہ جنابِ سیدہؑ کے سرہانے بیٹھی رو رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں: آہ___ جناب ہم اپنی آقازادی جنابِ فاطمہؑ کو دیکھتے تھے تو حضرت رسولِؐ خدا کی صورت آنکھوں میں پھر جاتی تھی۔ اب کس کے چہرے کو دیکھ کر حضور نبیؐ اکرم کی زیارت کیا کریں گے؟ حضرت علی علیہ السلام نے جنابِ سیدہؑ کے چہرے سے گوشہ چادر کو ہٹایا تو سرِ اقدس کے پاس ایک لکھا ہوا وصیت نامہ ملا۔ آپؑ نے اُسے اٹھا کر پڑھا، لکھا تھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ فاطمہؑ، دخترِ رسولؐ کی وصیت ہے۔ وہ گواہی دیتی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر حضرت محمدؐ اللہ کے رسولؐ ہیں اور اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ جنت حق ہے اور دوزخ کا وجود بھی حق ہے یعنی جنت بھی ہے اور جہنم بھی۔ اور قیامت ضرور آنے والی ہے۔ کسی طرح کا اس میں شبہ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے میرا عقد آپؑ سے کیا تا کہ دنیا و آخرت میں آپؑ کی شریکِ حیات بنوں اور آپؑ میرے لئے سب سے زیادہ اولیٰ و افضل ہیں آپؑ ہی مجھے غسل دینا اور کفن پہنانا اور دفن کرنا۔ میرا جنازہ رات کو اٹھانا اور کسی کو خبر نہ دینا۔ میں آپؑ کو خدا کے سپرد کرتی ہوں اور اپنی اولاد کو جو قیامت تک ہوگی، سلام کرتی ہوں"۔

آہ___ اس وقت حضرت علی علیہ السلام کے گھر میں عجیب کہرام تھا۔ ایک طرف حسنینؑ رو رو کر جان کھو رہے تھے، دوسری طرف زینبؑ و اُم کلثومؑ مصروفِ گریہ و ماتم تھیں۔ امیر المؤمنینؑ سر پکڑے بیٹھے تھے اور زار زار رو رہے تھے۔ جب رات ہوگئی تو حضرت علی علیہ السلام نے تجہیز و تکفین کا سامان فراہم کیا اور خود ہی جنابِ سیدہؑ کو غسل دیا۔ جب غسل سے فارغ ہوئے تو ردائے رسولؐ کا کفن دیا۔

سیدہؑ کا جنازہ تیار ہوا، بیٹیاں جنازے کے آس پاس سر پیٹ رہی تھیں۔ اس کے بعد سیدہؑ کی نمازِ جنازہ گھر ہی میں پڑھائی۔ آپؑ کے ساتھ خاص خاص اصحاب تھے جیسے سلمان فارسیؓ، ابوذر غفاریؓ، عمارِ یاسرؓ وغیرہ، اور کسی کو سیدہؑ کی وفات کی خبر نہ ہوئی۔ جب نصف شب گزر گئی تو امیر المؤمنینؑ چند ہاشمی جوانوں اور مخصوص اصحابِ رسولؐ کے ساتھ سیدہؑ کا جنازہ گھر سے لے کر نکلے، کچھ دور گئے تھے کہ آپؑ نے دیکھا کہ ایک بچی برقعہ میں لپٹی ہوئی جنازے کے ساتھ ساتھ ہے۔ امام حسن علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ عرض کی: ہماری بہن زینبؑ ہے۔ آپؑ نے جنابِ زینبؑ کے سر پر دستِ شفقت رکھ کر فرمایا: زینبؑ بیٹی! تم گھر واپس چلی جاؤ۔ میں کہتا ہوں: یا علیؑ! آپؑ کو زینبؑ کے پردہ کا اتنا خیال تھا کہ رات کو بھی ماں کے جنازے کے ساتھ نہ جانے دیا مگر آہ___ آہ، آپؑ کہاں تھے بازارِ کوفہ و شام میں جب اشقیائے وقت آپؑ کی اسی بیٹی زینبؑ کو بغیر چادر و مقنعہ کے بے پالان اونٹوں پر سوار کر کے کربلا سے کوفہ تک اور کوفہ سے شام تک لے گئے تھے۔ آہ! جس کی ماں کا جنازہ بھی رات کو اُٹھے، اُس کی بیٹی ایک دن دربارِ ابن زیاد اور دربارِ یزید میں بغیر پردہ کے اس طرح کھڑی ہو کہ ہاتھ پس گردن بندھے ہوئے تھے اور شمر ملعون بھرے دربار میں تعارف کروا رہا تھا کہ یہ زینبؑ ہے اور یہ اُم کلثومؑ ہے۔

الغرض امیر المؤمنین علیہ السلام سیدہؑ کا جنازہ لے کر جنت البقیع میں پہنچے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ رسولِؐ خدا کی پیاری بیٹی

کو اپنے باپؐ کے پہلو میں دفن ہونے کی جگہ نہ مل سکی۔لکھا ہے کہ جب جنازہ جنت البقیع میں پہنچا تو ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں: ادھر لائیے۔آگے بڑھے تو ایک مقام پر کھدی ہوئی قبر تیار ملی۔آہ!اسی میں امیر المؤمنینؑ نے رحمۃ للعالمین کی پیاری بیٹی کو سپردِ خاک کر دیا۔

اس کے بعد حضرتؑ قبر کے سرہانے بیٹھ گئے اور زمین سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے: اے زمین! میں اپنی امانت کو تیرے سپرد کرتا ہوں، یہ دختر رسولؐ ہیں۔یہ خدا کی پیاری ہیں۔یہ علیؑ کی زوجہ ہیں۔زمین سے آواز آئی: اے علیؑ! آپؑ میری طرف سے اطمینان رکھیں۔اس کے آپؑ نے زمین کو ہموار کر دیا کہ کسی قبر کا نشان معلوم نہ ہو۔پھر آپؑ نے یہ مرثیہ پڑھا:

''یہ کیا معاملہ ہے کہ میں اپنے حبیب کی قبر پر کھڑا اسلام کر رہا ہوں لیکن وہاں سے سلام کا جواب نہیں ملتا۔اے فاطمہؑ! آپؑ کو کیا ہو گیا ہے کہ آپؑ میری بات کا جواب نہیں دیتیں؟ آپؑ خاموش کیوں ہیں؟'' (دیوانِ علیؑ)۔

جواب آیا: ''یا علیؑ! میں تو پتھروں اور مٹی کے نیچے مدفون ہو چکی ہوں۔آپؑ کی بات کا کیونکر جواب دوں؟ میں آپؑ اور اپنی اولاد اور عزیزوں کی نظر سے چھپ گئی ہوں۔میرا اسلام قبول فرمائیے''۔

لکھا ہے کہ جنابِ امیر علیہ السلام کا اس کے بعد یہ معمول رہا کہ روز صبح کو اپنے بچوں کا ہاتھ پکڑ کر سیدۂ عالم کی قبر پر لے جاتے۔وہاں زینبؑ و اُمِ کلثومؑ ماں کی قبر پر بیقرار ہو ہو کر روتیں۔

آہ ___ خوش نصیب تھیں کہ انؑ کو ماں کی قبر پر جی بھر کے رونا نصیب تو ہو گیا۔کیا کرتی وہ بچی جو کربلا میں اپنے مظلوم باپؑ کی لاش پر رو نہ سکی۔جنابِ زینبؑ و اُمِ کلثومؑ نے اپنی ماں کی صفِ ماتم تو بچھائی، زنانِ بنی ہاشم نے پُرسہ تو دیا لیکن آہ ___ آہ!سکینہؑ کو پرسہ دینے والا کون تھا؟ وہاں صفِ ماتم بچھنے کا ذکر کیا تھا؟ اگر کوئی بچی باپ کی لاش پر روتی بھی تو شمر طمانچے مارتا تھا۔حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے قبر جنابِ سیدہؑ کو زمین ہموار کر کے چھپایا۔حضرتؑ کو ضرور یہ اندیشہ ہو گا کہ کہیں وہ لوگ جن کو جنازہ پر آنے کی اجازت نہیں دی گئی، دختر رسولِ خدا کی قبر کے ساتھ کوئی بے ادبی نہ کریں اور نماز پڑھنے کے بہانے سے قبر کھود کر سیدہؑ کو باہر نہ نکال لیں۔افسوس صد افسوس!لوگوں نے دختر رسولؐ کی کچھ قدر نہ جانی۔ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ لوگوں نے رسولِؐ خدا کی اس پارۂ جگر کی قبر کا نشان تک بھی روئے زمین پر رکھنا پسند نہ کیا اور روضہ رسولؐ کو شہید کر کے قبر ایسی منہدم کر دی کہ اب مرقدِ سیدہؑ کا نشان بھی نظر نہیں آتا۔اب کہاں وہ جنت البقیع جہاں معصومینؑ کے مقابر کی زیارت کو مؤمنین جایا کرتے ہیں۔

◉ ◉ ◉

# شہادتِ امیرالمؤمنین علیہ السلام

حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ کتبِ تواریخ میں اس طرح منقول ہے کہ نہروان کے خارجیوں نے جنگِ نہروان میں امیر المؤمنین علیہ السلام سے شکست کھانے کے بعد یہ طے کیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو، علی علیہ السلام کو قتل کیا جائے۔ ان میں ایک بدکردار عورت قطام نامی تھی جس کے باپ، بھائی اور شوہر جنگ نہروان میں کام آئے تھے۔ وہ اس روز سے امیر المؤمنین علیہ السلام کے خون کی پیاسی ہوگئی تھی۔ عبدالرحمن ابن ملجم مرادی جو نہروان کے خوارج میں سے تھا، اس سے عقد کرنا چاہتا تھا۔ قطام کو یہ موقعہ حصولِ مقصد کیلئے اچھا معلوم ہوا کہ اس نے ابن ملجم سے کہا کہ میں اس شرط پر تیرے نکاح میں آنا قبول کروں گی کہ تو علیؑ ابن ابی طالبؑ کو قتل کردے۔ یہ سن کر وہ گھبرایا اور کہنے لگا: علیؑ کا قتل کرنا تو نے کوئی آسان کام سمجھا ہے؟ اس ملعونہ نے کہا کہ میرا ملنا بھی آسان نہیں۔ چونکہ وہ شقی ازلی اس ملعونہ سے ہر حال میں شادی کرنا چاہتا تھا، اس لئے اُس نے اقرار کرلیا اور یہ اپنا ارادہ پورا کرنے کیلئے کوفہ آ پہنچا اور اُنیس رمضان المبارک کی شب کو مسجد کوفہ میں آکر روپوش ہوگیا۔

لکھا ہے کہ اُنیس کی شب کو بعد افطار جنابِ اُمِ کلثومؑ نے اپنے پدرِ بزرگوار کے سامنے جب کھانا لاکر رکھا تو جَو کی روٹی کے علاوہ ایک پیالے میں نمک تھا، دوسرے میں دودھ تھا۔ حضرتؑ نے فرمایا: بیٹی! تمہارے باپ نے دو غذائیں کب ایک ساتھ کھائیں ہیں جو تم نے آج ایسا کیا؟ عرض کی: بابا جان! آپؑ پر مجھے نقاہت کا غلبہ معلوم ہوا، اس لئے میری محبت نے اس جرأت پر مجبور کیا۔ فرمایا: اے جانِ پدر! کیا تم یہ چاہتی ہو کہ روزِ قیامت تمہارا باپ زیادہ مدت تک حساب دینے کیلئے کھڑا رہے؟ بیٹی! ان میں سے ایک غذا اٹھالو۔ چنانچہ دودھ اٹھالیا گیا۔ آپؑ نے وہ جو کی روٹی نمک کے ساتھ تناول فرمائی۔ اس کے بعد امام حسن علیہ السلام سے دریافت فرمایا:

"یَا بُنَیَّ کَمْ مَضٰی مِنْ شَهْرِنَا هٰذَا".

"بیٹا حسنؑ! اس مہینے کے کتنے دن گزر گئے؟"

عرض کی: بابا جان! اس ماہِ صیام کے گیارہ دن اور باقی ہیں۔ فرمایا:

"وَاَسَفَاهُ".

"علیؑ اس سعادتِ صوم سے محروم رہ جائے گا"۔

حضرت امام حسنؑ یہ سن کر گھبرائے اور عرض کی: بابا جان! آپؑ نے کیا فرمایا: آپؑ خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔ نصف شب کے بعد جب آپؑ نے مسجد میں جانے کے ارادہ سے باہر نکلنا چاہا تو حضرتؑ کے گھر کی بطخیں پلی ہوئی تھیں، انہوں نے شور مچانا شروع کیا اور اپنی منقاروں سے حضرتؑ کی عبا کا دامن پکڑلیا۔ گویا باِلہامِ ربانی وہ جان گئی تھیں کہ اب امیر المؤمنینؑ کو صحیح وسالم گھر آنا نصیب نہ ہوگا۔

الغرض حضرت اُنؑ سے دامن چھڑا کر مسجد میں تشریف لائے اور عبادت میں مشغول ہوئے۔ جب نمازِ صبح کا وقت قریب آیا تو آپؑ نے دیکھا کہ کوئی شخص مسجد کے گوشہ میں اُلٹا پڑا سو رہا ہے۔ یہ ابن ملجم ملعون تھا جو اپنی تلوار سینہ کے نیچے چھپائے ہوئے سو رہا تھا۔ آپؑ نے شانہ پکڑ کر ہلایا اور فرمایا: اے شخص! اُٹھ، نمازِ صبح کا وقت قریب آپہنچا ہے۔ اتنا کہنے کے بعد آپؑ نماز میں مشغول ہو گئے۔ ابھی مسجد میں کوئی نمازی بھی نہ آیا تھا۔ ابن ملجم نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور حضرتؑ سجدہ میں گئے تو اس شقی نے اپنی زہر آلود تلوار سے ایسا بھرپور وار کیا کہ کئی انچ تلوار سرِ اقدس میں در آئی۔ جوں ہی تلوار لگی، آپؑ نے فرمایا:

"فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ".

"ربِ کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا"۔

اللہ اللہ! ایسے عاشقانِ الٰہی اور خدا کے سچے ولی کہاں ملیں گے جو موت کو کامیاب ہونا سمجھتے ہیں۔ ابن ملجم تو تلوار کا وار کر کے بھاگ کھڑا ہوا اور یہاں حضرتؑ کے خون سے تمام محرابِ عبادت سرخ ہو گئی اور حضرتؑ اپنے خون میں تڑپنے لگے۔ کچھ لوگوں نے، جو نماز کیلئے مسجد میں آرہے تھے، عبدالرحمن کو خون بھری تلوار ہاتھ میں لئے مسجد سے نکلتا دیکھا تو گھبرائے ہوئے مسجد میں آئے۔ یہاں حضرتؑ کو تڑپتا ہوا پایا۔ یہ دیکھ کر کچھ لوگ تو ابن ملجم کو پکڑنے کیلئے بھاگے اور کچھ حسنینؑ کو خبر کرنے کیلئے دوڑے۔ آہ! جونہی یہ خبر پہنچی، حضرتؑ کے گھر میں کہرام بپا ہو گیا۔ امام حسنؑ اور امام حسینؑ بے چین ہو کر مسجد کی طرف دوڑے اور جنابِ زینبؑ و اُمِ کلثومؑ نے رونا پیٹنا شروع کیا۔ الغرض! حضراتِ حسنین علیہما السلام دیگر مؤمنین کی مدد سے امیر المؤمنین علیہ السلام کو خون میں بھرا ہوا گھر میں لے کر آئے۔ جب بیٹیوں نے باپؑ کی یہ حالت دیکھی تو بلک بلک کر رونے لگیں۔ حضرتؑ نے اشارہ سے ان کو تسکین دی۔ کچھ دیر کے بعد لوگ قاتل کو گرفتار کر کے جوتوں اور تازیانوں سے مارتے ہوئے جنابِ امیر علیہ السلام کے پاس لائے۔ اس وقت اس ملعون کا پیاس سے بُرا حال تھا، بات نہ کی جاتی تھی۔ آپؑ نے امام حسن علیہ السلام سے فرمایا: بیٹا! اس کو پانی پلاؤ، پیاس سے اس کا حال غیر ہے۔

اے علیؑ آپؑ کے کرم کی دھوم
بھیجا شربت برائے قاتل شوم
اس عنایت سے ہو گیا معلوم
دوستان را کجا کنی محروم
تو کہ دشمناں نظر داری

جب پانی پی کر اس کے ہوش ٹھکانے ہوئے تو آپؑ نے فرمایا: اے شخص! کیا میں تیرا امام نہ تھا جو تو نے میرے اوپر یہ ظلم کیا؟ یہ سن کر اس شقی نے گردن جھکالی۔ آپؑ نے امام حسنؑ سے فرمایا: اے بیٹا! اگر میں زندہ رہا تو اس شخص سے اپنا قصاص خود لے لوں گا اور اگر جانبر نہ ہو سکا تو جس طرح اس نے مجھے ایک ضرب لگائی ہے، تم بھی ایک ہی ضرب لگانا۔ اس کے بعد فرمایا: اس بد بخت کو میرے سامنے سے ہٹاؤ۔

جو جراح حضرتؑ کے زخم کا علاج کر رہا تھا، اس سے امام حسن علیہ السلام نے دریافت کیا کہ حضرتؑ کی جانبری کی تجھے اُمید ہے یا نہیں؟ اُس نے کہا: اوّل تو زخم گہرا ہے، پھر تلوار زہر آلود تھی، زہر کا کافی اثر ہو چکا ہے۔ یہ سن کر حضرت امام حسن علیہ السلام سمجھ گئے کہ اب حضرتؑ کا بچنا ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ اکیسویں رمضان کو امیر المؤمنین علیہ السلام کی حالت متغیر ہونے لگی اور آثارِ موت ظاہر ہونا شروع ہو گئے۔ آپؑ نے اپنی تمام اولاد کو جنابِ امام حسنؑ کے سپرد کیا اور فرمایا: بیٹا! اب میرے بعد تم حجتِ خدا ہو، یہ میری سب اولاد تمہارے سپرد ہے۔ اس کے بعد جنابِ عباس علیہ السلام کو اپنے قریب بلایا اور انؑ کا ہاتھ امام حسین علیہ السلام کے ہاتھ میں دیا۔ جنابِ اُم البنین، مادرِ عباسؑ نے رو کر عرض کی:

اے میرے والی وارث! اس کا کیا سبب ہے کہ آپؑ نے اپنی اولاد تو امام حسنؑ کے سپرد کی اور میرے عباسؑ کو حسینؑ کے سپرد کیا؟ حضرتؑ یہ کلام سن کر آبدیدہ ہوئے اور فرمایا: اے اُم البنین! جو میں جانتا ہوں، وہ تم نہیں جانتیں۔ ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ میرا حسین کربلا کے میدان میں نرغۂ اعداء میں گھر جائے گا۔ اس وقت میرا عباسؑ اس کا قوتِ بازو ہوگا، اس کا علمبردار ہوگا، اس کے بچوں کا سقا بنے گا۔ پھر حضرتؑ نے امام حسن علیہ السلام کو قریب بلا کر اسرارِ امامت تعلیم فرمائے اور دنیا سے رخصت ہو گئے۔

اس وقت حضرتؑ کے گھر میں ایک عجیب کہرام بپا تھا۔ ایک طرف بیٹے ''وَاَبَتَاہُ وَاعَلِیَّاہُ'' کے نعرے مار مار کر رو رہے تھے اور آپؑ کی بیٹیاں سر کھولے باپؑ کی میّت پر سر و سینہ پیٹ رہی تھیں۔ الغرض تجہیز و تکفین کے بعد امیر المؤمنین علیہ السلام کا جنازہ جب گھر سے نکلا تو راوی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ بے شمار یتیم بچے اور بیوہ عورتیں ''وَاَبَتَاہُ وَاوَارِثَاہُ'' کے نعرے مارتی ہوئی جنازہ کے ساتھ چلی آ رہی تھیں۔ صورت یہ ہوئی کہ جب بیسویں اور اکیسویں ماہِ صیام کی شب میں یتیموں اور بیواؤں کو حسبِ معمول غذا نہ پہنچی تو اضطراب لاحق ہوا۔ یتیم بچوں نے اپنی ماؤں سے پوچھنا شروع کیا کہ کیا وجہ ہوئی کہ دو دنوں سے وہ ہمارا، وہ شفیق محسن نہیں آیا جو ہر روز ہمارے لئے غذا لایا کرتا تھا۔ اگر اس کا نام و پتہ معلوم ہو تو ہمیں بتاؤ کہ ہم خود وہاں تک پہنچیں اور اگر ہم سے کوئی قصور ہو گیا ہو تو ہاتھ جوڑ کر اس کی معافی چاہیں۔ وہ کہتی تھیں: اے فرزندو! ہم نے اُس بندۂ خدا کی آج تک صورت دیکھی ہے نہ اس کا کلام سنا ہے۔ وہ نقاب چہرہ پر ڈال کر پس پردہ سے خاموشی کے ساتھ دے جایا کرتا تھا۔ کئی بار نام اور پتہ پوچھا مگر اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔ ایسی حالت میں کیونکر بتائیں کہ وہ خدا کا برگزیدہ بندہ کون تھا اور کہاں رہتا ہے؟

آہ ــــــ جب امیر المؤمنین علیہ السلام کا جنازہ چلا تو ان سب کو معلوم ہوا کہ پرسوں شب میں امیر المؤمنین علیہ السلام کو مسجد میں کسی شقی نے بحالتِ نماز ایسا تلوار سے زخمی کیا کہ آپؑ جانبر نہ ہو سکے تو سمجھ میں آیا کہ وہ رات کو روزی پہنچانے والے آپؑ تھے۔ پس پھر کیا تھا، یتیم بچے اور بیوہ عورتیں روتے پیٹتے ہر طرف سے دوڑے اور امیر المؤمنینؑ کے جنازے کے ساتھ ہو لئے۔ ان کے رونے کی آوازیں سن کر لوگوں کے کلیجے پھٹے جا رہے تھے۔

الغرض امیر المؤمنین علیہ السلام کا جنازہ نجف میں پہنچا اور حسنینؑ شریفین نے اپنے بابا کو آہ و زاری کے ساتھ سپردِ خاک کیا۔ رات

کا بہت زیادہ حصہ گزر چکا تھا کہ دفن کر کے پلٹے۔ راہ میں ایک طرف سے کسی دردمند کے رونے کی آواز آئی۔ بھائی نے بھائی سے کہا: کوئی مصیبت زدہ کراہ رہا ہے۔ دونوں شہزادےؑ اُس کی طرف متوجہ ہوئے، دیکھا تو ایک اندھا مفلوج ایک جھونپڑی کے اندر کراہ رہا ہے اور رہ رہ کر نالہ وفریاد کر رہا ہے۔ امام حسن علیہ السلام اُس کے سرہانے بیٹھ گئے اور اس کا سر اپنے زانو پر رکھ کر دبانا چاہا۔ اُس نے اپنا سر ہٹا کر زمین پر رکھ دیا۔ آپؑ نے دوبارہ ایسا ہی کیا، اُس نے پھر زمین پر رکھ دیا۔ آپؑ نے فرمایا: اے بھائی! کیا تم کو زانو پر سر رکھنے میں تکلیف ہوتی ہے؟ اُس مرد درویش نے کہا: بس! رہنے دو، مجھے آرام کی ضرورت نہیں، دو دن گزر گئے، خبر تک نہ لی کہ میں مرتا ہوں یا جیتا ہوں؟

امام حسن علیہ السلام کو یہ سن کر تعجب ہوا، فرمایا: اے شخص! ہم تو اس سے پہلے کبھی تیرے پاس آئے ہی نہیں؟ یہ پہلا موقعہ ہے۔ جب اُس نے آواز پہچانی تو نادم ہوا اور کہنے لگا: مجھے معاف کرنا، پہچاننے میں غلطی ہوئی۔ سخت دھوکا ہوا۔ میں اس ویرانہ میں ایک سال پڑا ہوں۔ اللہ کا ایک بندہ ہر روز میرے پاس آیا کرتا تھا۔ بڑی شفقت سے میرا بدن دباتا تھا، اپنے ہاتھ سے مجھے غذا کھلاتا تھا، بڑی محبت سے میری احوال پرسی کرتا تھا مگر آج دو دن ہو گئے کہ وہ میرا شفیق، میرا مربی، میرا محسن ____ آہ! مجھ تک نہیں پہنچا۔ خدا جانے اُس پر کیا گزری؟ امام حسن علیہ السلام نے فرمایا: اے شخص! اُس کا نام کیا تھا، کہاں کے رہنے والے تھے؟ درویش نے کہا: پتہ معلوم ہو تو بتاؤں، بار بار پوچھا مگر اپنا نام نہ بتایا اور نہ اپنا پتہ۔ ہمیشہ جواب میں یہی کاہ کہ تمہیں نام سے کیا کام؟ ہاں! اتنا ضرور جانتا ہوں کہ وہ کوئی بڑا پرہیز گار اور برگزیدۂ خدا تھا کیونکہ جب تک میرے پاس بیٹھتا، برابر ذکر الٰہی کرتا رہتا تھا۔

یہ سن کر حسنینؑ بے چین ہو گئے، سمجھ گئے کہ وہ ان کے پدرِؑ بزرگوار تھے۔ فرمایا: اے درویش! وہ ہمارے پدرِؑ بزرگوار علیؑ ابن ابی طالبؑ تھے۔ آہ! ایک ظالم نے پرسوں شب زہر آلود شمشیر سے اُنؑ کے سرِ اقدس پر ایسا وار کیا کہ وہ اس صدمے سے جانبر نہ ہو سکے۔ ہم اس وقت اُنہی کو دفن کر کے آ رہے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ وہ درویش زار زار رونے لگا اور کہنے لگا: شہزادوؑ! تمہارا بڑا احسان ہوگا، مجھے جس طرح بنے، میرے محسن تک پہنچا دو۔ اس کا یہ جذبہ دیکھ کر حسنین علیہما السلام نے جس طرح بنا، اُس کو نجف تک پہنچا دیا اور قبر امیر المؤمنین علیہ السلام پر لے جا کر کہا: اے درویش! یہی قبر ہے تیرے محسنؑ کی اور خلق کے والی ہمارے پدرِؑ بزرگوار کی۔ یہ سنتے ہی وہ درویش اس طرح قبر سے لپٹا جیسے کوئی عزیز اپنے کسی عزیز سے لپٹتا ہے اور کہنے لگا: اے میرے محسن و مربی! آپؑ قبر میں ہیں اور فقیر درویش دنیا کے بے شمار مصائب جھیلنے کیلئے زندہ رہ گیا۔ کاش! میں آپؑ سے پہلے مر جاتا۔

آہ ___ اب کون ہے جو اس طرح میری تیمارداری اور غمخواری کرے گا؟ اس کے بعد اس درویش نے آسمان کی طرف اپنے ہاتھ اُٹھائے اور دعا کی: اے میرے خالق برحق، اے میرے معبودِ مطلق، اے ٹوٹے ہوئے دلوں کے سہارے، اے مصیبت زدوں کے آسرے! اب مجھے دنیا میں رہنے کی ایک لحہ کیلئے خواہش نہیں۔ میں تجھے اس صاحبِ قبر کا واسطہ دیتا ہوں کہ ملک الموت کو حکم دے کہ میری روح قبض کرے۔ خداوند عالم نے اُس کی دعا قبول کی اور درویش کی روح اُسی جگہ پرواز کر گئی۔ حسنینؑ نے تجہیز و تکفین کر کے سرزمین نجف میں دفن کر دیا۔

# شہادتِ حضرت امام حسن علیہ السلام

(تاریخ شہادت:28 /صفر 38ھ)

باوجودیکہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے ہرلحاظ سے خاموشی اختیار کرلی تھی مگر دشمن کو اس سے بھی چین نہ تھا۔اس کے دل میں کھٹکا لگا ہوا تھا کہ امام حسن علیہ السلام سے پہلے مجھے موت آگئی تو یہ سلطنت حسب شرائطِ صلح نامہ انؑ کی طرف عود کر جائے گی اور میرا بیٹا اسؑ سے محروم ہو جائے گا۔اس لئے وہ دن رات اسی فکر میں تھا کہ موقعہ ملے تو امام حسن علیہ السلام کو قتل کروادے۔

امام حسن علیہ السلام کی ایک بیوی کا نام جعدہ بنت اشعث تھا۔یہ کوفہ کی رہنے والی تھی۔یہ حضرت ابوبکر کی بہن اُم فروہ کی بیٹی تھی۔ امیر شام نے یہ توڑ جوڑ لگا کر اس سے سازش کی اور یہ وعدہ کیا کہ اگر امام حسنؑ کو زہر دیدے تو ایک لاکھ درہم انعام میں دے گا اور اپنے بیٹے یزید سے اُس کا نکاح کروادے گا۔وہ بدبخت امیر شام کی چال میں آگئی اور ایک رات کو نہایت ہی قاتل زہر جو امیر شام کے پاس سے آیا ہوا تھا،کھانے میں ملادیا۔

روضۃ الصفا سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؑ کو اُس نے چھ مرتبہ زہر کھلانے کی کوشش کی مگر حسب منشاء کامیابی نہ ہوئی۔آخری بار زہر چونکہ حد درجہ قاتل تھا،اس لئے کھانا کھاتے ہی فوراً ہی حضرتؑ کے بدن میں اس کا اثر دوڑ گیا اور پے در پے آپؑ کو خون کی قے آنا شروع ہوگئی اور حضرتؑ کی حالت ساعت بہ ساعت خراب ہونے لگی۔گھر میں ایک حشر برپا،بھائی،بہنیں اور ساری اولاد آپؑ کو گھیرے ہوئے تھی اور حضرتؑ کو حسرت بھری نگاہوں سے ہر عزیز تک رہا تھا۔آپؑ ہر ایک کو صبر کی تعلیم دے رہے تھے۔

آپؑ نے امام حسین علیہ السلام سے فرمایا: یوں تو زہر مجھے کئی بار دیا گیا لیکن ایسا قاتل زہر ایک بار بھی نہ تھا۔اس نے میرے جگر کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے ہیں۔مجھے یقین ہوگیا ہے کہ اب میں نہیں بچ سکتا۔وہ وقت قریب ہوگیا ہے کہ میں تم سب سے ہمیشہ کیلئے جدا ہوجاؤں۔امام حسینؑ نے دریافت کیا: بھیا!یہ تو بتایئے کہ آپؑ کو یہ زہر کس نے دیا ہے؟فرمایا: جو ہونا تھا،ہوگیا۔نام بتانے سے اب کیا فائدہ؟ میں جانتا ہوں کہ میرا اصلی قاتل کون ہے؟لیکن سوائے صبر کے چارۂ کار نہیں۔اگر زہر دینے والے سے آپؑ نے بدلہ بھی لیا تو اس قتل کا جو حقیقی باعث ہے،وہ تو اپنی سزا کو نہ پہنچے گا۔اس کے علاوہ قاتل سے بدلہ لینے میں بہت سے نقصانات پیدا ہوں گے اور آپؑ سب کی جانیں خطرے میں پڑ جائیں گی۔بہرحال میری آرزو یہ ہے کہ اپنے ناناؐ کے پاس دفن کیا جاؤں۔

لیکن چند مخالفوں نے کہا کہ ہم امام حسن علیہ السلام کو روضہ رسولؐ میں دفن نہیں ہونے دیں گے۔امام حسین علیہ السلام نے اپنے خاندان والوں کو حکم دیا کہ اسلحہ جنگ سے آراستہ ہوکر جنازہ کے ساتھ چلیں۔اگر بنی اُمیہ مانع ہوں تو پھر بے تامل اُن سے جنگ کریں۔جب مروان کو خبر ہوئی تو اپنے ساتھ بہت سے مسلح سپاہیوں کو لے کر مزاحمت کیلئے آپہنچا۔جب امام حسینؑ اپنے مظلوم بھائی کا جنازہ لے کر چلے تو بنی

اُمیہ نے اہلِ جنازہ پر تیر برسانا شروع کیا۔ ان میں سے کئی تیر امام حسن علیہ السلام کے جنازہ پر بھی آ لگے۔ جوانانِ بنی ہاشم غصہ میں آ گئے، قریب تھا کہ تلوار چل جائے لیکن کچھ اصحاب آ گئے اور امام حسین علیہ السلام کے قدموں پر گر کر عرض کی: فرزندِ رسولؐ! آپؑ صابر و شاکر کے فرزند ہیں اور خود بھی صابر و شاکر ہیں۔ جہاں آپؑ نے بہت سے مصائب بنی اُمیہ کے برداشت کئے ہیں، یہ بھی کیجئے۔

امام حسین علیہ السلام یہ سن کر خاموش ہو گئے اور اس خیال کو ترک کر کے جنت البقیع کی طرف لے چلے۔ اس وقت فرزند رسولؐ پر رنج و غم کا وہ ہجوم تھا کہ دنیا نظر میں تیرہ و تار تھی۔ نہ معلوم اس وقت کیا کیا خیال دل میں آ رہے تھے۔ افسوس ہے نام نہاد مسلمانوں کی حالت پر کہ انہوں نے اولادِ رسولؐ کے ساتھ رواداری بھی نہ رکھی جو مسلمانوں میں رواداری پائی جاتی ہے۔ کیا قیامت کی بات ہے کہ باپؐ کے پہلو میں بیٹی کو جگہ ملی، نہ نواسے کو ___ یہ کوئی جاگیر نہ تھی، ملکیت نہ تھی کہ مسلمانوں کو دیتے ___ دل دکھتا تھا، دو گز زمین کا معاملہ تھا۔ مگر افسوس کہ اولادِ رسولؐ اس کے بھی مستحق نہ سمجھے گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے اولادِ رسولؐ کا کوئی حق سمجھا ہی نہ تھا۔

بہر حال حضرت امام حسین علیہ السلام کیلئے یہ وقت شاق تھا۔ اوّل تو امام حسنؑ جیسے بھائی کی موت، اس طرح کی موت خدا کسی بھائی کو نہ دکھائے۔ وہ بجائے خود ایک غم کا پہاڑ تھی لیکن زمانے نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حسینؑ کے شکستہ دل پر مصائب و آلام کے اور بے شمار آسمان ٹوٹ پڑے۔ بہر حال جنت البقیع پہنچ کر آپؑ نے اپنے پیارے بھائی کی میت کو اپنی دادی فاطمہؑ بنت اسد کی قبر کے پاس دفن کیا اور آہِ سرد بھرتے ہوئے وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

امام حسن علیہ السلام کی موت کا صدمہ جنابِ زینبؑ و اُمِ کلثومؑ پر بہت زیادہ تھا۔ جب امام حسین علیہ السلام بھائی کو دفن کر کے آئے، دونوں بہنیں گلے مل کر رونے لگیں۔ آہ ___ جنابِ زینبؑ نے اپنی زندگی میں کس کس کا ماتم کیا؟ بچی تھیں تو شفیق نانا کو روئیں، آنکھوں کے آنسو سوکھے بھی نہ تھے کہ ماں انتقال کر گئیں۔ سیدہؑ کی وفات کے بعد امیر المومنینؑ جیسے شفیق باپؑ کا ماتم کیا۔ اس کے بعد دو بھائی باقی رہ گئے، انہی سے ٹوٹے دل کی ڈھارس تھی کہ قسمت نے انؑ میں سے بھی آج بڑے بھائی کو چھین لیا۔ پھر جو حالت بھائی کی دیکھی، خدا کسی دشمن کو بھی نہ دکھائے۔ بھائی جگر کے ٹکڑے طشت میں گرا رہا تھا اور غم نصیب بہن اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھیں۔ آہ! کیا حالت ہو گی اس وقت جب جنابِ زینب سلام اللہ علیہا نے سنا ہو گا کہ لوگ بھائی کو نانا کی قبر کے پاس دفن نہیں ہونے دیتے اور کلیجہ نہ پھٹ گیا ہو گا جب یہ خبر سنی ہو گی کہ بھائی کی میت پر دشمنوں کے تیر لگے۔

کاش! اس پر زینبؑ کے مصائب کا خاتمہ ہو جاتا مگر ابھی پردۂ غیب میں ان کیلئے ہزارہا مصائب روپوش تھے۔ آہ ___ ابھی تو اس نبیؐ زادیؑ کو پنجتنؑ پاک کا خاتمہ ہوتے بھی دیکھنا تھا۔ بوسہ گاہِ نبویؐ کٹتے بھی دیکھنا تھا۔ پھر گھر اُجڑنے اور گود کے پالوں سے بچھڑنے کی بھی روح فرسا مصیبت دیکھنا تھی۔ خیموں کا جلنا، سر سے چادر کا اُترنا، بچوں کی تباہی و بربادی، قید کی مصیبت، بے پالان اونٹوں پر سوار ہونا، بغیر چادر و مقنع کے کوفہ و شام میں پھرایا جانا، ابن زیاد اور یزید کے دربار میں جانا، سارے کنبہ کو کھو کر پھر مدینہ پلٹنا۔ غرض مصیبت کا ایک طویل ترین سلسلہ تھا جو حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی قسمت اپنے ہاتھوں میں دبائے چلی آ رہی تھی اور وقت وقت کے لحاظ سے مصیبتوں کے پہاڑ سر پر گرا رہی تھی۔ کوئی بی بی بھی ایسی نظر نہیں آتی جس نے جنابِ زینبؑ سے زیادہ ظلم سہے ہوں!

# ذکر ماہِ محرم

## حاکمِ مدینہ سے امام حسینؑ کی ملاقات

مؤمنین! آج محرم کی پہلی تاریخ ہے۔ جناب سیدہؑ کی روح ہمارے عزاخانوں میں آ چکی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ اپنی نبیؐ زادی کے ساتھ نوحہ و ماتم میں شریک ہوں۔ ہمیں چاہئے کہ اس مظلوم پر جی کھول کر روئیں جس پر بعدِ شہادت رونے والا کوئی نہ تھا۔

حضرات! میں نے یہ کہا کہ رونے والا کوئی نہ تھا۔ رونے والے تو بہت تھے لیکن افسوس صد افسوس! ان بیکسوں اور پردیسیوں کو رونے کون دیتا تھا؟ اگر کسی کی آنکھ سے آنسو نکلتا تھا تو اشقیاء تازیانوں سے مارتے تھے۔

مؤمنین! آج کا دن کوئی معمولی دن نہیں ___ آج سے اس مہینہ کا آغاز ہوتا ہے جس کا دسواں دن عاشور کہلاتا ہے۔ عاشور کا نام آتے ہی کربلا کے روح فرسا واقعات نظر کے سامنے آ گئے۔

منقول ہے کہ ایک بار جناب موسیٰ علیہ السلام نے عند المناجات بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: بارِ الٰہا! تو نے اُمتِ محمد مصطفےٰ کو تمام اُمتوں پر کس وجہ سے فضیلت دی ہے؟ جواب ملا: دس فضیلتوں کی وجہ سے ___ عرض کی: وہ کیا ہیں، مجھے بتا تا کہ میں بنی اسرائیل کو ان کے بجالانے کا حکم دوں۔ فرمایا: وہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد، جمعہ، جماعت، قرآن، علم اور فاقہ عاشورہ ہیں۔

جنابِ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: پروردگار! یہ عاشور کیا چیز ہے؟ فرمایا: مصیبتِ حسینؑ ابن علیؑ پر رونا اور عزاداری اور ماتم کرنا ہے۔ اے موسیٰؑ! جو بندہ ایسا کرے گا، میں ضرور اُسے جنت دوں گا۔ جس مؤمن کی آنکھ سے ایک قطرۂ اشک جاری ہوگا، میں اُس کو شہید کا ثواب دوں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: خداوندا! اس رسولؐ کا فرزند کیسا بیکس و مظلوم ہوگا کہ اس کا ذکر سن کر میرا دل ہل گیا۔ کون بدبخت ہوں گے وہ لوگ جو اس برگزیدہ شخص کو قتل کریں گے۔ فرمایا: وہ اُس نبی کی اُمت ہوگی۔ یہ سن کر جنابِ موسیٰ علیہ السلام نے امام حسینؑ کے دشمنوں اور قاتلوں پر لعنت کی۔ اللہ اللہ! جس حسینؑ کا یہ مرتبہ تھا، بنی اُمیہ نے اس کو در بدر کر کے طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا کر دیا۔

تین دن کا بھوکا پیاسا کربلا میں گوسفندِ قربانی کی طرح اس کو بمعہ اس کے رفقاء و انصار کے شہید کر ڈالا۔

بحار الانوار میں ہے کہ جب امیر شام کی موت کا وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹے یزید سے کہا کہ میں نے بڑے بڑے سرکشوں کو زیر کر کے تیری بیعت لے لی ہے۔ لیکن مجھے تین شخصیات کی طرف سے مخالفت کا خطرہ ہے: ایک عبداللہ بن عمر، دوسرے عبداللہ بن زبیر اور تیسرے حسینؑ ابن علیؑ۔ عبداللہ بن عمر کو حسن سلوک اور داد و دہش سے موافق بنا لینا، عبداللہ بن زبیر کو موقعہ پا کر قتل کر ڈالنا۔ یہ شیر کی طرح گھات میں بیٹھا ہوا ہے۔ البتہ حسینؑ ابن علیؑ کا معاملہ بہت نازک ہے۔ وہ ہرگز تیری بیعت نہیں کریں گے۔ وہ بڑے غیور ہیں لیکن جب کسی طرح کام نہ چلے تو پھر آخری علاج موت ہے۔

جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ کتاب ارشاد میں تحریر فرماتے ہیں کہ 60ھ میں جب معاویہ مرا تو یزید نے ولید حاکمِ مدینہ کو خط لکھا۔ مضمون یہ تھا کہ جس طرح ممکن ہو حسینؑ ابن علیؑ سے میری بیعت لے اور صورتِ انکار میں اُنؑ کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیج دے۔ جب یہ خط ولید کے پاس پہنچا تو اس وقتِ شب حضرت امام حسین علیہ السلام کو بلا بھیجا اور حضرتؑ اس وقت بلانے کا مطلب سمجھ گئے۔ آپؑ اس وقت مسجدِ رسولؐ میں تھے۔ قاصد سے فرمایا: تو چل، میں آتا ہوں۔ وہاں سے آپؑ گھر تشریف لائے اور جوانانِ بنی ہاشم کو حکم دیا کہ مسلح ہو کر ساتھ چلو۔ مجھے رات کے وقت ولید نے بلایا ہے۔ وہ ضرور مجھ سے بیعت طلب کرے گا۔ جب میں دارالامارہ کے اندر داخل ہو جاؤں تو تم سب دروازے پر ٹھہرے رہنا۔ جس وقت میری آواز بلند ہو تو بلا تامل اندر چلے آنا تا کہ وہ اپنا ارادہ میرے ساتھ پورا نہ کر سکے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کا یہ کلام سنتے ہی تمام جوانانِ بنی ہاشم ہتھیار بدن پر سجا کر حضرتؑ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب حضرت امام حسینؑ دربارِ ولید میں پہنچے تو اُس نے پہلے معاویہ کے مرنے کی خبر سنائی، پھر یزید کا خط پڑھ کر اُس کی بیعت کی خواہش کی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ رات کا وقت ہے، کل سب کے سامنے اس مسئلے کو پیش کرنا۔ جو مناسب جواب ہوگا، دے دیا جائے گا۔ ولید نے کہا: کیا مضائقہ ہے، اب آپؑ تشریف لے جائیں اور کل صبح مجمعِ عالم میں بیعتِ یزید کا اعلان کر دیں۔ اُس وقت دربار میں مروان بھی موجود تھا۔ ولید سے کہنے لگا کہ کیا غضب ہے، حسینؑ کو بغیر بیعت کے نہ جانے دے۔ اگر یہ اس وقت چلے گئے تو پھر تیرے ہاتھ نہیں آئیں گے۔ یا تو اسی وقت بیعت کا اقرار لے ورنہ اُنؑ کا سر کاٹ کر یزید کے پاس بھیج دے۔

اس کی بے ادبانہ تقریر کو سن کر امام علیہ السلام کو غصہ آ گیا اور فرمایا: تیری کیا مجال جو ایسا کر سکے؟ اس نے تلوار میان سے نکالی اور ولید سے کہنے لگا: کیا سوچ رہا ہے، جلاد کو حکم دے کہ ابھی انؑ کا سر تن سے جدا کر دے۔ انؑ کا خون میری گردن پر ہے۔ جب اس شور و غل کی آواز بلند ہوئی تو نو جوانانِ بنی ہاشم برہنہ تلواریں لئے اندر داخل ہوئے۔ سب سے آگے حضرت عباسؑ اور حضرت علی اکبر تھے۔ دونوں نے بڑھ کر چاہا کہ مروان کو اس گستاخی کا مزہ چکھائیں۔ مگر امامؑ نے روکا کہ ہم اہلِ بیتؑ کا شیوہ نہیں کہ جنگ کی ابتداء اپنی طرف سے کریں۔

راوی کہتا ہے کہ جب سے حضرت امام حسین علیہ السلام ولید کے پاس تشریف لے گئے تھے، جنابِ زینبؑ، اُمِ کلثومؑ اور دیگر زنانِ بنی ہاشم گھبرائی پھر رہی تھیں۔ بار بار ڈیوڑھی پر جا کر صورتِ حال معلوم کرتی تھیں اور رو رو کر کہتی تھیں: ارے کوئی جا کر خبر لاؤ کہ فرزندِ رسولؐ کس حال میں ہیں اور کہاں ہیں؟ بار بار دعائیں مانگتی تھیں: پروردگار! میرے ماں جائے بھائی کو خیر سے واپس لانا۔

کچھ دیر بعد جب حضرت امام حسین علیہ السلام تشریف لائے تو تمام بیبیوں کو پریشان حال پس پردہ کھڑا پایا۔ حضرت امام حسینؑ کو دیکھتے ہی جنابِ زینب سلام اللہ علیہا گلے میں باہیں ڈال کر رونے لگیں اور پوچھنے لگیں: بھیا! جلد بتایئے، آپؑ کے اور ولید کے درمیان کیا بات چیت ہوئی؟ امام علیہ السلام نے آبدیدہ ہو کر فرمایا: اے بہن! اب وہ وقت قریب آ گیا ہے کہ مدینہ حسینؑ کو چھوڑنا پڑ جائے اور روضہ رسولؐ اور قبرِ بتولؑ سے جدائی ہو۔ آہ! بنی اُمیہ درپے آزار ہیں، وہ نہیں چاہتے کہ میں مدینہ میں زندگی بسر کروں۔ یزید نے ولید کے پاس حکم بھیجا ہے کہ جس طرح بھی ہو، حسینؑ سے بیعت لے اور اگر بیعت سے انکار کریں تو سر کاٹ کر میرے پاس بھیج دے۔ بخدا! مجھے قتل ہونا گوارا ہے، لیکن یزید جیسے بدکار کی بیعت منظور نہیں۔

حضرتؑ کی یہ گفتگو سنتے ہی اہلِ حرم میں ایک کہرام بپا ہوگیا۔ ہر ایک بی بی زار زار رو رہی تھی۔ چھوٹے چھوٹے بچے اپنی ماؤں کو روتا دیکھ کر بلک بلک کر رونے لگے۔ آہ! یہ آغاز تھا اس مصیبتِ عظمیٰ کا جس نے ہمارے رسولؐ کا گھر تباہ کر دیا۔

یہی جوانانِ بنی ہاشم جو آج امام حسین علیہ السلام کی حفاظت کیلئے دربارِ ولید تک گئے تھے اور جن کا حسن صورت و سیرت میں کوئی مثل و نظیر نہ تھا، کربلا کی خون آشام زمین پر فدیۂ راہِ خدا بن کر سر کٹائے اور خون میں نہائے پڑے تھے۔ کہیں حسینؑ کا کڑیل جوان جو صورت و سیرت میں مثلِ پیغمبرؐ اور شجاعت میں مثلِ حیدرؑ تھا۔ سینہ پر برچھی کا پھل کھائے پڑا تھا۔

کہیں فوجِ حسینی کا نامور علمدار، ثانیِ حیدرِ کرار، قمرِ بنی ہاشم، سقائے سکینہؑ حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام دریا کے کنارے شانے کٹائے خون میں نہائے پڑے تھے۔ کہیں امام حسنؑ کی یادگار، اُمِ فروہ کے باغِ تمنا کی بہار، قاسمؑ سا نوجوان مظلوم چچا کے بدن کی تاب و تواں گھوڑوں کی ٹاپوں سے کچلا پڑا تھا۔ کہیں جنابِ زینبؑ کی زندگی کے سہارے عبداللہ بن جعفر کے مہ پارے سرتاپا زخموں سے چور خاک کو خون میں اٹے پڑے تھے۔

آہ ___ آہ ___ ظالموں نے ان برگزیدہ بندوں، بے جرم و خطا بے وطن کر کے دیارِ غربت میں کس بیدردی سے تین دن کا بھوکا پیاسا شہید کیا، جس کی نظیر تاریخ عالم میں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔ آہ! وہ حسینؑ جس نے آغوشِ رسولؐ میں پرورش پائی تھی، جس کا خون رسولؐ کا خون اور جس کا گوشت پوست رسولؐ کا گوشت پوست تھا، جس کی محبت کو خدا نے اجر رسالت قرار دیا تھا، بنی اُمیہ اُس کے خون کے پیاسے بن گئے۔

حضرت رسولِ خداؐ کے خاندان کی ڈھارس کیلئے حضرت علی علیہ السلام اور امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام موجود تھے۔ حضرت علیؑ جب شہید ہوئے تو امام حسنؑ اور امام حسینؑ دونوں بھائی موجود تھے، لیکن امام حسنؑ کے بعد صرف ایک ذات امام حسین علیہ السلام کی رہ گئی تھی۔ تمام خاندان بلکہ تمام اہلِ مدینہ کی نگاہیں انؑ پر ہی تھیں۔ انؑ کو دیکھ کر حضرت رسولِ خداؐ یاد آجاتے تھے۔ آہ! کیسا دل ٹوٹا ہوگا جب امام علیہ السلام زخموں سے چور چور رخصتِ آخر کیلئے خیمہ میں آئے ہوں گے اور فرمایا ہوگا: سلام ہو تم پر میرا اے زینبؑ، اے اُمِ کلثومؑ، اے سکینہؑ، اے ربابؑ، اے فضہ، میری ماں کی کنیز! میں تم سے رخصت ہوتا ہوں اور تمہیں خدائے برحق کے سپرد کرتا ہوں۔

آہ ___ آہ! ابھی حضرت امام حسین علیہ السلام زنانِ اہلِ حرم سے رخصت ہو کر نکلنے بھی نہ پائے تھے کہ دشمنوں کے تیر خیموں کی طرف آنے لگے۔ یہاں تک کہ کئی تیر خیموں سے پار ہو گئے اور پھر وہ اشقیاء پکار کر کہنے لگے: اے حسینؑ! جلد خیمے سے نکلو تا کہ ہم تمہارے قتل سے فارغ ہوں۔ یہ طعن آمیز باتیں سن کر اہلِ حرم میں کہرام بپا ہوگیا اور ''وا محمداہ، وا علیاہ'' کے نعرے بلند ہونے لگے۔ آہ! ان دل شکستہ بیبیوں اور بالخصوص جنابِ زینبؑ اُمِ کلثومؑ کے دل پر جو گزری ہوگی، اس کو کون جانتا ہے؟ خدا نہ کرے کہ کسی خاندان کی بیبیاں اور بچے یوں دیارِ غربت میں، جبکہ دشمن چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوں، بے والی و بے وارث ہو جائیں۔ گھر تباہ ہوتے ہیں، موت آتی ہے مگر ایسی تباہی، ایسی بربادی، ایسی بیکسی و بے بسی نہ دیکھی نہ سنی۔ ایک دن میں اٹھارہ جنازے ایک گھر سے نکل گئے اور بہتر (۷۲) کے ماتم میں سینہ زنی کرنا پڑی۔ پتھر بھی ہوتے تو ان مصیبتوں میں پانی پانی ہو جاتے۔ یہ اُن ہی کے دل تھے کہ صبر و شکر سے ان منزلوں کو جھیل گئے۔

# مدینہ سے رخصت

آہ! بنی اُمیہ نے ہمارے مظلوم امام علیہ السلام کو سخت ترین گرمی میں وطن سے بے وطن کیا جبکہ پرندے بھی اپنے آشیانوں سے باہر نہ نکلتے تھے۔آہ! کوئی ایسا ظلم نہ تھا جو ظالموں نے اولادِ رسولؐ سے اُٹھا رکھا ہو۔ جب ہم ان تمام مصیبتوں کا تصور کرتے ہیں تو دل سینوں میں اُلٹ جاتے ہیں۔

حضرات! ہمارا ذکر کیا ہے، ہمارے تمام آئمہؑ مصائبِ امامؑ کو یاد کر کے ہمیشہ روتے رہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرے جد مظلوم امام حسین علیہ السلام کا نام جس بندۂ مؤمن کے سامنے لیا جائے گا، وہ ضرور ان کے مصائب پر آبدیدہ ہوگا۔

بحار میں جارود بن منذر سے روایت ہے کہ ایک روز میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، محرم کا مہینہ تھا۔ حضرتؑ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ میں نے عرض کی: یابن رسول اللہؐ! میرے ماں باپ آپؑ پر فدا ہوں کہ ایسا خاص صدمہ قلب مبارک کو پہنچا ہے کہ آپؑ اس درجہ رنجیدہ خاطر ہیں کہ اس سے پہلے میں نے کبھی آپؑ کو اس حال میں نہیں دیکھا تھا۔

حضرتؑ نے آہِ سرد کھینچ کر فرمایا کہ آج ماہِ محرم کی پہلی تاریخ ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے کہ ہمارا پھلا پھولا باغ ظالموں کی تلواروں سے کاٹا گیا۔اے جارود! اس غم نے ہمارے کلیجے کے ٹکڑے کر دیئے ہیں۔ ہماری نیندوں کو اُڑا دیا ہے۔ ہماری خوشیوں کو برطرف کر دیا ہے۔ جب محرم کا چاند نمودار ہوتا ہے تو ہمارے گھروں میں صفِ ماتم بچھ جاتی ہے۔ یہ ایسا غم نہیں کہ ہم اس غم کو بھول جائیں۔

جارود کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یابن رسول اللہؐ! میں آپؑ سے یہ سوال کر کے سخت نادم ہوا ہوں۔ بے شک یہ زمانہ ہر محبِ اہلِ بیتؑ کیلئے رونے رُلانے کا ہے۔اس کے بعد امامؑ نے مجھ سے واقعاتِ کربلا بیان کرنا شروع کئے۔ حضرتؑ بھی زار زار رو رہے تھے اور میری آنکھوں سے بھی آنسو جاری تھے۔اسی سلسلہ میں امامؑ نے یہ بھی فرمایا: جارود! جب تک مختار نے ابن زیاد اور دیگر قاتلوں کے سر نہیں بھیجے، ہمارے خاندان کی خواتین نے اپنے سروں میں کنگھی نہیں کی، ہاتھ پاؤں میں مہندی نہیں لگائی۔ پانچ برس تک ہمارے گھروں سے دھواں اٹھتا نہیں دیکھا گیا بلکہ ہماری بعض عورتوں نے تو سایہ میں بیٹھنا تک چھوڑ دیا تھا۔ بجائے پکے ہوئے کھانوں کے بھنا ہوا اناج برسوں اس خاندان کی غذا رہا۔ جب ٹھنڈا پانی سامنے آتا تو ستم رسیدہ بیبیاں دھاڑیں مار مار کر روتی تھیں، کیونکر صبر آ سکتا تھا اُن لوگوں کو جن کی آنکھوں کے سامنے اٹھارہ جنازے ایک دن میں گھر سے نکلے۔کیا دنیا کی عیش کی طرف مائل ہو سکتے تھے وہ لوگ جن کے بھرے گھر کی صفائی چند گھنٹوں میں ہوگئی۔

مؤرخین نے جنابِ ربابؑ اور جنابِ سکینہؑ کے متعلق لکھا ہے کہ جب تک زندہ رہیں، واقعاتِ کربلا کو یاد کر کے شب و روز روتی تھیں۔انہوں نے سایہ میں بیٹھنا چھوڑ دیا تھا۔تمام دن کی دھوپ اُن کے سر پر پڑتی تھی۔ جب محلّہ کی کوئی خاتون سائے میں جانے کو کہتی تو رو

روکر فرماتیں: کیونکر سائے میں بیٹھے وہ دکھیا! جس کے شوہر کی لاش کئی دن تک بے غسل وکفن دھوپ میں پڑی رہی ہو۔

آہ___ آہ! متواتر دھوپ میں رہنے سے جناب ربابؑ کے چہرے کا رنگ کالا ہو گیا تھا، اعضاء میں اتنی کمزوری بڑھ گئی تھی کہ جہاں بیٹھ جاتی تھیں، وہاں سے اُٹھنا بھی دشوار ہو جاتا تھا۔ مزاج میں اتنی خشکی پیدا ہو گئی تھی کہ آنکھوں سے آنسو تک نکلنا بند ہو گئے تھے۔

جنابِ زینبؑ اور دیگر زنانِ بنی ہاشم کا یہ حال تھا کہ جب ٹھنڈا پانی سامنے آتا یا کوئی کربلا کا نام لے دیتا تو دل بیقرار ہو جاتا۔ آہ! اس اُمتِ جفا کار نے اولادِ رسولؐ کا مرتبہ ذرا بھی نہ پہچانا۔ لوگ اپنے دشمن کی اولاد سے بھی وہ سلوک نہیں کرتے جو اِن بد بخت مسلمانوں نے اپنے نبی کی عترت سے کیا۔ حضرت علی علیہ السلام نے زندگی بھر طرح طرح کی تکالیف دیکھیں۔ حضرت فاطمہ زہرؑا روتے روتے اس دنیا سے گئیں۔ مصائب کا پہاڑ تھا جو خانوادۂ رسولؐ پر ڈھایا گیا۔ امام حسن علیہ السلام سے بہ مکر وفریب سلطنت غصب کر لی گئی، پھر زہر دے کر اُنؑ کو شہید کر دیا گیا۔ اُنؑ کے جنازے پر تیر برسائے، اُنؑ کے بعد پنجتنؑ پاک میں صرف ایک دم امام حسین علیہ السلام کا باقی رہ گیا تھا۔ ظالموں نے اُنؑ کو بھی چین سے نہ رہنے دیا۔ معاویہ کے مرتے ہی بیعتِ یزید کا زور امام حسین علیہ السلام پر ڈالا جانے لگا اور درصورتِ انکار قتل کی دھمکی دی گئی۔ جب حضرتؑ کو ان کے ارادہ کا پتہ چلا تو آپؑ ترکِ وطن پر آمادہ ہوئے۔

جو لوگ واقعات پر سطحی نظر رکھتے ہیں اور معاملات کے پوشیدہ پہلوؤں پر غور کرنے کی عادت نہیں رکھتے، وہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کو مدینہ چھوڑنا نہیں چاہئے تھا، یہاں رہ کر جنگ کرنے میں انؑ کو بہت سی سہولتیں حاصل ہوتیں۔ بکثرت معاون و مددگار مل جاتے، بہت سے صحابہ شریکِ حال ہو جاتے۔ مدینہ چونکہ حرمِ رسولؐ تھا، یزید کو اس پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوتی لیکن وہ اس پر غور نہیں کرتے کہ اگر امام حسین علیہ السلام مدینہ کا قیام ترک نہ کرتے تو یقیناً جنگِ حرہ کی طرح سرزمین مدینہ پر خون کی ندیاں بہتیں اور وہ کشت وخون ہوتا جو تین سال بعد یزید کے سپہ سالار مسلم بن عقبہ کے ہاتھوں ہوا۔

حرمِ رسولؐ خدا کی اس حرمت کے ضائع ہونے کا الزام امام حسینؑ اپنی گردن پر لینا نہیں چاہتے تھے۔ یزید ایسا شخص نہ تھا کہ حرمِ رسولؐ خدا کی حرمت کو ملحوظ رکھتا۔ دوسرے اگر امام حسین علیہ السلام کے ساتھ اہلِ مدینہ قتل ہو جاتے تو ان کی عورتیں اور بچے یہ کہہ کر فریاد کرتے کہ ہماری تباہی اور بربادی کا باعث امام حسینؑ ہوئے۔ نہ وہ مدینہ میں ہوتے، نہ ہم پر مصیبت نازل ہوتی۔ امام علیہ السلام یہ الزام بھی اپنے اوپر لینے کیلئے تیار نہ تھے۔ امامؑ نہیں چاہتے تھے کہ آپؑ کے ساتھ کوئی شخص شہید ہو جو حسینی مقصد کا صحیح معنی میں عارف نہ ہو۔ تیسرے عالمِ غربت کی شہادت زیادہ اثر انگیز ہو سکتی تھی، بہ نسبت وطن کی شہادت کے۔ امام حسین علیہ السلام اپنے ناناؐ سے سن چکے تھے کہ ان کا مقتل کربلا ہے۔ بہرحال ان وجوہ سے امام علیہ السلام کیلئے ضروری تھا کہ آپؑ سفرِ غربت اختیار کریں۔

جب امامِؑ عالی مقام نے ترکِ وطن کا ارادہ کیا تو پہلے روضہ رسولؐ پر حاضر ہوئے اور رو رو کر کہنے لگے:

''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاجَدَّاہُ''۔

''ناناؐ! آپؐ کا پیارا حسینؑ آخری سلام کیلئے حاضر ہوا ہے''۔

ناناً! آپؐ کی اُمت نہیں چاہتی کہ میں یہاں رہ کر قبر مبارک کی زیارت کا شرف حاصل کرتا رہوں۔ آپؐ کے روضہ انور اور مادرِ گرامی کی قبر اطہر کا چھوڑنا اور اس گرمی میں بے وطن ہونا میرے اوپر نہایت شاق ہے مگر کیا کروں کہ اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔ ناناً! میں آپ کا وہی حسینؑ ہوں جس کو آپؐ نے زبان چسا چسا کر پالا تھا، جس کیلئے روزِ عید آپؐ مرکب بنے تھے، جس کی ناز برداری کیلئے آپؐ نے جنت سے میوے منگوائے تھے۔ آہ! آج آپ کا وہی حسینؑ بنی اُمیہ کے مظالم سے تنگ آ کر ترکِ وطن پر مجبور ہو رہا ہے۔ پہاڑوں کا سفر، گرمی کا موسم، چھوٹے چھوٹے بچوں اور پردہ نشین عورتوں کا ساتھ، ظالموں کی ایذا رسانی کا خوف، وطن چھوڑنے کا غم ____

ناناً! اب میرا دل زندگی سے بیزار ہو گیا ہے۔ کاش! آپؐ مجھے اپنی قبر کی آغوش میں لے لیتے اور میں مظالم سے بچ جاتا۔

یہ کہہ کر آپؑ بے چین ہو کر قبر مبارک سے لپٹ گئے۔ اسی اثناء میں آپؑ کی آنکھ لگ گئی۔ آپؑ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت رسولِ خداؐ آپؑ کو اپنی آغوش میں لئے فرما رہے ہیں: بیٹا حسینؑ! غم نہ کر، اب وہ وقت آ گیا ہے جب تو جنت میں میرے پاس ہوگا۔ آہ! ظالم بنی اُمیہ نے مجھے قبر میں بھی چین سے نہ رہنے دیا۔ بیٹا! میں دیکھ رہا ہوں کہ تو بہت جلد مع اعزہ و انصار سرزمین کربلا میں تین دن کا بھوکا پیاسا شہید کر دیا جائے گا۔ اے حسینؑ! صبر کر اور جو وعدہ کیا ہے، اُسے پورا کر۔ تو شہیدِ راہِ خدا ہے۔ بیٹا حسینؑ! اب قبر میں مجھے چین کہاں؟ تو جہاں جائے گا، میں تیرے ساتھ رہوں گا۔

یہ خواب دیکھ کر حضرتؑ بیدار ہوئے تو قبر رسولؐ کو انتہائی ملال کے ساتھ رخصت کیا۔ پھر وہاں سے اپنی مادرِ گرامی کی قبر پر تشریف لائے اور رو رو کر عرض کی: اماں جان! آپؑ کا پیارا حسینؑ رخصتِ آخر کیلئے حاضر ہوا ہے۔

اماں جان! آپؑ کی قبر کی جدائی حسینؑ غریب پر بہت شاق ہے لیکن کیا کروں کہ دشمنانِ دین درپے آزار ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ میں وطن میں رہ کر آپؑ کی قبر کی زیارت کا شرف حاصل کرتا رہوں۔ بڑی دیر تک قبر مبارک سے لپٹ کر روتے رہے۔ پھر وہاں سے قبر امام حسنؑ پر تشریف لائے۔ بہت غم واندوہ کے ساتھ رو رو کر قبر سے رخصت ہوئے۔

منقول ہے کہ جب حضرتؑ کے اس ارادہ کی خبر اہلِ مدینہ کو ہوئی تو دوست دارانِ اہلِ بیتؑ کے دل ہل گئے۔ جوق در جوق لوگ استفسار کیلئے آنے لگے۔ کنبہ والے حضرت محمد حنفیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے: ہم نے سنا ہے کہ فرزند رسولؐ مدینہ چھوڑنے کا قصد فرما رہے ہیں؟ ذرا آپ اُنؑ کی خدمت میں جا کر اس ارادہ سے اُنؑ کو روکئے۔ پنجتنؑ پاک میں صرف انؑ ہی کا دم ہے۔ اگر خدانخواستہ کوئی مصیبت آ گئی تو ہم انؑ کی زیارت کی سعادت سے محروم ہو جائیں گے اور ہمارا کوئی سہارا نہ رہے گا۔

چنانچہ حضرت محمد حنفیہ آپؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے: بھائی جان! آپؑ جانتے ہیں کہ آپؑ سے زیادہ مجھے دنیا میں کوئی عزیز نہیں ہے، آپؑ ہمارے خاندان کے چشم و چراغ اور ہم اہلِ بیتؑ کے بزرگ اور سرپرست ہیں۔ آپؑ کی اطاعت خدا نے ہم سب پر واجب کی ہے۔ بحیثیت چھوٹا بھائی ہونے کے زیبا نہیں کہ بطورِ نصیحت خدمت میں عرض کروں لیکن کیا عرض کروں، فرطِ محبت سے یہ عرض کرنے پر مجبور ہوں کہ خدا کیلئے ترکِ وطن کا ارادہ ملتوی کیجئے۔ آپؑ کے دم سے ہم کو بڑی ڈھارس ہے۔ آپؑ رسولِ خداؐ اور حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کی یادگار ہیں۔ اگر آپؑ تشریف لے گئے تو ہم سب کا دل ٹوٹ جائے گا اور زندگی وبالِ جان ہو جائے گی۔

حضرتؑ نے فرمایا: اے بھائی! تم جو کچھ فرطِ محبت سے کہہ رہے ہو، میں اس کی قدر کرتا ہوں لیکن جس بات کو میں جانتا ہوں، تم نہیں جانتے۔ میرا اب یہاں رہنا کسی طرح مناسب نہیں۔ بنی اُمیہ درپے آزار ہیں۔ اگر میں یہاں رہوں گا تو ضرور قتل کر دیا جاؤں گا۔ میں نہیں چاہتا کہ مدینہ رُسولؐ میں میرا خون بہا دیا جائے اور اس مقدس شہر کی عظمت خاک میں مل جائے۔

جناب محمد حنفیہ آبدیدہ ہو کر کہنے لگے: اچھا! اگر آپؑ سفر کرنا ضروری سمجھتے ہیں تو پھر میری رائے یہ ہے کہ آپؑ یمن تشریف لے جائیں۔ ہمارے بہت سے دوست وہاں موجود ہیں، وہ ضرور آپؑ کو پناہ دیں گے اور اگر خدانخواستہ وہاں بھی امن کی صورت نظر نہ آئی تو جنگلوں، گھاٹیوں، پہاڑوں کی طرف نکل جایئے اور جب تک یہ فتنہ فرو نہ ہو، ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف سفر کرتے رہئے تا آنکہ حکمِ خدا ہمارے اور اس کے درمیان جاری ہو۔

حضرتؑ نے فرمایا: اے بھائی! اگر میں سوراخِ مور مار میں بھی پناہ لوں گا، تب بھی بنی اُمیہ مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے۔ میں اپنے ناناؐ سے سن چکا ہوں کہ میرا اور میرے ساتھیوں کا خون انتہائی بیدردی سے سرزمین کربلا پر بہایا جائے گا۔ یہ سن کر محمد حنفیہ زار وزار رونے لگے اور عرض کی: اے بھائی! اگر یہ صورت ہے تو پھر عورتوں اور بچوں کو اپنے ساتھ نہ لے جایئے۔ یہ گرمی کا موسم ہے۔ راہ میں دور دور تک پانی کا نام و نشان نہیں، دشمن گھات میں لگے ہوئے ہیں۔ ایسی حالت میں ان کا ساتھ لے جانا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ حضرتؑ نے فرمایا: اے بھائی! میں تمہاری اس فرمائش کو قبول کرنے سے معذور ہوں کیونکہ مشیّت ایزدی یہی ہے کہ یہ بھی راہِ خدا میں اسیر ہوں۔

مؤمنین! جس وقت جنابِ زینب سلام اللہ علیہا نے یہ سنا کہ محمد حنفیہ اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ امام حسینؑ اپنے ساتھ اہلِ حرم کو نہ لے جائیں تو بے چین ہو کر محمد حنفیہ کے پاس آئیں اور فرمانے لگیں: بھیا محمد! خدا کیلئے ہمیں چھوڑنے کی رائے نہ دو۔ زینبؑ اپنے ماں جائے بھائی سے جدا ہو کر دنیا میں رہنا نہیں چاہتی۔ پنجتنؑ پاک میں صرف ایک دم حسینؑ کا رہ گیا ہے، کیونکر ممکن ہے کہ میں انؑ کو چھوڑ دوں؟ نانا کی یادگار، باپؑ کا ثانی، بھائی کی نشانی، جو کچھ کہو، ایک حسینؑ کا دم ہے، وہی سب کی زندگی کا سہارا ہے۔ ہم کس طرح انؑ کا ساتھ چھوڑ سکتے ہیں؟ زینبؑ ہر مصیبت اُٹھانے کیلئے تیار ہے لیکن اپنے پیارے بھائی سے جدائی پر راضی نہیں۔ یہ سن کر حضرت محمد بن حنفیہ خاموش ہو گئے اور دیر تک کنبہ کی جدائی کے تصور سے روتے رہے۔

مروی ہے کہ جب مدینہ کی عورتوں کو یہ خبر ہوئی کہ امام علیہ السلام مع اپنے تمام کنبے کے مدینہ سے کوچ کرنے والے ہیں تو ہر گھر میں بے چینی کے آثار پیدا ہوئے اور گروہ در گروہ عورتیں جنابِ زینبؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگیں: اے دخترِ زہراؑ! جس طرح ممکن ہو، فرزندِ رسولؐ کو اس ارادے سے روکئے۔ ہمارے کلیجے آپؑ لوگوں کی جدائی سے شق ہوئے جاتے ہیں۔ ہم نے اس غم میں کئی وقت کا کھانا نہیں کھایا، ہمارے ہوش و حواس گم ہیں۔

ہماری طرف سے فرزندِ رسولؐ کی خدمت میں عرض کیجئے کہ وہ ہمارے حال پر رحم فرما کر اپنے ارادے سے باز رہیں۔ ہمارے مرد باہر حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہیں اور ہم آپؑ کی خدمت میں عرض رساں ہیں۔ بی بیؑ! فرزندِ رسولؐ کے تشریف لے جانے کے بعد مدینہ رسولؐ ویران ہو جائے گا۔ مسجد رسولؐ بے رونق ہو جائے گی۔ محلّہ بنی ہاشم کی طرف پھر کوئی بھول کر بھی رُخ نہ کرے گا۔ جنابِ زینبؑ نے

فرمایا: بیبیو! تمہاری ہمدردی قابلِ شکریہ ہے۔ کس کو اپنا وطن چھوڑنا پسند آتا ہے، خاص طور پر اس گرمی کے موسم میں، لیکن میرے بھائی اس طرح مجبور ہیں کہ وطن چھوڑنے کے سوا کوئی چارۂ کار نظر نہیں آتا۔ بنی اُمیہ خاندانِ رسولؐ کی تباہی و بربادی پر کمر باندھے ہوئے ہیں۔ حسینؑ سے بیعتِ یزید طلب کی جارہی ہے۔ بھلا کیونکر ممکن ہے کہ نبیؐ کا نواسہ ایک بدکار شراب خور کی بیعت کر کے اس کا فرمانبردار بن جائے؟ امام حسین علیہ السلام ہرگز ایسا نہیں کریں گے۔ ان کو مرنا گوارا ہے لیکن بیعتِ یزید منظور نہیں۔

یہ جواب سن کر وہ بیبیاں زار زار رونے لگیں اور عرض کرنے لگیں: اچھا! اگر فرزندِ رسولؐ جانے پر مجبور ہیں تو اپنے ساتھ عورتوں کو نہ لے جائیں۔ جنابِ زینبؑ نے فرمایا: اے بیبیو! خدا کیلئے ایسا نہ کہو، ہم کو کسی طرح فرزندِ رسولِ خدا کی جدائی گوارا نہیں۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ فرزندِ رسولؐ کی جدائی کے بعد زینبؑ زندہ رہ سکتی ہے؟

مؤمنین! سنا آپ نے! جنابِ زینب سلام اللہ علیہا کی محبت کا حال! دنیا میں کسی بہن کو اپنے بھائی سے اتنی محبت ہوگی جتنی جنابِ زینبؑ کو اپنے بھائی سے تھی؟ اس بھائی کی محبت میں کونسی مصیبت تھی جو نہ اُٹھائی۔ مہینوں کا سفر کیا، دھوپ اور لُو کی ایذا جھیلی، بھوک و پیاس کے صدمے اُٹھائے، اپنی اولاد کو بھائی پر قربان کیا، سر سے چادر چھن گئی، بازوؤں میں رسن پہنے، درباروں میں بغیر پردہ کے جانا گوارا کیا، بازاروں میں تشہیر ہونا اور زندانوں میں بند ہونا، سب کچھ گوارا کرلیا۔

خوش نصیب ہے وہ بھائی جسے محبت کرنے والی بہن مل جائے اور قابلِ فخر ہے وہ بہن جسے جاں نثار بھائی مل جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ باپؐ کے بعد سچی محبت کا جذبہ بھائی اور ماں کے بعد بہن میں پایا جاتا ہے۔ تاریخ ایران میں ایک واقعہ نظر سے گزرا کہ سلطان ناصر الدین شاہ قاچار کے عہد میں ایک ہی گھر کے تین آدمیوں کو قتل کی سزا کا حکم سنایا گیا۔ جب پھانسی کا وقت آیا تو تینوں مجرم لائے گئے تو ایک عورت بلبلاتی ہوئی آئی اور بادشاہ کے قدموں پر گر کر کہنے لگی: ان سب کے ساتھ میرے قتل کا حکم بھی دے کیونکہ ان کے بعد میرا کوئی پرستار باقی نہیں رہے گا۔ بادشاہ نے پوچھا: یہ تیرے کون ہیں؟ اس نے کہا کہ ایک شوہر ہے، ایک بیٹا ہے اور ایک بھائی ہے۔ بادشاہ کو رحم آگیا: اچھا! میں تیری وجہ سے ایک کو معاف کردیتا ہوں، جسے چاہے بچالے۔

تینوں آدمی اُس کے سامنے کھڑے کئے گئے۔ وہ پہلے شوہر کی طرف گئی، شوق بھری نظروں سے دیکھا، آبدیدہ ہوئی اور آگے بڑھ گئی۔ اب وہ بیٹے کے سامنے آئی، اُسے یقین تھا کہ ماں مجھے ضرور بچالے گی۔ وہ اس سے لپٹ کر بے اختیار رونے لگی، پیار کیا، منہ چوما اور آگے بڑھ گئی اور بھائی کا ہاتھ پکڑلیا۔ بادشاہ کو اس انتخاب پر تعجب ہوا اور اس کی وجہ پوچھنے لگا۔ اُس نے کہا: یہ تینوں مجھے بے حد عزیز ہیں مگر فرق یہ ہے کہ پہلے دو، جن کو چھوڑا، ان کا بدلہ مجھ کو مل سکتا ہے، میں ابھی جوان ہوں، دوسرا شوہر بھی مل سکتا ہے، اولاد بھی ہوسکتی ہے لیکن ماں باپ چونکہ مرچکے ہیں، لہٰذا بھائی ملنا ممکن نہیں۔

یہ ہے بھائی کی محبت! کس کی طاقت ہے جو اندازہ کرسکے اُس محبت کا جو حسینؑ جیسے بھائی سے زینبؑ جیسی بہن کو تھی۔ بھائی کیسا؟ خلیق امامؑ، نبی آخر الزماںؐ کا جانشین، فخر بنی ہاشم، سید شبابِ اہل الجنۃ۔ بہن کیسی؟ ثانیِ زہراؑ، عابدہ، زاہدہ، صابرہ، شاکرہ۔ نہ حسینؑ سا کسی بہن کو ملا، نہ زینبؑ سی بہن۔ یہ بات بھی جنابِ امام حسین علیہ السلام سے ہی مخصوص تھی کہ ان کو بھائی اور بہن دونوں ایسے ملے جن کی نظیر آج

تک زمانہ پیش نہ کر سکا۔ واقعہ کربلا میں دونوں نے جس خلوص سے امامِ مظلوم کی نصرت فرمائی، وہ قیامت تک یاد رہے گی۔ فوجِ حسینؑ کی سب سے بڑی ڈھارس جنابِ عباس علیہ السلام کا وجود تھا اور عورتوں کی باعثِ تسلی ثانیِ زہرا جنابِ زینب سلام اللہ علیہا تھیں۔ جنابِ زینبؑ فرماتی تھیں کہ جب تک عباسؑ زندہ تھے، میں سمجھتی رہی کہ کس کی طاقت ہے کہ میرے ماں جائے بھائی حسینؑ کو شہید اور مجھے اسیر کر سکے۔

لیکن عباسؑ کی شہادت کے بعد میرا دل ٹوٹ گیا اور یقین ہو گیا کہ اب تمام مصائب دیکھنے اور برداشت کرنے پڑیں گے۔ بھیا حسینؑ بھی شہید ہوں گے اور میں بھی اسیر ہوں گی۔

جب کربلا میں فوجیں آنا شروع ہوئیں تو جنابِ زینبؑ کا یہ معمول تھا کہ جب کوفہ سے کوئی فوج آتی تو جنابِ عباس علیہ السلام کو بلا کر دریافت کرتیں: اس فوج کا سردار کون ہے اور اس کے ساتھ اندازاً کتنے آدمی ہوں گے؟ جنابِ عباسؑ بتاتے رہتے تھے کہ اب فلاں سردار آیا ہے اور اس کے ساتھ اتنی فوج ہے۔ فرماتی ہیں کہ ساتویں محرم کو جو کوفہ سے ایک لشکر آیا تو میرے دل میں ایک غیر معمولی اضطراب پیدا ہوا اور مایوسی چھا گئی۔

میں نے عباسؑ کو بلا کر پوچھا: بھیا عباسؑ! آج سرزمین کربلا پر کس سپہ سالار کا ورود ہوا ہے کہ میرا دل خود بخود بیٹھا جاتا ہے؟ انہوں نے کہا: اے بہن! یہ شمر ذی الجوشن شقی ہے جو چار ہزار کی جمیعت کے ساتھ آیا ہے۔ یہ سنتے ہی میں زار زار رونے لگی۔ جنابِ عباسؑ نے پوچھا: آپؑ کے اس غیر معمولی ہراس کا کیا مطلب ہے؟ میں نے کہا: اپنے نانا جان، پدرِ بزرگوار اور مادرِ گرامی سے سنا ہے کہ میرے ماں جائے حسینؑ کا قاتل شمر ہوگا ____ بھیا عباسؑ! اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اس معرکے میں میرے بھیا حسینؑ شہید ہو جائیں گے۔

یہ تھی جنابِ زینبؑ کی محبت! لکھا ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام مدینہ سے چلے تھے تو جنابِ عبداللہ، جنابِ زینبؑ کے شوہر علیل تھے، آپؑ نے اُن سے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے ترکِ وطن کا ارادہ کیا ہے؟ سارا کنبہ ان کے ساتھ جا رہا ہے؟ اگر آپ اجازت دیں تو میں ان کے ساتھ چلی جاؤں گی۔ آپ کی علالت کی وجہ سے پریشان ہوں۔ انہوں نے فرمایا: اے بنتِ زہراؑ! آپؑ ضرور ساتھ جائیے۔ جس وقت مرض سے افاقہ ہوا، میں راہ میں آ کر مل جاؤں گا۔ جنابِ زینبؑ نے فرمایا: میں عونؑ و محمدؑ کو آپؑ کی تیمار داری کیلئے چھوڑ کر جا رہی ہوں۔

آہ ___ اس محبت کا کیا ٹھکانہ ہے کہ جب تک عونؑ و محمدؑ راہ میں آ کر نہ ملے۔ اس خیال سے مضطرب رہیں کہ میرے بچے نصرتِ حسینؑ سے محروم نہ رہ جائیں۔ کس ماں کا کلیجہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کو اپنے بھائی پر اس طرح قربان کر دے جس طرح جنابِ زینبؑ سلام اللہ علیہا نے اپنی اولاد قربان کی۔

شب عاشور دونوں بچوں کو سامنے بٹھا کر سمجھاتی تھیں: اے میرے نونہالو! کل جب جنگ کا آغاز ہوگا تو مرنے سے جی نہ چرانا، خاندان کی لاج رکھ لینا۔ تم جعفر طیار کے پوتے اور حیدرؑ کرار کے نواسے ہو۔ شجاعت کے جوہر دکھا کر شہید ہونا۔ دیکھو! میں کہہ رہی ہوں کہ اگر ماموں کی نصرت میں کوتاہی کرو گے تو دودھ کا حق نہ بخشوں گی۔ اِن سعادت مند بچوں نے عرض کی: اے مادرِ گرامی! آپؑ اطمینان رکھیں، ایسا کبھی نہ ہوگا۔

چنانچہ اس وعدہ کو روزِ عاشور دونوں نے پورا کیا اور باوجود کمسن ہونے کے ایسے لڑے کہ دشمن بدحواس ہوگیا۔ آخر جامِ شہادت نوش کیا۔

منقول ہے کہ جب جنابِ زینبؑ نے دونوں بیٹوں کی لاشیں دیکھیں تو سجدۂ شکر ادا کیا اور فرمایا: پروردگار! میں کہاں تک تیرا شکر ادا کروں کہ تو نے زینبؑ کو یہ سعادت دی کہ اُس کے بچے تیری راہ میں قربان ہوئے۔

❁ ❁ ❁

# امام حسینؑ کی مدینہ سے روانگی

منقول ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام نے مدینہ سے روانگی کا قصد کیا تو بنی ہاشم میں ایک عجیب کہرام بپا تھا۔ ہر دل اس درد سے بے چین نظر آ رہا تھا۔ چنانچہ جب حضرتؑ رخصت آخر کیلئے جناب اُمِ سلمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے بے اختیار آپؑ کے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور رو رو کر فرمانے لگیں: اے فرزند! سنتی ہوں کہ تمہارا ارادہ عراق جانے کا ہے؟ بیٹا! جب سے یہ خبر سنی ہے، میرا دل فرطِ غم سے انتہائی ملول ہے۔ میں تمہارے نانا حضرت رسولِ خداؐ سے سن چکی ہوں کہ میرا فرزند حسینؑ سرزمین کربلا پر قتل کیا جائے گا۔

حضرت رسولِ خداؐ نے مجھے ایک تھوڑی سی خاک دی تھی اور فرمایا: اے اُمِ سلمہ! یہ مقتل حسینؑ کی خاک ہے، اس کو حفاظت سے اپنے پاس رکھو۔ جس روز یہ خاک سرخ ہو جائے، سمجھ لینا کہ میرا جگر پارہ حسینؑ قتل ہو گیا۔ بیٹا! میں نے حفاظت سے اس شیشی میں خاک کو رکھا ہوا ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ آنحضرتؐ کی پیش گوئی کے پورا ہونے کا وقت آ گیا۔ اے حسینؑ! اے لختِ جگر! اس غم میں کیسے صبر کروں گی؟ تمہاری اور سارے کنبہ کی مفارقت مجھے کیونکر گوارا ہوگی؟ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

اے نانی جان! جو خدا کی مشیّت ہو، وہ ہو کر رہے گی۔ میں اس سفر میں ضرور شہید ہوں گا اور میرے اہلِ بیتؑ اسیر ہو کر در بدر پھریں گے۔ میرا گھر لوٹا جائے گا۔ میں اور تمام عزیز و انصار گوسفندانِ قربانی کی طرح ذبح کئے جائیں گے۔ اے نانی جان! آیئے میں اپنی قتل گاہ کا منظر دکھاؤں۔ یہ فرما کر حضرتؑ نے اپنی دونوں انگلیوں کے درمیان دیکھنے کو کہا: آہ___ آہ! اب جو جنابِ اُمِ سلمہ نے دیکھا تو وہ قیامت کا منظر نظر آیا کہ تابِ ضبط نہ رہی۔ چیخیں مار مار کر رونے لگیں، دیکھا کہ جابجا کچھ بوڑھے، کچھ جوان، کچھ بچے سر کٹائے خون میں نہائے پڑے ہیں۔ ان کے لاشے گھوڑوں کی پامالی سے اس طرح کچلے گئے ہیں کہ کوئی اپنی اصلی حالت پر باقی نہیں رہا۔ ریت پر جو خیمے نصب ہیں، اُن میں آگ لگی ہے۔ کچھ بیبیاں بغیر چادر کے انتہائی پریشانی کے عالم میں ہر طرف کو بھاگ رہی ہیں اور کوئی ان بیکسوں کا پُرسانِ حال نہیں۔

الغرض جب جنابِ اُمِ سلمہ کا دل ٹھہرا تو جنابِ امام حسین علیہ السلام نے وہ تمام امانتیں اور تبرکات جو حضرت رسولِ خداؐ نے جنابِ امیرؑ کے سپرد فرمائے تھے اور اُنؑ سے حضرتؑ تک پہنچے تھے، سب جنابِ اُمِ سلمہ کے سپرد کر کے فرمایا: میری شہادت کے بعد جب میرے اہلِ بیتؑ پھر مدینہ آئیں تو یہ سب چیزیں میرے فرزند زین العابدینؑ کے سپرد کر دینا کیونکہ میرے بعد وہی میرے وصی و جانشین ہیں۔

منقول ہے کہ اس زمانہ میں امام حسین علیہ السلام کی ایک صاحبزادی جن کا نام فاطمہ صغریٰ تھا، شدید بخار میں مبتلا تھیں اور اس قدر کمزور ہو گئی تھیں کہ کسی طرح حضرت امام حسینؑ کے ساتھ سفر کرنے کے قابل نہ تھیں۔ حضرتؑ نے اپنے سفر کی خبر کو اُن سے اس لئے پوشیدہ رکھا تھا کہ اس صدمہ سے مر نہ جائیں۔ لیکن جب گھر کا سامان بندھنے لگا اور کوچ کی تیاریاں ہونے لگیں تو فاطمہ صغریٰ کو پریشانی لاحق ہوئی

اور ایک ایک بی بی سے کہنے لگیں کہ بابا جان کہاں جانے کا قصد فرما رہے ہیں؟ جنابِ ربابؑ سے ضبط نہ ہو سکا، فرمایا: اے بیٹی! تمہارے باپؑ کو سفر عراق پر جانے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ بیٹی! چونکہ تم مریض و ناتواں ہو اور سفر کرنے کے قابل نہیں، اس لئے فرزندِ رسولؐ تمہیں اپنے ساتھ لے جانے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ یہ سننا تھا کہ فاطمہ صغریٰ بے چین ہو کر رونے لگیں۔

اماں جان! بابا جان کو جلد میرے پاس بھیجئے، میں اپنا حالِ زار خود اُنؑ سے بیان کروں گی۔ بھلا کیونکر ممکن ہے کہ سارا کنبہ تو حضرتؑ کے ساتھ جائے اور میں اکیلی اس سنسان گھر میں پڑی رہوں؟ اس صورت میں تو میں نہ مرتی ہوں گی تو مر جاؤں گی۔

لکھا ہے کہ جب امام علیہ السلام فاطمہ صغریٰ کے پاس تشریف لائے تو بیمار بیٹی نے دردناک لہجہ میں کہا: بابا جان! میں سنتی ہوں کہ آپؑ آمادۂ سفر ہیں۔ فرمایا: اے نور دیدہ! کیا کروں، ظالم بنی اُمیہ مجھے مدینہ رسولؐ میں نہیں رہنے دیتے۔ بیمار بیٹی نے عرض کی: بابا! میں آپؑ کے ساتھ چلوں گی۔ حضرتؑ یہ سن کر آبدیدہ ہوئے اور بیٹی کو گلے لگا کر فرمایا: صغریٰ! میں تم کو ساتھ لے چلتا لیکن کیونکر لے کر چلوں، تم بیماری سے اتنی کمزور ہو کہ سفر کی تکالیف برداشت نہیں کر سکتیں۔ یہ سخت گرمی کا موسم ہے، لُو چل رہی ہے، پہاڑوں اور ریگستانوں کا سفر ہے۔ ایسے سخت سفر میں تندرست لوگ بھی بیمار ہو جاتے ہیں، بیماروں کا ذکر ہی کیا! میں تم کو اپنی نانی اُمِ سلمہ کے سپرد کئے جاتا ہوں۔ جب منزلِ مقصود پر پہنچ کر اطمینان کی صورت نظر آئے گی تو فوراً علی اکبرؑ کو بھیج کر تمہیں بلوا لوں گا۔

بیمار بیٹی نے رو کر عرض کی: بابا جان! ایک تو میں مرض سے یونہی جاں بلب ہوں، اگر آپؑ مجھے ساتھ نہ لے گئے تو کنبہ کی جدائی میں چند ہی روز بعد میرا خاتمہ ہو جائے گا۔ جب یہ بھرا گھر مجھے سُونا نظر آئے گا تو میری وحشت اور بے چینی اور زیادہ ہو گی۔ اگر خدا نے چاہا تو تبدیلی آب و ہوا سے مجھے جلد صحت ہو جائے گی۔

آہ ___ مؤمنین! جب فاطمہ صغریٰ بالکل مایوس ہو گئیں تو اپنی پھوپھیوں سے مل کر خوب روئیں۔ ہر ایک سے کہتی تھیں: خدا کیلئے بابا سے میری سفارش کرو، میں تم سے جدا ہو کر کیونکر زندہ رہوں گی؟ فاطمہ صغریٰ کی گریہ و زاری اور نالہ و بیقراری پر اہلِ حرم میں کہرام بپا تھا۔ سب بیبیاں چھاتی سے لگا لگا کر تسلی دیتی تھیں لیکن فاطمہ صغریٰ کو کسی طرح چین نہ آتا تھا۔ جنابِ امام حسین علیہ السلام بیٹی کی مفارقت کے غم میں نہایت بے چین تھے اور بار بار سمجھاتے اور پیار کرتے جاتے تھے۔ آخر کار صغریٰ کو کسی قدر سکون ہوا تو حضرتؑ نے حکم دیا کہ سامانِ سفر اونٹوں پر بار کیا جائے۔

اس وقت کی حالت کیونکر بیان کی جائے، تمام زنانِ بنی ہاشم جو اہلِ حرم کو رخصت کرنے کیلئے آئی تھیں، سفر کی تیاری دیکھ کر ایسی بے چین تھیں کہ ان کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی۔ کوئی بی بی روتی تھی، کوئی بی بی سینہ پیٹتی، ماتم کرتی تھی۔ امام علیہ السلام سب کو تسلی دے کر فرماتے تھے: صبر کرو اور خدا کے فضل پر نظر رکھو۔ وہی بچھڑے ہوئے عزیزوں سے ملانے والا ہے، وہی حلّالِ مشکلات ہے۔ وہ کہتی تھیں: یا ابن رسولؐ اللہ! اس مصیبتِ عظمیٰ میں کیسے صبر آئے؟ آج کا دن ہمارے لئے رسولِؐ خدا کی رحلت کے دن سے کم نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے کیونکہ جب حضرتؐ نے رحلت فرمائی تھی تو آلِ عباء میں چار شخص تھے جن سے ہم کو بڑی تقویت تھی لیکن رفتہ رفتہ وہ سب ہم سے جدا ہو گئے۔

اب سوائے آپؑ کے دم کے ہمارا کوئی پشت پناہ باقی نہیں۔ واحسرتا! اب آپؑ بھی ہم سے جدا ہو رہے ہیں۔ فرمایئے! ہمارے دل کو کیونکر چین آئے۔ آج کا دن ہمارے لئے خاتمہ آلِ عباء کا دن ہے۔ ہمارے دلوں پر آپؑ کی جدائی کے تصور سے خنجر چل رہے ہیں۔ ہم اس جانفرا غم کو کیسے برداشت کریں۔ فرزند رسولؐ! ہم کو اس سفر خیر کی اُمید نہیں ہے اور انجام اچھا نظر نہیں آتا۔ آپؑ کے بعد ہم بے وارث اور بے سہارا ہو جائیں گے۔ ہم خدا اور رسولؐ کا واسطہ دے کر درخواست کرتے ہیں کہ اس سفر کو ملتوی کیجئے۔ حضرتؑ زنانِ بنی ہاشم کی یہ بیقراری دیکھ دیکھ کر زار زار رونے لگے اور سب کو انتہائی شفقت کے ساتھ صبر و ضبط کی تعلیم دی اور فرمایا: مجھے نہایت ملال تھا کہ اپنے اس سفر کو تمہارے کہنے سے ملتوی نہیں کر سکتا۔ میں اس بات کو جانتا ہوں جس کو تم نہیں جانتیں۔ جب وہ مایوس ہو گئیں تو زنانِ اہلِ بیتؑ سے گلے مل مل کر خوب روئیں اور ایک دوسرے سے رخصت ہونے لگیں۔ ہر ایک پر حسرت اور مایوسی چھا رہی تھی۔

گھر میں یہ کہرام بپا تھا، اب باہر کا حال سنئے۔ جنابِ عباسؑ، جنابِ علی اکبرؑ اور دیگر جوانانِ بنی ہاشم سواریوں کے اہتمام میں مصروف تھے۔ سامان اونٹوں پر بار کیا جا رہا تھا، کجاوے باندھے جا رہے تھے، ان پر پردے پڑ رہے تھے۔ جب عماریاں تیار ہو گئیں تو حضرت عباسؑ نے خدمتِ امامؑ میں حاضر ہو کر عرض کی کہ سواریاں تیار ہیں، اگر حکم ہو تو خواتین کو سوار کیا جائے۔ فرمایا: اب تاخیر غیر ضروری ہے۔ یہ حکم سنتے ہی جنابِ عباسؑ نے جوانانِ بنی ہاشم سے فرمایا: قناتیں ہر طرف کھڑی کرو، چاروں طرف راستے پر لوگ کھڑے ہوں تا کہ کوئی آنے والا ادھر سے نہ گزرے کہ دخترانِ علیؑ و فاطمہؑ سوار ہوتی ہیں۔

آہ ___ مؤمنین! ایک وقت تو مخدراتِ عصمت وطہارت کی سواری کا یہ اہتمام تھا۔ ایک روز بعد شہادتِ امامِ مظلوم یہی بیبیاں بے مقنع و چادر بے عماری و بے کجاوہ اونٹوں پر سوار بازارِ کوفہ و شام میں تشہیر کی جا رہی تھیں۔

شامیاں بستند بازوئے زینبؑ و کلثومؑ را
اے فلک آں ابتدا این انتہائے اہلِ بیتؑ

آہ! جب بیبیوں کے سوار ہونے کا وقت آیا تو پھر کہرام بپا ہوا، ساری بیبیاں جنابِ زینبؑ و اُمِ کلثومؑ، جنابِ ربابؑ و اُمِ فروہ اور زوجہ جنابِ عباسؑ وغیرہ سے گلے مل مل کر اس کرب اور دکھ سے روتی تھیں کہ سننے والوں کا کلیجہ منہ کو آتا تھا۔ خاص طور پر جب اہلِ حرم فاطمہ صغریٰ کو رخصت کرنے لگے، اُس وقت ایک ایک بی بی فرطِ غم سے دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی۔ جنابِ فاطمہ صغریٰ ہر بی بی سے فریاد کر رہی تھیں کہ خدا کیلئے بابا جان سے میری سفارش کرو کہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلیں۔ اس سُونے گھر میں مجھ سے ایک دن نہ رہا جائے گا۔ میں کنبہ کی مفارقت کے صدمہ سے بے موت مر جاؤں گی۔ ہائے یہ گھر تو مجھے ابھی سے کاٹے جاتا ہے۔ سب بیبیاں دلاسا دے کر باری باری رخصت ہوتی جاتی تھیں۔

آہ! فاطمہ صغریٰ کے دل پر اُس وقت کیا گزری ہوگی، حسرت سے ایک ایک کا منہ تکتی تھیں اور رہ جاتی تھیں۔ اپنے ننھے سے بھیا علی اصغر کو گود میں لے کر منہ چومتی تھیں اور دہاڑیں مار مار کر روتی تھیں۔ ان کی یہ بے چینی کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی۔ آہ ___ اس وقت کون جانتا تھا کہ یہ دائمی مفارقت ہے۔ یہ ایسے بچھڑ رہے ہیں کہ اب پھر نہ ملیں گے۔

الغرض جب سب بیبیاں رخصت ہوکر گھر سے نکلیں تو جنابِ فاطمہ صغریٰ عصا کے سہارے اور دیواروں کے سہارے کنبہ کی روانگی دیکھنے کیلئے گھر سے نکلیں۔ جنابِ عباسؑ اور جنابِ علی اکبرؑ نے ہر ایک بی بی کا ہاتھ پکڑ کر بڑی عزت واحترام کے ساتھ سوار کروانا شروع کیا۔ تاکید تھی کہ کوئی نامحرم قریب نہ آنے پائے۔

جب سب بیبیاں سوار ہوچکیں اور قافلہ روانہ ہوا تو دیکھا کہ جنابِ فاطمہ صغریٰ آہستہ آہستہ پیچھے پیچھے چلی آتی ہیں۔ اونٹوں کو روکا گیا، امام علیہ السلام نے گلے لگا کر پوچھا: اب کیوں آئیں؟ بیٹی! اب گھر جاؤ۔ رورو کر کہنے لگیں: بابا! کیا کروں، دل نہیں مانتا۔ دل چاہتا ہے کہ ایک بار سب سے پھر رخصت ہولوں۔ اونٹ بٹھائے گئے، سب بیبیاں اُتریں اور از سرِ نو فاطمہ صغریٰ سے ملیں۔ بعض مقاتل میں ہے کہ جنابِ علی اصغرؑ کو گود میں لے کر جنابِ ربابؑ سے کہنے لگیں: اماں جان! میرے ننھے بھیا کو میرے پاس چھوڑ دیجئے۔ یہ میرا مونسِ تنہائی ہوگا اور میرے ہجراں رسیدہ دل کو اس سے تسلی ہوگی۔ میں اس کی بہت اچھی پرورش کرلوں گی۔ جنابِ ربابؑ نے فرمایا: بیٹی! یہ چند روز کا بچہ بغیر ماں کے کیسے رہ سکتا ہے؟

الغرض فاطمہ صغریٰ کسی طرح اس بچے کو جدا نہ کرنا چاہتی تھیں۔ جب مجبور کیا گیا تو کہا: اچھا یہ زبردستی مجھ سے نہ لیجئے، اگر خوشی سے چلا جائے تو شوق سے لے جایئے۔

ہر بی بی نے کوشش کی کہ علی اصغرؑ بہن کی گود سے جدا ہوجائیں مگر وہ بچہ کسی طرح بہن کو نہ چھوڑتا تھا۔ آخر امامؑ مظلوم اشک آنکھوں میں بھرے ہوئے علی اصغرؑ کے پاس آئے اور کان میں کچھ ایسے کلمات کہے کہ جنابِ علی اصغرؑ نے فوراً بہن کی گود چھوڑ دی۔ غالباً آپؑ نے فرمایا ہوگا: بیٹا! تمہارا نام تو فہرستِ شہداء میں ہے، تم یہاں کیسے رہنا چاہتے ہو؟

مؤمنین! فاطمہ صغریٰ کو علی اصغرؑ کے جدا ہونے کا وہ صدمہ ہوا کہ سر پکڑ کر خاک پر بیٹھ گئیں۔ امامؑ مظلوم نے فرمایا: بیٹی! تم گھبراؤ نہیں، جس وقت ذرا سکونِ قلب ہوا، میں تم کو ضرور بلوالوں گا۔ غرض تسلی دے کر آپؑ فاطمہ صغریٰ کو گھر میں لے گئے۔

آہ ___ جب یہ قافلہ روانہ ہوگیا اور فاطمہ صغریٰ بھرے گھر میں اکیلی رہ گئیں تو اس مریض کے دل پر جو گزری، اس کو کون سمجھتا ہے؟ جو گھر کل تک کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، آج وہ سُونا پڑا ہے، نہ کوئی بوڑھا نظر آتا ہے، نہ جوان، نہ بچہ۔ دو بزرگ بیبیوں کے سوا گھر میں کوئی نہیں: ایک جنابِ اُمِ سلمہ اور دوسری جنابِ اُم البنین۔ یہی اس بیمارِ غم کی ڈھارس تھیں۔

آہ! سارے پرستار، سارے ناز بردار گردشِ روزگار نے چھین لئے۔ صبح سے شام تک منہ ڈھانپے پڑی رہتیں۔ اب زندگی تھی تو صرف اس اُمید پر کہ ایک دن بھیا علی اکبرؑ مجھے لینے کیلئے آئیں گے۔ مہینے گنے جاتے تھے، دن گنے جاتے تھے۔

آہ ___ جب اس حسرت نصیب دکھیا کی یہ آس ٹوٹی ہوگی، جب بہتر (۷۲) کی سنائی کان میں آئی ہوگی، جب یہ سنا ہوگا کہ اس جوان بھائی نے، جس کے انتظار میں دن رات گزر رہے تھے، سینہ پر برچھی کھا کر جان دی۔ علی اصغرؑ کی دودھ بڑھائی تیرِ ستم سے ہوئی، عباسؑ کے شانے قلم کئے گئے، قاسمؑ کی لاش پامال ہوئی، دشمنوں نے سارے خاندان کو بھوکا پیاسا گوسفندانِ قربانی کی طرح ذبح کردیا تو بیمارِ ناتواں پر کیا گزری ہوگی!!!

# امام حسینؑ کا مکہ پہنچنا، اہلِ کوفہ کے خطوط اور مسلمؑ بن عقیلؑ کی شہادت

امام حسن علیہ السلام کے بعد پنجتنؑ پاک میں ایک دم امام حسین علیہ السلام کا باقی تھا، دشمنوں کی آنکھوں میں وہ بھی خار کی طرح کھٹکا اور ان کو یہ گوارا نہ ہوا کہ وہ مدینہ رسولؐ میں اپنی زندگی بسر کریں۔ یزید بدکار نے تخت نشین ہوتے ہی آپؑ سے بیعت طلب کی۔ درصورتِ انکار در پۓ قتل ہوا۔ جب حضرتؑ کو اس شقی کا ارادہ معلوم ہوا تو مدینہ میں اپنا قیام مناسب نہ سمجھ کر مکہ کی جانب سفر کیا کہ وہ حرمِ خدا ہے، اس میں پناہ ملے گی۔ لیکن آہ ___ اس نبیؐ زادہ کو وہاں بھی امان نہ ملی۔

منقول ہے کہ جب امام علیہ السلام مکہ معظّمہ میں تشریف فرما تھے، اہلِ کوفہ کے بہت سے خطوط حضرتؑ کی طلب میں آئے۔ مفصل حال یہ ہے کہ جب معاویہ کے مرنے اور یزید کے تخت نشین ہونے کی خبر اہلِ مکہ کو پہنچی تو وہ نہایت مضطرب ہوئے، بالخصوص اس خبر سے کہ یزید حضرت امام حسین علیہ السلام سے طالبِ بیعت ہے اور آنحضرتؑ ترکِ وطن فرما کر مکہ معظّمہ تشریف لے آئے تھے۔

ایک دن وہ لوگ سلیمان بن صرد خزاعی کے گھر میں جمع ہوئے اور خلافتِ یزید کے متعلق ذکر کرنے لگے۔ جنابِ سلیمان نے فرمایا: تم کو معلوم ہے کہ یزید بدکار امامِؑ ابرار سے بیعت طلب کر رہا ہے اور وہ جنابِ امام حسینؑ مدینہ سے مکہ تشریف لے جا رہے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ فرزندِ رسولؐ ہرگز یزید جیسے فاسق و فاجر انسان کی بیعت نہ کریں گے۔

اس صورت میں یزید ملعون حضرت امام حسین علیہ السلام کے قتل کا خواہاں ہوگا۔ اس صورت میں ہمارا فرض ہے کہ امام علیہ السلام کی نصرت کریں۔ اگر تم صدقِ دل سے آمادہ ہو تو آنحضرتؑ کو اپنے ارادہ سے آگاہ کریں اور اگر تمہارے ارادوں میں ضعف ہے تو اس وقت صاف صاف ظاہر کر دو تا کہ حضرتؑ ہماری طرف سے دھوکا نہ کھائیں۔ یہ سن کر انہوں نے کہا کہ ہم ضرور حضرتؑ کی نصرت کریں گے اور ان کے دشمنوں کو بغیر قتل کئے نہ رہیں گے۔ جنابِ سلیمان نے ان کی ہمت پر مرحبا کہا اور اس مضمون کا ایک خط حضرت امام حسینؑ کو لکھا گیا:

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

''یہ خط امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں اعیانِ کوفہ سلیمان بن صرد، میبّب بن نجبہ، رفاعہ بن شداد اور حبیب ابن مظاہر اور دیگر شیعانِ کوفہ کی طرف سے روانہ کیا جاتا ہے۔ ہم لوگ خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے آپؑ کے دشمن کو ہلاک کیا۔ اس نے اُمتِ مصطفےٰؐ پر بڑا ظلم کیا تھا۔ بے شمار مسلمانوں کے حقوق غصب کئے تھے۔ احکامِ خداوندی کی خلاف ورزی کی تھی۔ بہت سے بے گناہوں کو قتل کیا تھا۔ مالِ خدا میں تصرف کو جائز رکھا تھا۔ اب اس کا بیٹا یزید جو ایک فاسق و فاجر انسان ہے، اس کا جانشین بنا ہے۔ ہم اس کی بیعت ہرگز نہیں کر سکتے۔ ہم تو اپنا ہادی و امامؑ آپؑ ہی کو جانتے ہیں۔ پس آپؑ یہاں تشریف لائیے، ہم سب آپؑ کی بیعت کریں گے۔ ہم چونکہ بے امامؑ کے

ہیں، لہٰذا آپؑ پر ہماری ہدایت فرض ہے۔ اگر آپؑ تشریف نہ لائے تو ہم روزِ جزا رسولؐ خدا سے آپؑ کی شکایت کریں گے"۔

یہ خط عبداللہ بن مسمع ہمدانی اور عبداللہ بن وال کے ہاتھ روانہ کیا گیا۔ دونوں مکہ معظمہ پہنچے اور دسویں ماہِ رمضان کو حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں خط حاضر کیا۔ اس کے بعد اہلِ کوفہ نے پے در پے ایک سو پچاس خطوط اشرافِ کوفہ کے حضرتؑ کی خدمت میں روانہ کئے۔ ان سب میں کچھ شیعانِ علیؑ کے تھے اور دوسرے لوگ جو ایک سیاسی انقلاب کے پیشِ نظر بھیجے گئے تھے۔

حضرتؑ ان خطوط کا جواب دینے میں تامل فرما رہے تھے کہ ایک روز چھ سو خطوط اشرافِ کوفہ کے حضرتؑ کی خدمت میں پہنچے جن میں حضرتؑ کی تشریف آوری پر بہت زور دیا گیا۔ ایک روایت سے معلوم ہوا کہ بارہ ہزار خطوط حضرتؑ کے پاس جمع ہو گئے تھے۔ آخر حضرتؑ نے ان کے جواب میں تحریر فرمایا کہ میں فی الحال تمہاری ہدایت کیلئے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیلؑ کو روانہ کرتا ہوں۔ یہ میرے اہلِ بیتؑ میں سے ہیں اور مجھ کو ان پر بڑا اعتماد ہے۔ جب یہ مجھے وہاں کے حالات سے مطمئن کر دیں گے تو میں بھی یہاں سے روانہ ہو کر تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔

اس خط کو لکھنے کے بعد جنابِ مسلمؑ کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا: اے بھائی! اہلِ کوفہ جو محتاجِ ہدایت ہیں، تم ان کے پاس جاؤ اور ہدایت کرو۔ اگر وہ لوگ بالاتفاق تمہاری بیعت کر لیں اور ہر طرح تمہاری نصرت و یاری پر آمادہ ہوں اور ان کے اقوال و افعال سے محبت و خلوص کا پتہ چلتا ہو تو اطلاع دینا، میں سب کو لے کر آ جاؤں گا۔ اس کے بعد جنابِ مسلمؑ اور اُنؑ کے دو کمسن بچوں کو، جن سے وہ بہت مانوس تھے، اس طرح رخصت کیا جیسے کسی سے دوبارہ ملنے کی اُمید نہ ہو۔ حضرتؑ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور بار بار حضرت مسلمؑ کو سینے سے لگا کر اظہارِ محبت کرتے تھے۔

منقول ہے کہ جنابِ مسلمؑ مکہ سے روانہ ہو کر پہلے مدینہ منورہ آئے اور مسجد رسولؐ میں نماز ادا کی، پھر اپنے عزیزوں سے رخصت ہو کر کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ دو رہبر آپؑ نے اُجرت پر اپنے ہمراہ لئے۔ وہ غیر راہ سے آپؑ کو لئے جا رہے تھے کہ اتفاقاً راستہ بھول گئے۔ پانی اس راہ میں نایاب تھا۔ ان لوگوں پر پیاس اس قدر غالب ہوئی کہ آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ جنابِ مسلمؑ نے ان کو وہیں چھوڑا اور حکمِ امامؑ کی بجا آوری میں کوفہ کی طرف بڑھ گئے۔

جب آپؑ وہاں پہنچے تو اہلِ کوفہ کے گروہ وہاں آپؑ کی خدمت میں آنے شروع ہو گئے۔ حضرت امام حسینؑ کا خط اُن کے سامنے پڑھا۔ سب کے دل محبت سے بھر آئے اور ہر طرح نصرتِ امام علیہ السلام پر اپنی آمادگی ظاہر کی۔ ایک روایت کے مطابق پہلے ہی روز آٹھ ہزار آدمیوں نے آپؑ سے بیعت کی۔ اس کے بعد ہر روز یہ سلسلہ جاری رہا، تا آنکہ چار روز کے اندر اٹھارہ ہزار آدمی آپؑ کی بیعت میں داخل ہو گئے۔

جنابِ مسلمؑ نے ظاہری حالت سے مطمئن ہو کر امام حسین علیہ السلام کو خط لکھا کہ یہاں کے حالات نہایت اطمینان بخش ہیں۔ آپؑ فوراً تشریف لے آئیں۔ آہ ــــ مؤمنین! حضرت مسلمؑ کو کیا خبر تھی کہ اہلِ کوفہ چند ہی روز بعد اُن سے پھر جائیں گے اور غداری اور بے وفائی پر کمر باندھ کر آلِ رسولؐ پر وہ ظلم کریں گے کہ سننے والوں کے دل ہل جائیں گے۔

جب یزید کو یہ معلوم ہوا کہ جنابِ مسلمؑ بن عقیلؑ کوفہ آ گئے اور لوگ ان سے بیعت کر رہے ہیں تو اس شقی نے حاکمِ کوفہ کو معزول کر کے ابن زیاد بدنہاد کو کوفہ کا گورنر بنا کر بھیجا۔ اس شقی کو اہلِ بیتِ رسولؐ سے سخت عداوت تھی۔ وہ بہت جلد منزلیں طے کرتا ہوا رات کے وقت کوفہ میں داخل ہوا۔

لوگ سمجھے کہ امام حسین علیہ السلام تشریف لا رہے ہیں جوق در جوق لوگ استقبال کیلئے نکل پڑے اور خوش ہو کر نعرے مارنے شروع کر دیئے۔ اے فرزند رسولؐ! ہمارے ماں باپ آپؑ پر فدا ہوں۔ آپؑ ہمارے ہادیٔ دین ہیں۔ ہم چالیس ہزار آدمی آپؑ کی نصرت کیلئے تیار ہیں۔ لیکن جب آگے بڑھ کر یہ معلوم ہوا کہ ابن زیاد ہے تو رنج و غم سے عجیب حال ہوا۔ سب اسی وقت پراگندہ ہونا شروع ہو گئے۔

صبح کو ابن زیاد نے شہر میں منادی کروادی کہ سب لوگ مسجد جامع میں اکٹھے ہوں، مجھے ایک ضروری حکم سنانا ہے۔ جب لوگ جمع ہوئے تو اُس نے منبر پر آ کر کہا: اے لوگو! مجھے حاکمِ وقت یزید نے تم پر حاکم بنا کر بھیجا ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ جو کوئی میرا حکم نہ مانے، اُسے میں قتل کروں اور جو فرمانبردار ہو، اُسے انعام و اکرام سے مالا مال کر دوں۔ یاد رکھو! جو کوئی ہمارے دشمن کو اپنے گھر میں پناہ دے گا، سخت سے سخت عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ یہ کہہ کر وہ منبر سے اُتر آیا۔

جب حضرت مسلمؑ کو ابن زیاد کے کوفہ آنے اور یہ حکم سنانے کا حال معلوم ہوا تو آپؑ مختار کے گھر سے نکل کر ہانی بن عروہ کے گھر تشریف لے گئے۔ لوگ خفیہ طور پر آ کر آپؑ کی بیعت کرتے رہے۔ اب حضرت مسلمؑ نے ارادہ کیا کہ اپنے ہمرائیوں کو ساتھ لے کر ابن زیاد سے جنگ کریں۔ لیکن جنابِ ہانی مانع ہوئے اور کہا کہ اس معاملہ میں جلدی نہ کیجئے۔ اسی زمانہ میں شریک بن اعود ہمدانی بھی بصرہ سے آئے تھے اور بیمار ہونے کی وجہ سے اپنے دوست ہانی کے گھر مقیم تھے۔ انہوں نے حضرت مسلمؑ سے کہا کہ ابن زیاد میری عیادت کو ضرور یہاں آئے گا۔ میں اس کو باتوں میں لگالوں گا، جب میں کہوں کہ میرے لئے پانی لاؤ تو آپؑ فوراً باہر نکل کر اُسے قتل کر دیجئے۔

چنانچہ جب ابن زیاد آیا تو دیر تک شریک سے باتیں کرتا رہا۔ انہوں نے قرار کے مطابق پانی مانگا لیکن جنابِ مسلمؑ باہر نہ نکلے، شریک نے یہ سمجھتے ہوئے کہ وقت نکلا جا رہا ہے، ایک شعر پڑھا جس کا خلاصہ یہ تھا:

''موت کا پیالہ پلانے میں جلدی کرنا چاہئے''۔

ابن زیاد اس شعر کو سن کر ڈر گیا اور فوراً اُٹھ کر چلا گیا۔ اُس کے جانے کے بعد جنابِ مسلمؑ باہر آئے تو شریک نے کہا: کیا وجہ ہوئی کہ آپؑ اس شقی کے قتل کرنے سے باز رہے؟ فرمایا: دو وجوہات سے میں نے یہ ارادہ نہ کیا: اوّل مجھے ناگوار ہوا کہ دھوکے سے قتل کر دوں اور بنی ہاشم کی شجاعت پر دھبہ لگے، دوسرے میں یہ سمجھا کہ میری وجہ سے میرا میزبان مصیبت میں مبتلا ہو جائے گا۔ ہانی نے کہا: یہ بڑا اچھا موقعہ ہاتھ سے نکل گیا۔ یقین ہے کہ اب اس بدبخت پر قابو حاصل نہ ہو سکے گا۔

لکھا ہے کہ جب ابن زیاد کو پتہ چلا کہ مسلمؑ بن عقیلؑ ہانی بن عروہ کے یہاں پوشیدہ ہیں تو اس نے جنابِ ہانی کو بلا کر کہا: مسلمؑ کو میرے سامنے حاضر کرو ورنہ میں تمہیں قتل کروادوں گا۔ یہ سن کر جنابِ ہانی کو غصہ آ گیا، فرمایا: میں نے مسلمؑ کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے، وہ میرے مہمان ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ میں اپنے مہمان کو قتل ہونے کیلئے تیرے حوالے کر دوں؟ تو مجھے قتل سے کیا ڈراتا ہے، میرا قتل کرنا

آسان نہیں۔ میری قوم تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گی۔ یہ سن کر وہ شقی غصے سے تھر تھر کانپنے لگا اور اپنی چھڑی کو بار بار اس زور سے ان کے چہرے پر مارا کہ پیشانی اور رخسار سے خون کی دھاریں پھوٹ پڑیں اور تمام کپڑے لہولہان ہو گئے۔ ایک آنکھ بھی ضائع ہو گئی۔ آخر اس ملعون نے اُس مؤمن پاک کو قتل کروادیا۔

جب جنابِ ہانی کی شہادت کی خبر جناب مسلمؑ سے سنی تو بہت دل شکستہ اور غمگین ہوئے اور اُسی روز آپؑ نے ابن زیاد سے مقابلہ کا قصد کیا۔ کئی ہزار آدمی آپؑ سے نصرت کا وعدہ کر چکے تھے۔ آپؑ نے ان سب کو کہلا بھیجا کہ آج ہم بعد نمازِ عشاء خروج کریں گے۔ لیکن ابن زیاد کا خوف اہلِ کوفہ پر ایسا غالب آیا کہ اس رات کو بہت کم لوگ نماز پڑھنے کیلئے آئے۔ جب آپؑ نماز سے فارغ ہوئے تو پیچھے مڑ کر دیکھا تو پچیس تیس آدمیوں سے زیادہ نہ تھے۔ اس غداری اور بے وفائی پر آپؑ بہت زیادہ رنجیدہ ہوئے اور اپنے ساتھیوں سے فرمایا: اگرچہ اہلِ کوفہ نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے لیکن میرا جو ارادہ ہے، اُسے ضرور پورا کروں گا۔ چنانچہ نمازِ عشاء کے بعد جب آپؑ چلے تو بقیہ لوگ بھی کترا کر اِدھر اُدھر نکل گئے۔ جب آپؑ نے مڑ کر دیکھا تو دس آدمیوں سے زیادہ نہ تھے۔ چند قدم بعد وہ بھی غائب ہو گئے۔ اب کوئی اتنا بھی نہ تھا کہ وہ آپؑ کو راستہ بتائے۔

آہ ــــ اب حضرت مسلمؑ سرگرداں و پریشان کوفہ کے گلی کوچوں میں پھرتے تھے اور کہیں جائے پناہ نظر نہ آتی تھی۔ بار بار کفِ افسوس مل کر کہتے تھے کہ میں نے کیا غضب کیا کہ فرزندِ رسولؐ کو یہاں آنے کیلئے لکھا۔ خدا کرے کہ حضرتؑ ادھر تشریف نہ لائیں۔ الغرض اس پریشانی میں چلے جارہے تھے کہ طوعہ نامی ایک خاتون اپنے دروازے پر کھڑی نظر آئی، آپؑ نے فرمایا: اے کنیزِ خدا! میرا شدتِ تشنگی سے بُرا حال ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ تھوڑا سا پانی مجھے پلادے۔ یہ سن کر وہ اندر گئی اور پانی لے کر آئی۔ جنابِ مسلمؑ پانی پی کر وہیں دروازے پر بیٹھ گئے۔ اس عورت نے کہا: اے بندۂ خدا! میں نے تیری خواہش کو پورا کر دیا، اب تو کس لئے دروازہ پر بیٹھا ہے؟ زمانہ پرآشوب ہے، اپنے گھر کیوں نہیں جاتا؟

یہ سن کر جنابِ مسلمؑ کے دل پر چوٹ لگی۔ اُس کے دروازے سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور نہایت دردناک لہجے میں فرمایا: اے کنیزِ خدا! میں پردیسی ہوں، نہ یہاں میرا گھر ہے، نہ عزیز و اقارب، جاؤں تو کہاں جاؤں اور کس سے اپنا دردِ دل کہوں؟ اُس نے پوچھا: تم کون ہو اور یہاں کس غرض سے آئے ہو؟ فرمایا: اے ضعیفہ! میں مسلمؑ بن عقیلؑ ہوں، سفیر امام حسین علیہ السلام ہوں۔ اہلِ کوفہ نے مجھ سے فریب کیا اور پردیس میں میرا سب ساتھ چھوڑ گئے۔ جب اُس نے یہ سنا تو آپؑ کے قدموں پر گر پڑی اور کہنے لگی: آپؑ میرے سید و سردار ہیں، آپؑ کی میں ادنیٰ کنیز ہوں۔ میرا گھر آپؑ ہی کا گھر ہے، آپؑ شوق سے تشریف لائیے، جو خدمت ممکن ہے، انجام دوں گی۔

الغرض طوعہ آپ کو اپنے گھر میں لے گئی اور کھانا لا کر آپؑ کے آگے رکھا۔ آپؑ نے فرمایا: فرطِ رنج و غم سے میری بھوک جاتی رہی ہے۔ اس وقت کچھ نہ کھاؤں گا، صبح کو دیکھا جائے گا۔ طوعہ نے کہا: اچھا میں فرش بچھائے دیتی ہوں، آپؑ آرام فرمائیے۔ حضرت مسلمؑ لیٹ تو گئے لیکن تمام رات نیند نہ آئی۔ صبح کو جب طوعہ وضو کیلئے پانی لے کر آئی تو اُس نے عرض کی: اے میرے سید و مولا! اس کی کیا وجہ ہے کہ آپؑ تمام رات بے چین رہے۔ فرمایا: ذرا دیر کو میری آنکھ لگ گئی تھی کہ میں نے اپنے چچا امیر المؤمنین علی علیہ السلام کو یہ فرماتے سنا کہ اے مسلمؑ!

جلد آ جاؤ۔ پس میرا گمان ہے کہ آج کا دن میری زندگی کا آخر دن ہے۔

منقول ہے کہ کسی نے ابن زیاد ملعون کو یہ خبر پہنچادی کہ مسلمؑ بن عقیلؑ طوعہ کے گھر میں چھپے ہوئے ہیں۔ اُس شقی نے محمد بن اشعث کو بلا کر حکم دیا کہ پانچ سو سوار لے کر جا اور مسلمؑ بن عقیلؑ کو گرفتار کرے اور اگر گرفتاری ممکن نہ ہو تو قتل کر ڈال۔

ابن اشعث فوراً روانہ ہوا۔ جب یہ لوگ طوعہ کے گھر کے قریب پہنچے اور گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز طوعہ کے کانوں میں آئی تو اُس نے جنابِ مسلمؑ کو خبر دی۔ آپؑ نے فرمایا:

"اِنَّاللّٰهِ وَاِنَّااِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ".

پھر آپؑ نے اپنی زِرہ پہنی اور ہتھیار بدن پر سجا کر مقابلہ کیلئے آمادہ ہوئے۔ طوعہ سے فرمایا: مجھے خدشہ ہے کہ کہیں یہ لوگ تمہارے گھر میں نہ گھس آئیں اور میں جنگ کرنے کا موقعہ نہ پاسکوں۔ اُس نے کہا کہ اگر یہ لوگ آپؑ کو قتل کریں گے تو میں خود ان سے اس حد تک جنگ کروں گی کہ قتل ہو جاؤں۔

الغرض حضرت مسلمؑ باہر نکلے اور لڑنا شروع کیا، یہاں تک کہ تھوڑی دیر میں ایک سو پچاس آدمیوں کو واصلِ جہنم کیا۔ جب محمد بن اشعث نے جنابِ مسلمؑ کی شجاعت کا یہ حال دیکھا تو ایک سوار کو دوڑا کر ابن زیاد سے اور کمک طلب کی۔ اُس نے پچاس سوار اور بھیجے۔ جنابِ مسلمؑ نے اُن سے بھی مقابلہ کیا اور بہت سوں کو مار گرایا۔ لیکن کئی گھنٹے کی متواتر جنگ میں بے شمار تیر حضرت مسلمؑ کے جسم مبارک میں پیوست ہو گئے تھے اور جابجا خون کے فوارے بہہ رہے تھے۔

اسی حالت میں ایک شقی القلب نے ایسا نیزہ آپؑ کے چہرۂ اقدس پر مارا کہ اوپر کا ہونٹ کٹ گیا اور آپؑ کے کئی دانت بھی ٹوٹ کر گر پڑے۔ اسی حال میں کچھ لوگ مکانوں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور پھر ہر طرف سے اس غریب الوطن اور بے یار و مددگار سید پر پتھر برسانے شروع کر دیئے۔ حضرت مسلمؑ اس حال میں برابر حملے کئے جاتے تھے۔ آخر جب بہت زیادہ زخمی ہو گئے اور کھڑے ہونے کی طاقت نہ رہی تو دشمنوں نے اس شیر بیشۂ شجاعت کو چاروں طرف سے گھر کر گرفتار کر لیا۔

حضرت مسلمؑ نے فرمایا: اے ظالمو! مجھے تھوڑا سا پانی دو کہ میں بہت پیاسا ہوں۔ ایک شقی کو ان کی مظلومی پر رحم آیا اور آپؑ کو ایک کوزۂ آب بھر کر دیا۔ آپؑ نے پینا چاہا تو منہ کا خون پانی میں مل گیا۔ حضرتؑ نے وہ پانی پھینک دیا اور فرمایا: ہماری قسمت میں پیاسا ہی مرنا لکھا ہے۔ اس کے بعد آپؑ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے تو ایک شقی نے از روئے طنز کہا: اے مسلمؑ! بہادر اس طرح رویا نہیں کرتے۔ فرمایا: او بد بخت! میں جان کے خوف سے نہیں روتا بلکہ اپنے آقا حسین علیہ السلام کے تصور سے روتا ہوں کہ آپؑ کے ساتھ بچے اور عورتیں بھی ہیں۔ اگر میرے خط پر ادھر چلے آئے تو یہ کوفی اُنؑ سے بھی دغا کریں گے۔

اس کے بعد آپؑ نے محمد بن اشعث سے فرمایا: اے شخص! میں چاہتا ہوں کہ اس وقتِ آخر میں میرے ساتھ ایک نیکی کر اور وہ یہ ہے کہ ایک قاصد امام حسین علیہ السلام کی طرف روانہ کر دے کہ وہ جا کر حضرت امام حسین علیہ السلام سے کہہ دے کہ مسلمؑ بن عقیلؑ دشمن کے

ہاتھ میں قید ہو گئے۔ شاید آج شام تک قتل ہو جائیں۔ لہٰذا ادھر آنے کا قصد نہ فرمائیں۔ اہلِ کوفہ سے کوئی اُمید نہیں۔

مؤمنین! مکار ابن اشعث نے اس وقت تو وعدہ کر لیا لیکن وفا نہ کیا اور امام حسینؑ کو اطلاع نہ پہنچی۔ الغرض جب حضرت مسلمؑ گرفتار ہو کر ابن زیاد کے سامنے آئے تو آپؑ نے اس شقی کو سلام نہ کیا۔ لوگوں نے کہا: اے مسلمؑ! امیر کو سلام کرو۔ آپؑ نے فرمایا: میرا امیر حسینؑ بن علیؑ کے سوا کوئی نہیں۔ ابن زیاد کو وہ سلام کرے گا جو موت سے ڈرتا ہو۔ ابن زیاد یہ سن کر غضبناک ہوا اور کہنے لگا: میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔ آپؑ نے فرمایا: جانتا ہوں تو ایسا ضرور کریگا لیکن اتنی مہلت دے کہ میں کسی شخص کو وصیت کرلوں۔ یہ سن کر وہ چپ رہا۔ تب آپؑ نے اس کے درباریوں پر ایک نظر ڈالی۔ عمر سعد بیٹھا ہوا نظر آیا، فرمایا: اے پسر سعد! تیرے اور ہمارے درمیان قرابت ہے، میں چاہتا ہوں کہ تجھ سے چند وصیتیں کروں، بشرطیکہ تو بجالانے کا وعدہ کرے۔ اس معلون نے اوّل تو اقرار نہ کیا لیکن جب ابن زیاد نے اجازت دی تو سننے پر راضی ہوا۔

حضرت مسلمؑ نے فرمایا:

۱۔ پہلی وصیت یہ ہے کہ میرے اوپر سات درہم قرض ہے، میری زِرہ بیچ کر اسے ادا کرنا۔

۲۔ دوسرے میرے پاس کچھ لوگوں کی امانتیں ہیں، وہ واپس کر دینا۔

۳۔ تیسرے فرزندِ رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام کو لکھ کر بھیجنا کہ اِدھر آنے کا قصد نہ فرمائیں، ورنہ جو مصیبت مجھ پر گزری ہے، وہ اُنؑ پر بھی آئے گی۔

عمر سعد نے کہا: پہلی دو باتیں تو مجھے منظور ہیں لیکن حسینؑ ابن علیؑ کو تمہارا پیغام نہ پہنچاؤں گا، میں چاہوں گا کہ وہ یہاں آئیں اور قتل کر دیئے جائیں۔ یہ سن کر جنابِ مسلمؑ نے فرمایا: او شقی! خدا کی تجھ پر لعنت ہو، فرزندِ رسولؐ کے متعلق تو کیسی بد زبانی کر رہا ہے؟

اس کے بعد ابن زیاد ملعون نے حکم دیا کہ مسلمؑ کو مکان کی چھت پر لے جا کر قتل کر دو اور اُنؑ کی لاش کو اوپر سے نیچے پھینک دو۔ یہ حکم سنتے ہی ابن زیاد کے غلام دوڑے اور جنابِ مسلمؑ کو کشاں کشاں لے گئے۔ جب انہوں نے قتل کیلئے تلواریں بلند کیں تو آپؑ نے فرمایا: اے بدبختو! مجھے اتنی مہلت دو کہ میں دو رکعت نماز ادا کرلوں۔ انہوں نے کہا: ہم نہیں جانتے کہ نماز کیا ہے؟ آخر کار انہوں نے اس شیر کو چاروں طرف سے گھیر میں لے کر قتل کر دیا اور لاش کو مکان کی چھت پر سے نیچے پھینک دیا۔

آہ ___ مؤمنین! ابن زیاد ملعون نے اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ حکم دیا کہ مسلمؑ اور ہانی دونوں کی لاشوں کو پیروں میں رسی باندھ کر گلی کوچوں میں گھسیٹا جائے تاکہ لوگ خوفزدہ ہوں اور پھر یزید کی مخالفت کا ارادہ نہ کریں۔ ہائے! ایسی بیکسی کی موت کسی کی نہ ہوگی۔ گھر سے دور، وطن سے دور، نہ مونس نہ غمخوار، نہ یار نہ مددگار، نہ غسل نہ کفن، ظالم دونوں لاشوں کو ہر طرف گھسیٹتے پھرتے تھے۔ جب یہ خبر قبیلہ مذحج کو پہنچی تو وہ مسلح ہو کر آ پہنچے اور لاشوں کو زبردستی چھین کر لے گئے اور غسل و کفن دے کر دفن کر دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ ابن زیاد نے حکم دیا کہ حضرت مسلمؑ کا سر کاٹ کر شہر کے دروازے پر لٹکا دیا جائے۔ چنانچہ آپؑ کا سرِ مبارک اس وقت تک وہاں لٹکا رہا جب تک اہلِ حرم قید ہو کر وہاں پہنچے۔ لکھا ہے کہ جب اہلِ حرم کا لٹا ہوا قافلہ باب الساعات پر پہنچا اور سیدانیوں نے جنابِ مسلمؑ کے سر کو دیکھا تو ''وَامُسلِمَاہُ، وَامُسلِمَاہُ'' کی آوازیں بلند ہوئیں۔ خاص طور پر جنابِ مسلمؑ کی بیٹی رقیہ کا بڑا غیر

حال ہوگیا۔ رو رو کر کہتی تھیں: ہائے بابا! کس ظالم نے آپؑ کا سرتن سے جدا کیا؟ اُن کو میری کمسنی پر رحم نہ آیا۔ کاش! میں مرجاتی، میں اندھی ہوجاتی کہ آپؑ کو اس حالت میں نہ دیکھتی۔ میرے بابا! میرے پاس آکر ہماری داستانِ غم تو سن لیجئے۔ بابا! ہمارا گھر تباہ ہوگیا ہے۔ بوڑھے، جوان اور بچے سب مارے گئے۔ ہمارے خیموں میں آگ لگائی گئی، ہمیں قید کیا گیا۔

آہ ___ بابا! مجھے پتہ نہیں کہ آپ کو خبر ملی یا نہیں، بابا! ظالم میرے اونٹ کو آپؑ کے سر کے قریب نہیں آنے دیتے، ورنہ میں آپؑ کو سر بریدہ گلے سے لگاتی اور اپنے تڑپتے دل کو تسکین دیتی۔ یتیمِ مسلمؑ کی یہ باتیں سن کر بیبیوں کے دل سینے میں ہل گئے اور آنکھوں سے آنسوؤں کی دھاریں بہنے لگیں۔ بیمارِؑ کربلا نے بہت چاہا کہ اہلِ حرم کے اونٹ جنابِ مسلمؑ کے سر کے قریب ہوجائیں مگر وہ ظالم نہ مانے۔

آخر وہ نیزۂ طویل جس پر سرِ اقدسِ امامِ مظلومؑ تھا، جنابِ مسلمؑ کے سر کے قریب پہنچ کر خولی کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گیا اور باچشمِ پُرآب بھائی نے بھائی کو دیکھا، لبوں کو جنبش ہوئی۔ اس شور وغل میں کون سن سکتا تھا کہ کیا گفتگو ہوئی؟ خیال ہے کہ جب جنابِ مسلمؑ نے اپنی پُر درد کہانی اپنے یتیم بچوں کی تنہائی، بیکسی اور روح فرسا شہادت کی غم بھری داستان سنائی ہوگی، پھر امام حسین علیہ السلام کے سر نے فرمایا ہوگا: بھائی مسلمؑ! صبر کرو، اللہ جزا دینے والا ہے۔ میرے مظلوم برادر! کربلا میں ہم پر وہ ظلم ہوئے کہ تاریخ عالم میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ آہ ___ رسولؐ کا گھر تباہ ہوگیا۔ بھیا مسلمؑ! میرا اکڑیل جوان علی اکبرؑ تین دن کا بھوکا پیاسا سینہ پر برچھی کھا کر خاک پر ایڑیاں رگڑ کر میری آنکھوں کے سامنے راہیِ جنت ہوا۔

میرا شیر سا بھائی، حیدرؑ کرار کی یادگار، میری فوج کا علمدار، میرے بچوں کا سقہ عباسؑ دونوں شانے کٹوا کر خون میں نہا کر مجھ سے جدا ہوا۔ بھائی حسنؑ کی یادگار قاسمؑ پامالِ سمِ اسپاں ہوا۔ زینبؑ کے دونوں نونہال پیاس سے تڑپتے جنت کو سدھارے۔ بھائی مسلمؑ! انتہا یہ ہے کہ میرا شیرخوار بچہ علی اصغرؑ بھی تیر ظلم کا نشانہ بنا دیا گیا۔

❁ ❁ ❁

# امام حسینؑ کا مکہ سے سفرِ عراق

کتب تواریخ میں منقول ہے کہ ماہِ شعبان 60ھ سے ماہ ذی الحجہ تک امام علیہ السلام مکہ معظمہ میں مقیم رہے۔ جب یزید کو یہ حال معلوم ہوا کہ حسین علیہ السلام مکہ میں ہیں تو اُس نے چالیس افراد حاجیوں کے لباس میں بھیجے کہ ایامِ حج میں عین کعبہ کے اندر حضرتؑ کو شہید کردیں۔ جب آپؑ کو اس کا علم ہوا تو اس خیال سے کہ حرمتِ خانۂ کعبہ برباد نہ ہو اور آپؑ کا خون حرمِ کعبہ میں نہ بہایا جائے، آپؑ نے احرامِ حج کو عمرہ میں بدل کر آٹھویں یا نویں ذی الحجہ کو وہاں سے عراق کی طرف روانگی کا قصد فرمایا۔

آہ مؤمنین ـــــ یہ وہی تاریخ تھی جس میں حضرت مسلمؑ کوفہ میں شہید ہوئے تھے۔ آہ! ہمارے مظلوم امامؑ کو کیا خبر تھی کہ دنیائے اسلام ان پر ظلم کرنے کیلئے اس حد تک کمربستہ ہوگئی کہ دنیا کے کسی گوشہ میں انؑ کو پناہ دینا نہیں چاہتی۔ آہ! امامِ عالی مقام کا پیارا بھائی پردیس میں اشقیائے اُمت کے انتہائی ظلم وستم اُٹھا کر راہیِ جنت ہوا۔

بروایت لہوف اور ابو محمد واقدی زرارہ سے منقول ہے کہ مکہ معظمہ کی روانگی سے تین دن پہلے خدمت امامؑ میں حاضر ہوا اور عرض کی: یابن رسولؐ اللہ! سنتا ہوں کہ آپؑ عراق کی طرف جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ حضورؑ اس طرف جانے کا قصد نہ فرمائیں۔ کوفہ کے لوگ بے وفا ہیں۔ ان کے دل تو آپؑ کے ساتھ ہیں لیکن ان کی تلواریں دشمن کے حکم پر چلتی ہیں۔ فرمایا: اے زرارہ! تم اس بات کو نہیں جانتے جس کو میں جانتا ہوں۔ مجھے خبر مل چکی ہے کہ اگر میں سوراخِ مور و مار میں بھی پناہ لوں گا تو بھی یہ ظالم بنی اُمیہ مجھے وہاں بھی نہ چھوڑیں گے۔ مجھے علم ہے کہ میرے عزیزوں اور ناصروں میں سے سوائے میرے فرزند علیؑ ابن الحسینؑ کے کوئی زندہ نہ رہے گا۔ میں حضرت امام حسین علیہ السلام سے یہ سن کر خاموش ہو رہا۔ لیکن میرا دل حضرتؑ کی مصیبت کے تصور سے بُری طرح کڑھ رہا تھا۔ صاحب منتخب لکھتے ہیں کہ جب جنابِ محمد بن حنفیہ کو یہ معلوم ہوا کہ امام حسین علیہ السلام عازمِ عراق ہیں تو آپ حاضر خدمت ہو کر عرض کرنے لگے: اے بھائی! آپؑ اہلِ مکہ کے غدار ہونے سے بخوبی واقف ہیں۔ ان لوگوں نے ہمارے پدرِ بزرگوار اور برادرِ عالی مقدار سے جو بدسلوکی کی ہے، اُس سے مجھے یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ آپؑ کے ساتھ کہیں وہی عمل نہ کریں۔ بہتر یہی ہے کہ یہاں آپؑ حرمِ خدا میں پناہ گزیں رہیں۔ اُمید ہے کہ یہاں آپؑ کو دشمنوں کے شر سے نجات ملے گی۔ حضرتؑ نے فرمایا: مجھے خدشہ ہے کہ کہیں یزید حرمِ خدا میں مجھے قتل نہ کروادے۔ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے حرمتِ خانۂ کعبہ برباد ہو۔ انہوں نے کہا کہ اگر یہ خوف ہے تو یمن کی طرف تشریف لے جایئے۔ وہاں بکثرت آپؑ کے شیعہ ہیں، یزید ہرگز وہاں آپؑ کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو آپؑ پہاڑوں اور جنگل کی طرف نکل جائیں بہ نسبت کوفے کے۔ ان مقامات پر امن وامان کی زیادہ توقع ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا: اے بھائی! میں انجام سے باخبر ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ بنی اُمیہ کی تلواروں سے مجھے کہیں امان نہ ملے گی لیکن

چونکہ تم از راہِ شفقت اور محبت کہہ رہے ہو، لہٰذا میں تمہارا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔

بروایت اب طاؤس جب صبح کو حضرتؑ کا سامانِ سفر اونٹوں پر بار ہونے لگا تو محمد بن حنفیہ پھر حاضر خدمت ہوئے اور بڑی بیتابی سے عرض کرنے لگے: آپؑ اتنی جلدی کیوں کر رہے ہیں؟ کچھ توقف کر کے یہاں کے حالات کا جائزہ لیجئے۔ حضرتؑ نے فرمایا: اے بھائی! رات کو میں نے خواب میں ناناؐ جان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حسینؑ! جلد مکہ سے نکلو ___ مرضیِ الٰہی یہی ہے کہ تم کو اپنی راہ میں مقتول دیکھے۔ انہوں نے کہا: اچھا! اگر آپؑ جانا ہی چاہتے ہیں تو عورتوں اور بچوں کو اپنے ساتھ نہ لے جایئے۔ موسم بہت خطرناک ہے، اس سخت گرمی میں پہاڑوں اور ریگستانوں کا سفر کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ راستہ میں کوسوں پانی نہیں ملتا، پھر ہر قدم پر دشمنوں کا خطرہ ہے۔ ایسا نہ ہو کہ آپؑ بمعہ اہل وعیال کسی خطرہ میں مبتلا ہو جائیں۔ حضرتؑ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا: ناناؐ نے خواب میں ارشاد فرمایا ہے کہ خدا ان خواتین کو بھی اپنی راہ میں اسیر دیکھنا چاہتا ہے۔ دوسرے میرے اہلِ بیتؑ مجھ سے اس قدر مانوس ہیں کہ کسی طرح میرا تنہا جانا اور مجھ سے دور رہنا گوارا نہ کریں گے۔ محمد بن حنفیہ مایوس ہو گئے تو کنبے کی جدائی کے صدمے سے دہاڑیں مار مار کر رونے لگے اور انتہائی حسرت ویاس کے ساتھ ایک ایک سے رخصت ہونے لگے۔

ایک روایت میں ہے کہ عبداللہ بن عباس حاضر خدمت ہو کر عرض کرنے لگے: یا بن رسولؐ اللہ! اگر آپؑ آمادۂ سفر ہیں تو عورتوں اور بچوں کو اپنے ساتھ نہ لے جایئے۔ حضرتؑ نے فرمایا: اے ابن عباس! یہ سب امانتِ رسولؐ ہیں۔ میں ان کو تنہا کیسے چھوڑ سکتا ہوں؟ دوسرے یہ لوگ مجھ سے اس درجہ مانوس ہیں کہ کسی طرح مجھ سے جدا ہونا گوارا نہ کریں گے۔ جب ابن عباس سے گفتگو ہو رہی تھی، پس پردہ ایک بی بی کے رونے کی آواز آئی اور انہوں نے فرمایا: واہ ابن عباس! تم فرزندِ رسولؐ کو خوب مشورہ دے رہے ہو کہ وہ ہمیں چھوڑ کر چلے جائیں۔ خدا کی قسم! اے ابن عباس! ہماری زندگی اور موت امام حسینؑ کے دم کے ساتھ ہے، سوائے اس سہارے کے دنیا میں ہمارا کوئی نہیں۔ ہم کو مرنا گوارا ہے مگر فرزندِ رسول کا ساتھ چھوڑنا کسی حالت میں گوارا نہیں۔

مؤمنین! آپ سمجھے کہ یہ کس بی بی کی آواز تھی؟ یہ امام حسین علیہ السلام کی دکھیا بہن جنابِ زینب سلام اللہ علیہا تھیں۔ الغرض امام علیہ السلام آٹھ ذی الحجہ کو مع اپنے اہلِ حرم کے عراق کی طرف روانہ ہوئے۔ جب منزلِ ذاتِ عرق میں نزولِ اجلال فرمایا تو جنابِ عبداللہ، شوہر جنابِ زینبؑ اپنے دونوں فرزندوں عونؑ ومحمدؑ کو لے کر وہاں پہنچے۔ دیر تک تنہائی میں حضرت ان سے باتیں کرتے رہے۔ آپؑ نے جنابِ عبداللہ سے فرمایا: میں تمہارا مدینہ میں رہنا مناسب سمجھتا ہوں کیونکہ وہاں اہلِ حرمِ رسولؐ جنابِ اُم سلمہ اور حرمِ امیر المؤمنین علیہ السلام جنابِ اُم البنین اور دیگر مخدرات ہمارے خاندان کی ہیں۔ آپ چونکہ مدینہ میں ذی اثر ہیں، لہٰذا میں آپ کو وہیں رہنے کا حکم دیتا ہوں۔ جب جنابِ عبداللہ کو واپس ہونا پڑا تو اپنے دونوں فرزندوں کو خدمتِ امام علیہ السلام میں پیش کر کے فرمایا: اے فرزند! خبردار، تم اپنے ماموں سے ایک لمحہ کیلئے بھی جدا نہ ہونا اور راہِ خدا میں انؑ کے ساتھ مل کر جہاد کرنا۔ میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ آپؑ میری جگہ فرزندِ رسول کو سمجھنا۔ یہ کہہ کر عبداللہ تشریف لے گئے۔

بروایت لہوف جب حضرتؑ منزل ثعلبہ پر پہنچے تو نماز ظہر کے بعد آپؑ تھوڑی دیر کیلئے سو گئے۔ ناگاہ خواب میں کسی کو کہتے سنا کہ یہ روانگی میں جلدی کر رہے ہیں اور موت ان کو جنت میں لے جانا چاہ رہی ہے۔ جب حضرتؑ خواب سے بیدار ہوئے تو آپؑ کے چہرے پر حزن و ملال کے آثار ہویدا تھے۔ ناگاہ جناب علی اکبرؑ خیمہ میں داخل ہوئے اور آپؑ کی پریشانی خاطر کا سبب پوچھا۔ آپؑ نے اپنا خواب بیان کیا۔ شہزادہ علی اکبرؑ نے عرض کی: بابا جان! کیا ہم حق پر نہیں؟ فرمایا: ہم ضرور حق پر ہیں۔ تب علی اکبرؑ نے شجاعانہ انداز میں کہا: پھر ہم کو موت کی ذرا پروا نہیں۔ یہ سن کر حضرتؑ نے اپنے جوان فرزند کو سینے سے لگایا اور فرمایا: اے فرزند! خدا تجھ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اسی کتاب میں ہے کہ دوسرے روز جب حضرتؑ نمازِ صبح سے فارغ ہوئے تو ابو ہرہ ازدی کوفہ کی طرف سے آتا ہوا نظر آیا۔ حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر پہلے تو مؤدبانہ سلام کیا اور پھر عرض کرنے لگا کہ اے فرزندِ رسولؐ! اس کا کیا سبب ہے کہ آپؑ اس زمانہ میں حرمِ خدا کو چھوڑ کر عازمِ سفر ہوئے ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: اے ابو ہرہ سن! بنی اُمیہ نے ہم سے سلطنت چھینی، ہم نے صبر کیا۔ ہمارا مال چھینا، ہم نے ضبط کیا لیکن جب دین، جان اور آبرو کے خواستگار ہوئے تو مجھے گھر چھوڑنا پڑا۔ ابو ہرہ کہتا ہے کہ حضرتؑ کی یہ دردناک داستان سن کر میرے آنسو نکل پڑے۔

بروایت ارشاد حضرتؑ منزلِ حاجر پر پہنچے تو آپؑ نے قیس بن سہر سیداوی کو، ایک اور روایت کے مطابق عبداللہ بن یقطر کو ایک خط دے کر کوفہ کی طرف روانہ کیا کیونکہ آپؑ حضرت مسلمؑ کی طرف سے بہت متردد تھے۔ قیس اس خط کو لے کر قادسیہ تک پہنچے تھے کہ حصین بن نمیر جو ابن زیاد کی طرف سے امام حسینؑ کی راہ روکنے کیلئے قادسیہ پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا، جنابِ قیس کو گرفتار کر لیا اور حضرتؑ کے خط کا تجسس کرنے لگا۔ قیس نے اس کا ارادہ معلوم کر کے خط کو فوراً چاک کر ڈالا۔ اس پر ابن نمیر کو بڑا غصہ آیا اور اُس مؤمن پاک اعتقاد کو قید کر کے ابن زیاد کے پاس بھیج دیا۔ ابن زیاد نے ڈانٹ کر کہا: تو نے خط کو کیوں چاک کیا؟ انہوں نے کہا: اس لئے کہ تو میرے امامؑ کے حالات سے واقف نہ ہو۔ ابن زیاد نے ڈانٹ کر کہا: میں تجھے اس وقت تک نہ چھوڑوں گا جب تک تو ان لوگوں کے نام نہ بتائے گا جن کے نام خط بھیجا گیا تھا۔ قیس نے کہا: میں تجھے کسی ایک کا نام بھی نہ بتاؤں گا۔ یہ سن کر اس شقی نے حکم دیا کہ قیس کو مسلمؑ بن عقیلؑ کی طرح مکان کی چھت پر سے گرا کر ہلاک کر دو۔

جب امام علیہ السلام کو قیس کی شہادت کی خبر معلوم ہوئی تو آپؑ بہت روئے اور اُنؒ کی مغفرت کیلئے دعا کی۔ منقول ہے کہ جب ابن زیاد کو معلوم ہوا کہ امام حسین علیہ السلام کوفہ کی طرف آرہے ہیں تو اس شقی نے تمام راستوں پر ناکہ بندی کر دی اور جابجا پہرے بٹھا کر آنے والوں کا راستہ روک دیا۔ حضرتؑ کو اس بندوبست کی خبر نہ تھی۔ آپؑ برابر منزلیں طے کرتے چلے آرہے تھے۔ جناب زہیر بن قین اور ان کے چند ساتھی بھی مکہ سے ہمسفر تھے۔ لیکن کسی منزل پر حضرتؑ کے خیموں کے پاس اپنے خیمے نصب نہ کرتے تھے بلکہ دور دور رہتے تھے۔ ایک دن صبح کو وہ لوگ کھانا کھا رہے تھے کہ امام علیہ السلام کا بھیجا ہوا ایک شخص زہیر بن قین کے پاس آیا اور سلام کر کے کہنے لگا: مجھے فرزندِ رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ یہ سنتے ہی ہر شخص نے اپنا اپنا نوالہ ہاتھ سے رکھ دیا اور ایسے خاموش ہوئے کہ گویا کوئی پرندہ

اُن کے سروں پر بیٹھا ہے۔

بروایت ابن طاؤس زہیر کی زوجہ جو پس پردہ بیٹھی تھی، جھڑک کر کہنے لگی: مرحبا اے زہیر! تمہاری حمیت پر کہ فرزندِ رسولؐ تمہیں طلب فرمائیں اور تم اُنؑ کی خدمت میں حاضر نہ ہو۔

اے زہیر! اگر تمہیں وہاں جانے میں تامل ہے تو اجازت دو کہ میں اپنے امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر تمہارے بلانے کا سبب معلوم کرلوں؟ یہ سن کر فوراً زہیر اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرتؑ کی خدمت میں پہنچے۔ حضرتؑ نے کچھ دیر اُن سے گفتگو کی۔ اب جو زہیر وہاں سے پلٹے تو اُن کے چہرے پر شگفتگی کے آثار نمایاں تھے۔ فوراً اپنے ساتھیوں کے پاس آئے اور اُن سے کہا کہ خیمے یہاں سے اکھاڑ کر امام علیہ السلام کے خیموں کے پاس لگائے جائیں۔

اس کے بعد جنابِ زہیر نے اپنی زوجہ سے فرمایا کہ میں نے آج سے اپنے آپ کو امام علیہ السلام کے سپرد کر دیا ہے۔ اب میں اپنی جان حضرتؑ پر فدا کرنے کیلئے ہر وقت تیار رہوں گا۔ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تم کسی مصیبت میں گرفتار ہو۔ بہتر یہ ہے کہ طلاق لے کر تم اپنے قبیلے چلی جاؤ۔ یہ گوارا نہیں کہ میرے بعد میری ناموس کی ہتک ہو۔ یہ سننا تھا کہ وہ مؤمنہ رو رو کر کہنے لگی: اے زہیر! مرحبا، تم نے کیا خوب میرے آرام کی صورت نکالی؟ اے زہیر! مقامِ تامل ہے کہ تمہیں اپنی زوجہ کی آبرو کا تو اتنا خیال ہے اور نبیؐ زادیوں کا خیال نہیں؟ غم نہ کرو، تم شوق سے فرزندِ رسولؐ پر اپنی جان فدا کرو، میں دخترانِ علیؑ و فاطمہؑ کی خدمت کروں گی۔ میرے لئے اس سے زیادہ اور کیا شرف ہو سکتا ہے کہ کنیزوں کی طرح اُنؑ کی خدمت میں ہر وقت لگی رہوں۔ اے زہیر! مجھ سے یہ ہرگز نہ ہو سکے گا کہ طلاق لے کر یہاں سے چلی جاؤں۔
آہ ___ آہ! ہمارے امامؑ پر کیسا وقت آ گیا تھا کہ غیر عورتیں ہمدردی کا اظہار کر رہی تھیں۔

الغرض اس کے بعد جنابِ زہیر نے اپنے ساتھیوں کو رخصت کیا اور خود وہاں سے برابر امام علیہ السلام کے ساتھ رہے، یہاں تک کہ کربلا میں شہید ہوئے۔

کتاب ارشاد میں ہے کہ جب حضرتؑ مقامِ زرودؔ میں پہنچے تو ایک شخص کو کوفہ کی طرف سے آتا دیکھا۔ حضرتؑ نے کہا کہ اس سے کوفہ کا حال معلوم کرنا چاہئے۔ چنانچہ کچھ لوگ گئے اور اس کو لے کر حضرتؑ کی خدمت میں آئے۔ آپؑ نے اس سے پوچھا: اے بھائی! تجھے کچھ حال کوفہ کا بھی معلوم ہے؟ اُس نے کہا: میں وہاں کا کیا حال بیان کروں؟ مسلمؑ بن عقیلؑ اور ہانی بن عروہ دونوں شہید کر دیئے گئے اور ان دونوں کے پاؤں میں رسی باندھ کر کوفہ کے بازاروں میں کھینچا گیا اور تمام اہلِ کوفہ آپؑ کے خلاف ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپؑ یہاں سے پلٹ جائیں اور ہرگز کوفہ کا قصد نہ فرمائیں۔

آہ ___ آہ! جب حضرت امام حسینؑ نے یہ دل انگیز خبر سنی تو دل تڑپ گیا اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے۔ فرمایا:
"اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ".

آپؑ نے اولادِ عقیلؑ کی طرف دیکھ کر فرمایا: مسلمؑ تو قتل ہو گئے، اب تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا: خدا کی قسم! جب تک ہم

مسلمؑ کے خون کا بدلہ نہ لے لیں، ہرگز نہ پلٹیں گے، خواہ ہم سب ہی قتل کیوں نہ ہو جائیں۔ حضرتؑ نے فرمایا: بے شک مسلمؑ کے بعد اب زندگی کا لطف نہیں۔ آہ! مسلمؑ کی شہادت نے میرے کلیجے کے ٹکڑے کر دیئے۔ دنیا اس وقت میری آنکھوں کے سامنے اندھیر ہے۔

سید ابن طاؤس اور صاحب ریاض المصائب لکھتے ہیں کہ جب حضرت مسلمؑ کی شہادت کی خبر امام حسین علیہ السلام کو پہنچی تو پریشانی کے عالم میں خیمے میں تشریف لائے اور دختر جنابِ مسلمؑ کو، جو بہت ہی کمسن تھی، اپنے پاس بلا کر پیار کرنے لگے۔ بار بار اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے تھے۔ وہ بچی بھی سمجھ گئی، عرض کرنے لگی: چچا جان! آپؑ اس وقت میرے اوپر اس طرح شفقت فرما رہے ہیں جیسے یتیم بچوں پر کی جاتی ہے۔ فرمایئے! میرے بابا تو خیر سے ہیں؟ یہ سنتے ہی حضرتؑ کو تابِ ضبط نہ رہی اور بے اختیار رو رو کر فرمانے لگے: بیٹی! کوفہ سے خبر آئی ہے کہ تیرا باپ شہید کر دیا گیا۔ آہ ___ مسلمؑ کی موت نے حسینؑ کو نڈھال کر دیا ہے۔

لکھا ہے کہ جب بیبیوں نے حضرت مسلمؑ کی شہادت کی خبر سنی تو کہرام بپا ہو گیا۔ ہر طرف سے ''وَامَسْلِمَاهُ ، وَامُسْلِمَاهُ'' کی آواز آ رہی تھی۔ خاص طور پر جنابِ مسلمؑ کی زوجہ اور اُن کی بچیاں غم سے نڈھال تھیں۔ اوّل تو یوں ہی کسی عزیز کا مرنا دل کے ٹکڑے کر دیتا ہے اور پھر غریب الوطنی کی موت ___ آہ! کیا حال ہوگا، اہلِ حرم نے جب یہ سنا ہوگا کہ عالمِ غربت میں انتہائی بیکسی کے ساتھ جنابِ مسلمؑ کو شہید کیا گیا اور اس کے بعد ان کی لاش کو گلی کوچوں میں کھینچا گیا۔ اپنے کسی عزیز کی توہین سے جو صدمہ انسان کے دل پر ہوتا ہے، اُس کو کون نہیں جانتا! اس خبر سے جو حال ان بیبیوں کا ہوا ہوگا، اس کا اندازہ کرنا دشوار ہے۔ آہ! جنابِ مسلمؑ کی شہادت تباہی و بربادی کا پیش خیمہ تھی۔

حضرات! مسلمؑ کی زوجہ کے دل پر کیا گزری ہوگی؟ ایک تو عزیز شوہر کے جدا ہونے کا صدمہ، دوسرے اپنے چھوٹے بچوں کا خیال۔ اوّل تو یہ معظمہ یوں ہی اُن کی جدائی کے صدمہ سے رویا کرتی تھیں، اب جو یہ خبر سنی ہوگی کہ باپ بھی پردیس میں ان سے جدا ہو گئے تو صدمہ سے کلیجہ پھٹ گیا ہوگا۔ یہ خیال دل کو بے چین کر رہا ہوگا کہ میرے کمسن بچوں پر باپ کی شہادت کے بعد کیا گزری ہوگی۔ کس سے فریاد کی ہوگی؟ کہاں پناہ لی ہوگی؟ اوّل تو کمسنی اور پھر داغِ یتیمی، سارا شہر دشمن، کہاں گئے ہوں گے اور کیا کیا ہوگا؟ ان تصورات سے دل ماہیِ بے آب کی طرح تڑپتا ہوگا۔ دل بے چین ہوگا کہ کسی طرح کوفہ پہنچ کر اپنے پریشان حال بچوں کو چھاتی سے لگا لوں۔

آہ! اس دکھیا کو کیا خبر تھی کہ کوفہ میں ان کے دونوں بچے بھی قتل کر دیئے گئے اور ان کے سر کاٹ کر دربارِ ابن زیاد میں لائے گئے۔

آہ! اس کوفہ میں آلِ رسولؐ پر کیسے کیسے ظلم ہوئے! جنابِ مسلمؑ اور اُن کے دونوں بچے شہید کئے گئے۔ جنابِ زینبؑ اور اُمِ کلثومؑ اور دیگر مخدرات بغیر پردہ کے بازاروں میں تشہیر ہوئیں۔ ابن زیاد کے بھرے دربار میں مقید کر کے لائی گئیں۔ زندان میں رکھی گئیں۔

غرض وہ مصائب اُٹھائے کہ خدا دشمن پر نہ ڈالے۔ اے اللہ ___ اولادِ رسولؐ اور اس بلا میں گرفتار؟ جنابِ مسلمؑ کی شہادت کی خبر سن کر حسینی قافلہ پر انتہائی مایوسی چھا گئی اور ہر ایک کو اپنی موت قریب نظر آنے لگی۔ بالخصوص مخدراتِ عصمت وطہارت پر بے حد مایوسی چھائی ہوئی تھی۔ جنابِ زینبؑ بار بار امامِ مظلوم سے آبدیدہ ہو کر فرماتی تھیں: بھیا! اہلِ کوفہ نے ہمارے ساتھ بڑی غداری کی۔ کیا کوفہ میں ہمارا کوئی ماننے والا نہیں ہے؟

حضرتؑ فرماتے تھے: نہیں بہن! مایوس نہ ہو، مجھے یقین ہے کہ ہمارے مخلص دوست اگر مارے نہیں گئے تو ضرور ہماری مدد کو آئیں گے۔ اللہ جانتا ہے کہ وہ اس وقت کسی بلا میں گرفتار ہیں۔ اگر وہ مجبور نہ ہوتے تو ضرور مسلمؑ کی مدد کو آتے۔ بہن! پریشان نہ ہو، اللہ مددگار ہے، اُسی پر ہمارا بھروسہ ہے۔

❁ ❁ ❁

# امام حسینؑ کی حُر سے ملاقات اور کربلا میں ورود

لکھا ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام منزلِ شراف سے آگے بڑھے تو یکایک آپؑ کے اصحاب میں سے کسی نے بلند آواز میں تکبیر کہی۔ حضرتؑ نے پوچھا: اس وقت تکبیر کہنے کا کیا سبب ہے؟ اُس نے کہا: مجھے دور سے خرما کے درخت نظر آرہے ہیں جس سے میں سمجھتا ہوں کہ پانی ہم سے قریب ہے۔ اب ہم اپنی مشکوں کو بھر لیں گے۔ یہ سن کر حضرتؑ کے بعض اصحاب نے کہا: خدا کی قسم! ہم نے اس مقام پر کبھی خرمے کے درخت نہیں دیکھے۔ حضرتؑ نے فرمایا: پھر تمہیں کیا معلوم ہوتا ہے؟ انہوں نے بغور دیکھ کر کہا: ہمیں تو نیزوں کی انیاں اور گھوڑوں کے کان نظر آتے ہیں۔ یقیناً لشکر ادھر آرہا ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا: بے شک مجھے بھی ایسا ہی نظر آرہا ہے۔ اگر ہمیں کوئی مقامِ پناہ مل جاتا تو ہم اسے پس پشت پر لے لیتے اور دشمن کا مقابلہ کرتے۔

اصحاب میں سے کسی نے کہا: آپؑ بائیں طرف میل فرمائیں، وہاں ذوحسم ہے۔ وہاں انصار کا قبیلہ رہتا ہے۔ اوّل تو وہ مقام محفوظ ہے، دوسرے وہ لوگ ہماری مدد کریں گے۔ حضرتؑ کو یہ رائے پسند آئی اور بائیں طرف کا رُخ کیا۔ ابھی تھوڑی دور ہی چلے تھے کہ گھوڑوں کی گردنیں صاف نظر آنے لگیں اور اُن کے رُخ بھی ادھر ہی کو ہو گئے جدھر حضرت امام علیہ السلام جا رہے تھے۔ مگر حضرتؑ کا قافلہ ان سے پہلے وہاں پہنچ گیا۔ حضرتؑ نے حکم دیا کہ خیمے ایستادہ کر کے عورتوں اور بچوں کو اُن میں اُتارو اور اس قوم سے مقابلہ کیلئے تیار ہو جاؤ۔

دوپہر کا وقت تھا، سخت دھوپ پڑ رہی تھی کہ وہ لوگ جن کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ تھی، اپنے سردار ابن زیار ریاحی سمیت وہاں پہنچے لیکن پیاس سے اُن کی حالت غیر تھی۔ ایک ایک سپاہی کی جان لبوں پر تھی۔ گھوڑوں کی زبانیں باہر نکل آئی تھیں، قریب تھا کہ بے دم ہو کر خاک پر گر پڑیں۔

امام علیہ السلام کا یہ رحم و کرم دیکھنے کے قابل ہے کہ اُنؑ کا یہ حال دیکھ کر آپؑ نے ہاشمی جوانوں کو حکم دیا کہ اس قوم کو اور اس کے حیوانوں کو سیراب کرو۔ کسی نے عرض کی: یابن رسول اللہ! اوّل تو یہ ہمارے دشمن ہیں، دوسرا اگر ہم نے سارا پانی ان کو پلا دیا تو پھر ہم کیا پئیں گے؟ ہمارے ساتھ عورتیں اور ننھے ننھے بچے ہیں، یہ بغیر پانی کے کیونکر رہ سکتے ہیں؟ یہاں اردگرد ہم کو پانی نظر نہیں آتا۔ حضرتؑ نے فرمایا: جو کچھ بھی ہو لیکن مجھ سے اُن کی یہ حالت دیکھی نہیں جاتی۔

الغرض حضرتؑ کا یہ حکم سنتے ہی جوانانِ علوی و جعفری و عقیلی نے پانی کے بھرے ہوئے مشکیزے اُٹھا لئے اور فوجِ حُر کو پانی پلانا شروع کیا۔ جب تمام لشکر سیراب ہو گیا تو ان کے گھوڑوں کے سامنے پانی کے بھرے ہوئے مشکیزے طشتوں میں ڈالے گئے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؑ نے خود سقائی کی اور ان لوگوں کو بار بار پانی پلا کر سیراب کیا گیا۔ جب پانی پلانے سے فراغت ہوئی تو نمازِ ظہر کا وقت آ گیا۔ حضرتؑ نے حجاج بن مسروق کو حکم دیا کہ اذان دیں۔ اس کے بعد آپؑ نے حُر کے لشکر سے مخاطب ہو کر فرمایا:

اے قوم! میں اپنی خواہش سے اس طرف نہیں آیا بلکہ جب تم لوگوں نے خطوط بھیجے اور پے در پے قاصد بھیجے، تب ادھر کا قصد کیا ہے۔ تم نے بار بار مجھے خطوط میں لکھا کہ ہمارا یہاں کوئی ہادی اور امامؑ نہیں۔ آپ جلد تشریف لائیے کہ ہم ہدایت حاصل کریں۔ پس اگر تم اس قول پر قائم ہو تو میں تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں کہ اپنے عہد و پیمان سے مجھے مطمئن کر کے خوش کرو اور اگر تم میرے آنے سے ناخوش ہو تو میں یہیں سے واپس چلا جاؤں۔

حضرتؑ کا یہ کلام سن کر سب خاموش ہو گئے اور کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ پس حضرتؑ نے مؤذن کو اقامت کہنے کا حکم دیا اور آپؑ کے ہمراہی صفیں باندھ کر نماز کیلئے کھڑے ہو گئے۔ حضرتؑ نے حُر سے کہا کہ تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز ادا کرو۔

انہوں نے کہا کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہم بھی آپؑ کے ساتھ نماز پڑھیں گے۔ چنانچہ دونوں لشکروں نے حضرتؑ کے پیچھے نماز پڑھی۔ نماز ادا کرنے کے بعد حضرتؑ اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ تعقیباتِ نماز کے بعد آپؑ پھر مصلّٰی پر تشریف لے آئے تا کہ نمازِ عصر ادا کی جائے۔ پھر دونوں لشکروں نے حضرتؑ کے پیچھے نماز پڑھی۔ نماز کے بعد پھر آپؑ نے حُر کے لشکر کو مخاطب کر کے فرمایا: اے لوگو! اگر تم پرہیز گاری اختیار کرو اور اہلِ حق کا حق سمجھو تو اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہوگا۔ لوگو! اگر تم کو میرا آنا ناگوار ہے اور ہمارے حقوق کے متعلق تمہاری رائے بدل گئی ہے تو میں واپس چلا جاؤں گا۔ حُر نے کہا: آپؑ جو کچھ فرما رہے ہیں، میں قطعاً اس سے بے خبر ہوں۔ مجھے نہ خطوط بھیجنے کی اطلاع ہے، نہ قاصدوں کے روانہ کرنے کی۔ حضرتؑ نے عقبہ بن سمعان سے فرمایا: وہ تھیلے لے آؤ جن میں اہلِ کوفہ کے خطوط ہیں۔

جب وہ تھیلے آئے تو آپؑ نے حُر کے سامنے رکھ کر فرمایا: یہ سب خط اہلِ کوفہ کے ہیں۔ حُر نے کہا: میں ان لوگوں میں سے نہیں جنہوں نے آپؑ کے پاس یہ خطوط بھیجے ہیں۔ میں ابن زیاد امیر کوفہ کی طرف سے اس امر پر مامور ہوں کہ آپؑ کا ساتھ کسی طرح اس وقت تک نہ چھوڑوں جب تک کہ آپؑ کو اس کے سامنے کوفہ میں پیش نہ کر دوں۔ حضرتؑ نے فرمایا: اے حُر! تیری موت بہ نسبت تیرے ارادہ کے تجھ سے زیادہ قریب ہے۔

اس کے بعد حضرتؑ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ کھڑے ہو جاؤ اور سفر کی تیاری کرو۔ سب اصحاب حکمِ امامؑ کے منتظر تھے۔ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور سامان اونٹوں پر بار کر کے اہلِ حرم کو سوار کیا اور روانگی پر آمادہ ہوئے۔ حُر کے لشکر نے آگے بڑھ کر راستہ روکا۔ حضرتؑ نے غضبناک ہو کر حُر سے فرمایا: تیری ماں تیرے غم میں بیٹھے، کیا ارادہ رکھتا ہے؟ حُر نے کہا: یا ابن رسولؐ اللہ! اگر آپؑ کے سوا کوئی دوسرا یہ کلمہ کہتا تو میں بھی اس کے جواب میں اس کی ماں کا ذکر ان ہی الفاظ سے کرتا لیکن آپؑ کی مادرِ گرامی کے متعلق سوائے کلمہ خیر کے اور کیا کہہ سکتا ہوں۔

حضرتؑ نے فرمایا کہ آخر تیرا کیا ارادہ ہے؟ اُس نے کہا: اس کے سوا کچھ نہیں کہ آپؑ کو ابن زیاد کے سامنے پیش کر دوں۔ فرمایا: میں اس کو ہرگز گوارا نہ کروں گا۔ حُر نے کہا: تو میں بھی آپؑ کا راستہ نہ چھوڑوں گا۔ مجھے ابن زیاد نے آپؑ سے لڑنے کا حکم نہیں دیا ہے بلکہ صرف کوفہ تک لانے کا۔ پس اگر آپؑ کو کوفہ جانے سے انکار ہے تو ایسی راہ اختیار کیجئے جو نہ کوفہ کو جاتی ہو اور نہ مدینہ کو، تا کہ میں بدنام نہ ہوں۔ میں ابن زیاد کو آپؑ کے متعلق خط لکھتا ہوں، ممکن ہے خدا کی طرف سے کوئی سامان ایسا پیدا ہو جائے کہ آپؑ مصیبت میں مبتلا نہ ہوں۔

الغرض حضرتؑ وہاں سے بائیں طرف کو روانہ ہوئے، لشکر حُر بھی آپؑ کے ساتھ ساتھ چلا آرہا تھا۔ راستہ میں حُر نے کہا: فرزند رسولؐ! مجھے اس امر کی فکر ہے کہ اگر آپؑ نے جنگ کا قصد کیا تو یہ لوگ آپؑ کو بغیر قتل کئے نہ چھوڑیں گے۔ حضرتؑ نے فرمایا: وائے ہو تجھ پر، تو مجھے موت سے ڈراتا ہے؟ اے حُر! میں ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دیتا ہوں۔

جب حُر نے دیکھا کہ حضرتؑ کسی طرح اس کی رائے پر عمل کرنے والے نہیں تو اپنے لشکر کو حضرتؑ کے لشکر سے جدا کر کے ایک دوسری راہ اختیار کی۔ کتاب منتخب مجالس میں ہے کہ جب امام حسینؑ کا ورود سرزمین کربلا میں ہوا تو یکا یک آپؑ کا گھوڑا چلتے چلتے رُک گیا، ہر چند حضرتؑ نے گھوڑے کو مہمیز کیا مگر اس نے قدم نہ اُٹھایا۔ آپؑ اس گھوڑے سے اُتر پڑے اور دوسرا گھوڑا بدلا مگر وہ بھی آگے نہ بڑھا۔

بروایت ابومخنف آپؑ نے چھ گھوڑے بدلے لیکن ایک نے بھی قدم نہ اُٹھایا۔ تب آپؑ نے وہاں کے لوگوں سے پوچھا: اس مقام کا کیا نام ہے؟ انہوں نے کہا: اسے ''غاضریہ'' کہتے ہیں۔ فرمایا: اس کا کوئی دوسرا نام بھی ہے؟ کہا: اس کو نینوا بھی کہتے ہیں۔ فرمایا: اس کے علاوہ بھی کوئی نام ہے؟ انہوں نے کہا کہ اس کو کربلا بھی کہتے ہیں۔ یہ سن کر حضرتؑ نے ایک آہِ سرد لی اور آبدیدہ ہو کر فرمانے لگے: واللہ! یہی ہمارے قتل ہونے کی جگہ ہے۔ یہی وہ سرزمین ہے جہاں ہمارے جوان اور بوڑھے تین دن کے بھوکے پیاسے زخموں سے چور چور ہو کر خاک وخون میں لوٹیں گے اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دیں گے۔ پھر ساتھیوں سے فرمایا: ہمارا سفر تمام ہوا، اونٹوں کو بٹھاؤ اور بیبیوں اور بچوں کو اُتار دو۔ بخدا! یہی وہ مقام ہے جہاں ہمارا خون پانی کی طرح بہایا جائے گا۔ یہی وہ جگہ جہاں ہماری قبریں بنیں گی۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں سے ہم روزِ قیامت اُٹھیں گے۔ یہی ہماری وعدہ گاہ ہے جس کی خبر میرے ناناؐ نے مجھے دی تھی۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرتؑ کو یہ علم ہوا کہ زمین کربلا ہے تو تھوڑی سی خاک وہاں سے اُٹھا کر پہلے خود سونگھی، اس کے بعد جنابِ زینبؑ کو سنگھائی۔ وہ گھبرا کر کہنے لگیں: بھیا! اس خاک کو پھینکو، مجھے اس سے آپؑ کے خون کی خوشبو آتی ہے۔ میرا دل سخت بے چین ہے۔ جلد اس زمین سے آگے بڑھیئے۔ حضرتؑ نے رو کر فرمایا: اے بہن! اب کہاں جائیں گے؟ ہمارا سفر تمام ہوا۔

بروایت مناقب حضرتؑ کا کربلا میں ورود دو (۲) محرم کو بروز بدھ یا جمعرات 61 ہجری کو ہوا۔ بروایت منتخب جب حضرتؑ کو علم ہوا کہ یہ مقامِ کربلا ہے تو آپؑ گھوڑے سے اُتر پڑے اور نہایت دردناک لہجے میں آپؑ نے چند اشعار اس مضمون کے پڑھے:

اے دنیا! وائے ہو تیرے اوپر ___ تو عجب بے وفا دوست ہے کہ انسان کو صبح وشام تجھ سے رنج پہنچتا ہے۔ اے دنیا! تو نے کیسے کیسے حق پسند اور صداقت شعار لوگوں کو ہلاک کیا ہے لیکن پھر بھی تجھ کو قناعت نہیں ہوتی اور برابر لوگوں کو ہلاک کئے چلی جارہی ہے۔ بے شک ہر زندہ کو یہ راہ درپیش ہے جو میرے سامنے آنے والی ہے۔ بے شک ہر امر کی انتہا خدائے جلیل تک ہے۔

حضرتؑ بار باران اشعار کو پڑھتے تھے، یہاں تک کہ جنابِ زینبؑ نے بھی ان اشعار کو سنا۔ گھبرا کر حضرتؑ کے پاس آئیں اور رو کر عرض کرنے لگیں: اے بھائی! کاش اس دکھیا بہن کو موت آجاتی تا کہ آپؑ سے ایسا یاس آمیز کلام نہ سنتی۔ اے یادگارِ گزشتگان! اے سرپرست درماندگان! آپؑ اس وقت ایسے کلام فرمارہے ہیں جیسا اپنی زندگی سے مایوس انسان کہتا ہے۔

آہ ___ آہ! آج کا دن مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا ہمارے نانا حضرت رسولؐ خدا اور پدرِ بزرگوار علی مرتضیٰ علیہ السلام نے انتقال فرمایا ہے۔ آج میرے دل پر وہی رنج وغم طاری ہے جو میری مادرِ گرامی حضرت فاطمہ زہراؑ اور میرے بھائی حسنؑ مجتبیٰ کی رحلت کے دن ہوا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ آج خاتمہ پنجتنؑ ہے۔ بھیا! آپؑ کے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ کو اپنی موت کا یقین ہوگیا ہے۔ فرمایا: ہاں بہن! تمہارا خیال درست ہے۔ میری زندگی کی مدت عنقریب ختم ہونے والی ہے اور موت میرے سامنے آرہی ہے۔

یہ سنتے ہی جنابِ زینبؑ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ اُنؑ کی آواز سن کر تمام عورتوں میں کہرام بپا ہوگیا۔ حضرتؑ سب کو تسلی دینے لگے اور فرمایا کہ خود کو اس غم سے ہلاک نہ کرو۔ دنیا میں کوئی ہمیشہ رہنے کو نہیں آیا۔ ایک دن ہر شخص کو موت کا جام پینا ہے۔ یہ سن کر جنابِ زینبؑ اور اُمِ کلثومؑ نے عرض کی: اے بھائی! اگر آپؑ کو اپنی موت کا یقین ہوگیا ہے تو ہم کو ہمارے بابا کے روضے پر پہنچا دیجئے کیونکہ ہم سے آپؑ کا قتل ہونا نہ دیکھا جائے گا۔

آہ بھائی! بیکسوں کا آپؑ کے بعد کون ہوگا؟ حضرتؑ نے فرمایا: اے بہن! اگر میرا اختیار ہوتا تو تم کو میں یہاں نہ لے آتا۔ اے بہن! صبر کرو اور جو مصیبت سر پر آئے، اسے برداشت کرو کہ اللہ کے نزدیک صابروں کا بڑا اجر ہے۔ اے بہن! مرضیِ خدا میں کسی کا زور نہیں۔ خدا کی مشیّت یہی ہے کہ وہ اپنی راہ میں مجھے مقتول دیکھے۔ انسان کو ہر حال میں صبر کرنا چاہئے۔

کشکولِ عاملی میں ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام وارِدِ کربلا ہوئے تو آپؑ نے قبیلہ بنی اسد کے چند سرداروں کو، جو کربلا کے زمیندار تھے، بلا کر فرمایا: ہمارا ارادہ اس سرزمین پر آباد ہونے کا ہے، وہ چاہتے ہیں کہ تم لوگ ہمارے ہاتھ یہ زمین بیچ دو۔ انہوں نے کہا کہ حکمِ امامؑ کی تعمیل میں کیا عذر ہے لیکن ہم نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ اس سرزمین پر جو نبی یا وصی آیا، اُس نے ضرور تکلیف اُٹھائی ہے۔ ہماری رائے یہ ہے کہ آپؑ یہاں قیام کا ارادہ نہ فرمائیں۔ یہ جگہ رہنے کے قابل نہیں ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا: مشیّتِ ایزدی یہی ہے قیامت تک ہماری خواب گاہ یہی زمین ہو۔

الغرض آپؑ نے ساٹھ ہزار درہم میں چار مربع میل زمین مول لے لی۔ اس کے بعد وہ کُل زمین بطور تصدق ان ہی زمینداروں کو عطا فرمادی۔ لیکن دو شرائط کے ساتھ: اوّل یہ کہ جس جگہ میری اور میرے اصحاب کی قبریں بنائی جائیں، تو تم کبھی اس پر زراعت نہ کرنا اور دوسرے یہ کہ ہمارے شیعوں میں سے کوئی شخص اگر ہماری قبور کی زیارت کو آئے تو اس کو تین دن مہمان رکھنا اور میرے زائرین کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچانا۔

حضرات! ہمارے امام علیہ السلام نے تین دن مہمان رکھنے کی شاید اس لئے شرط لگائی تھی کہ جب ہمارے شیعوں کو تین دن راحت ملے گی تو وہ ضرور تصور کریں گے کہ ہمارے امامِ مظلوم کو اس سرزمین پر تین روز آب ودانہ نہ ملا تھا۔ آہ ___ مؤمنین! ہمارے مظلوم آقا کو وہ اذیتیں پہنچائیں کہ ان کے بیان سے دل ہلتا ہے۔ چنانچہ منقول ہے کہ متوکل عباسی کے زمانہ میں کسی کو اجازت نہ تھی کہ زیارتِ قبرِ امامؑ کا شرف حاصل کرے۔ جو لوگ اس حکم کی خلاف ورزی کر کے پہنچتے تھے، اُن کو کوڑوں سے مارا جاتا تھا۔ اُن کے گھر لوٹ لئے جاتے تھے۔ ایک مدت تک زائرینِ امامؑ پر ہر طرح کے ظلم وتشدد ہوتے رہے تھے۔

قبروں کے بارے میں حضرتؑ نے بنی اسد سے یہ شرط رکھی تھی کہ زراعت نہ کرنا تاکہ میری قبر کا نشان باقی رہے۔ لیکن کیسے شقی اور بد بخت تھے وہ لوگ جو خود کو مسلمان کہہ کر نواسہ رسولؐ کی قبر کا نشان تک باقی نہ رکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ متوکل عباسی ملعون نے کئی بار قبر امام علیہ السلام کے مسمار کرنے کا حکم دیا لیکن اس کی یہ ظالمانہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔

ایک بار اس شقی نے بہت بڑا لشکر کربلا بھیجا تاکہ قبروں کو مسمار کر کے وہاں ہل چلا دے اور فرات کا پانی بہا کر بالکل نام و نشان مٹا دے۔ لکھا ہے کہ جب فرات کا پانی کاٹ کر لائے تو وہ قبر منور کے چاروں طرف گھوم کر رہ گیا۔ گویا اس ظلم پر اپنی حیرانی کا اظہار کر رہا تھا۔ پانی کو شرم آگئی کہ جب میں زندگی میں ان پیاسوں تک نہ پہنچ سکا تو اب مرنے کے بعد کیا منہ لے کر جاؤں!

اے آب خاک شو کہ ترا آبرو نماند
آزردہ رفت از تو لب تشنہ حسینؑ

آہ مؤمنین! اسی فرات پانی کہ جس کو روزِ عاشور چھوٹے چھوٹے بچے تڑپ رہے تھے اور ہمارے امامؑ مظلوم کا یہ حال تھا کہ پیاس کی شدت سے بار بار ہونٹوں پر زبان پھیرتے تھے:

از آب ہم مضائقہ کردند کوفیان
خوش داشتند حرمتِ مہمانِ کربلا

قتل ابو مخنف میں ہے کہ جب ابن زیاد کو معلوم ہوا کہ امام علیہ السلام کوفہ کی طرف تشریف لا رہے ہیں تو سرداران لشکر کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ اے گروہِ عرب! تم کو لازم ہے کہ دنیاوی دولت و منصب حاصل کرنے کی طرف مائل ہو۔ پس تم میں کون بہادر ایسا ہے کہ حسینؑ ابن علیؑ کا سر کاٹ کر لائے اور اس کے صلہ میں یزید کی سرکار سے دولت و اکرام کا مستحق ہو۔ اس بدانجام کا یہ کلام سن کر کسی نے جواب نہ دیا۔ دوسری بار اُس نے پھر کہا کہ جو حسینؑ کا سر کاٹ کر لائے گا، اُس کے عوض میں بیس برس تک حکومت ''رَے'' پر قابض رہے گا۔ یہ سن کر ابن سعد ملعون اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اے امیر! مجھے ایک رات کی مہلت دے، میں کل اس کا جواب دوں گا۔ اس ملعون نے منظور کیا، عمر ابن سعد وہاں سے اپنے گھر آیا۔

جب اس عاقبت برباد کے اس ارادہ کی خبر مشہور ہوئی تو بہت سے لوگ اس کے پاس جا کر کہنے لگے: وائے ہو تجھ پر اے پسر! تو فرزندِ رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام سے لڑنے کا ارادہ رکھتا ہے؟ حالانکہ تیرا باپ سعد سادس تھا؟ اُس بے حیا نے ان سے تو کہہ دیا کہ آپ لوگ اطمینان رکھیں، میں یہ کام نہ کروں گا۔ لیکن دل میں متردد تھا کہ اگر قتلِ حسینؑ گوارا نہیں کرتا تو ملک رَے میرے ہاتھ سے جاتا ہے۔ آخر کار ملعون نے حکومت کو اختیار کیا اور دوسرے دن پسر زیاد سے جا کر کہا: اے امیر! میں اس عظیم الشان خدمت کو انجام دینے کیلئے تیار ہوں۔ ابن زیاد نے خوش ہو کر کہا: بے شک تو ہی اس کام کیلئے موزوں ہے۔ اب تجھے لازم ہے کہ بہت جلد یہاں سے روانہ ہو جا اور جہاں کہیں بھی حسینؑ ابن علیؑ تجھے ملیں، انؑ کو گھیر لے اور ہرگز مہلت نہ دینا اور اُنؑ پر اور اُنؑ کے رفقاء پر پانی بند کر دینا۔ پھر انؑ کو قتل کر کے سر میرے پاس بھیج دینا۔

ابن زیاد نے پہلے چھ ہزار سواروں کی جمعیت سے ابن زیاد کو روانہ کیا۔ اس کے بعد عروہ بن قیس کو دو ہزار سواروں کے ساتھ، پھر سنان ابن انس کو چار ہزار کے ساتھ، پھر شمر ذی الجوشن کو چار ہزار کے ساتھ روانہ کیا۔ راوی کہتا ہے کہ ساتویں محرم تک چالیس ہزار، بروایت ستر ہزار فوج کوفہ سے آ کر جمع ہو گئی۔ اس کے بعد جو شخص اس کے سامنے آیا، اُسے کربلا روانہ کرتا رہا، یہاں تک کہ فوجوں کی کثرت سے کربلا کا میدان پُر ہو گیا۔

کتبِ مقاتل میں ہے کہ جوں جوں فوجوں کی آمد کا حال اہلِ حرم کو معلوم ہوتا تھا، اُن کی بے چینی بڑھتی جاتی تھی۔ خاص طور پر ہماری آقازادی جنابِ زینبؑ سب سے زیادہ اُداس و غمگین تھیں۔ بار بار امام علیہ السلام کو بلا کر پوچھتی تھیں: کیوں بھائی! آپؑ کی نصرت کیلئے بھی کوئی آیا ہے؟ حضرت نے فرمایا: اے بہن! یہ سب میرے خون کے پیاسے ہیں، اس عالمِ غربت میں ہماری مدد کو کون آئے گا؟

آہ مؤمنین! اس فوجِ بدشعار کی آمد سے جنابِ ربابؑ، مادرِ علی اصغر کو وہ صدمہ پہنچا کہ ان کا دودھ خشک ہو گیا۔ پے در پے رسالوں کی آمد کی خبریں اور گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازوں نے نبیؐ زادیوں کے دل سینوں میں ہلا دیئے تھے۔ آہ! بھوکے پیاسے مجاہدوں کیلئے، جن کی تعداد کُل ستر تھی، ظالموں کی یہ ٹڈی دل فوج جمع ہوئی تھی۔ لیکن سبحان اللہ! کیسے بہادر تھے رفقائے حسینؑ، اس کثرت سے ذرا ان کے دل پر خوف و ہراس نہ تھا اور تین دن کی بھوک و پیاس میں وہی آن بان اور شجاعانہ شان تھی۔

منقول ہے کہ جب میدانِ کربلا میں کوفہ و شام کی فوجیں داخل ہوتی تھیں اور زمین گھوڑوں کی ٹاپوں سے لرزتی تھی تو جنابِ زینبؑ حضرتِ عباسؑ سے دریافت کرتی تھیں: اب کون سردار آیا ہے؟ جنابِ عباسؑ اس کا نام بتا دیتے تھے۔ جس روز کربلا میں شمر ذی الجوشن کا داخلہ ہوا تو جنابِ زینبؑ کا اضطراب خود بخود زیادہ بڑھ گیا۔ حضرتِ عباس علیہ السلام کو بلا کر دریافت کرنے لگیں: اے بھائی! آج یہ کون سردار آیا ہے کہ میرا دل خود بخود رنج و غم سے بیٹھا جاتا ہے اور وہ پریشانی لاحق ہے کہ بیان نہیں کر سکتی۔ جنابِ عباسؑ نے بتایا: اے بہن! آج شمر ذی الجوشن کئی ہزار کی جمعیت سے آیا ہے۔

آہ مؤمنین! جو ہی جنابِ زینبؑ نے شمر کا نام سنا، ایک آہِ سرد لی اور آنکھ میں آنسو بھر آئیں۔ چونکہ یہ خبر سن چکی تھیں کہ حضرتؑ کا قاتل شمر ہوگا۔ لہٰذا اب بھائی کی طرف سے جنابِ زینبؑ مایوس ہو گئیں۔ جنابِ فضہ سے کہا کہ تم میرے بھائی سے جا کر کہو کہ اس وقت زینبؑ کا حال غیر ہے، ذرا دیر کیلئے خیمہ سے ہو جایئے۔ جب حضرتؑ تشریف لائے تو جنابِ زینبؑ بے اختیار گلے میں بانہیں ڈال کر رونے لگیں۔ حضرتؑ نے فرمایا: اے بہن! تمہاری اس غیر معمولی بے چینی کا سبب کیا ہے؟ فرمایا: اے بھائی! اب تک تو میں سمجھتی تھی کہ شاید آپؑ دشمنوں کے خطرہ سے بچ جائیں گے، لیکن اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپؑ کی جان بچنے والی نہیں۔ حضرتؑ نے پوچھا: اے بہن! تم نے کیسے سمجھا؟ زینبؑ رو کر کہنے لگیں: سنتی ہوں کہ آج آپؑ کا قاتل شمر بھی کربلا میں آ گیا۔

آہ ___ مؤمنین! امام حسین علیہ السلام اس وقت اپنی ستم رسیدہ بہن کو کیونکر تسکین دیتے کیونکہ وہ تو پوری طرح اصل حال سے آگاہ تھیں۔ آپؑ خاموشی سے سر جھکائے کھڑے رہے۔ جنابِ زینبؑ دیر تک گلے میں بانہیں ڈالے کھڑی رہیں۔ اس وقت خیمہ امامؑ میں کہرام بپا تھا۔ کسی کے ہوش بجا نہ تھے۔ آخر امام علیہ السلام نے فرمایا: مرضیِ خدا میں کسی کا زور نہیں۔ تم سب کو خدا کی رضا پر راضی ہونا چاہئے۔ اگر خدا

کو یہی منظور ہے کہ میں اس کی راہ میں انتہائی ظلم وستم سے شہید کیا جاؤں تو میرے لئے اس سے زیادہ سعادت کا موقعہ نہیں۔تم سب کو اس مصیبت عظمٰی میں صبر کرنا چاہئے۔صبر کا اجر عند اللہ بہت زیادہ ہے۔

صاحب مصائب الآئمہ لکھتے ہیں کہ جب فوجیں جمع ہوگئیں اور عمر بن سعد نے خاطر خواہ بندوبست کر لیا تو اس نے کثیر بن شہاب کو بلا کر کہا: تو حسینؑ بن علیؑ کے پاس جا کر دریافت کر کہ وہ کس ارادے سے تشریف لائے ہیں؟ یہ سن کر کثیر ملعون روانہ ہوا، امام علیہ السلام کے لشکر گاہ کی طرف۔ جب خیمے کے قریب پہنچا تو ابوثمامہ صیداوی نے بڑھ کر ڈانٹا کہ او شقی! بے اجازت کیوں بڑھتا چلا آتا ہے؟ اُس نے کہا: پسر سعد کا پیغام لے کر آیا ہوں۔فرمایا: ٹھہر جا! میں اپنے امامؑ سے اجازت لے لوں۔اگر بے اجازت قدم آگے بڑھایا تو سرتن سے جدا کردوں گا۔ یہ سن کر وہ شقی رک گیا اور جناب ابوثمامہ نے حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: مولاؑ! آپؑ کی خدمت میں کثیر ملعون حاضر ہونا چاہتا ہے۔آپؑ اس شقی سے باخبر رہیں، وہ بڑا شریر النفس ہے۔حضرتؑ نے فرمایا:

آنے دو___ اللہ میرا محافظ و مددگار ہے۔اللہ اکبر___ ابوثمامہ کو امامِ غریب سے کس قدر محبت تھی کہ جب کثیر کو لے کر چلے اور امام علیہ السلام کے خیمے کے قریب پہنچے تو فرمایا: اے شقی! اپنی تلوار مجھے دے کہ میں تیری طرف سے مطمئن نہیں۔اُس نے کہا: سبحان اللہ! کہیں سپاہی اپنا ہتھیار بھی کسی کو دیتا ہے؟ اگر تم مسلح مجھے نہ جانے دوگے تو میں واپس چلا جاؤں گا۔خیمہ کے اندر اس تکرار کی آواز امام علیہ السلام نے سنی تو درِ خیمہ پر آ کر فرمایا: ابوثمامہ! اگر یہ نہیں مانتا تو اسی طرح آنے دو۔ابوثمامہ نے حکمِ امامؑ سے مجبور ہو کر آگے تو بڑھنے دیا مگر احتیاط سے اس کی تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھے رہے تاکہ بے ادبی نہ کر سکے۔

کیوں مومنین! کہاں تھے ابوثمامہ صیداوی جیسے جاں نثار جب شمر ملعون خنجر کھینچے امام علیہ السلام کے سینہ اقدس پر سوار تھا۔

الغرض کثیر ملعون آیا___ امام علیہ السلام کی خدمت میں___ تو اُس نے کہا: مجھے پسر سعد نے یہ معلوم کرنے کیلئے بھیجا ہے کہ آپؑ کس ارادہ سے یہاں تشریف لائے ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: میں اپنی خوشی سے ادھر نہیں آیا، جب اہلِ کوفہ نے متواتر خطوط اور قاصد بھیجے، تب میں نے ادھر کا قصد کیا۔کثیر یہ جواب سن کر پسر سعد کے پاس آیا، جب وہ حضرتؑ کی تشریف آوری سے آگاہ ہوا تو اُس نے ابن زیاد کو ایک خط لکھا اور حضرتؑ کے اس ارادہ سے آگاہ کیا۔ جب اس خط کو ابن زیاد نے پڑھا تو کہنے لگا: حسینؑ اب ہمارے چنگل سے نکلنا چاہتے ہیں۔ لیکن اب یہ ممکن نہیں۔پھر اُس نے جواب میں لکھا: اے پسر سعد! تجھے لازم ہے کہ اس خط کے ملتے ہی حسینؑ ابن علیؑ کو یزید کی بیعت پر مجبور کر، اگر وہ انکار کریں تو انؑ سے جنگ کر اور انؑ کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیج دے۔ جب یہ خط پسر سعد کو ملا تو اُس نے حضرتؑ سے بیعت کا سوال کیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ آپؑ ہرگز اس کو منظور نہ کریں گے۔

یہ خط روانہ کرنے کے بعد ابن زیاد نے تمام شہر میں ڈھنڈورا کروا دیا کہ جو شخص اپنے گھر میں رہے گا اور کربلا میں لڑنے کیلئے نہ جائے گا، اُس کا خون مجھ پر حلال ہوگا۔اس حکم کو سنتے ہی تمام اہلِ کوفہ لرز گئے اور اپنے اپنے گھروں سے نکل کر کربلا کی طرف روانہ ہوئے، یہاں تک کہ نویں محرم تک بہ کثرت لوگ کربلا میں جمع ہوگئے۔

منقول ہے کہ جب امامؑ مظلوم نے تمام میدانِ کربلا سواروں اور پیادوں سے بھرا ہوا پایا تو اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اب اہلِ حرم کی محافظت بہت ضروری ہے۔ اے سعادت مندو! کھڑے ہو جاؤ اور میرے ساتھ خیمہ گاہ کی پشت کی طرف خندق کھود کر اس میں آگ روشن کر دو تا کہ دشمن ادھر نہ آسکے۔ یہ سن کر تمام اصحاب اٹھ کھڑے ہوئے اور بہت جلد خندق کھود کر اس میں آگ روشن کر دی۔ اس وقت ایک سوار لشکر سعد سے باہر آیا اور کہنے لگا: اے حسینؑ! آتش آخرت سے قبل آتش دنیا کی طرف بہت جلدی کی؟

حضرت امام حسین علیہ السلام نے غضبناک ہو کر جواب دیا: اے دشمنِ خدا! آتش دنیا و آخرت ہمارے اجسام کو مس نہیں کر سکتی کیونکہ خدا نے ہم پر آگ کو حرام قرار دیا ہے۔

پھر آپؑ نے اپنے اصحاب سے پوچھا: یہ شقی کون ہے؟ کسی نے کہا کہ یہ ملعون جبیرہ کلبی ہے۔ حضرتؑ نے اس شقی کیلئے بددعا کی کہ اے خداوندا! جلد اس کو آگ کی طرف کھینچ۔ ابھی حضرتؑ کی یہ دعا تمام نہ ہوئی تھی کہ اس ملعون کے گھوڑے نے اس بدکار کو سر کے بل اُس خندق میں گرا دیا۔ چند لمحوں کے بعد وہ شقی واصلِ جہنم ہوا۔

مقتل ابو مخنف میں ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ نے یہ دیکھا کہ ہزاروں اشقیائے اُمت قتل پر آمادہ ہیں تو آپؑ نے عمر سعد کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ میں چاہتا ہوں کہ آج کی شب دونوں لشکروں کے درمیان تجھ سے بات چیت کروں اور جو امر بلحاظِ دنیا و آخرت تیرے لئے بہتر ہو، وہ تجھ سے بیان کروں۔ پسر سعد نے اس بات کو منظور کیا اور رات کے وقت وہ حضرتؑ کی ملاقات کو آیا۔ آپؑ نے فرمایا: میں دیکھتا ہوں کہ تو میرے قتل پر آمادہ ہے، حالانکہ تو خوب جانتا ہے کہ میرے نانا حضرت رسولِ خداؐ اور میری والدہ حضرت فاطمہ زہراؑ ہیں۔

اے پسر سعد! تجھے خدا کا خوف نہیں کہ مجھے بے قصور قتل کرنا چاہتا ہے؟ تیرے لئے بہتر صورت یہی ہے کہ میرے لشکر میں شامل ہو جا کہ باعثِ خوشنودیٔ خدا اور رسولؐ ہے۔ اُس نے کہا کہ اگر میں ایسا کروں گا تو ابن زیاد میرا گھر تک کھدوا ڈالے گا۔ حضرتؑ نے فرمایا: تو اس کا غم نہ کر، میں اس سے بہتر گھر تجھے مدینہ میں دلوا دوں گا۔ اُس نے کہا: میری تمام املاک ضبط ہو جائیں گی۔ فرمایا: اس کی پروانہ کر، میں تجھے سرزمین حجاز میں اس سے بہتر جاگیر و زمین دینے کا ذمہ دار ہوں۔ یہ سن کر وہ خاموش ہو گیا۔ آپؑ نے فرمایا: تیرے سکوت کی کیا وجہ ہے؟ تو میرے قتل کا پختہ ارادہ کر چکا ہے؟

اُس نے کہا: ہاں، مجھے آپؑ کا قتل ہی منظور ہے تا کہ اس سے فارغ ہو کر حکومت رَے پر قابض ہو جاؤں اور ستر ہزار سوار میرے ماتحت رہیں۔ حضرت نے فرمایا: اے شقی! خدا تجھ کو تیرے فرش پر ذبح کرے اور روزِ قیامت تجھ پر سخت عذاب نازل فرمائے۔ بخدا! مجھ کو یقین ہے کہ تجھ کو رَے کے گیہوں کھانے نصیب نہ ہوں گے اور وہاں کی حکومت بھی تجھ کو نہ ملے گی اور تو انتہائی مایوسی میں داخلِ جہنم ہو گا۔ اس شقی نے ازراہِ تمسخر کہا: اگر گندم نہ ملے گی تو میرے لئے جَو ہی کافی ہے۔

یہ سن کر حضرتؑ نے اس شقی کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیا اور واپس تشریف لے آئے۔ دوسرے دن صبح سے پسر سعد نے امام حسین علیہ السلام اور اُنؑ کے ساتھیوں پر سختی کرنا شروع کر دی۔ نہر فرات پر ہر طرف سے پہرے بٹھا دیئے اور نگہبانوں کو تاکید کر دی کہ خبردار! اب

لشکرِ حسینؑ میں پانی کا ایک قطرہ نہ جائے۔

آہ مومنین ___ وہ سخت ترین گرمی کا موسم، وہ کربلا کی جلتی ریت، نہ کہیں درخت کا سایہ، نہ کہیں امن کی جگہ، کھلے میدان میں امامِ مظلوم کے خیمے برپا تھے۔ ہر طرف سے گرم ہوا کے تھپیڑے لگتے تھے۔ یوں ہی ایک ایک گھڑی قیامت کی گزر رہی تھی۔ آہ! کیا حال ہوگا جب پانی بند ہوگیا ہوگا۔ لیکن پانی ایسی چیز نہیں کہ انسان اس کے بغیر زندہ رہ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا نے اپنی اس نعمت کو اتنا عام کردیا ہے کہ جہاں زمین کھودو، پانی نکل آتا ہے۔ اس کے علاوہ جابجا زمین پر چشمے اور دریا بہادیئے ہیں۔

منقول ہے کہ جنگِ صفین میں معاویہ نے لشکرِ امیر المومنین علیہ السلام پر پانی بند کردیا تھا اور جابجا گھاٹوں پر پہرے بٹھا دیئے تھے۔ لیکن جب امیر المومنین علیہ السلام کا اس پر قبضہ ہوا تو آپؑ نے حکم دیا کہ لشکرِ معاویہ پر پانی بند نہ کیا جائے۔ کسی نے کہا: یا امیر المومنینؑ! جب یہ لوگ ہمارے ساتھ بدسلوکی کرچکے ہیں تو ہم جواب میں ان کے ساتھ ایسا کیوں نہ کریں؟ آپؑ نے فرمایا: میری حمیت تقاضا نہیں کرتی کہ خدا کی ایسی نعمت سے ان کو باز رکھوں جس کے بغیر ان کی زندگی محال ہے۔

افسوس صد افسوس! جس علیؑ نے اپنے دشمنوں کے ساتھ یہ رحیمانہ برتاؤ کیا تھا، کربلا میں اُنؑ کی اولاد پر پانی بند تھا اور چھوٹے چھوٹے بچے پیاس کی شدت سے تڑپ رہے تھے۔ بار بار خیامِ امامؑ سے آوازِ العطش العطش بلند ہوتی تھی۔ بچے خالی کوزے خیمہ گاہ کے دروازے پر لے کر آتے تھے اور نہایت دردناک لہجے میں فریاد کرتے تھے: خدا کیلئے تھوڑا سا پانی لاکر ہمارے جلے ہوئے دلوں کو ٹھنڈا کرو، ہمارے کلیجے شدتِ تشنگی سے کباب ہورہے ہیں، ہونٹوں پر پپڑیاں جم رہی ہیں، بات کرنے کی طاقت نہیں، جانیں لبوں پر آگئی ہیں۔ خدا کیلئے ہمارے اوپر رحم کرو۔

مومنین! جب اصحابِ حسینؑ بچوں کی ان دردناک آوازوں کو سنتے ہوں گے تو اُن کے دلوں پر کیا گزرتی ہوگی۔ اپنی بیکسی اور بے بسی پر نظر کرکے تڑپتے دل ہاتھوں سے پکڑ کر رہ جاتے ہوں گے۔ ہائے! ان اشقیائے اُمت کے ہاتھوں اولادِ رسولؐ کیسی سخت مصیبت میں مبتلا ہوگئی تھی۔ وہ ظالم انسان نہ تھے بلکہ حیوانوں سے بدتر تھے کہ معصوم بچوں کو، جو اولادِ رسولؐ تھے، اس بیدردی سے تڑپا رہے تھے۔

لکھا ہے کہ پیاسے بچے سوکھی زبانیں اپنے ہونٹوں پر پھیرتے ہوئے اور فرطِ ضعف سے لڑکھڑاتے ہوئے ایک ایک خیمہ میں پانی پانی کرتے پھر رہے تھے اور سوکھے مشکیزے کھول کھول کر دیکھتے تھے کہ شاید چند قطرے پانی کے کہیں سے مل جائیں۔ مگر آہ ___ ان بیکسوں کی یہ مراد کہیں پوری نہ ہوتی تھی، یہاں تک کہ جب خیمہ جناب زینبؑ میں پہنچے اور رو رو کر پانی مانگا تو انؑ کا غم سے عجیب حال ہوا۔ ایک ایک بچہ کو چھاتی سے لگا کر ان سب کو تسلی دیتیں اور پھر سب کو لے جا کر خود تلاشِ آب میں نکلیں کہ شاید انصار کے کسی خیمے میں پانی ہو۔ مگر آہ! جب کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو ایک آہِ سرد بھر کر رہ گئیں اور بچوں کا یہ حال ہوا کہ غش کھا کر گرنے لگے۔ آہ! کافروں کی اولاد سے بھی وہ سلوک نہیں کیا جاتا جو مسلمانوں نے اپنے نبی کی اولاد سے کیا۔

❁ ❁ ❁

# شہادتِ فرزندانِ مسلمؑ

اس وقت مجھے جنابِ مسلمؑ بن عقیلؑ کے یتیم اور پردیسی دو بچے یاد آرہے ہیں۔ ہائے! اُن کی چھوٹی چھوٹی عمریں اور اُن کی بھولی بھالی صورتیں، ماں سے دور، باپ سے جدا، بیگانے لوگ، دشمن کا ملک، نہ کوئی یار نہ مددگار، نہ مونس نہ غمخوار۔ ہر وقت دشمن کے ظلم وستم کا خطرہ، جان جانے کا اندیشہ، کس سے اپنا درد کہیں، کس سے فریاد کریں۔ آہ! دونوں بھائی باپؑ کی شہادت کے بعد کوفہ کے گلی کوچوں میں بھٹکتے پھرتے تھے۔ ذرا کہیں پتہ کھڑکتا تو ننھے سے دل سینوں میں دھڑکنے لگتے۔ رات سر پر آگئی اور ان بیچاروں کو کوئی پناہ کی جگہ نہ ملی۔ ڈرتے ڈرتے قدم اٹھاتے، ٹھوکریں کھاتے چلے جاتے تھے کہ ایک عورت دروازے پر کھڑی نظر آئی۔ اس کے پاس جا کر بہ منت سماجت کہنے لگے:

اے کنیزِ خدا! ہم یتیم وبیکس و بے بس، بے یار و مددگار ہیں، کیا یہ ممکن ہے کہ تو آج کی رات ہم کو اپنے گھر میں پناہ دے؟ ان کی بھولی بھالی صورتیں اور پریشان حالی پر رحم آ گیا، شفقت سے پوچھنے لگی: اے بچو! تم کون ہو؟ اس پرآشوب زمانہ میں کیوں مارے مارے پھر رہے ہو؟ ڈرتے ڈرتے سہمی ہوئی آواز سے کہنے لگے: اے کنیزِ خدا! ہم یتیم و بے بس وبیکس و بے یار و مددگار ہیں۔ اگر تو کسی سے ہمارا حال نہ کہے تو اپنا دردِ دل تجھے سنائیں۔ اُس نے کہا: تم ڈرو مت، جہاں تک ممکن ہوگا، تم کو حفاظت سے رکھوں گی۔ جب یہ شفقت دیکھی تو کہنے لگے: اے مادرِ مہربان! ہم مسلمؑ بن عقیلؑ کے فرزند ہیں۔ ہمارے بابا شہید کر دیئے گئے ہیں۔ اس شہر میں ہمارا کوئی دوست نہیں کہ اس کے یہاں جا کر پناہ لیں۔ کوفہ کا کونہ کونہ ہمارا جانی دشمن ہے، کہاں جائیں اور کس سے اپنا حال کہیں؟

وہ عورت محبِ اہلِ بیتؑ تھی، جونہی یہ سنا کہ جنابِ مسلمؑ کے فرزند ہیں، تڑپ گئی۔ دونوں بچوں کو چھاتی سے لگا کر پیار کرنے لگی اور تسلی دے کر کہنے لگی: اے فرزندو! گھبراؤ مت، میرا گھر تمہارا ہی گھر ہے۔ میں تم کو اپنی آنکھوں پر جگہ دوں گی۔

الغرض وہ مؤمنہ دونوں کو ساتھ لے گئی۔ منہ ہاتھ دھونے کیلئے پانی حاضر کیا۔ پریشان بالوں سے گرد وغبار صاف کیا۔ پھر کھانا لا کر سامنے رکھا۔ بچوں نے کہا: ہم کو کھانے کی خواہش نہیں۔ ہمیں کوئی جگہ بتا دو کہ ہم تھکے ماندے تھوڑا سا آرام کر لیں، کئی راتوں سے ہم نہیں سوئے۔ آج دن بھر چلتے چلتے پیر درد کرنے لگے ہیں۔ اُس نے کہا: مجھے صرف اتنا کھٹکا ہے کہ میرا داماد جس کا یہ گھر ہے، ابن زیاد کا دوست ہے اور آلِ رسول کا دشمن ہے۔ اگر وہ آ گیا تو نہ معلوم کیا غضب ڈھائے؟ بچوں نے کہا: رات زیادہ ہو گئی ہے، شاید اب نہ آئے۔

الغرض اُس نے ایک حجرہ میں فرش بچھا کر دونوں بچوں سے کہا: تم یہاں آرام کرو، جو کچھ ہوگا، دیکھا جائے گا۔ بچے تھکے ماندے تو تھے ہی، گلے میں بانہیں ڈال کر سو گئے۔ نصف رات گزرنے کے بعد حارث ملعون، جو اُس گھر کا مالک تھا، آیا اور غصے میں اپنے ہتھیار اِدھر اُدھر پھینک دیئے اور بستر پر لیٹ گیا۔ ضعیفہ نے کھانے کیلئے پوچھا: اُس نے کہا کہ مجھے بھوک نہیں۔ آج تمام دن پسرانِ مسلمؑ بن عقیلؑ کی تلاش میں گھومتا رہا لیکن افسوس کہ وہ میرے ہاتھ نہ لگے اور میں انعام سے محروم رہ گیا۔

وہ کہنے لگی: اے شخص! اب سو جا، رات زیادہ ہو گئی ہے۔ الغرض وہ سخت غصہ ہو کر سو گیا۔ اب تھوڑا سا حال بچوں کا سنئے۔ پہلے چھوٹا بھائی خواب سے چونکا اور بڑے بھائی کو جگا کر کہا کہ میں نے اس وقت بہت ہولناک خواب دیکھا ہے۔ بابا جان ابھی ابھی یہاں تشریف فرما تھے، مجھے چھاتی سے لگا کر کہہ رہے تھے: جانِ پدر! گھبراؤ مت، اب تم بہت جلد میرے پاس آنے والے ہو۔ بڑے بھائی نے کہا: یہی خواب میں نے بھی دیکھا ہے۔ الغرض دونوں بھائی اپنے باپ کو یاد کر کے رونے لگے۔ جب اُن کے رونے کی آواز حارث ملعون کے کان میں پہنچی تو چونکا ہوا اور ضعیفہ سے پوچھنے لگا کہ یہ کس کے رونے کی آواز ہے؟ اُس نے کہا: پڑوس میں کوئی بچہ رو رہا ہو گا، تو اس کا کیوں خیال کرتا ہے؟ اس جواب سے اُس کی تسلی نہ ہوئی، شمع روشن کر کے حجرے کے اندر داخل ہوا۔

اُس ملعون نے پاس جا کر پوچھا: تم کون ہو؟ بچوں نے ننھے ننھے ہاتھ جوڑ کر کہا: اے شخص! اگر تو ہم پر رحم کرنے کا وعدہ کرے تو ہم تجھ سے اپنا حال بیان کریں۔ اُس نے وعدہ کیا، بچوں نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا: اے شخص! ہم مسلمؑ بن عقیلؑ کے فرزند ہیں۔ بیکس اور پردیسی ہیں، تیرے گھر میں آ کر پناہ لی ہے۔ اُمید ہے کہ تو ہماری کمسنی پر رحم کرے گا۔ یہ سنتے ہی وہ ملعون مسکرایا اور کہا: سبحان اللہ! میں تمہاری تلاش میں کئی روز سے مارا مارا پھر رہا ہوں اور تم میرے ہی گھر میں چھپے ہوئے ہو؟ یہ کہہ کر دونوں کے نرم و نازک بازو پکڑے اور زبردستی کھینچتا ہوا حجرے سے باہر لایا۔ اس وقت بچوں کی بیتابی دیکھی نہ جاتی تھی۔ بار بار ہاتھ جوڑے، منت سماجت کرتے اور کہتے تھے: اے شخص! ہم یتیم ہیں، سید ہیں، پردیسی ہیں، ہماری حالت پر رحم کر، ہمارے لئے یتیمی اور غریب الوطنی کا ہی درد بہت کافی ہے۔

ایک طرف تو بچے اس طرح فریاد کر رہے تھے، دوسری طرف وہ ضعیفہ انتہائی منتیں کر رہی تھیں۔ اس شقی نے ایک نہ سنی اور بچوں کو رسیوں سے باندھ دیا اور خود بستر پر آ کر سو گیا۔ وہ بچے تمام رات ستون سے بندھے کھڑے رہے اور وہ مؤمنہ بی بی رات بھر اُن کے پاس بیٹھی روتی رہی۔ جب صبح نمودار ہوئی تو حارث ملعون نے اپنے بدن پر ہتھیار سجائے، پھر بچوں کو کھولا۔ آہ! اُن کے نازک جسموں پر جابجا رسی کے نشان پڑ گئے تھے۔ اس کے بعد وہ شقی دونوں کے بالوں کو پکڑ کر گھر سے باہر جانے لگا۔ بچے تڑپ گئے اور ضعیفہ رو کر فریاد کرنے لگی اور بیتاب بچوں سے لپٹ گئی اور کہنے لگی: میں تو اس طرح بچوں کو اپنے گھر سے باہر نہ جانے دوں گی۔ او بدبخت! ذرا لالچ میں آ کر آخرت کا دائمہ عذاب مول نہ لے۔ اے ظالم! یہ بچے سید زادے ہیں، یتیم ہیں، مہمان ہیں۔ ان کو کہاں لے کر جا رہا ہے؟ وہ شقی یہ بات سن کر جھنجھلایا اور تلوار نیام سے نکال کر اُسی وقت مؤمنہ کا کام تمام کر دیا۔ آہ! چھوٹے بچوں نے جب اس مؤمنہ کا خون بہتے دیکھا تو قریب تھا کہ غش کھا کر گر پڑیں۔

حارث ملعون نے وہاں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھ کر بہت تیزی سے بچوں کو کھینچا اور گھر سے باہر نکل آیا۔ راستے بھر بچے روتے رہے اور فریاد کرتے چلے جا رہے تھے۔ راہ میں جو کوئی ان کو اس حال میں دیکھتا تھا، تڑپ جاتا تھا اور حارث ملعون سے ان کو چھوڑنے کی سفارش کرتا تھا۔

آہ___ آہ! خاندانِ رسولؐ سے اس ظالم کو کیسی عداوت تھی اور مالِ دنیا پر کس درجہ فریفتہ تھا۔ کسی کی بات پر کان نہ دھرتا تھا اور بچوں کو کشاں کشاں لئے ہی چلا گیا، یہاں تک کہ وہ نہر کے کنارے پہنچا۔ بچوں نے پوچھا: اے شخص! اتنا تو بتا دے کہ اب تیرا کیا ارادہ ہے؟ اُس نے کہا: اب میں تم کو یہاں قتل کروں گا اور تمہارے سر ابن زیاد کے پاس لے جاؤں گا تا کہ وہ مجھے انعام و اکرام سے مالا مال کرے۔

بچوں نے کہا: اگر تو مال وزر کی طمع میں ایسا کرتا ہے تو ہم کو غلام بنا کر جہاں چاہے، بیچ لے۔ ہم ایسی جنس نہیں کہ ہمارا کوئی خریدار نہ ہو۔ اُس نے کہا: میں اس بات کو پسند نہیں کرتا۔ بچوں نے کہا: اگر یہ منظور نہیں تو ہمارے ساتھ مدینہ چل۔ ہم اپنے ماموں جان سے تیری شفقت کا حال بیان کر کے تجھے اتنا مال دلوا دیں گے کہ تو تمام عمر آرام سے بسر کرے گا۔ اُس نے کہا: مجھے یہ بھی منظور نہیں۔

آہ مؤمنین! جب بچوں نے دیکھا کہ وہ شقی کسی طرح راضی نہیں ہوتا تو اس سے منت کرنے لگے: اچھا اگر تجھے ابن زیاد ہی سے انعام حاصل کرنا ہے تو ہمیں زندہ اُس کے سامنے لے جا۔ اُس نے کہا: وہ تمہیں زندہ دیکھنا نہیں چاہتا بلکہ اُس نے تمہارے سر لانے کا حکم دیا ہے۔

آہ۔۔۔ یہ سنتے ہی معصوم بچوں کے ننھے ننھے دل سینوں میں دھڑکنے لگے اور اپنی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ ایک بھائی دوسرے سے مل کر رونے لگا۔ اُس شقی نے زبردستی دونوں کو جدا کیا اور کہا: بس رو چکے! اب مرنے کیلئے تیار ہو جاؤ۔ بڑے بھائی نے کہا: اے ظالم! قتل سے پہلے ہمیں اتنی مہلت دے کہ دو رکعت نماز ادا کرلیں۔ اُس نے تیوری بدل کر کہا کہ نمازوں سے کچھ فائدہ نہیں، یہ نمازیں تمہاری موت کو نہیں روک سکتیں۔

بچوں نے کہا: اے شخص! ہم موت کو ٹالنے کیلئے نماز نہیں پڑھ رہے بلکہ سجدہ میں سر رکھنا چاہتے ہیں اور موت سے قبل یادِ الٰہی ہمارا خاندانی شیوہ ہے۔ اُس نے کہا: میں تمہارے خاندانی شیوے کو پسند نہیں کرتا۔ بڑے بھائی نے کہا: اے ظالم! تو نے ہماری کوئی بات اب تک نہیں مانی، اچھا اتنا تو مان لے کہ پہلے مجھے قتل کر ڈال کیونکہ اپنے چھوٹے بھائی کا بہتا ہوا خون مجھ سے نہ دیکھا جائے گا۔ چھوٹے نے کہا: پہلے میرا سر قلم کر، میں اپنے بڑے بھائی کا خون نہیں دیکھ سکتا۔

الغرض اُس شقی نے اپنی تلوار میان سے نکال کر بڑے بھائی کا سر تن سے جدا کیا اور اُس کی لاش کو دریا میں پھینک دیا۔ لکھا ہے کہ وہ لاش اس وقت تک پانی کے اوپر تیرتی رہی، جب تک چھوٹے بھائی کی لاش پانی میں نہ پھینکی گئی۔ اس کے بعد وہ دونوں ایک جگہ ہوئے اور بھائی نے بھائی کے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور دونوں لاشے پانی میں بہہ گئے۔

منقول ہے کہ جب حارث ملعون دونوں بچوں کے خاک وخون میں اٹے ہوئے سر ابن زیاد کے سامنے لایا، اُس نے جب یہ معصوم سر دیکھے تو اپنی انتہائی شقاوت اور سنگدلی کے باوجود اُن کی بھولی بھالی صورتیں دیکھ کر تڑپ گیا اور کہنے لگا: او ظالم! یہ کس کے معصوم بچے ہیں جن کو ذبح کر کے لایا ہے؟

اُس نے کہا: اے امیر! یہی تو مسلمؑ بن عقیلؑ کے فرزند ہیں۔ میں نے تیری خوشنودی کیلئے یہ کام کیا ہے جو دنیا میں ظالم سے ظالم انسان بھی نہ کرسکتا۔ اب حسب وعدہ اپنے انعام واکرام سے مجھے مالا مال کر۔ اُس نے غضبناک ہو کر کہا: اے شقی! تو کیسا شقی القلب ہے کہ ان کمسن بچوں پر تجھے ذرا رحم نہ آیا؟ اے شخص! میں نے کب ان کے قتل کرنے کا حکم دیا تھا؟ اگر تو انہیں زندہ حالت میں پکڑ لاتا تو میں ان کی کمسنی پر رحم کھا کر انہیں قتل نہ کرواتا۔

# شبِ عاشور

کتاب تبرالمذ اہب واقدی میں ہشام بن محمد سے منقول ہے کہ جب امام حسینؑ نے دیکھا کہ وہ گروہِ بدشعار کسی طرح اُنؑ کے قتل سے باز نہیں آتا تو اتمامِ حجت کے طور پر آپؑ قرآن مجید لے کر اُس گروہ کے سامنے تشریف لائے اور فرمایا: اے قوم! یہ کتابِ خدا تمہارے اور ہمارے درمیان حَکَم ہے، اس کو پڑھو اور سمجھو کہ خدا نے ہماری مودّت تم پر فرض کی ہے۔ ہماری اطاعت کا تم کو حکم دیا ہے۔ اے قوم! بتا کہ میرا خون کیوں حلال سمجھا گیا ہے؟ اے لوگو! کیا میں تمہارے رسول کا نواسہ نہیں ہوں؟ کیا تم نے میرے جدِ امجد کی یہ حدیث نہیں سنی کہ حسنؑ و حسینؑ جوانانِ جنت کے سردار ہیں؟

آہ! کیسے شقی تھے وہ لوگ، امامِ عالی مقام کا یہ کلام سن کر کہنے لگے: ہم یہ نہیں جانتے لیکن جب تک آپؑ یزید بن معاویہ کی بیعت نہ کریں گے، ہم ہرگز آپؑ کے قتل سے دستبردار نہ ہوں گے۔ یہ سن کر امامؑ مظلوم نے بار بار یہ فرمایا تھا کہ روزِ عاشور میرے ساتھیوں میں کوئی نہ بچے گا۔ پھر بھی ان میں سے کسی نے امام علیہ السلام کا دامن اپنے ہاتھ سے چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ کسی شاعر نے اُن کی شجاعت و ہمت کی تعریف میں خوب کہا ہے:

یعنی ''سبحان اللہ! کیا شجاع و بہادر تھے انصار و اقربائے حسینؑ کہ جب مصیبت میں اُن کو آواز دی گئی کہ فرزندِ رسولؐ کی نصرت کو چلو تو انہوں نے فوجوں کی کثرت کا خیال نہ کیا اور فوراً اپنے قلوب کو اپنی زِرہوں پر پہن کر مقابلے کیلئے نکل کھڑے ہوئے۔ یعنی ان کے دل ایسے مطمئن تھے کہ مضبوطی میں لوہے سے بھی بڑھ گئے تھے اور جان دینے میں اس طرح ایک دوسرے پر گر پڑتے تھے جیسے شمع کے گرد پروانے گرتے ہیں''۔

حضرات! جب ہی تو اُن کا یہ مرتبہ ہے کہ معصومؑ زیارتِ عاشورہ میں فرماتے ہیں:

''اَلسَّلَامُ عَلٰی اَنْصَارِ اَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ بِاَبِیْ اَنْتُمْ وَاُمِّیْ طِبْتُمْ وَطَابَتُ الْاَرْضُ الَّتِیْ فِیْهَادُفِنْتُمْ وَفُزْتُمْ فَوْزاً عَظِیْمًا فَیَالَیْتَنِیْ کُنْتُ مَعَکُمْ فَاَفُوْزَافَوْزًا عَظِیْمًا''۔

یعنی ''سلام ہو میرا ابو عبداللہ الحسینؑ کے انصار پر، میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں، تم پاک ہو گئے اور وہ زمین بھی پاک ہو گئی جس میں تم دفن ہوئے اور تم کو بہت بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ کاش! میں بھی تمہارے ساتھ ہوتا اور تمہارے درجے پر فائز ہوتا''۔

اللہ اکبر! اس مرتبے کا کیا کہنا کہ معصومؑ اس کی آرزو کرتے ہیں۔

ابن شبیب سے منقول ہے کہ ایک روز میں امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: مولاؑ! کیسے خوش نصیب تھے وہ لوگ جنہوں نے امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شہادت پائی۔ مولاؑ! کوئی صورت ایسی بھی ہے کہ ہم لوگ بھی نصرتِ حسینؑ کا ثواب

حاصل کر سکیں؟ فرمایا: ہاں! صدقِ دل سے میرے جدّ مظلوم کو یاد کیا کرو اور کہا کرو:

**"یَالَیْتَنِیْ کُنْتُ مَعَکَ یَااَبَاعَبْدِاللّٰہ".**

"اے مولا حسینؑ! کاش! میں آپؑ کے ساتھ ہوتا"۔

پس اللہ تعالیٰ تم کو نصرتِ حسین علیہ السلام کا ثواب عطا کرے گا۔ پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: اس کلمہ کا ثواب اس لئے ہے کہ میرے جدّ مظلوم روزِ عاشورہ اپنے دوستوں کو مخاطب کر کے مقامِ شوق میں اس طرح فرماتے ہیں:

**"لَیْتَکُمْ فِیْ یَوْمِ عَاشُوْرَ جَمِیْعًا تَنْظُرُوْنِیْ کَیْفَ اَسْتَقِیْ لِطِفْلِیْ فَاَ بُوْااَنْ یَرْحَمُوْنِیْ".**

یعنی "اے میرے شیعو! کاش تم دیکھتے کہ میں نے اپنے ششماہے بچے کیلئے کس طرح اس قومِ جفا کار سے پانی مانگتا تھا لیکن انہوں نے مجھ پر رحم کھانے سے انکار کر دیا"۔

امام علیہ السلام کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب امامِ مظلوم نے اپنا ہمدرد سمجھ کر کربلا میں ہم کو اس طرح یاد کیا تو ہمارا بھی فرض ہے کہ حضرتؑ کی آواز پر لبیک کہیں اور حضرتؑ کی نصرت کی آرزو کرتے رہیں۔

الغرض اصحابِ حسینؑ نے روزِ عاشورہ وہ کام کیا کہ دنیا حیرت میں آ گئی۔ منقول ہے کہ شبِ عاشور امام علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو ایک خیمہ میں جمع کر کے فرمایا: اے میرے دوستو، عزیزو، ساتھیو! تم نے اب تک جو ہمدردی میرے ساتھ کی ہے، خدا تم کو اس کی جزا دے۔ تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارے اور اس قومِ جفا کار کے درمیان اب صلح کا کوئی امکان باقی نہیں رہا۔ ہم نے صرف ایک رات کی مہلت ان سے طلب کی ہے۔ صبح کو ہمارے اور ان کے درمیان جنگ ہے۔ میں تم کو دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا بلکہ صاف بتا دیتا ہوں کہ کل میں اور میرے ساتھی شہید کر دیئے جائیں گے، یہاں تک کہ میرا شیر خوار بچہ بھی قتل ہو جائے گا، سوائے میرے فرزند علیؑ ابن الحسینؑ کے (جو بیمار ہیں) کوئی باقی نہ رہے گا۔

پس میں نہیں چاہتا کہ تم لوگ میری وجہ سے قتل ہو جاؤ۔ میں نے اپنی بیعت تم لوگوں کی گردنوں سے اُٹھا لی ہے۔ میں بخوشی اجازت دیتا ہوں کہ جس کا دل چاہے، اس پردۂ شب میں چلا جائے کہ ابھی راہیں کھلی ہیں اور بہتر ہے کہ میرے اقرباء میں سے ایک ایک کو ساتھ لے لو کیونکہ یہ اشقیاء صرف میرے ہی خون کے پیاسے ہیں۔ میں تم کو آگاہ کرتا ہوں کہ اگر تم یہاں رہ گئے اور کل میری آوازِ استغاثہ سن کر میری مدد نہ کی تو خداوند عالم تم کو اندھے منہ جہنم میں دھکیل دے گا۔

یہ فرما کر آپؑ نے اُس شمع کو گل کر دیا جو خیمہ میں روشن تھی تا کہ جانے والوں کو شرم نہ آئے اور منہ چھپائے چلے جائیں۔ یہ کلام سن کر کچھ لوگ تو چلے گئے اور جو کامل الایمان اور ثابت قدم تھے، وہ رونے لگے اور ہاتھ جوڑ کر عرض کی: یابن رسول اللہ! آپؑ یہ کیا فرما رہے ہیں؟ ایک جان کیا چیز ہے، اگر ہزار جانیں بھی ہوں تو آپؑ کے قدموں پر نثار کر دیں۔ اے سیدّ و آقا! ہمارے لئے آپؑ کی نصرت میں جان

دینے سے زیادہ اور کوئی سعادت نہیں ہوسکتی۔ہم آخر وقت تک آپؑ کا ساتھ دیں گے۔ یہ سن کر آپؑ نے فرمایا:

"جَزَاکُمُ اللّٰہُ خَیرَ الْجَزَاءِ".

بے شک تمہاری وفاداری اور حق پرستی سے یہی اُمید ہے۔ جنابِ سکینہؑ بنت الحسینؑ راوی ہیں کہ جب میرے پدرِ بزرگوار اصحاب کے مجمع میں یہ فرما رہے تھے اور آپؑ نے چراغ گل کر دیا تو میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ اٹھ کر جانے لگے۔ میں گھبرائی ہوئی اپنی پھوپھی جنابِ زینبؑ کے پاس آئی اور رو کر عرض کرنے لگی: اے پھوپھی اماں! غضب ہوگیا، لوگ بابا جان کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔

ہائے! جنابِ زینبؑ کے دل کو کیسی چوٹ لگی تھی۔ یہ سنتے ہی بے چین ہوگئیں اور جنابِ فضہ کو بلا کر کہا: میرے ماں جائے کے پاس جاؤ اور میری طرف سے عرض کرو کہ ذرا دیر کیلئے خیمہ میں ہو جائیں۔ چنانچہ جب حضرتؑ تشریف لائے تو بہن نے بھائی کے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور رو کر عرض کرنے لگیں: بھیا! سنتی ہوں کہ آپؑ کے ساتھی چھوڑ کر جا رہے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: اے بہن! تم غم نہ کرو، میرے جو حقیقی ناصر ہیں، وہ موجود ہیں۔ شہزادیؑ نے کہا: اے بھائی! جو لوگ رُکے ہوئے ہیں، ان کی وفاداری پر آپؑ کو پورا پورا اعتماد بھی ہے؟ فرمایا: اے بہن! مجھے اس بات پر فخر ہے کہ جیسے نیک وفادار اصحاب مجھے ملے ہیں، دنیا میں نہ کسی نبی کو ملے، نہ وصی کو۔

حضرات! کسی نے یہ خبر حبیب ابن مظاہر کو پہنچا دی۔ حبیب گھبرا کر خیمے سے نکلے اور اصحابِ امامؑ کے خیموں کے درمیان کھڑے ہو کر فرمانے لگے: اے انصارِ حسینؑ! کیا چین سے خیموں میں بیٹھے ہو؟ غضب ہوگیا، علیؑ و فاطمہؑ کی بیٹی کو تمہاری وفاداری پر اعتماد نہیں ___ آؤ، آؤ ___ مل کر درِ خیمہ پر چلیں اور دخترانِ علیؑ و فاطمہؑ کو اپنی وفاداری کا یقین دلائیں۔

حبیب ابن مظاہر کی یہ بات سن کر تمام انصارِ حسینؑ اپنے اپنے خیموں سے نکل آئے اور حبیب کے ساتھ امام علیہ السلام کے دروازے پر آئے اور بآوازِ بلند کہا:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَااَھْلَبَیْتِ النُّبُوَّةِ وَمَعْدَنِ الرِّسَالَةِ

مؤمنین! آج تک اس دروازہ کی یہ قدر و منزلت تھی کہ بڑے بڑے کامل الایمان لوگ فخر سے سلام کرتے تھے۔ لیکن کل بعد شہادتِ امام حسینؑ اسی گھر کو اشقیائے اُمت نے آگ سے جلا دیا اور اہلِ حرم کو اس بیدردی سے لوٹا کہ کسی بی بی کے سر پر چادر نہ رہی۔

الغرض جب انصار کے سلام کی آواز جنابِ زینبؑ نے سنی تو پوچھا: میرے بھائی کے انصار! خدا تم پر رحمت نازل کرے، کس غرض سے آئے ہو؟ میرا ان کو سلام کہو۔ انصارِ امامؑ نے عرض کی: ہماری طرف سے دخترانِ جنابِ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی خدمت میں عرض کرو کہ آپؑ کے بھائی کے ناصر و مددگار آپؑ کو یہ یقین دلانے کیلئے حاضر ہوئے ہیں کہ جب تک ہماری شہ رگ میں خون کا آخری قطرہ بھی باقی رہے گا، اپنے مظلوم آقا کی نصرت سے پہلو تہی نہ کریں گے۔ شہزادیؑ! ذرا صبح تو ہونے دیجئے، پھر آپؑ کو ہماری وفاداری کا حال معلوم ہو جائے گا۔

یہ سن کر جنابِ زینبؑ کو بڑی ڈھارس ہوئی۔ سب بیبیوں نے خوش ہو کر اُن کیلئے دُعائے خیر کی۔

منقول ہے کہ شب عاشور حبیب ابن مظاہر نے انصارِ حسینؑ کو اپنے خیمے میں جمع کیا اور فرمایا: دوستو! تم کو معلوم ہے کہ کل دشمنوں سے جنگ ہے۔ یہ سب جفا شعار، بہ سب ظالم جنگ پر آمادہ ہیں اور اولادِ رسولؐ کا خون بہانے کیلئے جمع ہوئے ہیں۔ دوستو! اگر ہماری آنکھوں کے سامنے اولادِ رسولؐ میں سے بھی ایک بچہ بھی قتل کر ڈالا گیا تو پھر روزِ محشر حضرت رسولِ خداؐ کو منہ دکھانے کا موقع نہ رہے گا۔

جنابِ زہیر نے پوچھا: پھر تمہاری کیا رائے ہے؟ حبیب نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ ہم سب اقربائے حسینؑ سے پہلے اپنی جانیں آلِ رسولؐ پر قربان کردیں تا کہ اولادِ رسولؐ کا خون ہماری آنکھوں کے سامنے نہ بہے۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا: اے حبیب! آپؑ کی رائے بہت درست ہے۔ انشاء اللہ کل کو اقربائے حسینؑ سے پہلے اپنی جانیں ہم امامِ مظلوم پر نثار کریں گے۔

کسی نے یہ خبر جنابِ عباسؑ کو پہنچادی۔ آپؑ نے جوانانِ بنی ہاشم کو اپنے خیمہ میں جمع کر کے فرمایا: اے بیشہ شجاعت کے شیرو، اے ہاشمی اور علوی جوانو! تم نے سنا ہے کہ انصارِ حسینؑ نے کیا ارادہ کیا ہے؟ وہ چاہتے ہیں کہ ہم سے پہلے امامِ مظلوم پر اپنی جانیں قربان کردیں۔ اے غیرت دارو! اگر ایسا ہوا تو کل دنیا طعنہ دے گی کہ حسینؑ نے پہلے غیروں کو کٹوادیا اور اپنوں کو بچائے رکھا۔ خاندانِ رسالت کیلئے یہ بات سخت بدنما ہوگی۔

یہ سنتے ہی حضرت علی اکبر علیہ السلام اُٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی: چچا جان! سب سے پہلے جان دینے کیلئے میدانِ کارزار میں مَیں نکلوں گا۔ جنابِ قاسمؑ نے عرض کی: یہ کیسے ممکن ہے کہ غیر تو ہمارے سامنے شہید ہوں اور ہم اپنی جانوں کو بچائے رکھیں۔ سب سے پہلے شہید ہونے کو میں نکلوں گا۔ غرض اسی طرح ہر جوان نے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ حضرت عباسؑ نے ان کی ہمتوں پر آفرین کہا۔

صاحب بحرالبکاء لکھتے ہیں کہ روزِ عاشور جب دونوں طرف کی فوجیں میدان میں نکل کھڑی ہوئیں اور فوجِ مخالف کی طرف سے مبارز طلبی ہونے لگی تو اصحابِ امام علیہ السلام نے سامنے آکر اجازتِ جنگ حاصل کرنا چاہی۔ لیکن امام حسینؑ کی غیرت تقاضا نہ کرتی تھی کہ اپنے جگر پاروں اور عزیزوں کے ہوتے ہوئے غیروں کو اجازت دیں۔ آپؑ نے سب سے پہلے اپنے کڑیل جوان بیٹے پر نظر ڈالی اور فرمایا:

"يَابُنَيَّ تَقَدَّمْ".

"اے بیٹا! سب سے پہلے تم میدانِ کارزار میں جاؤ"۔

یہ سنتے ہی حضرت علی اکبرؑ جانے پر آمادہ ہوئے۔ یہ دیکھ کر جنابِ سعید، جنابِ مسلم ابن عوسجہ اور جنابِ بُریر امامِ مظلوم کے قدموں پر گر پڑے اور رو کر عرض کرنے لگے: مولاؑ! یہ ہماری تلواریں حاضر ہیں، پہلے ان سے ہمارے گلے کاٹ دیجئے، پھر علی اکبرؑ کو میدان میں بھیجئے۔ ہم سے یہ ہرگز نہ دیکھا جائے گا کہ ہمارے ہوتے ہوئے شہزادہؑ لڑنے کو جائے۔ مولاؑ! خدا کیلئے علی اکبرؑ کو روکئے ورنہ ہم سب اپنی تلواروں سے گلے کاٹ کر مرجائیں گے۔ اے فرزندِ رسولؐ! یہ کیونکر ممکن ہے کہ ہم کھڑے دیکھا کریں اور شبیہِ رسولؐ خاک میں مل جائے۔ جب انصارِ حسینؑ نے انتہائی بے چینی کا اظہار کیا تو مجبوراً امامِ مظلوم علیہ السلام نے علی اکبرؑ کو رُک جانے کا حکم دیا۔

آہ مؤمنین! کہاں تھے انصارِ حسینؑ مظلوم! جب یہی شہزادہ علی اکبرؑ، شبیہِ پیغمبر ظالموں کے نرغہ میں گھرا ہوا تھا۔ ہر طرف سے تیغ و

تیر اور خنجر و نیزہ کے وار ہو رہے تھے۔ گھوڑے سے گرتے ہوئے حسینؑ مظلوم کو پکار رہے تھے:

''یَااَبَتَاهُ اَدْرِكْنِیْ''.

''اے بابا جان! خبر لیجئے''

کہ میں نے اپنی جان آپؑ پر نثار کی۔ یہ سنتے ہی حضرتؑ نے کلیجہ ہاتھوں سے تھام لیا اور آہِ سرد بھر کر فرمایا:

''یَابُنَیَّ عَلَی الدُّنْیَابَعْدَکَ الْعَفَا''.

''بیٹا! تیرے بعد اس زندگانیِ دنیا پر خاک ہے''۔

❁ ❁ ❁

# شبِ عاشور اور چند مزید روایات

کتاب لہوف میں ہے کہ شب عاشور امام حسین علیہ السلام نے اس طرح بسر کی کہ برابر تسبیح وتہلیل کی آواز خیمہ سے بلند تھی۔ کتاب ارشاد میں شیخ مفیدؒ نے لکھا ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ میں شبِ عاشور اپنے خیمے میں بیٹھا ہوا تھا اور میری پھوپھی جنابِ زینبؑ میری تیمارداری میں مصروف تھیں۔ اس وقت میرے پدرِ بزرگوار خیمہ میں تنہا تھے۔ صرف جون، غلامِ ابوذر غفاریؒ آپؑ کی خدمت میں حاضر تھے۔ تلوار آپؑ کے سامنے تھی اور آپؑ اسے صاف کر رہے تھے اور بار بار دنیا کی بے ثباتی کے متعلق چند اشعار ایسے دردناک لہجہ میں پڑھ رہے تھے کہ میرا دل اُلٹنے لگا اور مجھے یقین ہو گیا کہ میرے پدرؑ بزرگوار کو اپنی زندگی کی طرف سے مایوسی ہو گئی ہے۔

میری پھوپھی جنابِ زینبؑ سے برداشت نہ ہو سکا، روتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئیں اور بیتابی سے حضرتؑ کے خیمہ کی طرف چلیں کہ انؑ کو سر ڈھاپنے کا ہوش نہ تھا۔ چادر زمین پر لٹک رہی تھی۔ جب حضرتؑ کی خدمت میں پہنچیں تو رو رو کر کہنے لگیں: کاش کہ مجھے موت آجاتی کہ آج کا دن میں اپنی آنکھوں سے نہ دیکھتی۔ مجھے آج یہ معلوم ہو رہا ہے کہ میری ماں فاطمہ زہرأا اور میرے بابا علیؑ کا انتقال ہوا ہے۔

آہ! بھرے کنبے میں ایک دم آپؑ کا ہی ایسا ہے کہ اس سے بیکسوں کو ڈھارس ہے۔ آپؑ ہی ہمارے سرپرست اور بزرگوں کی یادگار باقی رہ گئے ہیں۔ اب آپؑ اپنی موت کی خبر دے رہے ہیں تو بہن کی جان پر بن گئی ہے۔ مجھے اب یقین ہو رہا ہے کہ آپؑ کا سایہ عنقریب ہمارے سر سے اُٹھنے والا ہے۔ آہ___ اس عالمِ غربت میں ہم بیکسوں کا حامی و مددگار کون ہوگا؟ دشمن ہمیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ ہم کس سے فریاد کریں؟ کون ہماری دادرسی کو آئے گا۔

بہن کا یہ حسرت ناک کلام سن کر امامؑ مظلوم کا دل تڑپ گیا۔ آبدیدہ ہو کر فرمایا: اے بہن! صبر سے کام لو اور بھائی کی بیکسی اور مظلومیت پر نظر رکھو۔ اے بہن! اگر میرا اختیار ہوتا تو کیوں سب کو اس بلا میں اپنے ہاتھوں پھنسا دیتا۔ اے بہن! شکستہ دل کو سنبھالو۔ تمہاری بیقراری اور گریہ زاری سے یہ بیبیاں مزید صبر نہ کر سکیں گی۔ اے بہن! موت ایک دن سب کو آنی ہے۔ سوائے ذاتِ خدا کے کوئی باقی نہ رہے گا۔ اے بہن! خیال تو کرو، میرے ناناؐ، بابا اور والدہ جو مجھ سے بہتر اور افضل تھے، جب وہی اس دنیا میں نہ رہے تو میں کیا ہمیشہ رہ سکوں گا؟ الغرض اس قسم کی باتیں کر کے اپنی معصوم بہن کو تسکین دی اور امام زین العابدین علیہ السلام کی طرف بھیجا۔

اس کے بعد حضرتؑ خیمے سے برآمد ہوئے اور اصحابِ باوفا کو بلا کر فرمایا کہ اب اپنے خیمے ایستادہ کریں اور طنابیں ایک دوسرے سے باندھ لیں۔ پس امام علیہ السلام کے حکم کے مطابق تمام اصحاب نے خیامِ اہلِ حرم کے گرد اپنے خیمے نصب کئے تاکہ دشمن اگر حملہ آور ہوں تو اہلِ حرم تک نہ پہنچ سکیں۔ پھر حضرتؑ نے چاہا کہ خیموں کے اندر اپنے اصحاب کا حال معلوم کریں۔ سب سے پہلے آپؑ انصار کے خیموں کی طرف تشریف لے گئے۔ ایک خیمہ کے قریب جا کر دیکھا کہ بچپن کے دوست حبیب ابن مظاہر ہتھیار بند پر سجائے اس طرح تیار

بیٹھے ہیں، گویا ان کو جنگ کیلئے جانا ہے۔غلام سامنے کھڑا ہے، جب تلاوتِ کلامِ پاک سے فارغ ہوئے تو غلام نے عرض کی: اے میرے سید و آقا! آپؑ نے کئی روز سے اپنی ریش مبارک کو خضاب نہیں کیا، اگر حکم کریں تو خضاب لے آؤں۔ حبیب نے اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیر کر فرمایا: اب میری یہ داڑھی انشاء اللہ کل نصرتِ حسین علیہ السلام میں سر کے خون سے خضاب ہوگی۔

امامِ مظلوم یہ سن کر رو دیئے اور وہاں سے آگے بڑھے۔اب آپؑ زہیر بن قین کے خیمے کے سامنے تھے، دیکھا کہ جنابِ زہیر کے خیمہ میں ابو ثمامہ صیداوی بھی تشریف فرما ہیں۔ جنابِ زہیر اُن سے پوچھ رہے ہیں: کیوں ابو ثمامہ! اب کتنی رات باقی ہے؟ وہ جواب دیتے ہیں: نصف سے زیادہ رات باقی ہے۔ جنابِ زہیر نے یہ سن کر فرمایا: اللہ، اللہ! یہ رات کتنی طولانی ہوگئی ہے کہ کسی طرح کٹنے میں ہی نہیں آتی۔خدایا! جلد صبح نمودار ہو کہ میں حسینؑ کے قدموں پر جان نثار کروں۔ جنابِ ابو ثمامہ ان سے مزاح کرنے لگے۔وہ مسکرا کر جواب دیتے ہیں کہ مجھے جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کا شوق نہیں ہے بلکہ اپنے آقا مظلوم کی نصرت میں شہیدِ راہِ خدا بننے اور حضرت رسولِ خدا سے سرخرو ہونے کا شوق اس درجہ ہے کہ بیان نہیں کر سکتا۔

یہ سن کر امام علیہ السلام نے زہیر کے حق میں دعائے خیر کی اور وہاں سے بڑھ کر مسلم ابن عوسجہ کے خیمے کے سامنے پہنچے۔دیکھا کہ یہ بوڑھا مجاہد کمر کسے اور بدن پر ہتھیار سجائے صبح کے انتظار میں بیٹھا ہوا ہے اور بار بار خدا سے دعا کرتا ہے: خداوند عالم! مجھے نصرتِ حسینؑ میں کامیاب کرنا۔اس کے بعد آپؑ کا رُخ وہب کے خیمہ کی طرف ہوا، دیکھا کہ مادرِ وہب بیٹے کو سامنے بٹھائے سمجھا رہی ہے: دیکھو بیٹا! کل مجھے روحِ جنابِ فاطمہؑ سے شرمندہ نہ کرنا۔ بیٹا! میں نے تمہیں اسی دن کیلئے پالا تھا کہ دینِ خدا کا فدیہ بناؤں۔اے وہب! اگر چہ تو جوان ہے اور تیری شادی کو بھی ابھی چند روز ہوئے ہیں، جانتی ہوں کہ تیرے دل میں بہت سے ارمان ہیں۔مگر پھر بھی اے وہب! تو مجھے میرے سید و آقا سے زیادہ پیارا نہیں۔وہب عرض کر رہے ہیں: اے مادرِ گرامی! آپ اطمینان رکھیں، میں آپ کے دودھ کی قسم کھاتا ہوں کہ نصرتِ امامؑ میں ہرگز کوتاہی نہ کروں گا اور جب تک اپنی جان قربان نہ کر دوں گا، میدان سے نہ ہٹوں گا۔

آہ! یہ دلدوز اور جگر سوز مناظر دیکھ کر امام علیہ السلام نے ایک آہِ سرد لی اور دیر تک خیمہ وہب کے قریب کھڑے روتے رہے۔ جنابؑ انصار کے خیموں کا بار بار معائنہ فرما چکے تو اب اپنے عزیزوں کے خیام کی طرف رُخ کیا۔ پہلے اُم فروہ، مادرِ جنابِ قاسمؑ کی طرف آئے، دیکھا کہ بیوہ بھاوج نے اپنے یتیم بیٹے کو بنا سنوار کر بٹھایا ہے اور فرما رہی ہیں: بیٹا! تو اپنے شہید بابا کی نشانی ہے۔ میں نے تجھے بڑے لاڈ پیار سے پالا ہے۔ تیرے جوان ہونے کے ارمان میرے دل میں تھے۔لیکن بیٹا! اب وہ حسرت و یاس سے بدل گئے۔اب دکھیا ماں کے دل میں اس کے سوا کوئی ارمان نہیں کہ تجھے راہِ خدا میں شہید دیکھوں۔ بیٹا! تمہارے مظلوم چچا نرغۂ اعداء میں گھر چکے ہیں، ہم سب پر ایک سخت وقت آپڑا ہے۔اگر اس وقت تمہارے بابا زندہ ہوتے تو مظلوم بھائی کی ہر طرح مدد کرتے۔اب تم ان کے قائم مقام ہو، اپنے بابا کے اس فرض کو ادا کرو۔دیکھو بیٹا! کل جب بازارِ موت گرم ہو تو مرنے سے جی نہ چرانا اور مجھے روحِ علیؑ و فاطمہؑ سے روزِ حشر شرمندہ نہ کرنا۔

جنابِ قاسمؑ ہاتھ جوڑ کر عرض کر رہے ہیں: اے مادرِ گرامی! آپ مطمئن رہیں، کیونکر ہوسکتا ہے کہ اس وقتِ بیکسی میں اپنے چچا کا ساتھ چھوڑ دوں، حالانکہ انہوںؑ نے باپ کی طرح مجھے شفقت سے پالا ہے۔صبح تو ہونے دیجئے، آپ دیکھیں گی کہ آپ کا یہ کمسن فرزند کس طرح

شجاعتِ ہاشمی کے جوہر دکھا کر اپنی جان اپنے چچا کے قدموں پر قربان کرتا ہے۔

آہ مؤمنین! کیا وقت مظلومِ کربلا پر آ گیا تھا کہ مخدراتِ عصمت وطہارت اپنی آنکھوں کے تاروں اور کلیجے کے ٹکڑوں کو یوں جان دینے پر آمادہ کر رہی تھیں۔ بیوہ بھاوج کے یہ کلمات سن کر امامِ مظلوم کا دل ہل گیا اور زار زار روتے ہوئے وہاں سے آگے بڑھے۔ اب آپؑ خیمہ جنابِ زینبؑ کے سامنے تھے۔

مؤمنین! کیونکر عرض کروں کہ اس خیمے کے پاس آ کر کیا منظر دیکھا کہ جنابِ زینبؑ دونوں بیٹوں کو آراستہ کر کے بیٹھی ہیں اور فرما رہی ہیں: اے فرزند! حسینؑ کو ماموں نہ سمجھنا۔ انہوں نے تم پر باپ سے زیادہ شفقت کی ہے۔ اے فرزندو! کل قربانیِ آلِ محمدؐ کا دن ہے۔ دیکھو! نصرتِ حسینؑ میں اگر تم نے ذرا بھی کوتاہی کی تو ہرگز اپنا دودھ نہ بخشوں گی اور تمہاری صورت دیکھنے کی روادار نہ ہوں گی۔ دیکھو بچو! سمجھائے دیتی ہوں کہ ایسا نہ کرنا کہ فوجوں کی کثرت دیکھ کر ڈر جاؤ۔ تم اُس علیؑ کے نواسے ہو جس نے اُحد، بدر و خندق اور خیبر جیسے معرکے سر کئے ہیں۔ تم جعفر طیار کے پوتے ہو جو ہمیشہ فوجِ رسولؐ کے علمدار رہے اور جنہوں نے نصرتِ دین میں اپنے بازو کٹوا کر طیار لقب حاصل کیا۔ اے عونؑ و محمدؑ! تمہارے بیکس ماموں پر بڑا سخت وقت ہے، جہاں تک ہو سکے، کل جلد از جلد اپنے ماموں پر فدا ہو جانا۔ ماں کی اس گفتگو کو سن کر دونوں بچے ننھے ننھے ہاتھ جوڑ کر کہنے لگے: اے مادرِ گرامی! ہماری کیا مجال ہے کہ آپؑ کے حکم کے خلاف قدم اٹھا سکیں۔ کیا ہم ماموں جان کے مرتبہ سے آگاہ نہیں؟ کیا ہم ماموں جان کی شفقت نہیں دیکھ رہے، کل آپ دیکھیں گی کہ علیؑ کے نواسے اور جعفر طیار کے پوتے کس دلیرانہ شان سے لڑتے ہیں!

اس کے بعد امامِ مظلوم روتے ہوئے ایک اور خیمہ کے پاس آئے۔ آہ ___ کیا عرض کروں کہ یہ خیمہ کس کا تھا اور حسینؑ نے کیا دردناک منظر دیکھا!

مؤمنین! یہ خیمہ اُمِ لیلیٰؑ اور جنابِ علی اکبرؑ، شبیہِ پیغمبرؐ کا تھا۔ دیکھا کہ اُمِ لیلیٰ نے اپنے کڑیل جوان بیٹے کو آراستہ کر کے سامنے بٹھایا ہوا ہے، شمع جل رہی ہے اور دکھیا ماں بڑے حسرت بھرے لہجے میں کہہ رہی ہیں:

بیٹا! کل تیری چاندسی صورت خاک میں مل جائے گی۔ آہ ___ مجھے کیا خبر تھی کہ میری اٹھارہ برس کی کمائی کربلا کے میدان میں لوٹ لی جائے گی۔ آہ بیٹا! حسرت بھری ماں کو تیرے بیاہ کا بڑا ارمان تھا۔ دل چاہتا تھا کہ تجھے دولہا بناؤں گی۔ خدا کسی ماں پر یہ وقت نہ لائے جو تمہاری دکھیا ماں پر آ پڑا ہے۔ فرزندِ رسولؐ نرغہ میں گھر چکے ہیں، راہِ چارہ مسدود ہو گئی ہے۔ اب سوائے جان دینے کے کوئی صورت نہیں۔ اے علی اکبرؑ! اولاد اسی دن کیلئے ہوتی ہے کہ ماں باپ پر کوئی مصیبت آئے تو اس کو رد کر دے۔ بیٹا! تم ماشاءاللہ جوان ہو، اس وقتِ بیکسی میں باپؑ کی مدد کرو۔

جنابِ علی اکبر علیہ السلام ایک شجاعانہ انداز میں فرما رہے ہیں: اماں جان! آپؑ کیوں اس قدر رنجیدہ ہیں؟ حیدری شیروں اور ہاشمی جوانوں کے سامنے ان بزرگوں کا لشکر کیا حیثیت رکھتا ہے؟ بخدا! جب ہماری تلواریں نیاموں سے نکلیں گی تو یہ بزدل اس طرح ہمارے

سامنے سے بھاگتے ہوئے نظر آئیں گے جیسے شیروں کے سامنے ہرنوں کا غول___ امامؑ مظلوم کے دل پر ماں بیٹوں کی یہ گفتگو سن کر چھری چل گئی، زار زار رونے لگے اور

"اِنَّالِلّٰهِ وَاِنَّااِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ". (بقرہ:2/156)

کہتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

اب حضرت ابوالفضل العباسؑ کے خیمے کے پاس آئے، دیکھا کہ قمر بنی ہاشم یادگارِ شیر خدا عباسؑ ابن علیؑ اپنے خیمے میں بیٹھے تلوار صیقل کر رہے ہیں اور ایک گوشہ میں جنابِ اُم کلثومؑ بیٹھی رو رہی ہیں۔ ناگاہ جناب عباسؑ کی نظر دکھیا بہن پر جا پڑی، فوراً اٹھ کر بہن کے پاس آئے اور کہنے لگے: اے خواہر محترم! آپؑ کیوں رو رہی ہیں؟ یہ سنتے ہی جنابِ اُم کلثومؑ کی ہچکی بندھ گئی اور فرمانے لگیں: بھیا عباسؑ! تم ہی انصاف کرو، کیونکر گریہ وزاری نہ کروں؟ کل قربانیِ آلِ محمدؐ کا دن ہے۔ ہر بی بی اپنی اولاد کو میرے مظلوم بھائی پر قربان کرے گی۔

اُمِ فروہ قاسمؑ کو نثار کریں گی، ربابؑ علیؑ اصغر کو، اُم البنین علی اکبرؑ کو، میری بہن زینبؑ اپنے دونوں بیٹوں عونؑ و محمدؑ کو___ آہ اُمِ کلثومؑ! کیسی بدنصیب ہے کہ اس کا کوئی فرزند نہیں ہے کہ اپنے بھائی پر نثار کرے۔ اپنی بدنصیبی پر جس قدر رووٴں، کم ہے۔ یہ سن کر حضرت عباسؑ بیقرار ہو گئے اور بکمالِ منت وزاری سے عرض کرنے لگے۔ اے بہن! آپؑ کیوں اس درجہ رنجیدہ اور ملول ہیں۔ عباسؑ تو حاضر ہے۔ آپؑ شوق سے کل مجھے فدیہ حسینؑ بنائیں۔ یہ سن کر جنابِ اُم کلثومؑ کے چہرے پر آثارِ بشاشت نمایاں ہوئے۔ جنابِ عباسؑ کو گلے لگا کر دیر تک روتی رہیں۔

مروی ہے کہ جب اہلِ حرم قید سے چھوٹے اور دمشق میں مکان لے کر صفِ ماتم بچھائی تو زینبؑ کی خواہش پر شہیدوں کے سر یزید نے بھجوائے۔ جس شہید کا سر آتا تھا، جس بی بی سے اُس کا قریبی رشتہ ہوتا تھا، وہ بڑھ کر اُسے لے لیتی تھیں۔ جب جنابِ قاسمؑ کا سر آیا تو اُمِ فروہ بڑھیں اور آغوش میں لے لیا۔ جب علی اکبرؑ کا سر آیا تو اُمِ لیلیٰ نے بڑھ کر لیا۔

حضرات! جب حضرت عباسؑ کا سر آیا تو بیتاب ہو کر اُمِ کلثومؑ بڑھیں، بھیا عباسؑ آیئے، آپؑ میری آغوش میں آیئے۔ آپؑ میری طرف سے فدیہ راہِ خدا بنے تھے۔ بہن بھائی کی اس ملاقات پر کہرام بپا ہو گیا۔

❁ ❁ ❁

# شہادتِ حضرتِ حُر

مؤمنین! روزِ عاشور کی صبح وہ صبح تھی کہ آسمانِ ہدایت کے تابندہ ستارے زمین نینوا پر شام کو غروب ہو گئے اور بُرجِ رسالت کے آبدار موتی خاک میں بکھر گئے۔ یہ وہی صبح تھی جس کے بعد امام حسینؑ اور اُنؑ کے رفقاء کو دوسری صبح دیکھنا نصیب نہ ہوئی۔ نبی کا ہرا بھرا باغ پامال کیا گیا۔ نبیؐ زادیوں کے سر سے چادریں چھین لی گئیں۔ علیؑ و فاطمہؑ کی بیٹیوں کو قید کیا گیا۔ آہ! یہ صبح معمولی صبح نہ تھی بلکہ قیامت کی صبح تھی۔ اس کا حال کربلا والوں سے پوچھئے۔

منقول ہے کہ امام علیہ السلام نے چونکہ رات عبادتِ الٰہی میں گزاری تھی، اس لئے قریبِ صبح ذرا دیر کیلئے آنکھ لگ گئی۔ تھوڑی دیر بعد ایک ہولناک خواب دیکھ کر بیدار ہو گئے اور اپنے اصحاب سے فرمایا: میں نے اس وقت خواب میں دیکھا ہے کہ چند کتے مجھ پر حملہ آور ہیں، اُن میں ایک ابلق کتا سب سے زیادہ حملہ کر رہا ہے۔ اس کی تعبیر یہ ہے کہ میرا قاتل مبروص ہوگا۔ اس کے بعد میں نے اپنے جدامجد حضرت رسولِؐ خدا کو یہ فرماتے سنا: بیٹا حسینؑ! تو شہیدِ آلِ محمدؐ ہے۔ اے فرزند! تمام اہلِ آسمان اور ساکنانِ ملاءِ اعلیٰ تیرے آنے کی خوشیاں منا رہے ہیں۔ پس اے نورِ دیدہ! اب اپنے آنے میں تاخیر نہ کر اور جلدی میرے پاس آجا۔ پس اس کی تعبیر یہی ہے کہ میری شہادت کا وقت اب قریب آ گیا ہے۔ یہ سن کر تمام اصحاب حد درجہ ملول ہوئے۔

سید ابن طاؤس اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب صبح عاشور نمایاں ہوئی تو آپؑ نے شہزادہ علی اکبرؑ کو اذان دینے کا حکم دیا اور اپنے انصار سے فرمایا: مصلیٰ بچھاؤ تا کہ ہم سب مل کر فریضہ الٰہی کو ادا کر لیں۔ اس کے بعد ہمیں نمازِ باجماعت پڑھنے کا موقعہ نہ ملے گا۔

یہ حکم سنتے ہی عاشقانِ الٰہی کے مصلے برابر میں بچھ گئے۔ پانی کہاں تھا جو وضو کرتے؟ تیمّم کر کے سب اپنے مصلوں پر آ گئے۔ جنابِ علی اکبرؑ، شبیہ پیغمبرؐ نے بآوازِ بلند اذان دینا شروع کی۔ آہ ___ جب یہ آواز خیامِ اہلِ حرم میں پہنچی ہوگی تو مخدراتِ عصمت وطہارت، بالخصوص جنابِ زینبؑ واُمِ کلثومؑ اور اُمِ لیلیٰ کے دل پر کیسی چوٹ لگی ہوگی کہ یہ آواز نہ کبھی سنائی دے گی اور یہ اذان دینے والا ہمیشہ کیلئے ہم سے جدا ہو جائے گا۔

الغرض اذان کے بعد مسلم ابن عوسجہ نے اقامت کہی اور امامؑ مظلوم کے پیچھے ناصرانِ حسینؑ نے صفیں باندھیں اور عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ حضرات! روزِ عاشور کی یہ جماعت دیکھنے کے قابل تھی۔ امامِ مظلوم کی یہ نماز اپنے رفقاء کے ساتھ آخری نماز تھی، چشم فلک نے ایسی نماز کہاں دیکھی ہوگی جس میں ایک ایک نمازی بادۂ عرفان سے سرشار تھا۔ یہ معمولی لوگوں کی جماعت نہ تھی۔ یہ خدا کے اُن سچے پرستاروں کی جماعت تھی جو حمایتِ دین میں مرنے پر کمربستہ کھڑے تھے۔ یہ اُن خدا شناسوں کی جماعت تھی جن کے خضوع وخشوع میں باوجود تین دن کی بھوک و پیاس کے ذرّہ برابر کمی نہ آئی۔ اس جماعت میں قرآن کے حافظ بھی تھے، قرآن کے قاری بھی تھے، مفسر ومحدث بھی

تھے، بڑے عباد اور زُھار بھی تھے اور شریعت اسلام کے محافظ بھی تھے۔ نبیؐ اور علیؑ کی صحبتوں سے فیض اُٹھانے والے بھی تھے۔ جوانانِ جنت کے سردار بھی تھے، بچے سے لے کر جوان اور جوان سے لے کر بوڑھے تک سب زیورِ صلاح وتقویٰ اور زہد وورع سے آراستہ تھے۔

کتاب کامل میں بروایت حلبی جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ صبح عاشور امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب سمیت نمازِ صبح ادا کی۔ اس کے بعد اپنے انصار کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: میرے وفادار دوستو! آج ہماری شہادت کا دن ہے، پس تم کو چاہئے کہ اس بلائے عظیم پر صبر کرو۔ اس دنیا میں خاصانِ خدا پر بلائیں نازل ہوتی رہی ہیں اور انہوں نے صبر و ہمت سے اُنہیں جھیلا ہے۔ خدا کی سرکار میں صبر کرنے والوں کا بڑا اجر ہے۔

منقول ہے کہ اس طرف تو امام علیہ السلام بعد نمازِ صبح اپنے اصحاب کو صبر وشکر کی تعلیم دے رہے تھے اور اُدھر لشکر سعد میں جنگ کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ حضرتؑ نے جنابِ بُریر ہمدانی کو بلا کر فرمایا کہ تم جاؤ، ایک بار اس قوم بدشعار کو سمجھاؤ، شاید لوگ راہِ راست پر آ جائیں۔

بس بروایت بحار جنابِ بُریر اس قومِ جفا کار کے سامنے آئے اور فرمایا: لوگو! خدا سے ڈرو اور ایسا کام نہ کرو جس سے خدا اور رسولؐ کے غضب میں گرفتار ہو۔ تم نہیں جانتے کہ امام حسینؑ کون ہیں؟ اے بدبختو! یہ تمہارے نبیؐ کے نواسے ہیں۔ وائے ہو تم پر، جس نبیؐ کا تم کلمہ پڑھتے ہو، اُسی کے نواسے کے قتل کا ارادہ رکھتے ہو؟ کیا تمہارے اس عمل سے حضرت رسولِ خدا خوش ہوں گے۔ اے قوم! ان خیموں میں تمہارے رسولؐ کی نواسیاں اور علیؑ و فاطمہؑ کی بیٹیاں ہیں جن پر تین روز سے تم نے پانی بند کر رکھا ہے۔ اے ظالمو! اتنے ہی ظلم پر بس کرو اور ان کو زیادہ مصیبت میں نہ ڈالو۔ کسی قوم نے اپنے نبی کی اولاد کے ساتھ ایسا بُرا سلوک نہیں کیا جیسا تم نے اپنے نبی کی اولاد سے کیا ہے۔ اے قوم! دنیا چند روزہ ہے، خدا سے ڈرو۔ ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ تم خدا کے حضور سخت عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

جنابِ بُریر کی یہ تقریر سن کر اس بے رحم قوم نے جواب دیا کہ اے بُریر! بجائے ہم کو سمجھانے کے تم حسینؑ ابن علیؑ کو کیوں نہیں سمجھاتے؟ اگر وہ بیعتِ یزید کر لیں تو ابھی ان کو تمام مصائب وآلام سے نجات مل سکتی ہے۔

بُریر نے فرمایا: استغفراللہ! وہ جنابؑ ہرگز اس امر کو گوارا نہ کریں گے، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ جہاں سے آئے ہیں، وہاں واپس چلے جائیں۔ اے اہلِ کوفہ! وائے ہو تم پر کہ تم نے خط بھیج کر فرزندِ رسولؐ کو اپنی طرف بلایا اور وہ جنابؑ جب اس طرف متوجہ ہوئے تو اب تم ان کے قتل پر کمر بستہ ہو؟ کیا عرب کی مہمان نوازی یہی ہے کہ تم نے انؑ پر، انؑ کی اولاد اور اصحاب پر تین روز سے پانی بند کر رکھا ہے۔ خدا تم کو روزِ قیامت سیراب نہ کرے، تم کیسے ظالم اور ستم شعار لوگ ہو؟

یہ سن کر ایک شخص نے جواب میں کہا: اے بُریر! ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ اس کے بعد کئی جفا کاروں نے بُریر پر تیر پھینکے۔ جب اس قوم کی یہ بے حیائی دیکھی تو مجبوراً جنابِ بُریر واپس آ گئے۔ الغرض جب حضرتؑ کو اس قومِ بدشعار کی طرف سے بالکل مایوسی ہو گئی تو آپؑ نے اپنی مختصر سی فوج کو تیار کرنا شروع کیا۔

بروایت ارشاد حضرتؑ کی کُل فوج تیس سوار اور چالیس پیادے تھے۔ آپؑ نے جنابِ زہیر کو میمنہ کا سردار بنایا اور جنابِ حبیب

ابن مظاہر کو میسرہ کا ___ فوج کا علَم حضرت ابوالفضل العباسؑ کو عطا فرمایا۔

جب دونوں طرف سے فوجیں آراستہ ہوگئیں تو عمر سعد شقی نے ایک تیر چلّہ کمان میں جوڑ کر لشکر گاہِ حسینی کی طرف پھینکا اور کہا: اے قوم! گواہ رہنا کہ سب سے پہلے فوجِ حسینؑ کی طرف تیر پھینکنے والا اور اس جنگ کی ابتداء کرنے والا میں ہوں۔ اس کے بعد اس قومِ جفا کار نے مبارز طلبی شروع کی۔ حضرتؑ نے پھر اتمامِ حجت کے طور پر اس جاہل قوم کو سمجھانا مناسب جانا۔ آپؑ دونوں لشکروں کے درمیان تشریف لائے اور فرمایا:

اے قوم! کیا میں نے تم میں سے کسی کو قتل کیا ہے جس کا بدلہ تم لینا چاہتے ہو؟ کیا میں نے کسی کا مال چھین لیا ہے یا کسی کو زخمی کیا ہے جس کی قصاص میں تم میرے درپے ہو؟ کیا میں نے شریعتِ اسلام کو تبدیل کیا ہے جس کی سزا دینا ضروری ہے؟ جانتے ہو اے شیث ابن ربعی، اے حجار بن الحر، اے قیس بن اشعث، اے یزید بن حارث! کیا تم نے مجھے خطوط نہیں لکھے تھے کہ اب درختوں کے پھل پک گئے ہیں، باغ سرسبز ہیں۔ لشکر کے لشکر آپؑ کی نصرت کیلئے موجود ہیں۔ آپؑ ضرور ہماری طرف تشریف لایئے۔ کیا تم اپنے خطوط کا مضمون بھول گئے ہو؟ کیا تمہارے دین میں مہمان کی یہی قدر کی جاتی ہے جو تم میری کر رہے ہو؟ یہ سن کر قیس بن اشعث ملعون نے جواب دیا کہ آپؑ کیا کہہ رہے ہیں؟ اگر آپؑ کو اپنی جان پیاری ہے تو حاکمِ وقت یزید کی بیعت کیجئے ورنہ ہم سے لڑنے کیلئے تیار ہو جایئے۔ اس بد بختِ ازلی کا یہ کلام سن کر آپؑ لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہتے ہوئے واپس تشریف لائے۔ ابھی حضرتؑ نے اپنے کسی ناصر کو اذنِ کارزار عطا نہ فرمایا کہ حُر بن یزید ریاحی کے آنے کا شور ہوا۔

واقعہ یہ ہے کہ شبِ عاشور جب خیامِ حسینؑ میں العطش العطش کا شور مچا ہوا تھا، حُر اس وقت اپنے خیمے کے سامنے کسی پریشانی کی وجہ سے ٹہل رہے تھے۔ رفتہ رفتہ وہ اپنے خیمے سے دور نکل گئے۔ بار باران آوازوں پر کان لگاتے تھے جو خیامِ حسینی سے بلند ہو رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد جب ادھر سے واپس ہوئے تو راہ میں بھائی سے ملاقات ہوئی۔ اس وقت حُر کے چہرے کا رنگ اُڑا ہوا تھا اور رفتار و گفتار سے انتہائی بدحواسی ظاہر ہو رہی تھی۔ بھائی نے پوچھا: کیا بات ہے؟ اس وقت میں تم کو بہت زیادہ پریشان دیکھ رہا ہوں۔ جنابِ حُر نے کہا: ذرا کچھ دور میرے ساتھ چلو۔ جب خیمہ گاہ کے قریب ہوئے تو حُر نے کہا: ذرا کان لگا کر سنو تو یہ آوازیں کیسی ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ تو خیامِ حسینی سے صاف آواز العطش العطش آ رہی ہے۔ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے پیاس سے تڑپ رہے ہیں۔ جنابِ حُر یہ سن کر رونے لگے اور سینہ پر ہاتھ مار کر کہا کہ اولادِ رسولؐ کی تکلیف کا باعث مَیں ہوا ___ نہ میں فرزندِ رسولؐ کو گھیر کر کربلا میں لاتا، نہ یہ لوگ اس بلا میں گرفتار ہوتے۔

میرا کلیجہ ان بچوں کی فریاد سن کر پھٹا جاتا ہے۔ جی میں آتا ہے کہ سینہ میں خنجر مار کر مر جاؤں۔ تف ہے ایسی زندگی پر کہ اولادِ رسولؐ تو پیاس سے تڑپتے رہیں اور ہم سیراب ہوں۔ بھائی نے کہا: پھر کیا ارادہ ہے؟ حُر نے کہا: بس! اب تو عذابِ الٰہی سے بچنے کی صرف یہی تدبیر ہے کہ جلد از جلد خود کو امام علیہ السلام کے قدموں پر ڈال دوں اور اپنی گزشتہ گستاخی کو معاف کر کے ان کی نصرت وحمایت میں جان قربان کر دوں۔

بھائی نے کہا: جزاک اللہ! اس وقت تم نے وہ بات کہی جو میرے دل میں تھی۔ حُر نے فرمایا: پھر دیر کیا ہے؟ خیمہ میں چل کر گھوڑوں کی زین کسو اور فوراً یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔ ابھی لڑائی کا آغاز نہیں ہوا، میں چاہتا ہوں کہ سب سے پہلے اپنی ہی جان امام علیہ السلام کے قدموں پر نثار کر دوں۔ بھائی نے کہا: بسم اللہ! میں بھی تیار ہوں۔

الغرض جنابِ حُر اپنے بھائی، فرزند اور غلام کے سمیت اور بعض مؤرخین کے نزدیک تن تنہا لشکر امامؑ کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہاں امامِ مظلوم سے آپؑ کے رفقاء اور انصار اجازتِ کارزار طلب کر رہے تھے اور آپؑ فرما رہے تھے: ٹھہرو! ابھی مجھے اپنے ایک دوست کی آمد کا انتظار ہے۔ لوگ حیران تھے کہ اس وقت بیکسی میں کون ہماری مدد کو آنے والا ہے؟ ناگاہ لشکر پسر سعد کی طرف سے گرد نمودار ہوئی۔ امام علیہ السلام نے جنابِ عباسؑ سے فرمایا کہ تم استقبال کو جاؤ۔ حُر بن زیاد ریاحی معافی مانگنے کیلئے آ رہا ہے۔ یہ حکم سنتے ہی جنابِ عباس علمدار گھوڑا بڑھا کر اس طرف روانہ ہوئے۔ جب حُر نے جنابِ عباسؑ کو اپنی طرف آتے دیکھا تو گھوڑے پر سے اُتر پڑے اور بکمالِ انکساری عرض کرنے لگے:

یا ابوالفضل العباسؑ! میں خدمتِ امامؑ میں عفوِ تقصیر کیلئے حاضر ہوا ہوں۔ آپؑ فرزندِ رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام سے میری سفارش فرما دیں۔ سخت نادم ہوں کہ میں انؑ کو مجبور کر کے کیوں اس طرف لایا؟

الغرض جنابِ عباسؑ حُر کو لے کر خدمتِ امامؑ میں حاضر ہوئے۔ حُر سر کو جھکا کر اور ہاتھ جوڑ کر سامنے کھڑے ہو گئے۔ آنکھوں سے زار زار آنسو بہہ رہے تھے۔ حضرتؑ نے جوشِ محبت میں حُر کو چھاتی سے لگالیا اور فرمایا: اے حُرّ! میں نے تیری خطا معاف کی، خدا بھی تیری تقصیر معاف کرے۔ حُر نے عرض کی: یابن رسول اللہ! اب اتنی آرزو دل میں اور باقی ہے کہ سب سے پہلے حضورؑ کے قدموں پر یہ غلام اپنی جان نثار کر دے، پس اجازتِ کارزار مرحمت ہو۔ حضرتؑ نے فرمایا: اے حُر! تو ہمارا مہمان ہے، میں نے مہمان نوازی کی کوئی رسم ابھی تک ادا نہیں کی، کیونکر اجازت دوں؟ اے حُر! تو ایسی مصیبت کے وقت ہمارا مہمان ہوا ہے کہ ہم تین دن کے بھوکے پیاسے ہیں۔ حُر نے عرض کی کہ حضورؑ مجھے شرمندہ نہ کریں۔ میرا دل زندگانیِ دنیا سے ایسا سیر ہو گیا ہے کہ اب میں زندہ رہنا نہیں چاہتا۔

الغرض امام علیہ السلام سے اذنِ کارزار حاصل کر کے سب سے پہلے جنابِ حُر گھوڑے کو دوڑاتے ہوئے میدانِ کارزار میں تشریف لائے اور اہلِ کوفہ کو مخاطب کر کے فرمایا: اے اہلِ کوفہ! تمہاری مائیں تمہارے ماتم میں بیٹھیں، کس قدر شرم کی بات ہے کہ تم نے اس عبدِ صالح کو بھلا دیا جو تمہارے نبیؐ کا نواسہ ہے؟ اے بے حیاؤ! پہلے تو تم نے خط پر خط لکھ کر بلایا اور جب وہ ادھر تشریف لے آئے تو تم ان کے دشمن ہو گئے؟ اے بے غیرتو! عرب کی حمیت کیا ہوئی؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ آج تم اپنے مہمان کیلئے تلواریں تیز کر رہے ہو؟ افسوس! وہ پانی جسے یہود و نصاریٰ بلکہ چرند، پرند اور درند تک پی رہے ہیں، تم نے اپنے رسولؐ کی ذریت پر بند کر رکھا ہے؟ چھوٹے چھوٹے بچے پیاس سے جاں بلب ہو رہے ہیں اور تم کو ذرا رحم نہیں آتا۔ تم اپنے خیموں میں مزے سے بیٹھے آبِ سرد پی رہے ہو اور تمہارے مہمان پانی کے ایک ایک قطرہ کو ترس رہے ہیں؟ اے بے غیرتو! اگر تم اپنے عہد پر قائم نہیں رہ سکتے تو حسینؑ ابن علیؑ کو اجازت دو کہ وہ جس طرف چاہیں، چلے جائیں۔ جنابِ حُر کی اس تقریر کا اس قومِ بدانجام نے بجائے زبان کے، تیروں سے جواب دیا۔ جنابِ حُر کو طیش آ گیا۔ چند اشعار رجز کے جوش میں پڑھ کر اس

قومِ بدکار پر حملہ آور ہوئے اور تھوڑی دیر میں بہت سے ناریوں کو واصلِ جہنم کیا۔ یہ غیر معمولی شجاعت دیکھ کر عمر بن حجاج نے فوجِ یزید کو ڈانٹ کر کہا: احمقو! کیا کر رہے ہو کہ اس جوان سے ایک ایک کر کے لڑ رہے ہو، یہ تو اپنی زندگی سے ہاتھ دھو کر لشکرِ حسینؑ میں گیا ہے، اگر علیحدہ علیحدہ لڑو گے تو ہرگز کامیاب نہ ہو گے۔ بہتر یہ ہے کہ اسے چاروں طرف سے گھیر لو اور پتھر مار مار کر اس کا کام تمام کر دو۔ یہ سن کر بہت سے نابکار اس شیرِ غضبناک کی طرف بڑھے۔

اب ہر طرف سے پتھر اور تیر برسانے شروع کر دیئے۔ جنابِ حُر بھی انتہائی غضب میں ان پر حملہ آور تھے، حتیٰ کہ ۴۵ آدمی اس مجاہدِ راہِ خدا نے قتل کر ڈالے۔ لیکن اس کا جسم بھی تیروں کی بھرمار سے بُری طرح زخمی ہو گیا۔ اللہ رے بہادری کہ اسی حالت میں بھی جس طرح ممکن ہوا، خود کو لشکر گاہِ حسینی پہنچایا اور خدمتِ امامؑ میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے: یابن رسولؐ اللہ! آپؑ اپنے اس غلام سے راضی ہیں؟ حضرتؑ نے گلے سے لگا کر فرمایا: اے حُر! میں تجھ سے راضی ہوں، میرا خدا بھی تجھ سے راضی ہو۔ اے حُر! اب تم ٹھہرو کہ سارا بدن زخموں سے چور چور ہے۔ حُر نے ہاتھ باندھ کر عرض کی: مولاؑ! اب غلام کو نہ روکئے، میرا دل درجۂ شجاعت کا مشتاق ہے۔

الغرض جنابِ حُر پھر میدان میں تشریف لائے اور ایک پُر جوش رجز پڑھ کر حملہ کیا۔ اتفاقاً ایک ظالم نے ان کے گھوڑے کے پیر کاٹ دیئے اور وہ بے بس ہو کر زمین پر گر پڑے۔ آواز دی:

”یَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اَدْرِکْنِیْ“۔

اے فرزندِ رسولؐ! خبر لیجئے کہ میں جاں بلب ہوں۔ شاید آخری زیارت کا شرف حاصل کر لوں۔ حُر کی یہ آواز سنتے ہی مظلومؑ کربلا میدانِ قتال کی طرف روانہ ہوئے۔

مقتل ابو مخنف میں ہے کہ قبل اس کے کہ آپؑ وہاں پہنچیں، دشمنوں نے حضرتِ حُر کا سر کاٹ کر لشکرِ حسینؑ کی طرف پھینک دیا۔ حضرتؑ وہیں ٹھہر گئے اور جنابِ حسینؑ نے حضرتِ حُر کا خون بھرا سر اٹھا کر اپنی چھاتی سے لگا لیا۔ اپنے دامن سے چہرہ کی خاک پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے: اے حُر! خدا کی قسم تیری ماں نے تیرا نام خوب ہی رکھا تھا، بے شک تو آتشِ دوزخ سے آزاد ہے۔

کتاب امالی میں جناب صدوق علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ جب امام علیہ السلام حُر کے پاس پہنچے، رمقِ جان باقی تھی، آپؑ نے حُر کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا اور فرمایا: اے حُر! مبارک ہو، تو آتشِ دوزخ سے آزاد ہے۔ اس کے بعد آپؑ نے یہ اشعار پڑھے:

”قبیلہ بنی ریاح کا حُر کیا ہی اچھا ہے، وہ نیزوں کی مار کے وقت بڑا ہی صابر تھا۔ کیا ہی اچھا ہے حُر، جب اُس نے حسینؑ کو پکارا اور صبح سویرے ہی راہیِ جنت ہوا۔ کیا ہی اچھا حُر موت کی گرم بازاری میں ہے جب کہ بڑے بڑے بہادر شمشیر زنی کر رہے تھے۔ اے خدا! تو اسے جنت میں مہمان بنا اور اسے اعلیٰ بہشتی نعمتوں سے سرفراز فرما“۔

منقول ہے کہ اسی حالتِ نزع میں حضرتِ حُر نے اپنی آنکھ کھولی اور امامِ مظلوم کے چہرے پر ایک حسرت بھری نظر ڈالی اور جنت کی راہ لی۔

مؤمنین! جب خیامِ اہلِ بیتؑ میں یہ خبر پہنچی تو اہلِ حرم نے اس طرح لاش پر نوحہ خوانی کی جیسے کسی خاص عزیز پر کی جاتی ہے۔

اے فرزندِ رسولؐ کے پہلے جاں نثار! خوشا حال آپ کا کہ رسولؐ کی نواسیاں اور علیؑ و فاطمہؑ کی بیٹیاں آپ پر ماتم کرتی ہیں۔

آہ ___ جنابِ حُر کے آنے سے جنابِ زینبؑ کو بڑی حسرت ہوئی تھی۔ وہ سمجھی تھیں کہ شاید حُر کے آنے سے اس قوم پر کچھ اچھا اثر پڑے گا اور بھائی کے سر پر آئی بلاٹل جائے گی۔ لیکن جنابِ حُر کی شہادت کے بعد وہ ہلکی سی جھلک بھی مایوسی میں بدل گئی۔

حضرات! کتنے خوش نصیب تھے انصار اور اقربائے امامِ مظلوم کہ جب گھوڑے سے گرتے تھے تو حسینؑ خود جا کر ہر ایک کی لاش اٹھالاتے تھے اور سیدانیاں نوحہ و ماتم کرتی تھیں۔

مگر آہ ___ جب امامِ مظلوم زخموں سے چور چور خاک پر گرے تو اُس وقت انؑ کی لاش کو اٹھانے والا کوئی نہ تھا۔ مصیبت زدہ سیدانیوں کو نوحہ و بکا کرنے کی مہلت بھی نہ ملی۔ حضرتؑ کا سرِ مبارک تن سے جدا کرتے ہی نیزہ پر بلند کر دیا گیا اور قتل الحسینؑ کے نعرے مارنے لگے۔

کیا نوحہ و ماتم کرتیں وہ دکھیاری بیبیاں جن کے لوٹنے اور غارت کرنے کیلئے دشمن خیموں میں آئے تھے اور اس بیدردی سے لوٹ رہے تھے کہ کسی بی بی کے سر پر چادر تک نہ چھوڑی۔

سکینہؑ کے کان چیر کر گوشوارے تک کھینچ لئے گئے۔ کاش! اس پر بس کرتے، انہوں نے یہ غضب ڈھایا کہ خیموں میں آگ لگا دی۔
آہ! بیکس بیبیاں اس کے سوا اور کیا کر سکتی تھیں کہ بار بار ''وَامُحَمَّدَاہُ، وَاعَلِیَّاہُ'' کے نعرے مارتی تھیں۔

❀ ❀ ❀

# شہادتِ جنابِ وہب

منقول ہے کہ جنابِ بُریر نے روزِ عاشور اس قومِ بدشعار کے سامنے جو تقریر فرمائی تھی، اس میں یہ بھی کہا تھا کہ اے قوم! تم میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو قرآن کے قاری ہیں۔ کیا تم نے آیہ مباہلہ کو نہیں پڑھا؟ اگر پڑھا ہے تو بتاؤ کہ آیہ مذکور میں ''اَبْنَاءَ نَا'' سے کیا مراد ہے؟ کیا رسولؐ اللہ روزِ مباہلہ حسنؑ و حسینؑ کو اپنے ساتھ نہیں لے گئے تھے؟ اے قوم! یہ وہی حسینؑ ہیں جو روزِ مباہلہ کی وحدانیت اور رسولِ خداؐ کی رسالت کے گواہ بن کر نکلے تھے۔ آج تم نے ان کا رتبہ اتنا پست کر دیا ہے کہ ان کی بات کان دھر کر سنتے بھی نہیں؟ یہ سن کر لشکر پسر سعد سے ایک شقی نکلا اور کہنے لگا: اے بُریر! تم کیا کر رہے ہو؟ ہم کچھ نہیں جانتے کہ حسینؑ کون ہیں؟ چونکہ اس شخص نے حاکمِ وقت یزید بن معاویہ کے خلاف بغاوت کی ہے، للہذا اس کا قتل ہم پر واجب ہے۔ یہ سن کر جنابِ بُریر کو سخت غصہ آیا اور گھوڑا دوڑا کر ایک نیزہ اُس کے سینے پر ایسا مارا کہ وہ اُسی وقت بے دم ہو کر زمین پر گر پڑا۔

مؤمنین! حضرتِ بُریر ہمدانی بڑے پایہ کے مؤمن، صالح اور متقی و پرہیز گار بزرگ تھے۔ اصحابِ امامؑ مظلوم میں ان کا خاص مرتبہ ہے۔ لکھا ہے کہ شبِ عاشور جب چھوٹے چھوٹے بچے درِ خیمہ پر خالی کوزے ہاتھوں میں لئے آوازِ العطش العطش بلند کر رہے تھے تو جنابِ بُریر اپنے خیمہ میں مشغولِ عبادت تھے۔ بچوں کی یہ آواز سن کر ان کا دل لرز گیا۔ بیتابانہ خیمہ سے نکلے اور اصحابِ امامؑ کو جمع کر کے کہنے لگے: دوستو! وائے ہو تمہاری اس حالت پر کہ اولادِ رسولؐ تشنگی سے تڑپ رہی ہے اور ہم اپنے کانوں سے اس کی فریاد سن رہے ہیں؟ سب نے کہا: اے بُریر! بے شک اُن کی آواز سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ زندگی وبالِ جان ہو رہی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان بچوں کی تکلیف کیونکر دور کریں؟ جنابِ بُریر نے فرمایا: یہ وقتِ شب ہے، نہر کے پہرہ دار سو رہے ہوں گے۔ گھوڑوں پر سوار ہو کر چلو اور جس طرح بن پڑے، مشکیزوں میں پانی بھر کر لاؤ۔ واللہ! اگر ایک بچہ بھی پیاس سے مر گیا تو روزِ قیامت جنابِ رسولِ خداؐ کو کیا منہ دکھائیں گے؟ میں اس کام کو انجام دینے کیلئے تیار ہوں، جن کو میرے ساتھ چلنا ہے، چلے۔ یہ سن کر دو شخص جنابِ بُریر کے ساتھ چلے۔ بُریر نے ایک سوکھا مشکیزہ اٹھالیا۔ پہلے درِ خیمہ پر آئے اور بچوں کو پیار کرنے لگے۔ اے بچو! گھبراؤ مت، ہم تمہارے لئے پانی لینے جاتے ہیں، یا تو اب پانی لے کر آئیں گے، ورنہ تمہیں زندہ صورت نہ دکھائیں گے۔ تم اپنے ننھے ننھے ہاتھ بارگاہِ الٰہی میں اُٹھا کر خدا سے دعا کرو کہ ہم کو اس کوشش میں کامیاب کرے۔

یہ کہہ کر جنابِ بُریر اور اُن کے ساتھی گھوڑوں پر سوار ہو کر نہر فرات کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچے تو ایک سردار نے، جو مخالف فوج کا تھا، ٹوک کر کہا: کون آتا ہے؟ بُریر نے اس کی آواز پہچان لی اور کہا: اے عبداللہ بن برقع! میں ہوں بُریر بن خضیر ہمدانی، اس لئے آیا ہوں کہ نہر سے اپنی پیاس بجھاؤں۔ اُس نے جواباً کہا: اے بُریر! چونکہ تم میرے قبیلہ سے ہو، للہذا اتنی اجازت دے سکتا ہوں کہ تم اور تمہارے ساتھی نہر سے اپنی پیاس بجھالیں، مشکیزوں میں پانی بھر کر نہ لے جانے دوں گا۔

جنابِ بُریر نے فرمایا: اے عبداللہ! وائے ہو تجھ پر، میرے اوپر تو تجھے رحم آتا ہے لیکن اولادِ رسولؐ پر نہیں آتا؟ آہ ___ چھوٹے چھوٹے بچے پیاس سے اس طرح تڑپ رہے ہیں کہ ان کی فریادوں سے دل ہلے جاتے ہیں۔ یہ سن کر عبداللہ کے دل پر اثر ہوا، کہنے لگا: اچھا اے بُریر! اس وقت بہت سے پہرہ والے سور ہے ہیں، خاموشی سے اپنی مشکوں کو بھرلو اور جلد واپس جاؤ۔

الغرض جنابِ بُریر نہر میں داخل ہوئے اور پانی کو دیکھتے ہی دل پر چھری چل گئی۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کی شدتِ پیاس کا تصور کر کے زارزار رونے لگے اور اپنے دل سے کہا: اگرچہ شدتِ تشنگی سے میرا کلیجہ کباب ہورہا ہے لیکن جس طرح پیاسا آیا ہوں، اُسی طرح پیاسا واپس جاؤں گا۔ جب تک اولادِ رسولؐ سیراب نہ ہو، پانی میرے اوپر حرام ہے۔ یہ کہہ کر جنابِ بُریر نے پانی سے مشکیزہ بھرا اور خوش خوش وہاں سے نکلے۔ ایک سپاہی نے ان کو پہچان کر شور مچایا کہ اے پہرہ دارو! کیا بے خبر سور ہے ہو، بُریر ہمدانی لشکر حسینؑ کی طرف پانی لے جانا چاہتے ہیں۔ جلد انہیں گھیر کر پانی چھین لو۔ اس شقی کی آواز سنتے ہی تمام پہرے دار چونک پڑے اور چاروں طرف سے بُریر اور ان کے ساتھیوں کو گھیر لیا۔

سبحان اللہ! اصحابِ حسینؑ کیسے بہادر تھے کہ تینوں بہادروں نے تلواریں نیام سے نکال کر ان اشقیاء سے لڑنا شروع کیا، یہاں تک کہ بہت سے ناریوں کو واصلِ جہنم کیا۔ ان کی بے پناہ تیغ زنی دیکھ کر وہ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے اور جنابِ بُریر صحیح سلامت مشکیزہ لئے ہوئے خیمہ گاہِ حسینی میں داخل ہوئے۔

مؤمنین! اس وقت جنابِ بُریر کی خوشی کی انتہا نہ تھی، دور سے ہی بآوازِ بلند پکارنا شروع کیا: اے بچو! مبارک ہو کہ بُریر تمہارے لئے نہر سے پانی لے آیا۔ اے پیاسے بچو! جلد اپنے اپنے کوزے لے کر آگے بڑھو اور اپنے سوکھے گلے تر کرو۔ جونہی یہ آواز ان پیاس کے مارے بچوں کے کان میں پہنچی، خوشی سے عجیب حال ہوا، بیتابانہ اپنے اپنے کوزے لے کر درِ خیمہ پر آگئے اور بُریر کو دعائیں دینے لگے۔ جنابِ بُریر نے وہ مشکیزہ جلدی سے اُن کے سامنے ڈال دیا۔ آہ ___ رات کی تاریکی میں بچے گھبرا کر جو اس مشکیزے پر گرے تو دہانہ کھل گیا اور سارا پانی زمین پر بہہ گیا۔ اس وقت پیاسے بچوں کی بے چینی دیکھنے کے قابل تھی۔ رو رو کر فریاد کررہے تھے: اے بُریر! غضب ہوگیا، جو پانی آپ ہمارے لئے لائے تھے، وہ سب بہہ گیا اور ہم سب بدستور پیاسے رہ گئے۔ مؤمنین! ہماری جانیں ان بچوں پر قربان ہوں، ہائے کیا شدت کی پیاس تھی کہ ہر ایک بچہ کوشش کررہا تھا کہ اپنا سوکھا گلا اس تر زمین پر رکھ دے۔

حضرات! یہ رات جنابِ بُریر نے انتہائی بے چینی میں بسر کی۔ چاہتے تھے کہ جلد صبح ہو جائے کہ قومِ جفا کار سے اس بدکرداری اور ستم شعاری کا بدلہ لیں۔ چنانچہ روزِ عاشور جنابِ حُر کی شہادت کے بعد جنابِ بُریر خدمتِ امامؑ میں حاضر ہوئے اور اذنِ کارزار حاصل کر کے میدان میں آئے۔ پہلے نہایت جوش میں چند اشعار بطور رجز پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

''میں بُریر بن خضیر ہمدانی ہوں۔ میری شجاعت کا تمام عرب میں سکہ بیٹھا ہوا ہے۔ آج میں تم کو اپنی شمشیر کے جوہر دکھاؤں گا اور چن کر تمہارے بہادروں کو قتل کروں گا۔ جس کو حوصلہ ہو، وہ میرے مقابلہ کیلئے نکلے''۔

اس کے بعد دشمن پر حملہ آور ہوئے اور تھوڑی دیر میں تیس اشقیاء کو واصلِ جہنم کیا۔ جنابِ بُریر کی غیر معمولی شجاعت دیکھ کر دشمن کی فوج میں ہلچل مچ گئی۔ جب ایک ایک کو مقابلے کی جرأت نہ ہوئی تو بحکم عمر سعد، سب نے ایک بار اس شیر پر حملہ کر دیا اور چاروں طرف سے گھیر کر نیزہ و شمشیر کے وار شروع کر دیئے، یہاں تک کہ جنابِ بُریر سر سے پاؤں تک زخمی ہو گئے۔ جب گھوڑے پر ٹھہرنے کی تاب نہ رہی تو آواز دی:

"یَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَدْرِکْنِیْ".

اے فرزند رسولؐ! میری مدد کو آیئے، کہ میں نے اپنی جان آپؑ پر نثار کی۔ یہ سن کر امام علیہ السلام چند رفقاء سمیت بُریر کے پاس پہنچے۔ لیکن آہ___ حضرتؑ کے پہنچے سے پہلے ہی راہیِ جنت ہو گئے تھے۔ حضرت امام حسینؑ جنابِ بُریر کی لاش لے کر خیمہ میں آئے۔

لکھا ہے کہ جب بچوں کو معلوم ہوا کہ بُریر کی لاش آئی ہے تو سب اُس کے گرد جمع ہو گئے اور بے اختیار رونے لگے اور کہنے لگے: "اے بُریر! آپ تو ہمارے لئے پانی لینے گئے تھے، آپ کو بھی شہید کر دیا گیا۔ اے بُریر! آپ نے ہماری وجہ سے بڑی تکلیفیں اٹھائیں، ہمیں آپ کی وجہ سے بڑی ڈھارس تھی۔

سید ابن طاؤس لکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کے بچے بُریر کی لاش پر اس طرح نوحہ خوانی کر رہے تھے جس طرح کوئی اپنے خاص عزیز پر کرتا ہے۔ ان کی فریاد و زاری اور نوحہ و بیقراری سن کر رفقائے امامؑ کے دل سینوں میں ہلے جاتے تھے۔ بالخصوص جب یہ کہتے تھے: اے بُریر! ہم پیاسے ہیں، اب ہمارے لئے کون پانی لائے گا؟

منقول ہے کہ بچوں کی یہ فریاد سن کر وہب بن عبداللہ کی والدۂ گرامی کا دل تڑپ گیا اور درِ خیمہ سے آواز دی: اے وہب! کچھ دیر کیلئے میرے پاس آؤ۔ وہب یہ سن کر دوڑے۔ اس مؤمنہ خاتون نے کہا: اے وہب! تم دیکھ رہے ہو کہ اولادِ رسولؐ کا پیاس کی شدت سے کیا حال ہو رہا ہے؟ بیٹا! اب تاخیر کا مقام نہیں ہے، میرے آقا سے جس طرح بنے، اجازت لے کر میدان میں جاؤ اور ان لعینوں کو مار کر نہر سے پانی لاؤ۔ مجھ سے بچوں کی یہ بیتابی نہیں دیکھی جاتی۔ اے وہب! یہ جان چرانے کا وقت نہیں بلکہ لڑنے کا ہے۔ میرا آقا اس وقت سخت مصیبت میں ہے، میری دلی تمنا ہے کہ تم ان پر اپنی جان قربان کر کے روحِ سیدہؑ سے مجھے سرخرو کرو۔

لکھا ہے کہ جنابِ وہب کی شادی کو کُل سترہ روز ہوئے تھے، ان کی زوجہ بھی کربلا میں ان کے ساتھ تھیں۔ ماں کی یہ بات سن کر جنابِ وہب نے عرض کی: اے مادرِ گرامی! آپ اطمینان رکھیں، میں ابھی اپنی زوجہ کو رخصت کر کے خدمتِ امامؑ میں اذنِ کارزار کیلئے حاضر ہوتا ہوں۔ آہ___ اس مؤمنہ کے دل کو کس قدر بے چینی لگی ہوئی تھی: کہنے لگی: اے وہب! زوجہ سے رخصت ہونے سے تو میں منع نہیں کرتی لیکن اتنا کہے دیتی ہوں کہ ہو سکتا ہے کہ تمہاری بیوی کا ایمان کمزور ہو اور وہ تمہیں منع کرے تو اُس کی باتوں میں نہ آنا۔ اے وہب! اگر تم زوجہ کے کہنے سے رُک گئے تو یاد رکھنا کہ میں تمہیں اپنا دودھ کا حق نہ بخشوں گی اور روزِ قیامت خدا اور رسولؐ سے تمہاری شکایت کروں گی۔

الغرض جنابِ وہب وہاں سے اپنی زوجہ کے پاس آئے۔ اس مؤمنہ بی بی نے کہا: جانے سے تو نہیں روکتی، صرف اتنا پوچھتی ہوں

کہ مجھ کو کس پر چھوڑے جاتے ہو؟ وہب نے کہا: اگر چہ تمہاری جدائی مجھ پر بہت شاق ہے اور یہ جانتی بھی ہو کہ دائمی مفارقت ہے اور شادی کے بعد تمہارا کوئی ارمان پورا نہیں ہوا لیکن کیا کروں، کچھ ایسا وقت آ پڑا ہے کہ تم سے جدائی کے بغیر چارہ نہیں۔ میں تم کو خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ تم میری آقازادیوں جنابِ زینبؑ واُمِ کلثومؑ کی خدمت کرتی رہنا اور جو مصیبت دشمنوں کی طرف سے آئے، اُسے خوشی سے جھیلنا تا کہ خوشنودیٔ خدا حاصل ہو۔ اس نے کہا: بہتر ہوتا کہ مجھے میرے قبیلے میں پہنچا دیتے۔ وہب نے کہا کہ ہر طرف سے راستے بند ہیں، دشمن چاروں طرف سے نرغہ کئے ہوئے ہیں، کسی طرح ممکن نہیں کہ تم کو یہاں سے نکال کر لے جاسکوں۔ یہ سن کر وہ خاموش ہوگئی۔

کتب مقاتل میں ہے کہ جنابِ وہب کو اپنی زوجہ سے بات چیت میں جوذرا دیر لگی تو ان کی والدہ گھبرا گئیں اور پکار کر کہنے لگیں: بیٹا! تم نے بڑی دیر لگائی، جلد ہتھیار بدن پر سجا کر میدان میں جاؤ، فرزندِ رسولؐ خدا تمہارے منتظر ہیں۔ اے وہب! یہ وقت اطمینان سے باتیں کرنے کا نہیں، خبردار! بیوی کی باتوں میں نہ آنا ورنہ روزِ محشر خدا اور رسولؐ سے تمہاری شکایت کروں گی۔ یہ سن کر وہب گھبرا گئے اور فوراً اپنی والدہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے: اے مادرِ گرامی! آپ اطمینان رکھیں، میں کسی طرح جاں نثاری میں کوتاہی نہ کروں گا۔ اللہ اکبر! مادرِ وہب کیسی کامل الایمان اور محبِ حسینؑ خاتون تھیں کہ بیٹے سے کہنے لگیں: اے فرزند! تیری ماں کو تو اسی وقت اطمینان ہوگا جب وہ تجھے راہِ خدا میں شہید دیکھ لے۔

الغرض جنابِ وہب اپنی ماں سے رخصت ہو کر خدمتِ امامؑ میں حاضر ہوئے اور اذنِ جہاد طلب کیا۔ حضرتؑ نے فرمایا: اے جوان! کیونکر تجھے مرنے کی اجازت دوں، تیری ماں اور تیری زوجہ کو ناقابلِ برداشت صدمہ پہنچے گا؟ وہب نے عرض کی: مولاؑ! میری ماں نے مجھے تاکید کے ساتھ بھیجا ہے، اُن کی دلی تمنا ہے کہ مجھے راہِ خدا میں شہید دیکھیں۔ یہ سن کر حضرتؑ کچھ دیر خاموش رہے، مادرِ وہب درِ خیمہ سے دیکھ رہی تھیں، بآوازِ بلند کہنے لگیں: اے میرے مظلومؑ آقا! آپؑ اپنے اس غلام کو اذنِ جہاد کیوں نہیں عطا فرماتے؟ شاید آپؑ کو میرے ملال کا خیال ہو، آقا! میری ساری بضاعت (پونجی) یہی ہے، میں خوشی سے اپنے اس اکلوتے فرزند کو آپؑ کے قدموں پر نثار ہونے کیلئے پیش کرتی ہوں۔ اگر عورتوں سے جہاد ساقط نہ ہوتا تو میں خود ان دشمنانِ دین سے لڑنے کیلئے نکلتی۔ اس مؤمنہ کی گفتگو سن کر امام علیہ السلام نے گریہ فرمایا اور دعائے خیر سے یاد فرما کر وہب کو میدان میں جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

جنابِ وہب شیر کی طرح میدان میں آئے اور رجز پڑھ کر اس قومِ جفا کار پر حملہ کیا۔ پہلے ہی حملہ میں چالیس ناریوں کو واصلِ جہنم کیا لیکن خود بھی زخموں سے چور چور ہو گئے۔ اس حالت میں جس طرح ہوسکا، اپنی مادرِ گرامی کی خدمت میں پہنچے اور عرض کی: اماں! آپ میری اس خدمت سے خوش ہوئیں یا نہیں؟ اس مؤمنہ نے کہا: اے وہب! خدا تجھ کو اس عملِ خیر کی جزا دے مگر میں تو اس وقت تجھ پر راضی ہوں گی جب تجھ کو راہِ خدا میں شہید دیکھوں گی۔ بیٹا! پھر میدان میں جاؤ اور راہِ خدا میں جہاد کرو۔ چنانچہ جنابِ وہب پھر میدان میں آئے اور اس قوم پر حملہ کیا۔ اس مرتبہ اُنیس سواروں اور بارہ پیادوں کو قتل کیا۔ لیکن ایک شقی نے ضرب سے اُن کا بایاں ہاتھ قلم کر دیا۔ اسی اثناء میں جنابِ وہب نے دیکھا کہ ان کی زوجہ چوبِ خیمہ لے کر خیمہ سے باہر نکل آئی ہے اور دشمنوں سے لڑنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ وہب نے گھوڑا بڑھا کر کہا: تم نے غضب کیا، خیمہ سے نکل آئیں؟ فوراً واپس جاؤ کہ یہ امر میرے لئے باعثِ سبکی ہے۔ اس مؤمنہ نے کہا: ہرگز واپس نہ ہوں

گی تا کہ میں بھی تمہارے ساتھ جامِ شہادت نوش کروں۔

وہب یہ سن کر بہت گھبرائے اور بآوازِ بلند کہا: اے فرزندِ رسولؐ! اپنی اس کنیز کو روکئے۔ امام علیہ السلام فوراً آگے بڑھے اور زوجۂ وہب کو سمجھا بجھا کر واپس آئے۔ اس کے بعد وہب نے پھر جنگ شروع کی۔ ان کی دلیری دیکھ کر پسر سعد نے فوج کو حکم دیا کہ اس جوان کو چاروں طرف سے گھیر کر قتل کر ڈالو۔ چنانچہ کئی ہزار سوار ایک بار اس مؤمن دیندار پر ٹوٹ پڑے اور ہر طرف سے نیزہ وشمشیر کے وار کرنے لگے، یہاں تک کہ جنابِ وہب گھوڑے سے زمین پر تشریف لے آئے اور اسی وقت راہیِ جنت ہو گئے۔ دشمنوں نے سر کاٹ کر لشکر امامؑ کی طرف پھینک دیا۔ مادرِ وہب نے جب دیکھا کہ وہب کا سر پھینکا گیا ہے تو آگے بڑھیں اور سر کو اُٹھا کر سینے سے لگایا اور پیار کیا۔ پھر دشمن کی طرف یہ کہہ کر پھینک دیا کہ جو شے راہِ خدا میں دی جاتی ہے، اُس کو واپس نہیں لیتے۔ اس کے بعد چوبِ خیمہ لے کر بڑھیں اور دو ظالموں کو مار کر واصلِ جہنم کیا۔

امام علیہ السلام ان کے پاس پہنچے اور فرمایا: اے مادرِ وہب! خیمہ میں جاؤ، جہاد عورتوں سے ساقط ہے۔ انشاء اللہ روزِ قیامت تم اپنے فرزند کے ساتھ جنت میں داخل ہو گی۔

کتاب امالی میں ہے کہ جنابِ وہب کی شہادت کے بعد ان کی زوجہ لاش پر پہنچیں اور اُن کے چہرے سے خاک وخون صاف کر کے کہنے لگیں: اے وہب! جنت میں جانا تو اس کنیز کو اپنے ساتھ لے جانا۔ اللہ تعالیٰ تم کو جزائے خیر دے کہ تم نے نصرتِ فرزندِ رسولؐ میں اپنی جان قربان کی۔ ابھی وہ لاش پر بین کر رہی تھی کہ ایک شقی نے ایسا گرز مارا کہ اُس مؤمنہ کا سر شق ہو گیا۔ یہ پہلی خاتون تھیں جو لشکر امامؑ سے شہید کی گئیں۔

❀ ❀ ❀

# دمشق میں اہلِ حرم کا داخلہ

عورتیں فطرتاً رقیق القلب ہوتی ہیں، ذرا سی تکلیف میں رو دیتی ہیں لیکن علیؑ کے خاندان کی بیبیوں نے حسینی مشن کی تکمیل میں بڑی سے بڑی مصیبت کی بھی پروا نہ کی۔ کوفے سے دمشق کا سفر آسان نہ تھا۔ ۱۹ منزلیں طے کرنا تھیں، پھر عزیزوں کے ساتھ نہیں، دشمنوں کے ساتھ، خون کے پیاسوں کے ساتھ، بے حمیت و بے غیرت گروہ کے ساتھ ___ پھر زخمی دلوں کے ساتھ، پاش پاش کلیجوں کے ساتھ ___ حسرت و یاس کے اندھیرے میں کچلی ہوئی تمناؤں کے گھیرے میں۔ کس کا دل ہے، کس کا جگر ہے کہ ان پہاڑوں سے ٹکر لے، اِن خونی سیلابوں کو کمزور بازوؤں سے روکے، اندھیروں کو سر کے کھلے بالوں سے روشنی میں بدلے، ان خارزاروں کو آبلے پڑے ہوئے پیروں سے روندے اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔

آہ مدینہ کی وہ بیبیاں جن کا کھلا سر چشم آفتاب نے نہ دیکھا تھا، جو عفت و عصمت کی چادروں میں لپٹی رہنے والی تھیں، جو ہر دم خدا و رسولِ خدا کی مجاور تھیں، جن کا کام شب و روز یادِ الٰہی تھا، جو زاہدانہ اور عابدانہ زندگی بسر کرنے والی تھیں۔ وہ مدینہ سے مکہ گئیں، وہاں سے کربلا پہنچیں، وہاں سے کوفہ آئیں، یہاں بازاروں میں تشہیر ہوئیں، قید ہوئیں، وہاں سے دمشق تک ۱۹ منزلیں طے کیں۔ کیا کوئی اندازہ کر سکتا ہے کہ اس طرح کی زندگی میں بیبیوں اور بچوں کو کیسی جاں گداز اور روح فرسا تکالیف کا سامنا ہوا ہوگا؟

منقول ہے کہ جب یہ قافلہ دمشق کی سرحد پر پہنچا تو یزید نے داخلے سے روک دیا اور کہلا بھیجا کہ جب تک شہر آراستہ نہ ہو جائے اور عوام میں اچھی طرح اعلان نہ ہو، اسیروں کو شہر کے اندر نہ لانا۔

چنانچہ دروازۂ شہر سے باہر قیام ہوا۔ لوگ جوق در جوق آنا شروع ہو گئے۔ قاتلانِ حسینؑ خوشیاں منا رہے تھے اور لوگوں کے سامنے فخریہ طور پر اپنے کارنامے بیان کرنے لگے۔ تین روز تک بیرونِ شہر یہ قافلہ رُکا رہا۔ تیسرے روز یزید نے داخلے کی اجازت دی۔

مقتل ابو مخنف میں ہے کہ جب دمشق میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ بازار سجے ہوئے ہیں، سڑکیں اور کوچے تماشائیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ جا بجا عورتیں مکانات کی چھتوں پر عید کی طرح نیا لباس پہنے ہوئے بیٹھی ہیں۔ بابِ جیرون سے داخلہ شروع ہوا ہے۔ پہلے نیزوں پر رکھے ہوئے سر نظر آئے جن کی حالت یہ تھی کہ خاک و خون میں ایسے غلطاں کہ کسی کی صورت پہچانی نہ جاتی تھی۔ کچھ سوار نیزے لئے ساتھ ساتھ تھے۔ وہ اشارہ کر کے بتاتے تھے کہ یہ سر حسینؑ ابن علیؑ کا ہے، یہ سر عباسؑ بن علیؑ علمدارِ فوجِ حسینی کا ہے، یہ علی اکبرؑ کا ہے، یہ قاسمؑ بن حسنؑ کا ہے۔ اس کے بعد عورتیں اونٹوں پر بیٹھی ہوئی نظر آئیں۔ ان اونٹوں پر نہ کجاوہ تھا، نہ عماری۔ اُن کے سر کھلے ہوئے تھے، وہ اپنے بالوں سے اپنے منہ ڈھانپے ہوئے تھیں۔ اُن کے لباس میلے اور بوسیدہ تھے۔ گودوں میں جن بچوں کو بٹھائے ہوئے تھیں، اُن کے چہروں سے یتیمی برستی تھی، آنکھوں میں حلقے پڑے ہوئے تھے اور ہونٹ خشک تھے۔ بچے خوف سے سہمے ہوئے اپنی اپنی ماؤں سے لپٹے ہوئے تھے۔

کچھ لوگ بآوازِ بلند پکار کر کہہ رہے تھے: اے اہلِ شام! یہ علیؑ کی بڑی بیٹی زینبؑ ہے اور یہ دوسری بیٹی اُم کلثومؑ ہے۔

یہ علیؑ کی بہوئیں ہیں۔ حسینؑ ابن علیؑ نے حاکمِ وقت یزید کے خلاف علَمِ بغاوت بلند کیا، ہم نے اس کو اور اس کے بہتر (۷۲) ساتھیوں کو کربلا میں قتل کیا اور ان کی لاشوں کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے کچل کر یونہی کھلے میدان میں درندوں کیلئے چھوڑ دیا۔

اس کے بعد ایک جماعت سردارانِ لشکر کی باجے بجاتی اور فخر سے اپنے کارنامے سناتی آئی۔ خولی، شمر، سنان ابن انس، حرب ابن کعب، اشعث ابن قیس وغیرہ۔ کوئی کہتا تھا کہ میں نے حسینؑ کے جوان بیٹے کے سینے پر اپنا نیزہ مارا کہ آر پار ہو گیا۔ کوئی کہتا تھا کہ میں نے عباسؑ کے بازو قلم کیے۔ کوئی کہتا تھا کہ میں نے قاسمؑ کا لاشہ پامال کیا۔ کوئی کہتا کہ سب سے پہلے خیامِ حسینی میں مَیں نے ہی آگ لگائی۔ کوئی کہتا تھا کہ میں نے چادرِ زینبؑ چھینی، سکینہؑ کے کان چیر کر گوشوارے اُتارے۔

شمر نے کہا: میں وہ ہوں جس نے حسینؑ ابن علیؑ کو پس گردن ذبح کیا۔ جنابِ زینبؑ کو تابِ ضبط نہ رہی، فرمایا: او لعین! تو اُس کے قتل پر فخر کرتا ہے جس کی جبرئیلؑ و میکائیلؑ نے ناز برداری کی، اسرافیلؑ نے جس کی حفاظت کی، محمدؐ نے جس کو اپنے کندھوں پر سوار کیا، جس کے باپ علیؑ اور ماں فاطمہؑ ہیں، جن کا نام عرش کی بلندیوں پر لکھا ہوا ہے، جس کے جد پر نبوت ختم ہوئی، جس کا باپؑ خاتم الوصیین اور ماںؑ خیر النساء العالمین ہیں۔ اس شقی نے کہا: چپ ہو جا اے قافیہ گو کی بیٹی! اگر تو عورت نہ ہوتی تو ابھی تیری گردن مار دیتا۔ اس کے بعد دوسرے قیدیوں کے اونٹ آتے رہے، تماشائیوں میں بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جو آنکھوں پر رومال رکھ کر رو رہے تھے۔

منقول ہے کہ جس نیزہ پر امامِ مظلوم کا سر مبارک تھا، اُس کے پاس ایک شخص سورۂ کہف کی تلاوت کر رہا تھا، جب اس آیت پر پہنچا:

''اَنَّ اَصۡحٰبَ الۡكَهۡفِ وَ الرَّقِيۡمِ ۙ كَانُوۡا مِنۡ اٰيٰتِنَا عَجَبًا''. (کہف:9)

تو سرِ حسینؑ سے آواز آئی: اے شخص! میرا قصہ اصحاب کہف کے قصے سے زیادہ عجیب ہے۔ اُس نے حیرت سے سرِ حسینؑ کی طرف دیکھا اور کہا: اے شخص! تو کوئی ولی معلوم ہوتا ہے، بہر حال مجھے اپنے نام و نسب سے آگاہ کر۔ آواز آئی:

''اَنَا حُسَيۡنُ ابۡنُ عَلِيٍّ''.

یہ سنتے ہی وہ زار زار رونے لگا اور کہنے لگا: لعنت ہو اُس گروہ پر جس نے نبیؐ پاک کے نواسے کو قتل کیا اور اُنؑ کی ذریت کو قید کیا۔

ابو مخنف نے لکھا ہے کہ مروان بن حکم لعین نے جب سرہائے شہداء اور مخدراتِ عصمت کو اس حال میں دیکھا تو خوش ہو کر لشکر والوں سے کہنے لگا: تم لوگوں نے کیا کیا ہے؟ انہوں نے کہا: حسینؑ اور اُس کے ساتھی کُل بہتر (۷۲) تھے۔ ہم نے ان سب کو قتل کر ڈالا، یہاں تک کہ اُن کا ششماہہ بچہ بھی جسے حسینؑ پانی کی طلب کیلئے لائے تھے، تیر کا نشانہ بنا دیا۔ ہم نے اُن کی لاشوں کو درندوں کے کھانے کیلئے چھوڑ دیا۔ یہ اُن کے سر ہیں اور اُن کی خواتین ہیں۔ یہ سن کر مروان خوشی سے اپنے کندھے چڑھانے لگا اور قہقہہ لگا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ ایک شخص نے کہا: وائے ہو تجھ پر، کیا تو اس نبیؐ کا کلمہ گو نہیں جس کے نواسے حسینؑ ابن علیؑ ہیں؟ کیا یہ بیبیاں جو کھلے سر تشہیر کی جا رہی ہیں، اُس نبی کی نواسیاں نہیں؟ اُس نے کہا: خاموش ہو، یہ حاکمِ وقت یزید کے دشمن ہیں، ان کے ساتھ ہر سختی روا ہے۔

یہ سننا تھا کہ اُس نے اپنی کمان مروان کے سر پر ماری۔ لوگوں نے فوراً اسے گرفتار کرلیا اور یزید کے پاس لے گئے۔ اُس نے قتل کا حکم دیا۔ چنانچہ اُس کے غلاموں نے تلواروں سے اُس کے ٹکڑے کردیئے۔ سہیل ساعدی کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ جب اہلِ حرم کے اونٹ اور سر ہائے شہداء ایک مکان کی چھت کے قریب سے گزرے تو ایک بوڑھی عورت نے پتھر اُٹھا کر امامؑ پر مارا، بیمارِ کربلا نے دیکھا تو رو کر بارگاہِ الٰہی میں عرض کرنے لگے: خداوندا! اس ظالمہ کو ہلاک کر اور ان کو بھی جو اس کے ساتھ عترتِ رسولؐ کا تماشہ دیکھ رہی ہیں اور ان کو ناسزا الفاظ سے یاد کر رہی ہیں۔ ابھی حضرتؑ کی دعا تمام نہ ہوئی تھی کہ اُس مکان کی چھت گر پڑی اور وہ عورتیں ہلاک ہوگئیں۔

مروی ہے کہ جب یہ قافلہ باب الساعات کے قریب پہنچا تو وہاں عوام کا بے حد ہجوم تھا۔ شمر، خولی وغیرہ نے، جو گھوڑوں پر سوار تھے، واقعہ کربلا کو بیان کرکے انتہائی مسرت کا اظہار کیا۔ جنابِ زینبؑ سے ضبط نہ ہوسکا، فرمایا:

اے اہلِ شام! اے بنی اُمیہ کے ہوا خواہو! خدا کا عذاب تم پر نازل ہو، تم اولادِ رسولؐ کی تباہی و بربادی کے واقعات سن کر ہنس رہے ہو، کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ خونِ حسینؑ رائیگاں جائے گا؟ عنقریب تم سب عذابِ الٰہی میں گرفتار ہوگے۔ آہ! تم کو کیا خبر کہ ہمارے اوپر کربلا میں فوجِ یزید نے کیا کیا مظالم ڈھائے ہیں؟ انہوں نے ہم پر پانی بند کیا ہے، ہمارے بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کو گوسفندانِ قربانی کی طرح ذبح کیا۔ ہم کو قید کیا، شہر بہ شہر پھرایا۔ ہمارے سروں سے چادریں تک چھین لیں۔ وائے ہو تم پر! ہماری اس حالت پر خوش ہو رہے ہو۔ تم کو شرم نہیں آتی، خدا تمہاری عورتوں کو بھی اسی طرح بیوہ کرے اور لاوارث بنائے جس طرح تم نے ہم کو بنایا ہے۔ خدا تمہارے بچوں کو بھی اسی طرح یتیم کرے جس طرح تم نے ہمارے بچوں کو یتیم کیا ہے۔ خدا تم کو بھی اسی طرح ذلیل کرے جس طرح تم نے ہمیں ذلیل کیا ہے۔ تم سمجھ رہے ہو کہ تمہاری عورتیں ہمیں کنیزانِ ترک و دیلم سمجھ کر صدقے میں خرمے ہماری طرف پھینک رہی ہیں؟ آہ ___ ہم اولادِ رسولؐ ہیں، صدقہ ہم پر حرام ہے۔ ہمیں بھوک سے مرجانا گوارا ہے لیکن صدقہ کھانا گوارا نہیں۔

جنابِ زینبؑ کی یہ تقریر سن کر لوگ زار زار روئے اور یزید کو بُرا کہنے لگے۔

❁ ❁ ❁

# اسیرانِ کربلا شام میں

سہل ساعدی حضرت رسولِ خدا کے مقدس صحابی ___ بیت المقدس کی زیارت کو تشریف لے گئے تھے، وہاں سے دمشق آئے، شہر کو غیر معمولی طور پر سجا ہوا پا کر لوگوں سے پوچھا: آج یہاں کونسی عید ہے؟ ایک شامی نے کہا: عید کیسی ___ یہ اُس واقعہ کی خوشی ہے جس کی وجہ سے اگر آسمان خون برسائے اور زمین شق ہو جائے تو بھی کم ہے۔ آج حسینؑ ابن علیؑ کا سر دربارِ یزید میں آ رہا ہے۔ یہ سنتے ہی سہل کے ہوش و حواس باختہ ہو گئے اور کہنے لگے: ہائے ہائے! ظالموں نے فرزند رسولؐ کو قتل کر ڈالا۔ ارے کیا قیامت آ گئی، نبیؐ پاک کے نواسے کا قتل اور یہ خوشیاں، اولادِ رسولؐ کی اسیری اور شہر میں یہ عید؟ پھر پوچھا: سرِ حسینؑ کس دروازے سے لایا جائے گا۔ اُس نے باب الساعات کی طرف اشارہ کیا۔ ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک شور سنائی دیا اور بہت سے جھنڈے نمودار ہوئے۔ پھر بے کجاوہ اونٹوں پر کچھ بیکس بیبیاں کھلے سر دکھائی دیں۔ ایک اونٹ پر ایک کمسن بچی بیٹھی تھی جس کی کمسنی، بھولا پن اور قید کا تصور کر کے سہل زار زار رونے لگے۔ آگے بڑھ کر پوچھا: آپ کون ہیں؟ بچی نے جواب دیا: میں سکینہؑ بنت الحسینؑ ہوں۔ یہ سن کر سہل نے منہ پیٹ لیا، دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور کہا: اے شہزادیؑ! میں آپؑ کے جد کا صحابی سہل ساعدی ہوں۔

کاش! میری آنکھیں اندھی ہو جاتیں کہ اولادِ رسولؐ کو میں اس حالت میں نہ دیکھتا۔ اچھا! مجھے بتایئے کہ اس وقت میں آپؑ کی کیا خدمت انجام دے سکتا ہوں؟ جنابِ سکینہؑ نے کہا: اگر ہو سکے تو اِن سروں کو ہمارے اونٹوں کے قریب کروا دو تاکہ تماشائی اُن کو دیکھنے میں مشغول ہو جائیں اور ہم پر نامحرموں کی نظر نہ پڑے۔

سہل نے یزیدی گروہ کو کچھ دے کر سروں کو اونٹوں سے قریب کروایا۔ سہل کہتے ہیں کہ اسی عالم میں میں نے دیکھا کہ ایک شامی عورت نے سرِ مبارکِ امامِ مظلوم پر ایک پتھر مارا۔ میں نے فوراً آنکھیں بند کر لیں اور خدا سے دعا کی کہ اس ملعونہ کو اور اس کے ساتھ کی اُن چار عورتوں کو جو اپنے ہاتھوں میں پتھر لئے بیٹھی تھیں، ہلاک کر۔ ابھی میری دعا ختم نہ ہوئی تھی کہ وہ پانچوں مکان کی چھت سے گر کر ہلاک ہو گئیں۔

اب تھوڑا سا حال اہلِ حرم کے دربارِ یزید میں جانے کا سن لیجئے۔ لکھا ہے کہ جب اہلِ بیتؑ کو درباِ یزید میں لائے تو وہ شقی شراب پی رہا تھا اور شطرنج سامنے بچھی ہوئی تھی۔ اُس نے حکم دیا کہ سرِ امامِ مظلوم کو تخت کے نیچے رکھ دیں۔

یہ دربار اسی مسجد میں ہوا تھا جو اب تک مسجد بنی اُمیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں وہ جگہ بھی ابھی تک ہے جہاں یزید کا تخت تھا اور وہ جگہ بھی ہے جہاں اسیرانِ اہلِ بیتؑ رسیوں میں بندھے اور زنجیروں میں جکڑے کھڑے کئے گئے تھے۔ اب اس مقام جنگلے کے اندر، رحلوں کے اندر قرآن مجید رکھے ہوئے ہیں۔ سبحان اللہ! کیا شان ہے اہلِ بیتِ طاہرین کی کہ جہاں ان کے قدم پڑ گئے، مسجد بن گئی اور سبحان اللہ! کتنا قریبی تعلق ہے اُن کا قرآن سے کہ جہاں یہ ہیں، قرآن بھی ان کے ساتھ ہے۔ بہر حال بھرے دربار میں یزید جام پر جام

چڑھائے جارہا ہے اور تھوڑی سی شراب جو رہ جاتی تھی، وہ اسی طشت میں ڈال دیتا تھا جس پر سرِ اقدس حضرت امام حسینؑ رکھا تھا۔ وہ ظالم اس بیہودگی میں مشغول تھا اور اہلِ حرم مجرموں کی طرح بندھے ہوئے اس کے سامنے کھڑے تھے۔ وہ شقی نشہ میں سرشار بار بار چوب (چھڑی) سے سرِ امامِ مظلوم کے ساتھ بے ادبی کر رہا تھا۔ ابو برزہ اسلمیؓ، صحابیِ رسولؐ سے یہ گستاخی نہ دیکھی گئی۔ غضبناک ہو کر کہنے لگے: اے یزید! دندانِ حسینؑ سے اپنی چھڑی ہٹا لے۔ بخدا! میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت رسولؐ خدا حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے دانتوں اور لبوں کے بوسے لے کر فرمایا کرتے تھے: تم جوانانِ جنت کے سردار ہو، خدا تمہارے قاتلوں کو ہلاک کرے اور دوزخ میں ان کو جگہ دے۔ یہ سن کر یزید کو غصہ آ گیا اور ابو برزہ کو دربار سے نکل جانے کا حکم دیا۔

منقول ہے کہ جب یزید کی نظر اہلِ حرم پر پڑی تو دیکھا کہ ایک کمسن بچی بار بار اپنے پیر زمین سے اٹھاتی ہے اور رکھ دیتی ہے۔ پوچھا کہ یہ بچی کون ہے؟ کسی نے بتایا کہ یہ سکینہؑ بنت الحسینؑ ہے۔ اب یزید جنابِ سکینہؑ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: اے بچی! تو بار بار اپنے پیر زمین سے کیوں اُٹھاتی ہے؟ جنابِ سکینہؑ نے فرمایا: کیا تو نہیں دیکھتا کہ تیری فوج نے ہم بارہ اسیروں کے گلے ایک رسی میں باندھ رکھے ہیں؟ چونکہ دونوں طرف کی بیبیوں کے قد مجھ سے بڑے ہیں، اس لئے اُن کے کھڑا ہونے کی حالت میں میرا گلا گھٹتا ہے اور میں بار بار پیر اُٹھاتی ہوں۔ یہ سن کر یزید نے حکم دیا کہ اس بچی کی گردن سے رسی ڈھیلی کر دی جائے۔

مقتل ابن رشید میں ہے کہ یزید نے شمر سے کہا کہ میں زینبؑ بنت علیؑ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ کنیزوں کو اس کے سامنے سے ہٹا دے۔ یہ سن کر شمر تازیانہ لے کر بڑھا اور کنیزوں کو جنابِ زینبؑ کے سامنے سے ہٹانے لگا۔ باقی سب تو ہٹ گئیں مگر جنابِ فضہ کسی طرح ہٹنے کو تیار نہ تھیں۔ شمر نے چاہا کہ تازیانے سے اذیت پہنچائے، اُس وقت یزید کے پس پشت حبشی غلاموں کی ایک جماعت تلواریں لئے کھڑی تھی، جنابِ فضہ نے اُن سے مخاطب ہو کر کہا:

ارے حبشیو! تمہاری غیرت وحمیت کو کیا ہو گیا کہ تمہاری قوم وقبیلہ کی ایک عورت کو شمر تازیانے سے مارنا چاہتا ہے اور تم چپ چاپ کھڑے دیکھ رہے ہو؟ یہ سنتے ہی وہ حبشی جوان تلواریں سونت کر یزید کے سامنے آ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: اے یزید! شمر کو منع کر دے کہ وہ اس زنِ حبشہ پر ہاتھ نہ اٹھائے ورنہ ابھی بھرے دربار میں تلوار چل جائے گی۔ یزید یہ حال دیکھ کر خائف ہو گیا اور شمر کو منع کر دیا۔ آہ ___ اس وقت جنابِ زینبؑ کا دل بھر آیا۔ سرِ حسینؑ کی طرف منہ کر کے کہنے لگیں: اے غیرت دار بھیا! ایک زنِ حبشہ کے بچانے والے تو اتنے موجود ہیں مگر آپؑ کی دکھیا بہن کو بچانے والا کوئی نہیں!

الغرض جنابِ زینبؑ سے یزید مخاطب ہو کر کہنے لگا: اے بنتِ علیؑ! تمہارے بھائی نے میری بیعت نہ کی تو خدا نے اُنؑ کو قتل کروا دیا اور تم لوگوں کو ذلیل وخوار کیا۔ جنابِ زینبؑ نے فرمایا: اے شقی! تو جھوٹا ہے، خدا نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اُنؑ کا قاتل تو ہے۔ یاد رکھ کہ خاصانِ خدا کبھی ذلیل نہیں ہوتے اور برگزیدگانِ الٰہی مصیبتوں سے کبھی نہیں گھبراتے، ہمارا اجر خدا پر ہے۔

اے یزید! جو مہلت خدا نے تجھے دے رکھی ہے، اس پر مغرور نہ ہو۔ وہ وقت قریب آ رہا ہے کہ میرا خدا تجھ سے اس ظلم کا مواخذہ

کرے۔ اے یزید! تجھے شرم نہیں آتی کہ جس نبیؐ کا تو کلمہ پڑھتا ہے، اُسی کی اولاد کو ذبح کرتا ہے اور اُن کے ناموس کو قید کروا کے کھلے سر شہر بہ شہر تشہیر کرتا ہے۔ جنابِ زینبؑ کی اس تقریر سے یزید کے دربار میں کہرام بپا ہو گیا۔ ہر شخص آبدیدہ نظر آ رہا تھا اور اس کا دل یزید پر نفرین کر رہا تھا۔ یہ حال دیکھ کر یزید نے حکم دیا کہ ان قیدیوں کو زندان میں لے جاؤ۔

❁ ❁ ❁

# اسیرانِ اھلِ بیتؑ اور بازارِ شام

سہل ساعدی کہتے ہیں کہ جب اسیروں کا قافلہ بازارِ شام سے گزر رہا تھا تو شاہراہوں اور گلی کوچوں میں تماشائیوں کے ٹھٹھ لگے ہوئے تھے۔ میں دو دن پہلے دمشق میں آیا تھا۔ مجھے قطعاً علم نہ تھا کہ یزید کی جنگ کس سے ہوئی اور یہ لوگ کون ہیں جن کو قید کر کے لایا گیا تھا؟ نیزوں پر جو سر تھے، اُن کو تو یوں نہ پہچان سکا کہ وہ گرد و غبار اور خاک و خون میں اٹے ہوئے تھے۔ اونٹوں کی قطار کے آخر میں ایک اونٹ پر ایک بی بی بیٹھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے دور سے مجھے دیکھا تو پہچان گئیں، نحیف آواز میں پکارا: اے سہل! ذرا میرے قریب آیئے۔ میں چونکا کہ یہ کون بی بی ہیں جو مجھے پہچانتی ہیں؟ قریب جا کر میں نے پوچھا: بی بی! تم کون ہو اور کس قوم و قبیلہ سے ہو کہ مجھے پہچانتی ہو؟ انہوں نے کہا کہ میں عبداللہ بن عمیر کی زوجہ ہوں۔ مجھے یاد ہے کہ آپ ایک بار کوفہ میں میرے مہمان ہوئے تھے۔ میں نے حیران ہو کر کہا کہ تم کس جرم میں قید ہو کر آئی ہو؟ اُس نے کہا کہ میں اپنے شوہر کے ساتھ کوفہ سے کربلا نصرتِ حسینؑ کیلئے آئی تھی۔

اے سہل! کیا تمہیں خبر نہیں کہ کربلا میں ہم پر کیا گزری؟ سہل! تمام خاندانِ رسولؐ قتل کر دیا گیا۔ کوفہ کے نامور شیعہ حبیب ابن مظاہر، زہیر ابن قین، مسلم ابن عوسجہ، بُریر ہمدانی، عابس، شعیب سب شہید کر دیئے گئے اور زنانِ اہلِ حرم کے ساتھ ہم کو قید کر لیا گیا۔

سہل کہتے ہیں، میں نے پوچھا کہ اس وقتِ بیکسی میں مَیں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟ انہوں نے کہا: اے سہل! مجھے تو کسی خدمت کی ضرورت نہیں، ہماری شہزادیاں زینبؑ واُم کلثومؑ بھی ہیں۔ تو میں نے اپنا منہ پیٹ لیا اور دل میں کہا: کاش! مجھے موت آ جاتی کہ میں یہ روح فرسا اور جاں گداز منظر اپنی آنکھوں سے نہ دیکھتا۔ میں دوڑ کر گیا اور جس طرح ممکن ہوا چار چادریں حاصل کر کے لے آیا۔ جب میں جنابِ زینبؑ کے ناقے کے قریب آیا تو میں نے اپنا تعارف کروانے کیلئے پہلے سلام کیا۔ اس پر انہوں نے کہا: اے شخص! تو کون ہے کہ اس عالمِ غربت میں ہم پر سلام کرتا ہے؟ میں نے کہا: میں آپؑ کے والد کا جاں نثار صحابی سہل ساعدی ہوں۔ شہزادیؑ میں چند چادریں لایا ہوں، انہیں قبول فرمالیجئے۔ جنابِ زینبؑ نے فرمایا: اللہ تمہیں جزائے خیر دے کہ تم نے ناموسِ رسولؐ کو نامحرموں کی نگاہوں سے بچانے کی تدبیر کی۔ میں نے وہ چادریں دو اونٹوں پر پھینک دیں۔ بیبیوں نے ان کو لے کر پردہ کر لیا۔

آہ! مجھے خبر نہ تھی کہ میری یہ ہمدردی ان بیکسوں کیلئے ایک مصیبت بن جائے گی۔ جونہی شمر نے دیکھا کہ اسیروں کے سروں پر چادریں ہیں تو اُس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ان چادروں کو چھین لو۔ ان ظالموں نے نیزوں کی نوکیں مار کر اُن کے سروں سے چادروں کو اُتار لیا بلکہ بیبیوں نے خوفزدہ ہو کر خود ان کو سروں سے اُتار کر پھینک دیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک بی بی کا پہلو نیزہ کی اَنی سے زخمی ہو گیا ہے اور پہلو کو ہاتھوں سے پکڑے فریاد کر رہی ہیں:

"وَامُحَمَّدَاهُ وَاعَلِيَّاهُ وَاحُسَيْنَاهُ وَاعَبَّاسَاهُ".

میں نے کسی سے پوچھا کہ یہ ستم رسیدہ بی بی کون ہیں؟ معلوم ہوا کہ یہ اُم کلثومؑ بنتِ علیؑ ہیں۔ان ظالموں نے یہ معلوم کر کے کہ چادریں میں نے دی ہیں، مجھے زدوکوب کیا۔کئی جگہ مجھے گہری چوٹیں آئیں۔اسی اثناء میں میری نظر ایک نہایت نحیف ولاغر جوان پر گئی جو ایک اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے تھا۔اس کی پنڈلیاں ورم کر آئی تھیں، پیروں کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔اس میں چلنے کی تاب نہ تھی۔ جب ناتوانی کے باعث ذرا دیر کیلئے بیٹھ جاتا تھا تو یزید کے سپاہی اُسے تازیانہ مار کر یا نیزہ کی اَنی چبھو کر اُٹھا دیتے تھے۔ مجھے اس جوان پر بڑا رحم آیا۔کسی سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ معلوم ہوا کہ یہ علیؑ ابن الحسینؑ ہیں۔ میں نے قریب جا کر سلام کیا اور عرض کی: یا ابن رسولؐ اللہ! یہ ساربانی کی خدمت آپؐ کو کہاں سے سپرد ہوئی ہے؟ یہ سن کر حضرت امامِ سجادؑ نے رونے لگے اور فرمایا: کیا بتاؤں؟ کہاں کہاں مجھے ظالموں نے کھینچا ہے اور کہاں کہاں پیادہ لئے پھرے ہیں؟

❁ ❁ ❁

# اسیرانِ کربلا دربارِ یزید میں

جب اہلِ حرم دمشق میں پہنچے تو یزید نے اپنے شاہی کروفر دکھانے اور اہلِ بیتِ رسولؐ کی توہین کرنے کیلئے اپنے دربار کی آراستگی کا حکم دیا۔ اس میں اختلاف ہے کہ یہ دربار کہاں واقع ہے، قصرشاہی میں یا مسجد اُمیہ میں۔ جو اُس زمانہ کی سب سے بڑی عمارت تھی دمشق میں، مجھے لوگوں نے بتایا ہے کہ اسی مسجد میں دربار لگایا گیا تھا اور یہیں منبر پر امام زین العابدینؑ نے تقریر کی تھی جس کو روکنے کیلئے مؤذن نے اذان شروع کردی تھی۔ دمشق کے حاجی عبداللہ کا بیان ہے کہ یہ شاہانہ جشن دو جگہ ہوا: ایک بار قصرشاہی میں اور دوسری بار مسجد بنی اُمیہ میں۔

بہرحال یزید نے اپنے دربار کو آراستہ کیا اور تمام دمشق کے اُمراء ورؤساء اور منصب داروں کو بلایا۔ دیگر ممالک کے سفراء بھی موجود تھے۔ وہ نہایت پُرتکلف تخت پر بیٹھا شراب پی رہا تھا کہ اہلِ حرم کا دربار میں داخلہ ہوا۔ تمام بیبیاں کھلے سر اس طرح لائی گئیں کہ ان کے شانوں میں رسی بندھی ہوئی تھی اور امام زین العابدین علیہ السلام کے گلے میں خاردار طوق تھا۔ پیروں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں۔ ان سب کو یزید کے سامنے کھڑا کیا گیا۔ کسی کو بیٹھنے کی اجازت نہ تھی۔ ایک ماہ کے قریب سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد ان بیبیوں میں اتنی جان کہاں تھی کہ کھڑے رہ سکیں مگر ظالم ان کو بیٹھنے کہاں دیتے!

اب ایک ایک سردارِ لشکر نے اپنی اپنی شقاوت کی داستان یزید کو سنانا شروع کی۔ عمر سعد، شمر، خولی، شیث بن ربعی، سنان ابن انس، حرملہ بن کاہل وغیرہ، سب سے زیادہ انعام کے خواستگار بنے ہوئے تھے۔ ہر ایک نے جو جو مظالم کئے ہوئے تھے، وہ ان کو فخریہ طور پر بیان کررہا تھا۔ یزید خوش ہوکر ان کی کارروائیاں سن رہا تھا۔ سرِ امامِ مظلوم ایک طشتِ طلا میں اس کے تخت کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ وہ شقی چھڑی سے دندانِ مبارک کو اذیت دے رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ یہ وہ شخص ہے جس نے میری سلطنت پر قبضہ کرنا چاہا تھا۔ خدا نے اس کو اور اس کے مددگاروں کو ذلیل وخوار کیا۔ اس کے بعد اُس نے چند شعر پڑھے جن میں ایک شعر یہ تھا:

لَعَبَتْ بَنُوْهَاشِمَ بِالْمُلْکِ فَلاَ ۔۔۔ مَلَکٌ جَاءَ وَلَا وَحْیٌ نَزَلَ

یعنی ''بنی ہاشم نے ملک ودولت حاصل کرنے کیلئے نبوت کا ایک کھیل کھیلا تھا ورنہ اُن پر نہ کوئی فرشتہ آیا تھا اور نہ کوئی وحی نازل ہوئی تھی''۔

جب یہ بکواس کر چکا تو اس نے شمر سے کہا کہ ان قیدیوں کا تعارف کرواؤ۔ شمر نے کہا: یہ جوان علیؑ ابن الحسینؑ ہے۔ چونکہ کربلا میں بیمار تھا، اس لئے یہ قتل ہونے سے بچ گیا۔ یہ بی بی جو کنیزوں کے حلقہ میں ہے، رسولِ خدا کی نواسی اور علیؑ وفاطمہؑ کی بڑی بیٹی زینبؑ ہے۔ اس کے ساتھ اس کی بہن اُم کلثومؑ ہے، یہ بی بی زوجہ عباسؑ ہے، یہ زوجہ مسلمؑ بن عقیلؑ ہے، یہ بی بی اُم لیلیٰ ہے، یہ بی بی ربابؑ ہے۔ اسی طرح تعارف کرواتا ہوا ان بیبیوں کے متعلق بتانے لگا جو امام حسینؑ کے انصار کی ازواج تھیں اور کوفہ سے اپنے شوہروں کے ساتھ آئی تھیں۔ یزید

نے امام زین العابدین علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کر کہا: تمہارے باپؑ نے مجھ سے بغاوت کی، میری طاقت سے منہ موڑا۔ دیکھا! خدا نے تم لوگوں کو کیسا ذلیل وخوار کیا؟ اس کے بعد اُس نے یہ آیت پڑھی:

**"قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَاءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَاءُ"** آلِ عمران: 3/26

اللہ دنیا کا مالک ہے، اسی کو دیتا ہے جس کو اس کا اہل سمجھتا ہے۔ تم کو اہل نہ سمجھا، لہٰذا اُس نے تمہاری چندروزہ حکومت کو ختم کر دیا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے تم لوگوں کو اس بغاوت کی سزا دی۔ امام علیہ السلام نے فرمایا:

اے یزید! آگاہ ہو کہ خاصانِ خدا کبھی ذلیل نہیں ہوتے۔ اپنی اس چندروزہ حکومت پر مغرور نہ ہو، بہت جلد وقت آنے والا ہے کہ تیرا معاملہ خدا کے سامنے پیش ہوگا۔ تجھے شرم نہیں آتی کہ جس نبی کا تو کلمہ پڑھتا ہے، اُسی کی اولاد کو قتل کرواتا اور اُسی کی ناموس کو بازاروں میں تشہیر کرواتا اور درباروں میں ذلت کے ساتھ بلاتا ہے؟ میرے مظلوم بابا نے جو کچھ کیا، حق بجانب تھا۔ وہ یقیناً حق پر تھے اور تو یقیناً باطل پر ہے۔ تجھ جیسا فاسق وفاجر ہرگز اس قابل نہیں ہوسکتا کہ خدا تجھے ملک ودولت کا وارث بنائے، تو غاصب حقوقِ آلِ محمدؐ ہے۔

بھرے دربار میں جب امامِ سجاد علیہ السلام نے اس طرح تقریر کی تو یزید کو غصہ آ گیا اور حکم دیا کہ اس کو قتل کر دو۔ جب تلوار لے کر جلاد آگے بڑھا تو جنابِ زینبؑ روتی ہوئی بھتیجے سے لپٹ گئیں اور فرمانے لگیں: او ظالم! کیا تجھے ہمارا تمام گھر برباد کر کے، ہمارے نوجوانوں، بوڑھوں اور بچوں تک کو قتل کروا کے بھی چین نہیں آیا؟ اب اس بیمار کے سوا کوئی ہمارا والی و وارث نہیں۔ تو اب اس کو بھی قتل کروانا چاہتا ہے؟ تیری کیا مجال ہے کہ نسلِ محمدؐ سے دنیا کو خالی کر دے۔ اگر اس کو قتل کروانا چاہتا ہے تو پہلے ہم بیکسوں کو قتل کروادے۔ یزید نے حکم دیا کہ اس بی بیؑ کو بھی قتل کر دو۔ یہ سنتے ہی دربار میں ہلچل مچ گئی اور ہر طرف سے آواز آئی: اگر عورت کو قتل کیا گیا تو دربار میں خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔ عورت کا قتل کرنا کسی مذہب میں بھی جائز نہیں۔ یزید یہ حال دیکھ کر خائف ہوا اور اپنے حکم کو واپس لے لیا۔

اب اُس نے کہا: میں زینبؑ بنتِ علیؑ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ ان سب کنیزوں کو اس کے سامنے سے ہٹا دو۔ شمر تازیانہ لے کر بڑھا اور ایک ایک کو ہٹانے لگا۔ باقی سب تو ہٹ گئیں مگر جنابِ فضہ اپنی جگہ سے نہ ہٹیں۔ شمر نے تازیانہ اٹھایا کہ اس سے بوڑھی فضہ کو مارے۔ یزید کی پشت پر جو حبشی غلام برہنہ تلواریں لئے کھڑے تھے، جنابِ فضہ ان سے مخاطب ہو کر فرمانے لگیں: اے میری قوم کے جوانو! تمہاری غیرت کہاں گئی، قومی حمیت کو کیا ہوا کہ شمر تمہاری قوم کی ایک بیکس عورت کو مارنا چاہتا ہے؟ یہ بات سنتے ہی وہ سب حبشی پس پشت سے ہٹ کر یزید کے سامنے آ گئے اور کہنے لگے: شمر سے کہہ دے کہ اس ضعیفہ کو ہاتھ نہ لگائے، یہ ہماری قوم کی عورت ہے ورنہ ابھی دربار میں خون کی ندیاں بہنے لگیں گی۔ یزید نے شمر کو روکا۔ اُس وقت جنابِ زینبؑ سے ضبط نہ ہوسکا۔ کربلا کی طرف رُخ کر کے فرمایا: اے میرے بھیا! فضہ کو بچانے کیلئے کتنے جوان تلواریں لے کر یزید کے سامنے آ گئے، مگر آہ ___ تمہاری دکھیا بہن کا کوئی حمایتی اس دربار میں نہیں ہے۔ جنابِ زینبؑ کی اس فریاد سے اہلِ دربار کے دل دہل گئے۔ بہت سے تو منہ پر رومال رکھ کر رونے لگے۔

# اسیرانِ اہلِ بیتؑ اور دربارِ یزید

یزید کا دربار ہے، نبی کی نواسیاں کھلے سر بھرے دربار میں انتہائی ذلت وحقارت کے ساتھ کھڑی ہوئی تھیں۔ دوسرے ملکوں کے سفیر موجود تھے۔ یزید کی نظر ایک کمسن بچی پر پڑی جو بار بار اُٹھتی اور بیٹھتی تھیں۔ اُس نے پوچھا: اے بچی! تو اس قدر پریشان کیوں ہے؟ سکینہؑ نے کہا: ایک رسی میں سب کے بازو باندھے گئے ہیں، میں چونکہ چھوٹی ہوں، اس لئے جب میرے اِدھر اُدھر کی بیبیاں کھڑی ہوتی ہیں تو میری گردن کی رسی کھنچتی ہے، لہٰذا میں کھڑی ہو جاتی ہوں اور جب وہ بیٹھتی ہیں تو میں بھی بیٹھ جاتی ہوں۔

یزید نے شمر سے کہا کہ اس کی گردن کی رسی کھول دے۔ پھر پوچھا: یہ بچی کون ہے؟ شمر نے کہا: یہ سکینہؑ بنت الحسینؑ ہیں، یہ حسینؑ کی پیاری بیٹی ہے۔ یزید نے کہا: اے سکینہؑ! میں جب جانوں کہ حسینؑ تجھ سے پیار کرتے تھے اُنؑ کا سر تیری گود میں آ جائے۔ اس بچی نے ننھے ننھے ہاتھ اُٹھا کر کہا: بابا! میری اور آپؑ کی محبت کا امتحان لیا جا رہا ہے۔ بابا! میری گود میں آ جایئے۔ ابھی بچی یہ دعا کر ہی رہی تھی کہ حسینؑ کا سر طشتِ طلا سے بلند ہوا اور سکینہؑ کی گود میں آ گیا۔ آہ ___ وہ بچی ابھی باپؑ سے کچھ کہنے نہ پائی تھی کہ شمر نے بڑھ کر چھین لیا۔

ایک رومی سفیر نے کہا: اے یزید! اگر تیری اجازت ہو تو میں اس بچی کو اپنی ملازمہ رکھ لیتا ہوں۔ اُس نے کہا کہ مجھے منظور ہے۔ یہ سننا تھا کہ بیبیوں میں کہرام بپا ہو گیا۔ جنابِ زینبؑ نے مدینہ کی طرف رُخ کر کے فرمایا: یا جداہ! آپ کی اولاد کنیز بنائی جا رہی ہے۔ ناناؐ! ہماری مدد کو آیئے، ہر بی بی زار زار رو رہی تھی۔

امام زین العابدین علیہ السلام سے ضبط نہ ہو سکا، فرمایا: کس کی مجال ہے کہ نبیؐ زادیوں کو کنیز بنا سکے۔ اگر کسی کا ہاتھ اُٹھا تو ہم اپنی جانیں اس پر قربان کر دیں گے۔ اے یزید! مجھے اجازت دے کہ تیرے اہلِ دربار کے سامنے مَیں بھی کچھ کہہ سکوں۔ یزید نے منظور نہ کیا لیکن درباریوں نے زور کے ساتھ کہا کہ اس مظلوم کی داستان بھی سننی چاہیئے۔ غیر ملکی سفیروں نے کہا کہ ہم سننا چاہتے ہیں کہ یہ کون لوگ ہیں اور اُن پر کیا گزری ہے؟ جب یزید مجبور ہوا تو امام علیہ السلام کو منبر پر آنے کی اجازت دی۔ آج کا اجلاس مسجد بنی اُمیہ میں تھا کہاں کے مجاور وہ مقام بھی بتاتے ہیں جہاں یزید کا تخت تھا اور وہ جگہ جہاں اہلِ حرم کو کھڑا کیا گیا تھا۔ امامؑ منبر پر تشریف لے گئے اور بعدِ حمد ونعت فرمایا:

"اے اہلِ شام! جو مجھے پہچانتا ہے، وہ پہنچانتا ہے اور جو نہیں پہچانتا، وہ پہچان لے کہ میں علیؑ ابن الحسینؑ ابن علیؑ ہوں۔ میرے والدؑ گرامی حضرت محمد مصطفیٰؐ کے نواسے تھے۔ میرے باپؑ کو جنابِ رسولؐ خدا نے زبان چسا چسا کر پالا تھا۔ اُنؑ کو اپنے شانوں پر سوار کیا تھا اور فرمایا کرتے تھے:

"حُسَیْنُ مِنِّی وَاَنَا مِنَ الْحُسَیْنِ".

آہ! آج ہمارے تمام خاندان کو فوجِ یزید نے بے جرم وقصور تہہ تیغ کر دیا۔ ہمارے اوپر پانی بند کیا گیا۔ پیاس سے تڑپایا گیا۔

ہمارے گھروں میں گھس کر بیبیوں کو لوٹا گیا۔ خیموں میں آگ لگائی گئی۔ لاوارث بیبیوں اور یتیم بچوں کو قید کیا گیا۔ ہمارے لاشے پامال کئے گئے۔

اے اہلِ شام! یہ سامنے جو کھلے سر بیبیاں رسیوں میں جکڑی ہوئی ہیں، یہ مسلمانوں کے نبی کی نواسیاں اور ہمارے خاندان کی معزز و محترم بیبیاں ہیں۔ ابھی امامِ سجاد علیہ السلام نے اتنا ہی فرمایا تھا کہ درباریوں کے دل ہل گئے اور منہ پر رومال رکھ کر رونے لگے۔ جب یزید نے یہ حال دیکھا تو موذن سے کہا کہ اذان دے، مغرب کی اذان کا وقت ہو گیا ہے۔ امامِ سجاد علیہ السلام سے کہا کہ منبر سے اُتر آئیں، آگے بیان کی اجازت نہیں۔

جب موذن نے کہا:

"اَشْھَدُاَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰہِ".

تو امامؑ نے کھڑے ہو کر فرمایا: اے یزید! بتا کہ حضرت محمدؐ تیرے جد ہیں یا میرے جدِ امجد؟ اگر تو کہے کہ میرے جد تھے تو تو جھوٹا ہے اور اگر کہے کہ یہ تمہارے جد تھے تو بتا کہ روزِ محشر ان کو کیا جواب دے گا؟ کیا وہ تیرے اس عمل سے خوش ہوں گے؟ یزید! تیری حمیت و غیرت کو کیا ہو گیا؟ آہ___ تیری عورتیں تو محلوں کے اندر پردہ میں بیٹھی ہیں اور نبیؐ زادیاں کھلے سر، نامحرموں کے سامنے تیرے دربار میں اس ذلت سے کھڑی ہیں؟ اس مہلت پر جو خدا نے دے رکھی ہے، مغرور نہ ہو، ایک وقت آ رہا ہے کہ تجھ سے ان مظالم کی باز پُرس ہو گی۔

صاحبِ ریاض المصائب نے لکھا ہے کہ یزید کی بیوی ہندہ پس پردہ یہ تقریر سن رہی تھی۔ وہ بیتاب ہو کر پردہ سے نکل آئی اور کہا: اے یزید! خدا کی لعنت ہو تجھ پر، کیا خبر تھی کہ یہ بے پردہ اسیر بیبیاں ہمارے نبی کی نواسیاں ہیں؟ آہ! تو نے مجھے ابھی تک یہی کہا کہ ایک خارجی نے خروج کیا تھا۔ اب پتہ چلا کہ نبیؐ کا گھر برباد کر دیا۔ یزید کو اس پر بڑا غصہ آیا اور کہنے لگا:

تجھ کو کس نے اجازت دی کہ اس طرح بے پردہ بھرے دربار میں آ جائے؟ یہ سننا تھا کہ جنابِ زینبؑ کو تابِ ضبط نہ رہی اور سرِ حسینؑ کی طرف رُخ کر کے کہا:

میرے پیارے بھیا! یزید کو اپنی بیوی کے پردہ کا اتنا خیال ہے اور آہ! آپؑ کی بہنیں، بیبیاں، بھاوجیں، بیٹیاں اور بھتیجیاں بے پردہ شہروں اور بازاروں میں پھرائی جا رہی ہیں اور کوئی ان کے سر پر چادر ڈالنے والا نظر نہیں آتا۔

۞ ۞ ۞

# اسیرانِ اہلِ بیتؑ اور زندانِ شام

یزید کا قید خانہ تو خدا کی پناہ جان لیوا تھا۔ قید خانہ کیا تھا، ایک پُرانا شکستہ حال خرابہ تھا جس میں دن کو بھی رات کی سی تاریکی رہتی تھی۔ تازہ ہوا کا گزر نہ تھا، روشنی کا نام نہ تھا۔ چھت سے مٹی گرتی تھی۔ در و دیوار میں حشرات الارض کا گھر تھا۔ سوائے کچی ناہموار زمین کے کوئی فرش نہ تھا۔ کھانے کو بھنا ہوا غلہ دیا جاتا تھا، پینے کو گرم پانی۔ ٹھنڈا پانی کبھی ان غریبوں تک پہنچا ہی نہیں۔ جو کھانا آتا تھا، وہ بھی اتنا کم کہ سب کیلئے کافی نہ ہوتا تھا۔ ایک روز بیمارِ کربلا نے جنابِ زینبؑ کو بیٹھ کر نماز پڑھتے دیکھا تو گھبرا گئے۔ طوق و زنجیر سنبھالے پھوپھی کے پاس آئے اور عرض کرنے لگے: پھوپھی جان! میں نے آج کے سوا کبھی آپؑ کو بیٹھ کر نماز پڑھتے نہیں دیکھا، یہاں تک کہ بیماری کی حالت میں بھی آپؑ نے ایسا نہیں کیا، کیا وجہ ہے کہ آج آپؑ بیٹھ کر نماز پڑھ رہی ہیں؟ فرمایا: علیؑ ابن الحسینؑ! اس کی وجہ نہ پوچھو۔ تم کمزور ہو، تمہارے دل میں اتنی طاقت نہیں کہ اس غم کی داستان کو سن کر خود کو قابو میں رکھ سکو۔ جب زیادہ اصرار کیا تو جنابِ زینبؑ نے اُمِ کلثومؑ سے کہا: بہن آؤ! ذرا بیمار بھتیجے کے بازو پکڑ لو، ایسا نہ ہو کہ ان کو غش آ جائے۔ اس کے بعد فرمایا:

بیٹا سنو! جب سے ہم قیدِ یزید میں آئے ہیں، اتنا کھانا کبھی اُس نے نہیں بھیجا کہ ہم سب کو کافی ہو، میں اپنے حصے کا کھانا اب تک بچوں کو کھلاتی رہی ہوں اور خود فاقے کئے ہیں۔ جب تک بدن میں طاقت رہی، کھڑے ہو کر نماز پڑھی لیکن بیٹا! اب زینبؑ میں کھڑے ہونے کی طاقت نہیں ____ آہ! ذریتِ رسولؐ اور دانے پانی کو ترسے۔

یہ تو حال تھا کھانے کا۔ اب دوسری غم انگیز داستان سنئے۔ جب تازہ ہوا نہ ملتی تھی تو بچے ماہیِ بے آب کی طرح خاک پر تڑپتے تھے اور بیبیوں کا یہ حال تھا کہ شب و روز اس پریشانی میں گزارتی تھیں۔ ایک روز جب امام زین العابدین علیہ السلام گرمی کی وجہ سے نڈھال ہوئے تو آپؑ نے داروغۂ زندان سے کہا کہ اگر تیری اجازت ہو تو میں ذرا دیر کیلئے زندان سے نکل کر تازہ ہوا لے لوں؟ وہ بھی رحم دل تھا، رحم آ گیا۔ زندان کا تالا کھول کر کہا: اچھا! تھوڑی دیر کیلئے باہر آ جایئے۔ امامِ سجاد علیہ السلام طوق و زنجیر کو سنبھالے زندان سے نکلے اور دروازے کے باہر کھلی جگہ پر بیٹھ گئے۔ اتفاقاً ایک محبِ اہلِ بیتؑ کا اُدھر سے گزر ہوا، اُس نے دیکھا کہ ایک مردِ ضعیف و ناتوان ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں جکڑا ہوا آہنی طوق پہنے، سر جھکائے بیٹھا ہے۔ قریب آئے اور کہا: اے قیدی! تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تم نے کیا جرم کیا ہے جس کی یہ سزا ملی ہے؟ ایک آہِ سرد کھینچ کر آپؑ نے فرمایا: ہمارا جرم حق پرستی ہے اور ہم مدینہ کے رہنے والے ہیں۔ اُس نے کہا: تم کس قوم و قبیلہ سے ہو؟ فرمایا: اے بھائی! اِن باتوں کے پوچھنے سے کیا فائدہ؟ کبھی تھے جو کچھ تھے، اب تو یزید کے قیدی ہیں۔ اُس نے کہا: آخر کچھ تو پتہ بتاؤ۔ فرمایا: ہم قبیلہ بنی ہاشم سے ہیں۔ یہ سن کر وہ گھبرا گیا اور کہا: بنی ہاشم میں آپؑ میرے سید و آقا امام حسین علیہ السلام سے بھی واقف ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: بھائی! اب حسینؑ کہاں؟

"قُتِلَ الْحُسَيْنِ بِكَرْبَلَا ذُبِحَ الْحُسَيْنِ بِكَرْبَلَا".

یہ سن کر اُس نے منہ پیٹ لیا اور کہا: آہ! میرے مولاؑ قتل کر دیئے گئے؟ کاش میں مرجاتا اور یہ خبر نہ سنتا۔ پھر اُس نے کہا: اُنؑ کے فرزند علیؑ ابن الحسینؑ کہاں ہیں؟ فرمایا: کیا تم علیؑ ابن الحسینؑ کو جانتے ہو؟ اُس نے کہا: کیونکر نہ جانوں، اُنؑ کے بڑے احسان میرے اوپر ہیں۔

ایک مرتبہ سفر میں میرا اونٹ کھو گیا، مدینہ پہنچا اور اپنی پریشانی حضرت علیؑ ابن الحسینؑ سے بیان کی تو انہوں نے مجھے سواری دی اور پانچ سو درہم زادِ سفر کیلئے دیئے۔ حضرتؑ نے سر اُٹھا کر فرمایا: اے شخص! تو نے علیؑ ابن الحسینؑ کو نہیں پہچانا؟ میں علیؑ ابن الحسینؑ ہوں۔ وہ پیروں پر آنکھیں مَل مَل کر کہنے لگا: کاش! یہ بیڑیاں میرے پاؤں میں ہوتیں، یہ ہتھکڑیاں میرے ہاتھوں میں ہوتیں، یہ طوق میری گردن میں ہوتا۔ مولاؑ! یہ بتایئے کہ یہ تباہی آپؑ کے خاندان پر کیوں آئی؟

آپؑ نے مختصر الفاظ میں واقعہ کربلا بیان کرنا شروع کیا کہ زندان سے ایک نحیف و کمزور آواز آئی: بیٹا سجادؑ! تمہاری مفارقت پھوپھی کو گوارا نہیں، اب زندان میں آجاؤ۔ اگر کسی نے یزید کو خبر دے دی تو نہ معلوم ہو ظالم کیا ظلم کرے؟ یہ سن کر بیمارِ کربلا اٹھ کھڑے ہوئے اور اس محبّ سے فرمایا: اچھا بھائی! خدا حافظ، میری پھوپھی یاد فرما رہی ہیں۔ جب زندان میں آئے تو جنابِ زینبؑ نے پوچھا: بیٹا! تم عالمِ غربت میں کس سے باتیں کر رہے تھے؟ فرمایا: پھوپھی! یہ ہمارا محبّ تھا۔ آہ! ماننے والوں کو ترستی زینبؑ نے جب یہ سنا تو فرمایا: بیٹا! اگر وہ نہ گیا ہو تو کچھ دیر کیلئے درِ زندان کے قریب بلا لو، مجھے اُس سے کچھ کہنا ہے۔ آپؑ نے آواز دی: اے بھائی! ذرا قریب آ، میری پھوپھی اماں تجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہیں۔ وہ قریب آیا تو جنابِ زینبؑ نے فرمایا:

بیٹا! ہمارا سلام اس محبِّ حسینؑ کو دے دو۔ جونہی امامؑ نے کہا: میری پھوپھی جان سلام کہتی ہیں، اُس نے اپنا منہ پیٹ لیا اور رو کر عرض کی: شہزادیؑ! میں اس قابل کہاں کہ علیؑ و فاطمہؑ کی بیٹی، نبیؐ پاک کی نواسی مجھے سلام بھجوائیں؟ فرمایا: بیٹا! ان سے کہو کہ تمہارا آقا تین روز کا پیاسا شہید ہوا ہے۔ جب ٹھنڈا پانی پینا تو اُنؑ کی پیاس یاد کر لینا۔ دوسرے ہم بہتر (۷۲) شہیدوں کے سوگوار ابھی تک صفِ ماتم نہیں بچھا سکے، لہٰذا جب گھر جانا تو حسینؑ کی مجلسِ غم برپا کرنا اور ہمارے مصائب و آلام پر گریہ کرنا۔ اپنی خواتین کو ہمارا سلام پہنچانا اور کہنا: علیؑ و فاطمہؑ کی بیٹی یزید کی قید میں ہے، وہ اپنے بھائی پر جی بھر کر رو نہیں سکی، اس کے بدلے تم صفِ ماتم بچھا کر ہمارے شہیدوں پر رونا۔

❁ ❁ ❁

# اسیرانِ آلِ محمدؐ اور زندانِ شام

یزیدی محل زندان کے قریب تھا۔ ایک رات جو رونے کی آواز بلند ہوئی تو ہندہ، زوجہ یزید نے کہا: یہ کن بیکسوں کو تو نے قید کر رکھا ہے جو رات دن روتے ہیں؟ میرا دل چاہتا ہے کہ زندان میں جا کر ان کا حال معلوم کروں۔ یزید نے کہا: یہ ہمارے دشمن کی بیبیاں ہیں۔ میں نے روک دیا ہے کہ کوئی شامی عورت اُن سے ملنے کی کوشش نہ کرے۔ یہ سحر بیان لوگ ہیں، بہت جلد دوسروں کو اپنے قابو میں کر لیتے ہیں۔

ہندہ نے کہا: مجھے اجازت دے کیونکہ میرا دل ان کو دیکھنے کو چاہتا ہے۔ یزید نے اجازت دی، ہندہ نے پہلے ایک کنیز کو بھیجا کہ جا کر اسیروں کو خبر دے کہ ہندہ زوجہ یزید آپؑ لوگوں کو دیکھنے کو آ رہی ہیں۔ کون اِس کا اندازہ کر سکتا ہے کہ اس خبر کو سن کر اِن خستہ حالوں کے دل پر کیا گزری ہوگی؟ زمانہ کا انقلاب ہے کہ کل جس ہندہ کو جنابِ زینبؑ اور اُمِ کلثومؑ کی خدمت پر فخر تھا، آج وہ شاہانہ شان سے قید خانہ میں اُنؑ کو دیکھنے کیلئے آ رہی ہے۔

سیدانیاں سروں کو گھٹنوں میں دبا کر بیٹھ گئیں۔ ہندہ زرق برق لباس کے ساتھ کنیزوں کے جھرمٹ میں زندان میں داخل ہوئی۔ تاریکی میں کسی کی صورت نظر نہ آئی۔ حکم دیا کہ شمعیں روشن کی جائیں۔ وہ بہتر (۷۲) کی سوگوار بیبیوں کے درمیان آ کر بیٹھی اور پوچھنے لگی: تم کس قبیلہ و قوم کے لوگ ہو اور تم کو کیا ایسی تکلیف ہے کہ تمام رات رو کر گزارتے ہو؟ جنابِ زینبؑ نے کہا: ہم بیکسوں کی احوال پرسی سے کیا فائدہ؟ ہم اس قابل ہی نہ رہے کہ اپنی قوم و قبیلہ کو بیان کریں۔ کبھی مدینہ رسولؐ میں رہا کرتے تھے، اب غریب الوطن ہیں، یزید کے قیدی ہیں، اپنے آپ کو مدینہ کا کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔

ہندہ نے گھبرا کر کہا: بی بیؑ! مدینہ کے کس محلے کے رہنے والے ہو؟ فرمایا: محلّہ بنی ہاشم تھا جو کبھی آباد تھا، اب تو ویران ہو گیا۔ ہندہ نے کہا: اے بی بیؑ! ایسا نہ کہو، جب تک میرے مولا حسینؑ کا دم باقی ہے اور میری آقازادیوں زینبؑ واُمِ کلثومؑ موجود ہیں ان کا محلّہ ویران نہیں کیا جا سکتا۔ رات دن لوگ اُنؑ کی زیارت کو آتے رہتے ہیں۔ جنابِ زینبؑ نے فرمایا: کیا تم زینبؑ کو پہچانتی ہو؟ اُس نے کہا: وہ شہزادیٔ ہیں، میں اُنؑ کی کنیز ہندہ ہوں۔ یہ سن کر جنابِ زینبؑ نے رو کر فرمایا: اے ہندہ! اب حسینؑ کہاں؟ تیرے شوہر نے ہمارے گھر کا ایک ایک بچہ کربلا میں قتل کروا دیا۔

ہم ایسے وقت مدینے سے نکلتے تھے کہ پھر خیر سے جانا نصیب نہ ہوا۔ ہماری گودیں بچوں سے خالی ہو گئیں۔ ہمارے وارثوں کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ ہمارے نوجوان، ہمارے بوڑھے، ہمارے بچے تین دن کے بھوکے پیاسے کربلا میں گوسفندانِ قربانی کی طرح شہید ہو گئے۔ اُس نے کہا: قمر بنی ہاشم کہاں تھے؟ شبیہ پیغمبر علی اکبر کہاں تھے؟ جنابِ زینبؑ نے رو کر کہا: اے ہندہ! میرے بھائی عباسؑ کے شانے نہر کے کنارے پر کاٹے گئے، علی اکبرؑ کے چاند سے سینے پر برچھی ماری گئی۔ آہ ___ کس کس کے بارے میں پوچھے گی، کوئی باقی نہ رہا۔ آہ!

ہمارے شہیدوں کی لاشوں پر گھوڑے دوڑائے گئے۔ ہمارے خیموں کو آگ لگائی گئی۔ ہمیں بُری طرح لوٹا گیا۔ ہمارے سروں پر ایک چادر تک نہیں چھوڑی گئی۔ ہمیں قید کر کے کوفہ لے گئے، بازاروں میں تشہیر کیا گیا۔ کھلے سر پسر زیاد کے دربار میں لے گئے۔ قید خانہ میں بند کیا گیا۔ وہاں سے ہمیں دمشق بھیجا جہاں کے گلی کوچوں میں ہمیں بے عماری کے اونٹوں پر بٹھا کر اور شہیدوں کے سر نیزوں پر چڑھا کر تشہیر کیا گیا۔ ہمیں رسیوں سے باندھ کر یزید کے دربار میں لائے، وہاں سے اس قید خانہ میں لا کر بند کیا گیا۔

یہ سنتا تھا کہ ہندہ چیخیں مار مار کر رونے لگی۔ اپنا سر جنابِ زینبؑ کے قدموں پر رکھ دیا اور کہنے لگی: آہ! مجھے خبر نہ تھی کہ اس زندان میں میری شہزادیاں علیؑ و فاطمہؑ کی بیٹیاں قید ہیں۔ خدا لعنت کرے اس سفاک یزید پر جس نے آلِ رسولؐ کو یوں قید و برباد کیا۔ آپؑ لوگوں کے رونے نے میری نیند خراب کر دی تھی، مجھے تو یہ بتایا گیا تھا کہ کسی خارجی نے خروج کیا تھا۔ اس کو قتل کر کے اس کے کنبے کو اسیر کر کے لائے ہیں۔ کاش! میں اندھی ہو جاتی کہ یہ سماں اپنی آنکھوں سے نہ دیکھتی۔ بی بیؑ! یہ بچی کون ہے جو ہر رات کو اپنے باپؑ کی یاد میں ایسا بلبلا کر روتی ہے کہ اس کی آواز سے میرا دل تڑپنے لگتا ہے؟ جنابِ زینبؑ نے کہا: وہ میری بھائی حسینؑ کی لاڈلی بیٹی سکینہؑ ہے جو باپؑ کی یاد میں ہر وقت روتی ہے۔ اُس نے کہا: میں بھی اس بچی کو دیکھنا چاہتی ہوں۔ جنابِ زینبؑ نے سکینہ کو پاس بلا کر گود میں بٹھا لیا۔

ہندہ نے دیکھا کہ پھٹا ہوا کرتہ خون آلود ہے۔ پوچھا کہ یہ خون اس بچی کے کرتے پر کیسا ہے؟ جنابِ زینبؑ نے رو کر فرمایا: اے ہندہ! اس بچی پر وہ ظلم فوجِ یزید نے کئے ہیں جن کے بیان کرنے کی تاب نہیں ہے۔ خولی نے اس کے کان چیر کر گوشوارے اُتارے، شمر نے اس معصوم بچی کے طمانچے مارے۔ اس کی ننھی سی گردن میں رسی باندھی۔ یہ سن کر قریب تھا کہ ہندہ کو غش آ جائے۔ وہ بلند آواز سے روتی، چیختی تھی۔ آخر یہ کہہ کر چلی کہ میں پورے زور کے ساتھ یزید سے کہوں گی کہ وہ جلد سے جلد رہا کر دے۔ بی بیؑ! اس ظالم پر میرا کیا زور ___ میں اُس کے چنگل میں پھنسی ہوئی ہوں ورنہ آج ہی اس کے محل کو چھوڑ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں نکل جاتی۔

❁ ❁ ❁

# زندانِ شام میں جنابِ سکینہؑ کی المناک موت

شام میں اگر کوئی غیرت مند سر چھپانے کو بیبیوں کو چادریں دیتا تھا تو ظالم نیزوں کی اَنیاں مار مار کر چھین لیتے تھے، یہاں تک کہ جنابِ سکینہؑ، جو جنابِ زینبؑ کی گود میں تھیں، کا بازو زخمی ہو گیا۔ بچی نیزہ کی اَنی لگنے سے بلبلا گئی۔ یتیم بچی اب کس کو پکارے؟ نہ سر پر باپ، نہ چچا، نہ بھائی، رو رو کر رہ گئی۔ امام حسین علیہ السلام کی اس ناز پروردہ بچی نے کونسی مصیبت تھی جو نہ اٹھائی۔ بھوک پیاس کے صدمے سہے، باپ، چچا اور بھائی وغیرہ کی موت کے داغ دل پر اٹھائے۔ کان چیر کر گوشوارے نکالے گئے۔ باپؑ کی لاش سے لپٹنے کی سزا میں شمر کے طمانچے کھائے۔ راہِ کوفہ میں اونٹ پر سے گریں۔ کوفہ و شام میں انتہائی پریشانی کی حالت میں پھرائی گئیں، رسی سے گلا باندھا گیا۔

زندان میں ٹھنڈے پانی کو ترسیں۔ جب سے زندانِ شام میں آئیں، ایک گھڑی رونے سے نہ رُکیں۔ رات دن باپؑ کی یاد تھی۔ بالخصوص جب رات آتی تھی تو باپؑ کا سینہ یاد آتا تھا۔ باپؑ کے سینے پر سونے والی، آہ___ خاک پر غش کھا کر پڑی رہتی تھیں۔ جب ہوش آتا تو پھر ہائے بابا، ہائے بابا کی صدائیں بلند کرتیں۔ ایک رات کو خواب سے بیدار ہوئیں تو زندان میں ہر طرف تلاش کرنے لگیں۔ رو رو کر کہتی تھیں: میرے بابا کہاں گئے؟ جنابِ زینبؑ نے کہا: بیٹی! تمہارے بابا یہاں کہاں؟ آہ___ انہیں تو کربلا میں ظالموں نے قتل کر دیا۔ بچی نے کہا: پھوپھی اماں! میرے بابا ابھی تو یہیں تھے، مجھے گود میں بٹھائے پوچھ رہے تھے: بیٹی سکینہؑ! تمہارے کانوں میں درد کیسا ہے؟ بابا جان کے ساتھ ایک بی بی بھی تھیں، وہ میرے حالِ زار پر رو رہی تھیں اور رہ رہ کر پیار کرتی تھیں۔ بابا جان نے بتایا کہ یہ دادی اماں ہیں۔ میرے دادا جان بھی موجود تھے۔ سب مجھے تسلی دے کر کہہ رہے تھے: سکینہؑ! تمہاری تکالیف کا زمانہ ختم ہوا، بیٹی! اب جلد تم کو ہم اپنے پاس بلا لیتے ہیں۔

سکینہ کی یہ باتیں سن کر سیدانیوں میں کہرام بپا ہو گیا۔ سب نے سمجھ لیا کہ سکینہؑ نے خواب میں یہ سماں دیکھا ہے اور یہ بھی سمجھا کہ سکینہ عنقریب ہم سے جدا ہونے والی ہیں۔ ایک ایک بی بی اس بچی کو سینہ سے لگا کر پیار کرتی تھیں۔ مگر سکینہؑ کے دل کو قرار کہاں؟ جنابِ زینبؑ سے برابر یہی کہے جاتی تھیں: پھوپھی اماں! میرے بابا جان کو بلاؤ، میں اب اس تاریک زندان میں نہ رہوں گی۔ میں تو اب بابا کے پاس جاؤں گی۔ آہ___ اسی کرب و بے چینی میں اس بچی کا زندانِ شام میں انتقال ہو گیا۔ سیدانیوں نے ایسے دردناک بین کیئے کہ زمین و آسمان ہل گئے۔ یزید نے پوچھا: آج یہ قیدی اس قدر بے چین ہو کر کیوں رو رہے ہیں؟ کسی نے خبر دی کہ جو بچی راتوں کو باپؑ کو یاد کر کے رویا کرتی تھی، رات وہ غمزدہ دنیا سے گزر گئی۔ یزید نے کہلا بھیجا کہ میں نے حکم دیا ہے کہ غسل و کفن کا سامان کر دیا جائے۔

امامِ سجاد علیہ السلام نے فرمایا: ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں، اس بچی کا کفن یہی اس کا خون آلود کرتہ ہے۔ یہی پہنے ہوئے روزِ قیامت خدا کے سامنے جائے گی۔ ہاں! اتنا پانی بھجوا دے کہ ہم غسل دے دیں اور ایک ننھی سی قبر___ قبرستانِ قریش میں کھدوا دے۔

ایک روایت میں ہے کہ یزید نے غسالہ کو بھیجا، جب اس نے نہلانے کیلئے کرتہ اُتارا تو بدن پر کچھ نشان نظر آئے۔ پوچھا: بیبیو! یہ

بچی کیا بیار تھی؟ جنابِ زینبؑ نے فرمایا: بی بی! یہ شمر کے طمانچوں، تازیانوں، رسی کے پھندوں اور نیزوں کی اَنیوں کے نشان ہیں۔ جب میّت تیار ہوئی تو امام علیہ السلام نے اس بچی کی میّت کو جس طرح ہو سکا، سپردِ خاک کیا۔

جب لوگ دمشق جاتے ہیں اور حسینؑ کی اس لاڈلی بچی کی قبر آنکھوں کے سامنے آتی ہے تو کلیجہ پھٹ جاتا ہے۔ تمام واقعات آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں۔

❁ ❁ ❁

# ایک محبؑ سے ملاقات اوروفاتِ سکینہؑ

صاحب کنز المصائب لکھتے ہیں کہ جب اہلِ حرم زندانِ شام میں تھے تو ایک روز حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے داروغۂ زندان سے فرمایا: اے شخص! تو کس دین کا پیرو ہے؟ اُس نے کہا: میں مسلمان ہوں۔ آپؑ نے فرمایا: تو یہ بھی جانتا ہے کہ تیرے رسولؐ کی اولاد میں کون کون ہے؟ اُس نے کہا: ہمارے رسولؐ کی اولاد ہی نہ تھی۔ فرمایا: اے شخص! تو نے جنابِ فاطمہ زہراؑ کا نام نہیں سنا؟ اُس نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: تو حسنؑ و حسینؑ کو بھی جانتا ہے؟ اُس نے کہا: صرف حسینؑ کے متعلق اتنا جانتا ہوں کہ وہ مکہ کا ایک باغی تھا جس نے یزید بن معاویہ پر خروج کیا تھا۔ یزید کی فوج نے اس کو قتل کر دیا۔ یہ سن کر آپؑ رونے لگے اور دیر تک اُسے تمام واقعات بتاتے رہے۔ جب اُس کو حقیقتِ حال سے آگاہی ہوئی تو رونے لگا اور منہ پر طمانچے مارنے لگا۔

پھر ہاتھ جوڑ کر عرض کی: یا ابن رسول اللہ! جو سختیاں میں نے نادانستہ طور پر آپؑ پر کی ہیں، اُن کی معاف فرمائیے۔ آہ ___ مجھے علم نہ تھا کہ اس قید خانہ میں اولادِ رسولؐ بند ہے۔ خدا یزید کو غارت کرے۔ اے فرزندِ رسولؐ! آج ہی سے میں اپنی ملازمت سے سبکدوش ہوتا ہوں۔

منقول ہے کہ ظالموں نے اہلِ حرم کو ایسے تنگ و تاریک قید خانہ میں مقید رکھا تھا کہ جہاں نہ ہوا کا گزر تھا، نہ روشنی کا۔ آہ! ایسے مقام پر بیکس بیبیوں اور یتیم بچوں نے جس طرح تڑپ تڑپ کر اپنے دن اور راتیں گزاریں، اس کا بیان ناممکن ہے۔

ایک روز امام زین العابدین علیہ السلام کا دل گھبرایا تو آپؑ طوق و زنجیر سنبھالے دروازہ کے قریب تشریف لائے اور زندان بان سے فرمانے لگے: اے شخص! اس تاریکی میں پڑے پڑے میرا دل گھبرا رہا ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ تھوڑی دیر کیلئے زندان سے باہر نکل کر تازہ ہوا لے لوں؟ وہ شخص رحم دل تھا، اُسے رحم آ گیا اور زندان کا دروازہ کھول دیا۔ امام سجاد علیہ السلام بیڑیاں اور طوق اٹھائے در زندان کے قریب ایک ٹوٹی ہوئی دیوار کے نیچے بیٹھ گئے۔ اتفاقاً ایک محبِ اہلِ بیتؑ کا اُدھر سے گزر ہوا۔ وہ مدینہ میں آپؑ کی خدمت میں حاضر ہو چکا تھا۔ آپؑ نے اس کو پہچان کر اپنی گردن جھکا لی۔ آہ! دنیا میں عزت دار کی کبھی توہین نہ ہو، جب کوئی واقف اس حالت میں مل جاتا ہے تو سخت ندامت ہوتی ہے۔ وہ شخص دیر تک آپؑ کو دیکھتا رہا۔ دل میں کہتا تھا کہ یہ صورت تو خاندانِ رسالت سے ملتی جلتی ہے مگر ان کا خاندانِ رسالت سے کیا تعلق؟

جب ضبط نہ ہو سکا تو پاس آ کر کہنے لگا: اے اسیر! تم کس خاندان سے ہو اور کس جرم میں قید ہوئے ہو؟ جنابِ امام زین العابدینؑ نے آہِ سرد بھر کر فرمایا: اے شخص! کیا بتائیں کہ ہم کون ہیں؟ بس اب تو اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ یزید کے قیدی ہیں۔ جب اس نے اصرار کیا تو فرمایا: رسولؐ کے مدینہ کے رہنے والے ہیں اور خاندانِ رسولؐ سے ہیں۔ یہ سنتے ہی اس کا کلیجہ دھک سے رہ گیا اور بہت غور سے حضرتؑ

کے چہرے پر نظر کر کے کہنے لگا: کیا آپؑ علیؑ ابن الحسینؑ کو جانتے ہیں؟ فرمایا: ہاں، میں وہی ہوں۔ اب تو اس کو تابِ ضبط نہ رہی۔ پیروں پر سر رکھ کر کہنے لگا: ہائے میرے سید و آقا! غلام آپؑ پر فدا ہو، آپؑ کو کس جرم میں ظالموں نے قید کیا ہے؟ مولاؑ! کاش یہ بیڑیاں میرے پاؤں میں پڑی ہوتیں، یہ خاردار طوق میں پہنے ہوتا!

آہ___ مولاؑ! آپؑ کی غربت اور بیکسی پر نثار، یہ کیا انقلاب ہوگیا، میرے سیدؑ و مولا حضرت امام حسینؑ کہاں ہیں؟ یہ سن کر بیمارِ کربلا اُس سے گلے مل کر زار زار رونے لگے اور تمام واقعات بیان کیے۔ ابھی کلام ختم نہ ہوا تھا کہ ایک نحیف سی آواز زندان کے اندر سے آئی: بیٹا سجادؑ! بڑی دیر لگائی، اتنی دیر جدائی کی تاب نہیں۔ یہ سنتے ہی امام زین العابدینؑ اٹھ کھڑے ہوئے اور اُس سے فرمایا: اے شخص! اب میں رخصت ہوتا ہوں کیونکہ میری پھوپھی جنابِ زینبؑ قید خانہ میں یاد فرما رہی ہیں۔ جب آپؑ اندر پہنچے تو جنابِ زینبؑ نے بے اختیار گلے میں بانہیں ڈال دیں اور آبدیدہ ہو کر فرمایا: بیٹا! باہر تم کس سے گفتگو کر رہے تھے؟ عرض کی: ہمارا ایک محب ادھر آ نکلا تھا، میں اُس سے باتیں کر رہا تھا۔

آہ___ آہ! ذریتِ رسولؐ اپنے ہمدردوں کو کیسی ترس گئی تھی۔ محبِّ اہلِ بیتؑ کا نام سنتے ہی جنابِ زینبؑ کے چہرے پر بشاشت کے آثار نمایاں ہوگئے۔ فرمانے لگیں: بیٹا! وہ بندۂ مؤمن چلا گیا یا ابھی ہے؟ اگر ہو تو ذرا بلا لو، زینبؑ کو بھی کچھ کہنا ہے۔ امام علیہ السلام نے آواز دے کر فرمایا: اے شخص! ذرا زندان کے قریب آ، میری پھوپھی تجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہیں۔ جب وہ بندۂ مؤمن قریب آیا تو جنابِ زینبؑ نے پسِ دیوار کھڑے ہو کر فرمایا: بیٹا سجادؑ! پہلے تو ہمارے اس مؤمن کو میرا سلام کہو۔ یہ سننا تھا کہ وہ شخص رونے لگا اور منہ پر طمانچے مار کر کہنے لگا: اللہ، اللہ! غلاموں کا یہ مرتبہ ہوگیا کہ شہزادیاں اُن پر سلام بھیجتی ہیں؟ مولاؑ! ثانیِ زہراؑ کی خدمت میں میرا اسلام نیاز پہنچایئے اور میری طرف سے اٹھارہ بنی ہاشم کا پرسہ دیجئے اور یہ فرما دیجئے کہ اگر کوئی خدمت اس غلام کے لائق ہو تو بیان فرمایئے تاکہ بجا لاؤں۔

جنابِ زینبؑ نے فرمایا: اے بھائی! دخترِ زہراؑ دو باتیں کہنا چاہتی ہیں: اوّل یہ کہ جب ٹھنڈا پانی پینا تو اپنے مظلوم آقا کی پیاس کو یاد کر لینا، دوسرے یہ کہ ہم بیکس اپنے شہیدوں پر جی بھر کر رو نہیں سکے، لہٰذا مقتضائے عقیدت یہ ہے کہ ہمارے ماننے والے صفِ ماتم بچھا کر اپنے مظلوم امامؑ کے مصائب کو یاد کر کے گریہ و بکا کریں۔ یہ سن کر وہ بندۂ مؤمن دھاڑیں مار مار کر رونے لگا اور پھر سلامِ آخر بجا لا کر روانہ ہوا۔

منقول ہے کہ ایک روز امام زین العابدین علیہ السلام نے دیکھا کہ جنابِ زینبؑ بیٹھ کر نماز پڑھ رہی ہیں۔ آپؑ بے چین ہو گئے اور قریب جا کر فرمایا: اے پھوپھی اماں! میری زندگی میں پہلا موقعہ ہے کہ آپؑ جیسی عبادت گزار بی بیؑ کو بیٹھ کر نماز پڑھتے دیکھ رہا ہوں؟ آپؑ نے سخت سے سخت علالت میں بھی بیٹھ کر نماز نہیں پڑھی، فرمایئے کہ اس کا کیا سبب ہے؟ فرمایا: بیٹا! اس کا سبب نہ پوچھو، تم سے نہ سنا جائے گا۔ فرمایا: نہیں، میں سننا چاہتا ہوں۔ جب جنابِ زینبؑ مجبور ہوئیں تو جنابِ اُم کلثومؑ سے فرمایا: بہن! تم ذرا بیمار بھتیجے کا بازو پکڑ لو، ایسا نہ ہو کہ غش کھا جائیں۔ اس کے بعد آپؑ نے فرمایا:

سنو بیٹا! جو کھانا یزید کے یہاں سے ہم اسیروں کیلئے آتا ہے، وہ اتنا کم ہوتا ہے کہ کسی طرح کافی نہیں ہوتا، آج تک میں اپنے

حصہ کا کھانا بچوں کو کھلاتی رہی ہوں۔ بیٹا! جب تک بدن میں جان رہی، کھڑے ہو کر نماز ادا کی، اب اس پر قادر نہیں۔ یہ سننا تھا کہ بیمارِ کربلا بیہوش ہو کر گر پڑے۔ آہ___ اولادِ رسولؐ کے ستانے میں اِن ظالموں نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ چونکہ یہ زندان یزید کے محل کے قریب تھا، اس لئے ان بیکس قیدیوں کو بلند آواز سے رونے کی اجازت نہ تھی۔ آہ! نازوں کے پلے ہوئے بچے اِس زندان کی تاریکی میں کیسے گھبراتے ہوں گے!!

ٹھنڈے پانی اور تازہ ہوا کو ترس گئے تھے۔ ان بچوں میں سب سے زیادہ جنابِ سکینہؑ غمگین اور پریشان تھیں۔ آہ! باپؑ کی چھاتی پر سونے والی بچی جب رات کو خاک پر سوتی تھی اور اپنے باپؑ کی یاد میں بلبلا کر روتی تھی تو سیدانیاں تڑپ جاتی تھیں۔ جنابِ زینبؑ دل بہلانے کیلئے ان کو اِدھر اُدھر کی باتیں سناتی تھیں۔

ایک روز جنابِ سکینہؑ اپنے بابا کی یاد میں بہت بے چین تھیں اور بار بار جنابِ زینبؑ سے کہتی تھیں: بابا جان کو بلاؤ، ہائے مجھے زندان میں چھوڑ کر کہاں چلے گئے؟ اسی حالت میں نیند آ گئی۔ خواب میں امام حسین علیہ السلام کو دیکھا تو گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں۔ جنابِ زینبؑ نے پوچھا: بیٹی! کیا دیکھتی ہو؟ رو کر کہنے لگیں: ہائے میرے بابا جان کہاں چلے گئے؟ ابھی تو یہاں تھے، مجھے چھاتی سے لگا کر کہہ رہے تھے: سکینہؑ! گھبراؤ مت، تمہاری مصیبت کا زمانہ ختم ہوا، کل رات تم ہمارے پاس ہوگی۔ یہ سن کر سیدانیوں میں ایک کہرام بپا ہو گیا اور سب نے سمجھ لیا کہ سکینہؑ سے دائمی جدائی ہے۔ چنانچہ اسی رات کو اس یتیم بچی نے انتہائی مصائب و آلام برداشت کر کے زندانِ شام میں انتقال کیا۔ اس وقت بیکس سیدانیوں پر کیا گزری ہوگی؟ کس کی طاقت ہے کہ اسے بیان کرے؟ زندان میں ایک کہرام بپا تھا۔ جب یزید کو اطلاع ہوئی تو اُس نے اپنی کنیز کے ذریعے پیغام بھیجا کہ کفن دفن کا جو سامان درکار ہو، منگوا لو۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: ہمیں تجھ سے مدد لینے کی ضرورت نہیں، صرف ایک چھوٹی سی قبر کی جگہ درکار ہے۔ چنانچہ امام زین العابدینؑ نے اسی خون بھرے کرتے میں اس امانتِ حسینؑ کو سپردِ خاک کر دیا۔

❁ ❁ ❁

# اہلِ حرم کا رہائی کے بعد شہیدوں پر ماتم

منقول ہے کہ جب ایک مدت کے بعد یزید بے حیا کو اپنے غلط رویہ پر انتباہ ہوا تو اُس نے ایک غلام کو زندان میں بھیج کر امام زین العابدین علیہ السلام کو بلوایا۔ جس وقت جنابِ زینب سلام اللہ علیہا کو یہ معلوم ہوا کہ یزید جنابِ سجادؑ کو بلا رہا ہے تو ثانیِ زہراؑ کا دل انتہائی پریشان ہو گیا۔ سیدِ سجاد علیہ السلام سے فرمانے لگیں: بیٹا! میں تمہیں تنہا نہ جانے دوں گی، مجھے یزید کی غداری سے خوف معلوم ہوتا ہے، ایسا نہ ہو کہ وہ شقی تم کو قتل کروا دے۔ حضرتؑ نے فرمایا: پھوپھی اماں! ابھی آپؑ کا جانا قرین قیاس نہیں ہے، نہ معلوم اس شقی نے کس مصلحت سے بلایا ہو؟

الغرض آپؑ یزید کے سپاہی کے ساتھ یزید کے محل میں تشریف لائے۔ اس بے حیا کی مکاری دیکھو کہ جونہی امام علیہ السلام کو آتے دیکھا، استقبال کیلئے آگے بڑھا اور جنابِ سیدِ سجادؑ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینا چاہا کہ آپؑ کو تخت پر بٹھائے۔ امام سجاد علیہ السلام نے آبدیدہ ہو کر فرمایا: اے یزید! میرے زخمی دل پر نمک نہ چھڑک، یہ وہی تخت تو ہے جس کے نیچے کل پدرِ مظلوم کا سر رکھا تھا، کیونکر ممکن ہے کہ آج میں اُسی تخت پر بیٹھوں؟ یہ سن کر یزید شرمندہ ہوا اور کہنے لگا: اچھا آپؑ کی مرضی۔ میں نے آپؑ کو اس لئے بلوایا ہے کہ آج میں آپؑ کی رہائی کا حکم سنا دوں۔ اے علیؑ ابن الحسینؑ! آپؑ کے بابا کا اصلی قاتل ابن زیاد ہے، میں نہیں چاہتا تھا کہ حسینؑ قتل کئے جائیں۔ بہر حال جو ہونا تھا، ہو گیا۔ میں چاہتا ہوں کہ حسینؑ کا خون بہا آپؑ کو ادا کر دوں۔ میرے خزانے آپؑ کیلئے کھلے ہوئے ہیں، جتنا مال آپؑ کو درکار ہو، لے لیجئے۔

آہ! یہ سنتے ہی امامِ سجاد علیہ السلام زار زار رونے لگے اور فرمایا: اے یزید! امام حسینؑ کا خون بہا میں لینے والا کون؟ یہ خون بہا روزِ محشر حضرت رسولِ خدا کو دینا جنہوں نے اپنی زبان چسا چسا کر حسینؑ کو پالا تھا۔ یہ خون بہا حضرت علی علیہ السلام کو دینا جنہوں نے چھاتی پر رکھ کر پالا تھا۔ یہ خون بہا حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو دینا جنہوں نے چکیاں پیس پیس کر پالا تھا۔ اے یزید! اس قسم کی باتیں کر کے کیوں ہمارا کلیجہ پھاڑتا ہے؟ یہ سن کر یزید بدانجام نے اپنا سر جھکا لیا اور کہنے لگا: اچھا! میں نے آپؑ کو رہا کر دیا، چاہے یہاں رہیے، چاہے مدینہ چلے جائیے۔ امامِ سجادؑ نے فرمایا: میں اس کے بارے میں اپنی پھوپھی جنابِ زینبؑ سے مشورہ کئے بغیر کچھ نہیں کہہ سکتا۔

چنانچہ وہاں سے آپؑ زندان میں تشریف لائے اور جنابِ زینبؑ سے تمام حال بیان کیا تو جنابِ زینبؑ نے فرمایا: بیٹا! ابھی تو زینبؑ اپنے مظلوم بھائی کی صفِ ماتم بچھا کر رونے بھی نہیں پائی، بیٹا! تم یزید سے کہو کہ دمشق میں ایک مکان ہمارے لئے خالی کروا دے اور جو لوگ ہمارے پاس پرسے کو آئیں، ان کو آنے کی اجازت دے، نیز ہمارے شہیدوں کے سر اور لوٹے ہوئے تبرکات بھجوا دے تاکہ ہم اپنے بچھڑے ہوئے عزیزوں سے مل لیں اور جی کھول کر نوحہ و ماتم کر لیں۔

الغرض ایک مدت تک اسیری کے مصائب اُٹھانے کے بعد اہلِ حرم زندانِ شام سے نکل کر دمشق کے ایک مکان میں فروکش

ہوئے۔ حسینؑ مظلوم اور دیگر شہدائے کربلا کی صفِ ماتم بچھی۔ سیدانیوں نے سیاہ لباس پہلے، نوحہ و ماتم کی صدائیں بلند ہوئیں، جوق در جوق زن و مرد پرسے کو آنے لگے۔ منقول ہے کہ جب یزید نے سرہائے شہداء کو واپس کیا تو اس وقت اہلِ حرم میں ایک عجیب کہرام بپا تھا۔ جب کوئی سر آتا تھا تو سیدانیاں اپنا سر کھول کر نوحہ و ماتم کرتی تھیں اور جس بی بی سے وہ سر متعلق ہوتا تھا، وہ آگے بڑھ کر اپنی گود میں لے لیتی تھی۔

پہلے بالترتیب انصارِ حسینؑ کے سر آئے، سیدانیوں نے اُن پر اسی طرح ماتم کیا جیسے خاص اپنے عزیزوں پر کیا جاتا ہے۔ ان کے بعد بنی ہاشم کے سر آنا شروع ہوئے۔ جب عونؑ و محمدؑ کے سر آئے تو جنابِ زینبؑ نے چھاتی سے لگالیا۔ گرد و غبار سے اَٹے ہوئے چہروں کے بوسے لئے اور فرمایا: اے فرزندو! دکھیا ماں تمہاری شکر گزار ہے کہ تم نے کربلا میں میری آبرو رکھ لی۔ اس کے بعد امام حسن علیہ السلام کے یتیم جنابِ قاسمؑ کا سر آیا، جنابِ اُم فروہ نے دوڑ کر چھاتی سے لگایا اور پھر وہ رو رو کر بین کرنے لگیں: اے میرے فرزند! تیری جوانی کیسی خاک میں مل گئی۔ آہ! اب یہ کوکھ جلی ماں کس کے سہارے جئے گی۔ اس کے بعد حسینؑ کے کڑیل جوان، شبیہِ پیغمبرؐ علی اکبرؑ کا سر آیا، سیدانیاں "وَا اَکْبَرَاہُ، وَاقُرَّۃَ عَیْنَاہُ" کی صدائیں بلند کرتی، ماتم کرتی ہوئی استقبال کو بڑھیں۔ جنابِ زینبؑ نے بڑھ کر سرِ علی اکبرؑ گود میں لیا اور رو کر کہنے لگیں: آہ بیٹا! ظالموں نے تیری چاندسی صورت خاک میں ملادی۔

آہ! میرے کڑیل جوان! تجھے کس کی نظر کھا گئی؟ آہ! کیا میں نے اٹھارہ برس اسی لئے محنت کی تھی کہ ظالموں کے تیر و نیزہ کا نشانہ بناؤں؟ بیٹا! میرے سب ارمان خاک میں مل گئے۔ جنابِ اُم لیلیٰ نے جنابِ زینبؑ سے علی اکبر کا سر لے کر چھاتی سے لگایا، رخساروں کے بوسے لئے اور ایسے دل خراش بین کئے کہ کہرام بپا ہوگیا۔ آہ ___ قمر بنی ہاشم جنابِ عباس علیہ السلام کا سر آیا، جنابِ اُم کلثومؑ ہاتھ پھیلا کر آگے بڑھیں اور فرمانے لگیں: بھیا عباسؑ! آپؑ کربلا میں میری طرف سے ماں جائے حسینؑ کا فدیہ بنے تھے، دکھیا بہن آپؑ کے سر کے قربان جائے، میری گود میں آیئے۔ تمام سیدانیاں سر کے گرد جمع ہو کر سقائے اہلِ حرم کا ماتم کرتی رہیں۔ آہ! اس کے بعد ایک چھوٹا سا سر آیا، جنابِ ربابؑ بڑھیں اور سر کو چھاتی سے لگا کر فرمانے لگیں: بیٹا علی اصغرؑ! مجھے خبر نہ تھی کہ یہ ظالم تمہاری دودھ بڑھائی تیرِ ستم سے کریں گے۔ بیٹا! تمہیں میرے بغیر کیسے چین آیا؟ آہ! ظالموں نے میری گود خالی کردی۔ آہ! ظالم نے میرے سینے پر وہ تیر مارا ہوتا جو تیرے سوکھے گلے پر مارا۔ ہر بی بی باری باری وہ ننھا سر اپنی گود میں لے کر اسے پیار کرتی تھی۔ آہ! جب امامِ مظلوم علیہ السلام کا سر آیا تو تمام سیدانیاں بیتابانہ "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ" کہتی دوڑیں اور "وَاحُسَیْنَاہُ، وَامَظْلُوْمَاہُ" کا شور برپا ہوگیا۔ جنابِ زینبؑ نے بڑھ کر سرِ اقدس اپنی گود میں لے لیا اور پھر دھاڑیں مار کر رونے لگیں اور پھر فرمایا:

"یَااَخِیْ یَااَخِیْ اَیُّ الْمَطَالِبِ اَشْتَکِیْ فِرَاتُکَ اَوْ ذُلِّیْ وَھَتَکِیْ وَغُرْبَتِیْ".

"اے میرے ماں جائے، اے میرے شہید برادرؑ! دکھیا بہن کس کس مصیبت کو بیان کرے۔ آپؑ کی جدائی بیان کروں یا اپنی ذلت اور بازارِ کوفہ و شام کی تشہیر کا حال یا دربارِ ابن زیاد و یزید میں جو ہتک ہوئی ہے، اُس کو بیان کروں؟"

مؤمنین! اس وقت سیدانیوں کے دردناک بین سے زمین و آسمان ہل رہے تھے۔

# اسیرانِ اہلِ بیتؑ کی قید سے رہائی

ایک روز یزید نے امام سجاد علیہ السلام کو بلوایا، جب سے آپؑ یزید کے پاس گئے تھے، جنابِ زینبؑ کی پریشانی کا یہ عالم تھا کہ کبھی درِ زندان پر آتی تھیں اور کبھی ہاتھ اٹھا کر بارگاہِ الٰہی میں دعا کرتی تھیں۔ جب حضرتؑ داخلِ زندان ہوئے تو آپؑ بھتیجے سے لپٹ گئیں اور فرمانے لگیں: بیٹا! آپؑ کو یزید نے کیوں بلایا تھا؟ فرمایا: پھوپھی اماں! آج اُس نے ہم کو رہا کردیا ہے۔ اب یہ بتایئے کہ آپؑ یہاں رہنا چاہتی ہیں یا مدینہ جانا چاہتی ہیں؟ فرمایا: بیٹا! میں تو ابھی شہیدوں کی صفِ ماتم بھی نہیں بچھا سکی۔ ابھی اپنے ماں جائے کو دل کھول کر رو بھی نہیں سکی۔ یزید سے کہو کہ ہمارے لئے ایک گھر دمشق میں خالی کروادے تاکہ ہم مجلسِ غم برپا کرسکیں۔ امامِ سجادؑ نے جب یزید سے کہا تو اُس نے ایک مکان خالی کروادیا۔

آہ ___ ایک مدت کے بعد مصیبت کی ماری بیبیاں، بیکس بیبیاں، زندان سے نکلیں اور اُس مکان میں منتقل ہوئیں۔ جنابِ زینبؑ نے فرمایا کہ اس گھر پر ایک علَمِ سیاہ نصب کرو تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ بہتر (۷۲) کے سوگوار اس گھر میں مصروفِ نوحہ و بکا ہیں اور ہمارے لئے سیاہ لباس تیار کرواؤ اور یزید سے کہو کہ زنانِ دمشق کو ہمارے پاس پُرسے کیلئے آنے کی اجازت دی جائے، ہمارے لوٹے ہوئے تبرکات واپس کردے اور ہمارے شہیدوں کے سر ہمارے پاس بھیج دے۔

جب دمشق کی عورتوں کو پتہ چلا کہ اہلِ حرم قید سے چھوٹ کر فلاں گھر میں آگئے ہیں تو شہر کی وہ عورتیں جن کو اہلِ حرم سے ہمدردی تھی، آنا شروع ہوگئیں۔ ایک ایک بی بی سے پُرسانِ حال ہوئیں۔ کوئی جنابِ ربابؑ کے پاس بیٹھ کر پوچھنے لگی: بی بیؑ! تم پر کیا گزری ہے؟ انہوں نے رو رو کر کہنا شروع کیا: آہ! کیا بتاؤں، میرا چھ مہینہ کا بچہ تین دن کا بھوکا پیاسا ظالموں نے تیرِ ستم سے شہید کردیا اور اُس معصوم کا سر نیزے پر بلند کیا۔ کسی نے جنابِ اُمِ لیلیٰ سے پوچھا: بی بیؑ! تمہارا کون مارا گیا؟ انہوں نے فرمایا: آہ! میرا کڑیل جوان بیٹا، شبیہِ پیغمبرؐ، جسے اٹھارہواں سال تھا، ظالموں نے نیزے مار مار کر شہید کیا۔ اُمِ فروہ سے کسی عورت نے پوچھا: آپؑ نے کہا: میرے بچے کو، جو یتیم تھا، ظالم نے تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔ اس کی لاش کو پامال کیا۔ اُمِ کلثومؑ سے پوچھا تو فرمایا: میرا ۳۲ برس کا بھائی، جو علمدارِ فوجِ حسینی تھا، ظالموں نے اُس کے شانے کاٹے، گرز مار کر اُس کا سر شق کیا۔ ایک عورت نے جنابِ زینبؑ سے پوچھا: بی بیؑ! تم کس کی سوگوار ہو؟ فرمایا: آہ! کس کس کو بتاؤں کہ میری ماں کا ہرا بھرا باغ اُجڑ گیا۔ میرا بھائی پنجتنؑ کی آخری نشانی، پیغمبرِ خدا کا جانی، فاطمہ زہراؑ کا لعل، علیؑ کا جگر گوشہ، حسینؑ زخموں سے چور چور ہو کر شہید ہوا۔ میرے دو لعل ظالموں نے ذبح کردیئے۔ بی بی! ہم بہتر (۷۲) کے سوگوار ہیں، اپنی کس کس مصیبت کو بیان کریں؟

ہم پر پانی بند کیا گیا، ہمیں امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد اس طرح لوٹا گیا کہ کسی بی بی کے سر پر چادر تک نہ چھوڑی۔

ہمارے خیموں میں آگ لگائی گئی، بے پالان اونٹوں پر بٹھا کر کربلا سے کوفہ لائے، بازاروں میں تشہیر کیا، دربارِ ابن زیاد میں کھلے سر لے گئے۔ وہاں سے اسی طرح ہمیں دمشق لائے، ہم تمہارے شہر میں ایک تماشہ بنے۔ تمہارے شہر کی عورتوں نے ہم پر صدقہ کی روٹیاں پھینکیں، خرمے پھینکے، ہماری اسیری پر عید منائی۔ ہم کو رسیوں میں باندھ کر کھلے سر دربارِ یزید میں لے گئے۔ پھر ہمیں ایک تاریک قید خانہ میں بند کیا گیا۔ کسی نبی کی اولاد کو اس کی اُمت نے اتنا نہیں ستایا جیسا کہ ہم ستائے گئے۔ کسی نبی کے کنبہ کی اس طرح توہین نہیں کی گئی جس طرح ہماری کی گئی۔ آہ! جس نبی کا مسلمان کلمہ پڑھتے ہیں اُس کی اولاد، اُس کے کنبے سے یہ سلوک؟ بے گناہوں پر یہ ظلم؟ ایک روز ظالموں کو خدا اور رسولؐ کی عدالت میں اس ظلم کا جواب دینا ہوگا۔

یہ باتیں سن کر زنانِ شام نے اپنا منہ پیٹ لیا اور رو کر کہنے لگیں: آہ! ہمیں اس ظلم کی خبر نہ تھی، خدا یزید پر لعنت کرے اور اس کی حکومت تباہ ہو کہ اُس ظالم نے اولادِ رسولؐ کو ذبح کیا اور ناموسِ رسولؐ کو بے پردہ بازاروں میں پھرایا اور درباروں میں بلایا۔

❁ ❁ ❁

# شام میں ماتمِ حسینؑ

مروی ہے کہ جب اہلِ حرم قیدِ یزید سے رہا ہو کر دمشق کے ایک مکان میں آئے اور صفِ ماتم بچھی تو دمشق کی عورتیں پُرسے کیلئے سیدانیوں کے پاس آنے لگیں۔ ایک نابینا عورت بھی آئی، وہ محبانِ اہلِ بیتؑ میں سے تھی۔ جنابِ زینبؑ کے قدموں پر گر کر بے تحاشا روئی۔ اس وقت جو تبرکات فوجِ یزید نے کربلا میں لوٹے تھے، یزید نے بھجوائے۔ سیدانیوں میں کہرام بپا ہوا، سروں سے اُتری ہوئی چادریں واپس ملیں، شہیدوں کے خون آلود لباس، علَمِ حسینی کا خون سے بھرا ہوا پھریرا بھی آیا۔ ایک ایک چیز کو دیکھ کر بیبیاں زار زار روتی تھیں۔ اس نابینا عورت نے کہا: بی بیؑ! ان تبرکات میں سے مجھے بھی کچھ دے دو۔ جنابِ زینبؑ نے امام حسینؑ کے عمامے سے تھوڑا سا کپڑا جدا کر کے اس عورت کو دے دیا۔ اُس نے اپنی آنکھوں سے لگایا اور عرض کی: مولا حسینؑ! میری آنکھوں کو روشن کیجئے۔ خدا کی قدرت سے اُس کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ کوئی صاحب اس پر تعجب نہ کرے۔ بعید از عقل نہ سمجھیں، اگر یوسفؑ کے پیراہن میں یہ کرامت ہو سکتی ہے کہ یعقوبؑ کی گئی ہوئی بینائی واپس لے آئے تو امام حسینؑ کے عمامہ میں یہ اثر کیوں نہیں ہو سکتا؟

منقول ہے کہ جب اہلِ حرم قید سے رہا ہو کر اس گھر میں آئے تو جنابِ زینبؑ نے امام زین العابدین علیہ السلام سے فرمایا کہ یزید سے کہو کہ وہ ہمارے شیعوں کے سر بھی دیدے تاکہ ہم اپنے بچھڑوں سے مل لیں اور اپنے ساتھ کربلا لے جا کر دفن کر دیں۔ چنانچہ یزید نے منظور کر لیا اور سرہائے شہداء روانہ کئے گئے۔ جس شہید کا سر آتا تھا، جو بی بی اُس سے متعلق ہوتی تھی، وہ اس کے سر کو گود میں لے لیتی تھی اور سیدانیاں اُس پر ماتم کرتی تھیں۔

کسی کے پاس حُر کا سر تھا، کسی کی گود میں حبیب کا، کسی کے پاس مسلم ابن عوسجہ کا، کسی کے پاس بُریر کا۔ انصار کے سروں کے بعد بنی ہاشم کے سر آئے۔ قاسمؑ کا سر آیا، اُمِ فروہ نے بڑھ کر لیا۔ سیدانیوں نے دل کھول کر حسنؑ کے یتیم پر ماتم کیا۔ پھر عونؑ و محمدؑ کے سر آئے، زینبؑ نے دوڑ کر اپنے بچوں کو چھاتی سے لگایا۔ جب شبیہِ پیغمبر علی اکبرؑ کا سر آیا تو ماں، پھوپھی اور دوسری بیبیاں ہائے اکبرؑ، ہائے اکبرؑ کی صدائیں بلند کرتی تھیں۔ جنابِ زینبؑ نے اپنے بچوں کے سر زمین پر رکھ کر علی اکبرؑ کا سر آغوش میں لے لیا اور وہ دلخراش بین کئے کہ زمین و آسمان ہل گئے۔ اس کے بعد قمر بنی ہاشم، سقائے اہلِ حرم کا سر آیا تو ہائے عباسؑ، ہائے عباسؑ کی صداؤں سے حشر برپا ہو گیا۔ جنابِ اُم کلثومؑ نے بڑھ کر عباسؑ کا سر یہ کہہ کر اپنی گود میں لے لیا: بھیا عباسؑ! آپؑ کربلا میں میری طرف سے فدیۂ راہِ خدا بنے تھے، میری آغوش میں آیئے۔

آہ! جب ایک چھوٹا سا سر، سوکھے ہونٹ والا، علی اصغرؑ شیر خوار کا آیا تو ربابؑ ماتم کرتی ہوئی دوڑ پڑیں اور جلدی سے اپنے اصغرؑ کا سر لیا اور پیشانی چومی، آنکھوں سے لگا کر کہا: اصغرؑ! دیکھا، ماں کو چھوڑ کر کہاں چلا گیا تھا؟ بیٹا! تیرا خالی جھولا جب یاد آتا ہے تو کلیجے پر خنجر چلتے ہیں۔ آہ! ظالموں نے تجھ جیسے معصوم کی پیاس تیرِ ستم سے بجھائی۔ آہ ___ میری کوکھ اُجڑ گئی۔ میری آرزوؤں پر پانی پھر گیا۔

آہ! جب مظلومِ کربلا کا سر آیا تو کہرام بپا ہوا، ''وَاحُسَیْنَاہُ، وَامُحَمَّدَاہُ، وَاعَلِیَّاہُ'' کی صدائیں ہر طرف سے بلند ہوئیں ہر بی بی دوڑی اور کہا:

''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَااَبَاعَبْدِاللّٰہ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہ''.

جنابِ زینبؑ نے بڑھ کر امامِ مظلوم کے سرِ اقدس کو لے لیا اور رو کر کہنا شروع کیا:

''یَااَخِیْ یَااَخِیْ اَیُّ الْمَطَالِبِ اَشْتَکِیْ فِرَاتُکَ اَوْ ذُلِّیْ وَھَتکِیْ وَغُرْبَتِیْ''.

''میرے پیارے بھیا! کس مصیبت کو بیان کروں؟ آپؑ کی جدائی کا صدمہ یا اپنی ہتک یا اپنی ذلت یا اپنی عالمِ غربت کی تکالیف؟''

یَاھِلَالًا لَمَّااسْتَتَمَّ کَمَالًا غَالَۃً خَسْفُہٗ فَاَبْدَاء غُرُوْبًا

''اے میری ماں کے چاند! ابھی تو کمال کو بھی نہ پہنچا تھا کہ تجھے گہن لگا اور تو غروب ہو گیا''۔

یَااَخِیْ یَااَخِیْ فَاطِمَۃُ الصَّغِیْرَۃ کُلِّمْھَا فَکَادَقَلْبُھَا اَنْ یَّذُوْبَا

''میرے بھیا! چھوٹی سی فاطمہ (سکینہؑ) سے کچھ تو باتیں کر لو، قریب ہے کہ اس کا قلب صدمہ سے پگھل جائے''۔

ایک ہفتہ تک یہ صفِ ماتم بچھی رہی۔ رات دن ماتم ہوا۔ اس کے بعد مدینے جانے کی تیاری ہوئی۔ یزید نے حکم دیا کہ اونٹوں پر شاندار عماریاں چاندی سونے کی رکھی جائیں اور ان پر ریشمی پردے ڈالے جائیں۔ جب یہ سجے اونٹ دروازے پر آ کر کھڑے ہوئے اور جنابِ زینبؑ کی نظر ان عماریوں پر پڑی تو سر پیٹ لیا۔ آہ! ہم کہاں ان عماریوں کے قابل رہے؟ شہر شہر، کوچہ کوچہ، دیار دیار تشہیر کے بعد اب ان میں کون بیٹھے گا؟ آہ! تمام کنبے کو گنوا کر، اپنا سارا گھر لٹا کر میں ان عماریوں میں بیٹھوں گی؟ بیٹا علیؑ ابن الحسینؑ! ان کو واپس کرو اور یزید سے کہو کہ ان عماریوں پر کالے پردے ڈلوا دے تا کہ معلوم ہو کہ بہتر (۷۲) کے سوگوار آ رہے ہیں۔ ہر عماری پر ایک سیاہ نشان نصب ہو۔

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور بشیر بن جذلم کی ماتحتی میں پچاس سوار دے کر کہا کہ ان بیبیوں کو بحفاظت مدینہ پہنچا دے۔

❁ ❁ ❁

# اہلِ حرم کی کربلا میں واپسی

اسیرانِ کربلا کی فریاد کا اثر تھا کہ دنیائے اسلام میں امامِ مظلوم کی شہادت کے بعد ہلچل مچ گئی اور ہر طرف سے بے چینی کے آثار نظر آنے لگے۔ یزید اہلِ حرم کو قید میں گھٹا گھٹا کر مار دیتا لیکن ہر طرف شورش کے آثار دیکھ کر اُس نے بھی مناسب سمجھا کہ ان کو رہا کر دیا جائے۔

چنانچہ جب بشیر ابن جذلم کی نگرانی میں یہ قافلہ روانہ ہوا تو پھر ایک ایک منزل پر ستم رسیدہ بیبیوں کو یزید کے مظالم بیان کرنے اور اس کی بدکرداری کی قلعی کھولنے کا موقعہ ملا۔ اگر یزید کچھ دن زندہ رہتا تو پھر مسلمان اُس کی سلطنت کو درہم برہم کر کے اس کے ٹکڑے اُڑا دیتے۔ جو حشر قاتلانِ حسینؑ کا جنابِ مختار ثقفی کے ہاتھوں ہوا، وہی یزید کا ہوتا۔

بہرحال جب اہلِ حرم کا قافلہ دمشق سے روانہ ہوا تو جنابِ زینب سلام اللہ علیہا نے امام زین العابدین علیہ السلام سے فرمایا: بشیر سے کہو کہ ہم کو کربلا کی راہ سے مدینہ لے جائے۔

لکھا ہے کہ جب حسینؑ کے قتل کی خبر مدینہ پہنچی تو تمام مدینہ میں عموماً اور بنی ہاشم میں خصوصاً قیامت برپا ہوگئی۔ اصحابِ رسولؐ تڑپ گئے۔ جنابِ جابر بن عبداللہ انصاری، جو اہلِ بیتِؑ رسولؐ کے بہت بڑے محبّ تھے، اسی روز سے اس خیال میں رہنے لگے کہ کسی طرح جلد سے جلد کربلا پہنچ کر حسین علیہ السلام کی قبر کی زیارت کروں۔ اوّل تو یہ نابینا، پھر عالمِ پیری، پھر حکومت کی تشدد پسندی کی وجہ سے کسی قافلہ کا عازمِ کربلا نہ ہونا، ایک سال تک جابر کو کربلا جانے سے روکے رہا۔

آخر دوسرے سال کوفہ جانے والے ایک قافلے کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ ایک منزل پر قافلے سے جدا ہو کر کربلا کا راستہ اختیار کیا۔ اپنے غلام سے کہا کہ جب کربلائے معلیٰ آجائے تو مجھے خبر دینا۔

جب جنابِ جابر میدانِ کربلا میں پہنچے تو غلام نے ایک دہقان سے پوچھا: اس سرزمین کا کیا نام ہے؟ اُس نے کہا: کربلا۔ یہ سنتے ہی جنابِ جابر نے رونا شروع کیا اور غلام سے کہا کہ اونٹ کو بٹھا دے تاکہ وہ یہاں سے پیدل چل کر فرزندِ رسولؐ کی قبر تک پہنچیں۔ غلام نے جنابِ جابر کا ہاتھ پکڑا اور لے کر چلا۔ مقتل میں پہنچے تو غلام نے کہا: اے صحابیِ رسولؐ! یہ تو سنسان مقام ہے، یہاں کس سے پوچھوں کہ حسینؑ کی قبر کہاں ہے؟ غلام نے ہاتھ پکڑ کر جب قبروں کے درمیان کھڑا کیا تو جنابِ جابر نے بآوازِ بلند کہا:

''اَلسَّلامُ عَلَیْکَ یَااَبَاعَبْدِاللّٰہ، اَلسَّلامُ عَلَیْکَ یَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہ''.

ناگاہ ایک قبر سے آواز آئی:

''وَعَلَیْکَ السَّلامُ یَاجَابِرُ''.

جنابِ جابر نے کہا: بس یہی قبر ہے فرزندِ رسولؐ کی۔ بیتاب ہو کر قبر پر گرے اور سینے سے لگا کر زار زار رونے لگے اور کسی طرح قبر سے جدا ہونا گوارا نہ کیا۔

ناگاہ غلام نے کہا: اے صحابیِ رسولؐ! قبر سے اُٹھ کر جلد کسی گوشہ میں روپوش ہو جایئے، غالباً آپ کے یہاں آنے کی خبر کسی نے ابن زیاد کو کر دی ہے۔ اُس نے فوج کا ایک دستہ آپ کی گرفتاری کیلئے بھیجا ہے۔ جنابِ جابر بن عبداللہ انصاری نے فرمایا: کیا اچھا ہو کہ یہ بے دین دشمنِ ایمان مجھے بھی قتل کر دیں۔ جب رسولِ خدا کا تمام گھر اُجڑ گیا، بنی ہاشم کا ایک ایک جوان چن چن کر مارا گیا تو اب جینے کا کیا فائدہ؟ تو نظر جما کر دیکھ کہ اس فوج کا رُخ کدھر ہے؟

جب گرد چھٹی تو غلام نے کہا: میرے آقا! میری عقل حیران ہے کہ یہ سامنے سے آنے والا قافلہ کن لوگوں کا ہے؟ ہر اونٹ پر ایک ایک سیاہ علَم ہے، عماریوں پر سیاہ پردے نظر آ رہے ہیں۔ کچھ فوجی جوان ان اونٹوں کے دائیں بائیں ہیں۔ رُخ سب کا ادھر ہی کو ہے۔ جنابِ جابر نے فرمایا: یہ کیا واقعہ ہے؟

جب اہلِ حرم کو معلوم ہوا کہ کربلا میں پہنچ گئے تو بیقراری سے "وَاحُسَیْنَاہُ، وَاحُسَیْنَاہُ" کی صدائیں بلند کیں۔ وہ دردناک نوحے تھے کہ زمین و آسمان ہل رہے تھے۔ جنابِ زینبؑ کے نوحے کا ایک شعر کیسا دردناک ہے، شعر کا ترجمہ یہ ہے:

یاں کس کے ساتھ داخلہ کربلا ہوا　　　لایا تھا جو مدینے سے ہم کو وہ کیا ہوا

الغرض بیبیاں اونٹوں سے اُتریں، نظروں میں پچھلا سماں پھر گیا۔ یہاں دشمن کی ٹڈی دل فوج تھی، یہاں ہمارے خیام تھے۔ یہاں شہیدوں کے لاشے رکھے گئے تھے۔ یہاں ہمارے نوجوان اور بوڑھے قتل ہو کر گرے تھے۔ آہ! یہ وہ ٹیلہ ہے جہاں بی بی زینبؑ شہادتِ حسینؑ کے وقت خیمے سے نکل آئی تھیں۔ اسی طرح سر و سینہ پیٹتے قبروں کے پاس پہنچے۔ ایک ایک بی بی قبروں کو سینے سے لگائے فریاد کر رہی تھی، "وَاحُسَیْنَاہُ، وَعَلِیُ اَکْبَرَاہُ، وَعَبَّاسَاہُ" کے نعرے فضائے کربلا میں گونج رہے تھے۔

جنابِ جابر سمجھ گئے کہ اسیرانِ کربلا رِہا ہو کر آئے ہیں۔ جب امام زین العابدینؑ کی نظر اپنے جد کے بوڑھے صحابی پر پڑی تو فرمایا:

"اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاجَابِرُ ابْنُ عَبْدِاللّٰہِ".

انہوں نے کہا: تم کون ہو؟

فرمایا: "یَاجَابِرُ! اَنَا عَلِیُّ ابْنُ الْحُسَیْنِ".

یہ سنتے ہی جنابِ جابر بیتابانہ امام زین العابدینؑ سے لپٹ گئے اور امام حسینؑ کا پُرسہ دینے لگے۔ فرمایا: اے جابر! کس کس کا پُرسہ دو گے؟ آہ! ہمارا سب گھر تیغوں سے کٹ گیا۔ جوانوں میں میرے سوا کوئی باقی نہیں رہا۔ جابر! ہم پر بڑی بڑی مصیبتیں پڑی ہیں۔ بعد شہادتِ حسینؑ نبیؐ زادیاں اسیر ہوئیں، اُنؑ کے سروں سے چادریں چھینی گئیں۔ اُنؑ کے بازوؤں میں رسیاں باندھی گئیں۔ اُنؑ کو بے پالان اونٹوں پر سوار کر کے بے کجاوہ عماریوں پر کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک لے گئے۔ ہمیں بازاروں میں تشہیر کیا گیا۔ ہمیں درباروں میں

لے گئے۔ میرے پاؤں میں بیڑیاں تھیں، ہاتھ میں ہتھکڑیاں اور گلے میں طوقِ خاردار۔ آہ__ بیماری کی حالت میں ظالموں نے مجھے پاپیادہ چلایا، میرے پاؤں میں کانٹے چبھے، میری پنڈلیوں پر ورم ہوگیا مگر اُن کو میری حالت پر رحم نہ آیا۔

آہ__ عالمِ غربت میں جب کوئی دوست نظر آتا ہے تو انسان کا دل بھر آتا ہے۔ پہلے واقعات یاد آتے ہیں۔ جب جنابِ زینبؑ نے صحابیِ رسولؐ جنابِ جابر بن عبداللہ انصاری کو دیکھا تو سید سجاد علیہ السلام سے فرمایا: بیٹا! علیؑ و فاطمہؑ کی مظلومہ بیٹی زینبؑ کا جنابِ جابر سے سلام کہو۔ جنابِ جابر دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے کاش! میں مرگیا ہوتا کہ آلِ رسولؐ کی روح فرسا داستان کو نہ سنتا۔ جنابِ جابر نے پوچھا: قمر بنی ہاشم ابوالفضل العباسؑ کہاں ہیں؟ امام سجادؑ نے فرمایا: اے جابر! اُن کے شانے لبِ نہر کاٹے گئے۔ وہیں اس عاشقِ حسینؑ نے اپنا دم توڑا۔ بابا جان ان کی لاش یہاں تک نہ لا سکے۔ وہ وہیں دفن ہیں۔ جابر نے کہا: مجھے لے چلو، میں اُس قبر کا طواف بھی کرلوں۔ اُس لحد کو بھی سینے سے لگالوں۔

امام زین العابدین علیہ السلام جنابِ جابر کو لئے ہوئے فرات کے کنارے پہنچے۔ وہاں دیکھا کہ ایک دہقان مصروفِ کاشت ہے۔ جب قبرِ عباسؑ پر آوازِ گریہ سنی تو وہ قریب آیا اور آنکھوں میں آنسو بھر کر کہنے لگا: ایک سال کا عرصہ ہوا کہ اس سرزمین پر میں نے ایسا ہولناک واقعہ دیکھا کہ عمر بھر نہ بھولوں گا۔

محرم کی دوسری تاریخ کو یہاں تھوڑے سے آدمیوں کا قافلہ اُترا تھا جس میں کچھ جوان تھے، کچھ بوڑھے، کچھ بچے تھے اور کچھ عورتیں تھیں۔ یکایک شاہی فوج نے اُن کو گھیر لیا اور اُن کے خیمے اس دریا کے کنارے سے ہٹا دیئے گئے۔ ساتویں محرم سے ان غریبوں پر پانی بند ہوگیا۔ دسویں محرم کی رات کو میں نے شب بھر ان خیموں سے آوازِ العطش سنی۔ تمام رات میں ان کی بیکسی پر روتا رہا۔ صبح کو میدانِ کارزار گرم ہوا۔ اس چھوٹے سے لشکر نے تین دن کی بھوک پیاس میں وہ دلیرانہ جنگ کی کہ دشمن پر خوف و ہراس طاری ہوگیا۔ اس چھوٹی سی فوج کے کیسے کیسے خوبصورت جوان مارے گئے۔ ان کی نورانی صورتیں میری آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہیں۔ ایک جوان تو ہو بہو ہمارے پیغمبرؐ سے مشابہ تھا۔

آہ__ ظالموں نے اُسے نیزہ مار کر گھوڑے سے گرادیا۔ ایک بار دو بھائی، چاند سے مکھڑے والے، گھوڑوں پر سوار لڑتے لڑتے نہر تک آئے مگر پانی نہ پیا۔ آہ! ظالموں نے ان کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔ جس قبر پر تم رو رہے ہو، یہ اُس فوج کا علمدار تھا۔ جب وہ میدان میں آیا تو ایک سوکھی سی مشک بھی انؑ کے ساتھ تھی۔ میں نے اس کی جنگ دیکھی، کیا کہنا اس بہادر کی تیغ آزمائی کا__ تین دن کی بھوک پیاس میں ایسا لڑا کہ دشمن کی صفیں کی صفیں تلپٹ کردیں۔ دشمنوں نے اس کے شانے قلم کئے، سر پر گرز مارا اور وہ اسی جگہ بے دم ہوکر گر پڑا۔ پھر اس مختصر سی فوج کا سردار لڑنے کو نکلا۔ یہ بادشاہ میدان میں جب آیا تو زخموں سے چور چور تھا۔ تمام لباس خون سے رنگا ہوا تھا۔ بڑی جرأت و ہمت سے اس بادشاہ نے مقابلہ کیا لیکن آخر ہزاروں سے کہاں تک لڑتا۔ جب وہ گھوڑے سے گرا تو خیموں میں کہرام بپا ہوگیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک بی بیؑ انتہائی پریشانی کے عالم میں خیمے سے نکلیں اور ٹیلہ پر آکر فریاد کرنے لگیں۔ مگر اس بیکس کی فریاد کو کون سنتا؟ دشمنوں نے اس بادشاہ کا سر نیزہ پر چڑھادیا۔ پھر ظالموں نے بیکس بیبیوں کی چادریں لوٹیں، خیموں میں آگ لگادی۔

امام زین العابدین علیہ السلام نے رو کر فرمایا: اے بھائی! جس جوان کو سینے پر برچھی لگی، وہ میرا بھائی علی اکبرؑ، شبیہ پیغمبر تھا۔ جو دو بھائی ایک ساتھ نکلے تھے، وہ میری پھوپھی کے بیٹے تھے۔ یہ قبر جس پر ہم رو رہے ہیں، میرے چچا عباسؑ بن علیؑ کی ہے۔ وہ بادشاہِ دین و دنیا جو سب سے آخر میں شہید ہوئے، وہ میرے بابا حسینؑ بن علیؑ تھے۔ جو بی بیؑ اُنؑ کی شہادت کے وقت خیمے سے نکلیں، وہ میری پھوپھی زینبؑ دختر فاطمہ زہراؑ تھیں۔ یہ سن کر اس دہقان کو تابِ ضبط نہ رہی۔ ماتم کرتے اور روتے ہوئے کہا: آہ! مجھے خبر نہ تھی کہ یہ میرے رسولؐ کا گھرانہ ہے؟ خدا لعنت کرے ان ظالموں پر جنہوں نے اپنے رسولؐ کی اولاد کو اس بیدردی سے ذبح کیا۔

ماتم میں تین روز رہے شور شین سے　　　روئے لپٹ لپٹ کر ضریحِ حسینؑ سے

اس کے بعد کربلائے حسینؑ سے رخصت ہو کر جانب مدینہ روانہ ہوئے۔

❁ ❁ ❁

# اسیرانِ کربلا کی رہائی کے بعد مدینہ کی طرف روانگی

یزید نے اپنے سپہ سالارِ فوج کو ایک دستہ کے ساتھ بحفاظت مدینہ پہنچانے کیلئے معین کیا۔ چنانچہ امام زین العابدین علیہ السلام مع اہلِ حرم روانہ ہوئے۔ جنابِ زینبؑ نے فرمایا: بیٹا سجادؑ! بشیر سے کہو کہ ہمیں پہلے کربلا کی طرف لے چلے۔

لکھا ہے کہ جنابِ جابر بن عبداللہ انصاری، صحابیِ رسولؐ امام حسینؑ کی قبر مطہر کی زیارت کرنے کیلئے تشریف لائے تھے۔ چونکہ نابینا تھے، اس لئے غلام سے کہہ دیا کہ جب کربلا کی سرزمین آئے تو مجھے بتا دینا۔ چنانچہ جب وہاں پہنچے تو غلام نے جنابِ جابر کو آگاہ کیا۔ آپ فوراً اونٹ پر سے اُتر پڑے اور عمامہ سر سے پھینک دیا، پیروں سے جوتے اتار دیئے اور روتے پیٹتے آگے بڑھے۔ پھر آپ نے غلام سے فرمایا کہ مجھے فرزند رسولؐ کی قبر پر لے چل۔ اُس نے کہا: یہاں تو چند قبریں ہیں، کچھ پتہ نہیں چلتا۔ فرمایا: تو مجھے قبروں کے درمیان کھڑا کردے۔ غلام نے ایسا ہی کیا۔ آپ نے فرمایا:

"اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَااَبَاعَبْدِاللّٰہ".

ایک طرف سے آواز آئی:

"وَعَلَیْکَ السَّلَامُ یَاجَابِرُ".

جنابِ جابر سمجھ گئے کہ یہی جنابِ امام حسین علیہ السلام کی قبر مبارک ہے۔ قبر سے لپٹ گئے اور زار زار رونے لگے۔ اسی اثناء میں غلام نے کہا: اے صحابیِ رسولؐ! مجھے کوئی فوج اس طرف آتی نظر آرہی ہے۔ فرمایا: ذرا نظر جما کر دیکھو کہ یہ کون لوگ ہیں؟ غلام تادیر دیکھتا رہا۔ جب گرد ہٹی تو کالے کالے عَلَم اور سیاہ پردے اونٹوں کے کجاووں پر پڑے نظر آئے۔ غلام نے کیفیت بیان کی۔ جنابِ جابر اٹھ کھڑے ہوئے۔ تھوڑی دیر میں "وَاحُسَیْنَاہُ، وَاحُسَیْنَاہُ" کی آوازیں آئیں۔ اونٹ بٹھائے گئے اور کچھ بیبیاں اونٹوں سے اُتریں اور نوحہ و ماتم شروع کیا۔ آہ! جونہی بیمارِ کربلا کی نظر جنابِ جابر پر پڑی، بے اختیار لپٹ گئے اور فرمایا: ہمارا گھر تباہ ہوگیا، حضرت امام حسینؑ شہید کردیئے گئے، ہمیں اسیر کرکے دربدر پھرایا گیا۔ درباروں میں ہماری بیبیوں کو سر کھلے لے گئے۔ اب ہم قید سے رِہا ہوکر آئے ہیں۔ جنابِ جابر غش کھا کر گر پڑے۔ جب ہوش آیا تو دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ وہ روز اہلِ حرم کربلا میں رہے۔ قریب تھا کہ روتے روتے ہلاک ہوجاتے۔

بشیر نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے عرض کی: مولاؑ! اب مدینہ چلنے کا اہتمام کیجئے۔ ابھی سفر بہت زیادہ ہے۔ الغرض انتہائی غم اور دکھ کے ساتھ کاروانِ اہلِ بیتؑ کربلائے حسینؑ کو رخصت کرکے مدینہ کو روانہ ہوا۔ جب مدینہ کے قریب پہنچے اور شہر کے در و دیوار نظر آنے لگے تو جنابِ اُمِ کلثومؑ نے رو رو کر یہ اشعار پڑھے:

مَدِیْنَۃُ جَدِّنَا لَا تَقْبَلِیْنَا
فَبِالْحَسَرَاتِ وَالْاَحْزَانِ جِئْنَا
خَرَجْنَا مِنْکَ بِالْاَھْلِیْنَ جَمْعًا
رَجَعْنَا لَا رِجَالَ وَ لَا بَنِیْنَا

''اے ناناؐ کے مدینے! ہم تجھ میں آنے کے قابل نہ رہے کیونکہ ہم غم والم کی تصویر ہیں۔ جب نکلے تھے تو بھرا کنبہ ساتھ تھا۔ آہ___اب نہ مرد ہیں نہ بچے''۔

امامِ سجادؑ نے بشیر سے فرمایا: مدینہ میں جا کر ہمارے آنے کی خبر کر دے۔ بشیر جب محلہ بنی ہاشم میں پہنچا تو کئی بار آواز دے کر کہا:

''قُتِلَ الْحُسَیْنُ بِکَرْبَلَا''۔

بشیر مدینہ میں یہ شعر پڑھتا ہوا داخل ہوا:

یَااَھْلَ یَثْرَبَ لَامُقَامَ لَکُمْ بِھَا
قُتِلَ الْحُسَیْنُ فَاَدْمُعِیْ مِدْرَارَ

''مدینہ والو! اب مدینہ تمہارے رہنے کی جگہ نہیں۔ حسینؑ قتل کر دیئے گئے۔ پس میرے آنسو جاری ہیں''۔

یہ آواز سنتے ہی لوگ گھروں سے نکل پڑے اور کہنے لگے: اے بُری خبر دینے والے! کیا فرزند رسولؐ حسینؑ ابن علیؑ قتل کر دیئے گئے؟ کیا مدینہ پنجتنؑ پاک سے خالی ہو گیا؟ بشیر کہتا ہے کہ جب میں محلّہ بنی ہاشم میں پہنچا اور آواز بلند کی، یہ سنتے ہی بنی ہاشم کے گھروں سے رونے کی صدائیں آنے لگیں۔ ایک بچی برقعہ پوش عصا کے سہارے نہایت بیتابانہ انداز میں گھر سے نکلی اور گھبرا کر پوچھنے لگی: اے شخص! کیا خبر سنا رہا ہے؟ کیا میں یتیم ہو گئی؟ اے شخص! کیا تجھ کو ہمارے کنبہ کی بھی خبر ہے؟ میں نے کہا: بی بی! کربلا کا لٹا ہوا قافلہ شہر سے باہر آیا ہوا ہے۔ یہ سنتے ہی فاطمہ صغریٰ بیتابانہ دوڑتی ہوئی محمد بن حنفیہ کی خدمت میں آئیں اور اُن سے لپٹ کر کہنے لگیں: چچا جان! آپ کا گھر تباہ ہو گیا۔ بابا حسینؑ مارے گئے۔ میں یتیم ہو گئی۔ لٹا ہوا کنبہ واپس آیا ہے۔ یہ سنتے ہی جنابِ محمد حنفیہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور فاطمہ صغریٰ کو لے کر کنبے سے ملنے کو چلے۔ جب قریب پہنچے:

''وَرَایٰ اَعْلَامَ السُّوْدِ فَخَرَّ مَغْشِیًّا عَلَیْہِ''۔

جونہی سیاہ نشان نظر آئے، غش کھا کر گر پڑے۔ جب ہوش آیا اور بیمارِ کربلا پر نظر پڑی تو بیتابی سے دوڑے اور یتیم بھتیجے کو چھاتی سے لپٹا کر رونے لگے۔

امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: چچا جان! مجھے آہستہ سے ملیں، میرا سینہ زخمی ہے۔ یہ کہہ کر عبا کا بٹن کھول دیا۔ اب جو جنابِ محمد حنفیہ کی نظر پڑی تو سینہ پر ایک زخم دکھائی دیا۔ پوچھا: یہ زخم کیسا ہے؟ فرمایا: چچا! دیکھئے یہ سیاہ نشان ان بیڑیوں کے ہیں جو میرے

پاؤں میں پہنچائی گئی تھیں ۔ یہ سن کر جناب محمد حنفیہ کا غم سے عجیب حال ہو گیا۔ پھر فرمایا: اے فرزند! کچھ حال اپنے بھائی کا تو بیان کرو؟

**"قُتِلَ مَظْلُوْمًا دَمًا عَطْشَانًا".**

آہ! ظالموں نے تین دن کا بھوکا پیاسا شہید کر ڈالا۔ لاش بے گور و کفن چھوڑ دی، سرِ اقدس کاٹ کر نیزہ پر چڑھایا۔ پوچھا: میرے بھائی قمر بنی ہاشم کہاں تھے؟ فرمایا: بابا جان سے پہلے ہی لبِ فرات ہاتھ قلم کر کے شہید کر دیا گیا اور علی اکبرؑ برچھی کھا کر جامِ شہادت نوش فرما گئے۔ چچا جان! بھرے گھر میں میرے سوا کوئی باقی نہیں۔ حد یہ ہے کہ ظالموں نے علی اصغر کو تیر ستم کا نشانہ بنا دیا۔

آہ___ جب بھائیوں کی ترسی بہن زینبؑ کو معلوم ہوا کہ محمد بن حنفیہ آئے ہیں تو زار زار روتی ہوئی ان کے پاس آئیں اور گلے میں بانہیں ڈال کر کہنے لگیں: بھیا محمد! مظلومہ بہن کو مظلوم بھائی کا پُرسہ نہیں دیتے؟ آہ! سب کنبے کو کھو کر آئی ہوں۔ بھیا محمد! ایک گھر سے اٹھارہ جنازے چند گھنٹے کے اندر نکل گئے۔ آہ! ظالموں نے ہمارے خیموں میں آگ لگا دی۔ ہمیں ایسا لوٹا کہ کسی بی بی کے سر پر چادر تک نہ چھوڑی۔ آہ بھیا محمد___ تمہاری بہنیں، بھاجیں بازارِ کوفہ و شام میں تشہیر کی گئیں، درباروں میں پھرائی گئیں۔ آہ بھیا! ہمارے شانوں میں رسیاں باندھی گئیں۔ دیکھو یہ میرے بازوؤں پر رسی کے نشان ہیں۔ اس کے بعد محمد بن حنفیہ اور لوگوں سے مل کر روتے رہے۔ ایک عجیب کہرام بپا تھا۔ ایک طرف محمد بن حنفیہ بچھڑے کنبے سے مل کر رو رہے تھے، دوسری طرف فاطمہ صغریٰ پچھاڑیں کھا رہی تھیں اور ایک ایک کو گلے سے لگا کر رو رہی تھیں اور ایک ایک بی بی کی گود کو غور سے دیکھتی جاتی تھیں۔

جنابِ ربابؑ نے پوچھا: بیٹی! کیا دیکھ رہی ہو؟ کہنے لگیں: اپنے بھیا علی اصغر کو ڈھونڈ رہی ہوں۔ فرمایا: علی اصغر کہاں؟ ظالموں نے اُسے تیر سے شہید کر دیا۔

الغرض یہ قافلہ مدینہ میں داخل ہوا۔ پہلے رسولؐ خدا کے روضے پر پہنچ کر وہ دردناک بین کئے کہ سننے والوں کے کلیجے ہل گئے۔ وہاں سے روتے پیٹتے روضہ سیدہؑ پر پہنچے اور ایک ایک بی بی قبر سے لپٹ کر دیر تک روتی رہی۔ وہاں سے جنابِ امام حسن علیہ السلام کی قبر اطہر پر پہنچ کر نوحہ و ماتم کیا۔ اس کے بعد اُجڑے ہوئے گھر میں آئے۔ سوائے چند مصیبت زدہ بیبیوں کے اور وہاں کون تھا۔ تمام زنانِ بنی ہاشم اور محلّہ کی عورتیں پُرسے کیلئے جمع تھیں۔ آہ___ بہتر (۷۲) کا ماتم تھا، صبر کیسے آتا۔ روئیں جتنا رو سکتی تھیں۔ اب کیا؟ ان بیکسوں کی ساری عمریں روتے میں گزر گئیں۔

❁ ❁ ❁

# اہلِ حرم کی مدینہ میں واپسی

کربلا سے کوفہ تک اور کوفہ سے شام تک امام زین العابدین علیہ السلام اور اُم المصائب جنابِ زینب سلام اللہ علیہا نے مختلف مقامات پر جو دردناک خطبے بیان کیے، انہوں نے اسلامی سلطنت کے ہر گوشہ میں آگ لگادی اور یزید پر ہر طرف سے لعنت کی بوچھاڑ شروع ہوگئی۔ جہاد کے اِس عنوان میں تبدیلی سے ایک خاص اثر یہ پیدا ہوا کہ لوگ خاموش مقابلہ کی طاقت سے واقف ہوگئے اور صبر وضبط کے بل بوتے پر کامیابی کا طریقہ کار سمجھ میں آ گیا۔ اس میں شک نہیں کہ مصائب وآلام کی کڑی منزلیں امام زین العابدینؑ کی قیادت میں اہلِ حرم نے جھیلیں، وہ انہی کا کام تھا، کوئی دوسرا ہوتا تو گھبرا کر حکومت کے قدموں میں گر پڑتا۔

مگر آلِ رسولؐ کے ثباتِ قدم میں کسی منزل پر بال برابر فرق نہ آیا۔ ایک مدتِ دراز تک دشمن کے قبضہ میں رہنا اور ہر ہر سانس پر روح فرسا مصائب کا سامنا کرنا ان ہی کا کام تھا۔ امام زین العابدین علیہ السلام کے ایک شعر سے صرف شہر دمشق کے مصائب کا کچھ اندازہ ہوسکتا ہے، فرماتے ہیں:

أُقَادُ ذَلِيْلاً فِيْ دِمِشْقِ كَأَنَّنِي
مِنَ الْذِّنْجِ عَبْدٌ غَابَ عَنْهُ نَصِيْرُ

''میں دمشق میں اس طرح ذلت کے ساتھ کھینچا کھینچا پھرا، گویا کہ ایک لاوارث زنگی غلام ہوں''۔

بیمارِ کربلا نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ باوجودیکہ ہم اسلام کے شاہی خاندان سے تھے، باوجودیکہ رسولؐ کا خون ہماری رگوں میں موجود تھا مگر اس پر بھی ظالموں نے طرح طرح سے ذلیل کیا۔

مدینہ کا یہ عزیز ترین قافلہ جب قیدِ یزید سے رہا ہوکر مدینہ کی طرف لوٹا تو اپنا پہلا وقار یاد آیا۔ چنانچہ منقول ہے کہ جب اہلِ حرم کا قافلہ بشیر بن جذلم کی حفاظت میں مدینہ کے قریب پہنچا اور در ودیوارِ مدینہ نظر آئے تو جنابِ اُم کلثومؑ کو اپنا پہلا زمانہ یاد آیا۔ اپنے خاندان کی عظمت، جوانانِ بنی ہاشمی وعلوی کی آن بان کا تصور بندھا تو یہ اشعار بے ساختہ زبان پر آئے:

''اے نانا کے شہر! ہم تجھ میں آنے کے قابل نہ رہے کیونکہ ہم حسرت وانداہ کے مارے ہوئے آئے ہیں۔ جب یہاں سے چلے تھے تو بھرا کنبہ ساتھ تھا اور اب اس طرح واپس ہو رہے ہیں کہ نہ کوئی مردوں میں باقی ہے نہ اولاد میں''۔

ہیں تو یہ درد کے شعر لیکن غور کرو تو بیکسی و بے بسی، تباہی و بربادی کا وہ دردناک مرقع ہیں کہ سننے والوں کے دل ماہیِ بے آب کی طرح تڑپ اُٹھتے ہیں اور آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا اُبل پڑتا ہے۔ روضہ رسولؐ، مزارِ فاطمہ زہراؑ اور قبرِ امام حسنؑ تک جب یہ آواز پہنچی ہوگی تو قبریں لرز گئی ہوں گی۔

بیرونِ مدینہ اس لٹے ہوئے قافلے کے خیام نصب ہوئے۔ امام زین العابدینؑ نے بشیر کو بلا کر فرمایا کہ ہمارے آنے کی خبر اہلِ مدینہ کو پہنچا دے۔ ہر جگہ ایک ایک بار یہ ندا دینا:

قُتِلَ الْحُسَیْنُ بِکَرْبَلَا اَلَا ذُبِحَ الْحُسَیْنُ بِکَرْبَلَا

بشیر وہاں سے شہر میں آیا اور جب روضہ رسولؐ پر آیا تو بآوازِ بلند یہ شعر پڑھا:

''اے مدینہ والو! تم مدینہ میں رہنے کے قابل نہیں رہے، سنو اور غور سے سنو، تمہارا آقا و مولا امام حسینؑ شہید ہو چکا ہے۔ تم لا وارث ہو گئے ہو''۔

اس آواز کے سنتے ہی ہر طرف سے زن مرد انتہائی پریشان حالت میں نکل پڑے اور بشیر کے گرد جمع ہو کر پوچھنے لگے: کیا حسینؑ ابن علیؑ، فرزند رسولؐ قتل کر دیئے گئے اور اُنؑ کے ساتھ جو بیبیاں اور بچے گئے تھے، وہ کہاں ہیں؟ اس نے کہا: وہ بیرونِ شہر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ بشیر کی اس آواز نے مدینہ میں ہلچل مچا دی۔ لوگ زار و قطار رو رہے تھے اور بیبیاں ماتم کر رہی تھیں۔ جب بشیر یہ ندا کرتا ہوا محلہ بنی ہاشم میں پہنچا تو کئی بار یہ صدا بلند کی کہ لوگو سنو! امام حسینؑ شہید ہو گئے ہیں۔ جنابِ فاطمہ صغریٰ نے جب یہ آواز سنی تو بیتابانہ دوڑتی ہوئی دروازہ پر آئیں اور دریافت کرنے لگیں: کیا میرے بابا شہید کر دیئے گئے اور ہمارا کنبہ کہاں ہے؟ اُس نے کہا: بیرونِ مدینہ رُکے ہوئے ہیں۔ یہ سن کر وہ روتی ہوئی گھر میں آئیں۔ جنابِ محمد حنفیہ سو رہے تھے، شانہ پکڑ کر ہلایا: چچا جان! آپؑ سو رہے ہیں؟ ذرا باہر نکل کر سنئے تو یہ ایک شخص کہہ رہا ہے کہ امام حسینؑ شہید ہو گئے ہیں۔ ہائے چچا! میں یتیم ہو گئی۔

جنابِ محمد حنفیہ یہ سن کر مضطربانہ حالت میں باہر نکلے اور بشیر سے حالات سن کر روتے ہوئے گھر میں آئے اور فاطمہ صغریٰ کو لے کر کنبے سے ملنے چلے۔ جب قریب پہنچے تو سیاہ علَم نظر آئے۔ جب کالے کالے علَم دیکھے تو غش کھا کر گر پڑے۔ ہوش میں آئے تو پھر چلے۔ جب امام زین العابدین علیہ السلام نے محمد حنفیہ کو آتے دیکھا تو روتے ہوئے آگے بڑھے، سلام کیا، محمد نے دوڑ کر سینے سے لپٹا لیا۔ حضرتؑ نے فرمایا: اے چچا! مجھے آرام سے ملئے۔ پوچھا: کیوں؟ بیمارؑ کربلا نے عبا کا بٹن کھول کر دکھایا تو طوقِ خاردار نے سینے پر ناسور ڈال دیا تھا۔ فرمایا: چچا جان! ظالموں نے مجھے ہتھکڑیاں لگائیں اور بیڑیوں میں جکڑا، آہنی خاردار طوق میرے گلے میں ڈال دیا۔ محمد حنفیہ نے کہا: میرے بھائی عباسؑ کہاں ہیں؟ فرمایا: وہ دریا کے کنارے شہید کئے گئے۔ پوچھا: علی اکبرؑ، قاسمؑ اور عونؑ و محمدؑ کہاں ہیں؟ فرمایا: کس کس کے بارے میں پوچھو گے؟ کربلا میں ہمارا ایک ایک جوان گوسفندانِ قربانی کی طرح تین روز کا بھوکا پیاسا قتل کر دیا گیا، یہاں تک کہ شش ماہہ علی اصغرؑ بھی تیر ستم کا نشانہ بنا دیا گیا۔ لاشوں کو پامال کیا گیا۔ مخدراتِ عصمت کی چادریں لوٹی گئیں۔ خیموں میں آگ لگائی گئی۔ ہمیں قید کر کے کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام لے گئے۔ جب بھائیوں کی ترسی بہن کو پتہ چلا کہ محمد حنفیہ آئے ہیں تو رو رو کر کہا: بھیا محمد! اپنی مظلومہ بہن کو بہتر (۷۲) شہیدوں کا پُرسہ نہ دو گے؟ محمد حنفیہ دوڑے، بہن کے گلے میں بانہیں ڈال کر بے تحاشا روئے اور فرمانے لگے: آہ! یہ تمہاری صورتوں میں کیسا تغیر ہو گیا کہ پہچان میں نہیں آتیں؟ جنابِ زینبؑ نے فرمایا: بھیا! کیا کیا مصیبتیں بیان کروں، جو جو مصائب ہم پر پڑے، اگر پہاڑوں پر پڑتے تو پگھل کر پانی کی طرح بہہ جاتے۔

فاطمہ صغریٰ جب پہنچیں تو ایک ایک بی بی سے گلے مل مل کر روتی تھیں اور ایک ایک کا حال پوچھتی تھیں۔ ساتھ ہی ہر بی بی کی گود پر حسرت بھری نگاہ سے دیکھتی تھیں۔ جنابِ زینبؑ نے پوچھا: بیٹی! کیا دیکھتی ہو؟ عرض کی: میں اپنے ننھے منے بھائی علی اصغر کو تلاش کر رہی ہوں۔ فرمایا: بیٹی! علی اصغر کہاں ہیں جن سے تم ملو، وہ تو کربلا میں تیرِ ستم کا نشانہ بنا دیئے گئے۔

الغرض یہ وقت قیامت کا تھا۔ خیموں میں کہرام بپا تھا ''وَامُحَمَّدَاہُ، وَاعَلِیَّاہُ، وَاحُسَیۡنَاہُ، وَعَلِیُ اَکۡبَرَاہُ، وَعَبَّاسَاہُ'' کی صداؤں سے زمین و آسمان ہل رہے تھے۔

❁ ❁ ❁

# اہلِ حرم کا مدینہ میں داخلہ

منقول ہے کہ جب اہلِ حرم قیدِ یزید سے رہا ہو کر مدینہ میں آئے اور اس گھر میں داخل ہوئے جو کچھ روز پہلے زن و مرد سے بھرا ہوا تھا، آج وہ سنسان پڑا ہوا ہے۔ آہ! نہ اب اس میں کوئی جوان ہے نہ بوڑھا۔ چند مصیبت زدہ فلک ستائی بیبیاں انتہائی پریشان حالت میں مدینہ میں آئی ہیں جو اُن کے ناناؐ کا مدینہ کہلاتا ہے۔ آہ! گئی تھیں بھرے کنبہ کے ساتھ، واپس آئیں تو اس حال کے ساتھ کہ سوائے امام زین العابدین علیہ السلام کے کوئی اور باقی نہ رہا۔ اپنا درد بھرا واقعہ سنانے کیلئے پہلے روضہ رسولؐ میں گئیں، ایک ایک بی بی نے بیقرار ہو کر خود کو قبر رسولؐ پر گرا دیا۔ جنابِ زینبؑ نے وہ دلخراش بین کئے کہ زمین و آسمان ہل گئے۔ ناناؐ! میں آپؐ کے پیارے حسینؑ کو کربلا میں قربان کر آئی ہوں۔ ناناؐ! آپؐ کا گھر تباہ و برباد ہو گیا۔ ہمارا ایک ایک جوان، ایک ایک بچہ گوسفندانِ قربانی کی طرح ذبح کر دیا۔ ناناؐ! آپؐ کے پیارے حسینؑ کا سر ظالموں نے کاٹ کر نیزہ پر چڑھا دیا۔ اُنؑ کی لاش سے لباس اُتارا۔ آہ! اُنؑ کی لاش پر ظالموں نے گھوڑے دوڑائے۔ ناناؐ! ہمارے خیموں میں آگ لگائی گئی اور ہمیں اس بیدردی سے لوٹا گیا کہ کسی بی بی کے سر پر چادر نہ چھوڑی۔ ظالموں نے ہمارے شانوں میں رسی باندھی، ہمیں کھلے سر شہر بہ شہر پھرایا۔ درباروں میں لے گئے، زندانوں میں بند کیا۔

آہ ـــ یہ بین سن کر قبر رسولؐ کانپ گئی۔ وہاں سے روتے پیٹتے جنت البقیع میں آئے۔ جب قبر فاطمہ زہراؑ نظر آئی تو بیبیوں نے خود کو اُس پر گرا دیا۔ جنابِ زینبؑ نے قبر کو چھاتی سے لگا کر فریاد کی: اماں جان! ذرا قبر سے نکل کر اپنی زینبؑ کو دیکھئے، اس کی داستانِ غم تو سنئے۔ اماں! میں بھرے کنبے کی روئیداد لے کر آئی ہوں۔ میرے بھیا حسینؑ شہید ہو گئے۔ آہ! قمر بنی ہاشم عباسؑ مارے گئے۔ علی اکبرؑ و قاسمؑ دنیا سے رخصت ہوئے۔ اماں! اب سوائے عابدؑ بیمار کے مردوں میں کوئی باقی نہ رہا۔ آہ اماں! میں بڑے بڑے مصائب جھیل کر آئی ہوں۔ اماں! آپؑ کا جنازہ تو رات کو اُٹھا اور آپؑ کی بیٹیاں سر کھلے بازاروں میں تشہیر ہوئیں۔

آہ ـــ نانا کی اُمت نے کوئی دقیقہ ہمارے ستانے میں باقی نہیں رکھا۔ وہاں سے سب قبر امام حسنؑ پر آئے اور دلخراش بین کرتے رہے۔ اس کے بعد محلّہ بنی ہاشم میں داخلہ ہوا، زنانِ بنی ہاشم روتی پیٹتی گھروں سے نکل پڑیں۔ اُس اُجڑے گھر میں ایک کہرام بپا تھا۔ آہ! پرسہ دینے والیاں کس کس کا پرسہ دیں؟ جنابِ زینبؑ و اُمِ کلثومؑ کی صورتیں پہچانی نہ جاتی تھیں۔ محلّہ کی تمام بیبیاں گھیرے ہوئے تھیں۔ واحسیناہ، واحسیناہ کی صدائیں ہر طرف بلند تھیں بیبیاں ایک ایک فلک ستائی بی بی سے گلے مل مل کر رو رہی تھیں۔

آہ ـــ اب اس گھر میں حسینؑ کہاں؟ عباسؑ کہاں؟ علی اکبرؑ کہاں؟ اب تو یہ گھر بیواؤں کا گھر ہے، یتیموں کا گھر ہے، لاوارثوں کا گھر ہے اور دیواروں پر حسرت برس رہی ہے۔ زمین و آسمان سے نالہ و فغاں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ آہ! کربلا کے مسافر کس گھڑی گھر سے نکلے تھے، پھر مدینہ میں آنا نصیب نہ ہوا۔ قبر رسولؐ کا مجاور، علیؑ کا لعل، فاطمہؑ کا پیارا، مدینہ کا سرتاج، اب بجائے مدینہ کے کربلا میں سو رہا ہے۔

کیا اب ان بیبیوں کو اس غم میں صبر آئے گا؟ کیا یہ قلب و جگر کے گہرے زخم مندمل ہوں گے؟ کیا یہ خون کے آنسو اب کبھی رُکیں گے؟ نہیں نہیں، یہ وہ غم نہیں جس میں صبر آئے۔ یہ وہ مصیبت نہیں جس کا بار کسی وقت دل سے کم ہو۔ اب تو یہ عمر بھر کا رونا ہے۔ اس گھر والے ہی نہیں بلکہ حسینؑ کے غم میں ساری دنیا روئے گی۔ جب محرم کا چاند نظر آئے گا، عاشقانِ حسین علیہ السلام اس غم کی یاد تازہ کریں گے۔ دل کے گہرے زخم آبلے ہو کر پھر آنکھوں سے خون ٹپکانے لگیں گے۔

❁ ❁ ❁

# اہلِ حرم کی مدینہ میں عبرتناک زندگی

کربلا کے واقعہ کے بعد اہلِ بیتؑ پر تو وہ مصیبتِ کبریٰ نازل ہوئی کہ اس کے تصور سے کلیجہ کانپ اٹھتا ہے۔ 61ھ میں یہ گھر ایسا اُجڑا کہ پھر آباد ہوا ہی نہیں۔ کسی خاندان کی عورتوں نے اتنے مصائب کا مقابلہ نہیں کیا جتنا زنانِ اہلِ حرم کو کرنا پڑا۔ گرمی کے موسم میں سفر کی سخت سے سخت تکالیف صبر سے برداشت کیں۔ کربلا میں پہنچیں تو بھوک و پیاس کی شدت نے جانوں پر بنا دی۔ عاشورہ کا دن آیا تو اپنے وارثوں، عزیزوں اور گود کے پالوں کے لاشے خاک پر گرتے دیکھے۔ اُن کے اجسام مطہرہ کو پامال ہوتے دیکھا۔ اُن کے سروں کو نیزوں پر بلند دیکھا۔ اُن کے قتل کی دشمنوں کو خوشی مناتے دیکھا۔ اس واقعہ ہائلہ کے بعد دشمنوں نے لوٹنا شروع کیا۔ کسی بی بی کے سر پر چادر تک نہ چھوڑی۔ پھر خیموں کا جلنا دیکھا۔ شام غریباں کا ہولناک منظر بھی نظر کے سامنے آیا۔ اس کے بعد اسیری کی تکالیف اٹھائیں۔ شہر بہ شہر تشہیر بھی ہوئیں۔ ظالموں کے درباروں میں بھی جانا پڑا۔

بتایئے! ان واقعات کے بعد ان بیکسوں کی زندگی کیسی تلخ ہوگئی ہوگی! اسلام کے نام پر ساری کمائی قربان کر کے مدینہ واپس آئیں مگر اس طرح کہ جس بھرے گھر سے نکلی تھیں، وہ اب ویران ہے۔ اس کے در و دیوار پر حسرت برس رہی ہے۔ نہ کسی جوان کی صورت نظر آتی ہے، نہ بچے کی۔ ایک امام زین العابدین علیہ السلام کے سوا کوئی زندگی کا سہارا نہیں۔ ساری عمر اس طرح گزری کہ دھوپ سے سایہ میں نہ آئیں۔ ٹھنڈا پانی پیا نہیں، چولہے میں آگ سلگی نہیں، بالوں میں کنگھی نہ کی، سر میں تیل نہ ڈالا۔ رونے کے سوا کوئی دوسرا کام نہ تھا۔ جب پہلا سماں یاد آتا ہوگا تو دل پر کیسی چھری چلتی ہوگی۔ حسینؑ جیسا سرپرست سر پر نہ رہا۔ علی اکبرؑ جیسا جوان، شبیہِ پیغمبرؐ اب کہاں؟ قاسمؑ جیسا ثانیِ حسن کہاں؟ عونؑ و محمدؑ کہاں؟ بیشہ شجاعت کا شیر، سکینہؑ کا سقہ، ابوالفضل العباسؑ کہاں؟ اُن کے بھائی کہاں؟ ہائے بیکس و بے بس بیبیاں کس کس کا ماتم کریں؟ کس کس کو روئیں؟ صبر کریں تو کیونکر؟ پرسہ دیں تو کس کس کا؟ داستانِ غم سنائیں تو کس کس کو؟

امام زین العابدین علیہ السلام کا یہ حال کہ جب تک زندہ رہے، آنکھ میں آنسو نہ تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا گریہ مشہور ہے مگر وہ چند سال تھا۔ اس کے بعد غم خوشی سے بدل گیا اور آنکھوں کی گئی ہوئی بینائی واپس آ گئی۔ لیکن امام زین العابدینؑ نے چالیس سال تک گریہ کیا اور ایسا گریہ کیا کہ رخسار زخمی ہو گئے۔ پھر ایسا گریہ کہ مرتے دم تک خوشی کا نام نہ آیا۔ پانی سامنے آتا تو اتنا روتے کہ آنسوؤں سے ممزوج ہو جاتا۔ اس کو پھینک دیتے، کئی کئی بار ایسا ہوتا۔ ٹھنڈا پانی تو پینا ہی چھوڑ دیا تھا۔ اگر کبھی کبھار کسی ضرورت سے گھر سے نکلتے تو قصاب کٹے ہوئے سروں پر پردہ ڈال دیتے۔ ایک بار کٹا ہوا سر دیکھ لیا تو غش کھا کر گر پڑے۔ عمر بھر سیاہ لباس پہنا۔

جو کوئی ملنے آتا، اُسے اجازت نہ تھی کہ سوائے واقعہ کربلا کے کوئی دوسرا ذکر کرے۔ منہال کہتے ہیں کہ جب اہلِ حرم قید یزید سے رہا ہو کر مدینہ میں آ گئے تو میں ایک روز امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے کیلئے مدینہ آیا۔ جب دروازہ پر پہنچا تو پہلا

زمانہ یاد آ گیا۔ ہاشمی و علوی جوانوں کی صورتیں آنکھوں میں پھرنے لگیں۔ امام حسین علیہ السلام کی ایمان افروز صحبتوں کی یاد نے کلیجہ زخمی کر دیا۔ بڑے صبر و ضبط کے ساتھ دق الباب کیا۔ ایک کنیز نے، جو سیاہ لباس پہنے ہوئے تھیں، دروازہ کھولا۔ مجھ سے پوچھا کہ تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا: میں منہال ہوں اور امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔

اُس نے کہا: ٹھہرو، میں باریابی کی اجازت حاصل کر لوں۔ کچھ دیر بعد واپس آئی اور مجھ سے کہا: چلئے، امام زین العابدینؑ نے اجازت دی ہے۔ جب میں چلنے لگا تو اُس نے کہا: سنو! امامؑ کے سامنے سوائے پرسہ دینے کے اور کوئی بات نہ کرنا۔ جب میں مکان کے اندر داخل ہوا تو ایک طرف پس پردہ مجھے بیبیوں کے رونے کی آواز سنائی دی: واحسیناہ، واعباساہ، وعلی اکبراہ کی صدائیں بلند تھیں۔ عالمِ اضطراب میں میرا یہ حال تھا کہ پاؤں رکھتا کہیں تھا اور پڑتا کہیں تھا۔ آنکھوں تلے اندھیرا چھایا ہوا تھا اور دل سینے میں ماہیِ بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ کنیز نے ایک حجرہ کی طرف اشارہ کیا کہ امامِ سجاد علیہ السلام یہاں ہیں۔ میں وہاں گیا تو آپؑ کو ایک پرانی چٹائی پر بیٹھا ہوا پایا۔ میں نے سلام کیا اور اشک بار آنکھوں سے قدموں پر گر پڑا۔ امام زین العابدینؑ زار و قطار رو رہے تھے۔

اسی اثناء میں حضرتؑ کی پنڈلی سے کپڑا ہٹ گیا۔ میں نے دیکھا کہ سیاہ حلقے پڑے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا: حضورؑ! یہ سیاہ حلقے کیسے ہیں؟ فرمایا: منہال! کیا پوچھتے ہو؟ ان پیروں میں دوہری بیڑیاں پہنائی گئی تھیں۔ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور گلے میں خاردار طوق ڈالا گیا تھا۔ اس کے بعد اپنا سینہ دکھایا جس میں ایک گہرا زخم تھا۔ فرمایا: یہ اس خاردار طوق نے ایسا زخمی کیا تھا کہ آج تک وہ زخم نہیں بھرا۔ اُس کے خار ہر وقت سینے میں چبھتے تھے۔

منہال کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی: مولاؑ! واقعہ کربلا تو بیان فرمایئے۔ یہ سن کر تابِ ضبط نہ رہی۔ بیقراری سے رونے لگے اور فرمایا: اے منہال! کون کونسی مصیبت بیان کروں۔ تین روز تک ہمارے بچے پانی سے ترسائے گئے، ہمارے ہر خیمہ سے آوازِ العطش العطش بلند ہوتی تھی۔

عاشورہ کے دن فرزندِ رسولؐ کے تمام ساتھی جن میں اٹھارہ بنی ہاشم تھے، بھوکے پیاسے گوسفندانِ قربانی کی طرح ذبح کر دیئے گئے، یہاں تک کہ میرا شش ماہہ بھیا علی اصغر بھی ان ظالموں کے ظلم سے نہ بچ سکا۔ اسے بھی تیر ستم کا نشانہ بنایا گیا۔ میرے بابا کا سر جدا کر کے نیزہ پر چڑھایا گیا۔ بعدِ شہادت ہمیں بیدردی سے لوٹا گیا۔ ہمارے خیمے جلائے گئے، ہماری عورتوں اور بچوں کو قید کر کے کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام لے گئے۔ ہماری بیبیوں کو کھلے سر ابن زیاد و یزید کے بھرے درباروں میں کھڑا کیا گیا۔

اے منہال! یہ وہ مصائب ہیں کہ اگر پتھروں پر پڑتے تو پانی ہو جاتے۔ لوہا موم کی طرح پگھل جاتا۔ آدمؑ سے لے کر عیسیٰؑ تک کسی نبی کی اولاد پر ایسا ظلم نہیں ہوا جیسا پیغمبر آخر الزماںؐ کی اولاد پر خود نام نہاد مسلمانوں کے ہاتھوں سے ہوا۔

آپؑ یہ داستانِ غم بیان کرتے جاتے تھے اور آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ میں نے عرض کی: مولاؑ! صبر کیجئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ آپؑ اس غم میں ہلاک ہو جائیں۔

فرمایا: منہال! انصاف کرو، حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ فرزند تھے۔ ان میں سے صرف یوسفؑ اُن کی نظر سے اوجھل ہو گئے تھے تو اتنا گریہ کیا تھا کہ آنکھوں کی بینائی کھو بیٹھے تھے اور میرا تو گھر کا گھر تباہ ہو گیا۔ نہ کوئی بوڑھا باقی ہے نہ جوان نہ بچہ۔ کسی گھر سے ایک جنازہ نکلتا ہے تو رونے والے مدتوں تک اُسے یاد کر کے روتے ہیں اور کسی طرح صبر نہیں آتا اور میرے گھر سے تو بہتر (۷۲) جنازے نکل گئے۔

اے منہال! اسلامی دستور یہ ہے کہ جب کسی کے گھر کوئی مر جاتا ہے تو لوگ اُس کے عزیزوں کے پاس تعزیت کو آتے ہیں، اظہارِ ہمدردی کرتے ہیں، اُس کا غم مٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر آہ ___ کربلا میں بجائے دلاسا دینے کے ہماری مدد کرنے اور ہمدردی کرنے کے ظالموں نے کوئی ایسا ظلم نہ تھا، جو ہم پر نہ کیا۔ انتہا یہ کہ ہماری بیبیاں جی بھر کر اپنے شہیدوں کو رو بھی نہ سکیں۔ آہ! ہمارے شہیدوں کو دفن تک نہ کیا گیا۔

منہال کہتے ہیں کہ قریب تھا کہ اِن واقعاتِ جاں فرسا کو سن کر مجھے غش آجائے، میں دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔ جب میں چلنے لگا تو امام علیہ السلام نے پوچھا: منہال! کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا: کوفہ کا۔

فرمایا: ہم نے سنا ہے کہ مختار قاتلانِ حسین علیہ السلام سے بدلہ لے رہے ہیں اور چن چن کر اُن کو قتل کر رہے ہیں۔ تم کوفہ جا کر مختار سے ضرور ملنا اور ہماری طرف سے کہنا کہ اگر حرملہ پر قابو پالینا تو اُس شقی کے ہاتھ قلم کر دینا۔ اُس نے ہم اہلِ بیتؑ پر بڑا ظلم کیا ہے۔ میرے شیر خوار بھائی علی اصغرؑ کا گلا تیر سے اسی ظالم نے چھیدا تھا۔ منہال کہتے ہیں کہ جب میں کوفہ پہنچا تو مختار سے ملنے گیا۔ ابھی میں مختار کے پاس امامِ سجاد علیہ السلام کی خواہش بیان کرنے بھی نہ پایا تھا کہ شور وغل کی آواز آئی۔ معلوم ہوا کہ لوگ حرملہ کو گرفتار کر کے لائے ہیں۔ جب وہ شقی مختار کے سامنے آیا تو اُس کو دیکھتے ہی مختار کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ ڈانٹ کر فرمایا: بتا ظالم! تو نے کربلا میں کیا کیا ستم ڈھائے تھے؟ اُس نے کہا: روزِ عاشورہ میرے ترکش میں تین تیر تھے جن میں سے ایک تیر میں نے مشکِ عباسؑ پر لگایا جب وہ بھری ہوئی مشک خیامِ حسینی تک لے جانا چاہتے تھے۔ میرا تیر لگتے ہی پانی مشک سے بہہ گیا۔ مختار نے کہا: لعنت ہو تجھ پر اے شقی! تو نے چاہا کہ امام حسینؑ کے پیاسے بچے سیراب نہ ہوں۔ اچھا بتا کہ دوسرا تیر تو نے کہاں مارا؟ اُس نے کہا: جب حسینؑ اپنے شش ماہہ بچے کو ہاتھوں پر لے کر آئے اور اس کی حالت دیکھ کر لشکر یزید میں کھلبلی سی مچ گئی تو میں نے ایک تیر مار کر اس بچہ کا کام تمام کر دیا۔

مختار رونے لگے اور فرمایا: اچھا تیسرا تیر کہاں مارا؟ اُس نے کہا: جب حسینؑ گھوڑے سے ڈگمگا رہے تھے تو میں نے اُنؑ کی پیشانی پر ایسا تیر مارا کہ پھر وہ گھوڑے پر رُک نہ سکے۔ یہ سنتے ہی مختار نے حکم دیا کہ پہلے اس شقی کے ہاتھ کاٹو، پھر پیر کاٹو، پھر اس کی کھال کھینچی گئی۔ اس کے بعد اسے کھولتے تیل میں ڈال دیا گیا۔ میں یہ حکم سن کر رونے لگا۔ مختار نے کہا: یہ وقت خوشی کا ہے، روتے کیوں ہو؟ میں نے امامؑ کا پیغام پہنچایا اور کہا: آپ نے وہی کیا جو امامؑ کی خواہش تھی۔ رویا اس بات پر کہ ایسے مستجاب الدعوات اور مقربِ بارگاہِ ایزدی کو ظالموں نے کیسا کیسا ستایا! میں نے خود دیکھا ہے کہ حضرتؑ کی پنڈلیاں بیڑیوں سے اور سینہ طوق سے ابھی تک زخمی تھا۔

# ضمیمہ روایات

از

علامہ عابد عسکری

- کاروانِ بیکساں
- قسمت کا پھندہ
- انتقامِ مختار

# کاروانِ بیکساں

باہر قیامت بپا تھی اور اندر رسولؐ کی بہو بیٹیاں خیموں کے پردوں سے جھانک کر کربلا کا منظر دیکھ رہی تھیں۔ روتے روتے آنکھوں کے آنسو خشک ہو گئے مگر ان سے بجائے چیخوں کے آہیں نکلتی تھیں۔ جب مصائب کی انتہا ہو جائے تو انسان کی زبان گنگ ہو جاتی ہے۔ یہی کیفیت ان غریب الوطن سیدانیوں کی تھی جو ٹکٹکی باندھے مجروح و ناتواں حسینؑ کی آخری کشمکش دیکھنے میں ایک کرب انگیز خلش کا احساس کر رہی تھیں۔

دفعتاً خولی کے نیزہ پر فاطمہؑ کے لعل کا سر نظر آیا۔ سیدانیاں اب تک خاموش تھیں مگر جب انہوں نے اس خونچکاں منظر کو دیکھا تو ان کی حالت ایک ایسے شخص کی سی ہو گئی جو ایک خوفناک خواب دیکھتے دیکھتے بیدار ہو جائے اور حقیقت کو خواب سے بھی زیادہ ہیبت انگیز پائے۔ جنابِ زینبؑ نے پردہ سے جھانک کر دیکھا تو ایک دلخراش منظر سامنے تھا۔ عمر وسعد کے حکم سے جسم مبارک گھوڑوں کے سموں تلے روندا جا رہا تھا۔ اب ایسا معلوم ہوتا تھا گویا شہداء کی لاشوں پر مسلمان نہیں ___ مردم خور جانور اور کریہہ منظر بھوت رقص کر رہے ہیں۔ بنتِ زہراؑ کی آنکھیں اس منظر خونیں کی تاب نہ لا سکیں۔ اُنؑ کے ضبط کا دل ٹوٹ گیا اور کہا:

عمر وسعد! اگر فرزندِ رسولؐ کو قتل کرنے اور اہلِ بیتِ رسولؐ کو خانماں برباد بنا دینے کے بعد بھی تمہاری پیاس فرو نہیں ہوئی تو اپنے درندوں کو ہٹا دے کہ میں بھائی کی لاش کو گود میں لے لوں اور تیرے گھوڑے لاشِ امامؑ کے ساتھ اس تباہ حال سیدانی کو بھی کچل ڈالیں۔

مگر عمر وسعد اپنی وحشیانہ تفریح میں اس قدر منہمک تھا کہ سیدہؑ عالم کی بیٹی کی صدائے درد اس کے کانوں میں نہ پہنچی ورنہ کیا عجب تھا کہ وہ یہ پیشکش قبول کر کے بھی اپنی حیوانیت کا ایک اور ثبوت دے ڈالتا۔

امامِ شہید کے جسم مبارک پر ظلم کرنے کے بعد وہ اور اُس کے رفقاء خیمہ عصمت وطہارت کا پردہ چاک کر کے حرمِ حسینؑ میں داخل ہو گئے۔ اس پیغمبر آخرالزماںؐ کے زنان حرم خانہ میں، جس نے دوسروں کی برہنہ بیٹیوں کو ملبوسات دیئے اور غیروں کی بہوؤں کی چادریں اڑائیں، سیدۃ النساء کی غیور بیٹی مسلمانوں کے ہاتھوں مخدراتِ خانۂ رسولؐ کی یہ بے حرمتی برداشت نہ کر سکی۔ بدسیرت شمر کو سامنے کھڑا دیکھ کر بولیں:

''او ملعون! مجھ پر نظر ڈالنے سے پہلے تیری آنکھیں پھوٹ کیوں نہ گئیں؟ قدرتِ کاملہ نے تیری بصارت کیوں نہ چھین لی؟ او جفا کار! دیکھ خوب اچھی طرح دیکھ کہ تیری آنکھوں کو اس جرم کی سزا دینے والے اس دنیا میں نہیں۔ دیکھ! میں رسولؐ زادی ہوں۔ اس شاہِ کونین کی نورِ نگاہ جس نے حاتم کی بیٹی کو اپنے ہاتھ سے چادر اڑھائی تھی۔

یہ ہنگامہ سن کر عابدِؑ بیمار نے آنکھ کھولی۔ فوراً اُٹھے کہ یزید کے دوزخی کتوں کو اس گستاخی کا مزہ چکھا دیں مگر فرطِ نقاہت سے جہاں

کھڑے تھے، وہیں کھڑے رہے اور اپنی بے بسی پر ایک سرد آہ بھر کر بیہوش ہو گئے۔

اس وقت عمر و سعد خیمہ میں پہنچ گیا اور اس نے حکم دیا کہ فاطمہؑ کی بہو بیٹیوں کی رِدائیں اُتار کر انہیں رسیوں سے جکڑ کر اونٹوں پر بٹھا دیا جائے۔ وہ منظر نہایت دردناک تھا جب یزیدی شیطانوں کے ہاتھ ان مقدس خواتین کے مبارک سروں کی طرف بڑھے اور انہیں بے نقاب و بے حجاب کر کے اونٹوں پر بٹھا دیا، اس حالت میں کہ ان کے چہرہ ہائے اقدس پر ہر نامحرم کی نظر پڑتی تھی۔ یزیدی درندے دیکھتے تھے اور ہنستے تھے۔ مسلمان ___ آہ! رسولِ اکرمؐ کا کلمہ پڑھنے والا مسلمان اپنے ہادی و پیغمبر کو خراجِ عقیدت ادا کر رہا تھا۔ کتنا خوفناک خراج تھا یہ کہ جس نواسی کو رسولؐ نے اپنے ہاتھ سے رِدا اُڑھائی، اُسی کا ناموس آج اُس کے نانا کے پیروؤں کے ہاتھوں لٹ رہا تھا؟ اُف اُف! اگر حیرت ہے تو یہ کہ آفتاب اس منظر کو دیکھ کر زمین میں کیوں نہ دھنس گیا؟ قہرِ الٰہی نے فرزندانِ کینتی کو کیوں نہ پھونک ڈالا؟

کاروانِ بیکساں ایک پڑاؤ پر جا کر ٹھہر گیا۔ چاندنی رات تھی مگر درد و فغاں نے چاروں طرف پھیل کر اسے اس قدر تاریک بنا دیا تھا کہ چاند کہیں دکھائی نہ دیتا تھا۔ صحرا کی ریت کے ذرّے اس طرح چمکتے تھے جیسے چشمِ غزالیں میں موٹے موٹے آنسو۔ ریگستان کی فضا کبھی کبھی عابدِ بیمار کے نعرۂ ''یا حسینؑ'' سے گونج اٹھتی تھی۔ وہ اپنے شہید بابا کو یاد کرتے تو کلیجہ میں ایک ہوک سی اٹھتی تھی۔ دل کا دھواں دماغ تک پہنچتا اور ہر دوسرے لحہ بیہوش ہو جاتے۔ ہر چند کہ غمزدہ پھوپھی نے کلیجہ سے لگا رکھا تھا لیکن انہیں کسی پہلو قرار نہ تھا۔ علیؑ کے پوتے کی صدائے غمناک نے شجر و حجر کے کلیجے مسل ڈالے مگر عمر و سعد، شمر اور خولی برابر ہنستے اور قہقہے لگاتے رہے۔ ان کیلئے یہ شبِ برات تھی نہ کہ شبِ غم۔

صبح ہوئی تو عورتوں اور عابدِ شب زندہ دار نے نمازِ فجر ادا کی۔ وضو کیلئے پانی میسر نہ آیا تھا۔ اتنے دم تیمّم کر کے خالقِ موجودات کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تھے لیکن اب ہاتھ بھی بیکار تھے۔ رسیوں نے انہیں اتنی مضبوطی سے باندھ رکھا تھا کہ تیمّم کرنا بھی ناممکن تھا۔ صبحِ ماتم کے نمودار ہوتے ہی بی بی زینب سلام اللہ علیہا نے نماز سے فارغ ہو کر دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا دیئے اور کہا: خداوندا! میں جانتی ہوں کہ ہم اسیرانِ کربلا کی یہ نماز قضا کے برابر ہے مگر کیا کریں، تیری رضا یہی ہے کہ ہمیں وضو کیلئے پانی تو کجا تیمّم کا موقعہ بھی نصیب نہ ہوا۔ اگر یہ خطا ہے تو معاف کر دینا اور اگر یہ مجبوری ہے تو اپنے بندوں پر کرم کرنا۔

مجبور و رسن بستہ زینبؑ کے الفاظ جب عمر و سعد کے کان میں پہنچے تو وہ گھبرا کر بولا: اگر رسیوں کی گرفت سخت ہے تو مجھ سے کہتی، میں پھندہ ڈھیلا ڈال دیتا، نماز کا یہ عذر قطعاً غلط ہے۔

بی بی زینبؑ نے نگاہ آسمان سے ہٹائے بغیر فرمایا:

میں جس سے عذر کر رہی ہوں، وہ بہتر جانتا ہے کہ میرا عذر صحیح ہے یا غلط۔ عمر و سعد! کیا وہ نہیں دیکھتا کہ رسیاں ہمارے جسموں میں کھب گئی ہیں اور ہم اتنی بھی طاقت نہیں رکھتے کہ ہاتھ تک ہلا سکیں۔ خدا گواہ ہے کہ میں خاندانِ رسولؐ کی واحد نشانی ہوں اور خاتونِ جنت کے پوتے کا بخار اپنی پیشانی کو اُنؑ کی گردن پر رکھ کر دیکھا ہے۔ ظالم! جس نے فرزندِ رسولؐ کی جان لی ہے، جس نے رسولؐ زادیوں کو بے حرمت کیا، جس نے رسول اللہؐ کے بیمار نواسے کو پابہ زنجیر کیا، اُس سے رحم کی کیا توقع ہو سکتی ہے اور اُس سے پھندہ ڈھیلا کرنے کی درخواست کیوں کرتی؟

عمر وسعد سے بنتِ فاطمہؑ کی ان کھری کھری باتوں کا کوئی جواب نہ بن پایا۔لیکن امامِ عابدؑ نے فرمایا: عمر وسعد! اگر تو اب بھی اپنے آپ کو اس قابل سمجھتا ہے کہ کشتگانِ ستم پر کرم کرے تو میرے بابا کا سر میری جھولی میں ڈال دے، میں اسے سینہ سے چمٹا کر دل کا غبار نکال لوں گا۔

بدطینت خولی بولا: تو لبِ مرگ ہے، مگر ابھی تک دماغ سے بوئے بغاوت نہیں گئی؟ ارے حسینؑ باغی تھا، اُس کا سر صرف اس شرط پر مل سکتا ہے کہ تو اسے پاؤں سے ٹھوکر مارے!

بیمارؑ نے ایک آہ بھری۔ وہ آہ جو ایک بھبھوکا تھی اور شیاطین یزید کو جلانے کیلئے کافی تھی۔ مظلوم جب ظلم کا انتقام نہ لے سکے تو اس کے سینے سے آہیں ہی نکلتی ہیں۔لیکن مسلم کی شہزادی نے خولی کو پھنکارا اور کہا: چپ رہ! جس کی شان میں تو گستاخیاں کر رہا ہے، اب بھی وہ دو جہاں کا مالک ہے۔

قافلہ مظہر تھا ماتمِ شہداء کا۔ کسی دولہا کی برات نہ تھی لیکن جب سیدۂ عالم کی بہو اور بیٹی برہنہ سر کوفہ میں داخل ہوئیں تو انہوں نے دیکھا کہ شہر کو دلہن کی طرح آراستہ کیا گیا ہے۔ قلعہ کی آرائش کا اہتمام اس سے بھی زیادہ وسیع پیمانہ پر کیا گیا تھا۔ مسلح سپاہیوں نے مظلوم و بے نقاب سیدانیوں کو اونٹوں سے اُتارا اور ابن زیاد کے سامنے لے چلے۔ دربار میں پہنچے تو سطوتِ شاہی کا مظاہرہ قدم بہ قدم ہو رہا تھا۔ گویا ابن زیاد نے اس امر کا اہتمام کیا کہ ہر شے پر نظر پڑتے ہی اہلِ بیت علیہم السلام کو اپنی بیکسی اور ابن زیاد کی شوکت و دولت کا احساس ہو۔ اس نے سیدانیوں کے دربار میں پہنچتے ہی جو کچھ کہا، اُس سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ اس آرائش و زیبائش کا مقصد زخم خوردگانِ کربلا کے دلوں پر چرکے لگانے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ وہ بی بی زینبؑ کو دیکھ کر ہنسا اور بولا: باغی بھائی کی سرکش بہن! تو نے حسینؑ کا انجام دیکھ لیا؟ خدائے ذوالجلال نے اسے اس کے اعمال کی سزا دے دی۔

بی بی زینبؑ کا دل یہ سن کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔لیکن یہ وقت رونے اور چلانے کا نہ تھا۔ علیؑ کی بیٹی کو اگرچہ اپنی بے پردگی کا سخت قلق تھا، تاہم اُسؑ نے مغرور اور کمینے دشمن کے سامنے جھکنا نہ سیکھا تھا۔

ابن زیاد کھسیانا سا ہو گیا اور اپنی خفت مٹانے کیلئے حسینؑ کے سر کو چھڑی سے چھیڑنے لگا۔ زید بن ارقم، صحابیِ رسولؐ اللہ، یہ دیکھ کر خاموش نہ رہ سکے اور بولے: یہ بے ادبی؟ عبید! میں نے ان رخساروں پر رسولِ خداؐ کو بوسہ لیتے دیکھا ہے۔

جنابِ زینبؑ نے سر اونچا کر کے فرمایا: حسینؑ خدا اور اُس کے رسولؐ کا حکم بجالایا، اُس نے جان دے دی مگر تجھ جیسے مؤمن نما کافر کے ہاتھ میں ہاتھ دینا قبول نہ کیا۔ یہ ہے بنتِ فاطمہؑ کی شانِ امتیازی۔

ابن زیاد کی آنکھیں سرخ ہو گئیں، غضبناک ہو کر بولا: اگر کوئی اور شخص ایسا کہتا تو اس کی زبان گدی سے کھنچوا لیتا۔ مگر صحابۂ رسولؐ ہیں، اس لئے درگزر کرتا ہوں۔

زید کی غیرت جوش میں آئی، کہنے لگے: اگر میرے قتل کا ارمان دل میں ہے تو وہ بھی نکال لے۔ تو نے اپنے دربار میں رسولؐ

زادیوں کو بے پردہ کیا۔ اس دن کا انتظار کر جسے یومِ استحقاق کہتے ہیں۔ اسی دن تیرے ناموس کی بربادی ہوگی۔ آج تیری بہن برقعہ میں ہے اور فاطمہؑ کی بہو بیٹیاں کھلے منہ نامحرموں کے سامنے ہیں۔ لیکن وہ وقت دور نہیں جب تیرا کیا تیرے سامنے آئے گا۔

ابن زیاد چپ رہا۔ کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہ تھی۔ چند گھنٹے بعد قافلہ نے شام کی طرف مراجعت کی۔ جونہی ابن سعد اسیرانِ کربلا کے ساتھ موصل پہنچا، شہر کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ اس کے تعجب و غضب کی انتہا نہ رہی۔ اس نے اہلِ موصل کو پکڑ کر بآوازِ بلند کہا:

تم جانتے ہو کہ خلیفۃ المسلمین سے بغاوت کرنے کی سزا کیا ہے؟ دروازے کھولو ورنہ یزید کا قہر تمہیں تباہ کر دے گا۔ تمہارے مکان جلا دیئے جائیں گے۔ تمہاری عورتیں حرمِ حسینؑ کی طرح اسیر ہو جائیں گی اور تمہارے بچے مصر و یونان میں جا کر فروخت ہوں گے۔ حسینؑ کا سر دیکھو اور عبرت حاصل کرو۔ اس کی مثال اور اپنی وفاداری کا ثبوت دو۔

مگر کوئی ٹس سے مس نہ ہوا۔ اہلِ شہر کے بوڑھوں نے کہا: عمر سعد! یہ موصل ہے، کوفہ نہیں، یہاں سے چلے جاؤ ورنہ یاد رکھو کہ ہم سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔

عمر سعد اپنی دھمکی کارگر نہ ہوتے دیکھ کر پڑاؤ ڈالے بغیر چل پڑا۔ آخر مظلوموں کا قافلہ دمشق پہنچا۔ جب غریب الوطن سیدانیاں دربارِ شام میں حاضر کی گئیں، اس وقت بی بی زینبؑ نے فرمایا: یزید! تو نے جو کچھ کیا، اُس کا بدلہ تجھے خدا سے ملے گا۔ ظالم! ظلم کی کوئی حد ہوتی ہے۔ جس رسولؐ کا تو کلمہ پڑھتا ہے، اُس کی بچیاں تیرے دربار میں بے نقاب کھڑی ہیں۔ ذرا اُس قہار و جبار سے جس کے انتقام سے کوئی نہیں بچ سکتا۔

یزید ہنسا اور بولا: انتقام؟ کیا اپنے دشمن کو، تختِ خلافت کے باغی کو، شہنشاہیتِ اسلام کے منکر کو سزا دینا گناہ ہے؟ حسینؑ نے خدا کے حکم کے خلاف بغاوت کی اور اس کی سزا پائی۔ میں نے صرف اپنا فرض پورا کیا ہے۔

یہ کہہ کر اُس نے حکم دیا کہ سیدانیاں، عابدؑ بیمار اور بچے وغیرہ سب زندان خانے میں بھیج دیئے جائیں۔

رات کا وقت تھا۔ تمام دنیا محوِ خواب تھی، مگر یزید شاہی محل میں کروٹیں بدل رہا تھا۔ سونے کی کوشش کرتا مگر کیا مجال کہ آنکھ جھپکے! وہ اُٹھا اور ساغر بلوری میں شراب انڈیل کر پینے لگا۔ اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے شراب انسانی لہو بن کر رہ گئی ہو۔ وہ سوچنے لگا: خون؟ اُف! میں خاندانِ رسالتؐ کے مہ پاروں کا خون پی رہا ہوں؟ اور ساغر ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر جا پڑا۔

اسی وقت ایک چیخ کی آواز سے فضا میں تھرتھراہٹ پیدا ہوگئی۔ آواز جانبِ زندان سے آئی تھی۔ یزید دیوانوں کی طرح اٹھ کھڑا ہوا اور مجلس اہلِ بیت علیہم السلام کی طرف چلا۔ وہاں پہنچ کر اُس نے دیکھا کہ ایک تنگ و تیرہ کوٹھڑی میں بی بی زینبؑ ماں جائے بھائی کا سر گود میں لئے بین کر رہی ہیں۔ یزید نے آہنی سلاخوں کو زور سے تھام لیا اور بولا: زینبؑ! جو ہونا تھا، ہو چکا۔ اب یہ سر مجھے دیدے کہ تیرا سوگ ختم ہو اور تجھے صبر آ جائے۔

زینبؑ سرِ حسینؑ کو سینہ سے لپٹا کر بولیں: ہاں! تو کہتا ہے کہ جو ہونا تھا، ہو چکا، یہ ٹھیک ہے مگر تو اندھا ہے۔ ہمارے مصائب ختم

ہوئے، اب ہم بیکسوں کی آہیں تیرے لئے ایک دوزخ تیار کررہی ہیں جس میں تا قیامت جلتا رہے گا۔

اُسی دن سے یزید ایک باطنی آگ میں جلنے لگا۔ یہ آہ مظلوموں کا اثر ہو یا کچھ اور، لیکن کہتے ہیں کہ کئی برسوں بعد جب اُس کی لاش قبر سے نکالی گئی تو اُس کی ہڈیاں بھی جل کر سیاہ ہو چکی تھیں۔

❁ ❁ ❁

# قسمت کا پھندہ

ابن زیاد، حاکمِ کوفہ کے دربار میں رسولؐ خدا کی بہو بیٹیاں سر برہنہ کھڑی تھیں، سینوں سے آہوں کا دھواں اور زبان سے فغاں کے شعلے نکل رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خواتین عصمت وطہارت کا زخم جگر اور حرماں نصیب بہنوں کا شرارِ غم ایک آگ کی شکل اختیار کر رہا تھا اور اس آگ میں ابن زیاد بدنہاد کی شاہی وجاہت اور حاکمانہ تمکنت سب جل کر راکھ ہو جائے گی۔ بیوگانِ و یتامیٰ کے منہ سے ہر لحظہ واحسینا، واحسینا کے جگر سوز نعرے بلند ہوتے تھے اور دربار کے احاطہ میں گنے چنے مؤمنین کے دل وجگر کو چیرتے چلے جاتے تھے۔ دربار میں ایک ہنگامہ بپا تھا۔ یہ غم کا نوحہ تھا اور ابن زیاد ایک پابستہ زنجیر قیدی سے، جو ہتھکڑیوں سے اپنا سر پھوڑنے کی سعیِ ناکام میں مصروف تھا، کہہ رہا تھا: مختار دیکھو، جی بھر کر دیکھو، یہ اُس حسینؑ کا سر ہے جس کیلئے تم نے یزید کی بادشاہت کے خلاف علَم بغاوت بلند کیا تھا۔ یہ اُس باغی کے انصار و احباب کے سر ہیں جس کے ایک نائب کو بچانے کیلئے تم کوفہ کی گلیوں کو زرم گاہ میں بدل دینے کے متمنی تھے۔ تم نے حالتِ کفر میں خاندانِ یزید کی مستورات کو بیوہ اور ان کے بچوں کو یتیم کر دیا تھا۔ دیکھو! آج خانۂ بوتراب کی عورتیں، بچے بیوگی اور آتش یتیمی میں جل رہے ہیں۔

ہتھکڑیوں سے اپنا سر پھوڑنا چاہتے ہو؟ نہیں، میں تمہیں اتنی آسان موت مرنے نہ دوں گا۔ دیکھو! جی بھر کر دیکھو، اپنے آقا و مولاؑ کے سر کو، اتنا دیکھو کہ تمہارا دل چھلنی چھلنی ہو جائے۔ تمہارے سینہ کے ناسور بہنے لگیں اور تمہارا جگر خون ہو جائے۔ میں تمہیں قتل نہیں کروں گا، زندہ رکھوں گا، اس لئے کہ تم اس آگ میں جلتے رہو، ہمیشہ ___ ہمیشہ!

مختار نے کہا: ابن زیاد! آج تمہارا قانون ہے، تم آلِ محمد کو جتنا چاہو، ستا لو۔ ہائے مجھ بدنصیب کے مقدر میں یہ منظر دیکھنا بھی لکھا تھا کہ بناتِ حیدرؑ کرار میرے دوش بدوش کھڑی ہوں اور ان کی زبان پر آہ و بکا ہو۔ لیکن یاد رکھو! باپ کا بیڑہ بھر کر ڈوبتا ہے۔ میں رسولؐ اور انؑ کے فرزند شہید کی محبت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر قید سے زندہ نکل آیا تو ایک ایک سے امامؑ مظلوم کے خون کا بدلہ لوں گا۔ ابن زیاد ہنسا اور کہا: تمہیں اس بوسیدہ روایت پر بھروسہ ہے، جس روز جنگِ تبوک کو گئے، اُس روز تمہارے علاوہ اور بھی سینکڑوں بچے قبولِ عرب میں پیدا ہوئے تھے۔

مختار کی آنکھیں فرطِ غضب سے سرخ ہو گئیں۔ اُس نے کہا: او بیوقوف! لیکن رسولؐ اللہ نے ہر بچہ کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ وہ قاتلانِ حسینؑ کو تلوار کے گھاٹ اُتار دے گا۔

تھوڑی دیر کے بعد دربار میں سناٹا چھا گیا۔ اُمرائے دربار کے دل میں یہ سوال اُٹھنے لگا کہ اگر رسولِ مقبولؐ کے متعلق علیؑ کی یہ حدیث سچ ثابت ہو تو ___؟

ابن زیاد فوراً بھانپ گیا کہ سرداروں کے دماغ میں کیا خیالات چکر لگا رہے تھے، اُس نے کہا کہ ابوترابؑ کی یہ حدیث ان ماتم زدہ

عورتوں کو سناؤ تا کہ ان کی تسلی ہو لیکن سمجھ لو کہ زندان سے تمہاری لاش ہی نکلے گی۔

مختار نے حقارت سے منہ پھیر لیا۔ وہ اس بد باطن کی صورت بھی نہ دیکھنا چاہتے تھے جو رسولِؐ اکرم کے قول سے منکر ہو۔ ابن زیاد کے سپاہی اسے جیل خانہ میں لے گئے۔

مختار نے کہا تھا کہ باپ کا بیڑہ بھر کر ڈوبتا ہے۔ شاید یزید اور اُس کے حواریوں کے گناہوں کا پیمانہ لبریز ہونے میں ہنوز کچھ کسر تھی۔ کوفہ میں تشدد کا چکر چلنے لگا۔ علیؑ کا نام لینا جرم قرار دیا گیا۔ خود حاکم شہر نے دربارِ عام میں اعلان کیا کہ اگر کوئی شخص حسینؑ کے قتل پر آنسو بہاتا پایا گیا تو اُسے گرفتار کر لیا جائے اور یزیدی حکومت اس کا مال ضبط کر لے۔ کوفہ غداروں کا شہر تھا، اُس نے ان احکام پر خوشیاں منائیں، جشن کئے گئے اور شب کو چراغاں ہوا۔ جو دو چار محبِ اہلِ بیتؑ شہر میں موجود تھے، ان کے خوف و ہراس کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ اگر روتے بھی تو چھپ کر کہ کوئی دیکھ نہ لے۔

دن گزرتے گئے لیکن جبر و کراہ میں کمی واقع نہ ہوئی۔ حاکم کے آدمی شبانہ روز کوفہ کی گلیوں میں اس کے جابرانہ احکام کا اعلان کرتے تھے۔ جس پر محبتِ حسینؑ کا شبہ ہوتا، اُسے پکڑ کر جیل میں ڈال دیا جاتا۔ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس گیا۔ جبر کی حکومت میں ایسا ہونا قدرتی بات ہے۔ کوفہ میں ایک معلم تھا، کثیر بن عامر۔ اُس کے بزرگ ہمدان کے رہنے والے تھے۔ گردشِ روزگار انہیں کوفہ لے آئی۔ یہاں اعلیٰ خاندانوں کے بچوں کی تعلیم و تربیت ان کے سپرد ہوئی۔ آدمی لائق تھے، دنوں میں ہی طاعت و رسوخ کے مالک ہو گئے۔ کثیر کو بھی بنظر احترام دیکھا جاتا تھا۔ وہ عالمِ باعمل تھے اور امام حسین علیہ السلام کے خونِ معصوم نے ان کے دل پر گہرا اثر کیا تھا۔

صبح و شام یزید کے جبر پر لعنت بھیجتے اور دل ہی دل میں شہادتِ حسینؑ پر کڑھتے تھے۔ لیکن کیا مجال کہ احساسِ باطن کو زبان پر لا سکتے۔ ابن زیاد کی حکومت میں یہ ایک ایسا جرم تھا جس کی کوئی معافی نہیں تھی۔ ایک دن مکتب میں بچوں کو پڑھا رہے تھے کہ پیاس لگی، ایک طالب علم سے آبخورہ لے کر پانی پیا۔ یکا یک انہیں سیدؑ الشہداء کی پیاس یاد آ گئی۔ بیتاب ہو کر بولے: لعنت ہے اُن پر جنہوں نے امامؑ مظلوم کو پیاسا ذبح کر دیا۔

یہ بات معمولی تھی لیکن شیطان کے گھر میں شیطان ہی پیدا ہوتے ہیں۔ سنان ابن انس کے بیٹے کو اُستاد کا یہ فقرہ ناگوار گزرا۔ مکتب سے چھٹی پاتے ہی وہ ایک تنہا جگہ گیا، وہاں اُس نے پتھر مار کر اپنا جسم لہولہان کر لیا اور ناک میں کچھ ایسے انداز سے ایک لکڑی ٹھونس دی کہ خون بہنے لگا۔ باپ نے یہ حالت دیکھی تو بیتاب ہوا اور بولا: میری آنکھوں کے نور! بتا کہ تیرا یہ حال کس نے بنایا؟ میں اُس کی نسل کا خاتمہ کر کے دم لوں گا۔

ان شیطان نے سسکیاں بھرتے ہوئے ایک من گھڑت داستان باپ کو کہہ سنائی۔ اوّل تو کثیر کے محبِ اہلِ بیتؑ ہونے کی شکایت کی اور اس کے فقرے دہرائے، پھر کہا کہ جب میں نے ان فقرات پر اعتراض کیا تو کثیر نے مجھے قتل کرنا چاہا اور اگر میں بھاگ کر جان نہ بچاتا تو اب تک میرا قیمہ ہو چکا ہوتا۔

غضب آلود باپ شیطان مجسم بیٹے کو ابن زیاد کے پاس لے گیا اور بولا: عبید دیکھ! تیری مملکت میں اب بھی ایسے لوگ بستے ہیں جو امامؑ کے قتل کا انتقام بچوں سے لیتے ہیں۔

ابن زیاد کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ ساری کہانی سن کر اُس کے منہ سے کفر جاری ہو گیا اور وہ کہنے لگا: اس کثیر کے بچے کی اتنی ہمت؟ اسی وقت سپاہیوں کو بلاؤ کہ وہ اس مردود کو گرفتار کر کے میرے حضور میں پیش کریں۔ کثیر پکڑے گئے۔ اُنہوں نے بہت کہا کہ میں بے گناہ ہوں اور شہادت کیلئے اپنے دیگر شاگردوں کو بلانا چاہا لیکن جہاں اندھیر نگری اور چوپٹ راج ہو، وہاں انصاف گونگا اور بہرہ ہو جاتا ہے۔ ابن زیاد کے حکم سے کثیر بن عامر کو جیل میں بند کر دیا گیا۔

زندان میں جب مختار نے کثیر کی داستانِ غم سنی تو اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے فاضل قیدی کو گلے لگا کر کہا: گھبراؤ نہیں، معلوم ہوتا ہے کہ یزیدی حکومت کا انجام قریب ہے۔ کوفہ کے لوگ جب دیکھیں گے کہ ان کے بچوں کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں تو وہ بہت جلد تمہیں چھڑوا لیں گے۔

چند لمحوں کی ملاقات ہی میں کثیر کو مختار سے محبت ہو گئی۔ وہی محبت جو ایک خدا، ایک رسولؐ اور ایک امامؑ کے ماننے والوں میں ہو جاتی ہے۔ مختار تلوار کا دھنی تھا، کثیر علوم کا خزینہ۔ دونوں کی طبائع بھی ایک دوسرے سے مختلف تھیں لیکن اہلِ بیت علیہم السلام کی محبت نے انہیں ایک کر دیا۔ کثیر بن عامر نے پوچھا: اور تم؟

مختار نے آبدیدہ ہو کر کہا: مجھے اپنی قید کا غم نہیں لیکن یہ خیال سوہانِ روح ہو رہا ہے کہ اگر مجھے رہائی نہ ملی تو خونِ امامؑ کا انتقام کون لے گا؟

کثیر بولے: رفیق! اگر میں آزاد ہو گیا تو اپنی جان پر کھیل کر بھی تمہیں زندان سے چھڑا لوں گا۔

سچ؟ مختار نے پوچھا۔ کثیر بولے: سچ۔ میں پنجتنؑ پاک کے خونِ معصوم کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ زندگی و موت ہر حال میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ وقت گزرنے لگا۔ کثیر ایک علم دوست آدمی تھا اور طبعاً آرام پسند۔ اسے قید و بند کی اذیتیں سہنے کی عادت نہ تھی لیکن مختار کی صحبت نے اسے جفاکش بنا دیا۔ یہ احساس اس کے اطمینان کیلئے کافی تھا کہ اسے یہ سزا آلِ رسولؐ کے عشق کی وجہ سے ملی ہے، نہ کہ کسی اور دنیاوی خطا کے باعث!

ان دنوں مدرسوں کا رواج نہ تھا۔ تعلیم کو حصولِ زر کا ذریعہ نہ سمجھا جاتا تھا۔ تعلیم و تدریس پیشہ لوگ بہت کم تھے۔ رفتہ رفتہ کثیر ابن عامر کی عدم موجودگی میں احساس زور پکڑنے لگا۔ خود ابن زیاد کے لڑکوں کیلئے کوئی قابل معلم نہ تھا اور اُمرائے شہر حیران تھے کہ اس مسئلہ کو کیونکر حل کریں۔ کثیر بن عامر کی رہائی کیلئے ایک خاموش احتجاج شروع ہو گیا۔ کثیر کی ایک بھتیجی حاکم کوفہ کے بچوں کی دایہ تھی، اُس نے یہ موقعہ غنیمت جانا، بال بکھیر لئے اور کپڑے پھاڑ ڈالے اور یاس و غم کی تصویر بن کر حاکم کوفہ کے بچوں کا ہاتھ پکڑے ہوئے حرم سرا میں پہنچی۔

ابن زیاد کی بیوی کے پوچھنے پر اُس نے کہا: بیگم! میں تباہ ہو گئی۔ میرے بزرگ چچا کو آقا نے قید کر رکھا ہے، حالانکہ وہ بالکل بے

قصور ہیں۔ اپنے جگر پاروں کو دیکھو، جس دن سے وہ قید ہوئے ہیں، اُسی دن سے ان کی تعلیم چھوٹ گئی ہے۔ نہ اب ادب، نہ اخلاق۔ جب دیکھو، آوارہ پھرتے ہیں۔ میری حالت پر رحم کھاؤ، اپنے بچوں کے مستقبل پر غور کرو۔ میں تم سے اپنے چچا، کوفہ کے معلم کی رہائی کی بھیک مانگتی ہوں۔ اگر تم چاہو تو میرا دامن گوہرِ مقصود سے بھر سکتی ہو۔

نئے آفتاب کی پہلی کرن فاضل قیدی کیلئے آزادی کا پیغام لائی۔ آہنی سلاخوں کے حجرہ سے باہر آنے سے پہلے وہ مختار کے پاس گیا۔ دونوں میں چپکے چپکے کچھ باتیں ہوئیں، آخر میں کثیر نے ذرا بلند آواز سے کہا: خدا گواہ ہے کہ میں تمہارے حکم کی تعمیل میں اپنی جان جوکھوں میں ڈال دوں گا۔

اسی وقت شاہی پہرہ دار جیل خانہ میں داخل ہوا اور بولا: کثیر! تم جا سکتے ہو۔ حاکم نے تم پر رحم کر کے تمہیں آزاد کر دیا ہے۔ کثیر جیل سے باہر آیا تو اُس کا دماغ تفکرات کے بوجھ سے دبا ہوا تھا۔ اُس کی ذمہ داریاں کتنی عظیم تھیں، کتنی گراں، کیا وہ ان سے عہدہ برا ہو سکے گا؟

اُسی دن شام کو ایک مزدور جس کے سر پر لذیز کباب روٹیوں اور میوہ جات سے بھرا خوان تھا اور ہاتھ میں ایک ہزار دیناروں کا تھیلا۔ داروغۂ جیل کے دروازے پر آ کر رُکا، دستک دینے پر ایک عورت باہر آئی۔ مزدور نے خوان اور تھیلی اُس کے حوالے کی اور کہا کہ یہ چیزیں کثیر بن عامر نے بھیجی تھیں کہ رہائی کے بعد آپ کے شوہر کی کچھ خدمت کریں گے۔ جیل افسر بڑا جہاندیدہ ہوتا ہے، داروغہ تاڑ گیا کہ منّت محض ایک حیلہ ہے، ورنہ درحقیقت ان تحائف کی تہہ میں کثیر کی کوئی غرض پنہاں ہے۔

دوسرے دن بھی اسی قسم کے تحائف بھیجے۔ تیسرے دن تحائف بردار کے ہمراہ کثیر بھی چلا آیا۔ داروغہ نے اُس کی تواضع کی اور کہا: کثیر! میں تیرا عندیہ سمجھتا ہوں، بتا کہ تو مجھ سے کیا کام لینا چاہتا ہے؟

رشوت کام کر گئی، جب کثیر بن عامر نے دیکھا کہ داروغہ مٹھی میں ہے تو اُس نے کہا کہ تم جانتے ہو کہ مختار، ابن زیاد کے ظلم کا شکار ہو رہا ہے۔ اسے کاغذ، قلم اور دوات پہنچا دی جائے اور جو خطوط وہ لکھے، وہ مجھ تک پہنچ جائیں۔ باقی انتظام میں خود کر لوں گا۔

داروغۂ جیل ابن زیاد کے خوف سے لرز اُٹھا۔ بات معمولی ہے لیکن اگر حاکم کو پتہ چل گیا؟ کچھ دیر سوچنے کے بعد اُسے ایک تدبیر سوجھی۔ اُس نے کہا: کثیر! پرسوں تم بہت سا کھانا پکوا کر لے آنا، میں یہ مشہور کر دوں گا کہ تم نے اسیروں کو کھانا کھلانے کی منّت مانی تھی۔ قلم، دوات اور کاغذ روٹیوں میں چھپا کر مختار کو پہنچا دیئے جائیں گے اور کسی کو شبہ تک نہ ہو گا۔

بات پختہ ہو گئی۔ داروغہ اور کثیر یہ سمجھتے تھے کہ یہ راز ان کے سینوں میں محفوظ رہے گا لیکن روٹیاں آئیں تو ابن زیاد بھی بلائے بے درماں کی طرح ان کے سر پر پہنچ گیا اور داروغہ سے بولا: نمک حرام! تو بھی ان باغیانِ سلطنت میں شامل ہو گیا؟

ابن زیاد نے روٹیوں کی تلاشی لی، نامعلوم اُس کو کیا اطلاع دی گئی تھی؟ داروغہ مارے خوف کے بیدِ مجنوں کی طرح کانپ رہا تھا اور کثیر خدا کے حضور میں گڑگڑا کر دعائیں مانگ رہا تھا کہ اے پروردگار! ہماری عزت رکھنا۔ اگر یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا تو مختار کی رہائی کی سبیل نہ رہے گی۔ لیکن مارنے والے سے بچانے والا زبردست ہے۔ ابن زیاد کی آنکھوں پر ایسی پٹی بندھی کہ اُسے قلم دوات نظر ہی نہ آئی۔ تلاشی ختم ہونے کے بعد داروغہ نے اس کی قبا کو بوسہ دے کر کہا: حضور کو کسی دشمن نے غلط اطلاع دی ہے۔ کثیر نے منّت مانی تھی کہ رہا ہونے کے بعد

اسیروں کو کھانا کھلاؤں گا، یہ وہی روٹیاں ہیں۔اس خوان میں سوائے اشیائے خوردنی کے اور کچھ نہیں ہے۔ابن زیاد مطمئن ہو کر چلا گیا لیکن دل ہی دل میں وہ خفیف بھی ہو رہا تھا۔

ایک ساعت گزرنے پر داروغہ اندر سے دو خطوط لایا۔ایک اُس کی بہن صفیہ کے نام تھا، دوسرا اُس کے شوہر عبداللہ بن عمر کے نام۔کثیر بن عامر نے دونوں خطوط اپنی آستین میں چھپا لئے اور داروغہ کا شکریہ ادا کر کے اپنے گھر کی طرف چلا۔اُسی رات وہ غائب ہو گیا۔ ابن زیاد حیران تھا کہ معلم کو زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔تلاشِ بسیار پر بھی اُس کا کوئی سراغ نہ ملا۔

اُدھر کوفہ اپنے فاضل معلم کی اتفاقیہ گمشدگی پر انگشت بدنداں تھا۔ادھر مدینہ منورہ میں ایک سرتاپا گرد سے اَٹا ہوا مسافر ایک عالیشان مکان کے دروازہ پر دستک دے رہا تھا۔صاحبِ خانہ نے باہر آکر پوچھا: تم کہاں سے آئے ہو؟ اجنبی بولا: کوفہ سے، کیا عبداللہ ابن عمر آپ ہی ہیں؟ عبداللہ نے کہا: ہاں۔

قاصد نے کہا کہ باقی باتیں گھر جا کر ہوں گی اور عبداللہ کے ساتھ مکان کے اندر چلا گیا۔جب میزبان و مہمان بیٹھ گئے تو ایلچی نے کہا کہ میں کوفہ کا ایک معلم ہوں۔میرا نام کثیر بن عامر ہے۔مختار کے خطوط لایا ہوں۔ایک آپ کے لئے، ایک اُن کی بہن کیلئے۔

عبداللہ دونوں خطوط لے کر اندر چلا گیا۔چند لمحوں تک زنان خانہ میں خاموشی رہی۔اس کے بعد رونے پیٹنے کی صدائیں آنے لگیں۔مختار کی بہن کہہ رہی تھی: خدا غارت کرے ابن زیاد کو جس نے میرے نازوں کے پالے بھائی کو قید کر رکھا ہے۔میں سر پیٹ لوں گی، بال نوچ ڈالوں گی، اپنا خون کر لوں گی، جب تک وہ آزاد نہ ہو، مجھے کھانا پینا حرام ہے۔

اُس کا شوہر کہہ رہا تھا: صفیہ! تم صبر کرو، یزید ہماری طاقت سے بے خبر نہیں۔وہ امام حسین علیہ السلام کے بعد ایک نیا فتنہ جگانا نہیں چاہتا۔میں اُسے خط لکھتا ہوں، وہ مختار کی رہائی کا حکم دینے سے انکار نہیں کرے گا۔لیکن بہن کو تسلی نہ ہوئی۔اُس نے بھائی کے فراق میں اور اُس کی بیٹیوں نے ماموں کے غم میں اپنے سر کے بال نوچ لئے اور عبداللہ سے کہا: اپنے خط کے ساتھ ہمارے بال بھی ایک سیاہ تھیلی میں بند کر کے بھیج دینا کہ اس بے رحم کا پتھر دل پگھل جائے۔

عبداللہ نے خط لکھا، بیوی اور بچیوں کے بالوں سے بھری تھیلی کثیر کے حوالے کی اور کہا: اے فاضل محترم! خط کے ساتھ یہ تھیلی بھی یزید پلید کی نذر کر دینا اور کہنا کہ یہ مختار کی بہن کے غم کا زندہ ثبوت ہے۔

غمزدہ صفیہ کی دعائیں لے کر کثیر بن عامر نے دمشق کا رُخ کیا۔

اٹھارہ دن ___ ایک نہیں، دو نہیں ___ پورے اٹھارہ دن گزر گئے، کثیر ہمدانی ہر صبح نماز سے فارغ ہونے کے بعد دریدہ پر جاتا لیکن پہرے دار روک لیتے۔انتظار کی بھی کوئی حد ہوتی ہے، کثیر کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔وہ بیقرار و مضطرب رہنے لگا۔ایک سبزی فروش نے، جو یزید کے محل میں ترکاری پہنچاتا تھا، اس مردِ مؤمن کو مغموم دیکھ کر پوچھا: اے اجنبی! تمہارے غم کا سبب کیا ہے؟ تم زاہد و پاکباز نظر آتے ہو اور معلوم ہوتا ہے کہ تم آلِ محمدؐ کے پیارے ہو، کیا تمہارے غم کا سبب شہادتِ حسینؑ ہے یا کچھ اور بھی؟

یہ کہتے کہتے وہ سبزی فروش بے اختیار رو دیا۔ کثیر نے اُسے ہمدرد پا کر اپنا راز اُس سے کہہ دیا۔ سبزی فروش بولا: یہ کام تو چنداں مشکل نہیں، میں کل ہی تمہیں محل میں پہنچا دوں گا۔ یزید کا ایک سیاہ پوش غلام محبِّ اہلِ بیتؑ ہے، اُس سے ملنا، وہ تمہیں یزید کے سامنے پیش کر دے گا۔

خوشی کے مارے معلمِ کوفہ کی باچھیں کھل گئیں۔ آخر وہ وقت آ ہی گیا جس کیلئے اُس نے طویل مسافت کی کٹھن منزلیں طے کی تھیں۔

اگلی صبح نماز سے فراغت پا کر وہ سبزی فروش کے ساتھ محل میں داخل ہوا۔ یزید کے سیاہ پوش غلام کو ڈھونڈنے میں زیادہ دقت نہ ہوئی۔ لیکن وہ سخت متحیر ہوا جب اُس نے دیکھا کہ وہ اس کی طرف بڑھا اور بولا: بھائی! تم اٹھارہ دن تک کہاں رہے؟ اتنے دن تمہارے انتظار میں میری تو آنکھیں تھک گئیں؟

عبداللہ کا ایلچی سخت حیران ہوا اور خوفزدہ بھی کہ یاالٰہی! یہ کیا ماجرا ہے؟ اس شخص سے کسی نے کہہ دیا کہ میں اٹھارہ روز سے یہاں ہوں۔ اسے گھبرایا ہوا دیکھ کر اُس شخص نے کہا کہ حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے، اٹھارہ دن قبل میں نے امام حسین علیہ السلام کو دیکھا کہ اُنؑ کے گلوئے مبارک سے خون کے فوارے چھوٹ رہے تھے۔ خواب میں دیکھا، مجھ سے فرمانے لگے کہ مختار کی رہائی کیلئے ایک ایلچی یہاں آ رہا ہے، اُسے یزید کے پاس لے آؤ اور اُس کی حاجت پوری کرو۔ میں اُسی دن سے تمہارا منتظر تھا۔

یہ سن کر معلم پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ وہ سسکیاں بھر بھر کر رونے لگا۔ جبِ آنسوؤں کے تو سیاہ پوش غلام اُسے یزید کے پاس لے گیا۔ یزید نے خط پڑھا اور معلم سے پوچھا: کیا یہ خط تم لائے ہو؟ سیاہ پوش غلام بول اُٹھا: ہاں! یہی لایا ہوں لیکن کیا جناب کو یاد ہے کہ حضور نے میری حاجت روائی کا وعدہ کیا تھا؟ آج وہ قول پورا کیجئے۔

مگر غلام اپنی بات پر بضد رہا۔ یزید نے کچھ دیر سوچا، اُسے مستقبل کی بھیانک تصویر نظر آ رہی تھی۔ کون جانے اس درخواست کو نامنظور کرنے سے حسینؑ کے قتل کے خلاف بے چینی کی دبی ہوئی آگ پھر سلگ اُٹھے۔ اس نے قلم ہاتھ میں لیا اور مختار کی رہائی کا حکم نامہ لکھ دیا۔ یزید کا یہ فیصلہ ایک سیاسی مصلحت پر مبنی تھا اور سمجھتا تھا کہ اس نے اپنی دور اندیشی سے سلطنتِ شام کا تختہ اُلٹنے سے بچا لیا اور اب خوف نہ رہا تھا۔

اُس کی بیوقوفی کہ وہ سب کچھ جاننے کا بہانہ کرتا تھا لیکن تقدیر کا پھندہ کتنا مضبوط ہے، یہ اُسے معلوم نہ تھا۔ اگر وہ یہ جانتا کہ مختار کی رہائی کا حکم دے کر وہ اپنی موت کے پروانے پر دستخط کر رہا ہے، تو ____

لیکن قسمت اپنے شکار پر ہمیشہ لاعلمی میں وار کرتی ہے۔ جب ابن زیاد نے یہ حکم نامہ پڑھا تو سر پیٹ لیا اور کہا: بس! اب میرا انجام نزدیک آ گیا ہے اور وقت نے بتا دیا کہ اُس کے اندیشے غلط نہ تھے۔

❁ ❁ ❁

# انقلابِ مختار

ایک حاکم اپنے بہنوئی کو قتل کردے، بہن کی مانگ اُجاڑ دے، ہمشیرہ کا سہاگ چھین لے، اس سے بڑی اذیت اور کیا ہوسکتی ہے؟ لیکن مسلمانوں نے یہ اذیت بھی برداشت کی۔ دکھ بھی گوارا کیا، کیوں؟ محض اس لئے کہ اسلام کی محبت، رسولؐ کا عشق اور اللہ تعالیٰ کا حکم اس کا تقاضا کرتا تھا۔ مسلمان اپنا سب کچھ دے سکتا ہے لیکن اگر اس سے ایمان مانگ لیا جائے تو وہ آگ بگولا ہوجائے گا۔ ایک زخمی شیر کی طرح کانپ اُٹھے گا۔ مرنے مارنے کی تیاری کرنے لگے گا۔ یہی راز ہے دنیا میں اسلام کی کامیابی کا کہ محمد رسولؐ اللہ کے دین کو دوسرے مذاہب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔

امیر مختار کا دورِ حکومت امام حسین علیہ السلام کے قتل کے پانچ سال بعد شروع ہوتا ہے۔ اگر چہ ان کا زمانۂ اقتدار بہت مختصر تھا لیکن اس خادمِ اہلِ بیتؑ نے اس قلیل سی مدت میں بھی وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جن کا ذکر زبان پر آتے ہی آج بھی شیعانِ حیدرؑ کرار پھڑک اُٹھتے ہیں اور جوشِ ایمانی سے دلوں میں ایک طوفان سا پیدا ہوجاتا ہے۔ ہاں! نمودِ اسلام پر مر مٹنے کی، جہاد فی سبیل اللہ میں قربان ہوجانے کی، خونِ شہدائے کربلا کا انتقام لینے کی بیتاب خواہش تڑپ اُٹھتی ہے۔ امیر مختار کی حمیت یہ گوارا نہ کرسکی کہ اس کی نیام میں تلوار اور اُس کے بازوؤں میں طاقت ہو اور قاتلانِ سبطِ رسولؐ خدا عظیم ترین گناہ کے مرتکب ہوکر بھی صحیح اسلامی سینۂ گیتی کو پامال کرتے رہیں۔ اُس نے چن چن کر اشقیاء کو مارا۔ کسی سے رعایت نہیں کی اور اس قتلِ عام میں اس کے اپنے اقارب بھی کشتۂ تیغ ہوگئے۔ اس آتشِ انتقام میں اس کے اپنے خویش واعزا بھی جل گئے۔ اس طوفان میں اس کے اپنے پرائے سب بہہ گئے۔

عمرو بن سعد امیر مختار کا بہنوئی تھا۔ اس کی بہن کا سرتاج، لیکن جب دوسروں کی بہنوں کے شوہر قتل ہو رہے ہوں، جب دوسروں کی بیویوں کے بھائی تلوار کے گھاٹ اتارے جارہے ہوں، جب عبداللہ کامل جیسے نمک حلال اور وفادارِ حکومت درباری سالے کو بھی نہ بخشا گیا ہو، اس صورت میں امیر کے اپنے بہنوئی کے بچنے کی کیا اُمید ہوسکتی ہے؟

اور عمرو تو سب سے زیادہ گناہگار تھا۔ کیا اُسی نے لشکرِ حسینؑ پر فرات کا پانی بند نہ کیا تھا؟ کیا اُسی نے شہیدِ کربلا کے لشکر پر تیر پھینک کر مدینہ کے غریب الوطنوں کو جنگ کی دعوت نہ دی تھی؟ کیا اسی نے حسینؑ مظلوم کو تیروں کی بارش میں فریضہ نماز ادا کرنے پر مجبور نہ کیا تھا؟ کیا اسی نے تشنہ لب اصغر کو ایک گھونٹ پانی پلانے کی بجائے ہدفِ تیر نہ بنایا تھا؟ کیا اسی کے حکم سے سبطِ رسولؐ کی نعش مبارک کو گھوڑوں کے سموں تلے روندا نہ گیا تھا؟ اور کیا اسی کے حکم سے خیامِ اہلِ بیتؑ جلائے نہ گئے تھے؟ سیدانیوں کو ذلیل و رسوا نہ کیا تھا؟ امام زین العابدین علیہ السلام کو زنجیروں کا طوق نہ پہنایا گیا تھا؟

پھر امیر مختار اسے کیسے چھوڑ دیتا؟ عمرو کو خوب معلوم تھا کہ فرمانِ رسولؐ کے مطابق حسینؑ کو ایذا دینا ایک ایسا گناہ ہے جس کیلئے کوئی

عافی نہیں، کوئی کفارہ نہیں، کوئی شفاعت نہیں۔ وہ ایک صحابیِ رسولؐ کا فرزند تھا اور اُس نے دیدہ و دانستہ امامِ برحق کے خون سے ہاتھ رنگا۔ اندریں حالات مختار اسلام سے غداری کرتا، احکامِ رسولؐ سے منہ موڑتا، رضائے الٰہی کے خلاف بغاوت کرتا؟ وہ اس ملعون کو محض اس لئے چھوڑ دیتا کہ وہ اس کا بہنوئی ہے اور اس وجہ سے اس کے نزدیک قابلِ عزت واحترام ہے؟ مختار نے وہی کیا جو اُسے کرنا چاہئے تھا۔ سرتن سے علیحدہ ہو کر زمین پر گر پڑا۔

اپنے باپ کے قتل کی خبر سن کر عمرو بن سعد کا بڑا فرزند وہاں آیا اور رونے لگا۔ سپاہی اُسے امیر کے پاس لے گیا۔ مختار نے دریافت کیا: اے ابن ملکیا! تو اس وقت بھی رویا تھا جب تیرا باپ حسینؑ کا سر لے کر فاتحانہ طور پر کوفہ میں داخل ہوا تھا؟

اُس نے کہا: یا امیر! اُس وقت میں نہیں رویا تھا۔ روتا بھی کیونکر جبکہ حسینؑ سے میرا کوئی خونی رشتہ نہ تھا؟

امیر نے اُسی وقت کافر باپ کے کافر بیٹے کو قتل کروادیا اور کہا: جو آنکھ حسینؑ کی شہادت پر پُرنم نہیں ہوئی، وہ اس قابل ہے کہ اُسے تلوار کی نوک سے نکال پھینکا جائے۔

اس کے بعد عمرو بن سعد کے چھوٹے بیٹے کی باری آئی۔ وہ صاحبِ ایمان تھا۔ اپنے باپ اور برادرِ اکبر کے سر دیکھ کر مطمئن ہوا اور بولا: یا امیر! میں نے اپنے پدرِ ناہنجار کو بہت سمجھایا کہ دنیا کیلئے دین بگاڑنا اور ایمان فروخت کر کے دنیا خریدنا مناسب نہیں لیکن اُس نے ایک نہ سنی۔ اُس نے جیسا کیا، ویسا پایا۔

امیر مختار کو عمرو بن سعد کے خاندان سے ذاتی عناد نہ تھا۔ اُسے اگر بیر تھا تو کفر سے۔ وہ محبِّ رسولؐ واہلِ بیتؑ تھا۔ اُس نے چھوٹے لڑکے کو چھوڑ دیا اور کہا: جا! میں نے تجھے چھوڑا۔ میرے نزدیک روا نہیں کہ تو محبِّ حسینؑ ہے، نہ کہ اپنے باپ کی طرح دشمنِ آلِ رسولؐ۔

مختار نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اُس نے اپنے بہنوئی کو قتل کروادیا لیکن دشمنِ ایمان کے فرزند کو چھوڑ دیا۔ ایک سچے مسلمان کیلئے ایمان ہی سب سے بڑی کسوٹی ہے اور حُبِ دین ہی سب سے بڑی سفارش۔

اس کے برعکس عمرو بن سعد کا جو انجام ہوا، خدا وہ کسی کو نصیب نہ کرے۔ مختار وحشی نہ تھا، جابر نہ تھا، بربریت پسند بھی نہیں تھا لیکن انتقامِ حسینؑ کی آگ اُس کے دل میں کچھ اس طرح بھڑک رہی تھی کہ عمرو بن سعد کو کفن دفن بھی نصیب نہ ہوا۔ اُس کا ناپاک جسم ایک ناکارہ شے کی طرح کوڑے کرکٹ کی طرح پھینک دیا گیا اور جلد ہی اس میں کیڑے پڑ گئے۔ لوگ اُسے دیکھتے تھے، اس پر تھوکتے تھے، لعنت بھیجتے تھے اور کہتے تھے: اچھا ہوا، یہ مردود اسی سلوک کا مستحق تھا۔

❁ ❁ ❁

ملنے کا پتہ
دینی کتب کے لیے آپ کا اپنا مرکز
کریم پبلیکیشنز
سمیع سینٹر 38 اردو بازار لاہور
فون 042-7122772
ہدیہ 275 روپے